

امداد الفتاویٰ

کے مصنف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

کی

مختصر سوانح حیات

از

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

باہتمام

محل قاسم گلگتی

ناشر

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ترجمۃ المؤلف

یعنی مختصر سوانح حیات حضرت حکیم الامت قدس سرہ مصنف ادا القاموسی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ۔ اُن یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانہ کی تاریخ میں گنتی جی ہو کرتی ہیں۔ آپ کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھانا بھی کسی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت قدس سرہ نے اپنے عنایت احتیاط و تقویٰ اور مریدین و معتقدین کے غلو کے خطرہ سے بچنے کے لئے یہ وصیت شائع فرمادی تھی کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے لیکن اس وصیت کی تعمیل کے نتیجہ میں بلاشبہ مسلمان ایک بڑی خیر و برکت اور بہت سی اہم مفید چیزوں سے محروم رہ جائے۔ اسی لئے خدام نے خود حضرت قدس سرہ درخواست کی کہ اگر آپ کے سامنے کوئی صاحب احتیاط کے ساتھ آپ کی سیرت لکھیں اور آپ خود اس پر نظر فرما کر غلو اور نامناسب چیزوں کی اصلاح فرمادیں تو وصیت کا منشا بھی پورا ہو جائے گا اور سوانح سے جو فائدہ مسلمانوں کو عموماً اور معتقدین کو خصوصاً پہنچ سکتا ہے۔ اس کا راستہ بھی مسدود نہ ہو گا۔

حضرت ح کو غایت تواضع کی وجہ سے جیسے یہ پسند نہ تھا کہ آپ کی سیرت و سوانح شائع ہو اسی طرح لغادہ خلق کی حرص بھی بہت تھی جو وراثت نبوت سے حصہ میں آئی تھی اس لئے اس کی اجازت دیدی۔ اور حضرت کے خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب مرحوم ہوا اس کی تصنیف کا قرضہ فال نکلا۔ آپ اشرف السوانح نام کی تین ضخیم جلدوں میں یہ سیرت مکمل تحریر فرمائی۔ مگر زمانہ تصنیف میں حضرت کی نظر و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا جو تھی جلد تکمیل السوانح کے نام سے وفات کے بعد شائع کی گئی۔

اس طرح یہ نہایت مفید معلومات اور ارشادات کا خزانہ چار جلدوں میں مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد متعدد حضرات نے اس کی تلخیص و اختصار بھی اپنے اپنے طرز پر لکھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ظہم پر متعدد حضرات نے حضرت کا مختصر ترجمہ لکھنے کے لئے فرمایا مگر موصوفت بوجہ هجوم مشاغل مجھے اس کام کے لئے مامور فرمایا کہ اشرف السوانح میں سے مختصر حالات کا انتخاب لکھ کر پیش کر دوں۔ تبیل حکم اور تحصیل سعادت کے لئے سطور ذیل لکھ کر پیش کر دی اور آپ کے ملاحظہ کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیع

دارالعلوم کراچی

نسب اشرف۔ ولادت اوزنچین

۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بروز چہار شنبہ کو صبح صادق کے ساتھ ساتھ ایک اور حقیقی صبح طلوع ہوئی اور حضرت حکیم الامتہ رحمہ اللہ افروز ہوئے۔ اس سال کا مادہ تاریخ کو ”عظیمہ“ بھی خوب نکلا جو ہر لحاظ سے کم عظیم اور بالکل واقع کے مطابق ہے۔

آپ کی عمر ابھی چودہ ہی تھی کہ آپ کے چھوٹے بھائی اکبر علی مرحوم کی ولادت ہوئی۔ اس آپ کو دودھ پلانے کے لئے اتار رکھی گئی۔ اور اس کے بعد اسی نے دودھ سے آپ کی پرورش ہوئی۔ ابھی آپ اپنی عمر کی صرف پانچ منزلیں طے کر پائے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہنے لگے۔ آپ کے والد کو آپ سے والدہ سے بھی زیادہ محبت تھی جس کی وجہ سے آپ نے ان کو بہت ناز و نعم میں پالا۔ اور تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ اور اس اعزاز سے تربیت کی کہ حضرت رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں۔

”تواضع میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوئی اس میں کبھی شریک نہ ہونے دیتے بلکہ اس روز خود بازار سے مٹھائی منگو کر اس سے زیادہ کھلا دیتے اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی کی نیت سے جانا بے غیرتی کی بات ہے، اس خوبی کے ساتھ ہم لوگوں کو حرص سے بچاتے اور غیرت سکھاتے تھے۔“ (اشرف السوانح ص ۱۱۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خود ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ کبھی عام لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھے۔ ناز کا بچپن ہی سے اتنا شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی ناز ہی کی نقل اُتارتے۔ اور کبھی بازار کی طرف جانا ہوتا اور کوئی سجدہ راستے میں پڑتی تو اس کے منبر پر جا کر بیٹھتے اور خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر واپس آ جاتے۔ اس کے علاوہ بچپن کی وہ شوخیاں جو عہد طفولیت کے ساتھ خاصہ لازمہ سمجھی جاتی ہیں وہ بھی حضرت رحمہ اللہ کے اندر محدود نہ تھیں بلکہ حضرت رحمہ اللہ خود فرمایا کرتے تھے۔

حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا مگر آجکل کے بچوں کیسی گندی شرارتیں ہوتی تھیں۔ اس لئے سب کو بجائے ناگوار ہونے سے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ (اشرف السوانح ص ۱۱۲)

بارہ تیرہ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ لیکن اسی عمر سے آپ کو مولانا فتح محمد رحمہ اللہ کے فیض و محبت کی وجہ سے ”ملک نیم شب“ کی غیر فانی لذتوں کا ادراک ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ پچھلی رات سے اٹھ بیٹھے اور تعجب و دُعا نے میں مشغول ہو جاتے۔ تائی صاحبہ اس سے بہت کڑھتیں اور سمجھاتیں کہ بیٹا تم ابھی تہجد کے مکلف نہیں ہو۔ لیکن

زائنگہ کہ یا قسم خبر از ملک نیم شب من ملک نیم روز برانگے نمی خرم
حضرت رحمہ اللہ میں اس عمل کا اتنا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ سنی اُن سنی کر دیتے اور باز آتے۔

لطف طبع کا یہ عالم تھا کہ کسی کا ننگا پیٹ نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر دیکھ لیتے تو فوراً تے ہو جاتی لڑکے پریشان کرنے کی غرض سے پیٹ کھول کر دکھلاتے اور آپ تے کرتے کرتے پریشان ہو جاتے بدبو کا تو ذکر ہی کیا۔ تیز خوشبو بھی برداشت نہ ہوتی تھی۔

حصولِ علم کیا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھان بھون اگر پڑھیں۔ اور اپنے ماموں سے فارسی کی انتہائی کتب ابوالفضل وغیرہ اس طرح پڑھیں کہ آپ کو فارسی میں پوری دستگاہ حاصل ہو گئی۔ طاب علمی ہی کے زمانہ میں جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال کی تھی آپ کو مرض غاش لاحق ہوا تو وطن تشریف لائے اور بطور مشغلہ اشعار پر مشتمل "ثنوی زیروہم" تصنیف فرمائی۔ جو حضرت رحمتہ اللہ کی پہلی تصنیف ہے۔

ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ کے اوائل میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ستر سالہ کے شرع میں جبکہ آپ کی عمر صرف انیس یا بیس سال تھی اور چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا تھا آپ تحصیل علوم کی تکمیل کر کے افاوق خلق کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ زمانہ طاب علمی میں طلباء حتیٰ کہ اعزہ تک سے الگ تعلق رہتے۔ البتہ اسباق مطالعہ سے ذرا فرمت ملتی تو اپنے استاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں جا بیٹھتے حتیٰ کہ آپ مدرسے سے باہر اپنے رشتہ داروں سے بھی ملنے نہ جاتے تھے جن کا قیام دیوبند میں تھا۔ اور اکثر حضرت جیسے تقاضا کرتے رہتے تھے۔ کہ تم مدرسہ میں کیوں کھانا کھاتے ہو۔ یہاں کھانا کرو۔ لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ آخر بہت اصرار پر اپنے والد صاحب کو بکھا کر کیا گیا جانے۔ تو انہوں نے ایک دانٹ کا خط بھیجا کہ تم وہاں رشتہ داروں سے جملانے لگے ہو یا طاب علمی کو کہ۔ تب آپ نے بالکل سرے سے میل جول ہی ترک فرمادیا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ جب طلباء کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لئے تشریف لائے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کی ذہانت و کثرت کی بطور خاص تعریف کی۔ چنانچہ حضرت گنگوہی نے آپ سے مشکل مشکل سوالات کئے اور ان کے صحیح جوابات شکر سرور ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ بحیثیت طاب علمی بھی حضرت والا اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی، ذہانت و فطانت اور منطق و معقول میں کمال بہارت کا یہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی غیر مذہب والا مناظرہ کرتے آتا۔ حضرت ج فوریاً پہنچ جاتے اور اس کو مغلوب کر دیتے۔ آپ کے استاد مولانا سید احمد صاحب ہلوی نے سکندر نامہ میں امتحان لیا۔ اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ استاد کا بتایا ہوا مطلب محفوظ تھا۔ آپ نے اپنی طرف سے ایک مطلب بیان کیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اور کوئی بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ حضرت والا نے دوسرا مطلب بیان کر دیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اور کوئی بھی مطلب ہو سکتا ہے تو حضرت ج نے تیسرا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک مطلب بھی صحیح نہیں مگر تمہاری ذہانت پر غبرور ہوتا ہوں۔

اس ذہانت اور استعداد کے باوجود اس پر غرور و مباہلات تو کجا۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت والا کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہی رحمہ کے مقدس ہاتھوں سے سنتا ہوا ہوا۔ اس سال دیوبند میں بڑا شاندار جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ حضرت والا نے جب دستار بند ہوئے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائیگی۔ اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے ورنہ دوسرے کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دیجیے۔ یہ سنکر مولانا رحمہ کو جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے نہیں بنی ہنس کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ باہر جاؤ گے تو بت نہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جادو گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سب میدان صاف ہے اطمینان رکھو! شرف اسوۂ طہ و طہ رحمہ چنانچہ آئندہ ہمیشہ آئے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مولانا رحمہ کی یہ بصیرت پیشنگوئی کس قدر صحیح اور واقعی تھی۔

اس کی بڑی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ حضرت رحمہ کو اساتذہ بھی ایسے ملے تھے کہ "ابن خازمہ اساتذہ کرام" آفتاب ستارے کے بصدائق ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر آفتاب و اجتاب تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمد الحسن قدس سرہ۔ حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمہ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ ان میں سے ہر ایک علم کا بہتا ہوا دریا اور آسمان علم و عمل پر ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ اس کا وقت اور ضرورت تھی کہ آپ رحمہ نے دارالعلوم کی درس و تدریس مبارک فضا میں رہ کر جو فیض حاصل کیا تھا اس کو عام کیا جائے۔ تو قدرت نے اس کے اسباب ہتیا فرمائے۔ کانپور میں سب سے قدیم دینی مدرسہ "فیض عام" تھا جس کے صدر مدرس جناب مولانا احمد حسن صاحب رحمہ جو اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں سے تھے وہ کسی سبب کی بنا پر مستعفی ہو کر چلے گئے اور علیحدہ دارالعلوم قائم کر لیا۔ ان کے تخریص علمی کے پیش نظر کسی کو ان کی سند پر پیچھے کی عزت نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ علیہ کو اس کا کچھ علم نہ تھا۔ ہذا جب دہلی سے ایک مدرس کی طلبی ہوئی تو بارشاد اساتذہ کرام اور باجائز والد ماجد بے تانی تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کر دیا۔ تنخواہ پیش رو پہ ماہوار مقرر ہوئی۔ جو اگرچہ اس زمانے کے لحاظ سے کچھ ایسی کم نہ تھی لیکن حضرت رحمہ کے کمالات و والد ماجد کے تمول کے پیش نظر کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ علیہ نے اس کو بھی بہت سمجھا کیونکہ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی طالب علمی میں تدریس کے بارے میں سوچتا تھا تو دس روپیہ زیادہ تنخواہ پر نظر نہ جاتی تھی نہ دس سے زیادہ کا خور کو مستحق سمجھتا تھا۔ گو

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بالکل نوجوان اور سبزہ آغاز تھے لیکن کانپور پہونچکر وہاں کے جلد مدرسین وغیرہ میں بہت جلد شہرت ہو گئی اور عمومی طور سے پردہ عزیز ہو گئے۔ یہاں تک کہ مولانا احرص صاحب بھی محبت و وفات سے پیش آنے لگے ابھی یہاں کام کرتے ہوئے تین چار مہینہ ہی گزر پائے تھے کہ آپ کی غیر معمولی قابلیت کے پیش نظر تنظیم مدرسہ نے چاہا کہ حضرت اپنے موعظ میں مدرسہ کی امداد کے لئے چندہ کی تحریک بھی کیا کریں اسے حضرت تقاضا فرمایا کہ غیبت دینی کے خلاف سمجھا۔ اس لئے آپ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اراکین مدرسہ نے اس کی آپس میں بیعت کر کچھ شکایت کی تو اس کی اطلاع حضرت کو بھی ہو گئی اس پر آپ نے ارشاد فرمایا یہ میرا کام نہیں بلکہ خود اراکین مدرسہ کا کام ہے میرا کام تو فقط پڑھانا ہے۔ مگر اراکین مدرسہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اوسہ اس کا چرچا کرنے لگے تب آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور آپ نے وہاں سے استعفیٰ دیدیا اور واپسی وطن کا قصد فرمایا۔ روانگی سے قبل آپ مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی زیارت کی غرض سے گنج مراد آباد تشریف لے گئے کہ مبادا پھر اس طرف آنا نہو اگرچہ جوہر ناشناس اراکین نے حضرت تقاضا فرمایا جیسا گوہر بے بہا ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ مگر اہل شہر آپ کے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان سے یہ صدمہ مفارقت برداشت نہوسکا اور انہوں نے آپ کو واپس لانے کی تجاویز سوچنی شروع کر دیں۔ معززین شہر میں سے عبدالرحمن خاں صاحب اور حاجی کفایت اللہ صاحب کو آپ کے بے انتہا عقیدت تھی۔ چنانچہ انہوں نے کانپور کے محلہ ٹیکا پور کی جامع مسجد میں جدید مدرسہ کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اور تنخواہ اپنے پاس سے ادا کر نیک فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب آپ گنج مراد آباد سے واپس کانپور تشریف لائے تو ان دونوں نے آپ کو باہر روک لیا اور آپ نے بھی انہماک سے پیش نظر وہاں درس دینا منظور فرمایا۔ اور اس کا نام خود ”جامع احلوم“ تجویز فرمایا۔ آپ کے تدریس کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ بات دہن میں اترتی ہی چلی جاتی تھی جو کوئی طالب علم دو چار سبق پڑھ لیتا پھر دوسرے سے اس کی تفسیح ہوتی۔ آپ شکل سے شکل مسئلہ کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے اور طلباء کے اذعان میں بھٹلا دیتے آخر اسی انداز میں مسلسل ۱۴ سال درس دیا۔ اور موعظ - افتاء - تصانیف کا سلسلہ بھی اس کے ساتھ جاری رہا اور آخر کار صفر ۱۳۱۷ھ کے آخر میں اپنے پیر و شہر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کے مشورہ سے کانپور سے قطع تعلق کر کے اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہوئے حضرت حاجی صاحب رح اس پر سترت کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔“

(۱) اشرف السوانح صفحہ ۱۹ ج ۱ بحوالہ مکتوبات امدادیہ ص ۳۶

اس چودہ سالہ عرصہ میں آپ کے دریائے علم سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے جن میں حضرت مولانا محمد اسحق برودانی - مولانا محمد رشید کانپوری - مولانا احمد علی فچپوری - مولانا ظفر احمد صاحب شامی - نقانوی - مولانا صادق البقین کرسوی - مولانا شاہ لطف الرسول بارہ بنکی - مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری - مولانا فضل حق بارہ بنکی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

استفادہ باطنی عقل پرستوں اور ماہرین تعلیم و نفسیات پر تو اب یہ راز منکشف ہوا کہ صرف کتابوں اور امان کے پڑھنے پڑھانے سے ذہنیتیں تبدیل نہیں ہوا کرتیں تا وقتیکہ اس غرض کے لئے ایک مخصوص ماحول یا تربیت لگا ہو پیدائش کی جائیں، جن میں کچھ عرصہ کیلئے طلباء کیسورہ کر ایک مشترک زاویہ نگاہ کے تحت زندگی بسر کرنا سیکھیں۔ لیکن شیخ نبوت کے پردے اس راز کو روز اول ہی سے پاگئے تھے چنانچہ وہ اپنا زیادہ تر وقت مجلس نبوی میں گزارتے - اور اسلامی تعلیمات کی عملی تربیت حاصل کرتے - اطحاب حلقہ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے - اسی لئے شروع ہی سے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور اس سے فیض یاب ہونے کا طریقہ اسلام میں برسرکار رہا ہے۔ کیونکہ علم و معرفت کے جو اسرار اس سے حاصل ہو سکے ہیں - وہ اوراق سے ممکن نہیں - اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے :-

کورس تو لفظ ہی سمجھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں

چنانچہ حضرت نقانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحبت اہل اللہ سے نہایت دلچسپی اور اس کی طرف کمال ذوق و شوق تھا۔ آپ سلف صالحین کے حالات و تذکرہ جات بھی بڑے جھوم جھوم کر سناتے اور فرمایا کرتے تھے اور یہ حضرات اہل سکوت تھے ان کے تذکروں میں بھی اثر ہے کہ سو کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں صحبت الہی پیدا نہ ہو۔ (اخراف السوانح ص ۱۹ ج ۱)

حضرت رح اپنے زمانے کے تمام بزرگان دین سے ملے ہیں - اور ہر ایک سے دعا - توجہ اور لطف و عنایت کے ذریعہ استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ کے حلقہ توجہ میں شریک ہے فرماتے ہیں کہ :-

اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ بائیں پاکی صاف ہو گیا ہوں۔

اسی طرح آپ شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رح اور شاہ ابو حامد صاحب بھوپالی رح (جو سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے درجہ کے بزرگ تھے) کی زیارت سے بھی شرف رہے۔

صوفی شاہ سلیمان صاحب لاچپوری رح حضرت شیخ مولانا فتح محمد صاحب نقانوی رح مولانا محمد یعقوب صاحب ناٹوتوی رح - حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح - حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رح -

ان سب حضرات سے شرف ملاقات اور استفادہ اس انداز میں ہوا کہ ان میں سے ہر ایک

آپ کی زبانت - قابلیت اور علی بلند مقامی کا معترف تھا۔

بیعت

ایک مرتبہ حضرت رح طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح دیوبند تشریف لائے تو حضرت رح اشتیاق سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے شوق نے بے قابو کر دیا تھا۔ یادوں بے اختیار پھسل پڑا حضرت گنگوہی رح نے تمام لیاگو بیعت اور اسکی حقیقت سے نا آشنا تھے مگر کشش کچھ اس درجہ بڑھی کہ بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت گنگوہی رح نے دوران طالب علمی میں اس کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرمادیا، لیکن خاطر اشرف میں یہ خیال بصورت حسرت و یا اس پرورش پاتا رہا۔ اور جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہی رح عازم حج ہوئے تو خود انہی کے ذریعہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض نہ گزرا تا کہ ”آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھے بیعت کر لیں“۔ نہ جانے دونوں رح عافین میں کیا راز و نیاز رہا۔ بظاہر یہی ہوا کہ حضرت حاجی صاحب رح نے جواب میں خود ہی بیعت فرما لیا۔ عارف باللہ حضرت حاجی صاحب رح نے کہ معظمہ سے تھا نہ بھون کے اس درشہوار کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا تھا فوی رح بھی طالب علم ہی تھے کہ حضرت رح نے آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ ترجیح کو آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو ساتھ لیتے آنا“

چنانچہ سوال سلسلہ ہم میں جبکہ مجدد الملت طالب علمی کی زندگی ختم فرما کر کان پور میں اس دتہ ریس میں مصروف تھے۔ سفر حج کے سامان ہوتا ہو گئے۔ اور آپ اپنے والد کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ کہ معظمہ بعد اشتیاق ہوئے اور شیخ قدس سرہ کو مسرور فرما دست بدست نعمت بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ رح نے چھ مہینے کے لئے روکنا چاہا۔ مگر والد کو مفارقت گوارا نہ ہوئی۔ اس لئے آپ نے اطاعت والد کو مقدم سمجھتے ہوئے جانے کی اجازت دیدی لیکن ہندوستان پہونچ کر بھی حضرت کو چین نہ آیا اور یہ الفاظ مبارک ان کے کانوں میں گونجنے لگے کہ :-

”نبیال اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ“ چنانچہ سلسلہ ہم میں آپ نے دوبارہ غم فرمایا اور کہ معظمہ تشریف لے جا کر صحبت خاص کی اس نعمت بے بہا سے مشریت ہوئے جو عرصہ سے مرشد و مندرشدہ کے دنوں میں ایک متمنا بنکر پرورش پا رہی تھی۔

اور حضرت حاجی رح صاحب کی قوت افاضہ اور اوہر حضرت والد رح کی قابلیت استفادہ میں تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہو گئی کہ حضرت حاجی صاحب رح فرماتے کہ کہیں تم میرے پورے پورے طریق پر ہو۔ غرض اس طرح سلسلہ ہم میں حضرت والد رح حضرت حاجی صاحب رح کے رنگ میں پوری پوری طسرح رنگ کر اور باطنی دولتوں سے بہرہ ور ہو کر پھر وطن موٹ آئے۔

خدمت مرشدہ سے واپس آکر حضرت رح کچھ روز نوکان پور میں مدرسے کے کام میں مشغول رہے۔ اور پھر سلسلہ ہم میں ان تفصیلات کے تحت جو اوپر مذکور

مستدراشاد

یہ اس سلسلہ سے تماشہ تفصیل واقعات کے لئے ملاحظہ ہوا حضرت اسوآج رح (۱) س ۱۶۳ تا آخر ۱۲ محمد تقی

ہوئیں مستقل طور پر تھانہ بھون میں بارشاد مرشد قیام فرمایا اور یہیں سے کہ آپ کے مقصد زندگی کا وہ اہم ترین دور شروع ہوا۔

چنانچہ حضرت والا نے تھانہ بھون کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دولت اور ثروت اور تمام دنیوی آرائشوں کو ترک کر کے بھی وہ بارشاہت کی جو کسی کے حصہ میں کم آتی ہے۔ ہندوستان بلکہ ہر چہار جانب سے لوگ پروانہ وار آئے اور اس شمع خیاں پاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی حاصل کر کے لے گئے۔

تسخن جہان عشق کی آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ تھانہ بھون کے لئے ایک مستقل ریلوے اسٹیشن بنانا پڑا۔ اور خانقاہ امدادیہ کی اس ”دوکان معرفت“ پر اس قدر ہجوم ہوا جو شاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے بعد اپنی نظیر آپ تھا۔

رشد ہدایت کا وہ آفتاب جو سنہ ۱۲۸۵ھ میں تھانہ بھون کے **علامت و رحلت** مطلع سے نمودار ہوا اور سنہ ۱۲۸۷ھ سے ہندوستان کے طول و عرض میں شریعت و طریقت کے انوار پھیلاتا رہا آخر کار سنہ ۱۳۱۳ھ میں ہمیشہ کے لئے نظردوں سے آوجصل ہو گیا۔

سانحہ ارمحال سے تقریباً پانچ سال قبل ہی سے معذہ وجہ کی متعدد بیماریاں چلی جاتی تھیں۔ مختلف اعضا متورم ہو چکے تھے۔ ہر چند علاج معالجہ کے باوجود بھوک تقریباً بند ہو گئی۔ نحیف اور ناتواں اور صاحب فراش ہو گئے۔ اکثر غنودگی کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ لیکن جب بھی ہوش آتا اپنے عارفانہ کلمات اور خطوط کے جوابات اسی انداز سے ادا فرماتے۔ انہی باتوں کو دیکھ کر یہ عقہہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ ”ربودگی“ کی کیفیات تھیں ورنہ کسی کی عقل مان سکتی ہے۔ اس درجہ کی غنودگی یا نسیم بے ہوشی کے بعد جب آنکھ کھولیں تو زبان اور گفتگو میں غنودگی کا کوئی اثر ہونے کے بجائے حکیمانہ اور عارفانہ ارشادات شروع ہو جائیں۔ بالآخر مرض موت کے دن گزرتے گئے اور دو شنبہ ۱۵ رجب سنہ ۱۲۸۷ھ کی صبح ہی سے مسلسل اسپہال ہونے لگے۔ اسی روز نماز مغرب کے بعد غشی طاری ہوئی تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی اور آواز سے چلتا رہا۔ جب سانس اُپر آتا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی شہادت کی انگلی کے بیچ میں پھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے برقی مچے مانند پڑ جاتے۔ کیا عجب کہ اس نور حقیقی کی مرقی شکل ہو جو ان مبارک انگلیوں کے ذریعہ نصائفت کی شکل میں ظاہر ہوا اور بسا دھنکرو عمل کو متور کر گیا۔ بالآخر ۱۶ ارد ۱۲۸۷ رجب سنہ ۱۲۸۷ھ اور ۱۹ جولائی سنہ ۱۳۱۳ء کی درمیانی رات میں خداوند حکیم و قدوس نے اپنی اس مقدس اور بیش بہا امانت کو واپس لے لیا۔ جو ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۷ھ میں اہل دنیا کو عطا ہوئی تھی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقدس آثار علمیہ و عملیہ | حضرت مجدد الملت رحمہ کے دینی و علمی فیوض و برکات اس قدر مختلف
 ناممکن ہے۔ آپ کی تصانیف ہی کو لے لیجئے جن کی مجموعی تعداد آٹھ سو کے قریب بنتی ہے ان میں
 بعض بعض تو بہت ہی چھوٹے رسائل ہیں۔ جنہیں مقالات کہنا بہتر ہوگا (لیکن درحقیقت یہ مقالات
 بھی اپنے جلو میں اس قدر جامعیت لئے ہوئے ہیں جو ضخیم تصانیف میں بھی شکل ہی سے ملتی ہے)۔
 اور بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ان تصانیف کے موضوعات کو دیکھا جائے تو وقتی ضرورت کا کوئی
 موضوع بھی ایسا سامنے نہیں آتا جن پر آپ کی تصانیف مشتمل ہوں۔ آپ اپنی تصانیف میں ہمیشہ
 اس چیز کا خیال رکھتے کہ جس طبقے کے لئے کتاب لکھی جا رہی ہے انداز بیان بھی اسی کے مناسب ہو
 یہی وجہ ہے کہ علمی مسائل سے متعلق رسالوں اور عوام کے لئے لکھی گئی کتابوں کی زبان اور طرز بیان
 میں بین ذوق نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ عوامی اور سہل کتابوں میں آپ کی مقبول عام اور نہایت
 عظیم المنفع تالیفات ”بہشتی زیور“ اور دوسری طرشد علمی تصانیف میں مبین القرآن۔ اور امداد الفقہاء
 کو دیکھ کر ہوسکتا ہے۔

مواعظ و ملفوظات جن میں سے اکثر حصہ بحمد اللہ شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے انکی چاشنی
 وہی نوگ محسوس کرسکتے ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کی کچھ کتابیں پڑھ لی ہوں ہر دماغ میں مختلف
 الانواع علوم کا ایک سمندر ہے جو ہر چہار طرف ٹھٹھائیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔

خلفائے مجازین | ان کتابوں میں علمی خزانوں کے علاوہ آپ نے علم و عمل کے ایسے
 مجسم خزانے بھی چھوڑے جنہوں نے آپ کی خواہش کے مطابق
 آپ کے بعد بھی چشمہ فیض کو جاری رکھا اور ہزار ہا افراد کو سیراب کیا۔ آپ نے اس خیال
 کے پیش نظر کہ:-

”دین کے جتنے کام میں نے جاری کئے ہوئے ہیں وہ میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں۔
 اور کسی کو میرے نہولنے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ فلاں دین کا کام اب کون کرے گا۔“
 اپنے مسترشدین میں سے ہرکھ پرکھ کو ایسے موتیوں کو منتخب فرمایا کہ جو آپ کے بعد بھی آپ کے
 خلفاء کی حیثیت سے دینی و علمی کاموں میں مشغول رہیں اور بوقت ضرورت دوسرے افراد کو
 بیعت بھی کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں بہت سے بیعت کے خواہش مند لوگوں کو
 ان خلفاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ خلفاء مجازین کی پوری فہرست ان کے مکمل پتے
 کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھتے اور وقتاً فوقتاً ان کو شائع بھی فرماتے رہتے۔

ان خلفاء مجازین کی طویل فہرست میں سے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بھوپور
 ضلع اعظم گڑھ۔ اور حضرت شیخ مولانا مفتی محمد حسن صاحب امت سمری

مہتمم جامعہ شرقیہ لاہور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مہتمم دارالعلوم کراچی)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب - مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مولانا دعی اللہ صاحب (اعظم گڑھ) حضرت مولانا اختر علی صاحب

مہتمم جامعہ اسلامیہ کشور گنج (مشرقی پاکستان) حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری (مہتمم

خیر المدارس ملتان) مولانا عبدالکباری صاحب ندوی - (سلمہم اللہ تعالیٰ و نفع بہم) خاص طور سے

قابل ذکر ہیں۔ جو برصغیر ہند و پاک میں اپنے فیوض علیہ و غلیک سے ایک عالم کو سیراب کر رہے

ہیں۔ اسی طرح خلد آشتیاں مجازین میں سے جو اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبہ مجذوب (صاحب اشرف السوانح) حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب

الہ آبادی۔ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ج۔ حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب

بجنوری ج قدس اللہ اسرار ہم کے اسمائے گرامی سر فہرست ہیں۔

تصوف اور اسکی حقیقت

ایہاں پر ایک اور چیز کو واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر عوام بلکہ خواص میں بھی تصوف کے بارے میں چند

بڑی بنیادی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے انکو اپنی تصانیف و مواظع میں جا بجا دور فرمایا ہے۔

(۱) ایک غلط فہمی تو یہ ہے کہ تصوف کے احکام اور اس کی تعلیمات کتاب و سنت سے اخذ ہونے کے بجائے یا

تراجمی اور بیرونی اثرات سے متاثر ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کیلئے حضرت رحم نے اس کی اصلی اور صحیح تفسیر

کو کتاب و سنت سے جمع کر کے پیش کرینیکا اہتمام پیش فرمایا ہے۔ آپ نے ایک مستقل کتاب مسائل الملوك من

کلام ملک الملوك تصنیف فرمائی جس میں قرآن کریم سے مسائل تصوف کو ثابت فرمایا اور دوسری کتاب

"الشراف بمصنفات احوال التصوف" تصنیف فرمائی جو چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے جس میں

آپ نے وہ تمام احادیث جمع فرمادی ہیں جو تصوف سے متعلق ہیں۔ (۲) دوسری غلط فہمی خود نفس تصوف

کے مفہوم ہی میں واضح ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تصوف شریعت سے بالکل جدا چیز ہے جو تصوف کو اختیار کر کے

اس کے لئے شریعت کے احکام کی پابندی ضروری نہیں ہے حالانکہ یہ بڑی زبردست بنیادی غلطی ہے اسکو بھی حضرت

نے اپنے مواظع اور تالیفات میں جا بجا واضح فرمایا ہے ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اثر درویشوں پر یہ ہوا کہ

شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھے اور حقیقت کو اصلی مقصود اور شریعت کو انتظامی قانون اعتقاد کر لیا۔ علماء سے

نفور ہو گئے واردات و احوال کو منتہی سراج خیال کیا خیالات کو مکاشفات اور مکاشفات کو فرق البقیات الباقین

کیا اسکی میزان شرع میں زن کر نیکی ضرورت نہ علم سے پیش کر نیکی حاجت (تعلیم الدین ص ۳) غالی صوفی کہتے ہیں قرآن

حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہوا نکلے نزدیک نمود اللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں (شریعت طریقت)

حضرت تھانوی کی سوانح میں انکے تنظیم کا کار کا باب ایک ایسا باب ہے

نظام الاوقات و محمولات جو نہایت سبق آموز ہے حضرت مجدد الملت ج کے مرت علمی و عملی

کارناموں کو پڑھنے والا بسا اوقات یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ ایک ایسی شخصیت جسکو شب و روز اس درجہ کی مصروفیت

لاحقی ہوں نہ صرف انہی مشغولیات کا ہو کر رہ گیا ہو گا نہ اسکو گھر والوں کے پاس بیٹھ کر ان کے احوال سننے کا موقع

ملتا ہو گا نہ کسی سے خوش طبعی کے ساتھ گفتگو کے قابل ہو گا لیکن آپ کے معمولات کو دیکھنے سے آپ کی اس کرامت کا اندازہ ہو جائیگا کہ ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف عام امت کیلئے اتنا عظیم الشان فیاضی کام کرتے بلکہ اس کے ساتھ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ان کے نفقہ کا انتظام کر دیں بلکہ ان کے پاس بیٹھنے ان کے احوال سننے اور اپنے کہتے۔

آپ ہمیشہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ با و بارانام بدست سے جماعت کے نظم میں فرق آ جاتا ہے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر سب سے پہلے خانقاہ میں خیم طابین و سالکین کا جو گردہ ذکر و شغل میں مصروف ہوتا ان کے کام کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ لوگ اپنے اپنے باطنی حالات دیکھ کر سردی میں سگے ہوئے لیٹر جس میں ڈالتے۔ بعد نماز فجر حضرت رحمہ اللہ سے اسے کھاتے ایک ایک پرچہ پڑھ کر ہر ایک کے مناسب اس پر جواب لکھ کر پرجون کو منبر پر رکھوا دیتے۔ مگر اس سلسلہ میں لوگوں کو یہ تاکیہ تھی کہ ان کو اوپر نیچے رکھا جائے بلکہ علیحدہ علیحدہ ہی رہنے دیا جائے۔ تاکہ ہر شخص نظر ڈالتے ہی اپنا پرچہ پہچان کر اٹھا لے تلاش کی زحمت نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ اکثر چھوٹی حاملۃ میں لیکر ہوا خوری کے لئے آبادی سے باہر نکل جاتے۔ چاشت سے لے کر دوپہر کے قریب تک پہلے تو یہ معمول تھا کہ اس میں اپنی تصنیف، تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر آفریں گھنٹہ ڈیرا گھنٹہ کے لئے ایک مجلس منعقد ہوتی اس میں عموماً خواص ہی ہوا کرتے۔ بڑا مجمع بھی ہوتا۔

گیارہ بجے سہا بنور کی طرف سے گاڑی آتی۔ زیادہ ڈاک اسی سے آیا کرتی تھی اس لئے گاڑی کی آواز سن کر کبھی گھڑی دیکھ کر ندرا چند منٹ بعد اٹھنے کا قصد فرماتے اور حاضرین سے بڑے لطیفانہ انداز میں یہ کہہ کر اجازت چاہتے کہ ”ذرا گھر ہو آؤں“ پھر ڈاک دیکھنے کھانا کھانے اور تھوڑی دیر سناٹانے کے لئے دنا کھانے میں تشریف لے جاتے جو وہاں سے دو فلاںک کے فاصلہ پر تھا۔

پھر دو سوا دو گھنٹے کے بعد جب ظہر کی اذان ہوتی تو آپ واپس تشریف لائے۔ مقرر سے فارغ ہو کر سردی میں آ بیٹھے۔ اسی وقت سے مجلس عام شروع ہو جاتی جو عصر کی اذان کے وقت برخاست ہوتی۔ نماز عصر کے بعد بعد آپ واپس گھر تشریف لیجائے اور مغرب کی نماز کے لئے پھر خانقاہ میں تشریف لائے۔ اگر کسی کو کوئی خاص بات کرنی ہوئی یا کسی کو بیعت کرنا ہوتا تو مغرب کے آنکو موقع دیا جاتا۔ ورنہ گھر میں اپنے انفرادی امور انجام دیتے مثلاً تصنیف و تالیف وغیرہ۔ مندرجہ بالا معمولات روزمرہ کچھ ایسے لگے بندھے تھے جیسے آفتاب کا طلوع و غروب آپ بھی دن نہیں آتا تباہ حضرت کی سوانح حیات کا نہایت مجمل عالم چہیں بہت خیر خلاق عادات و طریق معاشرت میں ملوث نہ لطافت و ظرافت سے متعلق باقی ہیں جنکی گنجائش نہیں رہی۔ اور دوسری مفصل کتابیں اس موضوع پر لکھی جا چکی ہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بندہ محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دادالعلوم کراچی - محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مقدمہ امداد الفتاویٰ طبع جدید مہیوب

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امداد الفتاویٰ کے مقدمہ میں دو چیزوں کا بیان مناسب و مفید معلوم ہوتا تھا، اول فقہ اور فتویٰ کی حقیقت و ضرورت اور مختصر تاریخ اور اس میں عہد صحیح سے آج تک اختلافات کے وجوہ و اسباب، ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کی کیفیت اور ان کے درجات، پھر در صورت اختلاف ترجیح و فیصلہ کس طرح ہو، علماء ارباب فتویٰ کس طرح کسی فتویٰ کو اختیار کریں، اور موجودہ علماء اہل فتویٰ کے اختلاف کی صورت میں عوام کیا صورت اختیار کریں، دوسری چیز میں امداد الفتاویٰ کی خصوصیات، اس کے متعلقہ مباحث، لیکن اول الذکر مباحث طویل الذیل اور نہایت پیچیدہ و مشکل ہے، اور اس وقت بوجہ ضعف امرض ان مباحث کی تکمیل و تطویر تھی، اس لئے سر دست امر دوم کے بیان پر اقتصار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو انشاء اللہ اول کو جب آگاہ مقدمہ میں مستقل کتاب کی صورت میں شائع کروایا جاوے گا کہ وہ درحقیقت ایک مستقل کتاب ہی کی حیثیت رکھے گا۔ واللہ الموفق والمعين،

سید سی و سندی مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے احیاء سنت اور تجدیدین کی جن خدمتوں کے لئے پیدا فرمایا تھا، ان کا ایک اہم شعبہ تصنیف و تالیف اور مواظب و ملحوظات کا سلسلہ ہے، جس کی عظمت و کثرت آخری صدیوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتی آپ کی تصانیف میں اول سے آخر تک ایک چیز کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ تصانیف محض علمی مشغلہ کے طور پر تصنیف برائے تصنیف نہیں، بلکہ امت کی پیش آنے والی ضروریات پر گہری نظر اور قلبی تاثر کے نتائج اور ہر دم کی جوئی رگ کا علاج ہیں،

پھر تصانیف کے وسیع و خلیف دائرہ ہیں علوم اسلامیہ میں سے کوئی علم و فن نہیں چھوٹا جس میں آپ کی تصنیف نہ ہو، خصوصاً تفسیر قرآن، تصوف اور فقہ آپ کے مخصوص فن تھے جن میں آپ کی اکثر تصانیف دائر ہیں، ان تینوں فنون میں آپ کے مجددانہ تاثر میں مقبولیت عامہ اور توفیق ایزدی اور قبول الہی کے آثار مشاہد ہوتے ہیں، زیر نظر تصنیف ”امداد الفتاویٰ“ کا تعلق فقہ اور فتویٰ سے ہے جو اس صدی کا ایک مخصوص مجددانہ کارنامہ ہے، جس سے اس زمانہ کے عوام ہی نہیں بلکہ علماء اور ارباب فتویٰ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے،

فتویٰ جس طرح تمام عملاً اسلامیہ کی رُوح اور عمل کرنے والے کے لئے قریب کا تحقیقاتی دفتر ہے، اس طرح

اس کی ذمہ داری اور اہمیت نہایت شدید ہے، اس میں محض کتابیں پڑھ لینا یا پڑھا دینا یا فنی حذاقت و ذہانت بالکل ناکافی ہیں جب تک کہ کسی ماہر محقق، متقی، اہل فتویٰ کی صحبت میں ایک زمانہ دراز تک رہ کر اس فن کے اصول پھر ذوق صحیح حاصل نہوں، کیوں کہ ہر زمانہ ہر ملک میں نئے نئے حوادث و مسائل پیش آنے کے سبب ہر زمانہ کے مفتی کو کچھ نہ کچھ اجتہاد ناگزیر ہے، جس کا مدار ذوق سلیم اور اصول صحیح کے اعتبار پر ہے، اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی نے ایسے شخص کے لئے فتویٰ دینا ناجائز لکھا ہے جس نے کسی ماہر محقق، اہل فتویٰ سے اس کام کو نہ سیکھا ہو، خواہ اس کی علمی استعداد اور قوت مطالعہ و ذہانت کتنی ہی بلند ہو، اور ان سب چیزوں کے ساتھ فتویٰ اس کی اہم شرط ہے،

اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس آخری ذوق میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اپنے دین کی یہ اہم خدمت لینا تھی، اس کے اسباب و شرائط آپ میں ایسے جمع فرادیئے ہیں کہ کم کسی کو نصیب ہو سکے ہیں، خدا داد ذہانت و حذاقت، ہر فن کی مکمل قابلیت، اساتذہ ماہرین، پھر فاضل فاضل سیکھنے کے لئے اول استاد اہل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی پانچ سالہ صحبت، معیت پھر ابو حنیفہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں مراجعت و استفادہ، یہاں تک کہ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۶ھ تک آپ کے کل فتاویٰ حضرت مولانا موصوف کی اصلاح و تصدیق سے مرتب ہیں، اور ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۲۲ھ تک اکثر اہم فتاویٰ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مشورے اور اصلاحات شامل ہیں، اور ان سب چیزوں کے ساتھ کمال تقویٰ و تواضع، جس کے آثار آپ کے تمام آثار و تحقیقات علیہ میں مشاہد ہیں۔

امداد الفتاویٰ کی خصوصیات

(۱) جب کوئی مسئلہ آپ کے سامنے آتا تھا، کتنا ہی سہل اور صاف ہو فتویٰ لکھنے سے پہلے اس کو بار بار

بغور ملاحظہ فرماتے، پھر جہاں تک ممکن ہوتا تھا، کے فتاویٰ میں اس کا صریح جزئیہ تلاش فرما کر اس سے جواب تحریر فرماتے تھے (۲) جس مسئلہ میں کوئی صریح جزئیہ ہاتھ نہ آیا وہاں اصول و قواعد سے مسئلہ کا جواب تحریر فرماتے تھے اور آخر میں عموماً اس پر تنبیہ فرماتے تھے کہ یہ جواب قواعد و اصول سے لکھا گیا ہے، صریح جزئیہ فقہاء کے فتاویٰ میں نہیں ملا، اس لئے دوسرے علماء سے بھی مراجعت کر لی جائے، اور وہ اختلاف فرمائیں تو مجھے بھی مطلع کر دیا جائے،

(۳) جب تک آپ کے اساتذہ و مشائخ موجود تھے، اس وقت تک تو اپنے تمام فتاویٰ اور تصانیف میں ان سے طابعتاً استفادہ کا سلسلہ جاری ہی رہا۔ احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ زمانہ پایا ہے جب اساتذہ و مشائخ کا قرن ختم ہو چکا تھا، محصوروں کی تعداد بھی بہت مختصر تھی، زیادہ تر علماء وقت شاگرد شاگردان شاگرد کی فہرست میں تھے، اپنی خدا داد مہارت و حذاقت کے باوجود فتویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی اہم مسائل میں نہ صرف محصوروں سے بلکہ شاگردوں سے بھی مشورہ اور مذاکرہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، اور علماء کو برابر وصیت فرماتے تھے کہ ہمیشہ علماء کے مشورہ کا پابند رہنا چاہیے جس شخص کے ضابطہ کے بڑے نہ رہیں اس کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کا التزام کرے،

(۴) عمر بھر یہ بھی معمول رہا کہ جب کوئی مسئلہ اپنے عمل اور اپنی ذات کے متعلق پیش آیا تو کبھی اپنے فتویٰ پر خود عمل نہیں کیا، بلکہ دوسرے ارباب فتویٰ سے فتویٰ لے کر عمل فرماتے تھے، یہاں تک کہ بہت سے سوالات اس ناکارہ خلافت کے پاس بھیج کر جواب حاصل فرمایا اور اسی پر عمل فرمایا۔

(۵) فتویٰ میں اتنی کاوش و تحقیق اور احتیاط کے باوجود اپنے سب حاضرین مجلس اور عام علماء کو یہ تاکید رہتی تھی کہ میرے کسی فتویٰ سے کسی کو اختلاف ہو تو مجھے اس پر ضرور متنبہ کیا جائے، اور اگر کبھی کسی بچے نے بھی کسی تحریر پر کوئی اعتراض کیا تو اس کو اس طرح سنتے تھے جیسے کسی پیاسے کو پانی مل جائے، مگر غور و تحقیق کے بعد راستے بدل دی تو فوراً اس کا اعلان ناہوار رسالہ "انور" میں شائع ہوتا تھا، پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے بنام ترجیح الرائج امداد الفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شامل کر کے شائع کیا جاتا تھا۔

(۶) نئے مسائل جو آلات جدیدہ کی ایجاد یا معاملات جدیدہ کے رواج سے پیدا ہوتے تھے ان میں مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نظر، مکمل تحقیق اور اس کی ساتھ ابتلائے عام اور عوام کی سہولت کو سامنے رکھنا آپ کا مخصوص طرز تھا، معمول یہ تھا کہ معاملات میں جہاں تک اصول فقہیہ کے دائرہ میں رہے ہوئے عوام کو کوئی گنجائش یا سہولت دی جاسکتی ہے وہ ضرور دیکھا خصوصاً ایسے معاملات میں جن میں ابتلا اور اضطرار عام ہوا ان میں اگر کسی ضعیف روایت یا مذاہب ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے مذہب میں گنجائش کا پہلو نکلتا تو اسی کو اختیار فرماتے تھے، لیکن ایسے مسائل میں دو چیزوں کی پابندی سختی کے ساتھ فرماتے تھے ایک یہ کہ اضطرار عام ہو، محض عوام کی سہل انگاری اور سستی نہ ہو، دوسرے یہ کہ جس مذہب سے مسئلہ کی کوئی سہولت کی صورت لی جائے اس مذہب کی مکمل تحقیق اور مسئلہ کے ہر پہلو اور شرائط کی تفصیل اسی مذہب کے علماء اہل فتویٰ کے ذریعہ حاصل ہو جائے، محض اپنے مطالعہ پر اکتفا اس معاملہ میں جائز نہ سمجھتے تھے۔

ہندوستان میں قاضی شرعی اور قانون شرعی نہ ہونے کے سبب نکاح، طلاق کے مسائل میں شوہروں کے مظالم اور عورتوں کے مصائب کی کثرت ہوئی، یہاں تک کہ پنجاب میں مسلم عورتوں کے ارتداد کی شہرت ہوئی تو حضرت قدس سرہ پرا اس کا بڑا اثر تھا، ضرورت شدیدہ کا احساس فرما کر ان مسائل کی مکمل تحقیق مذاہب اربعہ سے کرنے کا عزم فرمایا، اور اس ناکارہ خلافت اور مولانا مفتی محمد عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی سہولت لگا کر ان مسائل کی تحقیق اپنی اور دوسرے مذاہب کی کتابوں سے مکمل فرمائی، پھر حرمین شریفین کے علماء مالکیہ سے رجوع فرمایا اور مسلسل خط و کتابت رہی، پھر ہندوستان کے علماء سے مشورہ اور مراجعت فرمائی، تقریباً پانچ سال اس کا دیش و تحقیق میں صرف فرما کر مسائل مذکورہ پر مستقل کتاب "الحیلة الناجزة للحیلة العاجزة" تصنیف فرمائی جو شائع ہو چکی ہے۔

(۷) ایسے ہمہ اورد جدید مسائل کو حضرت قدس سرہ نے بنام "حوادث الفتاویٰ" ایک مستقل کتاب بھی بنا دیا ہے، جس کو اجراء امداد الفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شائع ہوتے رہے، اس طرح امداد الفتاویٰ کی ساتھ ترجیح الرائج اور حوادث الفتاویٰ

دو مستقل کتابیں بھی ہو گئیں،

(۸) امداد الفتاویٰ کی پہلی اشاعت ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں مطبع مجتہبی دہلی سے ہوئی، اس کے مقدمہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے فتاویٰ کے تین حصے قرار دیے ہیں، پہلا حصہ جو اسٹاؤنکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند کے امر سے ان کی خدمت میں رہتے ہوئے لکھا گیا، اور سب کا سب ان کی نظر و اصلاح اور تصدیق سے مزین ہوا، ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۰ھ تک کے فتاویٰ ہیں اکثر فتاویٰ کے آخر میں تاریخ لکھی ہوئی ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۳۱ھ کے اوائل تک کا ہے، جو بزمانہ قیام کانپور لکھے گئے،

تیسرا حصہ ۱۳۳۱ھ سے ۱۳۳۲ھ تک کا ہے، جن میں کثرت کے ساتھ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے مراجعت کا موقع ملا اور ان کی نظر و اصلاح شامل ہوئی، یہ مجموعہ حسب دستور فقہار چار جلدوں میں ابواب فقہیہ پر مرتب کر کے شائع کیا گیا، اس وقت تک نظر ثانی کرنے یا دوسرے حضرات کے توجہ دلانے سے فتاویٰ بیع رد و بدل ہوا، اس کو انہی جلدوں کے شروع میں بعنوان تصحیح امداد الفتاویٰ شامل کر دیا گیا ہے، اس وقت تک ترجیح الراجح کا مستقل سلسلہ شروع نہ ہوا تھا، نیز حوادث الفتاویٰ کا مستقل عنوان بھی ان مرتب جلدوں میں نہیں رہا،

۱۳۳۲ھ کے بعد سے امداد الفتاویٰ کی اشاعت بعنوان تنہا سے امداد الفتاویٰ ہوئی، اور پہلا تتمہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۳۳ھ تک کے فتاویٰ پر مشتمل ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں مطبع مجتہبی دہلی سے شائع ہوا، اس کے بعد ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۳۴ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام تتمہ ثانیہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں دہلی سے شائع ہوا، ان دونوں تتموں میں بھی ترجیح الراجح کا عنوان مستقل شروع نہیں ہوا، بلکہ جس قدر اصلاحات فتاویٰ میں عمل میں آئی ان کو آخر میں بعنوان اصباح تاسع و ج کر دیا گیا، البتہ حوادث الفتاویٰ کا مستقل سلسلہ تتمہ ثانیہ سے شروع ہو گیا،

اس کے بعد ۱۳۳۳ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں اور ۱۳۳۳ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ رابعہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں مطبع قیومی کانپور سے شائع ہوئے، ان دونوں تتموں کے ساتھ حوادث الفتاویٰ کا سلسلہ بھی بدستور باقی شائع ہوا، اور ترجیح الراجح کا نیا سلسلہ جاری ہوا، اس کے بعد کچھ عرصہ سلسلہ اشاعت بند رہا، اور ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۶ھ تک کے فتاویٰ کا ایک ہی مجموعہ بنام تتمہ خامسہ تمجد بھون سے ۱۳۳۶ھ میں شائع ہوا، اس تتمہ خامسہ میں بھی بدستور سابقہ حوادث الفتاویٰ اور ترجیح الراجح کے دو مستقل سلسلے شامل رہے، اس کے بعد تتمہ شادسہ کا نمبر تھا، لیکن اس کی اشاعت کچھ عوارض کے سبب کتابی صورت میں ملتوی ہو کر ماہوار رسالہ "لاناور" میں ہوتی رہی، اور ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کو جب کہ حضرت اقدس نور اللہ مرتدہ کی وفات ہوئی تو فتاویٰ کا ہر حصہ "لاناور" میں شائع ہو چکا تھا، کچھ فتاویٰ ایسے بھی تھے جو قلمی رجسٹر میں محفوظ تھے،

(۹) یہ مختصر روئیا ہے اس عظیم الشان علمی بحرانہ کی جو بنام امداد الفتاویٰ حضرت اقدس کی باقیات صالحات

میں امت کے لئے بطور شیعہ ہدایت باقی رہا، اس روئیداد میں آپ کو معلوم ہو چکا کہ تبویب و ترتیب صرف ابتدائی چار جلدوں میں تھی، بقیہ جلدیں جو بنام تمامات شائع ہوئیں ان میں کوئی ترتیب نہ تھی، پھر اصلاح و ترجیح کا سلسلہ جو آخر عمر شریف تک جاری رہا، اس کے اجزاء و مباحث پوری جلدوں میں منتشر تھے ایک مسئلہ کی مکمل بحث دیکھنے کے لئے کتاب کی پوری جلدیں ساتھ رکھنا اور ان کے پورے صفحات تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، جو عوام کیا خواص علماء کے لئے بھی آسان نہ تھا، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت اتفاقاتاً شائع شدہ جلدوں میں سے بھی کئی جلدیں نایاب ہو گئی تھیں، اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کے اس طرح منتشر اور بغیر مرتب ہونے کا احتساب بہت اثر تھا، دل چاہتا تھا، کہ کسی طرح یہ ذخیرہ اچھی ترتیب و تبویب کے ساتھ مکمل طور پر کتابی صورت میں آجائے، مگر کام ہر حیثیت سے بڑا تھا، علمی خدمت کے اعتبار سے بھی اس کی تبویب و ترتیب آسان نہ تھی، اور طباعت و اشاعت کے لئے قوائے سرمایہ کی ضرورت تھی کہ اس کا بحالت موجودہ انتظام متصور نہ تھا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے چند بزرگوں اور دوستوں کے تعاون کے ساتھ ایک ادارہ بنام شرف العلوم دیوبند میں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جس کا مقصد حضرت کی تصانیف کی اشاعت ہی قرار دیا، یہ سلسلہ شروع ہوا تو فتاویٰ کی شاعت کا داعیہ پھر قوی ہوا اور بنام خدا تعالیٰ اس کی تبویب کا کام برادر عزیز مولانا ظہور احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے سپرد کیا، اور ان کی سہ ماہی خود بھی لگ رہا، سال بھر کی محنت و مشقت سے بعد اللہ اس تمام ذخیرہ کی تبویب مکمل ہو گئی، اس تبویب میں امور ذیل کا التزام کیا گیا۔

(الف) ایک مسئلہ کے متعلق حضرت کے جتنے فتاویٰ مختلف ادوار عمر میں مختلف جلدوں میں شائع ہوئے ان سب کو یک جا کر دیا گیا، جب جس مسئلہ کے متعلق تصبیح امداد و الفتاویٰ ضمیمہ ابتدائی چار جلدیں یا اصلاح تسامح ضمیمہ تہذیبی و ثانیہ میں یا ترجیح الرائج ضمیمہ بقیہ تمامات میں کوئی بحث تھی وہ سب بچھیں اسی مسئلہ کے ساتھ جمع کر دی گئیں، اور جس مسئلہ میں حضرت نے رجوع یا اصلاح فرمائی اس کی بدلی ہوئی صورت کو اصل کتاب میں لکھ دیا گیا، اور جو پہلی صورت تھی اس کو بھی حاشیہ میں باقی رکھا گیا، (ب) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی طبع قدیم کی جلد اور صفحہ کا حوالہ بھی لکھ دیا گیا تاکہ اسنہ کے مواقع پر اصل کی طرف مراجعت سہل ہو، (د) جن مسائل میں متعدد فتاویٰ بظاہر متعارض نظر آئے اور ترجیح الرائج وغیرہ میں بھی اس پر کوئی کلام نہیں ملا ان کی تطبیق یا ترجیح کے لئے حاشیہ میں توضیح کر دی گئی (د) جن مسائل میں کوئی مطلق و اہام تھا ان پر حواشی لکھ کر وضاحت کر دی گئی (و) ترتیب میں قدیم طرز کے ابواب فقہیہ کے ساتھ اہم مسائل کے لئے جدید عنوانات اور فصول بھی قائم کی گئیں (ز) فتاویٰ کے ترتیبی نمبر ہر جلد کے علحدہ علحدہ لکھ دی گئی (۱۰) تبویب و ترتیب کے بعد فتاویٰ کی کتابت شروع کر دی گئی، مگر اسی زمانہ میں ہندوستان و پاکستان کی تقسیم اور اس کے ساتھ قیامت خیز ہنگامے پیش آئے، اور پورے مشترکہ ہندوستان میں ایک انقلاب عظیم

آیا، خاندان کے انسداد منتشر ہو گئے، یہ ناکارہ خلاق بھی بعض بزرگوں اور دوستوں کے اصرار سے پاکستان آنے پر مجبور ہوا،

ادارہ اشرف العلوم اور اپنے ذاتی کتب خانہ اور اکثر عیال کو دیوبند چھوڑ کر ہر جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ کو کراچی کے لئے روانہ ہو گیا، کراچی پہنچ کر کچھ تو یہاں کے مشاغل جن کے لئے مجھے بلا لایا گیا تھا، اور کچھ افراد خاندان کو جمع کرنے اور کتب خانہ کو یہاں منتقل کرنے کی فکروں میں ڈیڑھ دو سال گزر گئے، نہ کسی تصنیف کی ہمت رہی نہ کسی کتاب کی اشاعت کا تصور، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ امداد الفتاویٰ کی تجویب کا سسٹم اور لکھی ہوئی کتابیاں سائنس آگئی تھیں، جن کی اشاعت اب بنام خدا تعالیٰ شروع کی گئی ہے، پہلی جلد آپ کے زیر نظر اور دوسری زیر طبع ہے، باقی چار پانچ جلدیں ادراجوں کی، اگر اسباب میسر آئے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی جلد سامنے آجائیں گی، میری دلی تمنا یہ ہے کہ میری زندگی میں یہ کتاب مکمل شائع ہو جائے، واذلک علی اللہ بجز، وہو الموفق والمعين،

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی

۲۷ محرم ۱۳۶۱ھ

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء

~~~~~

# فہرست مضامین امداد الفتاویٰ حصہ اول

| صفحہ | مضمون                                                    | صفحہ | مضمون                                                               |
|------|----------------------------------------------------------|------|---------------------------------------------------------------------|
| ۱۴   | بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو نہیں۔                         | ۲    | مقدمہ از حضرت محقق قدس سرہ                                          |
| ۱۵   | بہرہ پر وضو کئے ہوئے وضو درست ہے یا نہیں                 |      | کتاب الطہارت                                                        |
|      | فصل فی الغسل                                             |      |                                                                     |
| ۱۶   | عورت کے لئے غسل میں بائوں کی جڑیں تر ہو جانا کافی ہیں۔   | ۵    | وضو اور نواقض وضو                                                   |
| ۱۷   | غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ کے ظاہری حصہ کا ڈھونا کافی ہے۔ | ۶    | عورتوں کے لئے مسواک کا حکم                                          |
| ۱۸   | دون پر زخم ہوں تو غسل کرے یا تیمم                        | ۷    | داڑھی کے مسح کرنے اور ڈھونے کا حکم                                  |
| ۱۹   | غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر                            | ۸    | وضو کے بعد انا ازلنا پڑھنا                                          |
| ۲۰   | دانتوں کے اندر اگر سٹخن وغیرہ گھس جاوے تو غسل کا حکم     | ۹    | نماز جنازہ کے وضو سے نماز پنجگانہ کا حکم                            |
| ۲۱   | دانتوں کے خلا میں کوئی مسالہ بھرنا                       | ۱۰   | صرف ایک واجبہ اتمہ۔ وضو کرنے کا حکم                                 |
| ۲۲   | چونہ یا مٹی کی دانتوں پر چم جانے کا حکم                  | ۱۱   | ظہر یا ریح کے خروج کا شبہ ناقض ہے یا نہیں                           |
| ۲۳   | غسل کے بعد منی نکلنے کا حکم                              | ۱۲   | زخم کے مد سے پیپ نکلنا                                              |
| ۲۴   | نیند سے بیدار ہو نیاوالے پر غسل کے واجب یا               | ۱۳   | معذور کے وضو کا حکم                                                 |
| ۲۵   | غیر واجب ہونے کی تفصیل                                   |      | غسل کے وقت کان سے عطر کا پھایہ نکالنا                               |
| ۲۶   | خواب دیکھنے یا کپڑے پر تری پانے سے                       |      | پونیت معذوری وضو میں بائیں ہاتھ کے کام لینا                         |
| ۲۷   | وجوب غسل میں تفصیل                                       |      | ناخنوں کا میل اور مٹی غسل وضو سے مانع نہیں                          |
| ۲۸   | شب عذر میں غسل کا حکم                                    |      | پینے والا خون کھنکھ یا کسی دوا سے ستور ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں |
| ۲۹   | نابالغ لڑکی سے محبت کی گئی تو اس پر غسل واجب             |      | حرف چو مخانی سر کے مسح کی عادت ڈالنا مکروہ ہے                       |
| ۳۰   | ہمیں شراب سے جو سرکہ بنا لیا جاوے وہ پاک ہے              |      | سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا                                      |
| ۳۱   | دوی کا حکم                                               |      | زخم کے پھایہ پر جو پیپ لگے وہ ناقض ہے یا نہیں                       |
| ۳۲   | نیند کو بیدار ہونے کے کچھ دیر بعد رطوبت کا دیکھنا        |      | جو کڑی مار کر بیٹھ ہوئے سو جائے تو وضو نہیں ڈالنا                   |
| ۳۳   |                                                          |      | قبر کے اوپر وضو کرنے کا حکم                                         |
| ۳۴   |                                                          |      | گردن کے مسح کا حکم                                                  |
| ۳۵   |                                                          |      | وضو میں اعوذ باللہ یا بسم اللہ پڑھنے کا حکم                         |

| صفحہ                          | مضمون                                                   | صفحہ                                           | مضمون                                                                    |
|-------------------------------|---------------------------------------------------------|------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------|
| ۳۴                            | چیل اور گدھ کی بیٹ گرنے سے کنویں کا حکم                 | ۲۵                                             | زخم پر کسی دوا کا چپک جانا غسل کے وقت اس کا حکم                          |
| ۳۵                            | گو برا اور لید کنویں میں گر جانے کا حکم مسئلہ مذکورہ    | ۲۶                                             | معدور کے لئے آخر وقت میں مناسزا آدا کرنے کا حکم                          |
| ۳۶                            | اصلاح ناسخ متعلقہ نمبر ۵۸ و ۵۹ مندرجہ                   | ۲۷                                             | وجوب غسل کے لئے دقیق منی شرط نہیں                                        |
| ۳۷                            | لمحات تہذیبی اولیٰ اماد الفتاویٰ ص ۳۳                   | ۲۸                                             | بوقت غسل کان کے سوراخ میں پانی پہنچنے کا حکم                             |
| ۳۸                            | بخس جوتے کا کنویں میں گرنا مسئلہ مذکورہ                 | ۲۹                                             | غسل خاند میں بات چیت کرنے کا حکم                                         |
| ۳۹                            | تین سو ڈول بقول امام محمد نکالنے کی تحقیق               | ۳۰                                             | بحالت جنابت بال کثرتا مکروہ ہے                                           |
| <b>فصل فی الاسرار پس خودہ</b> |                                                         | <b>باب لما الذی یجوز بہ الوضوء والایکوز بہ</b> |                                                                          |
| ۳۹                            | معاب دہن لگا کر انگلی سے قرآن مجید کی ورق گردانی کا حکم | ۳۱                                             | مسقف حوض کے پانی سے وضو جائز ہے                                          |
| <b>فصل فی التیمم</b>          |                                                         | ۳۲                                             | جس چیز کی نجاست معلوم نہ ہو اس کا پانی میں گرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا۔ |
| ۴۰                            | مسجد کی زمین پر تیمم کرنے کا حکم                        | ۳۳                                             | پانی خوشبودار ہو کر آب مطلق ہونے سے نہیں نکلتا                           |
| ۴۱                            | جواز تیمم کے لئے پانی سے کتنی دوری شرط ہے               | <b>فصل فی البیر</b>                            |                                                                          |
| ۴۲                            | جو قفل میں قید ہو اس کے لئے تیمم کا حکم                 | ۳۴                                             | کنویں کے نل میں نجاست گر جانے کا حکم                                     |
| ۴۳                            | سرد ملکوں میں تیمم کرنے کا حکم                          | ۳۵                                             | نل کے کنویں کے پاک کرنے کا طریقہ                                         |
| ۴۴                            | ریل میں تیمم جنابت کی شرط                               | ۳۶                                             | سانپ جس میں خون ہو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا                          |
| <b>باب علی التحفین وغیرہا</b> |                                                         | ۳۷                                             | کوئے کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا                                     |
| ۴۵                            | جواہر اور سوتلی موزوں پر مسح کا حکم                     | ۳۸                                             | کنواں بیتہ الخلل سے کتنی دور ہونا چاہیے                                  |
| ۴۶                            | مسئلہ مذکورہ                                            | ۳۹                                             | زمین دو بیتہ الخلل یعنی گٹر کے قریب پانی کا کنواں بنانے کا حکم           |
| ۴۷                            | مسئلہ مذکورہ                                            | ۴۰                                             | مسئلہ مذکورہ                                                             |
| ۴۸                            | انگریزی بوٹ جو پودے پاؤں کو چھپا لے                     | ۴۱                                             | مسئلہ مذکورہ                                                             |
| ۴۹                            | اس پر مسح کا حکم                                        | ۴۲                                             | مسئلہ مذکورہ                                                             |
| ۵۰                            | مسئلہ مذکورہ                                            | ۴۳                                             | مسئلہ مذکورہ                                                             |
| ۵۱                            | جواب سوتلی کے اوپر چھڑے کا مونہ پہنک سپر مسح            | ۴۴                                             | مسئلہ مذکورہ                                                             |



| صفحہ | مضمون                                                             | صفحہ                                     | مضمون                                                                                                    |
|------|-------------------------------------------------------------------|------------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| ۵۶   | مچھلی کا پتہ نجس ہے                                               | <b>باب البیض والنفس والاستحاضہ</b>       |                                                                                                          |
| ۵۷   | روٹی پاک کرنے کا طریقہ                                            | ۴۴                                       | مکے ہوئے خون کے بعد جو خون آوے اس کا حکم                                                                 |
| ۵۸   | ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں شے وغیرہ سے پانی نکلانے کی صورت       | ۴۵                                       | اسقاط حمل کے بعد حیض یا استحاضہ کا حکم                                                                   |
| "    | جو کپڑا چھوٹائی سے زیادہ نجس ہو اس میں ناز کا حکم                 | "                                        | اسقاط حمل کے احکام متعلقہ نفاس و عتاد روزہ وغیرہ مسئلہ مذکورہ                                            |
| ۵۹   | دلالتی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم                               | ۴۷                                       | جن عورتوں کے پہلا بچہ ہو اس کے پاک ہونے میں چالیس روز کا انتظار نہیں                                     |
| ۶۰   | ناپاک رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم                                | "                                        | ایام عادت بھولنے والی حائضہ کا حکم                                                                       |
| "    | دودھ گھی کے پاک کرنے کا طریقہ                                     | ۴۸                                       | اس عورت کا حکم جس کا خون تین روز سے کم میں منقطع ہو جاوے                                                 |
| ۶۱   | ایک شخص کا پاک کیا ہوا کپڑا دوسرا شخص استعمال کر سکتا ہے۔         | "                                        | حکم اس خون کا جو اقل طور سے پہلے شروع ہو کر اقل طور کے بعد تک جاری رہے۔                                  |
| ۶۲   | سکے کے چھوئے برتن کے پاک کرینا کا طریقہ                           | ۴۹                                       | طہریندرہ روز سے کم نہیں ہوتا اگرچہ کمی قلیل بھی ہو                                                       |
| ۶۳   | روٹی دار کپڑے کے پاک کرنے کا طریقہ اور چھوئے بچوں کے پیشاب کا حکم | "                                        | حائضہ کو دعائیں اور وظائف پڑھنے کا حکم                                                                   |
| ۶۴   | غیر ماکول اللحم کے دودھ کا حکم                                    | <b>نجاسات کے احکام اور پاکی کا طریقہ</b> |                                                                                                          |
| ۶۵   | مرہ اور احرام جانور کو تیل میں جلانے سے تیل ناپاک ہو گا یا نہیں   | ۵۲                                       | مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہے اور ہڈی وغیرہ کا احکام                                                 |
| ۶۶   | گرگٹ خون دانے کو تیل میں جلانے سے اس تیل کا حکم                   | ۵۳                                       | مسئلہ مذکورہ                                                                                             |
| ۶۷   | حلال جانور کے جلے ہوئے تیل کا حکم                                 | "                                        | داد سے جو رطوبت نکلتی ہے اس کے ناپاک ہونے کی تحقیق اور جس کپڑے پر یہ رطوبت لگی ہو اس سے ناز پڑھنے کا حکم |
| ۶۸   | حکم رطوبت فرج                                                     | "                                        | ترک پڑے کو کسی نجس زمین یا نجس کپڑے میں لینا                                                             |
| ۶۹   | سوال مذکور                                                        | ۵۵                                       | اصلاح از صبح الاغلاط                                                                                     |
| ۷۰   | سوال مذکور                                                        | ۵۶                                       | ہاتھی کی سوند سے جو پانی نکلے اس کا حکم                                                                  |
| ۷۱   | سوال مذکور                                                        |                                          |                                                                                                          |
| ۷۲   | سوال مذکور                                                        |                                          |                                                                                                          |
| ۷۳   | سوال مذکور                                                        |                                          |                                                                                                          |
| ۷۴   | سوال مذکور                                                        |                                          |                                                                                                          |
| ۷۵   | مینڈک کا پیشاب                                                    |                                          |                                                                                                          |
| ۷۶   | مینڈک کی پاکی پر شبہ اور اس کا جواب                               |                                          |                                                                                                          |

| صفحہ                                     | مضمون                                                  | صفحہ | مضمون                                         |
|------------------------------------------|--------------------------------------------------------|------|-----------------------------------------------|
| ۸۲                                       | سوال مذکور                                             | ۷۵   | جو تارکڑ سے پاک ہو جاتا ہے                    |
| ۸۳                                       | سوال مذکور                                             |      | چوہ کی مینگنی گھی میں پک جائے تو اس کا        |
| ۸۴                                       | مرغی کو ذبح کر کے آلاش صاف کئے بدون                    |      | حکم اعضائے انسانی اشیاء غیر منحصرہ میں        |
|                                          | پانی میں جو شش دید یا تو نا پاک ہو بخوارہ شامی         | ۷۶   | داخل نہیں                                     |
| <b>فصل فی الاستحجار</b>                  |                                                        |      | حرام جانوروں کا چھڑا ذبح کرنے سے پاک          |
|                                          | آپست کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا                          |      | ہو جاتا ہے۔                                   |
| ۸۶                                       | پشت کرنا                                               |      | دھوپ میں سوکھا ہوا چھڑا تر ہو جانے سے         |
|                                          | پیشاب کے وقت آفتاب کی طرف رخ کرنا                      | ۷۷   | نا پاک نہیں ہوتا                              |
|                                          | جبکہ وہ بادل میں ہو                                    |      | جو تک نجس نہیں                                |
| ۸۷                                       | حکم یاد آمدن استحجار در نماز                           |      | نجس رنگ سے رنگی ہوئی گھڑیا کا پاک کرنا        |
|                                          | عدم جواز استحجار بکافہ غذا و بیہ                       |      | منی اور مذی جو رشتہ ہو اس کا رگزد وینہ        |
| ۸۸                                       | جواز جواب سلام در حالت استحجار                         |      | طہارت کے لئے کافی نہیں                        |
|                                          | تحقیق سلام بوقت استحجار                                | ۷۸   | ٹٹکا جس پر گوبر لگایا گیا ہو آگ میں جلنے      |
| ۸۹                                       | استحجار بعد المول بکلوخ                                |      | کے بعد پاک ہے۔                                |
|                                          | پیشاب کرنے کے وقت کوئی مستقل روعا                      | ۷۸   | شہد میں چوہا مر گیا تو اس کے پاک کرنے         |
| ۹۰                                       | نہیں بلکہ بول و برا دونوں کیلئے ایک ہی حکم ہے          |      | کا طریقہ                                      |
| <b>مسائل منشورہ متعلقہ بکتاب الطہارت</b> |                                                        |      | کتے نے دانتوں سے کچرا پھاڑ دیا تو وہ          |
|                                          | جل الکراڈیں قرآن کی آیتیں ہو اس کو                     |      | پاک ہے یا نا پاک                              |
|                                          | بلا وضو چھوئے کا حکم                                   | ۷۹   | چوہا جس کو ذبح نہ کیا ہو اس کی چربی نا پاک ہے |
| ۹۲                                       | تفسیر و ترجمہ کا ہے وضو مس کرنا                        |      | ابتلائے عام کے وقت کپڑوں کی طہارت             |
|                                          | حکم مس قرأت عند اللہ بلا وضو دہر کتاب ہے               | ۸۰   | میں توسع و نجاش کے احکام                      |
| ۹۳                                       | کہ آیات قرآنیہ دور باشد                                |      | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات            |
|                                          | سوال مذکور                                             |      | پاک تھے یا نہیں                               |
|                                          | بلا وضو قرآن کو چھونے کی حرمت پر شبہ                   | ۸۱   | سوال مذکور                                    |
|                                          | اور جواب                                               | ۸۲   | سوال مذکور                                    |
| ۹۴                                       | قرآن کی آیات کو بلا وضو صحت کہنا کہ غذا کو ہاتھ نہ لگے |      | تفصیل در حکم اسپرٹ                            |
|                                          |                                                        |      | خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے                    |
|                                          |                                                        |      | کورے کپڑے کی نجاست طہارت کی تحقیق             |

| صفحہ                           | مضمون                                        | صفحہ                                | مضمون                                         |
|--------------------------------|----------------------------------------------|-------------------------------------|-----------------------------------------------|
| ۱۰۹                            | اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے            | <b>کتاب الصلوٰۃ</b><br>(اوقات نماز) |                                               |
| "                              | اذان کے جواب کا استجاب                       |                                     |                                               |
| "                              | حکم اجابت اذان بوقت شنیدن گھون چند بار       | ۹۳                                  | حکم نماز وغیرہ دو میان عصر و مغرب             |
| ۱۱۰                            | سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں        | ۹۵                                  | بیان وقت عشا                                  |
| "                              | سجد کی باتیں جانب اذان دینے کا اذان کیا ہے   | "                                   | وقت عصر                                       |
| "                              | حکم اذان دادن یک کس در دو سجد بوقت واحد      | ۹۶                                  | سوال مذکور                                    |
| "                              | اوقات نماز آنجا کہ غروب یا طلوع نہ شید       | ۹۷                                  | توضیح وقت کراہت عصر                           |
| ۱۱۳                            | اسکاٹ لینڈ میں اوقات نماز وغیرہ کے منتظر     | ۹۸                                  | طریق معرفت وقت ظہر و عصر و مغرب               |
| ۱۱۶ تا                         | تفصیلی سوال اور جواب                         | ۹۹                                  | طریق معرفت وقت مغرب                           |
| ۱۱۷                            | جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر          | ۱۰۱                                 | پابندی اوقات مقررہ قوم ہمارے نمازیان          |
| "                              | حکم فصل در اذان و نماز مغرب                  | ۱۰۲                                 | گھڑی کے ذریعہ اوقات صلوٰۃ                     |
| ۱۱۹                            | حکم قیام بر حی علی الطلوع وقت اقامت          | "                                   | سوال مذکور                                    |
| ۱۲۰                            | سوال مذکور                                   | "                                   | شناخت اوقات نماز گھڑی کے ذریعہ                |
| ۱۲۲                            | سوال مذکور                                   | "                                   | حد جواز صلوٰۃ بعد الطلوع و قبل الغروب         |
| "                              | حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر          | "                                   | وقت تکبیر ادلی                                |
| ۱۲۳                            | صبح صادق                                     | "                                   | حکم تاخیر کردن در مغرب بہ ماہ رمضان           |
| <b>باب شروط الصلوٰۃ و صفہا</b> |                                              | ۱۰۳                                 |                                               |
| "                              | فرضیت قیام وقت تحریم                         | ۱۰۴                                 | <b>باب الاذان والاقامۃ</b>                    |
| ۱۲۵                            | حکم تکبیر تحریمہ بدون قیام قبل از رکوع       | "                                   | حکم حاضر شدن نمازیان بر جس نہ براذان          |
| ۱۲۶                            | حکم گفتن کلمہ اتمد بیت القرآن ریت صلوٰۃ      | ۱۰۵                                 | حکم رفع یدین در دعائے اذان                    |
| ۱۲۷                            | حکم تلفظ بالنیہ در عملوٰۃ و تحقیق قول مجرباً | ۱۰۶                                 | سوال مذکور                                    |
| ۱۲۸                            | حکم وضع رکبتین قبل الیدین در سجدہ            | ۱۰۷                                 | مواقع مشروعیۃ اذان                            |
| "                              | تحقیق رفع الیتین در سجدہ                     | "                                   | حی علی الصلوٰۃ کے وقت دائیں بائیں منہ کرنا    |
| ۱۳۰                            | تحقیق حکم سجدہ بر تکبہ                       | ۱۰۸                                 | اذان و اقامت میں بچے نومولود کی اذان میں      |
| "                              | تحقیق نہیب ضعیفہ در اواد و ادعیٰ ثوبین       | "                                   | جہاں متعدد جگہ جمع ہوتا ہو تو پہلے جس اذان کی |
| ۱۳۱                            | السجدتین وغیرہ                               | "                                   | آواز سننے اس کے بعد ہی بیج و شرار وغیرہ منزع  |
| ۱۳۲                            | جواب شبہ جواز دعا ماثورہ در قومہ و جلسہ      | "                                   | ہو جائے گی۔                                   |

| صفحہ                                     | مضمون                                        | صفحہ                                     | مضمون                                    |
|------------------------------------------|----------------------------------------------|------------------------------------------|------------------------------------------|
| ۲۰۲                                      | موضع وقف میں وقف نہ کرنا                     |                                          | پہلی رکعت میں سورۃ سج اسم رکع الخ اور    |
| "                                        | حرف مشدود پر وقف کرنے کا طریقہ               |                                          | دوسری میں سورۃ غاشیہ پر ٹھہرنے کا حکم    |
| ۲۰۴                                      | جواب شبہ بر عبارت رسالہ الامداد وریاۃ        | ۱۴۱                                      | در آن حابیکہ سورۃ غاشیہ کی آیات زائد ہیں |
| "                                        | ضرورت سبعہ قرات                              | "                                        | تحقیق ضاوطار                             |
| ۲۰۵                                      | قرآن میں لفظ ابراہیم میں لفظ (یا) نہ         | ۱۴۵                                      | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | لکھنے کی وجہ                                 | ۱۴۵                                      | مسئلہ مذکورہ                             |
| ۲۰۶                                      | سورۃ نور میں تسلیم کے رجال پر وقف کی تحقیق   | الفتویٰ المتعلقہ بالاضافیہ کلام فی مواضع |                                          |
| "                                        | سورۃ یسین شریفہ میں من مرتد یا پر وقف        | ۱۸۸                                      | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | لازم صحیح ہے یا سکتہ                         | "                                        | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | فکانت سرا میں ادغام کی تحقیق                 | ۱۹۱                                      | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | جواب شبہ بر عبارت تخیل الطبع ووجہ            | "                                        | مسئلہ مذکورہ                             |
| ۲۰۷                                      | المثنیٰ در بابہ مدد حروف بین کہ تا قبل او    | ۱۹۲                                      | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | مفتوح باشد                                   | "                                        | مسئلہ مذکورہ                             |
| "                                        | تحقیق شبہ نقص حسانت بر بعض قرات              | منع از غلو در قرات سبعہ بوقت احتمال      |                                          |
| ۲۰۸                                      | رسالہ ضیاء الشمس فی ادار الہمس               | ۱۹۳                                      | فتنہ عوام                                |
| "                                        | کیفیت ادار الہمس در تا وقات                  | جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن در بارہ    |                                          |
| ۲۱۵                                      | ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یاسین صاحب | ۱۹۵                                      | نقل کردن قراءۃ ابن مسعود علی الوارث ذی   |
| "                                        | جواب سوالات بر جمال القرآن                   | "                                        | الرحم الخ بلا سند                        |
| "                                        | جواب سوال متعلق قرات ضعف بالضم               | ۱۹۶                                      | تحقیق اثبات و اسقاط الف تنہیہ در         |
| ۲۱۶                                      | واقعہ سورۃ روم                               | "                                        | ذاقا و قالہ وغیرہ                        |
| رسالہ التدقیق الحلی فی تحقیق النون الخفی |                                              | "                                        | مسئلہ مذکورہ                             |
| ۱۱۹                                      | مسئلہ مذکورہ                                 | "                                        | تحقیق اخفا                               |
| ۲۲۰                                      | مسئلہ مذکورہ                                 | "                                        | تحقیق ادغام ظاد و زلما                   |
| ۲۳۱                                      | مسئلہ مذکورہ                                 | "                                        | رفع شبہ بر بعض اقوال                     |
|                                          |                                              | ۲۰۰                                      | تحقیق وجوب علم بجوید و قرات              |
|                                          |                                              | ۲۰۱                                      | ثبوت ادقاف کلام مجید                     |
|                                          |                                              | ۲۰۲                                      | مسئلہ مذکورہ                             |

| صفحہ | مضمون                                   | صفحہ | مضمون                                       |
|------|-----------------------------------------|------|---------------------------------------------|
|      | <b>باب القراۃ</b>                       | ۱۳۳  | نیت امامت                                   |
|      | ناز میں دو سورتیں اس طور پڑھنا کہ رسیا  | "    | تحقیق وجوب قراۃ در اولین فرض و قسم          |
| ۱۵۱  | میں ایک سورہہ پڑھ جائے                  | "    | سودہ در آخر میں محدود دیگر مسائل متعلقہ بآں |
|      | حکم فعل کردن آیات در قرات سورہ          | ۱۳۵  | ناز کے اندر سرین دراق اور گھنڈا تین         |
| ۱۵۲  | واحدہ در دو رکعت                        | "    | عضو میں یادو                                |
| ۱۵۳  | دلیل حنفیہ در مسئلہ قرات خلف الامام     | "    | کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت     |
|      | حکم قرات فاتحہ در ناز جنازہ و سج رقبہ   | ۱۳۶  | کی ناز کا اعادہ کرنا چاہیئے                 |
| "    | در وضو                                  | "    | امام کے لئے جہر بالغیر سنت ہے واجب نہیں     |
| ۱۵۵  | در جہ ادنیٰ قرات برتر                   | "    | تشہد کے وقت رفع سبایہ کی حکمت               |
|      | حکم زلات عامہ قاری در صلوة مع تحقیق     | ۱۳۷  | سوال مذکور                                  |
| "    | متعلق فتویٰ بالا                        | ۱۳۸  | سوال مذکور                                  |
| ۱۶۳  | مسئلہ مذکورہ                            | "    | عودتوں کے لئے تشہد میں انگشت شہادت          |
|      | سورہ والعصر میں امام کے وعلوا بطلحات    | "    | اُٹھانا                                     |
| ۱۶۵  | کو جھوڑنے کا حکم                        | "    | حالت قیام میں پیروں کی محاذات کا حکم        |
|      | ایک سورت کو کسی جھکے کر کے ناز میں پڑھ  | ۱۶۳  | قبلت گنا منحرف ہونا مفید ناز نہیں ہے        |
| ۱۶۶  | کا حکم                                  | "    | مسئلہ مذکور                                 |
| "    | والعصر میں دالتین کا مشابہ              | ۱۶۴  | ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں         |
|      | ترجیح وجوب جہر بقیۃ قرات بعد شرکت مقتدی | "    | عورت کے ہاتھ کا پشت ستر میں داخل ہے         |
|      | وعدم وجوب اعادۃ قراۃ بعد اتمام قرات     | "    | وجوب وضع اکثر جبہ در سجود                   |
| ۱۶۷  | بسبب شرکت مقتدی                         | ۱۶۷  | جو شخص ناز نہیں جانتا تعلیم حاصل کرنے       |
| ۱۶۸  | صحت صلوة بعد تدارک زلۃ القاری           | "    | تک کہیے ناز پڑھے                            |
| "    | کراہتہ تعیین سورۃ در ہر ناز             | "    | سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ               |
|      | رفع شبہ واردہ بر نہ بودن قرات بذمہ مقیم | ۱۶۸  | جواز آمین بالجہر                            |
| ۱۶۹  | مقتدی بمسافر در باقی ناز                | "    | جواز رفع یدین                               |
|      | کراہت فصل بسورۃ قصیرہ و قرات خلف        | ۱۶۹  | مردوں کے لئے کھٹے ملائے کا حکم              |
| "    | ترتیب ملازوم سجدہ سہو                   | "    | تحقیق تحمید زن بدستحیح                      |
| ۱۷۰  | تحقیق اعادہ سورۃ در آخرین وقت مہوڑا میں | ۱۷۰  | تحقیق نیت یا وجوب قور                       |
|      |                                         | ۱۷۱  | جواب شبہ جواز توجیر و نیت قبل تحریمہ        |

| صفحہ | مضمون                                   | صفحہ                        | مضمون                                       |
|------|-----------------------------------------|-----------------------------|---------------------------------------------|
| ۲۳۹  | حکم عدم متابعت امام در قیام الی الخامسہ | ۲۳۲                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۴۰  | تحقیق کراہت وعدم کراہت جماعت ثانیہ      | ۲۳۳                         | اصلاح بعض عبارات جلال الفرقان و دفع         |
| ۲۴۲  | در مسجد شارع عام                        | ۲۳۴                         | تعارض ظاہری با عبارات زینۃ القرآن           |
| ۲۴۳  | جماعت ثانیہ                             | ۲۳۴                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۴۵  | مسئلہ مذکورہ                            | ۲۳۵                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۴۶  | مسئلہ مذکورہ                            | ۲۳۵                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۴۷  | مسئلہ مذکورہ                            | ۲۳۵                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۴۷  | حکم جماعت فاضل                          | ۲۳۶                         | تحقیق نزات در کلمہ الصراط در ہر دو مقام     |
| ۲۴۸  | مسئلہ مذکورہ                            | ۲۳۶                         | سورہ فاتحہ                                  |
| ۲۴۸  | حکم اقتداء خلف غیر مقلد و مبتدع و مخالف | ۲۳۷                         | تحقیق منزلہ و محنت                          |
| ۲۴۸  | مذہب مقتدی                              | ۲۳۷                         | تحقیق ہملہ در ابتدا سورہ توبہ               |
| ۲۴۹  | برہتی کی اقتداء کا حکم                  | ۲۳۸                         | رفع المعارض در میان قول عام و امام صاحب     |
| ۲۴۹  | بعد اذان مغرب چہ سات منٹ کا توقف        | ۲۳۸                         | در بارہ جزئیت تسمیہ                         |
| ۲۵۰  | جائز ہے یا نہیں                         | ۲۳۹                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۵۰  | اقتداء بغیر مقلد                        | <b>باب الامامۃ والجماعت</b> |                                             |
| ۲۵۰  | مسئلہ مذکورہ                            |                             |                                             |
| ۲۵۳  | حکم اقتداء مقلد خلف غیر مقلد            | ۲۳۲                         | حکم امامت ناز عالم معہ حکم نماز بر فرض دودہ |
| ۲۵۳  | حکم اقتداء بایندناز خلف غیر بایند       | ۲۳۲                         | جو شخص فرض کی جماعت میں شریک نہ ہو          |
| ۲۵۳  | حکم امامت شخص کے شنایا علیا نہ دارد     | ۲۳۲                         | و در جماعت سے پڑھے                          |
| ۲۵۳  | جس شخص کے اوپر کے دانت نہوں اس کی       | ۲۳۲                         | حکم اقتداء بعدیک سلام امام                  |
| ۲۵۳  | امامت کا حکم                            | ۲۳۲                         | بڑے اخلاق و عادات والے کے پیچھے نماز        |
| ۲۵۳  | حکم جذب مقتدی سبق را از وسطا صاف        | ۲۳۳                         | مکروہ ہے                                    |
| ۲۵۵  | بعد اتمام صاف                           | ۲۳۳                         | و در جماعت خواندن متخلف فرض را              |
| ۲۵۵  | حکم براقتداء آباداز کبر الصوت در مساکلی | ۲۳۵                         | جس کی بیوی بے پردہ ہو اس کی امامت           |
| ۵۸۱  | منشورہ آخر کتاب                         | ۲۳۵                         | حکم تقدیم امام راتب دیگران                  |
| ۲۵۵  | حکم شرکت در جماعت مصلوۃ جو شخص          | ۲۳۷                         | امرہ اور نابالغ کی امامت کا حکم             |
| ۲۵۵  | تہا نماز پڑھ چکا ہے اس کو نماز میں      | ۲۳۸                         | مسئلہ مذکورہ                                |
| ۲۵۷  | شریک ہونا چاہیے یا نہیں                 | ۲۳۹                         | حکم امامت با اجرت                           |

[illegible]

| صفحہ | مضمون                                          | صفحہ | مضمون                                           |
|------|------------------------------------------------|------|-------------------------------------------------|
| ۲۸۰  | دلیل کراہت استسناہت بالركبہ وغیرہ نقل          | ۲۸۰  | نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر          |
| ۲۸۱  | حکم مفرد بودن جلسہ استراحت بعد از نماز         | ۲۸۱  | کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر            |
| ۲۸۲  | کراہت فصلی ہونے قصیرہ و قرات خلاف              | ۲۸۲  | زور دے کر کھڑا ہونا                             |
| ۲۸۳  | ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو                        | ۲۸۳  | تحقیق صحت و عدم صحت صلوٰۃ باستمال               |
| ۲۸۴  | صرف ازار و دار پہن کر نماز پڑھنے کا حکم        | ۲۸۴  | خف ساختہ از صوف حیوان غیر مذہب                  |
| ۲۸۵  | صلوٰۃ بین الساریتین کا حکم                     | ۲۸۵  | حکم ترک قعدہ در سنن یا تراویح                   |
| ۲۸۶  | حکم قیام امام در صحن مسجد بمقابلہ محراب        | ۲۸۶  | نماز میں دیر و دیر کی غلطی کا حکم               |
| ۲۸۷  | تخلل ستون یا در صحن                            | ۲۸۷  | قنوت وتر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم           |
| ۲۸۸  | تحقیق حکم صلوٰۃ بحالت اطلاق ازار               | ۲۸۸  | جس کو سجدہ میں پیشاب کا قطرہ آجاتا              |
| ۲۸۹  | گھنڈ یاں بٹن وغیرہ                             | ۲۸۹  | ہو اس کا حکم                                    |
| ۲۹۰  | نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے       | ۲۹۰  | امام کو لقمہ دینا کسی حال میں مفید نماز نہیں    |
| ۲۹۱  | پلٹنے کھولنے کا حکم                            | ۲۹۱  | نماز میں رکنے کا حکم                            |
| ۲۹۲  | نماز میں رکنے کا حکم                           | ۲۹۲  | بطلان نماز بکشف رجب عضو                         |
| ۲۹۳  | نماز میں عینک لگانے کا حکم                     | ۲۹۳  | مکروہ تحریمی بودن نماز پر سجادہ کہ دران بر جانے |
| ۲۹۴  | سجدہ تصویر جائز یا نہ                          | ۲۹۴  | سجدہ استقبال محلی نقشہ روضہ مطہر                |
| ۲۹۵  | حکم استقبال محلی نقشہ روضہ مطہر                | ۲۹۵  | حکم شہی در صلوٰۃ بعد از مطر                     |
| ۲۹۶  | حکم خواندن نماز سر بر بندہ                     | ۲۹۶  | شبہ بر عبارت تذکرۃ الرشید در بارہ فساد          |
| ۲۹۷  | صلوٰۃ از ختم کردن مقتدی سلام اول را            | ۲۹۷  | قبل امام خود                                    |
| ۲۹۸  | کیا چادر اور رضائی کا لٹکانا اسباب میں داخل ہے | ۲۹۸  | ترجمہ منطق عقلا در محل عذاب                     |
| ۲۹۹  | مسجد کی جہت پر نماز مکروہ ہے                   | ۲۹۹  | مسجد کی جہت پر نماز مکروہ ہے                    |
| ۳۰۰  | موانع غضب عذاب میں مانع نماز اور اس کی کیفیت   | ۳۰۰  | قنوت وتر میں غلج و ترک کے معنی                  |
| ۳۰۱  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۱  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۲  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۲  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۳  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۳  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۴  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۴  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۵  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۵  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۶  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۶  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۷  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۷  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۸  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۸  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۰۹  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۰۹  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۰  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۰  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۱  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۱  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۲  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۲  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۳  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۳  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۴  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۴  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۵  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۵  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۶  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۶  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۷  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۷  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۸  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۸  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۱۹  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۱۹  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |
| ۳۲۰  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام          | ۳۲۰  | قنوت نماز میں رفع یدین وغیرہ کے احکام           |



| صفحہ | مضمون                                                                                             | صفحہ        | مضمون                                                                              |
|------|---------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------|------------------------------------------------------------------------------------|
| ۳۱۰  | قدہ اور رکعات میں کمی نہ کرے                                                                      | باب النوافل |                                                                                    |
| ~    | تراویح میں اجرت لے کر قرآن پڑھنے اور اس کے سننے کے احکام                                          |             |                                                                                    |
| ۳۱۹  | سوال مذکور                                                                                        | ۳۰۳         | وتر کے بعد کی نفل کو بھی دوسری نفلوں کی طرح کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے               |
| ۳۲۱  | مسئلہ مذکور                                                                                       | ۳۰۳         | سوال مذکور                                                                         |
| ۳۲۲  | مسئلہ مذکور                                                                                       | ۳۰۴         | سوال مذکور                                                                         |
| ~    | تہجد یا تراویح میں چہر کر سکتا ہے                                                                 | ۳۰۵         | سوال مذکور                                                                         |
| ~    | حکم شبینہ متعارفہ                                                                                 | ~           | فرض کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنے کا حکم                              |
| ۳۲۳  | مسئلہ مذکورہ                                                                                      | ~           | سوال مذکور                                                                         |
| ۳۲۴  | مسئلہ مذکورہ                                                                                      | ۳۰۶         | سوال مذکور                                                                         |
| ۳۲۵  | تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنا واجب ہے                                                           | ~           | سنت پڑھتے ہوئے جماعت کی تکبیر ہو جائے                                              |
| ~    | مناز تراویح میں جلسہ کی مقدار                                                                     | ۳۰۷         | کا حکم                                                                             |
| ~    | تراویح مردوں عورتوں دونوں کے لئے                                                                  | ~           | جس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اس کو نفلیں پڑھنے سے زیادہ قضا پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے |
| ~    | سنت مسوکہ ہے                                                                                      | ۳۰۸         | گھر میں سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں تحنہ الوداع کا حکم                               |
| ۳۶۲  | کفایہ نہیں                                                                                        | ~           | عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد نفل پڑھنے کا حکم                                        |
| ~    | تراویح کی ایک رکعت میں قل ہو اللہ کا تکرار                                                        | ~           | تہجد کی بارہ رکعت کا ثبوت                                                          |
| ۳۶۷  | مسئلہ مذکورہ                                                                                      | ~           | حقیقت صلوة معکوس                                                                   |
| ~    | تراویح میں عذر کی وجہ سے قضا اور رکعات کم نہ کرے                                                  | ۳۱۰         | تحقیق چار رکعت قبل عشاء                                                            |
| ۳۶۸  | تراویح میں ہر سورت کے شروع پر بسم اللہ کا چہر کرنا                                                | تراویح      |                                                                                    |
| ~    | ساح کو اجرت لینا جائز ہے فتاری کو جائز نہیں                                                       |             |                                                                                    |
| ۳۶۹  | بسم اللہ کی کچھ رکعات تراویح رو گئی وہ وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے یا قیامہ تراویح بعد میں پڑھے | ~           | ایک مسجد میں تراویح کی کئی جماعتوں کا حکم                                          |
| ~    | اجرت لے کر قرآن شانے والے کا قرآن سننا                                                            | ~           | محانت عند تراویح جانور کی پشت پر پڑھی جاسکتی ہے                                    |

| صفحہ | مضمون                                                                                    | صفحہ                                    | مضمون                                                                                   |
|------|------------------------------------------------------------------------------------------|-----------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------|
| ۳۲۰  | امام کے فارغ ہونے کے بعد مسبوق کی بقیہ نماز پورا کرنے کا طریقہ                           | ۳۳۰                                     | تراویح میں بھول کر دو رکعت کے بجائے چار پڑھ لی                                          |
| ۳۲۱  | مسبوق ثنا اور تعوذ بقیہ نماز کے شروع میں پڑھے۔                                           | "                                       | تراویح میں قرآن ختم کرنے کا سنت ہو کر ہونا مع دلائل                                     |
| ۳۲۲  | مسبوق اپنی رکعات فائتہ میں جہر کرے گا                                                    | ۳۳۲                                     | جن بلاد میں رات دن بیت برٹے ہوتے ہیں وہاں نماز روزہ۔ زکوٰۃ کے احکام                     |
| ۴    | لاحق و مسبوق کے متعلق چار سوال و جواب مفصل مکتیب بعض علماء                               | <b>باب ادراک الفریضۃ وقضائہ الفوائت</b> |                                                                                         |
|      | <b>سجدہ سہو کے احکام</b>                                                                 | ۳۳۵                                     | صاحب ترتیب کی تعریف                                                                     |
| ۳۵۱  | قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے پر سجدہ                                                   | ۳۳۶                                     | قضا کے وقت نیت میں نماز کو متعین کرنا ضروری ہے                                          |
| "    | رکعت ثانیہ یا ثالثہ پر بقدر تسبیح بیٹھنے سے سجدہ سہو                                     | "                                       | مرزا اگر پھر سلمان ہو جائے تو قضا نماز کے احکام                                         |
| ۳۵۲  | بقدر ایک تسبیح کے موجب سجدہ ہے                                                           | ۳۳۷                                     | قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوتی ہے سنتوں کی نہیں                                          |
| ۳۵۳  | یا بقدر ایک رکن کے اس کی مفصل تحقیق                                                      | ۳۳۸                                     | توبہ سے قضا و نماز موات نہیں ہوتی جس شخص کو فساد نماز کا علم نہ ہو اس سے ترتیب موقوف ہے |
| ۳۵۴  | پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ ملانی تو آخری دو رکعتوں میں پڑھے اور سجدہ سہو کرے             | "                                       | دیکھئے نماز مغرب شروع کر دی پھر جماعت کھڑی ہو گئی اس کا حکم                             |
| ۳۵۵  | ترک تبدیل سہو سے سجدہ سہو واجب ہے                                                        | ۳۳۹                                     |                                                                                         |
| ۳۵۶  | خاتم صلوٰۃ شخص کے کہنے پر عمل مطلقاً                                                     | <b>لاحق اور مسبوق کے احکام</b>          |                                                                                         |
| ۳۵۷  | مفسد نماز نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے                                                      |                                         | مسبوق جو قعدہ اولیٰ یا اخیرہ میں شریک ہو تو وہ اپنا تشہد پورا کرے یا امام کا اتباع کرے  |
| ۳۵۸  | مسئلہ مذکورہ                                                                             | ۳۳۹                                     | مسئلہ مذکورہ                                                                            |
| ۳۵۹  | جہری نماز میں کچھ قرارت سرگرا کر لی تو اعلان کرے یا ذکر کرے اور سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں | ۳۴۰                                     | مسبوق نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا                                             |
| ۳۶۱  | مسئلہ مذکورہ                                                                             |                                         |                                                                                         |
|      | سجدہ سہو میں تشہد کا ثبوت                                                                |                                         |                                                                                         |
|      | مسئلہ مذکورہ                                                                             |                                         |                                                                                         |
|      | نماز میں سجدہ تلاوت کے احکام                                                             |                                         |                                                                                         |

| صفحہ | مضمون                                                            | صفحہ | مضمون                                                                                     |
|------|------------------------------------------------------------------|------|-------------------------------------------------------------------------------------------|
|      | سجدہ تلاوت                                                       |      | سورت پڑھنا بھول کر رکوع کر لیا تو نوٹے کر سورت پڑھنے                                      |
| ۳۶۹  | ناز میں غیر نمازی سے آیت سجدہ سن لی تو ناد کے بعد سجدہ تلاوت کرے | ۳۶۲  | قعدہ اور رکعت بھول جانے اور امام و مقتدی میں اختلاف کا حکم                                |
| "    | سجدہ تلاوت نماز میں رکوع یا سجدہ صلۃ سے بھی ادا ہو جائے          | ۳۶۳  | بھول کر رکعت زیادہ پڑھی گئی قعدہ اخیرہ ترک ہو جانے اور ایک رکعت اور زیادہ میں اختلاف ہو   |
| ۳۷۰  | مسئلہ مذکورہ                                                     | "    | عیدین اور جمعہ میں سجدہ سہو کا حکم امام تارک سجدہ سہو کے اعادہ کے وقت اس کی اقتدار کا حکم |
| ۳۷۱  | مسئلہ مذکورہ                                                     | "    | نشدہ اخیر کے بعد سجدہ تلاوت یاد آیا                                                       |
| "    | سورہ ج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق                                    | ۳۶۴  | موجب سجدہ سہو سمجھ کر غلط سجدہ کر لیا تو نماز کا حکم                                      |
| "    | سجدہ تلاوت کا مستحب طریقہ                                        | "    | سنت شکوکہ میں قعدہ اولی ترک ہو جانے کا حکم                                                |
| ۳۷۲  | خطبہ یا کسی نظم میں آیت سجدہ آجائے تو سجدہ واجب ہے۔              | ۳۶۵  | حکم سقوط سجدہ سہو، صورت و حدود و نیت                                                      |
| "    | سجدہ تلاوت سے پہلے اور بعد میں قیام                              | ۳۶۶  | سجدہ سہو ترک ہو جانے سے اعادہ نماز ایک رکعت کے سجدہ کی قعدہ دوسری رکعت میں                |
| ۳۷۳  | سجدہ تلاوت کی تاخیر عثمہ نہیں                                    | "    | امام قعدہ اولی بھول کر تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا تو مقتدی بھی اتباع کریں               |
| "    | قعدہ و سجدات تلاوت                                               | "    | نحوہ ارفاق حملے سجدہ سہو لازم ہے سجدہ نہ کرے تو اعادہ لازم                                |
| "    | تعدد سجدے لازم ہوں تو کس طرح ہو کرے                              | ۳۶۷  | نماز میں بکثرت سہو ہونے کا حکم                                                            |
| "    | ایک منفرد نماز پڑھنے والے نے امام سے آیت سجدہ سنی                | "    |                                                                                           |
| ۳۷۴  | میت کے ذمہ سجدہ تلاوت کا حکم                                     | ۳۶۸  |                                                                                           |
|      | صلوۃ المسافر                                                     |      | صلوۃ المریض                                                                               |
| "    | وطن اقامت پر سفر سے باطل ہو جاتا ہے                              |      | جب سر کا اشارہ بھی نہ کرے یا مضر ہو تو نماز ترک کرنا جائز ہے۔                             |
| "    | اس کے معنی                                                       |      |                                                                                           |
| ۳۷۵  | مسئلہ مذکورہ                                                     |      |                                                                                           |
| ۳۷۶  | مسئلہ مذکورہ                                                     |      |                                                                                           |
| ۳۷۷  | زوجہ کا وطن شہر کا وطن ہوتا ہے یا نہیں                           |      |                                                                                           |
| "    | مسافت قصر کی نیت سے نکلے تب قصر ہوتا ہے                          |      |                                                                                           |

| صفحہ                 | مضمون                                          | صفحہ | مضمون                                         |
|----------------------|------------------------------------------------|------|-----------------------------------------------|
| ۳۹۲                  | تحقیق نماز در ہوائی جہاز بوقت طیران            |      | رہلے چیلنے کے لئے مسیعی دی تو نماز توڑ        |
| ۳۹۵                  | مسئلہ مذکورہ                                   | ۳۷۷  | دینا جائز ہے                                  |
| ۳۹۶                  | مسئلہ مذکورہ                                   | "    | شدت میں نماز کا حکم                           |
| ۳۹۷                  | ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر                | ۳۷۸  | رہلے میں نماز کا حکم                          |
| "                    | سفر کے درمیان ارادہ سفر ملتوی کرنا کا حکم      | ۳۷۹  | مسئلہ مذکورہ                                  |
| ۳۹۸                  | البحار دل کے دورہ میں قصر نماز کا حکم          | ۳۸۰  | مسئلہ مذکورہ                                  |
| "                    | مسئلہ مذکورہ                                   | ۳۸۱  | مسئلہ مذکورہ                                  |
| "                    | مسئلہ مذکورہ                                   | ۳۸۳  | سباح کے لئے قصر نماز کا حکم                   |
| ۳۹۹                  | مسافت سفر قطع کی گزرا ارادہ اتنی مسافت         | ۳۸۴  | گھوڑے پر نماز                                 |
| ۴۰۰                  | حکم فوت سجدہ                                   | "    | مختلف مقامات میں قیام کی نیت ہو تو قصر        |
| ۴۰۱                  | رسالہ نافع الاشارة الی منافع الاستخارہ         | "    | ہے یا نہیں                                    |
| صلوۃ الجمعۃ والعیدین |                                                | ۳۸۵  | کشتی یا جہاز قابل اقامت مقام نہیں             |
| ۴۰۲                  | دعا بعد خطبہ عید                               | "    | مسئلہ مذکورہ                                  |
| ۴۰۵                  | نماز عید کے بعد دعا                            | ۳۸۷  | لازم قصر و اتمام میں اپنے آقا کا تاج ہے       |
| ۴۰۶                  | مسئلہ مذکورہ                                   | ۳۸۸  | سافر کی نماز مقیم امام کے ساتھ فاسد ہو گئی    |
| ۴۰۷                  | مسئلہ مذکورہ                                   | "    | ترہ اعادہ کے وقت قصر کرے گا                   |
| "                    | نماز عیدین کے بعد دعا کا طریقہ                 | "    | کیا عورت کو شادی کے بعد اپنے میکے             |
| ۴۰۸                  | تحقیق جواز سلام امام قبل صعود علی السر         | ۳۸۹  | میں قصر کرنا ہوگا                             |
| "                    | وبعد صعود بوقت خطبہ                            | "    | جنگل میں رہنے والوں کے لئے قصر یا اتمام       |
| ۴۰۹                  | مسئلہ مذکورہ                                   | "    | ملازمین جہاز کے لئے قصر یا اتمام کا حکم       |
| ۴۱۰                  | عیدین کی نماز کا عید گاہ میں پڑھنا مؤکد ہے     | "    | مسئلہ مذکورہ                                  |
| "                    | نماز جمعہ کے لئے کم، زکم چار نمازی ہونا شرط ہے | "    | جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنائے      |
| "                    | کوٹھی بنگلے جو شہر کے قریب ہوں ان میں          | "    | بلا وطن ہی وطن اصلی ہے گا                     |
| "                    | جمعہ جائز ہے                                   | "    | کشتی یا جہاز جو کنارہ پر بندھی ہو اس میں نماز |
| ۴۱۱                  | سرکاری دفاتر اور قلعہ میں نماز جمعہ کا حکم     | "    | رہلے میں اگر سجدہ کی جگہ نہ ملے تو کیا اشارہ  |
|                      |                                                | "    | سے سجدہ کرے                                   |
|                      |                                                | "    | سفر میں مسافت کا اعتبار ہے۔ وقت کم            |
|                      |                                                | "    | لگے یا زیادہ                                  |

| صفحہ | مضمون                                                | صفحہ | مضمون                                          |
|------|------------------------------------------------------|------|------------------------------------------------|
| ۴۱۱  | جمعہ سے پہلے کی سنت بعد جمعہ کے پڑھے                 | ۴۱۲  | منتشر آبادی میں جمعہ کا حکم                    |
| ۴۱۱  | تو نیت ادا ہونے کی کرے                               | ۴۱۳  | تعبات میں جمعہ کا جواز                         |
| ۴۱۲  | جس نوکر کو اس کا آقا جمعہ کی اجازت دے                | ۴۱۶  | قرعہ کبیرہ میں جواز جمعہ                       |
| ۴۱۲  | تو اس کے لئے ترک جو جائز نہیں                        | ۴۱۷  | مسئلہ مذکورہ                                   |
| "    | غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا حکم                  | "    | دیہات میں جمعہ کی تحقیق مفصل                   |
| ۴۱۲  | غاز عید بغرورت شہر کے متعدد مقامات                   | ۴۱۴  | جمعہ کے لئے وجود امام کی شرط                   |
| ۴۱۲  | میں جائز ہے                                          | "    | ونت گزرنے کے بعد نماز عید کی قضا نہیں          |
| "    | مسئلہ مذکورہ                                         | ۴۱۵  | خطبہ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم                      |
| "    | عہد لافنی کو دوسرے روز تک عذر کی وجہ                 | "    | دیہات میں سلطان اسلام کی اجازت سے              |
| "    | سے مؤخر کرنا                                         | "    | جمعہ کے قیام کا حکم                            |
| ۴۱۲  | نماز عید گاہ میں ہوجانے کے بعد دُوری                 | "    | جمعہ یا عیدین کے خطبہ میں یاد آ کر صبح کی نماز |
| ۴۱۲  | جگہ جماعت کرنا                                       | ۴۱۶  | نہیں پڑھی                                      |
| ۴۱۵  | دوران خطبہ میں خطبہ کا ترجمہ سنانا                   | "    | جمعہ وعیدین میں نماز ایک شخص پڑھائے            |
| "    | مسئلہ مذکورہ                                         | "    | اور خطبہ دوسرا آدمی دے اس کا حکم               |
| "    | خطبہ میں فارسی اُردو کے اشعار پڑھنا                  | "    | شہر کے متصل آبادی میں جمعہ کا مسئلہ            |
| ۴۱۶  | مکروہ ہے                                             | "    | ایسی سخت گرمی جس سے پیار ہو جانے کا            |
| ۴۱۸  | اذان خطبہ سے پہلے وعظ یا خطبہ کا ترجمہ               | ۴۱۷  | قوی خطر ہو محصور جمعہ سے مفید ہے۔              |
| ۴۱۹  | ایک شہر میں متعدد جمعہ جائز ہیں                      | "    | مسئلہ احتیاط الظہر بعد الجحہ                   |
| "    | مسئلہ مذکورہ                                         | ۴۱۸  | مسئلہ مذکورہ                                   |
| "    | خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا بغرورت                 | "    | مسئلہ مذکورہ                                   |
| ۴۱۱  | جائز ہے ضروری سمجھنا مکروہ ہے                        | "    | معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت         |
| "    | تکرار جماعت جمعہ کا حکم                              | ۴۱۹  | کا حکم                                         |
| "    | عربی زبان کے سوا کسی زبان میں خطبہ مکروہ ہے          | "    | سافرن کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی                 |
| ۴۱۸  | مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال و جواب              | ۴۲۰  | جماعت کا حکم                                   |
| "    | تقریباً رسالہ الحجۃ فی عربیہ خطبہ العربیہ            | "    | عید جمعہ کے دن واقع ہو تو جمعہ کی نماز بھی     |
| ۴۱۹  | جمعہ میں قعدہ میں شریک ہونے والا جمعہ کی نماز پڑھ کر | ۴۲۱  | زمن ہے                                         |
| "    | دو گاہوں قریب قریب ہیں دونوں ملکر قعدہ کی پڑھ        | "    | دیہات میں اقامت جمعہ کے مصلح و فوائد           |
| ۴۲۰  | ہیں تھان میں اقامت جمعہ وعید کا حکم                  | "    | کا جواب                                        |

| صفحہ | مضمون                                      | صفحہ | مضمون                                             |
|------|--------------------------------------------|------|---------------------------------------------------|
| ۴۶۳  | تقدیم رعایت جمعہ بر رعایت جماعت            | ۴۵۲  | مصر کی تعریف میں کثرت سکّان کی تقدیم              |
| "    | تجکیرت زائرہ عیدین میں سہو ترک ہو گئی      | ۴۵۳  | قرعہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہوتا                       |
| ۴۶۴  | تحقیق خطبۃ الوداع                          | "    | بنگال کے دیہات میں جمعہ کا حکم                    |
| "    | گاؤں میں ترک جمعہ سے خطرہ فتنہ فساد کے     | ۴۵۴  | قرعہ کبیرہ کی تعریف                               |
| ۴۶۵  | دقت طریق احتیاط                            | "    | مسئلہ مذکورہ                                      |
| "    | کیا خنیفہ کے لئے جائز ہے کہ جمعہ کی مناسبت | ۴۵۵  | عید سے پہلے نماز شراق پڑھنے کا حکم                |
| "    | گاؤں میں امام شافعی کے قول پر پڑھیں        | ۴۵۶  | جمعہ کے لئے مصر کی شرط                            |
| "    | مسلمانوں کے اتفاق سے کوئی امام مقرر کر لیں | "    | مسئلہ مذکورہ                                      |
| "    | سے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہوتا بخلاف      | ۴۵۷  | جمعہ وعیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا |
| ۴۶۶  | امر سلطان کے                               | "    | اذان جمعہ کے بعد گھانا پینا                       |
| "    | کیا سلطان خنفی گاؤں میں اقامت جمعہ کا      | "    | جو کام سنی جمعہ میں غل ہو اذان کے بعد             |
| ۴۶۷  | حکم دے سکتا ہے۔                            | "    | حرام ہے                                           |
| "    | جس گاؤں میں کسی امام مجتہد کے مذہب پر جمعہ | "    | خطبہ سننا واجب ہے                                 |
| "    | صحیح ہو اس میں اذن سلطانی جمعہ ہو سکتا ہے  | "    | گرچہ کے میدان یا فاحشہ عورت کی بنائی              |
| ۴۶۸  | تقریف مصر میں اختلاف اقوال کا جواب         | ۴۵۸  | ہوئی عید گاہ میں عیدین کی نماز کا حکم             |
| "    | مسئلہ مذکورہ                               | "    | جمعہ کو فرض جلنے والے اور احتیاط الظہر            |
| ۴۶۹  | مسئلہ مذکورہ                               | "    | پڑھنے والے کی امامت جمعہ کا حکم                   |
| "    | کیا اذان خطبہ میں امام کی عبادات اور قرب   | "    | قبل جمعہ کی چار سنتیں موکدہ ہیں یا نہیں اور       |
| ۴۷۰  | ضرط ہے                                     | ۴۵۹  | بعد جمعہ کے چار موکدہ ہیں یا دو                   |
| "    | مسئلہ مذکورہ                               | "    | حکم دعا ثانی بعد نماز سنن جمعہ                    |
| ۴۷۱  | جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا         | ۴۶۰  | خطبہ میں بسم اللہ کو جہرا پڑھنا                   |
| ۴۷۲  | مسئلہ مذکورہ                               | "    | اگر اسکول کے وقت دار طلباء کو جمعہ کے لئے         |
| "    | حدیث میں خطبہ مختصر اور نماز طویل پڑھنے    | "    | چھٹی ذریعہ تو اذان سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا         |
| ۴۷۳  | کے معنی                                    | ۴۶۱  | خطبہ کے وقت ائمہ میں عصا لینا                     |
| "    | جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں ہونے پر شبہ  | ۴۶۲  | مسئلہ مذکورہ                                      |
| "    | اور جواب                                   | "    | مسئلہ مذکورہ                                      |
| ۴۷۴  | عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم         | "    | جیل پر سے قین میل دور کارخانہ میں نماز            |
| "    | خطبہ جمعہ سے پہلے وعظ جائز ہونا            | "    | شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی جہت پر نماز      |

| صفحہ | مضمون                                      | صفحہ         | مضمون                                             |
|------|--------------------------------------------|--------------|---------------------------------------------------|
| ۴۹۲  | جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ                | ۴۸۲          | عورت کے لئے جمعہ کا خطبہ دینا جائز نہیں           |
| ۴۹۵  | جنازہ اٹھانے کے وقت سر اٹھانے کو مقدم کرنا | ۴۸۷          | علاؤں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا             |
| "    | سورہ بقرہ کے اول آخسر پڑھنا                | ۴۸۳          | معدنہ کے لئے جامع مسجد میں سوار ہو کر آنا جائز ہے |
| "    | چند جنازے جمع ہو جانے کا حکم               | ۴۸۴          | مکبر مشرق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا                 |
| "    | امام کے سامنے میت کو جا رہا کی پر رکھیں    | "            | عیدین کے خطبہ میں وعظ کہنا                        |
| ۴۹۶  | دارین پر                                   | نماز استسقاء |                                                   |
| ۴۹۷  | قبر میں بکری یا بختہ انٹیں لگانے کا حکم    |              |                                                   |
| "    | جہاں مسلم و کافر کے جنازے آپس میں ملکتے    | "            | استسقاء کی نماز میں چادر کو سوت پٹے               |
| ۴۹۸  | ہوں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں            | باب الجنائز  |                                                   |
| "    | سلطان اور امام محلہ امام محلہ امت جنازہ    |              |                                                   |
| "    | کے لئے ولی سے زیادہ حقدار ہیں              | "            | میت کے لئے کلون اور سر کا استعمال                 |
| "    | مردہ سے یہ کہنا کہ میرا سلام آنحضرت صلی    | ۴۸۵          | مرد کے لئے عورت کو کفن پہنانا جائز نہیں           |
| ۴۹۹  | اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے                 | "            | میت کو قبر میں رہنے پہلو پر لٹا نا مسنون کر       |
| "    | وہو کا پانی قبر پر گرانے                   | "            | مسئلہ مذکورہ                                      |
| "    | قبر کو مسجد کے اندر داخل کر دینا           | "            | رافضی پر نماز جنازہ کا حکم                        |
| ۵۰۰  | قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا          | "            | جو میت بغیر غسل و کفن کے دفن کر دی گئی            |
| "    | قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا                 | ۴۸۶          | ہو اس کا حکم                                      |
| "    | غسل کے وقت میت کے غب کپڑے پاگنا            | "            | عورتوں کو رنگین کفن دینا جائز ہے                  |
| "    | اگر ظاہری نجاست ہو جب بھی کپڑے پر اول      | ۴۸۷          | ایک جنازہ کو دوسرے کے انتظار میں دیر کرنا         |
| "    | جو زری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا         | "            | مکروہ ہے                                          |
| "    | قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق      | "            | آپ زمرہ میں خرمے ہوئے جامہ احرام سے               |
| ۵۰۱  | مشہد سوال و جواب                           | "            | کفن دینے کی تحقیق                                 |
| ۵۰۲  | چادر نکالنے کے لئے قبر کھودنا              | "            | شومر کے لئے اپنی زوجہ کو غسل نا جائز ہونے         |
| "    | بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق            | ۴۸۸          | پر شہید اور جواب مفصل                             |
| "    | مشرک کا بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ      | "            | مرد میت کو غسل دینے والا کوئی مرد نہ ہو تو محرم   |
| "    | نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑیں    | ۴۹۳          | عورت غسل دے                                       |
| ۵۰۳  | یا بعد میں                                 | "            | غسل کے وقت میت کو رو قبیلہ لٹانا                  |
| "    | فوت سلام صلوة جنازہ                        | ۴۹۴          | میت کے غسل کے وقت اس کا سرس طرف ہونا چاہیے        |

| صفحہ | مضمون                                          | صفحہ | مضمون                                         |
|------|------------------------------------------------|------|-----------------------------------------------|
| ۵۱۷  | شہید کے بعض احکام میں غلطی کا ازالہ            | ۵۰۳  | زوجه مودہ کا شوہر کے لئے چہرہ دیکھنا          |
| "    | قبر کے اوپر کوئی تعمیر کرنے کا حکم             | "    | پھانسی دینے پر نماز جنازہ                     |
| ۵۱۸  | قبر پر چوڑھ غلطی کرنا                          | ۵۰۴  | عورتوں کی قبر میں بوریا رکھنے کا حکم          |
| "    | اپنے فرض یا واجب عمل کا ثواب دوسرے             | "    | جہاں لوگ نماز جنازہ سے واقف نہ ہوں            |
| "    | کو پہنچانا                                     | ۵۰۵  | واقفی نماز اور نماز جنازہ میں کس کو مقدم کریں |
| "    | مسئلہ مذکورہ                                   | "    | جو شخص غوث ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے       |
| ۵۲۰  | عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم                | "    | عمل و نماز جنازہ کا حکم                       |
| ۵۲۱  | مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال جواب          | "    | دفن کے بعد قبر کی مٹی کو پاؤں سے درست         |
| ۵۲۲  | کفر کی تعزیت                                   | "    | کرنا موت کے بعد بچہ کی آون مال کا ثنا         |
| "    | کافر کا بچہ نابالغ جو مسلمان کی پرورش میں      | ۵۰۷  | میت کے بعض اہل اربابے تو نماز جنازہ کا حکم    |
| "    | ہو اس کی نماز جنازہ کا حکم                     | "    | شوہر کے لئے نہ جگہ قبر میں اتارنا بلا عمل     |
| "    | مسئلہ مذکورہ                                   | "    | جائز نہیں                                     |
| "    | صدقات و خیرات کے لئے خصوصاً رمضان              | "    | کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا               |
| ۵۲۴  | میں اہتمام کرنا ایسا تعین نہیں جو بیعت میں رہو | ۵۰۸  | نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب                 |
| "    | قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے                | "    | مصارف تجہیز و تکفیل میں ترتیب وجوب            |
| ۵۲۵  | میت کے ہاتھ بوقت دفن کس جگہ رکھے جائیں         | "    | لاش کا پوسٹ مارٹم                             |
| "    | قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں                | "    | سیت اگر ناپاک چار پائی پر ہو تو نماز جنازہ    |
| "    | وہ بھی واقف ہونگے                              | ۵۰۹  | جائز نہیں                                     |
| ۵۲۷  | جنازہ کو کسی سواری پر رکھ کر لے جانا           | "    | خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز ہے       |
| "    | موت کے بعد انبیاء کے اجساد میں کوئی            | ۵۱۰  | علماء اور سرداروں کو کفن میں عامہ دینا        |
| "    | تغیر نہیں آتا                                  | "    | روضہ اقدس پر بنار قبہ کا جواز                 |
| ۵۳۰  | مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد خطوط               | "    | مسئلہ مذکورہ                                  |
| "    | زیارت قبر سے واپس ہوتے ہوئے اسکی               | "    | مردوں کو ایصال ثواب سے کرنے والے              |
| ۵۳۲  | طرف بوجہ طبعی ادب کے پشت نہ کرنا جائز ہے       | ۵۱۳  | کو بھی نفع پہنچتا ہے                          |
| "    | المانت کفار کے خوف سے قبر کو کوئی ایسی         | ۵۱۴  | مسئلہ مذکورہ                                  |
| "    | ضرورت دینا جس سے حفاظت ہو جائے                 | ۵۱۵  | مقبرہ میں تعمیر مکان پر شبہ اور جواب          |
| ۵۳۳  | مسجد میں نماز جنازہ گروہ ہونے کی تحقیق         | "    | نماز جنازہ کے وقت میت کے مغروض ہو چکی         |
| ۵۳۴  | مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال جواب          | ۵۱۶  | تحقیق کا حکم                                  |



|        |                                               |                                 |                                                       |
|--------|-----------------------------------------------|---------------------------------|-------------------------------------------------------|
| ۵۵۵    | مشتعل یا تذکر کو سلام کی ممانعت               | ۵۳۴                             | رست کو مردوں کی ارواح گھر میں آتی ہے                  |
| ۵۵۶    | حالت ذکر میں سلام کا جواب نہیں                | ۵۳۵                             | اس کی تحقیق                                           |
| "      | سجدہ دعا                                      | "                               | رست کو دفن کرنا                                       |
| "      | قیدیوں کی بنی ہوئی درمی وغیرہ پر نماز کا حکم  | ۵۳۶                             | ایصال ثواب کا طریقہ از کتابات امام ربانی              |
| "      | جن کپڑوں پر کسی بت خانہ یا لہو و لعب کی       | ۵۳۹                             | مسئلہ مذکورہ                                          |
| "      | تصویر ہو اس پر نماز کا حکم                    | "                               | ایصال ثواب کیلئے کوئی خاص ان معین کر لینا             |
| ۵۵۷    | نازی کے آگے کوئی بیجا بڑا اسکو دہاں سے ٹھیکنا | ۵۴۰                             | خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے                |
| "      | ضرورت کی وجہ سے نازی کے آگے سے گزر جانا       | "                               | منتقل کرنا جائز نہیں                                  |
| "      | رود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ               | "                               | ولد الانا پر نماز جنازہ کا حکم                        |
| ۵۵۸    | کچڑیا چھتری ستہ بن سکتا ہے                    | ۵۴۲                             | مسئلہ مذکورہ                                          |
| "      | محل کی جانماز پر نماز جائز ہونا               | ۵۴۳                             | مسئلہ مذکورہ کے متعلق مستقل رسالہ                     |
| "      | جو توں سمیت نماز کا حکم                       | ۵۴۵                             | کوئی کا فرمان کو ایصال ثواب کیلئے رو پیسے             |
| ۵۵۹    | فرائض کے بعد اور اردو وظائف                   | ۵۴۶                             | زبردستی کے آلات کو قبر کے پائخانہ میں ڈالنا           |
| "      | رسالہ استحباب الدعوات خفیب المصلوات           | ۵۴۷                             | وہ اپنے شہید ہونے والے کی تحقیق                       |
| ۵۶۰    | مع دعار و نیاز بعد انواع نماز                 | "                               | کسی شیعہ میت کے جنازہ میں شرکت کا حکم                 |
| ۵۶۱    | مرد کا سن بلوغ                                | "                               | طعام میت کھانے سے دل مر جانا بڑا اس کے معنی           |
| ۵۶۹    | ترک نماز پر جرمانہ کا حکم                     | "                               | متعدد اموات کو ثواب بخشا تو سب کو پورا                |
| "      | صبح کے فرض اور سنت کے درمیان لیٹنا            | ۵۴۸                             | لیگا یا تقسیم ہو کر حسب حصہ                           |
| ۵۸۰    | جو اوراد نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں انکو نماز  | ۵۴۹                             | کفن کے اور پرنے کی روایت کی تحقیق                     |
| "      | سے پہلے پڑھنا                                 | مسائل مشورہ متعلقہ کتاب الصلوٰۃ |                                                       |
| "      | بے نمازی کی جھگڑ میں اختلاف                   | "                               | حکم تارک نماز عموماً                                  |
| ۵۸۱    | مصافحہ بعد الصلوٰۃ کا حکم                     | ۵۵۰                             | حکم ترک جماعت بلا عذر                                 |
| "      | عدم جواز استعمال آلہ کبر الصوت                | "                               | صبح سوکر اٹھا کھڑے پراثر منی کا پایا تو کیا           |
| "      | مسئلہ مذکورہ کے متعلق مستقل رسالہ             | ۵۵۱                             | عشاء کی نماز کا بھی اعادہ کرے                         |
| ۵۸۲    | تحقیق الفریض فی حکم آلہ تقرب الصوت            | ۵۵۲                             | جانب مسجد وہی میں جواز نماز پر شبہ اور جواب           |
| ۶۰۰ تا | البعید                                        | "                               | نماز عصر اور فجر کے بعد امام نے سمت قبلہ سے           |
| "      | ضمیمہ متعلقہ مسئلہ کبر الصوت و بعض دیگر       | "                               | احکامات کی تحقیق                                      |
| "      | مسائل امداد الفتاویٰ - از مولانا مفتی         | ۵۵۳                             | مسئلہ مذکورہ کی دلیل                                  |
| ۶۰۱    | محمد شفیع صاحب                                | ۵۵۴                             | نہوت نازلہ محمد صالح برین اور جہیز خداداد رسالہ احکام |

تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ

## سیرت خاتم الانبیاء

آداب النبی مجلد

شہید کر ملا ۔

## آلات جدید کے شرعی احکام

## رویت ہلال کے احکام

## گناہ بے لذت

دوشنبه

سنت و برکت

احكام

ذکر اللہ اور فضائل درود و سلام

مقام صحابہؓ

## کانگریس اور مسلم لیگ

## عالی قوانین پر مختصر تبصرہ

ختم نبوت کامل

کشتوں

محیبت کے بعد راحت

اوزان شرعیہ

رفیق سفر (مع احکام سفر)

تاریخ قربانی (مع ضروری احکام)

## انسانی اعضاء کی پیوند کاری

آداب المساجد

آداب ایضاح و الترمذی

### علامات قیمت اور نزول مسیح

اسلام کا معاشرتی نظام سمجھنے کے لئے حضرت

مرلانا مفتی محمد شفیع صاحب کی مندرجہ ذیل

تصانیف کا مطالعہ فرمائیے۔

اسلام کا نظام تقسیم دولت عکسی

" " " " " "

انگریزی " " " " " "

اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات

اسلام کا نظام آرائشی

## قرآن میں نظام زکوٰۃ

## ضبط ولادت

مسند سود

## ہمیشہ زندگی

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود

احكام دعا

ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں

## بجائے المسلمین کناہوں کا کفارہ

التصوير لاحكام التصوير

مفتی اعظم پاکستان حنفی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
کے ۲۵ فقہی جوابات ہر باروں کا مجموعہ

## جَوَاهِرُ الْفَقْہِ

۱۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مقالات کا مجموعہ جو آپ نے مختلف اوقات میں خاص خاص فقہی مسائل پر تالیف فرمائے یہ مقالات چار اقسام میں تقسیم ہیں:  
● غیر مطبوعہ ● مطبوعہ مگر نایاب ● ایسا مولوں وغیرہ کے مضامین کی حیثیت میں۔ ● مطبوعہ اور دستیاب ہیں مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ اور بروقت استفادہ ذرا مشکل تھا۔  
اس مجموعہ سے آپ کو :-

- ✱ کفر و اسلام کے اصول، آغا خانی، قادیانی اور شیعہ وغیرہ فرقوں کی اسلامی حیثیت
- ✱ تقلید شخصی کی حقیقت، پاک بھند میں "جماعت اسلامی" نامی جماعت پر تبصرہ
- ✱ اسلامی عبادات پر جدید سائنس کے اثرات اور ان کا اسلامی حل۔
- ✱ معاملات، بیع و شراء اور عائلی قوانین وغیرہ کے اسلامی حدود
- ✱ اسلامی محامل، جمہوری سیاست کی شرعی حیثیت، دو قومی نظریہ
- ✱ سمت قبلہ، مواقیت احرام، اسلامی ذبیحہ، قرآنی رسم الخط، خطبہ حبیبی عربیت، اور ۱۱
- شرعیہ اور دوسرے بہت سے فقہی مسائل پر سیر حاصل علمی مباحث کے ذریعہ رہنمائی ملے گی۔
- عبد حاضر کے مخصوص اور مشکل فقہی مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنت، عرق ریزی اور تحقیق و مطالعہ کا بخور۔ ۲۳×۳۶ سائز پر آفست کی دلاؤ نیز کتابت و طباعت و گرین

جلد۔

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲

## باب سبیل سے قرآن ہنگ

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرہ آفاق کتاب انہار الحق، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور گجراتی زبانوں کے بعد پہلی بار اردو زبان میں۔

- — باب سبیل کے تحریف کے ثبات بلکہ انکار دلائل۔
  - — عقیدۂ تشلیف کا نکلنے اور عقلیہ احتساب۔
  - — مسئلہ نسخہ پر سیر حاصلہ بحثیہ۔
  - — قرآن کے حقایق کے منہ بولتے براہین۔
  - — کتب مقدسہ میں آنحضرت کی ایمان افروز باتیں۔
- ترجمہ: مولانا اکبر علی صاحب شرح و تحقیق: مولانا محمد کرم عثمانی۔
- موضوع میں مدیر البلاغ کے قلم سے دو سو سے زائد صفحات کا تحقیقی مقدمہ جس میں عیسائی مذہب کا مکمل تعارف اور اس کے تحریف شدہ مذہب ہونے پر مکتبہ الآراء بشیخ شامی ہیں۔
- برصغیر کے تمام ممتاز علماء اہل فکر اور صحافیوں نے اس کتاب کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔
- کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوئی ہے،

قاہروہ اور تہلین مقامہ کے لئے خریدنے والوں کو خاص رعایت دی جائیگی۔

مقدمہ الگ کتابی شکل میں "عیسائیت کیا ہے" کے نام سے شائع کیا گیا ہے قیمت۔

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی دوسری کتابیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

فَاسْتَعْمَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ تُخْلِقُونَ  
چون آیت موصوفہ است

بروجواب سوال فی الدین از اہل الذکر بالمطابقت بروجوب جوابت مرایشان بروجوب عمل بران  
جواب کہ من حیث الذکر باشد بالالتزام و کفی بتنویہا بشان الاستفتاء والاقتناء نیز بودش از اعظم  
مدارین از اہل بدیہیات بلکہ مشاہدات ست بنا علیہ شرطی از جوابات بر بعضی سوالات  
مسمی ب ۱۸۸

# امداد الفتاویٰ

معروف بفتاویٰ اشرفیہ

## مُبَوَّبٌ جلد اول

کہ منقسم بر چند جلد است و این جلد اول از ان ست کہ مشتمل بر تصحیح الاغلاط و تنقیح الاخلاط متعلق بخود  
ست

انرا خادات

حکیم الامتہ مجتہد الملتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مع تبویک ترتیب جدید

از احقر الخدام محمد شفیع سابق خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند و حال صدر  
کدام العلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد الحمد لاهلہ والصلوٰۃ علی اہلہما یہ مجموعہ ہے بعض فتاویٰ کا جو احقر نے وقتاً فوقتاً مختلف سوالات پر لکھے ہیں جس کے باعتبار احوال کمی و بیشی نظر اسل حقر کے تین حصے جدا جدا تھے۔

ایک وہ جو زمانہ طالب علمی دیوبند میں بامرستادی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب لکھے گئے تھے اور جن پر قریب قریب کل کے حضرت مولانا قدس سرہ کی تصحیح بھی تھی۔

اور یہ زمانہ ۱۳۱۵ھ تک کا ہی۔ دوسرے وہ جو زمانہ مدرسہ کا پورے لکھے تھے جس وقت کہ کسی محقق کی صحبت نہ تھی اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی کم تھا اور یہ وقت ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے۔ تیسرے وہ جو زمانہ قیام وطن میں لکھے ہیں جبکہ گاہ گاہ شرف صحبت مقدمہ المحققین حجۃ اللہ علی العالمین حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمت مشرف ہوا تھا اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی اضافہ بڑھ گیا تھا ہر چند کہ ان تینوں حصوں کی شان کا باہم ممتاز ہونا مقتضی اس کو تھا کہ جدا ہی جدا رہتے مگر چونکہ ان کی ترتیب بحسب حوادث تھی ابواب ابواب پر وہ مرتب نہ ہوئے اور رغبت عام و سہولت تمام تہویب میں دیکھی گئی۔ اس لئے اشاعت کے وقت اس کو بابا بابا مرتب کرنا مناسب معلوم ہوا اور ترتیب زمان اکثر جگہ خود تاریخ اور سنہ سے معلوم ہو جاوے گی جو اکثر جوابوں کے اخیر میں مرقوم ہے۔ اور تنگی نظر یا قلت تجربہ سے جن مضامین میں کچھ کمی تھی اس کا تدارک ترتیب کے وقت نظر ثانی کر کے بقدر ضرورت کر دیا گیا اور سہولت کے لئے اس کی چار جلدیں کر دی گئیں۔ پہلی جلد میں یہ مضامین ہیں :-

طہارت۔ صلوٰۃ۔ تجوید و قراءت۔ جائز۔ زکوٰۃ و صدقہ۔ صوم۔ اعتکاف۔ حج۔

دوسری جلد میں یہ مضامین ہیں :- نکاح۔ رضاعت۔ طلاق۔ حضانت۔ نفقہ، حدود۔ ایمان۔ نذور۔ وقف۔ ذبايح۔ اضحیہ۔ حظ و اباحت۔

تیسری جلد میں یہ مضامین ہیں :- بیع۔ ربا۔ کفالت۔ حوالہ۔ ودیعت۔ عاریت۔ اجارہ۔ دعویٰ۔ قضاء۔ شہادت۔ غصب۔ فقہ۔ رہن۔ ہبہ۔ شرکت۔ قسمت۔ مزارعت۔

لقطہ - وصیت - فرائض - مسائل شتی - مسائل طاعون -

چوتھی جلد میں یہ مضامین ہیں :- مایعلق بالتفسیر - مایعلق بالحديث - سلوک - روبا بدعات - تقلید - عقائد و کلام - مناظرہ فرق باطلہ - البحث علی الفلسفۃ الجدیدۃ - رسالہ خطاب الندوہ مع مکاتیب کالج علی گڑھ، بعض تحریرات مولانا خلیل احمد صاحب مناسبہ مقام - اس مجموعہ کے متعلق یہ امور قابل تذکرہ ہیں -

**مبشر -** یہ مجموعہ ۱۳۲۵ھ کے ختم تک کے مسائل کا ہوا درابتداء ۱۳۲۶ھ سے مستقل جمع کئے جا رہے ہیں ان کی نسبت جو حق تعالیٰ کو منظور ہو -

**مبشر -** اس مدت مذکورہ میں جتنے مسائل لکھے گئے ہیں یہ سب کا مجموعہ نہیں ہے بعض کسی وجہ سے نقل نہیں ہو سکے بعض غیر ضروری سمجھ کر قصداً نقل نہیں کئے گئے - اور ایسے بھی بکثرت ہیں بالخصوص زمانہ قیام کا پورے جوابات تو قریب کل کے مدرسہ جامع العلوم ہی میں محفوظ ہیں -

**مبشر -** اس کے قبل اس کے بعض اجزاء بلا ترتیب بوابہ حصے کر کے شائع ہو چکے ہیں جو فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول و حصہ دوم کے نام سے مشہور ہیں - وہ دونوں حصے بھی اس مجموعہ میں موجود ہیں مگر ان کے مضامین اس میں بوجہ توبیہ کے منتشر ہو گئے ہیں -

**مبشر -** چونکہ پہلے نام سے جو کہ بعض دوستوں نے رکھ دیا تھا لینے کے وقت بھی اور سننے کے وقت بھی مجھ کو خلعت ہوتی ہی اسلئے اس مجموعہ کا نام اپنے مرشد علیہ الرحمۃ کے اسم مبارک پر **امداد الفتاویٰ** جس کا لغوی معنی کے اعتبار سے بھی مناسب ہونا ظاہر ہو رہا تھا ہوں اور چونکہ اس کے دو حصے اور نام سے شائع ہو چکے ہیں جن کے بعد اسی نام کے آئندہ حصوں کا لوگوں کو انتظار تھا محض اس پتہ لگنے کی مصاحت سے کہ اس کو نئی کتاب نہ سمجھیں اس جدید نام کے ساتھ بقاعدہ ترجیح العقل علی الطبع لفظ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ اضافہ کئے جانے کو گوارا کرتا ہوں اور یہ گوارائی اُس وقت تک محدود ہے جب تک اس جدید نام کی شہرت نہ ہو جاوے اور بعد شیوع کے اس کے مابعد حصوں کے لئے جن کی ابتداء ۱۳۲۵ھ کے مسائل سے ہو سکتی ہے لوح پر صرف نام ہی لکھے جانے پر اکتفا کرنے کو پسند کرتا ہوں -

**مبشر -** چونکہ احقر کو فرصت بہت کم ہوتی ہے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب سب

باب میں وضع اور نقل کرنے کا کام بعض اجاب سے لینا پڑا جس میں بعض مسائل بعض ایسے ابواب میں موضوع ہو گئے کہ بہ نسبت اُن کے دوسرے ابواب سے زیادہ الصق وادق تھے اور چونکہ بیضہ درست ہونے کے بعد اُس کی اطلاع ہوئی اب اس کے تغیر و تبدل میں حرج عظیم تھا کتابت کا بھی وقت کا بھی صرف کا بھی اسلئے بحالہ چھوڑ دیا گیا اور بعض بعض جگہ جہاں خیال آ گیا حاشیہ میں الصقیۃ مذکورہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ طبع مکر میں کام آ سکے۔

**مذہب ۲۔** اگر کسی مدرس غلطی معلوم ہو ثلث کو اطلاع کر دی جاوے نیز علماء محققین کی مدد سے اصلاح کا بھی ختم رہے اور اگر کوئی مضمون اکابر کی تحقیقاً کے خلاف ہو تو ترجیح اکابر کے قول کو سمجھی جاوے (الآن ناد ما شاء اللہ)۔ یا اگر ایسی کے دوسٹلوں میں تعارض پایا جاوے تو متاخر التاریخ کو کہ اجوبہ کے ختم پر اکثر مقامات میں تاریخ پائی جاوے گی راجح سمجھا جاوے اور جہاں تاریخ نہ ہو علماء سے مراجعت کی جائے۔

**مذہب ۳۔** جو مضمون کسی عامی کی قوت فہم سے خارج ہو اُس کے مطالعہ کو ترک کر دیں اور اگر فہم سے خارج نہ ہو مگر کسی عارض سے اغلاق رہ جاوے علماء سے حل کر لیں۔ اپنی رائے پر اُس کے حل کرنے میں اعتماد نہ کریں۔

سب کے آخر میں سب منتفعین و ناظرین سے دُعا وُحسن قبول وُحسن توفیق وُحسن خاتمہ کی چاہتا ہوں ۛ

برہ:۔ اشرف علی التھانوی

منتصف ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ھ من الهجرة



# کتاب الطہارت

## فصل فی الوضوء وواقضہ

عورتوں کے لئے مسواک کا حکم | سوال (۱) بہشتی زیور وضو میں مسواک کا مسنون ہونا بھی لکھا ہے حالانکہ فقہاء عورتوں کے لئے علق کو قائم مقام مسواک کے لکھتے ہیں۔ لیکن تخصیص لجال کی کوئی دلیل پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں ترغیب فضیلت تمام بیان کی گئی ہے رائے عالی سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ میرے نزدیک مسنونیت مسواک کی عام ہے۔ لاطلاق الدلیل رہا اقامت علق کا مقام مسواک میں میرے نزدیک معنی اس کے جواز اقامتہ ہر نہ وجوب اقامتہ جو مستلزم ہے نفی مشروعیت مسواک کو بعد دلیل لوجوب فقط (امداد ص ۱۱) دارھی کے مسح کرنے اور دھونیکا حکم | سوال (۲) شرح دقایہ میں ہے۔ فعندنا بحیثیۃ اماللحیۃ ربعمہا فرض۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ آیا دارھی کا مسح بھی فرض ہے یا فقط سر کا مسح فرض ہے دارھی کا مسح سنت۔

الجواب۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دارھی ایسی ہو جس کے اندر جلد وجہ کی نظر آتی ہو وہاں تو اس جلد کا بھی دھونا فرض ہے اور اگر جلد مستور ہو تو جس قدر حد وجہ اور دائرہ وجہ سے نیچے لٹکی ہو اس کا مسح سنت ہے اور جو دائرہ وحد وجہ کے اندر ہو کہ اگر اس بال کو پکڑ کر کھینچا جاوے تو وجہ سے باہر نہ رہے تو اس میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت وہ بھی ہے جو شرح دقایہ میں ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سبک دھونا فرض ہے۔ ہکذا فی الدارالمختارہ والمختارہ فقط، ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۱)

سوال (۳) وضو میں بصورت گھنے ہونے بال دارھی کے جلد میں جہاں سے بال جمتے ہیں پانی پہنچانا چاہیئے یا صرف بالوں پر مسح کر لینا چاہیئے اور سج بالوں کیلئے نیپانی

لینا چاہیے یا کہ جو پانی منہ دھونے کے واسطے لیا ہے اسی پانی سے منہ پر ڈالنے کے بعد مسح کر لینا چاہیے۔

**الجواب۔** جو کھال یا لوں میں سے نظر آتی ہو اس کا دھونا تو فرض ہے اور جو نظر نہ آتی ہو مثلاً داڑھی گھنی ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو داڑھی چہرہ کی حد کے اندر ہے اُس کا دھونا فرض ہے اور جو ٹٹکی ہے اُس کا دھونا فرض نہیں بلکہ اولیٰ ہونی الدر المختار وغسل جمیع المحیة فرض یعنی علیاً ایضاً علی المذہب الصحیح الملقی بہ المرجوع الیہ وما عدا ہذا المراد ایتہ من وجوع عنہ مکافی البدائع ثور لا خلا ان المسترسل لا تجب غسلہ ولا مسحہ بل یسن وان الخفیفة التي تری بشرہا یجب غسل ما تحتہا کذا فی الزہر۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ رتتمہ خامسہ صفحہ ۸۳

وضو کے بعد انا انزلنا پڑھنا **سوال (۴)** آپ نے ہشتی زیور کے حصہ اول میں لکھا ہے بعد وضو کے انا انزلنا اور دعا پڑھنا چاہیے۔ اور ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس کے ثابت ہونے کی حدیث موضوع ہے اور پڑھنا اس کا خلاف سنت ہے آیا ہم کس کے قول کو تسلیم کریں اور آپ نے کسی صحیح روایت سے لکھا ہو تو جواب دیں،

**الجواب۔** مینۃ المصلیٰ میں انا انزلنا پڑھنے کو لکھا ہے اور شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ نہیں لکھا کہ اس کا پڑھنا سنت یا ثواب ہے اور ملا علی قاری اگر خلاف سنت کہتے ہیں تو جب کہ اس کو کوئی سنت سمجھے ورنہ کچھ حرج نہیں پس تعارض نہ رہا فی رد المحتار تحت قولہ واما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال واما لو كان دخلا في اصل عام فلا مانع منه لا يجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام اذ لا مانع من ان لا يثبت له فقط والله تعالى اعلم۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ ہجری (امداد اول ص ۱۳)

حضرت مولانا مظہر عالمی کا جواب بنی برتسیم صحت بیان سائل ہو ورنہ اصل حقیقت یہ ہے

کہ ملا علی قاری نے اس حدیث کو موضوع کہا اور نہ اس پر عمل کو خلاف سنت بتلایا جیسا کہ جناب مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب سعایہ سے یہ امر واضح ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔ وفي المصنوع في معرفة الموضوع لعلمی القادی حدیث من قرأ فی الفجر یا العشاء وادخلوا لویومہ قال السنخادی لا اصل له وکذا قرأۃ انا انزلنا عقیب الموضوع لا اصل له

جنازہ کے وضو سے نماز پنجگانہ کا حکم سوال (۵) جنازہ کی نماز کے واسطے وضو کیا اُس وضو سے نماز فرض پڑھ سکتا ہے۔ اگر نہیں پڑھ سکتا تو کس وجہ سے۔ بینوا تو جروا  
**الجواب**۔ پڑھ سکتا ہے۔ ۵ ارذی الحجۃ ۳۲۵ھ (امداد ص ۱۲)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) وہو مغفوت سنتہ داراد السنخادی انہ لا اصل لہ فی المرفوع  
والا فقد ذکرہ ابواللیث السمرقندی وہو امام جلیل واما قوله وہو مغفوت  
سنتہ ای سنتہ الوضو وليس لہ سنتہ مستقلة كما حققہ الغزالی و  
انما يستحب ان یصل بعد کل وضو و لم یشرط احد فوریۃ ما بعد کا و  
ینافی قرأتہ سورۃ وغیرہا اھ سعایہ ص ۸۳ جلد اول۔ اس سے معلوم ہوا کہ  
اس کے موضوع کہنے کی نسبت علی قاری کی طرف بالکل غلط ہے بلکہ سخاوی اس کی نسبت ایک قول اصل  
کہا تھا موضوع انہوں نے بھی نہ کہا تھا) پس علی قاری نے ان کے قول کی توجیہ کی اور دوسرے انہوں  
نے اس کو مغفوت سنتہ کہا تھا (خلافت سنت نہ کہا تھا) علی قاری نے اس کا جواب یا پس قرأتہ  
انا انزلنا کی حامی ہوئی نہ کہ مانع اس سے سائل کے بیان کی غلطی معلوم ہو گئی اب سنو کہ سعایہ  
میں ہے فی الحلیہ سئل عن احادیث ذکرہا ابواللیث فی مقدمۃ فی فضل  
قرأتہ سورۃ القدر بعد الوضو لشیخنا الحافظ بن حجر العسقلانی فاجاب  
بانہ لو ثبت منها شئ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لامن قولہ  
ولامن فعلہ والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والصلح  
فی فضائل الاحمال اھ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث قرأتہ سورۃ قدر ضعیف ہے کہ موضوع  
اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سخاوی کے قول لا اصل لہ سے اس کا موضوع ہونا نہیں ظاہر ہوتا جب  
یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھ کر شرح منیبہ میں ہے ومن الاداب ان یقرأ بعد الفراغ  
من الوضوء سورۃ انا انزلناہ مرۃ او مرتین او ثلاثا کا کہ توارث عن السلف  
وروی فی ذلک اثار لا یاس بہا فی الغضائیل اھ اور سعایہ میں ہے۔ فی المقد  
الغزویہ فی فروع الحنفیۃ ان من المستحبات ان یقرأ بعد الوضوء سورۃ انا انزلنا  
ثلاث مرات لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من قرأ انا انزلناہ علی  
اثر الوضوء مرۃ کتب اللہ لہ عبادۃ خمسین سنتہ قیام لیلہا صیام  
نہارہا ومن قراءہا مرتین اعطاہ اللہ ما یعطى الخلیل والکلید

صرت داہنے ہاتھ سے وضو کرنا حکم | سوال (۶) فقط داہنے ہاتھ سے بلا عذر وضو متام کرے جائز ہے یا مکروہ۔

الجواب۔ اس کی کراہت کی نہ کوئی روایت نظر سے گزری نہ روایت اسکی موجب معلوم ہوتی ہے بلکہ بعض اعضاء تو دونوں ہاتھ سے دھل بھی نہیں سکتے جیسے یدین الی المر فقین اور بعض اعضاء میں تعسر ہے جیسے رجلین اور روایت بھی الکفای کے جواز کی مؤید ہے۔ فی الدر المختار فی الآداب غسل رجليه بیساراً فی رد المحتار عن شرح الشیخ اسمعیل قال یفصح الماء بیمنہ علی رجليه ویغسلهما بیساراً ۴۵- ۲۵ محرم ۱۳۲۶ ہجری (تمہ اولی ص ۸)

شبه خروج قطره و ریح ناقص ہو یا نہیں | سوال (۷) زید کو گاہ گاہ قطرہ بعد وضو خارج یا داخل نماز میں آجاتا ہے اور گاہی خروج ریح کا شبہ ہوتا ہے ذکر میں سے اور کبھی بعد شبہ دوم خروج قطره دیکھا گیا کچھ بھی محسوس نہیں ہوا آپ ماہ الفرق والا متیاز سمجھا دیں کہ کیسے یقین کیا جائے کہ قطرہ آیا یا ریح ذکر میں سے نکلی جس کی وجہ نیت نہ توڑی جائے کیونکہ قطرہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ریح جو ذکر سے نکلے اُس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ دم شبہ بھی نہ ہوا کرے فقط

الجواب۔ محض شبہ سے نیت نہ توڑی جائے نماز پڑھ کر فوراً دیکھ لیا جاوے اور دیکھنے سے جو ثابت ہو اُس کے موافق عمل کیا جائے فقط ۳ ردی الجوز ۳۲۹ (تمہ اولی ص ۸) زخم کے منہ سے پیپ غیرہ کا نکلنا | سوال (۸) زید کے ایک پھنسی ہے جو ہر وقت بہتی رہی ہے اور اُس کے اوپر پھایہ لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھایہ میں بہتی ہے باہر نہیں نکلتی اس صورت میں

(بقیہ ص ۸) الحلیب ومن قرأ ثلاث مرات ینفتح الله له ثمانیۃ ابواب الجنۃ فیدخلها من ای باب شاء بلا حساب عذاب وروی ایضاً من قرأ انا انزلناہ علی اثر الوضوء مؤکد کتبہ الله من الصدیقین ومن قرأها مرتین کتبہ الله من الشہداء ومن قرأها ثلاث مرات ینحشہ الله تعالیٰ مع الانبیاء انتہی ان تمام تفصیلات کے مجموعہ سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ قرأۃ سورۃ انا انزلنا بعد الوضوء اولیٰ ہو اور اس میں اجر کی توقع ہے گو ثواب مذکور فی الاحادیث المذکورہ کا اعتقاد جائز نہیں کیونکہ یہ امر بلا نقل صاحب دعی کے معلوم نہیں ہو سکتا اور صاحب دعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے پس بہت سی زید پر کچھ شبہ نہ ہوا انشاء علم (تصحیح الاغلاط ص ۱)

**الجواب**۔ اگر زخم کے منہ سے پیپ باہر آ جاتی ہو اگرچہ پھیایہ کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن جس کا زخم ہر وقت بہتا ہو بوجہ معذور ہونے کے اُس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔  
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۲)

معذور کے لئے وضو باقی رہنے کا حکم اور یہ کہ وہ اُسی وضو سے ادا و قضا نماز پڑھ سکتا ہے۔  
**سوال** (۹) زید کو قضا نماز میں بہت سی رہی ہوئی پڑھنی ہیں اور اُس کا وضو نہیں ٹھہرتا ہے اُس کو وضو ٹوٹ جلنے کا مرض ہے اب وہ ایک ہی وضو سے پانچ چار نمازیں اکٹھا پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ جب تک ایک وقت کسی نماز کا باقی ہے اُس کا وضو رہے گا اُس میں جتنی قضا نمازیں چاہے پڑھے۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۳)  
**سوال** (۱۰) کان میں اگر عطر کا پھیایا ہو تو مسح کرتے وقت وہ پھا ہا نکال کر کان میں انگلی پھرائی ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ فی الدار المختار سنن الوضوء واذنیہ معافی رد المحتار ای باطنہما بیاطن السبابتین وظاہرہما بیاطن الا یہا مین قہستانی۔ فی الدار المختار مستحب الوضوء وادخال خنصرہ المبلولة صماخ اذنیہ عند مسحہما۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پھا ہا کان کے نرمہ میں رکھا ہو تو مسح کے وقت اُس کا نکالنا سنت ہے اور اگر سوراخ میں رکھا ہو تو اُس کا نکالنا مستحب ہے۔ ۹ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۳)  
**سوال** (۱۱) ایک شخص کا ہاتھ ایسا ہے کہ جس سے تمام کام سے وضو میں کام لیتا ہے۔  
بوقت معذوری بائیں ہاتھ سے وضو میں کام لیتا ہے مگر ہاتھ منہ تک نہیں پہنچتا۔ ایک ہاتھ یعنی بائیں ہاتھ سے منہ دھوتا ہے کان کا مسح بائیں طرف تو کر لیتا ہے کیا داہنے کان کا مسح بھی بائیں ہاتھ سے کر لے دے یا صرف بائیں کان کا مسح بلحاظ سنت ضروری ہوگا داہنے کا سادہ ہو جائے گا۔ بینوا تو جردا۔

**الجواب**۔ ہاں داہنے کا بھی بائیں ہاتھ سے کر لے۔ ۶ رذی الحج ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۹)  
**سوال** (۱۲) ناخن کے اندر جو میل جم جاتا ہے وہ نہ چھڑا دے اور غسل کی صحت سے مانع نہیں؟  
میل اور مٹی جو ناخنوں میں ہو وضو سے وضو ہو جاتا ہے یا نہ اسی طرح برسات کے دن چلنے پھرنے میں پیر کے ناخن کے اندر کیچڑ جاتا ہے وضو کے وقت خلال سے چھڑانا پڑیگا یا نہ۔

**الجواب** - ولا يمنع الطهارة ونبيعه وحناء ودون ووسخ وكنز ادهن ودسومة ودراب وطين ولو في ظفر مطلقاً اي قرويا او مدنيا في الاصل وختار بحث الغسل - اس سے معلوم ہوا کہ بدون چھڑائے وضو ہو جاوے گا چھڑا نیکی ضرورت نہیں فقط - یکم محرم روز جمعہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ۵)

کہتے یا کسی اور دوا سے بہنے والا خون اگر **سوال (۱۳)** اگر اُس دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا مستور ہو جائے تو اُس کا اعتبار نہیں ہے جاوے یا کتھا لگا دیا جاوے کہ پانی خون نظر نہ پڑے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لی جاوے تو درست ہے یا نہیں ؟

**الجواب** - فی الدر المختار لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقصن والا لا فی رد المحتار وکذا اذا وضع علیه قطنه او شيئاً اخر حتى ينشف ثم وضعه ثانياً وثالثاً فإنه يجمع جميع ما نشفت الخ ج ۱ - اس سے معلوم ہوا کہ نظر نہ پڑنا کافی نہیں اگر وہ بند نہیں ہوا مگر کتھا چوٹ وغیرہ کے سبب نظر نہیں پڑا تو اُس کا حکم بہنے کے مثل ہے - ۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ۶)

صرف چوتھائی کمرے مسح کی عادت ڈالنا **سوال (۱۴)** جو شخص وضو میں ہمیشہ صرف مکروہ ہے اور نماز بھی مکروہ ہے ؟ چوتھائی کمرے مسح پر اکتفا کرتا ہے اور کبھی سارے سر کا مسح نہیں کرتا تو اُس کے وضو کے اندر کچھ نقصان ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو یہ نقصان نماز تک پہنچے گا کہ صرف وضو ہی تک رہے گا ؟

**الجواب** - ترک سنت ہے اُس کی نماز تک اثر ہوگا کہ اُس کی صحت اختلافی ہو جائے گی دو کمرے اس سنت کے ترک سے طہارت میں نقصان رہے گا جس سے بعض خربیتا میں امامت کو مکروہ کہا ہے - کہا فی رد المحتار ولعدم امکان الطهارة ايضا فی المغلوج والا قطع والمجبوب الخ ص ۵۷ ج ۱ - واللہ اعلم -

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ۷)

کمرے مسح کے لئے نیا پانی لینا **سوال (۱۵)** بحالت وضو کہنیں تک ہاتھ دھونے کے بعد وہی پانی کمرے مسح کے واسطے کافی ہے یا علیحدہ اور پانی لیکر سر کا مسح کرنا چاہیئے **الجواب** - اس میں اختلاف ہے - کمافی الدر المختار - او بلل باقی بعد غسل علی المشہور فی رد المحتار قولہ علی المشہور مقابلہ قول الحاکم بالمنع الی قولہ

لہذا لا یجوز الا بما عجدید لانہ قد تطہر بہ مرۃ ۱۵ و اقرۃ فی النہر ج اصلاً  
۲ ذیقعدہ ۳۳۳ھ (تمتہ ثالث مکہ ۹۵)

زخم کے پھایہ کے اندر جو پیپ ہو وہ سوال (۱۶) ۱۷۱۲۱۳۱۴۱۵۱۶۱۷۱۸۱۹۲۰۲۱۲۲۲۳۲۴۲۵۲۶۲۷۲۸۲۹۳۰۳۱۳۲۳۳۳۴۳۵۳۶۳۷۳۸۳۹۴۰۴۱۴۲۴۳۴۴۴۵۴۶۴۷۴۸۴۹۵۰۵۱۵۲۵۳۵۴۵۵۵۶۵۷۵۸۵۹۶۰۶۱۶۲۶۳۶۴۶۵۶۶۶۷۶۸۶۹۷۰۷۱۷۲۷۳۷۴۷۵۷۶۷۷۷۸۷۹۸۰۸۱۸۲۸۳۸۴۸۵۸۶۸۷۸۸۸۹۹۰۹۱۹۲۹۳۹۴۹۵۹۶۹۷۹۸۹۹۱۰۰

ناقض وضو ہے یا نہیں۔ تعارض کا جواب میں ارقام ہے۔ سوال۔ زید کے ایک پھنی ہے جو ہر وقت بہتی ہے اور اس کے اوپر پھایہ لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھایہ میں رہتی ہے باہر نہیں نکلتی اب اس صورت میں وضو ہے یا نہیں؟ جواب۔ اگر زخم کے منہ سے پیپ باہر آجاتی ہو اگرچہ پھائے کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہو الخ حضرنا ذیل کی عبارات سے تو اس صورت میں وضو کا ٹوٹنا نہیں ثابت ہوتا ہے۔ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ میں ہے اگر جراحت ہو اس کو باندھا پس بندان ترہوا اگر تری باہر رخ کو پھوٹ آئے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں تا تا رخانیہ دوسری جگہ عین الہدایہ باب نواقض وضو میں ہے اگر زخم کو باندھا پس بندش کے اوپر تری پھوٹے تو وضو ٹوٹ گیا الخ اور فتاویٰ ہندیہ ترجمہ عالمگیری باب لمس علی الخفین میں ہے اگر کسی نے زخم کو باندھا اور وہ بندھن تر ہو گیا اور وہ تری باہر تک آگئی تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں ٹوٹا غرض معروض یہ ہے کہ اگر کوئی قصد کھلواٹے اور اس پر پٹی باندھے پس اگر اس زخم سے خون نکلا لیکن پٹی سے باہر نہ نکلا تو وضو ٹوٹا یا نہیں۔ اور حضور والا کے فتوے اور مذکور عبارات کا آپس میں تعارض ہے یا نہ اصلاح فرمادیں اور کیا حق ہے؟

الجواب۔ یہ عبارات پٹی باندھنے کے باب میں ہیں جن میں یہ احتمال ہی نہیں کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو اور تتمہ کا جواب پھایہ کے باب میں ہے جس میں یہ احتمال ہے کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو۔

جمادی الاخریٰ ۳۳۶ھ ہجری (تمتہ خامسہ مکہ ۵)

چو کڑی مار کر بیٹھنے کی حالت میں اگر سوال (۱۷) ۱۷۱۲۱۳۱۴۱۵۱۶۱۷۱۸۱۹۲۰۲۱۲۲۲۳۲۴۲۵۲۶۲۷۲۸۲۹۳۰۳۱۳۲۳۳۳۴۳۵۳۶۳۷۳۸۳۹۴۰۴۱۴۲۴۳۴۴۴۵۴۶۴۷۴۸۴۹۵۰۵۱۵۲۵۳۵۴۵۵۵۶۵۷۵۸۵۹۶۰۶۱۶۲۶۳۶۴۶۵۶۶۶۷۶۸۶۹۷۰۷۱۷۲۷۳۷۴۷۵۷۶۷۷۷۸۷۹۸۰۸۱۸۲۸۳۸۴۸۵۸۶۸۷۸۸۸۹۹۰۹۱۹۲۹۳۹۴۹۵۹۶۹۷۹۸۹۹۱۰۰

سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا؟ وضو تو نہ جائے گا اور اس وضو سے ذکر یا نماز پڑھنی جائز ہوگی؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ نواقض الوضوء وان نام مترجلاً لا ینقض الوضوء اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں وضو نہ ٹوٹے گا۔

۶ سوال ۱۳۳۶ ھجری (تمتہ خامسہ ص ۶۶)

سوال (۱۸) چار زانو بیٹھے بیٹھے اگر چند منٹ کو نیند آجاوے تو وضو یا تہ

رہتا ہے یا نہیں ؟

الجواب - باقی رہتا ہے۔ فی العالمگیریۃ عن الخلاصۃ دان نام مترجما

لا ینقص الوضوء وکذا الو نام متورکابان یدبسط قد میدہ من جانب و

یلصق الیتیمہ بالارض ھ - ۵ رجب ۱۳۲۲ ھجری (تمتہ خامسہ ص ۶۶)

تبرکے اور وضو کرنے کا حکم | سوال (۱۹) ایک مسجد میں صحن مسجد سے علیحدہ ایک

قبر پختہ بنی ہوئی ہے اور اس وقت اس قبر کا محض چو نہ سے نشان بنا ہوا ہے باقی فرش

کے ہموار ہے اس قبر کے آگے بلندی کے ساتھ دیوار ہے اور یہ دیوار فاصلہ سے ہے

اور وضو کے لئے ہے پس زید اگر رو بقبلہ ہو کر اس دیوار پر بیٹھ کر وضو کرتا ہے تو قدرے

قلیل وضو کے پانی کی اس قبر کے نشان کی طرف چھینٹیں اڑ کر جاتی ہیں تو اس حالت

میں زید کا وضو کرنا اس جگہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

کسر عظم المیت ککسرہ حیار واک مالک و ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ)

آخر الفصل الثانی من باب دفن المیت قال الطیبی اشارۃ الی انہ لا یمہان

المیت کما لا یمہان الحی (حاشیہ) وعن عمر و بن حزم قال راوی النبی صلی اللہ علیہ

وسلم متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر ولا یؤذہ رواہ احمد

(مشکوٰۃ) قال الحافظ فی المغنی ای لا تہنہ الخ (حاشیہ تنقیح المرحۃ) ان

روایات اور ان کی درایات سے مفہوم ہوا کہ جو معاملہ کسی کے ساتھ حیات میں ہوئی اور مکروہ

ہے بعد موات بھی وہی حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی زندہ شخص کے پاس بیٹھ کر اس طرح وضو

کریں کہ اس پر چھینٹیں پڑیں تو وہ اس سے متاثر ہوگا اور موجب اہانت سمجھے گا۔ پس قبر کو

بھی اُس سے بچانا ضروری ہے۔ البتہ اگر نشان بھی نہ رہے تب کچھ ہرج نہیں۔

۶ رذی قعدہ ۱۳۳۸ ھجری (تمتہ خامسہ ص ۱۹)

مسح گردن کا حکم | سوال (۲۰) جب مسح کرتے وقت سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے ہاتھ کو

گردن کی طرف لے جاتے وقت بھی گردن کا مسح کر لیا جاوے یعنی ماتھے پر ہاتھ رکھ کر



جو گردن کی طرف کھینچا تمام سر پر پھرا کر کے ساتھ ہی گردن پر اسی وقت پھیر لیا جائے جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث مددھماکی القفا کا مفہوم معلوم ہوتا ہے اسی طرح مسح کرنا بہتر ہے یا ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے حدیث مذکور کا مفہوم مطلب صحیح کیا ہے۔

**الجواب**۔ اس سے مستحب ادا نہ ہوگا۔ ایک تو ترتیب رہی دوسرے ظہر پر سے نہ ہوا اور بظہر پر کی قید کتب فقہ درختار وغیرہ میں مصرح ہے اور حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اس میں مسح قفا آیا ہے جو کہ اس کا جزو ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے۔ پس اس کو مسح رقبہ سے کچھ مس نہیں اور اگر اس کا عموم فرض کر لیا جاوے تو بلبوغ فتدال یا مداخل القفا بمعنی السقبہ سے یہ لازم نہیں آیا کہ یہ قصداً تھا بلکہ استیعاب راس میں اس کا بھی مس ہو گیا اور اگر مس کو قصداً مان لیا جاوے تو ممکن ہے کہ بیان جواز پر محمول کر لیا جاوے اس سے مستحب کا ادا ہو جانا لازم نہیں آتا۔

۸۔ رجب ۱۳۴۲ھ ہجری (تمہ خامسہ ص ۲۷)

**سوال (۲۱)** دیر باز است کہ مسح گردن در وضوئے کم زبر کہ در زاد المعاد لابن القيم و مکتوبات شریف مجدد الف ثانی بدعت نوشته اند و در قاضی خان بلفظ قیل نیز موجود است انکوں منتظر حکم عالی ہستم در بارہ خود چہ کنم ہر چہ صادر شود بجا آورم۔ **الجواب**۔ اکثر براستجاب نہ ترک نہ کنند۔ ۸۔ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۱)

**سوال (۲۲)** بہشتی زیور میں تحریر ہے کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ بسم اللہ پڑھنے کا حکم پڑھے اور اکثر رواج ہے کہ بسم اللہ کے ساتھ اعوذ باللہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو کرنے میں اعوذ باللہ پڑھنا بدعت ہے صحیح حکم شرعی سے آگاہی بخشی جاوے۔

**الجواب**۔ فی رد المحتار و قیل الا فضل بسم اللہ الرحمن الرحیم بعد التعوذ فی المجتبیٰ مجمع بینہما اھ عن مفتوح فی شرح الہدایۃ للعبانی الطروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبسم اللہ والتحمید للہ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن ابی ہریرۃ باسناد حسن اھ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اعوذ باللہ و بسم اللہ کا جمع کرنا افضل ہے تو مذہب میں جس کو افضل کہا جاوے وہ بدعت کیسے ہوگا البتہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا اتباع زیادہ برکت کا عمل ہے۔۔۔ ارجمادی لاؤل ۱۳۲۳ھ  
(تمہرہ خامہ ص ۳۶)

بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو نہیں | سوال (۲۳) عورت دودھ والی وضو سے ہو اور  
وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلا دے یا دودھ اُس کا آپ سے جاری ہو یا وہ نماز میں ہو کہ  
اور لڑکا دودھ پیوے دودھ نکلے یا نہ نکلے اُس کی نماز کے واسطے اور وضو کے واسطے  
کیا حکم ہے ؟

الجواب۔ دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن اگر نماز میں ہو اور بچہ  
دودھ پی لے اور دودھ نکل بھی آوے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر دودھ نہ نکلے تو  
نماز نہ جاوے گی فی رد المحتار عن التاتارخانیۃ مص صبی ثدیہا و  
خرج اللہین تفسد صلوٰتہا ج اص ۵۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۲۵ / محرم ۱۳۲۳ھ ہجری (امداد الفتاویٰ ص ۶۹)

بغیر پیر دھوئے ہوئے | سوال (۲۴) یہ چند مسئلے جو بندہ نے دریافت کئے  
وضو درست ہے یا نہیں | ہیں اُن سے آگاہی بخشیے گا وہ یہ ہیں :-  
نمبر (۱) بغیر پیر دھوئے وضو ہو جاتا ہے یا نہیں۔

نمبر (۲) بوٹ کے اوپر مسح درست ہے یا نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ  
نجس جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ٹی (پانخانہ) وغیرہ میں پہنکر جانا۔

نمبر (۳) رُاونی موزہ کے اوپر بھی مسح درست ہے یا نہیں جو کہ دبیز ہو۔  
نمبر (۴) بوٹ جوتا کے اوپر مسح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُس جگہ پر ہر وقت  
پٹی اور بوٹ مع موزہ کے پہننے کا حکم ہے اور اتنی فرصت نہیں ہے کہ اُس کو  
کھولا جاوے اور پیر دھولے جاویں۔

نمبر (۵) یہ ملک بھی برفستان ہے اور بہت ٹھنڈا ہے ہر وقت پیر دھوئے  
تکلیف بھی ہوتی ہے اور بغیر دھوئے بھی سوزش ہو جاتی ہے۔

نمبر (۶) اور یہ مسافری کا وقت ہے اس میں گرم پانی کا بھی انتظام نہیں ہو۔  
نمبر (۷) اتنا ضرور ہوتا ہے کہ صبح کو پیر دھولے جاتے ہیں اور باقی وقت  
میں مسح کر لیا جاتا ہے۔

نمب (۸) سر پاکی اور ناپاکی کی احتیاط بھی بہت کم ہوتی ہے صرف حکم خدا سمجھ کر نماز کو ادا کر لیا جاتا ہے۔

الجواب نمب (۱) اگر ایسا موزہ پہنے ہوئے نہ ہو جس پر مسح درست ہوتا ہے تو پاؤں کا دھونا فرض ہے بغیر پاؤں دھوئے وضو درست نہ ہوگا البتہ اگر موزہ نہ ہو اور دھونا مضر ہو اور گرم پانی کا انتظام نہ ہو سکے یا گرم پانی سے بھی مضر ہو تو مسح یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لینا بھی کافی ہے۔ فی الدار المختار و کذا یسقط غسلہ فیہ سمعہ ولو علی جبیرۃ والا یسقط اصلاً فی رد المختار و کذا یسقط غسلہ ای غسل الرأس من الجنابة ج ۱ ص ۲۶۸

نمب (۲) بوٹ پر مسح درست ہے جبکہ ٹخنے سے اوپر ہو اور اس میں سے قدیم نظر نہ آوے۔ فی الدار المختار فیجوز علی الذی یبول فی رد المختار و یجوز علی الجارح الی قولہ والظاهر انہ الخف الذی یلبسہ الا تراک فی زماننا ج ۱ ص ۲۶۹ اور اگر بوٹ خمس ہو جاوے تو وہ زمین پر خوب رگڑ دینے سے یا کسی لکڑی یا ٹھیکری وغیرہ کے ساتھ کھرچ دینے سے پاک ہو جاتا ہے فی الدار المختار و یطہر خف و نفوخہ کنعل تنجس بذی جرم ہو کل ما یری بعد الجفاف ولو من غیرہا کخمر و بول اصابہ تراکب بدیفتی بذلک یزول بہ اثرہا والا یغسل فی رد المختار قولہ بذلک ای بان یمسحہ علی الارض مسحا قویا (ط) و مثل الذلک الحاک و الحت علی ما فی الجامع الصغیر و فی المغرب المحت القشیر بالید ان العود ج ۱ ص ۲۱۹۔

نمب (۳) دیبازت کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کو بدون باندھے ہوئے اور بدون جوتے کے پہن کر تین چار میل چل سکیں اور وہ نہ گرے نہ پھٹے فی الدار المختار ان جو ربین ولو من غزل او شعرا الثخنین بحیث یشی فرسحاً و یثبت علی الساق بنفسہ الخ فی رد المختار بنفسہ ای من غیر شد ج ۱ ص ۲۷۷۔

نمب (۴) سر اوپر نمب سر میں مذکور ہو چکا نمب (۵) سر اوپر نمب سر میں گزر چکا۔

نمب (۶) سر اوپر نمب سر میں گزرا ہے۔

نمب (۷) سر چونکہ یہ مدت مسح سے زائد نہیں ہے اس لئے جائز ہے مگر یہ مسح

بوٹ کے اوپر کرنا چاہیے بشرطیکہ پیر دھو کر جو بوٹ پہنا ہے وہ مسح کے وقت تک اتارنا نہ گیا ہو اور اگر بوٹ اتار دیا اور وضو بھی ٹوٹ گیا تو پھر بوٹ پر مسح جائز نہ ہوگا اسی طرح بدون بوٹ کے پاؤں پر مسح درست نہ ہوگا بدو ان اس کے کہ دھونا مضر ہو تفصیل نمبر ۱۳۳۳ میں گزری ہے۔

نمبر (۸)۔ بوٹ کے پاک ہونے کا طریقہ نمبر ۱۲ میں بیان کر دیا گیا ہے۔  
۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۳ ھجری (تمہ ثالثہ ص ۱۶)

## فصل فی الغسل

عورت کے لئے غسل میں بالوں کی | سوال (۲۵) جس وقت نہانا فرض ہوا اس وقت عورت جڑیں تر ہو جانا کافی ہیں ؟ کے بال کھلے ہوئے تھے پھر گوندھ لئے اس وقت میں تو نہاتے وقت صرف جڑوں کا کرنا کافی نہ ہوگا اور چوٹی کھول کر نہانا واجب ہوگا۔ نیز حیض سے نہاتے وقت بھی اصول شعر کا کر لینا اور بالوں کا بھگونا بھی غالباً کافی ہے۔ غسل جنابت میں اور اس میں غالباً کوئی فرق نہیں ؟

الجواب۔ فی الہدایہ۔ ولیس علی المرءۃ ان تنقض وضوءا کمرھا فی الغسل اذ ابلغ الماء اصول الشعر۔ اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ غسل کے وقت اگر بال مضفور ہوں تو کھولنا واجب نہیں خواہ حدث کے وقت مضفور ہوں یا نہ ہوں۔ دوسرے مطلق غسل کا یہ حکم ہے خواہ وہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض ہو فقط واللہ اعلم (امداد ص ۱۶)

غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ | سوال (۲۶) وقت غسل کے عورت کو اپنی اندام نہانی کے ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہو کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک کرنا فرض ہے یا سنت اور بغیر اس طرح پاک کئے غسل جائز سمجھا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غسل کرنے سے پہلے اندام نہانی کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک نہ کیا جائے گا غسل سے ناپاکی دور نہ ہوگی۔ ان کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غلط ؟

البتہ اگر اس پر پیشاب کی چھینٹ لگ جائے وہ بدن ہو پاک ہوگا مگر ایضاً مانی نمبر ۲-۱۳

**الجواب**۔ نہ فرض ہے نہ سنت اور اس کو ضروری کہنا غلط ہے فی الدر المختار و لا تدخل اصبعها فی قبلہا بہ یغتاتی واللہ اعلم۔ ۱۶ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۱)  
 بدن پر زخم ہوں تو غسل کرے یا تیمم **سوال** (۲۷) اگر کسی کے نصف اسفل میں یا صرف  
 ذکر پر قروح ہوں اور پانی پڑنا نقصان کرے تو کیونکر نہا دے کیونکہ بدن پر پانی ڈالنے  
 سے ضرر وہاں پر بھی پہونچے گا۔ کیا اس کو تیمم کی اجازت ہے یا نہیں ؟  
**الجواب**۔ اس صورت میں تیمم ناجائز ہے۔ (امداد اول ص ۵)

**۵** اصل امداد الفتاویٰ میں یہ مسئلہ اس طرح تھا۔ **الجواب**۔ اس صورت میں چونکہ اکثر بدن  
 کا غسل متعذر ہے لہذا تیمم جائز ہے۔ فی الدر المختار تیمم لو اکثرہ جرحاً و جرحاً و بعکسہ  
 یغسل الصلیح و یمسح الجویح فی رد المحتار قولہ و بعکسہ و هو مالو کان اکثر  
 الاعضاء صلیحاً یغسل الخ لکن اذا کان یمکنہ غسل الصلیح بدون اصابۃ  
 الجرح و الا تیمم حلیۃ فلو کانت الجرحۃ یظہرہ مثلاً و اذا صلب الماء سال  
 علیہا یكون ما فوقہا فی حکمہا فیضہم الیہا کما بحشہ الشربلا لی فی الامداد و  
 قال لمارک و ما ذکرنا لا صریح فیہ اھ واللہ اعلم ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ

اور اس کے حاشیہ میں یہ عبارت تھی **۵** وجہ تعذر کی یہ ہے کہ اس صورت میں سر کو تو بلا تکلف  
 دھوسکتا ہے اس لئے کل کا دھونا متعذر نہ ہوا لیکن سر سے نیچے اگر اعلیٰ بدن دھونا ہے تو اس سے  
 اسفل پر پانی پہونچتا ہے جو کہ مضر ہے اس لئے اکثر میں متعذر ہوا البتہ تکلف شدید کیا جاوے تو  
 لیٹ کر ممکن ہے مگر ایسے تکلف کا شرع میں وجوب نہیں اور اگر دوسرا آدمی کسی قدر سہولت سے  
 نصف اعلیٰ کو غسل دے سکتا ہے مگر قادر بقدرت غیر قادر نہیں۔ یہ احقر کی تحقیق ہے لیکن اگر  
 دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیا جاوے تو بہتر ہے ۱۲ منہ عفی عنہ

پھر ملحقات تتمہ ادلیٰ میں اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا (مسئلہ نمبر ۲ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۵)  
 خلاصہ سوال از تیمم مجرد نصف اسفل۔ یا صرف ذکر پر قروح ہوں۔  
 خلاصہ جواب۔ در ہر دو صورت تیمم جائز است

تساہیح سوال چونکہ از دو حالت بود (۱) مجرد نصف اسفل (۲) یا صرف قروح ذکر در جواب  
 تفصیل فرمودندے۔ و راعضاء غسل اکثر در مساحت مراد است دنی الغسل مساحتہ ۱۲  
 در مختار ظاہر است اگر بر ذکر قروح باشند بدن اسفل ازال بخوشی بلا حرج (بقیہ بر ص ۵۸)

غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر | سوال (۲۸) غسل اناث و ذکر کا قیاماً و قعوداً یکساں حکم ہے یا متخالف حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رض کا بیٹھ کر غسل فرمانا معلوم ہوتا ہے :

الجواب - یکساں حکم ہے یعنی جائز دونوں ہیں اور قعود یا اعتبار اس کے کہ استر ہے افضل ہوگا، مفسرین نے انی شعثہ میں من قیام و قعود سے تعیم کی ہے تو حالت غسل تو اس سے ابھون ہے - ۵ / محرم ۱۲۲۳ھ ہجری (امداد ص ۷۱)

سوال (۲۹) کیا دانتے ہیں علماء دین کہ زاک یعنی پھٹکری تو لہ گھس جائے تو غسل کا حکم : | کتھ ۲ تولہ نیلا تھو تھ ۶ ماشہ کا منجن بنایا گیا اور امراض نذال کو بہت مفید ہے لیکن مستی کی طرح سیاہ ہو جاتے ہیں - آیا یہ سیاہی مثل دھڑی - مستی کے مغل وضو و غسل ہوگی :

الجواب - جو چیز مانع وصول آب نہ ہو وہ مغل طہارت نہیں اسی طرح جو مانع ہو مگر ضرورت ہو وہ بھی مغل نہیں - فی الدر المختار ولا یمنع الطہارۃ و نیم و حناء و لو جرمہ بہ یفتی فی رد المختار قولہ بہ یفتی صرح بہ فی المنہیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء و الطین و الدرن معللاً بالضرورت و فی الدر المختار و لا طعام بین اسنانہ او فی سنہ الجوف بہ یفتی و قیل ان صلیبا منع و هو لا صح فی رد المختار صرح بہ شارح المنیۃ و قال لا متناع نفوذ الماء مع عدم الضرورت و لا الحرج اھ (بقیہ مکت) مغسول می شود و دریں حالت غسل سر نیز بلا حرج میشود پس در مساحت بدن صحیح زیادہ شد پس تیمم جائز نشد و در صورت قروح نصف اسفل اگر با عانت خادم و زوجہ و غیرہما غسل ممکن باشد بوجوب ہر مذہب غسل نماید و قدرت بقدرت غیر معتبرست بقول مفتی بہ حاصل ما فیہ اندہ ان وجد خادما ای من تلزمہ طاعتہ کجدا و لا و لا و اجیر لا یتیمہ اتفاقاً و ان وجد غیرہ مہن لو استعان بہ اعانہ و لو زوجته فظاہر المذہب اندہ لا یتیمہ ایضاً بلا خلاف ۱۲

در رد المختار مکت و حال نہیہ کہ اینجا مست نیز معلوم شد و لنعمہ ما قال فیہا، اگر دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیا جاوے تو بہتر ہے ۱۲

اد اسی تسامح کی بنا پر تصحیح الاغلاط مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اصل مسئلہ اس عبارت سے بدل دیا گیا جو اس وقت متن میں لکھی ہے ۱۲ . محمد شرفیہ عفی عنہ دیوبند

پس اگر یہ سیاہی مانع وصول آب نہیں جیسا کہ غالب ہے تب تو ظاہر ہے کہ محل غسل نہیں اور اگر مانع ہونے کا بھی احتمال ہو تب بھی ضرورت ہے لہذا عفو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم۔ - المرجادی الاولیٰ ۳۲۳ھ ہجری (امداد ص ۳)

**سوال (۱۲)** نزلہ کی وجہ سے دانتوں میں درد رہتا ہے اور دانتوں میں فرق ہو گیا ہے اگر کوئی دوا ایسی استعمال کرے کہ درمیان دانتوں کے جم جاوے اور ایسی جم جاوے کہ مثل مسوڑوں کے ہو جاوے اور دانتوں کے درمیان میں پھر کوئی فرق اور کشادگی نہ رہے تو اس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ اور غسل جنابت میں کوئی حرج تو نہ ہوگا؟

**الجواب**۔ اگر اس دوا کے ازالہ میں حرج اور دشواری ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں اور وہ مانع غسل نہیں۔ یغیثہ جزئیات کثیرۃ مذکورۃ فی الدر المختار بحث الغسل۔ ۲ شعبان ۳۳۱ھ (تقمہ ثانیہ ص ۶)

**سوال (۱۳)** جو لوگ پان کھانے کے عادی ہیں علیٰ ہذا جو عورتیں مستی کثرت سے لگاتی ہیں ان کے دانتوں میں چونہ یا مستی کی تہ جم جاتی ہے جو آسانی سے چھوٹ نہیں سکتی پس سوال یہ ہے کہ غسل جنابت کرتے وقت (چونکہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچ سکتا تا وقتیکہ اس کو چھڑایا نہ جاوے اور جس کا چھڑانا بلا کسی تیز شے کے کھرچے ہوئے ممکن نہیں) اس تہ کو چھڑانا ضروری ہے بلا اس کے چھڑائے غسل درست ہوگا یا نہیں۔ بہشتی زیور حقہ اول مطبوعہ ساڈھورہ غسل کے بیان کے آخری صفحہ پر یہ مسئلہ درج ہے (مسئلہ اگر مستی کی دھڑی جمائی ہے تو اس کو چھڑا کر کلی کرے نہیں تو غسل نہ ہوگا) یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں اگر ہے تو اسی پر چونہ کی تہ کو بھی قیاس کیا جائے یا نہیں؟

**الجواب**۔ یہ مسئلہ درست ہے مگر اس میں ایک قید ہے وہ یہ کہ آسانی سے چھڑانا ممکن ہو۔ ورنہ اگر چھڑانے میں دشواری ہو تو پھر بدون چھڑائے درست ہے۔ فی الدر المختار ولا یمنع الطہارۃ ونیم ای خراذ باب و بر غوث الحریصل الماء قحتہ و حناء و لوجمۃ و بہ یغنی۔ فی رد المختار صرح بہ فی المئیدہ عن الذ خیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطين والدرن معللا بالضررۃ الی قولہ فالظاهر

التعلیل بالنظر ورنہ ج ۱ ص ۱۵۳

پس چھ دن میں یہی تفصیل ہے کہ اگر آسانی سے چو نہ کو نکال سکیں تو نکالنا واجب ہے ورنہ محاذ ہے۔ ۱۹ صفر ۱۳۲۳ (تمتہ خامسہ ۳۲۳)

عقل کے بعد منی نکلنے کا حکم: سوال (۳۲) میں ۱۲ بجے دن کے خواب راحت میں تھا کہ یکا یک میری آنکھ کھلی دیکھا مجھے حاجت غسل ہے۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھائی پھر جس وقت پیشاب کیا تو منی آئی مجھے دسوسہ آیا کہ میں نے جماعت باجنابت پڑھائی ہے اب میں نہایت پریشان ہوں +

الجواب - فی رد المحتار و کذا الوخرج منه بقیۃ المنی بعد الغسل قبل لنوم و البول و المشی اکثر و نہر ای لا بعد کلا ان النوم و البول و المشی یقطع مادة الزائل عن مکانہ بشہوۃ فیکون الثانی زائلاً عن مکانہ بلا شہوۃ فلا یجب الغسل اتفاقاً زیلعی - اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں جب احتلام کے بعد پیشاب کر لیا گیا ہے پھر بعد غسل جو دھات نکلے اُس سے دوبارہ غسل واجب نہیں ہوا پہلا ہی غسل صحیح ہے اور نماز وغیرہ سب درست رہی کچھ دسوسہ اور اندیشہ نہ کیا جاوے۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۲۳ (امداد ص ۱۱)

سوال (۳۳) کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا ورنہ پیشاب وغیرہ بھی کر لے اور پھر غسل خوب کیا جب نماز شروع کرنے لگا جب مذی یا منی کا قطرہ آگیا اب وہ پھر

ع حق مجیب کے ذہن میں ترتیب غلط یاد رہی کہ پیشاب کے بعد غسل کیا ہے حالانکہ سوال میں

ہے کہ غسل کے بعد پیشاب کیا ہے اس لئے جواب اس طرز سے دیا گیا تھا اب موافق سوال کے

جواب یہ ہے کہ وہ نماز تو ہو گئی کیونکہ خروج بعد میں ہوا ہے۔ رہا غسل کے بعد جو منی آئی ہو اس

میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مثنیٰ کثیر کا اس کے قبل اتفاق ہوا ہے تو دوبارہ غسل واجب نہیں ورنہ

واجب ہے۔ سائل اس سوال کے معلوم نہیں اگر سائل اس مسئلہ کو دیکھے تو صحیح جواب سمجھ کر

یاد کریں اگر قاعدے سے دوبارہ غسل واجب ہوا ہو تو جتنی نمازیں اس کے بعد پڑھی ہوں

اعادہ کریں اور جو پڑھائی ہوں یاد کر کے پڑھنے والوں کو اطلاع کر دیں جو بار نہ آدے محاذ

ہے پھر بھی ایک بار مجمع میں اعلان کر دیں اور یہ اعادہ اُس وقت تک کی نمازوں کا ہوگا

جب تک اُس کے بعد فرض یا سنت غسل نہ کیا ہو اور اُس کے بعد کی نمازوں کا اعادہ نہیں ۱۲ منہ



عسل کرتے یا نہیں۔

**الجواب**۔ اگر اُس وقت عضو منتشر نہ ہو تو دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر منتشر ہو اور شہوت بھی ہو تو غسل واجب ہوگا۔ فی الخانیہ خرج منی بعد البول وذكره منتشر لزمه الغسل قال فی البحر وعمله ان وجد الشهوة وهو تقيد قوله بعد الغسل بخروجه بعد البول فی رد المحتار ای فیقال ان عدم وجوب الغسل بخروجه بعد البول اتفاقا اذ المرکیکن ذکره منتشر اقلو منتشر لوجب لانه انزال جدید وجد معه الدفق والشهوة اقول وكذا یقید عدم وجوبه بعد النوم والملشی الکثیر ج اص ۱۶۶۔

۲۷ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۶۵)

**سوال** (۳۴) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے  
 واجب یا غیر واجب ہونے کی تفصیل :  
 کہ خواب بالکل یاد نہیں رہتا اور کپڑے پر دھبہ پایا جاتا ہے اُس وقت میں نہانا فرض ہے یا نہیں اور کس طرح امتحان کیا جاوے کہ وہ منی ہے یا مزی یا ودی۔ ان تینوں کی پوری کیفیت تحریر فرمائیے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آنکھ کھل جاتی ہے اور رطوبت خارجہ اُس وقت پائی جاتی ہے لیکن اس زور سے خارج ہوتی معلوم نہیں ہوتی کہ جس زور سے منی خارج ہوتی ہے :

**الجواب**۔ اگر دھبہ نہ ہو تب تو غسل نہیں اگرچہ خواب یاد ہو اور اگر تری وغیرہ پائی جاوے تو اُس میں چودہ صورتیں ہیں۔ کیونکہ یا تو منی کا یقین ہے یا مزی کا یقین ہے یا ودی کا یقین ہے۔ یا منی و مزی میں شک ہے یا مزی اور ودی میں شک ہے یا منی اور ودی میں شک ہے۔ یہ سات احتمال ہیں اور ہر ایک میں دو احتمال ہیں ہیں خواب کا یاد ہونا اور یاد نہ ہونا پس یہ سب چودہ صورتیں ہو گئیں ان میں سے چار صورتوں میں غسل نہیں ہے ایک یہ کہ مزی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔ دوسری تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد ہو یا نہ ہو۔ چوتھی یہ کہ مزی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو اور باقی دس صورتوں میں غسل واجب ہے کذا فی رد المحتار ورد المحتار۔ اور منی اور مزی اور ودی کی حقیقتوں کا تغایر تو مشہور و معلوم ہے مگر کوئی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعین متیقن ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں

محتمل نہ ہوتیں - ۱۴ / محرم ۱۳۲۹ھ ہجری (تمتہ ادلی صفحہ ۶)

**سوال (۳۵) نمبر (۱)** اگر کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اور اپنے فرش یا ران پر تری پائی اور اُس کو یقین ہے کہ یہ مذی ہے تو ایسی صورت میں (اگر خواب یاد نہ ہو) اُس پر غسل واجب ہے یا نہیں اور اگر خواب بھی یاد ہو اور اُس تری کی بابت یقین مذی کا ہو تو کیا حکم ہے ؟

**نمبر (۲)** اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور ..... کے سوراخ پر تری پائی اور انتشار قبل از نوم موجود نہ تھا پس اگر خواب یاد نہ ہو اور اس تری کے بابت اُس کو یقین مذی کا ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں -

**نمبر (۳)** اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اُس وقت اُس نے سوراخ پر یا کہیں اور تری نہیں پائی بعد کچھ تھوڑی دیر کے حالت بیداری میں کچھ تری معلوم ہوئی تو اس کی نسبت کیا حکم ہے خواب یا انتشار یاد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں اگر حکم مسئلہ میں فرق پڑتا ہو تو تحریر فرمادیں اگر کسی شخص پر یہ حالت قریب قریب ہر روز ہو جاتی ہو تو اُس کے واسطے کیا حکم ہے -

**نمبر (۴)** مذی اور ودی کی خاص علامات کیا ہیں -

**نمبر (۵)** اگر مسئلہ مندرجہ سوال (۱) و (۲) کے حکم میں کچھ فرق ہو تو اُسکی کیا علت ہے **الجواب عن الكل** - اس میں بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں سے صرف چار صورتوں میں تو غسل نہیں ہے باقی سب میں غسل ہے -

وہ چار صورتیں غسل نہ ہونے کی یہ ہیں :- ایک یہ کہ مذی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو - دوسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو - تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو - چوتھی یہ کہ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو - کذا فی الدر المختار و رد المحتار اور منی اور مذی اور ودی کی حقیقتیں تو متغائر یقینی ہیں مگر اس کی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعین متیقن ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں نہ نکلتیں اور بیداری میں اگر خروج ہو تو یہ دیکھ لے کہ دفن اور شہوت اگر ہے تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں - اس قاعدہ کلیہ سے اُمید ہے کہ سائل صاحب کو اپنے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا ہو گا لیکن اگر کوئی مقام مخفی رہ گیا ہو مگر

سوال کر لیں۔ اب صرف دو امر پر متنبہ کرنا باقی رہا ایک یہ کہ مدارِ حلم انتشار و عدم انتشار پر نہیں صرف انتشار ایک قرینہ ہے مذی ہوئے کا جبکہ خواب یاد نہ ہو سو قرینہ اسی میں منحصر نہیں مذی کے یقین میں یہ سب قرینے آگئے۔ دوسرا امر استفسار نمبر (۵) کے متعلق ہے وہ یہ کہ نمبر (۱) کے دو جزو ہیں ایک جزو مذی کا یقینی ہونا اور خواب یاد نہ ہونا۔ دوسرا جزو مذی کا یقینی ہونا اور خواب یاد ہونا اور نمبر (۲) بعینہ نمبر (۱) کا پہلا جزو ہے پس استفسار نمبر (۵) میں جو سوال نمبر (۱) و سوال نمبر (۲) میں فرق پوچھا گیا ہے سائل کی مراد اگر سوال نمبر (۱) کا جزو اول ہے سو وہ اور نمبر (۲) تو بالکل متحد ہیں۔ فسرق پوچھنے کے کوئی معنی نہیں اور اگر مراد سوال نمبر (۱) کا جزو ثانی ہے تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ ایک میں خواب یاد نہیں اور ایک میں خواب یاد ہے جو قرینہ ظاہرہ ہے منی کا انداز کچھ اور مقصود ہے تو ظاہر کیا جاوے۔ ۱۱ رجب ۱۳۳۱ھ ہجری (تمہ ثانیہ صفحہ ۵۳)

شبِ عرذ میں غسل کا حکم | سوال (۳۴) غسل بشبِ عرذ غایۃ الاطوار میں مستحب لکھا ہے۔ پس یہ حکم منا میں حاجیوں کو ہے یا ہر کس کو؟

الجواب۔ فی رد المحتار و عرفۃ اسی فی لیلۃ تاتر خانہ وقہستانی و ظاہر الاطلاق شمولہ للحاج و غیرہ ج ۱ ص ۱۷۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر کس کے لئے ہے: ۱۵ اردی الحجۃ ۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۵) نابالغ رطکی سے صحبت کی گئی تو اس پر غسل واجب نہیں | سوال (۳۷) انچہ در شراب سے جو سرکہ بنا لیا جاوے وہ پاک ہے: شرح وقایہ و ہدایہ نوشتہ کہ آں پوستہائے غیر ماکول اللحم کہ از دباغت پاک شوند از ذکات نیز پاک می شوند پس برائیں پاکی ایں چہرہ باندکات دلیلہ از خبر یا اثر ہست۔ اگر ہست تکلیف نوشتنش گوارا فرمودہ ممنون سازند ہم چنین دلیلہ از خبر و اثر بخوردن و پاکی آں سرکہ کہ از شراب حاصل شدہ باشد دلیلہ از خبر و اثر بر عدم وجوب غسل صغیرہ موطوئہ

الجواب۔ فی الہدایۃ ثوما یطہر جلدک بالدباغ یطہر بالذکا قال العینی روی الدارقطنی عن ابن عباس لما مر لبشاة میمونۃ فقال ہلا استمتعتو بجلدہا قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا میتۃ قال ان دباغہا ذکاتہا فی حق الجلد فعلما

ان الذکاۃ ہی الاصل فی الطہارت وان الدباغ قاتلہ مقامہا عند  
عدمہا ولان الذکاۃ ۱ بلغم من الدماغ لانہا انزع للدماء و  
السرطوبات قبل الشرب والفساد بالموت۔

فی العینی علی الہدایۃ الخامس ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہا اخرج حدیثہا الدارقطنی انہا کانت لہا شاة تحتلہا ففقدہا  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما فعلت الشاة قالوا ماتت قال  
افلا انتفعتہا باہا فقلنا انہا میتۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان  
دباغہا یحل کما یحل خل الخمر و فیہ قال البیہقی فی المعرفۃ  
روا الا لمغیرۃ بن زیاد عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی  
اللہ علیہ وسلم انہ قال خیر خلعکم خل خمرکم اہ قلت و  
والتشبیہ فی الحدیث الاول دلیل علی جواز التخلل والتخلیل کما  
یحوز الانتفاع بالاہاب بعد الدباغ سواء کان اضطرار یا واختیار  
فتفقہ وتنبہ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع العلم عن ثلثۃ عن النائم  
حتى یستیقظ وعن الصبی حتى یمتلع وعن الجنون حتى یفقی  
فدل علی کون الصغیرۃ لا یمجب علیہا شیء من الاحکام والغسل من  
جملة الاحکام فلا یمجب نعتہا مر بالغسل تخلقا واعتیاد او قد  
صرح بہ الفقہاء فلا یرد حدیث مر واصلیان کمر بالصلوۃ الخ  
۳۰ سوال ۳۳ (تمتہ ثانیہ منہ ۹)

ودی کا حکم | سوال (۳۸) میں نے کتاب میں دیکھا ہے کہ جب یقین و دی نکلنے کا  
ہو اور خواب یاد ہو تو غسل واجب نہیں ہے اب اس مسئلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے  
کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ و دی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اگر یہ صحیح ہے تو خواب سے  
بیدار ہونے کی حالت میں جبکہ ابھی بستر کو نہ چھوڑا ہو و دی ہرگز نہیں نکل سکتی تو پھر یہ  
کہنا کہ خواب یاد ہونے کی حالت میں تری کی بابت و دی کا یقین ہوتے ہوئے غسل  
واجب نہیں ہے غلط ہوگا؟

**الجواب** - کتابوں میں یہ جو لکھا ہے کہ ددی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اس سے نہ تو یہ لازم آتا ہے کہ بدون پیشاب کے نہیں نکلتی اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ پیشاب کے بعد فوراً نکلتی ہو لیکن کبھی بدون پیشاب کے بھی نکلتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سونے کے قبل جو پیشاب کیا تھا اُس کے بعد ذرا فصل سے سونے میں نکلی ہو پس کچھ اشکال نہ رہا اور علامہ شامیؒ نے خزانہ سے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے ان الودی ما یخرج بعد الاغتسال من الجماع و بعد البول و هو شعی لزج جلد ۱ ص ۱۱۱ پس ایک جواب اس سے بھی نکل آیا۔

نہیں دیکھنے کے کچھ دیر ۸ / محرم ۱۳۳۲ ھ (تمہ ثانیہ ص ۳۳)

**سوال (۳۹)** اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اُس کو خواہ

یا دہے پس حالت بیداری میں اُس کے بستر پر سناٹھنے سے پہلے بیدار ہونے کے دو یا تین منٹ بعد اُس کو تری معلوم ہوئی جس کو وہ مذی سمجھتا ہے تو اُس پر یہ خیال کر کے کہ شاید یہ منی رُک گئی ہو جواب نکلی ہے غسل واجب ہوگا یا اُس کو خیال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ دفع و شہوت کے ساتھ نکلی ہے یا کس طرح ؟

**الجواب** - جزیئہ تو دیکھا نہیں مگر قواعد سے غسل واجب ہونا چلتا ہے کیونکہ خواب کا یاد ہونا علامت اس کی ہے کہ یہ یا منی ہے یا مذی اور دونوں کا احتمال خروج موجب غسل ہے اور دفع و شہوت کی شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انفصال عن المقر کے وقت شہوت ہو گو خروج کے وقت نہ ہو اور اگر کوئی عارض مانع نہ ہو تو دفع بھی ہو اور یہاں ممکن ہو کہ انفصال کے وقت شہوت ہو اور دفع آنکھ کھلنے سے رُک گئی ہو مگر احتیاطاً یہ مسئلہ کہیں اور بھی پوچھ لیا جاوے۔ ۸ / محرم ۱۳۳۲ ھ (تمہ ثانیہ صفحہ ۱۱۲)

**سوال (۴۰)** اگر کسی دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا گیا تھا اور زخم پر کسی دفا کا چپک جانا غسل کے وقت اس کا حکم وہ چونا اُس حقہ جسم یا کھال پر چپک گیا تھا اور خشک ہو گیا تھا کہ آسانی سے چھوٹ بھی نہ سکتا تھا ایسی حالت میں غسل جنابت کیا گیا اور بعد اداۓ غسل نماز پڑھی گئی اب نماز کے کچھ دیر بعد وہ چونا چھڑانے سے چھوٹ گیا تو کیا اس حقہ کھال یا جسم پر پانی پہنچانا اور نماز کا اعادہ فروری ہے یا نہیں ؟

**الجواب** - فی البدن المختار والمسح یبطلہ سقوطها عن برء

الا لان سقطت فی الصلوة استأنفها ولد الحکول سقط الدواء  
او برأ موضعها لم تسقط مجتبیٰ وینبغی تعقیدہ بما اذا الحریض  
ازالتها فان ضارہ فلا یجز فی رد المختار قولہ فان ضارہ ای ازالتهما لشد  
لصوم قہابہ ونحوہ بحرج اصنف ۳ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں  
نماز کا اعادہ ضروری نہیں البتہ اس موضع کو پھر تر کر کے کیونکہ نیچے سے جلد اچھی  
تھی صرف چونا چھڑانے کی دشواری کے سبب اس وقت دھونا معاف ہو گیا تھا :

۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ ہجری (تمتہ ثالث صفحہ ۲۳)

معدوم کے لئے آخر وقت میں | سوال (۴۱) اگر نماز مغرب کے قریب کہیں چوٹ لگ  
نماز ادا کرنے کا حکم : | جائے یا کوئی چھوٹا دانہ ٹوٹ جائے اور دونوں حالتوں  
میں خون کل آئے اور خون بند نہ ہو بلکہ ذرا ذرا سا پانی ایسا پانی نکلتا رہے۔ ایسی حالت  
میں مغرب کا وقت نہایت مختصر ہوتا ہے نماز کس طرح ادا کی جائے :

الجواب۔ فی رد المختار فی احکام المعذور ولو عرض بعد دخول  
وقت فرض انتظر الی اخرہ فان لم یقطع یتوضأ ویصلی ثمان القطع  
فی اثناء الوقت الثانی یعید تلك الصلوة وان استوعب الوقت الثانی  
لا یعید للثبوت العذر رآح من وقت العروض اھ اس سے معلوم ہوا کہ  
صورت مسئلہ میں آخر وقت میں نماز پڑھے پھر اگر عشاء کے وقت وہ بند ہو گیا اور ختم  
وقت عشاء تک بند رہا تو مغرب کی نماز پھر لوٹا دے :

۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث صفحہ ۲۲)

وجوب غسل کے لئے | سوال (۴۲) ایک شخص کی منی بہت ہی رقیق ہے اور اپنی  
دفع منی شرط نہیں | بیوی سے تفریح کے وقت اس کی منی بدون جست کے خارج  
ہوتی ہے تو کیا یہ شخص بغیر غسل کے اپنی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں :

الجواب۔ غسل واجب ہے فی الدر المختار و فرض الغسل عند خروج  
منی منفصل عن مقرة بشهوة ای لذہ ولویذ کما لدفع لیثمن من المرأة  
ولانه ليس بشرط عندهما خلا فاللثانی ۱۵ و صلا ج ۱۔

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث صفحہ ۱۲۲)

بوقت غسل کان کے سوراخ | سوال (۴۳) ایک جوان عمر عزیز کا کان بچپن میں بھرا ہوا تھا  
میں پانی پہنچانے کا حکم؟ | غسل کرتے وقت وہ سوراخ میں بھیلگی ہوئی سینک ڈال لیا کرتے  
تھے۔ اب اس قصد سے کہ سوراخ رفتہ رفتہ بند ہو جائے انھوں نے سینک ڈالنی چھوڑ دی ہو  
البتہ پانی کی دھارا ہتھام سے ڈال لیتے ہیں وہ دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ کافی ہے؟

الجواب - فی الدر المختار و رد المحتار لو لیکن بثقب اذنه قرط قد دخل الماء فیه  
ای الثقب عند مروره علی اذنه اجزاء کسرة و اذن دخلهما الماء و الا  
یدخل ادخله و لو باصبعه و لا یتکلف الخشب و غیرہا و المعتبر  
غلبة ظنه بالوصول فی رد المحتار قوله و لا یتکلف ای بعد الامرار  
کما قد مناه عن شرح المذیة ۲۷ اس روایت سے معلوم ہوا کہ دھار ڈال لینا  
کافی ہے اور اگر دھار ڈالتے وقت انگلی سے بھی ذرا مل لیا کریں زیادہ احتیاط ہو زیادہ  
وہم نہ کریں؟ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۳ھ (النور مشجمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۵۳ھ)  
سوال (۴۴) غلاط العوام فی باب الاحکام میں نمبر ۸  
پر یہ مسئلہ ہے غسل خانہ و پاخانہ میں بات کرنے کو عوام ناجائز  
سمجھتے ہیں سو اس کی کچھ اصل نہیں البتہ بلا ضرورت باتیں نہ کرے اور مشکوٰۃ المصابیح  
میں آداب خلایک کی فصل ثانی میں یہ حدیث ہے؟

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینخرج  
الرجلان یضربان الخائط کا شغین عن عورت ہمما یتحدان  
فان اللہ یمقت علی ذلک۔ رواہ احمد و ابوداؤد ابن ماجہ۔  
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف عورت میں بات چیت کرنے سے اللہ تعالیٰ  
غصہ ہوتے ہیں اور غسل خانہ یا مخصوص پاخانہ میں کشف عورت لازمی ہے؟

الجواب - اس حدیث کا عمل یہ ہے کہ دونوں اس طرح برہنہ ہوں کہ ایک  
دوسرے کو برہنہ دیکھتے ہوں ورنہ رجالات کی کیا تخصیص تھی۔ الرجل یضرب  
الخائط کا شغفا عن عورت یتحدان عبارت ہوتی و اذلیس فلیس؟  
۹ رذی قعدہ ۱۲۴۵ھ، ہجری - (تمہ خاصہ صفحہ ۵۳۲)

بجالت جنابت بال کٹوانا مکروہ ہے | سوال (۴۵) بجالت جنابت خط بنوانا بال

کتر دانے اور ناخن ترشوانے جائز ہیں یا نہیں اور یہ قول کہ ایسی حالت میں غسل سے پہلے بالوں یا ناخن کے جدا کرنے سے یا ل اور ناخن جُنبی رہیں گے اور قیامت کو مستغیث ہوں گے کہ ہم کو جُنبی چھوڑا گیا صحیح ہے یا نہیں ؟

**الجواب** - فی رسالة هداية النور مولانا سعد الله رحمہ در مطالب المؤمنین می آرد ستر دن و تراشیدن موئے دیگر نقن ناخنہا در حالت جنابت کراہت است اھ اس سے امر مستول عنہ کی کراہت معلوم ہوئی باقی اس کے متعلق جو قول نقل کیا گیا ہے کہیں نظر سے نہیں گزرا اور ظاہراً صحیح بھی نہیں۔ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۱۶)

## بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ وَلَا يَجُوزُ بِهِ

سوال (۲۶) ایک حوض دہ در دہ بنا ہوا ہے اُس سے وضوء جائز ہے | پر چھت پاٹ دی ہے لوہے کے پٹروں سے۔ جب حوض خوب بھرتا ہے تب پٹروں کے کنارے پانی میں نو انچہ ڈوبتے ہیں حرکت دینے سے پٹروں کے پیچھے کا پانی ہلتا نہیں ہے۔ بعضے آدمی کہتے ہیں کہ پانی حوض کا ناپاک ہے حرکت دینے سے ہلتا نہیں ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ پانی سب ملا ہوا ہے نیچے سے اوپر تک پٹریاں نو انچہ ڈوبنے سے پانچ حصہ بن جاتے ہیں یہ بات صحیح ہے مگر یہ مانع نہیں ہے۔ بہت اختلاف ہو رہا ہے، بعضے وضوء نہیں کرتے ہیں۔ بعضے بناتے ہیں۔ مفصل جواب مع حوالہ کتب بیان فرمائیں اللہ تعالیٰ جزاء خیر عنایت کریں آمین ؟

**الجواب** - فی الدر المختار ولو جمدا ماء لا يفتق ان السماء منفصلا عن الحمد جاز لا نه كالمسقف وان متصلا لا لا نه كالقصة في المختار قوله وان متصلا لا ای لا يجوز الوضوء منه وهو قول نصير والاسكاف وقال ابن المبارك و ابو حفص الكبير لا باس به وهذا اوسع والاول احوط الى قوله وفي الحلية ان هذا مبني على نجاسة الماء المستعمل ج۱ ص ۳



قلت والمغتبی به طهارة الماء المستعمل فله یبق خلاف فافهم۔  
 بنا بر روایت و تقریر بالا اس حوض سے وضو بلا تکلف جائز ہے اگرچہ پانی نہ  
 بہتا ہو۔ ۲۷ شوال ۱۲۸۰ ہجری (تمتہ اولیٰ صفحہ ۵)

جس چیز کی نجاست معلوم نہ ہو اُس کا **سوال (۲۷۷)** یہاں چاہات میں آج کل  
 پانی میں گرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا ؟ ایک سُرخ رنگ کی دوا ڈالی جا رہی ہو جس  
 سے تمام چاہ کا پانی نہایت سُرخ رنگ کا ہو جاتا ہے اور وہی سُرخ پانی وضو نہانے  
 کھانے پینے غرض کہ ہر استعمال میں آتا ہے اور اس دوا کی ماہیت سے یہاں بجز  
 ڈاکٹر دکن کے اور کوئی واقف نہیں ہے جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں  
 علاوہ رنگین ہونے کے کوئی ناجائز شے تو ایسی نہیں ہے جس کا استعمال شرعاً  
 ممنوع ہو لہذا میں اُمید کرتا ہوں کہ براہِ عنایت اس امر سے مطلع فرمایا جاؤں  
 کہ آیا اس پانی کے استعمال میں کوئی شرعاً حرج تو نہیں ہے ؟

**الجواب۔** جب اُس دوا میں کسی نجس چیز کا ہونا معلوم اور ثابت نہیں  
 تو بقاعدہ الاصل فی الاشیاء الطہارۃ اُس کو طاہر سمجھنا چاہیے اس لئے  
 اُس پانی کا استعمال جائز ہوگا۔ ۱۳ / رمضان ۱۲۸۰ (حوادث صفحہ ۱۱۹-۱۲۱)  
**سوال (۲۷۸)** ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ عرق د  
 ہونے سے نہیں نکلتا ؟ عطر کی کشیدگی کے لئے دیگ بھیکے جو لگاتے ہیں تو وہ

لگرا جس میں عرق یا عطر کشید ہو کے آتا ہے ٹھنڈے پانی میں ڈوبا رکھا جاتا ہے  
 تاکہ اس میں آ کے بخارات پانی یا دھن کی صورت میں جمع رہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے  
 بعد وہ پانی خوب تیز گرم ہو جاتا ہے جس کے بعد بدل دیا جاتا ہے اس پانی میں گا ہے  
 کسی قدر خوشبو بھی اُس شے کی پیدا ہو جاتی ہے جو دیگ د بھیکہ میں ہوتی ہے آیا یہ  
 پانی مستعمل سمجھا جائے گا اور اُس سے غسل و وضو درست نہ ہوگا یا غیر مستعمل اور  
 اُس کو غسل و وضو کے کام میں لانا درست ہوگا۔ کیوڑہ۔ گلاب ملے ہوئے پانی سے غسل  
 و وضو جائز ہے یا ناجائز۔ جب کہ پانی میں خوب اچھی طرح خوشبو ہو۔ علیٰ ہذا کسی  
 کم صاف کئے ہوئے ظرف میں پانی گرم ہوا اُس میں چکنائی معلوم ہونے لگی اس سے  
 بھی وضو و غسل واجب ہوگا یا ناجائز ؟

**الجواب**۔ ان سب اقسام سے وضو و غسل درست ہے یہ سب مطلق ہوتا ہے۔  
 ۲۷/ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث او ۲ صفحہ ۱۲۸)

## فصل فی البیر

کنوئیں کے نل میں نجاست | سوال (۴۹) آجکل یہ آہنی نل جو کنوئیں کا کام دیتے  
 گر جانے کا حکم ہے | ہیں ایجاد ہوئے ہیر، اگر ان کے اندر کوئی شخص پیشاب وغیرہ  
 ڈال دے تو آیا یہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور پہلی شق پر ان کے پاک کرنے کی کیا  
 صورت ہے ؟

**الجواب**۔ فی الدر المختارینزح کل ماؤها الذی کان فیہا وقت الوقوع  
 بعد اخراجه الا اذا تعذر الی قوله و ان تعذر نزح کلہا فیقدر ما فیہا  
 وقت ابتداء النزح قالہ الحلبی ۲۱۸ تا ۲۲۰۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ  
 نجاست کا واقع ہونا کنوئیں میں اُس کو نجس کر دیتا ہے سو اس میں بھی جب نجاست گرگی  
 ناپاک ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع نجاست کے وقت جس قدر پانی ہو اُس قدر  
 نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ پس اس بناء پر نل کے اندر جس قدر پانی ہے اُس  
 کے نکال دینے سے وہ پاک ہو جاوے گا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نل کے نیچے زمین میں  
 سے پانی کی آمد ہوتی ہے تو کیا وہ ناپاک نہ ہوگا بات یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا متعارف  
 کنوؤں میں بھی علاوہ بھرے ہوئے پانی کے اُبلنے والا پانی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ فی البیر  
 نہیں ہے اُس کا اعتبار نہیں اسی طرح جو پانی بالفعل اس آہنی کنوئیں کے اندر نہ ہو  
 گو بطور آمد کے نیچے سے بذریعہ مسامات ارض کے اُس کے اندر آ جاتا ہو وہ معتبر نہیں  
 البتہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہو جاوے کہ اُس نل کی جڑ میں پانی مجتمع رہتا ہے تو اُس  
 کو نجس کہیں گے اور تخمینہ سے جب اس قدر نکل جاوے کنواں پاک ہو جاوے گا۔ اور عباد  
 مذکورہ سے ایک اور بات ثابت ہوئی کہ اگر اُس آہنی کنوے میں ایسی نجس چیز گر جاوے  
 جو نکل نہ سکے تو اُس کا نکالنا معاف ہے پھر اُس میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ چیز ذی  
 نجاست ہے جیسے ناپاک لکڑی یا ناپاک کپڑا یا عین نجاست ہے جیسے مُردار کی  
 بوٹی۔ صورت اولیٰ میں بلا انتظار معاف ہے صرف پانی نکالنے سے پاک ہو جاوے گا

اور صورت ثانیہ میں اتنی مدت تک انتظار کریں کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہو گیا ہو پھر پانی نکال دیں۔ فی الدرد المختار بعد قوله الا اذا تعذر كخشبة او خرقة متنجسة في رد المختار و اشار بقوله متنجسة الى انه لا بد من اخراج عين النجاسة مبيتة و خنزير اه ج قلت فلو تعذر ايضا ففي القهستاني عن الجواهر لو وقع عصفور فيها فعجز عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحالة وصار حماة و قيل مدة ستة اشهر اه جلد ۱ ص ۲۱۹ (حوادث خامس ص ۲۳)

**سوال (۵۰)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے مکان میں کنواں نل موجود ہے اور گڈریے مکان کے قریب آباد ہیں وہ ہمارے نل پر آکر گوبر وغیرہ کے خراب ہاتھوں سے ہینڈل پکڑ کر پانی بھرتے ہیں۔ ناپاک بوند پانی کے کنویں کے اندر چلی جاتی ہے جس سے اندیشہ پانی کے ناپاک ہو جانے کا ہے اب فرمائیے کہ پانی بھرنے دیں یا نہیں؟

**الجواب**۔ برتنے دینے کا تو مالک کو اختیار ہے۔ باقی اگر ناپاک ہو جاوے گا تو جتنا پانی اُس وقت نل میں موجود ہے اُس کے نکال دینے سے پاک ہو جاوے گا۔

۲۲ رذی قعدہ ۱۳۳۹ھ ہجری - (حوادث الفتاویٰ خامس صفحہ ۶۶)

**سوال (۵۱)** چاہ میں سانپ کا بچہ سوا ہاتھ کا لانا سے کنواں ناپاک ہو جائیگا؟ اور ایک انگل کا موٹا گر کر سر گیا لیکن مجدا نہیں ہوا آیا اُس کے نکالنے سے پانی پاک ہے یا ناپاک اور اگر پانی ناپاک ہوا تو سارا پانی نکالنا ہے۔ جو حکم حضور عالی سے پایا جاوے وہ عمل میں لایا جاوے؟

**الجواب**۔ فی الدرد المختار اومات فیہا حیوان دموی غیر مائی لہما صر و انتفخ و تمعط و تفسخ ینزح کل ما تھا الذی کان فیہا وقت الوقوع بعد اخراجه اه مختصراً فی رد المختار تحت قوله و انتفخ و لا فرق بین الصغیر و الکبیر کالفاث و الآدمی و الغیل لانه تنفصل بلبثه وھی نجسة مائعة فصار ت كقطرة خمس الخ ج ۲۱ ص ۲۱ سے ثابت ہوا کہ یہ کنواں ناپاک ہو گیا اگر خشکی کا سانپ ہو پس انداز کر کے دیکھا

جاءے کہ اُس میں کتنے سو ڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جاوے اگرچہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اُس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ فی الدار المختار فی فساد (ای الضمہد ع البری) فی الاصحیحۃ بریۃ ان لہا دھرو الا لا اھتو لہا کحیۃ بریۃ اما المائۃ فلا یفسد مطلقاً اھ ج ۱۹۔ اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ لما مرہ ۲ ذیقعدہ ۳۳۲ ہجری (تمتہ ثانیہ صفحہ ۱۸۰)

کوتے کی بیٹ سے کنواں | سوال (۵۲) مسئلہ کو یعنی زراغ کی بیٹ کنوئیں میں ناپاک نہیں ہوتا ؟  
گر جائے یا زراغ خود گرے پانی پینا کیسا ہے۔

الجواب - فی الدار المختار و خرء کل طیر لا یذرق فی الهواء کبط اھلی و دجاج اما ما یذرق فیہ فان ما کولاً فطاھروا لا فمخفف شر قال فیہ ثور الخفۃ انما تطھر فی غیر الماء فلیحفظ فی رد المختار و استثنیٰ الحلبي خرء طیر لا یؤکل بالنسبۃ الی البئر فانه لا ینجسھا التعذر صو نہا عنہ کما تقدم فی البیر ج ۳ ص ۳۳ و ۳۳۲

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں کنواں پاک ہے۔

سواء کان الغراب ما کولاً او غیر ما کول علی الاختلاف فی زماننا (تمتہ ثانیہ منہ ۱۸)

کنواں بیت الخلا سے | سوال (۵۳) پانخانہ سنڈاس جو گڑھا اس قدر نہیں کتنی دور رہنا چاہیئے؟  
کھودا گیا ہو کہ پانی نکل آیا ہو اور اُس سے بفاصلہ چار ہاتھ کے کنواں پختہ ہو تو اُس کنوئیں کا پانی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب - اس فاصلہ کی شرعاً کوئی حد نہیں۔ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے حکم متفاوت ہو جاتا ہے۔ فاصلہ اس قدر ہونا چاہیئے کہ نجاست کا اثر کنوئیں کے پانی میں نہ آوے۔ مکنذانی رد المختار - ج ۱ ص ۲۲۸۔

۴ اشعبان ۳۳۲ ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۱۰)

سوال (۵۴) ایک بیت الخلا زمین دوز مثل کنواں ستائیس ہاتھ عمیق ہو اُس میں دن رات پانخانہ بول دبراز روزمرہ لوگ گھر کے کرتے ہیں اور پانی اُس زمین میں جس میں پانخانہ ہے قریب ۳۵ ہاتھ کے نکلتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اسی

بہت اٹھلاؤ زمین دفن کے قریب چاہ بنانا چاہتے ہیں کتنی دور فاصلہ پر یعنی کتنے ہاتھ دور چاہ بنایا جاوے تو جائز عند الشرع شریف ہے۔

**الجواب**۔ اس میں کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ پانچ ہاتھ کا فصل ہو، ایک قول یہ کہ سات ہاتھ کا ہو مگر رائج یہ ہے کہ اتنا فصل ہو جو رنگ یا بویا مزہ کے پہنچنے سے مانع ہو اور یہ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے متفاوت ہوتا ہے اور اندازہ معین کرنے والوں کے اقوال کو بھی اسی پر مبنی کہا جاوے گا کہ انہوں نے اپنی اپنی زمین کے اعتبار سے اندازہ بتلایا تو اس پر سب اقوال باہم متطابق ہو جا دیں گے اور اس کا معیار اہل تجربہ کا قول ہے۔ ہذا کلمہ فی رد المختار تحت قول الدر المختار البعد بین البیرو البالوعة بقدر مالا یظہر للنجس اثر الا فصل فی البیرو قبیل مسائل السور۔ ج ۱۔ ۲۸۸۔ ۲۶، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ۳۹)

**سوال (۵۵)** بیت الخلاء اور کنوئیں کے درمیان میں کس قدر فصل ہونا چاہیے جس سے نجاست کا اثر کنوئیں تک نہ پہنچ سکے عند الشرع کوئی فصل مقرر ہے یا نہیں جواب سے مشرف فرمادیں۔ یہاں ضلع سورت میں اکثر بیت الخلاء کنوئیں پر جھکتے ہیں

**الجواب**۔ فی الدر المختار قبیل احکام السور فرج البعد بین البیرو البالوعة بقدر مالا یظہر للنجس اثر و فی رد المختار اختلف فی مقدار الحد المانع من وصول نجاسة البالوعة الى البیرو فی رواية خمسة اذہم فی رواية سبعة وقال الحلواني المقبر الطعم واللون او السیج فان لم یتغیر جازوالا لا دیوکان عشیرة اذہم فی الخلاصة والحانیة والتعویل علیہ وصححہ فی المحيط بحجروالحاصل انہ یختلف بحسب رخاوة الارض وصلابة ما و من قدر لا اعتبار حال ارضہ (صحیح ۲۲) اس عبارت سے اور ذیل مستفاد ہوئے۔

نمب ۱) جنہوں نے اس فصل کی مقدار معین کی ہے انہوں نے اپنی زمینوں کی حالت دیکھ کر معین کی ہے ہر جگہ اس پر حکم نہیں کر سکتے۔

نمب ۲) صحیح یہی ہے کہ اس کی مقدار معین نہیں بلکہ مدار اس پر ہے کہ نجاست کا کوئی اثر رنگ یا بویا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو اور زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے

اس کی حالت مختلف ہوگی۔ ۱۰۔ ارشوال ۲۵۰ (تمتہ خامسہ ۵۳۳)

سوال (۵۶) کنواں اور پاخانہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے کنواں اور پاخانہ گہرائی میں برابر ہوتے ہیں اور زمین ہمارے یہاں کی نیچے سے زرد اور سخت ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار البعد بین البئر والبالوعة بقدر ما لا یظهر للنجس اثر فی حرا المختار اختلاف فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الی البئر ففی روایة خمسة اذرع و فی روایة سبعة وقال الحلواني المعتبر الطعم واللون او السريح فان لم یتغیر جاز ولا لا ولو كان عشرة اذرع و فی الخلاصة والخانية والتعویل علیہ و صححہ فی المحيط ببحر الحاصل انه مختلف بحسب سرخاۃ الارض وصلابتہا ومن قد ذکر اعتبار حال ارضہ (قبیل احکام السور) اس سے معلوم ہوا کہ فاصلہ کی کوئی مقدار معین نہیں اتنا فاصلہ ہونا چاہیئے جس میں نجاست کا رنگ یا لویا مزہ پانی میں نہ پہنچے۔ ۱۰۔ ارشوال ۲۵۹ (النور جمادی الآخری ۵۵۵)

چیل اور گدھ کی بیٹ | سوال (۵۷) چیل اور گدھ کی پینال اگر کوئیں میں گر جاوے  
گرنے سے کنوئیں کا حکم | تو کنواں پاک رہے یا ناپاک۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولا نزع بخوء حمام وعصفور وکذا سباع طیر فی الاصح لتعد رصونہا عندہ فی رد المختار و مفاد التحلیل انه نجس معفو عندہ ج ا ص ۲۲۷۔ و فی الدر المختار و خروء کل طیر لا ینذ سرق فی الہو اعکب اہلی و د جاج اما ما ینذ سرق فیہ فان ما کون لا فط اھروا لا فمخفت فی رد المختار ای عندہما الخ ص ۳۳۰۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ جو پرندہ حرام اڑتا ہو یا پینال کو تپا ہو اس سے کنواں ناپاک نہ ہونے کا قول بضرورت اختیار کیا گیا ہے۔ ۱۳۔ صفر ۱۳۳۳ (تمتہ اولی ص ۵)

گو براؤ لید کنوئیں | سوال (۵۸) چلتے یعنی ہرٹ یا چرس والے کنوئیں میں گر کر تاپتا  
میں گر جانے کا حکم | ہے پانی پاک ہے یا ناپاک بچھا ضرور ہے یا نہیں۔

الجواب - فی رد المحتار مسائل البیرونی التاترخانیة ولحمید کریم رحمہ اللہ  
فی الاصل روٹ الحمار والخنزیر (ای البقر والقیل) واختلفوا فیہ فقیل  
ینجس ولو قلیلا او یابس او قیل لویا یابس فلا واکثرھو علی انہ لو فیہ  
ضرر ویرثہ ویلبوی لا ینجس والا نجس الا - جلد اول ص ۲۲۷-۲۲۸  
سے معلوم ہوا کہ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے - (امداد ج ۱ ص ۱۳)

۱۲ محرم ۱۳۳۵ھ

سوال (۵۹) زید کہتا ہے کہ گو بریا لید بقدر دو لینڈی بکری یا اونٹ کے برابر  
گو بر خشک ہو یا ترکوئیں میں گر جاوے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے تو پانی پاک رہتا  
ہے نجس نہیں ہوتا ہے دلیل بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۷۷ وعن  
محمد التبنیة والتبنان عفو ہی دلیل سے کہتا ہے کہ پانی پاک رہتا ہے  
اور بکر کہتا ہے کہ گو بر تر ہو یا لینڈی تر ہو کم ہو دے یا زیادہ کوئیں میں گر جاوے تو  
سب پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ نجاست یعنی گو بر غلیظہ ہے جیسا کہ ..... میں ہے  
والاسرار اث والاختاء فکلھا نجس نجاسة غلیظة عند ابی حنیفة  
رحمۃ اللہ علیہ اور فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۷۷ والروث واختاء  
البقر بمنزلة البول - اس مسئلہ میں جیسا کہ آپ کے نزدیک تحقیق ہوا الی فروا  
الجواب - فی الدر المختار حیث عد النجاسة الغلیظة وروث  
وخشی افاد بہما نجاسة خرة کل حیوان غیر الطیور وقال الخففة  
الی قولہ وطهرهما محمد اخر اللبوی و فی رد المحتار ان الروث للفرس  
مما صرح اس جواب پر بھی بحث کی گئی ہے جو کہ ۳۳۳ لمحات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے  
اور اس حقہ کے تتمہ اولی ص ۱۱ میں حضرت مولانا نفاس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل  
یہ ہے کہ قلیل سے مراد مقدار ضروری ہے اور اس کی مقدار مبتلی بہ کی رائے پر ہے پس اس عبارت  
کے معنی یہ ہوئے کہ اگر وقوع نجاست سے بچنا مشکل ہو تو مقدار ضروری معاف ہے اور ضرورت  
کی مقدار رائے مبتلی بہ پر ہے - واللہ اعلم ریا ضا نہ تصحیح الا غلط صفحہ ۴ سے کیا گیا محمد رفیع عفی  
لہ تبین کہتے ہیں بھوسہ کے تنکے کو خدا جلنے سائل نے کیا سمجھ کر استدلال کیا ہے ۱۲ منہ  
۵ نام کتاب کا نہیں پڑھا گیا ۱۲ منہ

والبغل والحمار والخنثی وبکسر للبقر والفیل وفيه عن النکت للعلامة  
قاسم ان قول الامام بالتغليظ رجه في المبسوط وغيره وفيه عن التاتر  
خانية ولعنيد كرمحمد في الاصل روث الحمار والخنثی واختلفوا فيه  
فقليل ينحس ولو قليلا او يابس او قيل لو يابس افلا واكثرهم على انه  
لو فيه ضرورة وبلوى لا ينحس والا ينحس الا روايات بالا سے یہ  
امور مستفاد ہوئے۔

نمبر (۱)۔ لیدادر گو بریں علماء کا اختلاف ہے۔

نمبر (۲)۔ راجح امام صاحب کا قول ہے کہ وہ نجس غلیظ ہے۔

نمبر (۳)۔ کنوئیں میں اگر قلیل گر جاوے تو اگر اس کنوئیں کی حفاظت  
اُس سے ممکن ہے تو وہ ناپاک ہو جاوے گا اور اگر حفاظت نہیں ہو سکتی تو ناپاک ہوگا۔  
یکم صفر ۱۳۲۷ھ (تمہ اولیٰ صفحہ ۲)

اصلاح تسامح متعلقہ مسئلہ نمبر ۵۸ و ۵۹ | خلاصہ سوال۔ کنوئیں میں جو ہرٹ دار ہو  
مندرجہ لمحات تمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ۱۳۳۸ھ  
گو بر گر تہ ہے پاک ہے یا نہ۔

خلاصہ جواب۔ اگر اُس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے۔

اصلاح تسامح۔ سوال سائل ازاں بیرست کہ بذریعہ بقر و دوشب جاری

وروث آن ہمیشہ در بیرمی افتد چنانچہ دریں دیار واقع سنت بسیار ووث ملطخ بوج بول بقر  
آب بر در بیرمی افتد نہایت بلوی عام ست و پرہیز نہایت مشکل ست برائے سہولت  
امور مسلمین جواب این طور ضروری بود اگر بلوی عام ست و پرہیز مشکل و پر جاری ست  
عفو ست بعینہ سند این آن عبارت ست کہ در جواب خود مجیب مدظلہ تحریر فرمودند  
واکثرہم علیٰ انہا لو فیہ ضرورۃ وبلوی لا ینحس والا ینحس ۱۲ ردالمحتار۔  
معلوم نیست کہ لفظ قلیل از کدام عبارت استخراج فرمودند ہر گاہ بضرورت بلوی نجس  
نماد قلیل و کثیر برابر شد در حکم دیگر سند این مسئلہ روایت ذیل ست۔

وعن زفر ووث مایوکل لحمہ طاہر و فی المبتغی الارواث کلہا

نجسۃ الارواۃ عن محمد انہا طاہرۃ للبلوی فی ہذا الروایۃ

عہ اور قلیل کی مقدار امام صاحب کے نزدیک راہی مبتلا بہ پرہیز ۱۲ منہ



توسعة لاسر باب الدواب فقلما يسلمون عن التلطيخ بالامراض  
والاختاء فتحفظ هذه الرواية اه كلام المبتغى واذا قلنا بذلك هيئنا  
لاي بعد لان الضرورة داعية الى ذلك كما افتوا بقول محمد بطريق  
الماء المستعمل للضرورة ونحو ذلك (الى ان قال) وقد قال في شرح  
المنية المعلوم من قواعد ائمتنا التسهيل في مواضع الضرورة و  
البلوى العامة كما في مسئلة آبار الفلوات ونحوها اه اي كالعفو  
عن نجاسة المعذ ورعن طين الشارع (الى ان قال) من ان المشقة  
تجلب التيسير ومن انه اذا ضاق الامر اتسع والله تعالى اعلم  
۱۲ رد المحتار ص ۱۹۵ جلد ۱

سوال (۶۰) اگر جوتی کنوئیں میں گر گئی اور ذاب نہیں  
نکلتی تو کیا کرنا چاہیے اور اگر نکل گئی تو کس قدر پانی  
میں گرنا

نکالنا چاہیے :

الجواب - فی الدر المختار ینزح کل ماء ہا بعد اخراجه الا اذا  
تعذر الخشبة او خرقة متنجسة - اگر نیکل سکے تو نکلنے کے بعد اور اگر نہ  
نکل سکے تو بدون اُس کے نکالے ہوئے کل پانی نکالا جاوے اور اگر جوتی پاک تھی  
تو کوئی حرج نہیں - فقط - ۱۱ ربيع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۱۳ ج ۱)

سوال (۶۱) میرا جعفر ضلع راولپنڈی میں لب نالہ بارانی نشیب جگہ میں ایک  
کنواں ہے جس سے گانوں کے لوگ پانی بھرا کرتے ہیں - ایکے وز ایک راہ گزر لڑکی  
نودس سالہ پانی پینے کے لئے کنوئیں پر گئی اتفاقاً اُس کے ایک پیر کی سلیر جو ایک قسم کی  
جوتی ہے کنوئیں میں گر پڑی اُس کی پلیدی کی کسی کو خبر نہیں کہ آیا وہ سلیر پاک تھی یا پلید  
ہاں تین عورتیں اُس وقت کنوئیں پر موجود تھیں اُن کا بیان ہے کہ جو سلیر دوسرے پیر میں  
تھی اُس کے اوپر کا پنجرہ صاف تھا بس اسی قدر بیان ہے - اب التماس یہ ہے کہ یہ کنواں  
بحکم الیقین لایزول الا بالیقین اپنی طہارت قدیم کے بموجب پاک و طاہر رہے گا  
جیسا کہ فقہاء کرام نے بلا تيقن نجاست نزع کل ماء یا بعض ماء کا حکم نہیں دیا ہی یا محض  
احتمال و شک نجاست پر نجاست چاہ کا حکم دیا جائے گا - ہر بانی فرما کر اس کا جواب

بادلائل مَرَحمت کیا جاوے :

الجواب - فی حوالہ مختار عن البحر وقید نابا العلولا نہ ہو قالوا فی البقر و  
فحواہ یخرج حیث لا یجب نزع شئی وان کان الظاہر اشتمال بولہا  
علی الفخادھا لکن یحتمل طہارتہا بان سقطت عقب دخولہا  
ماء کثیرا مع ان الاصل الطہارتہ الا ومثله فی الغتوج ص ۱۹  
روایت ہذا صریح ہوا اس چاہ کے طاہر ہونے میں فقط کتبہ محمد شرف علی :

۱۶ صفر ۱۳۲۸ھ (تمہ ادلی فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۱۲)

تین سوڈول بقول امام محمد | سوال (۶۲) طہارت بیر میں امام محمد صاحب کا قول  
نکالنے کی تحقیق | تین سوڈول کا جو منقول ہے وہ معلول بعلت ثابت

ہوتا ہے کہ ان کے دیار میں اسی قدر پانی کنوؤں میں ہوتا تھا اب ہمارے دیار کے  
لوگ خواہ بدہمتی سے یا بے سامانی سے کل پانی کے اخراج میں بہت نالاں ہیں سو  
دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو کنوے ایسے ہیں کہ جن کا پانی بدقت تمام یا بہ سہولت  
کل نکل سکتا ہے ان کے طہارت کا حکم بھی تین سوڈول پر دیدینا ثابت ہی نہیں  
پھر اگر امام محمد صاحب کے قول کی حجت لی جائے تو اس علت پر نظر کیوں نہیں  
ہوتی جو ان کو ملحوظ تھی۔

الجواب - واقعہ میں علی الاطلاق تین سوڈول کا فتوے مسلک ضعیف ہو راجح  
یہی ہے کہ علت پر نظر کی جاوے (شامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل پانی نکل سکے  
تو کل نکالا جاوے اندا اگر کل نہ نکل سکے تو اب تقدیر کی ضرورت ہوگی اور تقدیر میں اختلاف  
ہے بعض نے قول عدلین کا اختیار کیا ہے۔ اور بعض نے بوجہ تیسیر کے تین سوڈول پر  
فتوے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کنوؤں کے متعلق سائل سوال کرتا ہے یہ  
تقدیر ان سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس پر کسی کا فتوے ہے۔ پس قول مذکور محل  
تامل ہے) فقط والشرائع علم : یکم ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

(نوٹ) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط سے کیا گیا ہے جو امداد الفتاویٰ جلد اول میں ہے ۱۲۔

## فصل فی الآسار

لعاب دہن لگا کر انگلی سے قرآن مجید | سوال (۶۳) بوقت تلاوت قرآن مجید زبان کی ورق گردانی کا حکم کے لعاب یعنی تھوک انگشت میں لگا کر قرآن

مجید کے ورق کو اٹاتے ہیں آیا اسی طرح اٹانا بشرع جائز ہے یا نہیں آیا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ بینوا مع الدلیل فتوٰ جردا +

الجواب مسئلہ فقہ سوسر الادحی طاهر سے لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور تقبیل حجر اسود کی مسنونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے اس طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ ۱۰ ار ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵)

## فصل فی التیمم

مسجد کی زمین پر تیمم کرنے کا حکم | سوال (۶۴) مسجد کی زمین میں تیمم درست ہے یا نہیں + الجواب - اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے + (تتمہ اولیٰ صفحہ ۶)

جواز تیمم کے لئے پانی سے کتنی دوری شرط ہے | سوال (۶۵) اگر شکار وغیرہ میں ایسی جگہ کہ جہاں پانی تلاش کرنے سے تو بہم پہنچ سکتا ہے لیکن تلاش کرنے میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت میں تیمم کر سکتا ہو یا نہیں اگر تیمم نہیں کر سکتا تو کیا کرے | الجواب - اگر پانی ایک میل شرعی کے اندر ہو جو کہ میل انگریزی سے کچھ زیادہ ہوتا ہے تو تیمم جائز نہیں۔ اگرچہ نماز قضا ہو جائے پانی تلاش کر کے وضو کرے اور نماز

۵ اولیٰ یہ چونکہ امتیاطاً اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھے اور پھر پانی ملنے کے بعد وضو کر کے اعادہ کرے کافی رد المحتار ان الاحوط ان تیمم ویصلی ثم یصلی انتہی وقال بعد ذلك وهذا قول متوسط بین القولین وفيه الخروج عن العمدة بيقين فلذا أقسم على المشاسر (الی قولہ) فیذبحی العمل بـ احتیاطاً (رثامی مصری مشاج ۱۲) محمد شفیع عفا اللہ

قضا پر طے - ۱۲ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولی صلا)

جو قفل میں قید ہو اُس کے لئے | سوال (۶۶) ایک مسئلہ یہ دریافت طلب ہو کہ تیمم کا حکم

مثلاً کوئی اپنے مکان کے اندر ہے اور غلطی سے ملازم یا ہر سے قفل بند کر کے چلا گیا اب مالک مکان اندر ہی اور نماز کا وقت آ گیا اور مکان میں پانی موجود نہیں ہے اور حتی الوسع مالک مکان نے کوشش کی کہ کسی کو آواز دیکر پانی لے مگر نہ ملا اور وقت نماز کا نکلا جاتا ہے آیا وہ تیمم سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر پڑھ سکتا ہے تو بعد پانی ملنے کے وہ اس تیمم والی نماز کو قضا کرے یا نہیں ؟

الجواب - پڑھ سکتا ہے اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ کرے۔ لانه

محبس من جهة العبد - ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ رابعہ صلا)

سردیوں میں تیمم | سوال (۶۷) اس جگہ برف باراں باری شدت ہوتی ہے۔ سردی کرنے کا حکم

بھی بکثرت ہوتی ہے۔ ہوا نہایت تند چلتی ہو وضو کرنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ دست و پا اگر کچھ ساعت بالکل معطل رہتے ہیں اس حالت میں تیمم یا مسح سے نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب - فی الدسالمختار باب التیمم اور بدیهہ مالک الجنب اور

یمرضہ دیو فی المصر اذا العتسکن له اجرة حمام ولا ما یدقہ فی ساد المختار قید بالجنب لان المحدث لا یجوز له التیمم خلافا لبعض المشائخ الی قولہ وکانہ لعدم تحقق ذلك فی الموضوع عادة و فیہ ایضا نعم مغاد التعلیل بعدم تحقق الضرر فی الموضوع عادة انه لو تحقق جاز فیہ ایضا اتفاقا الا - ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں شاذ و نادر ایسی صورت ہو کہ وضو کرنے سے ہلاکت یا مرض کا غالب اندیشہ ہو اور گرم پانی کرنے کا بھی سامان نہ ہو۔ نہ ایسا کوئی کپڑا ہو کہ اُس میں لپٹ کر بدن گرم کر لیں۔ ایسی صورت میں تیمم جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور پاؤں دھونے کا بدل مسح خفین ہو سکتا ہے۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (امداد ج صلا)

ریل میں تیمم جنابت کی شرط | سوال (۶۸) ریل وغیرہ کے سفر میں کہیں ضرورت غسل کی ہو جاوے اور پانی بقدر غسل نہ ملے اور وضو وغیرہ جس میں ہو سکے اتنا ملتا ہو تو

غسل کا تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ اسٹیشن پر اگرچہ پانی ہر جگہ بکثرت مل سکتا ہے لیکن غسل کرنا اُس کو ریل میں مشکل ہے تو تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب**۔ غسل اسٹیشن پر مشکل نہیں لنگی باندھ کر پلیٹ فارم پر بیٹھ کر سقہ کو پیسے دیکر کبدے کے مشک سے پانی چھوڑ دے اور اس کے قبل ٹانگیں وغیرہ ریل کے پانچ خانہ یا غسل خانہ میں جا کر پاک کرے یا برتن میں پانی لیکر یا اگر نل میں پانی موجود ہو تو اُس سے اُس پانچ خانہ یا غسل خانہ میں بھی غسل ممکن ہے۔ ہمت کی ضرورت ہے ایسی حالت میں تیمم درست نہیں۔ ۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ صفحہ ۹)

## بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخَفَيْنِ وَغَيْرِهِمَا

ہجڑا ہوں اور سوتی موزوں | سوال (۶۹) اونی یا سوتی موزہ پر مسح جائز ہو یا نہیں  
 پر مسح کا حکم | **الجواب**۔ فی الدہما المختار اد جو سامیہ ولو من  
 عزل او شعرا لثخینین بحیث یمشی فرسخا و یثبت علی الساق  
 بنفسہ ولا یری ماتحتہ ولا یشف الا اس روایت سے معلوم ہوا کہ  
 اگر اونی یا سوتی موزوں میں یہ چند شرائط ہوں تو اُن پر مسح جائز ہے۔  
 اول گارے اور موٹے ایسے ہوں کہ صرف اُس کو پہنکر اگر تین میل یعنی بارہ  
 ہزار قدم چلیں تو وہ پھٹیں نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر اُس کو پہنکر پنڈلی پر نہ باندھیں تو گرے نہیں۔  
 تیسرے۔ اُس میں سے پانی نہ چھنے۔

چوتھے اُس کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آوے۔ یعنی اگر آنکھ لگا کر اُس  
 میں سے دیکھے تو کچھ نہ دکھائی دے۔ ۱۳ رذیٰ تعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۵ ج ۱)

**سوال (۷۰)** کتب فقہ سے مسح جو زمین پر باندھب صاحبین رحمہما التثاب  
 ہے مگر اُس میں شرط ثخینین کی لکھی ہے اُس کی حد تک سمجھ کام نہیں کرتی ہے کہ  
 ثخینین کی تعریف کہاں تک ہے قدوری میں تو یہ لکھا ہے کہ یشغان الملاء اور  
 حاشیہ پر جو ہرہ نیزہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ مالا یری ماتحتہما من  
 خلا لہ اور شرح وقایہ میں یستمسکان علی الساق بلا تشدد لکھا ہے

ان کتابوں کی رو سے پورا اطمینان قلب کو نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے خدمت عالی میں عرض ہے کہ آیا یہ جو رب یعنی موزہ مردجہ جن کو ہم لوگ سردی اور گرمی کے موسم میں خواہ ادنیٰ یا سوتی جن میں ڈبل بھی ہوتے ہیں اور ہلکے بھی ہوتے ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں۔ میرے ایک عزیز جن کو علم دینیات میں دخل ہے مگر تقلید سے نسبت نہیں ہے انہوں نے مجھ کو ہدایت کی ہے کہ تم بلا دروغی ان موزوں پر مسح کرو ان پر مسح احادیث اور کتب فقہ سے پورے طور پر ثابت ہے اس وجہ سے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ تمام علماء کی زبانی یہ ہی شریعت سے اس وقت تک مسنے میں آیا ہے کہ ربڑ کے موزوں پر مسح ہو سکتا ہے اور جراب کے متعلق مدعی یہ کہتا ہے کہ لیستہ مسکان علی المساق کے معنی یہ ہیں کہ پنڈلی کا موزہ رکھا رہے۔ کعب کھلنے نہ پاوے اور مشہور یہ ہے کہ پنڈلی پر کھڑا رہے اور ایک فرسخ ذفر سخ چلنے سے بھی موزہ یعنی جراب گرنے جاوے :

**الجواب۔** درمختار میں مجموعہ ان سب فتوہ کو شرط ٹھہرایا ہے اور ان سب شروط کے تحقق کی جو علت ہے یعنی اس کا معنی خف میں ہونا یہ دلیل ہو اس کی کہ لا لیستہ مسکان کے معنی یہی ہے کہ گرنے جاوے اور حدیث میں جو آیا ہے وہ محمل و مبہم ہے کیونکہ وہ واقعہ کی حکایت ہے اور حکایت فعل کو عموم نہیں ہوتا لہذا دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جاوے گا چونکہ ہماری متعارف جرابیں اس شان کی نہیں ہوتیں لہذا ان پر مسح جائز نہیں فقط۔

۲۵ جمادی الآخری ۱۳۲۵ھ (تمتہ اولی ص ۱)

**سوال (۷)۔** مفتیان شرع متین کا کیا ارشاد ہے۔ زید و عمر باہم مناظر ہیں۔ زید کہتا ہے کہ کھال کے موزوں کے سوا مسح ہرگز درست نہیں۔ ہاں اگر جرابیں شیم کی ہوں یا ڈبل زین کی ہوں اور ایسی مضبوط بنی ہوئی ہوں جس میں گرد و غبار نفوذ نہ کر سکتا ہو اور صلابت ایسی ہو کہ اگر زمین پر رکھی جاویں تو کھڑی رہیں ان پر مسح درست ہے بحوالہ کتب فقہ ارشاد ہو۔ بینوا تو جروا :

**الجواب۔** زید کا قول صحیح ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں اس پر فتوے نقل کیا ہے۔ ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانی صفحہ ۱۰۴)

انگریزی بوٹ جو پورے پاؤں کو | سوال (۷۲) فل بوٹ یعنی اُس بوٹ پر جس میں ٹخنے  
چھپلے اُس پر مسح کا حکم ؟ چھپے رہتے ہیں مسح جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب** فی الدر المختار باب الممسح علی الخفین شرط مسحه ثلثة  
امور الاول کونه ساتر محل فرض الغسل القدم مع الکعب او یكون  
نقصانه اقل من الخرق المانع فیجوز علی الزبول لو مشدود الا  
ان یتظهر قدس ثلثة اصابع والثانی کونه مشغولاً بالرجل والثالث  
کونه مما یمکن متابعة المشی المعتاد فیه فرسغا فاکثر آة فی سرد المختار  
قوله مشدود الا ان شدک بمنزلة الخیاطة وهو مستمسک بنفسه  
بعد الشدک کالخف المخیط بعضه ببعض فافهم و فی البحر عن  
المعراج ویجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله  
ازرار یشدها علیه تسکلاً لانه کغیرا مشقوق وان ظهر من  
ظهر القدم شئ فهو کخرق الخف قلت والظاهر انه الخف  
الذی یلبسه الا تراث فی زماننا الا چونکہ اس بوٹ میں تینوں ٹہریں  
جواز مسح کی پائی جاتی ہیں جو روایت بالا میں مذکور ہیں اس لئے مسح اُس پر جائز ہے  
البتہ بوجہ اس کے کہ بجائے جوتہ کے مستعمل ہوتا ہے اس لئے یا بوجہ نجس ہونے کے  
اور یا بوجہ سوء ادب کے بلا ضرورت اُس سے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۶۶)

سوال (۷۳) اگر وضو بھی ساقط ہو گیا تو اُس جوتے پر مسح کر سکتا ہی یا نہیں  
جوتہ ایسا ہے جس کے اندر ہوا اگر دو غبار نہیں پہنچ سکتا ؟

**الجواب** فی الدر المختار شرط مسحه کون۔ ساتر القدم مع الکعب  
او یكون نقصانه اقل من الخرق المانع فیجوز علی الزبول لو مشدوداً  
الا ان یتظهر قدس ثلثة اصابع فی سرد المختار لان شدک بمنزلة الخیاطة  
وهو مستمسک بنفسه بعد الشدک کالخف المخیط بعضه ببعض فافهم و فی البحر عن  
المعراج ویجوز علی الجاروق المشقوق علی  
ظهر القدم وله ازرار یشدها علیه تسکلاً لانه کغیرا مشقوق وان

ظہر من ظهور القدم شئ فهو كخروق الخف اه قلت والظاهر انه الخف الذي يلبسه الا تراك في زماننا ج ۱ ص ۲۶۹ اس سے معلوم ہوا کہ جو تہ مذکور پر مسح بھی جائز ہے بشرطیکہ چلنے میں اندر سے پاؤں یا جراب نظر نہ آئے اور اگر نظر آئے تو پھر سوال میں ظاہر کرنا چاہیئے کہ کتنا نظر آتا ہے ؟ (تمتہ اولی صفحہ ۸)

سوال (۷۴) کیا چرمی موزوں کے اندر جن پر مسح جراب سوتی کے اوپر چڑھے درست ہے آیا جراب پہننا درست ہے یا نہیں اور ان چرمی موزوں کے اندر جراب پہننے کی صورت میں مسح درست ہے یا نہیں جواب با صواب سے مطلع فرمایا جاوے ؟

الجواب - فی الدرس المختار اوجز موقیہ دیو فوق خف او لفافة ولا اعتبار بما فی فتاویٰ الشادی لانہ سرجل مجھول لا یقلد فیما خالف المنقول - فی سرد المختار ثم الذی فی ہذا الفتاویٰ ہونقلہ عنہا فی شرح المجمع من التفصیل وهو ان ما یلبس من الکرباس المجرّد تحت الخف یمنع المسح علی الخف لکونہ فاصلاً وقطعة کرباس تلف علی الرجل لا تمنع لانہ غیر مقصود باللبس وقد اطلال فی ردہ فی شرح المنیۃ والدرر والبحر لیسک جماعتہ من فقہاء الروم قال ح وقد اعتدی یعقوب باشا بتحقیق ہذا المسئلة فی کمراسۃ مبیننا للجواز لما سألہ السلطان سلیم خان اھ - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ سوال میں مسح درست ہے - ۱۰۰ اج ۳۳ (تمتہ خاصہ ص ۳۶۲)

## بَابُ الْحِیْضِ وَالنَّفَاسِ وَالِاسْتِحْضَاءِ

سوال (۷۵) بعد سقوط علقہ و مضغہ چرمی آدے گادہ جھے ہوئے خون کے بعد جو خون آدے اس کا حکم دم نفاس ہو گیا یا نہیں ؟

الجواب - نہیں - فی الدرس المختار والنفاس دم یخرج عقب ولد او اکثرہ دیو منقطعاً عظمواً عظمواً الا اقلہ - فقط (امداد صفحہ ۱۱)



استقاط حمل کے بعد حیض | سوال (۷۶) اگر حمل گزرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا  
یا استحاضہ کا حکم ہو بلکہ نہ خون ہی خون ہو یا محض گوشت کا تو ٹھہرا ہو تو  
وہ خون جو بعد استقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہے یا استحاضہ ؟

الجواب - فی الدر المختار وسقط ظہر بعض خلقہ کید اور جل  
او اصبع او ظفر او شعرو لد حکما فتصیر بہ نفساء الی قولہ فان  
لم یظہر لہ شئی فلیس بشئی والمرئی حیض ان دام ثلاثا وتقدمہ  
طہر تام والا استحاضۃ ۱۵ - فی رد المحتار قولہ وتقدمہ ای وجد  
قبلہ بعد حیضہا السابق لیصیر فاصلا بین الحیضتین الخ قولہ و  
الاستحاضۃ ای ان لم یدم ثلاثا وتقدمہ طہر تام او دام ثلاثا ولم  
یتقدمہ طہر تام او لم یدم ثلاثا ولا تقدمہ طہر تام چ پس صورت  
مسئلہ میں نفاس تو نہیں پھر اگر یہ خون تین دن تک رہا اور اس کے قبل طہر کی مرت پوری  
ہوئی تھی تو حیض ہے ورنہ استحاضہ - ۵ رجب ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۵۰)

استقاط حمل کے احکام متعلقہ | سوال (۷۷) دو ماہ کا استقاط ہو گیا مفسدہ گوشت جس  
نفاس و نماز روزہ وغیرہ : میں نشانات صورت نمودار تھے گرا اس کا کیا حکم ہے -  
دفن کرنا اور کفن لازم ہے یا نہیں اور اس صورت میں جو خون قبل استقاط یا بعد استقاط  
جاری ہو وہ نفاس میں داخل ہے یا نہیں - نماز روزہ کی ایسی حالت میں کنارہ کش  
ہونا واجب ہے یا نہیں - کیونکہ پوری ولادت نہیں ہے ؟

الجواب - فی الدر المختار باب الحیض فی احکام النفاس - وسقط  
ظہر بعض خلقہ کید اور جل او اصبع او ظفر او شعرو ولا یستبین  
خلقہ الا بعد مائۃ وعشرین یوماً ولد حکما فتصیر المرأۃ بہ  
نفساء الی قولہ فان لم یظہر لہ شئی فلیس بشئی والمرئی حیض ان  
دام ثلاثا وتقدمہ طہر تام والا استحاضۃ وفیہ باب صلوۃ الجنانۃ  
والا ای وان لم یستہل غمسل وسمی عند الثانی وهو الاصح فیفتی  
بہ علی خلاف ظاہر الروایۃ اگر ما لبثی ادم کما فی ملتقی  
البحار و فی الزہر عن الظہیریۃ وان استبان بعض خلقہ غمسل و

حشر ہو المختار وادرج فی خرقۃ ودفن ولبویصل علیہ الا فی رد المختار  
مواخذ اعلیٰ تقدیرہ بمائتہ وعشارین یوماً ما نصہ وکن یشکل  
علیٰ ذلک قول البحران المشاہد ظہور خلقہ قبل ہذہ  
المدة الی قولہ ایضاً ہو موافق لما ذکرہ الا طباء الخ وفیہ علی  
قولہ والا یستہل ما نصہ شمل ما توخلقہ ولا خلاف فی غسلہ  
والمویۃ تم وفیہ خلاف والمختار انہ یغسل ویلبف فی خرقۃ  
ولا یصل علیہ الا روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جزا جزاء بدن  
انسانی سے مثل ہاتھ یا پاؤں یا انگلی یا ناخن یا بال وغیرہ نمودار ہو گیا ہے تو وہ شرعاً  
بچہ ہے اور اس کے بعد جو خون آیا وہ نفاس ہے اسلئے نماز ماقط ہو جائے گی اور روزہ  
دوسرے ایام میں قضا کرے گی اور اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جاوے گا۔ اور  
اگر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو وہ بچہ نہیں ہے نہ اس کے لئے غسل وکفن ہی نہ قاعدہ  
کے موافق دفن ہے البتہ چونکہ جزو آدمی ہے اس لئے زمین میں ویسے ہی دبا دینا جائز ہے  
اور اس صورت میں وہ خون نفاس بھی نہیں ہے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ اس سے قبل  
حیض آئے ہوئے کتنا زمانہ ہوا اور یہ خون کے روز آتا ہے۔ اگر حیض آئے ہوئے پندرہ  
روز یا زیادہ ہو گئے ہوں اور یہ خون کم از کم تین روز آوے تو حیض ہے اور ایک شرط بھی  
کم ہو جاوے تو استحاضہ ہے جس میں نماز روزہ سب صحیح ہے واللہ اعلم ۝

۲۹۔ ذی الحجۃ ۱۳۲۱ ہجری (امداد صفحہ ۴ ج ۱)

سوال (۷۸) اگر حمل کرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو بلکہ نرا خون ہی خون  
ہو یا محض گوشت کا تو مہرٹا ہو تو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہی یا استحاضہ بتلائے  
الجواب۔ جب کوئی عضو ظاہر نہیں ہوا تو یہ خون نفاس تو نہیں ہے اب دیکھنا  
چاہیئے اگر یہ تین دن سے کم میں موقوف نہ ہوا ہو اور اس خون آنے سے پہلی مدت طہر  
بجالت طہر گزری ہو تو یہ حیض ہے ورنہ استحاضہ۔ فی الدال المختار فان لم یظہر لہا  
شیء فلیس بشئی والمرئی حیض ان دام ثلاثاً وتقدمہ طہر تام و  
الا استحاضۃ اھ باب الحيض والنفس۔ ۹ ذیقعد ۱۳۳۱ھ  
(تمہ اولی ص ۱)

جس عورت کے پہلا بچہ پیدا ہو اُس کے پاک ہونے میں چالیس روز کا انتظار نہیں ہے پیدایا ہوا ہے اور اُس کو چار روز خون نفاس کا اگر بند ہو گیا اور ایک شب و روز بند رہا تو دوسرے روز شوہر کو اُس سے وطی جائز ہے یا نہیں کیونکہ اول کا بچہ ہے عادت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ یا اول بچہ جس عورت کے ہو اُس کا انتظار چالیس روز کرنا شوہر کو فرضی ہے اگر نہیں ہے تو کتنے دن خون آنے کے بعد وطی کرے احتمال ہے کہ پھر آوے۔

**الجواب۔** فی الدر المختار دان لعادتہا الی قولہ حتی تغسل او یمضی فی رد المحتار تحت قولہ وان لعادتہا ما نصہ وکذا لو كانت مبتدأ در سر چونکہ حیض و نفاس کا حکم اس امر میں یکساں ہے روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سورۃ مسئلہ میں وطی جائز ہے۔ ۱۶ محرم ۳۲۶ھ (تمتہ اولی ص ۵)

**سوال (۸۰)** ایک عورت کو دس دن سے زیادہ خون آیا اور حائضہ کا حکم اُس کو اپنی پہلی عادت بالکل یاد نہیں کہ پہلے ہینے میں کتنے دن خون آیا تھا تو اب اُس عورت کو کتنے روز نماز قضا کرنی چاہیے۔

**الجواب۔** وہ تحرری یعنی اٹکل کرے یعنی یاد کرے کہ کس دن ماہ سابق میں حیض آیا تھا جے دن غالب گمان سے حیض یاد آوے اتنے دنوں اپنے کو حائضہ سمجھے اور اُس کی نمازیں قضا نہ کرے اور جے دن غالب گمان سے طہر یاد آوے اُسی قدر طہر سمجھے اور ان کی نمازیں قضا کرے اور جس میں دونوں جانب برابر ہوں احتیاط پر عمل کرے یعنی اُن کی بھی نمازیں قضا کرے اور آئندہ ماہ میں بھی اگر عادت منظونہ سے بڑھنے لگے تو بھی نمازوں کے اوقات میں اٹکل پر عمل کرے یعنی اس اٹکل سے جو وقت غالب ظن سے حیض کا معلوم ہو اس میں احکام حیض پر عمل کرے یعنی نماز وغیرہ نہ پڑھے اور جو وقت طہر کا معلوم ہو اُس میں غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھے اور جس میں کوئی امر غالب ظن سے سمجھ میں نہ آوے اُس میں احتیاط پر عمل کرے یعنی جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں حائضہ ہوں یعنی باہمی حیض میرا منقطع نہیں ہوا یا طہر ہوں یعنی حیض سابق میرا منقطع ہو گیا تو غسل کر کے نماز پڑھے اور اس صورت میں احتیاط یہ بھی ہے کہ اگلے وقت میں بھی غسل کر کے وقت سے پہلے اس کا اعادہ کرے پھر وقت پڑھے اور جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں طہر ہوں یعنی طہارت سابقہ میری مستمر ہے حیض

شروع نہیں ہوا یا حالئذہ ہوں یعنی حیض شروع ہو گیا تو وضو کر کے نماز پڑھے۔ کذا  
یفہر من الدہر المختار سرد المختار حیث قال وحاصلہا تھا تا تحری الخ۔  
۸ رجہادی الاخری ۳۹۵ (تمتہ اولی ص ۱)

اُس عورت کا حکم جس کا خون تین روز سے کم میں منقطع ہو جائے۔  
سوال (۸۱) جس عورت کو اکثر ایسی عادت ہو  
کہ تین دن رات سے پہلے خون بند ہو جاتا ہو کیا وہ  
شروع میں دو تین روزے قضا نہ کرے انتظار میں احتیاطاً روزہ رکھے اگر تین دن رات  
پورے ہو گئے تب تو حیض سمجھ کر روزہ شمار نہ کرے اور پھر اُن کی قضا رکھے اگر تین رات  
دن سے کم میں بند ہو گیا تو استحاضہ خیال کر کے سمجھ لے کہ روزہ کوئی نہیں گیا اس میں کیا  
ہونا چاہیئے ؟

الجواب۔ فی الدار المختار فیہ رای بالبروز تترك الصلاة ولو  
مبتدأة في الاصح لان الاصل الصحة والحیض دم صحۃ شمنی  
سرد المختار ج ۱ ص ۲۹۲ اسی طرح یہاں بوجہ عادت کے غالب اور ظاہر دم مرض ہو  
پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ عورت نماز و روزہ نہ چھوڑے جیسا سوال میں تجویز کیا  
گیا ہے۔ ۷۱ رمضان ۱۳۳۲ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۱۶۶)

سوال (۸۲) اگر کسی کو نوروز یا دس روزہ ماہواری  
کی عادت ہو اور بیٹش روز پاک رہنے کی عادت ہو  
اور اُس کو دوسری تاریخ ماہواری شروع ہو اور دس تاریخ کو پاک ہو جاوے اور پاک ہونے  
کے نوروز کے بعد پھر آ جاوے جس کو آج چھٹا روزہ ہے اس زمانہ میں نماز روزہ سب بدستور  
کیا جس طرح بہشتی زیور میں ہے کہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کر لیا کرے اب یہ پوچھنا  
ہے کہ اب پاکی کے زمانہ کو پندرہ روز ہو گئے تو اب کل سے ماہواری کا زمانہ شمار کیا  
جاوے گا یا عادت کے موافق بیٹش روز پاک رہے گی اور بیٹش روز کے بعد ماہواری  
کا زمانہ شروع ہو گا اور اگر کل سے پاکی کا زمانہ نہیں ہے تو اس حالت میں اعتکاف  
درست ہے یا نہیں یعنی قرآن اور نماز نہ پڑھے صرف تسبیح وغیرہ پڑھتی رہے ؟

الجواب۔ فی رد المختار ودان وقع رای الاستمرار فی المعتادة  
فطهرها وحیضہا ما اعتادت فی جمیع الاحکام ان كان طهرها اقل

من ستة اشهر والا فترد الى ستة اشهر الاساعة وحيضها بحاله  
ج اص ۲۹ قلت يرد بالاستمرار ظهور الدم في غير زمان الحيض فيحكم  
في المستول عنها بالاستمرار لان المدة التي ظهر فيها الدم ليس  
بزمان حيض لانه لم ينقض اذ ذلك اقل زمان الطهر ولا يرد  
بالاستمرار عدم الانقطاع ابد الانه يتعذر الحكم عليها  
ابدا مادامت حية هه ويصدق على هذه ايضا ان طهرها  
اقل من ستة اشهر فيحكم عليها بردها الى عاداتها۔

حاصل یہ کہ اس کے اس خون کو استحاضہ کا خون کہیں گے اور عادت کے موافق  
بیش روز تک پاک کہیں گے۔ ۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث صفحہ ۸۶)

طہر پندرہ روز سے کم نہیں ہوتا | سوال (۸۳) کتب فقہ میں لکھا ہے کہ کثرت طہر کی  
اگرچہ کمی قلیل بھی ہو : پندرہ روز کامل گزرنا ہے اور کسی عورت کا حیض نفاس  
مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ طہر کے بعد موقوف ہوا اور پندرہ تاریخ ہیمنہ مذکور کے عین  
دوپہر کے وقت پھر خون دیکھا آیا ایک پہر یا ایک ساعت یا دو ساعت کم کا اعتبار  
کر کے طہر کا حکم ہو گا یا نہیں ؟

الجواب۔ طہر نہ ہو گا کیونکہ پندرہ یوم دلیلہ سے کم ہے فی الدہ المختار باب الحيض  
والناقص عن اقله الخ فی رد المختار قولہ والناقص الخ ای ووبیسیر قال  
القہستانی فلورأت المبتدأة الدم حين طلع نصف قرص الشمس  
وانقطع في اليوم الرابع حين طلع ربعه كان استحاضة الى ان  
يطلع نصفه فحينئذ يكون حيضا والمعتادة بخمسة مثلا اذا رأت  
الدم حين طلع نصفه وانقطع في الحادي عشر حين طلع ثلثاه  
فالزائد على الخمسة استحاضة لانه زاد على العشرة بقدر  
السدس اھ ای سدس القمر ص ج ص ۲۹۳-۲۹۴ ردی الحجۃ ۱۳۳۳ھ

(تمتہ ثانیہ امداد الفتاویٰ صفحہ ۱۰۲)

حائفہ کو دعائیں وظائف | سوال (۸۴) بعض مستورات کا سوال ہے کہ جناب کی  
پڑھنے کا حکم : تالیف کتاب قربات عند اللہ وصلوات الرسول

و مناجات مقبول ایام حیض میں بھی اس کی منزل پڑھی جاوے یا نہ اس لئے کہ آیات قرآن مجید و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں مسطور ہیں :

**الجواب** - فی الدر المختار - احکام الجنب و یحرم بہ تلاوة القرآن ولو دون اية على المختار بقصد فلو قصد الدعاء او الشفاء او افتتاح امر او التعليم ولقن كلمة كلمة حل في الاصح اه في رد المختار قوله على المختار ای من قولین مصححین - ثانیہا انہ لا یحرم ما دون اية و رجحہ ابن الصمام بانہ لا یعد قارئاً بما دون اية فی حق جواز الصلوة فکذا هم هنا و اعترضه فی البحر تبعا للحیلة بان الاحادیث لم تفصل بین القلیل و الكثير و التعلیل فی مقابلة النص مردود اه **قلت** رای اشرف علی بانہ لیس تعلیلاً بل تفسیر للحديث الناهی کحديث ابن عمر مثلاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقراء الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن اخرجہ الترمذی فان النہی تعلق بالقرآن و ما دون اية لا یسمى قرأناً و النصوص واردة على محاورا اهل اللسان فهو ایضاً عمل بالحديث ثم ذکر فی الدر المختار فی احکام الحيض و قراءۃ قرآن بقصد الخ فی رد المختار قوله بقصد فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء او شیئاً من الايات التي فیہا معنی الدعاء و لم ترد القراءۃ لا باس به كما قد مناه عن العیون لا بی الیث دقلت وهو ما نقل فی احکام الجنب و نصہ قال فی العیون لا بی الیث قرأ الفاتحة على وجه الدعاء او شیئاً من الايات التي فیہا معنی الدعاء و لم یرد القراءۃ لا باس به و فی الغایۃ ان الاختار و اختلا الحلوانی لکن قال الہندوانی لا افقی بہ و ان روى عن الامام الخ ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے -

**امراؤل** - جنب اور حائض کو قرآن پڑھنا جائز نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک آیت تامہ کا پڑھنا جائز نہیں :

امر ثانی۔ احادیث کا پڑھنا جائز ہے اس میں بھی اختلاف نہیں۔  
 امر ثالث۔ آیت سے کم پڑھنا بعض کے نزدیک جائز نہیں۔  
 امر رابع۔ اگر قرآن بقصد تلاوت نہ پڑھا جاوے بلکہ بقصد دعا پڑھا جاوے ...  
 ... جبکہ اس میں دعا کے معنی ہوں تو اکثر کے نزدیک جائز ہے۔ بعض  
 نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔

امر خامس۔ چونکہ مفہیم روایات فقہیہ کے حجت ہیں لہذا یہی روایات جو  
 قراءت احادیث پر مخصوص احادیث دعا پر دال ہیں اس تقریر سے سوال کا مفصل  
 جواب حاصل ہو گیا۔ یہ تو نفس احکام کا بیان تھا جو ضروری تھا جس کے دلائل بیان  
 کرنا عمل کے لئے ضروری نہیں لیکن اہل علم کے نشاط کے لئے ان کے دلائل کی طرف  
 مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔ امر اول کی دلیل عبارت مذکورہ میں مذکور ہے یعنی لا تقر  
 الحائض ولا الجنب الخ وفي الباب احادیث کثیرہ وغیرہ ما ذکر۔  
 امر اول کے جزو ثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پر قراءت قرآن  
 صادق آتی ہے۔ امر ثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پر قراءت قرآن صادق  
 نہیں آتی۔ نیز بخاری و نسائی کے سب اصحاب صحاح نے حدیث ذکر کی ہے۔ مکان صلی  
 اللہ علیہ وسلم یحییٰ کما اللہ فی کل حیوان کذا فی احیاء السنن۔ ظاہر  
 ہے کہ حدیث کو بھی عام ہے بلکہ قرآن کو بھی لیکن چونکہ قراءت قرآن سے نہی وارد ہے وہ  
 اس سے مخصوص ہو گئی اور قراءت حدیث اس عموم میں داخل رہی نیز خود حضور اقدس  
 صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حالات میں کلام فرماتے تھے اور آپ کا ہر کلام حدیث ہے پس  
 قراءت حدیث کا جواز دلیل فعلی سے بھی ثابت ہو گیا۔

امر ثالث مانع کی دلیل یہی احادیث ہیں منطوقاً اس بنا پر کہ قراءت نعتہ اس  
 کو بھی عام ہے اور بیچ کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں مفہوماً اس بنا پر کہ یہ عرف اور محاورہ  
 میں قراءت نہیں۔ امر رابع۔ اکثر کی دلیل یہ حدیث ہو سکتی ہے۔ عن عائشۃ رض  
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنباً و اراد ان یاکل او  
 ینام توضأ وضوءاً للمصلوۃ رواہ مسلم وعن عائشۃ رض ان النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یطعمہ وھو جنب غسل

کفیه ومضمض فاکا تطعم رداکا الدار قطنی وقال صحیحہ کذا فی احیاء  
اللسان اور دوسری احادیث سے ابتداء اکل میں بسم اللہ اور فراغ عن  
الاکل پر الحمد للہ کہنا منقول ہے اور وضو شرعی بھی رافع جنابت نہیں اور  
وضو لغوی تو وضو ہی نہیں تو جنابت کی حالت میں بسم اللہ اور الحمد للہ کہنا ثابت  
ہوا۔ اور بسم اللہ کا قرآن ہونا تو اتر سے ثابت اور دلائل مطلق ہیں تسمیہ تامہ اور غیر تامہ  
کو اور الحمد للہ ایک قول پر کہ قرآن آیت غیر تامہ کو بھی عام ہے قرآن ہے۔ مگر چونکہ اس  
تسمیہ و حمد سے مقصود تلامذت نہ تھی بلکہ افتتاح و اختتام و تبرک مقصود تھا اس لئے جائز  
رکھا گیا پس امر رائج میں اکثر کا قول ثابت ہو گیا۔ اور بعض کا قول معلوم ہوتا ہی کہ محض  
تترہ و احتیاط پر مبنی ہے کہ لوگ حدود سے تجاوز نہ کرنے لگیں پس بطور سد ذرائع کے جواز  
پر فتویٰ نہیں دیا۔ ورنہ تسمیہ و حمد کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے کیونکہ اس وقت اس کے  
قرآن ہونے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا تو اس میں تجاوز عن الحدود کا احتمال نہ تھا۔

امر خامس کے لئے امر ثانی کی تقریر کافی ہے۔ فرع چونکہ جنب اور حائض کے  
حکام میں کچھ فرق نہیں اس لئے یہ احکام اور دلائل دونوں کے لئے مشترک ہیں۔ اصل سوال  
کا خلاصہ جواب یہ ہے کہ قربات عند اللہ کی ادعیہ قرآنیہ و حدیثیہ کا حائضہ کو پڑھنا جائز ہے  
صرف ادعیہ قرآنیہ میں یہ قید ہوگی کہ دعا کی نیت سے پڑھے۔ قرآن کی نیت سے نہ پڑھے  
اور جہاں اس احتیاط کی علماء و علما توقع نہ ہو وہاں احوط و اورع منع ہی ہے اور عجب نہیں  
فقہ ہندوئی نے ایسے ہی عوام کے لئے منع فرما دیا ہو۔

فائدہ :- اس تحریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سب اہل فتویٰ کا قصد اتباع حدیث کا ہی  
گو وجہ استدلال میں اختلاف ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ (نثری فعلی)

۴ شعبان ۱۳۵۶ھ (النور رمضان ۱۳۵۷ھ)

## باب الانجاس و تطہیر ہا

مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہے | سوال (۸۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان  
اند ہدی وغیرہ کے احکام ؟ | شرع متین در بارہ پاک ہونے چرم اس حیوان کے  
جو یقضا نے اپنے فوت ہوا اور قوم چمار اس کا گوشت حرام اپنے تصرف میں لاتے



اور چرم کو اس کے دباغت دیکر جفت پا پوش وغیرہ تیار کرتے ہیں جملہ مسلمانان اہلسنت وجماعت میں یہ امر رواج یافتہ ہے کہ بعد وضو کے پاؤں دھو کر اُس میں رکھتے ہیں اس صورت میں پاؤں اس کا اور لباس مصلی کا پاک رہا یا نجس ہوا۔ اور دباغت دادہ کا فرجیم اصل مردار کیونکر پاک ہوا۔

**الجواب۔** سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اور سوائے انسان کے کہ وہ مکرم و محترم ہے اور سب جانوروں کا چرم دباغت سے پاک ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جانور مردار ہو۔ وکل اہاب دبع فقد طهر وجازت الصلوة فیہ والوضوء منه الاجل الخنزیر والادھی لقولہ علیہ السلام ایما اہاب دبع فقد طهر ہدایہ جلد اول ص ۲۲۷ عن میمونۃ قالت اُھدک لمولائک لئلا نشاة من الصلۃ فماتت فمر بہا الذبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اُکلا دبغتماھا بہا فاستمتعتموب۔ فقالوا یا سول اللہ انھامیتۃ قال انما حرم اکلھا ابوداد جلد ثانی ص ۲۱۰ اور بہت حدیثیں اس مضمون کی ہیں من شاء فلیرجع الی کتب الحدیث پس جب چرم مدبوغ پاک ہوا تو اس میں ڈالتے سے بھیگے پاؤں ناپاک نہیں ہوتا۔ (امداد صفحہ ۱۱) سوال (۸۶) شیر اور گرگ اور کتا وغیرہ جو جانور کہ مردار ہیں اُن کی کھال درختوں اور چربی وغیرہ کو استعمال میں مسلمان لوگ لا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر لا سکتے ہیں تو کس طریقہ سے ؟

**الجواب۔** مردار جانوروں کی کھال سوائے آدمی و خنزیر کے دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اُس کا استعمال جائز ہے اور ہڈی اور بیٹھ اور سینگ اور بال اور اُون سب پاک ہیں۔ انتفاع ان سے جائز ہے اور چربی مردار کی ناپاک ہے اس کا کسی طرح استعمال نہ چاہیئے۔ ولا بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ ولا باس بیعھا والا انتفاع بہا بعد الدباغ ولا باس بیع عظام المیتۃ وعصمھا وصفو فھا وقرنھا وشرھا ووبرھا والا انتفاع بذلک کما ۱۲ ھدایہ ج ۱ ص ۲۷ وکذلک الزيت اذا وقع فیہ وذلک المیت فان کان الزيت غائباً جاز بیعہ وان کان الودک غالباً لم یحز والمرد من

الانتفاع حال غلبة الحلال الانتفاع فی غیر الابدان واما فی الابدان فلا يجوز الانتفاع به کذا فی المحيط ۱۲ عا السگیری ج ۳ ص ۱۳۱ -  
 فقيل يا رسول الله ارايت تشحوم الميته فانه يطلى بها  
 السفن ويدهن بها الجلود وليست تصبح بها الناس فقال لا  
 هو حرام ۱۲ - ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۴ فقط ۱۹ ربیع الثانی ۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۱)

داد سے جو طوبت نکلتی ہے اُس کے پاک ناپاک ہونے کی | سوال (۸۷) داد کے کھلائی  
 تحقیق اور جس کپڑے پر یہ طوبت لگی ہو اُس سے نماز پڑھنے کا حکم | سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناپاک  
 ہے یا نہیں پانی سے داغ پر طوبتیں تو نماز جائز ہوگی یا نہیں :

الجواب - فی رد المحتار عن المجتبیٰ الدم والقیح والصدید وماء  
 الجرح والنقطة وماء البثرة والثدي والعین والاذن لعدة سوء  
 علی الاصح اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی ناقض ہے۔ اور در مختار میں ہے۔  
 وکذا کل ما خرج منه موجبا لوضوء وغسل مغلط۔ اس سے معلوم  
 ہوا کہ یہ پانی نجس ہے اور نجس مغلط اس لئے ان داغوں کا دھونا واجب ہے۔ اور  
 نجس مغلط ایک درہم تک عفو ہے اس لئے وہ داغ اگر پھیلاؤ میں ایک دہیہ سے  
 زائد نہ ہو نماز ہو جاوے گی۔ ۷۷۲ رمضان ۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۱ ج ۱)

ترک پڑے کو کسی نجس زمین یا | سوال (۸۸) اگر ایک کپڑا پاک کر کے پھوڑا اور وہ کپڑا تر  
 نجس کپڑے میں پیٹنا | پاک شدہ کسی ناپاک کپڑے یا بورے پر یا زمین پر دکھا  
 جاوے تو وہ ترک پڑا پاک کیا ہوا ناپاک ہو گیا یا نہیں :

الجواب - فی الدال المختار لعل طاهر فی نجس مبتل بماء ان  
 بحيث لو عصر قطرت نجس دالا لا لولعل فی مبتل بنحو بول  
 ان ظہرند اوتہ او اثره تنجس دالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ  
 ناپاک کپڑا۔ بور یا وغیرہ اگر عین کسی نجاست سے ناپاک ہوا ہے تو اُس کے اثر کے  
 آجلے سے یہ پاک کپڑا ناپاک ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ عین نجاست سے ناپاک  
 نہیں ہوا بلکہ ناپاک پانی وغیرہ سے ناپاک ہوا تھا تو اگر یہ کپڑا پاک پھوڑنے سے بچر سکتا  
 ہے تو ناپاک ہو گیا ورنہ نہیں۔ ۲ ربی الحج ۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶ ج ۱)

۷۹۔ اس صورت میں جو کہ زخم سے مل کر پانی بہہ گیا اور وہ کپڑے کو لگ گیا اور اگر پانی، مہیب وغیرہ صرف زخم کے منہ پر رہی  
 اور کپڑا اس کو بار بار لگتا رہا یہاں تک کہ کپڑے پر پھیل گیا یہ ناپاک نہیں نہ اس کا دھونا واجب ہے ۱۲ محمد شفیق

اصلاح ان | چونکہ سوال میں مبتل پاک ہو اور غیر مبتل نجس اور مقصود مسائل یہ ہو کہ اگر مبتل  
تصحیح الاعلا | طاہر غیر مبتل نجس پر رکھ دیا جائے تو وہ پاک رہے گا یا ناپاک ہو جاوے گا  
اور جواب میں جو روایت فقہیہ نقل کی گئی ہے وہ اس کا عکس ہے یعنی مبتل نجس ہے اور  
غیر مبتل طاہر۔ پس روایت مذکور جواب میں نص نہ ہوگی۔ نیز عنوان جواب بظاہر سوال کے  
مطابق نہیں ہے۔ نیز جو کچھ ناپاک پانی سے نجس ہو وہ نجس بخوبی میں داخل ہے مگر جواب کے  
معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نجس مبتل بالماء میں داخل کیا گیا ہے ان وجوہ سے تغیر عبارت  
ضروری معلوم ہوتی ہے اور تقریر جواب یوں ہونی چاہیے۔ اس عبارت سے مفہوم  
ہوتا ہے کہ اگر بوریاد غیر پانی سے بالکل تر نہیں ہو تو کچھ ناپاک ہے اور اگر تر ہو گیا ہے  
تو اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس سے کپڑے میں اتنی تری آگئی ہے کہ وہ پھوٹنے سے پھر سکتا ہے تب تو  
ناپاک ہے ورنہ پاک کیونکہ اس وقت بوریاد غیر نجس مبتل بالماء ہے جس کا حکم یہ ہے بحیث  
ان عصر تنجس والا لا۔ لیکن اس تقریر پر بھی یہ جواب مخدوش ہے کیونکہ شرح منہ  
صلی میں ہے۔ وکذا (ای لا یتنجس) لو نشئ الثوب المبلول الطاهر علی  
مکان یا بس نجس فابتل منه لکن لو یظہر عین النجاسة فی الثوب  
وکذا ان نام علی فراش نجس فعرق وابتل الفراش من غیرہ  
فان، ان لو یصب بلل الفراش بعد ابتلالہ بالعرق جسدہ  
لا یتنجس جسدہ وکذا اذا غسل رجلہ ومشی علی لبس نجس  
فابتل اللبس لا یتنجس رجلہ وکذا ان مشی علی ارض نجسة  
بعد ما غسل رجلہ فابتلت الارض من بلل رجلہ واسود جزو  
الارض ای بالنسبة الی اللون الاول لکن لو یظہر اثر البلل  
المتصل بالارض فی رجلہ لو یتنجس رجلہ وجازت صلوٰۃ بدن  
اعادة غسلها لعدم ظہور عین النجاسة فی جمیع ذلك الخ  
ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی طاہر مبلول نجس یا بس سے متصل ہو  
تو جب تک مبلول کی تری نجس یا بس سے مل کر نجس نہ ہو جاوے اور نجس ہو کر شے  
طاہر سے دوبارہ متعلق نہ ہو جاوے اس وقت تک شے طاہر نجس نہیں ہوتی اور  
جب ایسا ہو جاوے تو نجس ہو جاتی ہے خواہ بعد عصر متقاط ہو یا نہ ہو اور جواب

مذکور میں اشتراط تقاطر مذکور ہے اس لئے جواب مذکور صحیح نہ ہوگا۔ پس روایت درمختار کو چھوڑ کر روایات شرح منیہ سے استدلال کرنا چاہیئے اور تقریر جواب یہ ہونی چاہیئے کہ اگر بوریا وغیرہ خشک ہیں جیسا کہ ظاہر سوال سے مفہوم ہوتا ہے تب یہ جواب ہے کہ اگر بوریا وغیرہ کپڑے سے تر نہیں ہوا تب تو پاک ہے اور اگر تر ہو گیا ہے تو اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس کی تری کپڑے میں لگ گئی ہے تب ناپاک ہے اور اگر بوریا وغیرہ بھی تر ہے تو بہر حال ناپاک ہے۔  
 هذا ما عندی - والله اعلم بالصواب -

سوال (۸۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہاتھی نکلے اُس کا حکم ؟  
 بد جو لوگ سوار ہوتے ہیں تو ہاتھی چلتے ہیں گرمی کے سبب سے سوئٹھ کے ذریعہ سے پیٹ کا پانی نکال کر اپنے بدن پر چھڑکا کرتا ہے یہ اُس کی عادت ہے آیا وہ پانی پاک ہے یا ناپاک۔ کیونکہ سوار ہونے والوں کے کپڑوں پر کم و بیش ضرور پڑتا ہے۔ فقط ؟

الجواب۔ ناپاک ہے۔ فی العالمگیریۃ۔ لعاب الغیل نجس کلاب الخمد والاسمد اذا اصاب الثوب بخرطومہ ینجسہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان ۱۱ھ ۲۹ مطبع مصطفائی۔ والله اعلم وعلمہ اتم۔  
 ۷ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۱)

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پتہ (زبرہ) مچھلی کا پتہ پاک ہے یا ناپاک۔ پتہ کا حکم فقہ میں مثل پیشاب کے لکھا ہے مگر مچھلی کے پیشاب کے وجود ہی میں شبہ ہے اور اگر ہو بھی تو بوجہ جانور آبی کے غالباً ناپاک نہ ہو۔  
 دوسرے یہ کہ مچھلی کا پتہ اگر پاک اجزاء میں شامل کر کے تیل نکالا جاوے تو بوجہ قلب ماہیت و دفع اجزاء نجسہ مثل خاکستر عرق سرطان) جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نمبر ۱۔ ناپاک فی الدردالمختار کما تحریر من الشاة سبع الحیاء والخصیۃ والغدة والمثانة والمراسۃ والدم المسفوح والذکر فی رد المحتار ذکر الشاة اتفاقی لان الحكم لا یختلف فی غیرها من  
 ۱۵ اس مسئلہ کی مزید تحقیق اس کے بعد تتمہ مسئلہ نمبر ۹ کے عنوان سے آرہی ہے اس کو دیکھا جائے ۲ محمد شفیع

## المأكولات ۱۸

نمبر (۲) جائز نہیں یہ قلب ماہیت نہیں بلکہ ایک خاص ترکیب سے اُس کے اجزاء کا لینا یا مرکب ہونے کے بعد مجموعہ نجس کا ردغن لینا ہے بخلاف خاکستر کے کہ وہ بالکل ایک نئی چیز بعد استحالہ کے حادث ہوئی ہے اور یہ امر نہایت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان ۱۳۲۳ھ ہجری (امداد صفحہ ۸ ج ۱)

(تمتہ مسئلہ نمبر ۹۰) از تمتمہ اولیٰ صفحہ ۳۳۱

خلاصہ سوال (۱) از پاکی و ناپاکی زہرہ ماہی (۲) جواز ردغن بر آوردہ ازاں  
خلاصہ جواب - از ہر دو سوال ناپاک۔

تسلیح - پاکی ناپاکی چیز دیگرست و حلت و حرمت امر دیگرست چنانچہ حیوان مائے المولد مثل سنگ پشت و ضفدع پاک اندکہ اگر در آب ریزہ ریزہ گداخته شوند آب ناپاک نگردد و وضو جائزست مگر بسبب حرمت او شان اکل و شرب حرامست فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جازا للوضوء بہ لا شرب لحرمة لحمہ ۱۲ الدار المختار ۱۹۱ پس بالتسلیم از ثبوت حرمت زہرہ ماہی ناپاکی آں ثابت نمی شود کما لا یخفی اگر گفتہ شود کہ مراد سائل از پاکی ناپاکی حلت حرمتست لہذا مولانا غرضاد ہمیدہ جواب دادند نمی گویم بر مفتی جواب کہ از الفاظ سائل حاصل شود واجبست نہ از مراد او کہ امر قلبیست علم مفتی بر آں محیط نیست خصوصاً در جواب مفتی صاحب نیز لفظ ناپاک گفتہ است اگر ایں چنین بودے تعبیر بحرام یا مکروہ فرمودندے (تمتہ اول مسئلہ) ردئی کے پاک کرنے سوال (۹۱) شامی صفحہ ۲۲۱ جلد اول میں تنجس کی کئی قسمیں کا طریقہ کی ہیں (۱) جس میں نجاست جذب نہیں ہوتی - (۲) کم جذب ہوتی ہی (۳) بہت جذب ہوتی ہے قسم ثالث کی دو قسم ہیں (نمبر ۱) نچوڑنا ممکن ہے۔ (نمبر ۲) نچوڑنا ممکن نہیں اگر بہت جذب ہوتی ہو اور نچوڑنا ممکن نہ ہو تو محمد (رح) کے نزدیک طہارت کا کوئی طریق نہیں اور ابو یوسف (رح) کے نزدیک ظاہر ہو جاتی ہے کہ تین بار دھو کر خشک کرے جیسے نئے گھڑے وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ ردئی کس میں داخل ہے اور اُس کی طہارت کا کیا طریق ہے اور یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ نچوڑی نہیں جاسکتی اور جذب کثیر کرتی ہے؟

**الجواب**۔ روئی ظاہر اقسام ثالث سے معلوم ہوتی ہے بمنزلہ ثوب وغیرہ کے اور نچوڑنا ممکن بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۲ رذی الحجۃ ۳۳ھ (امداد ص ۷)

**سوال (۹۲)** بڑے برتن میں پانی موجود ہے لیکن ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں | اُس میں سے نکالنے کی کوئی چیز نہیں ہے اور ہاتھ مٹکے وغیرہ سے پانی نکالنے کی صورت | اُس کا نجس ہے تو ایسی صورت میں کس طرح وضو کرے اور نماز پڑھے نماز کا وقت جاتا ہو آیا تیمم کرے اور نماز پڑھ لیوے یا کہ قضا کرے۔

**الجواب**۔ اگر دوسرا شخص موجود ہو اُس سے کہہ کر پانی نکالو اگر ہاتھ دھو لے ورنہ اگر دو مال اُس میں ڈال کر باہر نکال کر جو پانی اُس سے پٹکے اُس سے ایک ہاتھ دھو سکے تو اس طرح کرے یا اگر اُس میں منہ جاسکے تو ٹکلی لیکر اُس سے ہاتھوں کو دھو لے۔ اگر یہ کچھ بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھے اور اُس کا اعادہ نہ کرے۔ فی اللہ المختار ص ۱۱۰ ولو لم یکنہ الا اخترا ف بشئ ویدا کا نجستان تیمم و صلیہ و لم

یعد اور صورتیں روا المختار میں مذکور ہیں۔ ۴ ار محرم ۳۲ھ (امداد صفحہ ۹ ج ۱)  
**سوال (۹۳)** اگر کسی کا کپڑا نجس چوتھائی سے زیادہ | اُس میں نماز کا حکم | ہے اور پانی وغیرہ نہیں پاتا کہ دھو دے ایسی صورت میں نماز جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو اعادہ نماز کا بعد کو کرے کہ نہ کرے۔

**الجواب**۔ اگر اس کے پاس اور کوئی کپڑا ظاہر نہیں ہو تو اسی میں نماز پڑھے اور اعادہ نہ کرے۔ فی اللہ المختار شروط الصلوٰۃ ولو کان ربعہ طاهرا

عہذا الجواب مبني على ما هو الظاهر من السؤال من كون النجس من الثوب اقل من النصف ووجه الاستدلال ان الظاهر منه على هذا التقدير اكثر من الربع لا محالة فتجب فيه الصلوة بالاولى وان كان المراد بكون النجس اكثر من الربع اعم فالجواب انه ان كان الظاهر منه بقدر الربع فتجب الصلوة حتما والا فان كان اقل من ربعه طاهرا ند بالصلوة فيه وان كان الكل نجسا فان كانت نجاسة عارضة بنحو بول وغيره ندب صلواته فيه ايضا وان كانت اصلية يصح عريانها كما يظهر من الدر المختار والشا ح ۱۲  
(نوٹ) یہ تغیر تصحیح الاغلاط صفحہ ۳ سے کیا گیا ہے :

صلہ فیہ حتماً اذ الرابع کا نکل الا ۱۷۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۹ ج ۱)

دلایتی رنگ سے رنگے | سوال (۹۴) فقہار نے اشیائے نجس کو بہت جگہ استہلاک ہوئے کپڑے کا حکم کی وجہ سے ظاہر سمجھا ہے جیسے صابون اور کھنکھل میں اگر بھوسہ سرگیا ہو اور گوبری حتیٰ کہ درختار میں تو یہاں تک لکھدیل ہے کہ پانی اور مٹی میں جو جو چیز ظاہر ہوگی مرکب اُسی کے تابع ہوگا۔ اگرچہ صاحب فتح نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے لیکن بہر حال مسئلہ قابلِ گنجائش ہے۔ پس آجکل دلایتی رنگوں میں کہ علی الاغلب اسپرٹ شامل ہوتا ہے اگر گنجائش نکالی جائے تو کیسا ہے گوبری سے بڑھ کر اسکی حالت نہیں اور عموم بلوے اس کو مقتضی ہے کہ دلایتی کپڑے جس قدر آتے ہیں سب ہی رنگوں میں رنگے ہوتے ہیں سب کا دھو کر استعمال کرنا علی الخصوص جائے کی کچی پھینٹوں کا استعمال مشکل ہے خصوصاً امام صاحب کے مذہب پر گنجائش بھی ہی کیونکہ اسپرٹ خمر غنبی سے نہیں بنائی جاتی ہے اور امام محمد سے کا مذہب اگرچہ مفتی ہے لیکن اس وجہ سے اُس پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگ پرہیز کریں اس لئے شراب تو یہ صحیح ہو اور استعمالاً محلِ بحث ہو احادیث سے بھی حرمت ثابت ہو نہ کہ نجاست باقی عموم بلوے کی یہ حالت ہے کہ پرہیز مشکل ہے حتیٰ کہ چمچہ جو جلدوں میں لگایا جاتا ہے کہ قرآن مجید تک اس سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔

الجواب۔ فقہا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب حقیقت مظہر ہے لیکن انقلاب صفت مظہر نہیں ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۵۔ سو اس کو انقلاب حقیقت کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بل ہو کا لد بس لاندہ عصا یجمد بالطین ردالمحتار ص مذکور اور اُس کے صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔ مایستقطر من دردی الخمر دھوا المسمی بالعرقی فی ولایت الروم نجس حرام کساندا صناف الخمر الا پس اسپرٹ کا حال تو اس سے معلوم ہوا۔ اب رہا مرکب سودرختار کے اس جزئیہ میں تو بہت کلام ہو اور صحیح نجاست ہی ہے۔ رہی ضرورت سوجب ہے کہ تحریر نہ ہو سکے اور یہ مفقود ہے ردالمحتار صفحہ ۳۳۴ میں ہے لہذا صابن بلا قصد الخ یا کوئی فردری شے بدن اس کے ذہن کے ردالمحتار صفحہ ۳۶۱ میں ہے بخلاف السرقین اذا جعل فی الطین للتطیین لا ینجس لان فیہ ضرر و سرق لانہ لا یتھیأ الاب حلیۃ البتہ یہ بات کہ یہ اثر یہ مہیت سے نہیں بنتی محلِ گنجائش ہے اگر ثابت ہو جائے

تحقیق کیا جاوے یکم ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (امداد الفتاویٰ ص ۱۱ ج ۱)

**سوال متعلق جواب مذکور (۹۵)** اسپرٹ کی نسبت ڈاکٹروں اور ڈاکٹری کتابوں سے جہاں تک تحقیق ہوا ہے ہو کہ گڑ یا جو کی شراب سے بنائی جاتی ہے۔ نیز اس میں غوم بلوے گوبری سے بدرجہا زائد ہے ادنیٰ امر یہ ہو کہ ہر تعلیم یافتہ کی جیب میں کچھ نہ کچھ کاغذ و خطوط ہوتے ہیں جو عموماً انگریزی روشنائی سے لکھے ہوتے ہیں اور ڈاک خانہ شہر کا نام لکھتا ہے وہ تو عموماً انگریزی روشنائی ہوتی ہے بلکہ دیسی روشنائی بھی ولایتی کا جل سے تیار کی جاتی ہے جس کا حال مثل دیگر رنگوں کے ہے۔ کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں اب عموماً ولایتی روشنائی سے چھاپی جاتی ہیں اور اب جہاں تک علم ہے کوئی مطبع والا دیسی روشنائی سے کتاب نہیں چھاپتا۔ ان تمام سے احتیاط نہایت ہی دشوار ہے یوں تو گوبری سے بھی احتیاط ممکن ہو۔ مکان میں پختہ پلاستریا کچا کرا کے اس کی طرف برابر توجہ رکھنا ممکن ہے گوبری کا فائدہ صرف یہ ہو کہ کھل کے بعد شفاق کو روکتی ہو۔ ممکن ہے کہ اس شفاق میں مٹی بھر دی جاوے اس کی نسبت درختار میں ہولاندہ لایتھیہ الابہ اور ظاہر ہے کہ آجکل رنگ بغیر ولایتی پڑیا کے متعسر ہیں غرض کہ ابتداء گوبری سے بدرجہا زائد ہے اور ضرورت اس سے کسی طرح کم نہیں تجس بھوسہ کی نسبت فقہائے تصریح کر دی ہے کہ جب سڑ کر کھل میں مل جاوے تو انقلاب حقیقت سمجھا جاوے گا اس سے بھی اس کی حالت کم نہیں ہے اس پر اگر نظر کی جاوے ممکن ہو۔ غرض کہ ہر صورت میں اس کی نسبت آسانی معلوم ہوتی ہو۔

**الجواب۔** انقلاب حقیقت تو اب تک میرے جی کو نہیں لگا البتہ ضرورت و عموم بلوک واقعی معلوم ہوتا ہے اور اثر بہ منہ سے نہ بننے کا محل گنجائش ہونا یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد صفحہ ۱۱ ج ۱)

**سوال (۹۶)** نیل میں اگر پلید جامہ کو غوطہ دیا جائے اس کے جوئے کپڑے کا حکم بعد پاک جامہ کو غوطہ دیا جاوے وہ پاک کس طرح ہو سکتا ہے

فقط تین بار دھونے سے یا زیادہ

**الجواب۔** اتنا دھوئے کہ پانی غیر رنگین نکلنے لگے۔ (تمہ خامسہ صفحہ ۲۴)

دودھ، گھی کے پاک کرنے کا طریقہ | **سوال (۹۷)** ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ دودھ یا



روغن اگر ناپاک ہو جاوے تو اُس میں تین حصے پانی ملا کر آگ پر پکانا شروع کرے جب سب پانی جل جائے صرف دودھ دروغن رہ جاوے تو پاک ہو گیا درست ہے اُس کو استعمال کرے :

**الجواب**۔ فی الدار المختار ویطہر لبن وعسل ودبس ودھن یغلی ثلاثاً فی رد المختار عن البدرو لوت نجس لعسل فتطہیرہ ان یصب فیہ ماء بقدرہ فیغلی حتی یعود الی مکانہ و الدھن یصب علیہ الماء فیغلی فیعلو الدھن للماء فیرفع بشئ ہکذا ثلاث مرات الا وھذا عند ابی یوسف خلافاً لھما وھو اوسع وعلیہ الفتوی ج ۱ ص ۳۵۔ روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ اس طریق سے پاک ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم :

۴ رجب الثانی ۱۳۲۵ھ ہجری (امداد صفحہ ۱۳ ج ۱)

سوال (۹۸) کپڑے نجس کی طہارت کے لئے فقہاء ایک شخص کا پاک کیا ہوا کپڑا | دوسرا شخص استعمال کر سکتا ہے | نے پھوڑنا اس قدر شرط لکھا ہے کہ طاقت اُس سے لائے کی نہ ہو حتیٰ کہ اس سے زائد طاقت والے کے لئے طاہر نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے لازم آتا ہے کہ ایک کے دھوئے ہوئے کپڑے سے دوسرا نماز نہ پڑھ سکے۔

**الجواب**۔ فی الدار المختار ویطہر محل غیر ہائے غیر مرئیۃ بغلبۃ ظن غاسل ہو مکلفاً والا فمستعمل طہارۃ محلہا الی قولہ طہر بالنسبۃ الیہ دون ذلک الغیر فی رد المختار لان کل احد مکلف بقدرتہ ووسعہ ولا یکلف ان یطلب من ہوا قوی لیعصر ثوبہ۔ مجموعہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر مستعمل کو غلبۃ ظن وال نجات کا ہو تو اُس کے حق میں بھی پاک ہو اور اگر نہ ہو مگر غاسل نے اپنی قوت پوری خرچ کی تھی تو غاسل میں پاک ہو مستعمل کے حق میں پاک نہیں ہو اور چونکہ یہ صورت قلیل ہی ہذا کوئی مشکل لازم نہیں آتی واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۶ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۱۲ ج ۱)

رد مختار کی پوری عبارت یہ ہو لان کل احد مکلف بقدرتہ ووسعہ ولا یکلف ان یطلب من ہوا قوی لیعصر ثوبہ۔ تفسیر الملیہ قال فی البحر بقیہ بر صفحہ ۶۲

کتے کے جھوٹے برتن | سوال (۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان متبرع  
کے پاک کرنے کا طریقہ | مہین کہ جھوٹا برتن کتے کا تین مرتبہ دھو ڈالنے سے پاک ہو جاتا  
ہے۔ بموجب کتب فقہ کے چنانچہ ایک سند اس کی یہ بھی ہے کہ ابن عدی نے کامل  
میں ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جس وقت کتا کسی کے برتن میں ٹھوڑا لے  
پس چاہیے کہ اُس کو خالی کرے اور تین بار دھو ڈالے پس مطلب سائل یہ ہے کہ ظروف  
دھات و مس و چاندی وغیرہ ظروف گلی و ظروف لکڑی و ظروف چینی یہ سب قسم کے  
برتن تین مرتبہ دھو ڈالنے میں داخل ہیں اور پاک ہو جاتے ہیں یا نہیں یا کچھ فسق و  
لفظ انہیں ہے۔ بینوا تو جبر واد

ابواب جس برتن میں نجاست جذب نہ ہو وہ تو صرف تین بار دھونے سے  
پاک ہو جاتا ہے اور جس میں جذب ہوتا ہو جیسا مٹی کا یا برتن اور مانند اس کے وہ  
بقول مفتی یہ تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور خشک  
کرنے سے مراد یہ ہے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جاوے۔ وقد ثبتت جفاف ای  
انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منحصراً مما یتشرب النجاسة والا  
بقلحھا درختار وان علمو شربہ کالحذف الحدید والجلد المدبوغ  
بدھن نجس والحنطة المنفخة بالنجس فعند محمد لا یطہر ابداً  
وعند ابی یوسف ینقطع فی الماء ثلاثاً ویجف کل مرة والاؤل  
اقیس والثانی اوسع الا وہ یفتی درس ۱۲ شاہی جلد اول ص ۲۲  
واللہ اعلم ۲۴ سوال مسئلہ ۱۱۱ (امداد الفتاویٰ صفحہ ۵۱ ج ۱)

روئی دار کپڑے کے پاک کرنے کا طریقہ | سوال (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ گڑے و  
اور چھوٹے بچوں کے پیشاب کا حکم | رضائی میں نجاست غلیظہ پڑ جاوے تو روئی نکال کر  
د بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) خصوصاً علی قول ابی حنیفہ ان قدرۃ الخیر غیر معتبرۃ  
وعلیہ الفتویٰ اھ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ قدرت غیر کا صلا  
اعتبار نہیں۔ نہ فاسل کے حق میں اور نہ متعل کے حق میں گمایدل علیہ قولہ خصوصاً اور  
بھی معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول امام ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی فاسل مکلف اپنی پوری قوت سے  
نچوڑ دیکر تودہ علی لا اطلاق پاک ہو جاوے گا۔ واللہ اعلم۔ (تصحیح الاغلاط صفحہ ۵)

پاک کرنا شرط ہے یا کیا اور صبیہ و صبیبہ کے پیشاب میں مابین مدت رضاعت طہارت مثل پیشاب بالغین کے کرنا چاہیئے یا کچھ فرق ہے؟

**الجواب** - روئی نکالنا شرط نہیں بلکہ مع روئی تین بار دھونا کافی ہے اور نچوڑنا کچھ ضرور نہیں اگر دشوار ہو بلکہ تین بار پانی بہا دینا اور ہر بار تقاطر موقوف ہو جانا کافی ہے اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا چاہیئے : وقد رُبغسل وعصر ثلاثاً فيما ينعصر ويتثلث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیر کرای غیر من عصر دم مختار قولہ ای غیر من عصر ای بان تعذر عصره كالخرف او لعصر كاللبساط افاده فی شرح الملیۃ رد المحتار۔ **جواب سوال ثانی** - صبیہ اور صبی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اگرچہ دودھ پیتا ہو۔ و بول غیر بول دیومن صغیر لم یطعم و درختار اور حادث نفع بول غلام کے محمول ہیں ترک تکلیف شدید پر نہ طہارت پر یا نجاست خفیفہ پر کما فی محلہ والتبرک علیہ (امداد ص ۱۶) غیر ماکول اللحم کے دودھ | **سوال (۱۰۱)** جانور غیر ماکول اللحم کا دودھ نجس یا نجاست غلیظہ کا حکم ہے؟

**الجواب** - بجز خنزیر کے اور سب جانوروں کا دودھ پاک ہے گو حلال نہ ہو پس حرام جانور کا دودھ پینا حلال نہ ہوگا۔ کذا فی الدر المختار قبیل فصل البیر۔ نقط

۵ ربيع الاول ۱۳۲۷ھ ہجری (تمتہ اولی صفحہ ۳)

از ترجیح الرابع حصہ چہارم صفحہ (۷۹)

(تمتہ اولی ص ۷۹) بجز خنزیر کے سب جانوروں کا دودھ پاک ہے الخ اگرچہ مسئلہ مختلف فیہ است مگر ترجیح صریح بقول ناپاک است۔ ولین الملیۃ و انفتحها عند ابی حنیفہ رحمہ و قالانجسہ و هو الاظهر الخ ۱۲ نفع المفتی از مواہب الرحمن جزئیات مذہب برنا پاک صریح اند۔ لبن الاتان نجس فی ظاہر الروایۃ ۱۲ نفع۔ بیض مالا یوکل لحمہ اذا انکسر علی ثوب انسان فقیل نجس اعتباراً للحکم مالا یوکل لبته ۱۲ نفع۔ ترجیح صاحب الدر المختار ماخوذ از تقدم ملتقی غیر صریح است و قول شامی و انه لا خلاف فی اللبن الخ غیر مسلم است۔ قال فی التقرید المختار حاشیۃ شامی قولہ و انه لا خلاف فی

اللبن الخ۔ نص علی الخلاف فی اللبن کالانفحة ۱۲ خصوصاً  
در پاک و ناپاک احتیاط در حکم ناپاک کی است :

از ترجیح خامس ضہا در تحقیق طہارت نجاست حیوانات غیر ماکول اللحم

سوال (۱۰۲) تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۳۱ پر یہ لکھا ہے۔ کہ بجز خنزیر کے اور سب  
جانوروں کا دودھ پاک ہے۔ اور اس مضمون کو درختار سے نقل فرمایا ہے۔ درختار کی  
عبارت میں اس مضمون کی تصریح نہیں ہے گو موہم اس معنی کو ضرور ہی لیکن مراقی الفلاح  
کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہے۔ چنانچہ  
ص ۱۸۱ مراقی مع خطادی پر ہر لتولد لعابہا من لحمہا و دھونجس کلذہا۔ اسلئے خدمت  
عالی میں گزارش ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہی یا نہیں۔

الجواب۔ صریح مقدم ہے ضمنی پر لہذا نجاست کو ترجیح ہوگی۔

۹ رجمادی الآخری ۱۳۲۳ ہجری

سوال (۱۰۳) کسی تیل میں ایک مزار حرام جانور  
سے تیل ناپاک ہوگا یا نہیں ؟ مثلاً چروا چھوندرا نیولا وغیرہ جلا کر خاک کر دیا گیا  
ہے تو اس تیل کی بیع و شراء خرید و فروخت کرنی اور اس کی مالش کر کے اس سے بغیر  
دھوئے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا ؟

الجواب۔ فی الدر المختار و منجیز بیع الدھن الملتنجس والا انتفاع  
بہ فی غیر الاکل بخلاف الودک فی رد المحتار قولہ فی غیر الاکل  
کالا مستصباح والد باغتہ وغیرہما ابن ملک ج ۴ ص ۱۸۶۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس تیل کی خرید و فروخت درست ہے اور بضرورت  
مالش بھی درست ہے مگر بغیر دھوئے نماز درست نہیں :

۲۴ رجب ۱۳۲۴ھ (تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۳۱)

(از ترجیح الرابع حصہ رابع صفحہ ۷۹)

تتمہ جلد ۳۔ عنوان مسئلہ مردار حرام جانور کے تیل میں جلانے سے تیل ناپاک  
نہیں ہوتا ۱۲

الصواب۔ ہوتا ہے چنانچہ در صلا مصرح است :

سوال (۱۰۴) ایک گرگٹ خون والا مع آنت وغیرہ کے تیل  
جلانے سے اُس تیل کا حکم کنجہ میں خوب جلا کر کوئلہ کر لیا جاوے تو وہ تیل پاک ہی نہیں  
الجواب - نہیں۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۶)

سوال (۱۰۵) جو جانور حلال ہو اُس کو مع آنت وغیرہ کے اگر ایسا  
ہوئے تیل کا حکم کرے تو تیل پاک رہے گا یا نہیں؟  
الجواب - نہیں۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۶)

سوال (۱۰۶) اکثر عورات کو رحم سے سفید رطوبت ہمیشہ جاری رہتی  
ہو کیا وہ پاک ہے یا ناپاک اور نماز بحالت اخراج جائز ہی یا نہ۔ بحالت اخراج وضو ساقط  
تو نہیں ہو جاتی۔

الجواب - یہاں تین موقع ہیں اور ہر جگہ کی رطوبت کا حکم جدا۔ ایک موقع فرج  
خارج کا ہے اُس کی رطوبت درحقیقت پسینہ ہے اور وہ ظاہر ہے اور ایک موقع فرج  
داخل کا باطن یعنی اُس سے آگے ہے یعنی رحم اُس کی رطوبت مذی یا مثل مذی ہو اور وہ  
نجس ہے اور ایک موقع خود فرج داخل اُس کی رطوبت میں تردد ہی کردہ پسینہ ہی یا مذی  
اس لئے اُس کی نجاست میں اختلاف ہو اور احتیاط اُس کے نجس کہنے میں ہو۔ وان  
كان الاقوی دلیلاً هو الطهارة لان هذا المحل ليس بعدن للنجاسة  
ولا الرطوبة هذا من الرحود انما هي ابخرة محتبسة صارت ماء بالاحتقار  
فهی كالعرق ومن ثمر البیض الوطی فی هذا المحل دالاً لیسیم لكونه  
موضع الاذی كحالة الحيض۔ پس رطوبت مذکورہ سوال قسم دوم ہے اُس لئے  
نجس ہو البتہ اگر محقق ہو جاوے کہ قسم اول ہے تو ظاہر ہے یا قسم سوم ہے تو احتیاطاً  
نجس ہو اور جو نجس ہو ناقض وضو ہو البتہ اگر ہر وقت جاری رہے اُس کا حکم معذور کا  
سا ہے۔ فی الدال المختار ای برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها  
اماعتداه فهي طاهرة كسائر رطوبات البدن جوہرہ فی المختار  
قوله برطوبة الفرج الخارج طاهرة اتفاقاً الا وفي منها جرح الامام  
النووی رطوبة الفرج ليس بنجاسة فی الاصحہ قال ابن حجر فی شرح  
دھی ماء ابيض متردد بين الابيض والعرق يخرج من باطن الفرج

الذی لا یجب غسلہ بخلاف ما یرجى مما یجب غسلہ فانہ طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعاً ککل خارج من الباطن کالماء الخارج فی الولد او قبیلہ۔ ۱۸۱ ج اص ۳۳۲ وما قالوا من طہارة رطوبة الولد الخارج من الرحم فالمراد ما علی بدنہ۔ وهو کالدّم الذی علی اللحم مع ان الدّم السائل نجس فکذلک رطوبة الرحم نجسة ورطوبة الولد طاهرة فانہم ہر:

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ رستمہ اولی ص ۳

سوال (۱۰۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ عورتوں کے رحم سے جو رطوبت رتی

ہے وہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدار المختار ای برطوبة الفرج فیکون مفرعاً علی قولہما بنجاستہا اما عندہ فی طہارة کسائر رطوبات البدن جوہر فی رد المحتار قولہ برطوبة الفرج ای الداخل بدلیل قولہ اولیٰ واما رطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً اھ و فی منہاج الامام النووی رطوبة الفرج لیست بنجسة فی الاصح قال ابن حجر فی شرحہ وہی ماء ابيض متردد بین المذی والعرق یرجى من بطن الفرج الذی لا یجب غسلہ بخلاف ما یرجى مما یجب غسلہ فانہ طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعاً ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبیلہ ۱۸۱ ج اص ۳۳۲ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہاں تین موقع ہیں:-

نمبر (۱) فرج خارج جس کا دھونا غسل میں فرض ہو اُس کی رطوبت پاک ہے  
نمبر (۲) فرج داخل جس کا دھونا غسل میں فرض نہیں اُس کی رطوبت میں

اختلاف ہوا اور احتیاط نجاست میں ہے:

نمبر (۳) نہ فرج داخل نہ فرج خارج بلکہ فرج داخل سے بھی متجاوز اُس کی رطوبت نجس ہے۔ ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ ہجری (تمتہ ثانیہ صفحہ ۹۴)

سوال (۱۰۸) بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے۔ یہ پاک

ہے یا ناپاک اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

**الجواب۔** فی الدال المختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهما فی ردالمحتار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة مانصه ولذا نقل فی التاثر خانیة ان رطوبة الولد عند الولادة طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البیضة فلا یتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن یكره التوضی به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج (ص ۳۶۱) :

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا ۱۶ شوال ۱۳۲۲ھ (تتمہ ابو ص ۵۵) (از ترجیح خامش در تحقیق وتفصیل رطوبت فرج)

امداد الفتاویٰ حقہ ۴ کے مسئلہ مرقومہ تاریخ ۱۶ شوال ۱۳۳۲ھ میں جو کہ رسالہ الامداد بابت محرم ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا ایک جواب طہارت رطوبت فرج کے متعلق لکھا گیا ہے اس پر ایک دوست صاحب علم کا خط ذیل آیا ایک دوسرا مسئلہ جس میں مجہود کی ظاہر مخالفت لازم آتی ہے اس پر غور کر کے اشاعت اصلاح ضروری ہو رہی ہے کہ اس پرچہ مذکورہ کے صفحہ (۲۴) میں جو سوال سفیدی خالج از فرج کا ہے اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو مرض سیلان الرحم میں خالج ہوتی ہے جیسا کہ مردوں کو مرض جریان میں ہوتا ہے جسے اصطلاح اطباء وفقہاء میں ودی کہتے ہیں یہ بالاتفاق نجس اور وضو شکن ہے اور در مختار کی جو عبارت آپ نے اس مسئلہ کے جواب میں نقل فرمائی ہے (ص ۳۵) پر اس میں رطوبت مراد ہے جو فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے جیسے کہ انسان کے لب پر اور اسی طرح سخلہ جلد ولد پر جو رطوبت موجود رہتی ہے وہ پاک ہے۔ فتغایداً۔

**جواب اس کا یہاں سے یہ لکھا گیا**

فی شرح الاسباب والعلامات بحث سیلان الرحم انه قد يعرض النساء ان یسبیل من ارحامهن دائماً رطوبات وربما عرض لهن سیلان المني كما يعرض للرجال وتلك الرطوبات اما یكون تولدها فی الرحم

نفسہ اذا ضعففت القوة الغاذية التي فيها واما فضول تصل اليها من جميع البدن على جهة الاستفراغ والتنقية وفيه ويستدل على المني بلونه في البياض وقوامه في يسير الغلظ وعدم العفونة الى قوله فلذلك يكون (اي المني السائل) خاليا من العفونة بخلاف الرطوباء الفضلية التي تصرفت فيها الحرارة الغربية الى قوله واما سيلان المني فقد ذكر اقسامه وفيه قبل ذلك في تعريف الودي وهو دطوبة لزجة تسيل في مجرى البول عند ارادته (اي البول) الى قوله وهي اذا كثرت غلظت وسالت بعد البول ايضا وفيه اما سيلان المني وخروجه من غير ارادة اي من غير مزاوله جماع فيكون اما لكثرة المني لقلة الجماع وكثرة تناول مولدات المني واما لحدّة المني وحرارته واما لاسترخاء او عية المني وبرد مزاجها وضعف قوتها الماسكة واما لتشبهه وتمدد يعرض لعصل او عية المني واما لضعف الكلية وذربان شحمها في شدة الشهوة او كثرة الجماع واما لفكر في الجماع او سماع من حديثه اهل ملخصا وفي رد المحتار على قول الدرا مختاران دطوبة الفرج ظاهرة عند اهل ما نصه اي الداخل اما الخارج فرطوبة ظاهرة باتفاق الى قوله فرطوبته كسرطوبة الفم والانف والعرق الخارج من البدن ص ۴۲ ج ۱ :

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :-

نم (۱) بر جود طوبت اکثر اوقات رحم سے سائل ہوتی ہی جس کو مہل سائل نے پوچھا ہے چنانچہ سوال میں اکثر کالفظ مصرح ہر وہ ودی نہیں ہی جیسا کہ ودی کی تعریف مذکور فی العبارة الطبیئۃ المذكورہ سے معلوم ہوئی ہے۔

نم (۲) بر وہ دطوبة منی بھی نہیں ہی کہ سیلان منی ایسے اسباب سے ہی جو گاہ گاہ عارض ہوتے ہیں چنانچہ اس کے اسباب مذکورہ فی العبارة الطبیئۃ المذكورہ سے معلوم ہوا و اس دطوبة مسئلہ کا سیلان اکثر ہوتا ہی۔



نہم (۳) پس جب نہ وہ ودی ہو نہ منی اور ہے رطوبت سائلہ پس یہ وہ ہے جس کو اس عبارت میں ذکر کیا گیا ہے قد يعرض للنساء ان يسيل من ارحامهن دائماً رطوبات اور دائم سے مراد وہی ہے جس کو اصل سائل نے بعنوان اکثر تعبیر کیا ہے چنانچہ ظاہر ہی اور یہ رطوبت وہ بھی نہیں جس کو سائل ثانی نے انسان کے لب سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ تو بالاتفاق ظاہر ہے چنانچہ عبارة فقہیہ مذکورہ میں مصرح ہے تو اس کو محل اختلاف کیسے کہہ سکتے ہیں پس یہ نہ جب ودی ہے جیسا سائل متاخر کو شبہ ہوا اور نہ منی ہے اور مذی کا نہ ہونا ظاہر ہے تو اس کے نجس ہونے کے لئے ودی و منی کا نجس ہونا تو کافی ہے نہیں کوئی دوسری دلیل مستقل چاہیے اور نہ وہ رطوبت ہے جو رطوبت فم کے حکم میں ہے جو کہ بالاتفاق ظاہر ہے پس اسی رطوبت مغائرہ للودی والمنی والمذی والتبہیہ باللعب میں امام صاحب وصاحبین مختلف ہیں اور بوجہ ابتلاء کے اصل جواب میں قول بالطہارة پر فتویٰ دیا گیا جس پر سائل ثانی نے اس کے ودی ہونے کی بناء پر شبہ کیا پس جب تقریر بالا میں اس بنا کا منہدم ہونا ثابت ہو گیا تو شبہ کا منعدم ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔

(تنبیہ) اصل جواب کے وقت بوجہ طب نہ جاننے کے احقر کا ذہن اس تفصیل سے خالی تھا بعد ورود سوال ثانی کے تردد ہوا تو ایک ہمان دوست کے پتہ دینے پر شرح اسباب کی طرف رجوع کیا تو یہ تحقیق بالا ذہن میں آئی چونکہ عدم ہمارت طب کا نقص اب بھی مجھ میں باقی ہے۔ دوسرے علمائے جواب پر نظر کرالی جاوے جو صحیح جواب معلوم ہو اس پر عمل کیا جاوے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۷ ہجری ۴

از ترجیح خامس ص ۸۷ در تحقیق انتقاض وضو

برطوبة فرج برتعدیر طہارت او

ایک لفاظ آیا جس میں میرے ایک جواب کی نقل اور دوسرا جواب اس کے خلاف مرقوم تھا وہ ذیل میں ہے۔

سوال۔ بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے یہ پاک ہی یا ناپاک ہے اور اس سے وضو ٹوٹتا ہی یا نہیں۔

(الجواب۔ فی الدار المختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهذا)

فی رد المحتار تحت قوله، رطوبة الفرج طاهرة مانصبه ولذا نقل فی التاترخانیة ان رطوبة الولد عند الولاد طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا ينجس لها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضی به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج ۱ ص ۳۶۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہو کہ وہ پاک ہو اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

سوال۔ ما تو ککو دام فضلكو فی رطوبة الفرج الداخل هل هي طاهرة ام لا وعلى الاول فلو خرجت من الداخل هل ينتقض بها الوضوء ام لا۔

الجواب۔ رطوبة الفرج الداخل طاهرة عند الامام رح لكن ينتقض بها الوضوء لو خرجت منه في الوقاية وناقضه ای الوضوء ما خرج من السبيلين او من غيره ان كان نجسا في شرج الوقاية قوله ان كان نجسا متعلق بقوله او من غيره في عمدة الرعاية لا بقوله ما خرج من السبيلين فان الخارج من السبيلين ناقض من غير تقييد وفي البحر الرائق شرح كنز الدقائق تحت قوله لا يخرج دودة من جرح بعد كلام ان الدودة حيوان وهو طاهر في الاصل والشئ الطاهر اذا خرج من السبيلين نقض الوضوء كالشرح بخلاف غير السبيلين كالدم والعرق وفي منية المصلي وشرح الكبير ان كانت ای المرأة احتشت ای الكرسف في الفرج الخارج فابتل داخل الحشوا انتقض وضوءها سواء نفذ البلل الى خارج الحشوا ولم ينفذ لليقن بالخروج من الفرج الداخل وهو المعتبر في الانتقاض لان الفرج الخارج بمنزلة القلفة فكما ينتقض بما يخرج من قصبه الذكرا الى القلفة كذلك بما يخرج من الفرج الداخل الى الفرج الخارج وان لم يخرج من الخارج واما اذا احتشت في الفرج الداخل في ان نفذ البلل الى

خارجہ ای الحشوا انتقض الوضوء والا ای وان لم ینفذ الی خارج فلا  
 ینتقض کما فی حشوا لا حلیل الخ ومن لھذا وضو الجواب واللہ تعالیٰ  
 اعلم بالصواب۔

یہاں مولوی حبیب الرحمن صاحب نے میرے استفسار پر اس کا یہ جواب لکھا  
 جناب والا کا فتویٰ عدم انتقاض رطوبة الفرج برتقیر طہارت رطوبة مذکورہ بالکل صحیح  
 ہے اور مولوی محمد امین صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح خروج من غیر السبیلین کی صورت میں انتقاض طہارت  
 کے لئے نجاست خارج ضروری ہی یوں ہی خروج من السبیلین کی صورت میں بھی ضروری  
 ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریح قبل غیر مفضاة کے غیر ناقض ہونیکے متعلق شرح میں لکھا ہے۔  
 الذی عول علیہ قاضی خان وغیرہ ان الخلاف انما ہونی الخارجة  
 من قبل المفضاة ولا خلاف فی عدم النقض فی غیرھا لانھا غیر منبغثة  
 عن محل النجاسة کذا فی الہدایة وهو یشیر الی ان الریح نفسھا  
 لیست بنجسة وانما ینجس لمرو سھا علی محل النجاسة۔ اس سے معلوم  
 ہوا کہ خارج من السبیلین کے لئے بھی نجس ہونا ضروری ہے خواہ بنفسہ ہو کالبول  
 والغائط یا لغيرہ ہو کالریح المستتبعة للنجاسة وعلل صاحب  
 مراقی الفلاح عدم الانتقاض بدیح القبل بقولہ لانه اختلاف  
 لا ریح وان کان ریحاً فلا نجاسة فیہ وریح الدبر ناقضة لمروھا  
 بالنجاسة کذا فی السعایة اور سعایہ میں ہو علل فی البدائع کون  
 الدودة ناقضہ بالنجاسة لتولدھا من النجاسة و ذکر الاسبیغ فی  
 ان فیہ طریقین احدا انھا ما ذکرنا وثانیہما ان الناقض ما  
 علیہا واختارہ الزیلعی کذا فی السعایة۔ یہ روایات نص ہیں اشتراط نجاست  
 پر نیز سعایہ میں جو ان کا نہ خارجہ (ای الدودة) من قبل المرأة فغیرہ  
 اختلاف المشافیخ فالذین فانوا بنقض الریح الخارجة من القبل  
 قالوا بنقضھا ومن لم یقل بہ لم یقل بہ والخارجة من الذکر  
 ناقضہ کذا فی الذخیرة والخلاصة وفی التارخانیة الدودة

اذا خرجت من قبل المرأة فعلى الاقارب ان يذكروا اهل سعيه - اس سے بھی ضرورت  
 اشتراط ثابت ہے اور شرح غنیہ میں ہے وکذا الدودة والحصاة اذا خرج من احد  
 هذين الموضعين الى الدبر والقبل فعليه الوضوء لاستتباع الرطوبة وهي  
 حدث في السبيلين وان قلت بخلاف السريح - اس سے بھی اشتراط ثابت ہے۔  
 لانہ قال لا استتباع الرطوبة اذ لو كان الخروج مطلقاً ناقضاً لم يجز الى  
 التحليل المذکور - غنیہ میں ہے۔ ان قلت الكلية دای ما خرج من السبيلين  
 ناقض (منقطع) بالسريح الخارجة من الذكر والقبل فان الوضوء لا ينقض  
 به في اصم الرايتين اجيب بانہ مخصوص من العموم لان السريح لا تنبعث  
 من الذکرو انما هو اختلاج والقبل محل الوطی وليس فيه نجاسة یتنجس السريح  
 بالمرور علیہا وهو فی نفسه طاهر عند المصنعت انتهى ان تمام تنصیصات  
 سے ثابت ہے کہ سبیلین میں بھی غیر سبیلین کی طرح خروج نجس شرط ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو  
 بر تقدیر رطوبت فرج کے طاہر ہونے کے انتفاض وضو کوئی معنی نہیں کھتا رہی وہ  
 روایت جو مولوی صاحب نے غنیہ سے پیش کی ہے سو اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مبنی  
 ہے قول نجاست رطوبت پر کما یدل علیہ دلیلہ المذکور بقولہ لا استتباع  
 رطوبة۔ پس اس سے استدلال نہیں ہو سکتا اور البحر الرائق کی جو عبارت ہے والشیء  
 الطاهر اذا خرج من السبيلين نقض الوضوء كالسريح - اس عبارت میں  
 طاہر سے مراد طاہر لذاتہ نجس بغیرہ ہے نہ کہ طاہر مطلقاً۔ چنانچہ عبارات مذکورہ سے  
 ظاہر ہے نیز در مختار میں ہے وخروج غیر نجس مثل ریح اور شامی نے اس کے تحت  
 میں لکھا ہے فانها تنقض لانها منبعثة عن محل النجاسة لان عينها نجسة  
 لان الصحيح ان عينها طاهرة یہ عبارات ہمارے بیان پر دلالت واضح رکھتی ہیں  
 یہی شرح وقایہ کی عبارت سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں نجس سے نجس لذاتہ کا بول  
 والغالط مراد ہے اور چونکہ اس صورت میں ریح خارج ہوتی تھی اس واسطے شارح نے کہا  
 کہ ان کا نجس او من غیر لا یتعلق ہے تاکہ اس میں ریح داخل ہو جاوے جو کہ طاہر  
 لذاتہ اور نجس بغیرہ ہوتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ شارح نے کہا ہے والرواية النجس  
 بفتح الجیم وهو عين النجاسة - نیز شارح نے لادودة خرجت من جرح

کی شرح میں لکھا ہے لانیہا طہرۃ وما علیہا من النجاسة قليلة واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القليل منه ناقض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج طہر من السبیلین ناقض نہیں ہے ورنہ ان کو چاہیے تھا کہ وہ لان خروج القلیل منہ ناقض کے بجائے لان خروجہا ناقض مطلقاً کہتے کما لا یخفی علی من له ذوق سلیم ومعرفة باسالیب الکلام پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خروج طہر بھی ناقض ہی بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے وفي عمدة الرعاية صحیح صاحب السہدایة والمذیة والمحیط وغیرہم عدم نقضہا رای الریح الخارجة من القبل قائلین انہا اختلاف لا ریح وان كانت ریحاً فلا نجاسة اس عبارت سے بھی اشتراط نجاست ظاہر ہے اور مولوی عبدالحی صاحب نے جو عمدة الرعاية میں فرمایا ہے قوله ان کان ای الخارجة من غیر السبیلین ناقض من غیر تقیید اس کا مطلب یہ ہے کہ من غیر تقیید بہذا القید ای کون عین النجاسة اور مطلق تقیید کی نفی مقصود نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے شارح کے قول متعلق بقوله او من غیرہ کے تحت میں لکھا ہے لا بقوله ما خرج من السبیلین والا یلزم ان لا یكون ریح الدبر ناقض لانہا لیست بنجاسة بنفسہا اور وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک مصنف کا قول ان کان نجساً نجس لعینہ ولغیر دونوں کو شامل ہوتا باوجودیکہ تصریح شارح کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اس کو بفتح جیم ضبط کیا ہے اور اس کے معنی عین نجاست بتلائے ہیں تو اس سے بر تقدیر اس کے ماخرج من السبیلین کے متعلق ہونے کے ریح دبر کا غیر ناقض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ گو وہ بنفسہ نجس نہیں ہے مگر لغیرہ نجس ہے۔ وحیثئذ بطل قوله الا یلزم ان لا یكون ریح الدبر ناقضه وايضا لم یبطل تعليله بقوله لانہا لیست بنجاسة بنفسہا لان عدم کونہ نجسة بنفسہا لا یستلزم

۱۵ فلا تنقض بنفسہا ۱۲ منہ

۱۶ فلا تنقض یغیرھا فثبت عدم النقض مطلقاً ۱۲ منہ

عدم نقضہ لجاز نقضہ بالنجاسة المکسبة العرضية اور اگر بالفرض شارح وقایہ یا صاحب البحر الرائق کا یہی مسلک ہو کہ خروج من السیلین مطلقاً ناقض ہے تو یہ دیگر فقہاء پر حجت نہیں ہے جو کہ نجاست کی شرط لگاتے ہیں۔ فلا اعتراض بقولہما فثبت المدعی باحسن وجه، واللہ الحمد تعرا الجواب الثالث۔ اب ناظرین علمائے اس کی تنقید کر لیں :

## از ترجیح خامس ۱۳۶ در تفصیل اجمال موہم متعلق رطوبت فرج

سوال۔ بسلسلہ تتمہ رابعہ امداد الفتاویٰ پرچہ الامداد ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں شروع صفحہ ۳۵ پر جو جواب ۱۶ اشوال ۱۳۳۲ھ کا لکھا ہوا درج ہوا وہ مطابق سوال نہیں ہے کیونکہ سوال کیا گیا ہے سفیدی خارج من الفرج سے اور جواب میں جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ ہیں رطوبت فرج کے۔ سفیدی تو بسبب سیلان رحم کے فرج سے آتی ہے جیسا کہ مردوں کے جریان منی کی وجہ سے سفیدی آتی ہے اور رطوبت مذکورہ فی الجواب وہ رطوبت ہے جو مثل رطوبت شفتین کے جلد فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے یہ معنی رطوبت کے ہیں نے مولانا محمود حسن صاحب مرحوم سے سنا ہے۔ اُمید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح شائع فرمادیں۔ آئندہ جو رائے عالی ہو۔

الجواب۔ واقعی میں طب نہ جاننے کے سبب اس رطوبت کو سائل من الرحم نہیں سمجھا جو کہ نجس بھی ہے اور ناقض وضو بھی میں مطلق سمجھ گیا پھر اُس مطلق میں غیر سائل من الرحم سمجھ گیا جو کہ امام صاحب کے نزدیک طاہر ہے اور غیر ناقض وضو اور یہ بھی غلطی ہے مطلق سمجھنے کی صورت میں اُس تفصیل کی ضرورت تھی جو کہ تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ کے صفحہ پر ایک ایسے ہی سوال کے جواب مرقوم ۱۲ رمضان ۱۳۲۶ھ میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تین موقع ہیں اور ہر موقع کی رطوبت کا جدا حکم ہے فرج خارج کی رطوبت طاہر ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم کی رطوبت نجس ہے اور خود فرج داخل کی رطوبت مختلف فیہ ہے امام صاحب کے نزدیک طاہر صاحبین کے نزدیک نجس اور اُس مقام پر دایات بھی مذکور ہیں۔ پس ناظرین کو چاہیے کہ اُس محل کو اس تفصیل پر محمول کر لیں گو وہ مفصل تاریخ میں مقدم ہے مگر اس مؤخر کو ناخ نہ سمجھیں۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ :

مینڈک کا پیشاب | سوال (۱۰۹) بول غوک پاک است یا نہ اگر ناپاک کدام ناپاک۔  
الجواب۔ فی الدر المختار فی النجاسة الغلیظة و بول غیر ما گول  
پس بنا بریں قاعدہ بول غوک نجس غلیظ است البتہ در غوکے کہ در آب می ماند حکم نجاست  
نکودہ شود للضرورة کما فی الدر المختار مسائل البیرو لا نزح فی بول فارقة علی الاصح  
فی رد المحتار و لعلہ صرحوا بالقول بالعفو للضرورة۔ ۹ جمادی الاولیٰ  
۱۳۳۸ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ)

مینڈک کی پاکی پر شبہ | سوال (۱۱۰) آپ نے بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ دریائی جانور  
اور اُس کا جواب | سوئے مچھلی کے سب حرام ہیں۔ بہشتی گوہر میں لکھا ہے۔  
”دریائی مینڈک کی چربی پاک ہی“ اگر پاک ہی تو کھانا چاہیے یا استعمال میں اور  
کھانے میں کچھ فرق ہی اس سے مطلع فرمائیے گا؟  
الجواب۔ پاک ہونے کے لئے حلال ہونا لازم نہیں، اس لئے کھانا درست  
نہیں۔ (تمتہ خامسہ صفحہ ۳۲)

جوتا رگڑنے سے | سوال (۱۱۱) ایک شخص بوٹ جوتہ استعمالی ٹخنوں سے اوپر تک  
پاک ہو جاتا ہے | کا با وضو پہن کر شکار میں گیا راستہ میں اُس کی تلی پر نجاست گارہ  
گوبر وغیرہ لگ گئی جب وقت نماز کا ہوا جوتے کے اتارنے میں دقت معلوم ہوئی کہ  
پٹیاں کھولے اور موزہ اتار کر جوتہ اتارے اس وجہ سے اُس نے جوتے کی تلی کو گھاس  
پر رگڑ کر خوب صاف کر لیا اور جوتہ پہنے ہوئے نماز ادا کی تو اُس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟  
الجواب۔ فی الدر المختار و یطہرہ خف و نحوہ کنعل تنجس  
بذی جرم ہو کل ما یدری بعد الجفاف ولو من غیرہا کخمر و  
بول اصا بہ تداب بہ یفتی بذلک یزول بہ اثرہا۔ اس روایت  
سے معلوم ہوا کہ صورتہ مسئلہ میں جوتہ پاک ہو جاوے گا۔

۱۳ صفر ۱۳۳۸ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۸)  
چوہے کی مینگنی گئی ہیں | سوال (۱۱۲) پانچ سیر گئی ہیں ایک مینگنی چوہے کی  
یک جلے تو اس کا حکم | جوش ہو گئی جس وقت چھانا تو وہ معلوم ہوئی۔ وہ گئی پاک  
رہا یا نہیں؟

**الجواب** - فی رد المحتار وان خدأها (ای القارعة) لا یفسد ما لم یظهر اثره ج ۱ ص ۲۲۷ - اس سے معلوم ہوا کہ وہ گھی پاک ہے۔ ۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۷۶) اعضائے انسانی اشیاء غیر سوال (۱۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قاعدہ منعصرہ میں داخل نہیں شرعی یہ ہے کہ جو چیز ناپاک پھر نہیں سکتی ہے تو وہ جب پاک ہوتی ہے کہ جب اس کا قطرہ قطرہ ٹپک جا دے تو اب سوال یہ ہے کہ آیا ہاتھ پیر انسان کے اسی قاعدہ ماسبق میں داخل ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو کوئی شخص بھی ایسا نہیں کرتا ہے یعنی قطرہ قطرہ نہیں ٹپکنے دیتا ہے اور ویسے ہی پے درپے تین دفعہ دھو کر لوٹے وغیرہ کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو آیا لوٹے وغیرہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور اگر داخل نہیں تو کیا قاعدہ ہے۔ اگر پھوٹنے کا قاعدہ ہے تو کوئی شخص بھی نہیں پھوٹتا تو کسی کی بھی نماز وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ جناب تحریر فرمادیں کہ اعضاء انسان میں پاک کرنے کا کیا قاعدہ ہے۔ بدینوا توجروا :

**الجواب** - فی الدد المختار وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر ما یتشرب الذجاسة والا فبقلمحها فی رد المختار قوله والا فبقلمحها الی قوله ومثله ما یتشرب فیہ شئی قلیل کالمیدن والنعل ج ۱ ص ۳۴۳ - اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں قاعدہ یہ نہیں۔ ۲۴ رمضان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۷۷)

حرام جانوروں کا چمڑا ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے : ۲۳ پرپورا لکھا جا چکا ہے : یہ مسئلہ فصل فی الفضل میں فتاویٰ ہذا کے صفحہ ۱۱۴) ادنٹ کے مردار اور کچے چمڑے کے دھوپ میں سوکھا ہوا چمڑا تر ہو جانے سے ناپاک نہیں ہوتا گھی رکھنے کے لئے برتن (کوڑیاں) بنائی جاتی ہیں ایسے برتن میں رکھا ہوا گھی کھانا جائز ہے یا نہیں :

**الجواب** - دباغت سے وہ پاک ہو جاتا ہے اور دباغت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل خشک ہو جا دے اور اس میں ذرا رطوبت باقی نہ رہے پھر وہ تر ہونے سے بھی ناپاک نہیں ہوتا کذا فی رد المختار فقط

۲۶ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۲۰۳)



سوال (۱۱۵) خشک چونک گئی یا تیل میں ملا کر اگر کسی عضو پر لگائے تو بغیر دھوئے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب** - جائز ہے کیونکہ وہ حرام ہی نجس نہیں بوجہ دھوی نہ ہونے کے۔

۱۲ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (حوادث الفتاویٰ صفحہ ۱۲۵ جلد اول)

سوال (۱۱۶) پانی کے گھڑے دیہات میں ہندو کھار گھڑیا کا پاک کرنا ؟

چھاپ کر بناتے ہیں اور خنزیر کے بالوں کی کوچی سے چھپائی ہوتی ہے آگ میں دینے سے پہلے چھپائی ہوتی ہے اس میں پانی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟

**الجواب** - وہ رنگ ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے جب تک وہ رنگ باقی رہے وہ سطح برتن کا ناپاک ہے البتہ اگر اس کو خوب مل ملکر دھو دیں تو پاک ہو جاوے گا مگر اتنا دھو دیں کہ پانی صاف نکلنے لگے۔ ۲۷ رجب ۱۳۳۲ھ (حوادث صفحہ ۱۲۵ ج اول)

سوال (۱۱۷) منی اور منی جو رقیق ہو اس کا رگڑ دینا طہارت کیلئے کافی نہیں سبب رقیق ہوتی ہے اگر کپڑے پر لگ کر سوکھ جائے تو فرک سے پاک ہو جائے گی یا غسل کی ضرورت ہی اور منی اگر کپڑے کو لگ جائے تو فرک کافی ہے یا غسل لازم ہے ؟

**الجواب** - فی نہ الحتار والنص ورد فی منی الرجل ومنی المرأة لیس مثلہ لمرقته وغلط منی الرجل والفرک انما یؤثر فی نوال المفروق او تقلیلہ وذلك فیما لہ جرم والرقیق المائع لا یحصل من فرک ہذا العرض فیدخل منی المرأة اذا کان غلیظا ینخرج منی الرجل اذا کان رقیقا لعارض ج ۳۲ وفیہ قال شمس الائمة الحلوانی مسئلۃ المنی مشکلة لان کل فحل میذی شرمینی الا ان یقال ان مغلوب بالمنی مستہلک فیہ فیجعل تبعا ھ ج ۳۲

روایت اولی سے معلوم ہوا کہ منی رقیق فرک سے پاک نہ ہوگی اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ منی کا مطلقاً دھونا واجب ہو۔ والا لہر لیکن لہذا الایراد و الجواب معنی۔ ۸ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۱۶)

سوال (۱۱۸) ایک اور بات قابل دریافت ہے وہ یہ  
 میں جلنے کے بعد پاک ہے | ہے کہ اگر کسی ٹٹکے کی تلی کو بوجہ داریں ہو جانے کے مٹی  
 اور گوبر سے لپ کر جس سے وہ دراریں بند ہو جاویں پانی گرم کیا جاوے تو اُس پانی  
 سے وضو و غسل جائز ہے یا نہیں۔

الجواب - چونکہ کچھ پانی اُس نجاست تک پہنچے گا اور باقی پانی اُس سے متصل  
 ہوگا۔ سب ناپاک ہو جاوے گا لیکن جب وہ گوبر دو چار بار آگ جلانے سے جل جاوے  
 تو انقلاب ماہیت سے وہ پاک ہو گیا پھر پانی بھی پاک رہی گا پس جلنے کے قبل اُس میں پانی  
 گرم کر کے گراتے جاویں اور جلنے کے بعد اُس ٹٹکے کو پاک کر کے پھر استعمال میں لاویں۔  
 ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۲۹)

سوال (۱۱۹) ایک مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بندہ کے یہاں ایک  
 اُس کے پاک کرنا طریقہ | شہد کے پیہ میں جس میں بامیں سیر شہد تھا جو ہاگر کر مر گیا پھولا پھٹا  
 نہیں شہد میں بدبو تک بھی نہیں آئی اُس کے پاک ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔  
 ایک صاحب کی تجویز ہے کہ پانی سمون ملا کر تین دفعہ پکا کر پانی جلاویں تو پاک ہو سکتا ہے  
 جیسے گھی کو لکھا ہو اگر پاک ہو سکے تو چاروں بھنگیوں کے ہاتھ اُس کو بیچ دینا درست ہے یا  
 نہیں جبکہ وہ مردار کھانے کے عادی ہیں۔ یا آبکاری دلوں کے ہاتھ بیچ لینا درست ہے یا نہیں۔  
 الجواب - اگر شہد تیاں ہے تو سب ناپاک ہو گیا پانی ڈال کر جوش دینا اور اس کا جلا دینا  
 بعض کے نزدیک مظہر ہے اس طرح ظاہر کر کے کفار کے ہاتھ فروخت کر دیا جاوے اور جس  
 کا فروخت کرنا بھی درست نہیں۔ ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۵۹)

سوال (۱۲۰) زید کے گھر میں کتے ہیں حفاظت کے  
 تودہ پاک ہے یا ناپاک ؟ | لئے جو کپڑا چار پائی کے نیچے لٹکتا ہے کتے اُس کو نوچ  
 ڈالتے ہیں۔ ایک روز صبح زید نے مسجد میں جماعت کی نماز پڑھائی۔ چادر اوڑھ کر بعد  
 نماز معلوم ہوا کہ چادر نوچ ہوئی ہے جس سے قیاس کیا کہ کتوں نے رات میں نوچ ہے چادر میں  
 کتوں کا لعاب ضرور لگا ہوگا کتوں کو نوچتے ہوئے دیکھا نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ  
 نماز زید کی اور مقتدیوں کی ہوگئی یا لوٹائی جائے ؟

الجواب - یہ تو ذرا بعید ہے کہ کپڑا کسی اور سبب سے پھٹ گیا ہو اور یہ بھی بعید ہے

کہ لعاب نہ لگا ہو مگر یہ بعید نہیں کہ لعاب قدر درہم سے کم لگا ہو خصوص جب کپڑا تھوڑی دور میں سے بچا ہوا ہو اور قدر قلیل مانع صلوٰۃ نہیں اور جب تک کثیر کی کوئی دلیل نہ ہو قلیل ہی پر محمول کیا جاوے گا اس لئے نماز درست ہو جاوے گی :

۱۶ ر ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۱۰۰)

سوال (۱۲۱) میرے پیر میں چہ کی چربی ملنے کو لوگ بتاتے ہیں تو کیا یہ نجس ہے نماز ایسی حالت میں درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی اصلاح الطب عن العالمگیریۃ۔ الجلد الاول فصل ما یجوز بہ التوضی ما طهر جلد بالبدن باغ طهر جلد بالزکوة وكذلك جميع اجزائہ۔ یطهر بالزکوة سوی الدم اھ۔ اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اگر چہ بلا ذبح اور کسی طریقہ سے مر جاوے تو اس کی چربی نجس رہیگی اور اس سے نماز درست نہ ہوگی البتہ اگر ضرورت شدید ہو ایسے وقت استعمال کر لے کہ نماز کے وقت دھو سکے۔

۳۱ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ صفحہ ۱۰)

سوال (۱۲۲) یہاں سرکاری کی طرف دھویوں میں توسعہ گنجائش کے احکام۔ کو کپڑے دھونے کے واسطے سرکاری حوض

چھوٹے چھوٹے بنوادئیے گئے ہیں ان میں وہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں پانی ان حوضوں میں کنویں سے بھرا جاتا ہے بہت سے کپڑے بیکارگی ان حوضوں میں دھونے کو ڈالے جاتے ہیں اس میں پاک اور ناپاک سب ہوتے ہیں ایسے حوض کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک اور ان پر نماز ہو جاوے گی یا نہیں۔ دھوئی کا بیان ہی کہ وہ تین مرتبہ پانی بدل کر دھوتا ہی مگر اس سے اطمینان نہیں ہوتا اس کے علاوہ ہنڈ دھوئی بھی دھوتے ہیں جنکو پاک کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں۔ ندی یہاں سے تین کوس پر ہی سوا اس وجہ سے بہت کم دھوئی وہاں کپڑے دھونے جاتے ہیں۔ حوض کی پیمائش اتنی ہوتی ہو کہ ان کا شمار قلتین میں ہو سکتا ہی جو کہ شاید امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں ہے :

الجواب۔ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہی سخت ضرورت میں جیسا کہ صورت مسئلہ میں ہی دوسرے امام کے قول کو لے لینا جائز ہو اس لئے جو شخص دوسرے

طریقہ سے نہ دھوا سکے اُس کے لئے پاکی کا حکم کیا جاوے گا۔

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ ہجری (تمتہ رابعہ صفحہ ۴۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم | سوال (۱۲۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگِ احد کے فضلات پاک تھے یا نہیں | میں بعض صحابہ کا خون زخم کا چوسنا اور اُس کا ذائقہ حاصل کرنا اور حضور کا بول لیجانا روایت معتبرہ سے ثابت ہے در حالیکہ یہ دونوں چیزیں نجسِ لعین ہیں پس اس واقعہ کی تاویل کیا ہے ارشاد فرمایا جاوے :

الجواب - روایت کی تو میں نے تنقید نہیں کی لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو علماء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان رطوبات کو طہر کہا ہے علامہ شامی نے اسکی تحقیق کی ہے پس کچھ بھی اشکال نہیں اور اس کی کوئی دلیل میں نے کسی کے کلام میں منقول نہیں دیکھی لیکن اسی وقت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاربین پر نکیر نہیں فرمایا اور آپ کا نکیر نہ فرمانا حجت شرعیہ بالاجماع ہے :

ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ ہجری (تمتہ خامسہ صفحہ ۲۳۸)

سوال (۱۲۴) ایک داعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے انہوں نے حسب ذیل روایات بیان کیں جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب اختلاف کرتے ہیں حضور براہ کرم برائے اطمینان اہل اسلام ان روایات کے متعلق تحریر فرمادیں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط اور اگر تکلیف نہ ہو تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرمادیں :

### روایات

نمبر (۱) سر انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول کریم کے فضلات بالکل پاک تھے کیونکہ آپ سر اپا نور تھے -

نمبر (۲) سر انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔  
الجواب - خواہ مخواہ انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے۔ بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں جن کی نہ تصدیق واجب ہے۔ کیونکہ سند صحیح نہیں اور نہ تکذیب واجب ہے اس لئے کہ فی نفسہ ممکن ہیں اس لئے ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہیے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً اور

ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا جو ذیل میں منقول ہے

السؤال - جناب ماسٹر محمد شریف خاں صاحب نے حال میں ایک استفتاء خدمت عالی میں پیش کیا تھا جو ہر شتہ عریضہ ہذا ہے جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایات مذکورہ ضعیف ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں حسب اتفاق ایک صاحب کو نشر الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آگیا انہوں نے نشر الطیب کے صفحات ۱۳۵ و ۱۳۶ مجھ کو دکھلائے اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں نشر الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کی گئی ہے جواب جلد عطا فرمائیے تاکہ تسکین ہو۔

۲۲ اگست ۱۹۳۱ء عیسوی

الجواب - ضعیف بلا سند نہیں ہوتی بلکہ بسند ضعیف ہوتی ہے جو عقائد میں محبت نہیں فضائل میں کھپ جاتی ہے میں نے تحریر سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی اور اس ضعف سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا کیونکہ معتبر صحیح کو کہتے ہیں ضعیف کو نہیں کہتے باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا سو کتاب تو فضائل میں ہے عقائد و احکام میں نہیں اگر شاذ و نادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے کہ پست ہو جاتی ہے بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے اس میں ایسے مضامین نہیں کہتے دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ - بعد تحریر جواب ہذا شرح الشفا للامام علی القاری میں یہ بحث نظر سے گزری۔ انہوں نے فصل نظافۃ جسم نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شاربین کا یہ قول مذکور ہے شر بتہ وانا لا اعلمہ یا لا! شعر اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق یہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے :- روی ابن عبد البر ان سالہ بن ابی الجراح حجۃ صلی اللہ علیہ وسلم

شعرا زردی ابتلع فقال اما علمت ان الدم كله حرام وفي رواية لا تعد فان الدم كله حرام۔ پس مسئلہ بالکل منع ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ (النور سوال نمبر ۵۷ صفحہ ۷)

تفصیل و حکم | سوال (۱۲۵) انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً اسپرٹ ہے | اسپرٹ ملائی جاتی ہے یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کے شراب کی یعنی شراب کا ست ہے تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز ہے

الجواب۔ اسپرٹ اگر عنب زبیب رطب تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اُس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔ ۲۱/ محرم ۱۳۳۴ھ

(حوادث راجع صفحہ ۶۲)

خفاش کا بول اور | سوال (۱۲۶) چمگا در کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے یا نہیں۔ | الجواب۔ خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے۔ فی الدار المختارہ ر بول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعموا الا بول الخفاش و خراة فظاہر و فی رد المحتار عن البدائع و غیرہ لیس بنجس لتعد مصیانة الثوب والا وانی عنہا ثم بعد اسطرکان الاولی ان یقول فمعفو عنه اھ باب الا نجاس۔

۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۹ ہجری (النور صفحہ ۱۸۔ رمضان ۱۳۴۹ھ)

کورے کپڑے کی نجاست | سوال (۱۲۷) کورا کپڑا بزاز کے یہاں بغیر دھلائے طہارت کی تحقیق ہے | جائز ہے یا نہیں ہے

الجواب۔ فی الدر المختار ثیاب الفسقة و اهل الذمۃ طاهر جلد ۱ صفحہ ۳۶۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ کورا کپڑا بدرجہ اولیٰ پاک ہے۔

۱۳۲۵ ہجری (امداد صفحہ ۱۷۹۔ جلد ۲)

سوال (۱۲۸) آئے دن یہاں اخباروں میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کو مسئلہ شرعی سے تعلق ہے جب سے میں نے اس مضمون کو پڑھا ہے دل میں خلش ہو گئی ہے اس لئے اپنے اطمینان کے لئے گوش گزار کرتا ہوں

وہ یہ کہ حکومت بمبئی کی جانب سے تردید کی گئی ہے کہ ہندوستان میں دلائی چارچکے متعلق جو یہ خبر مشہور کی گئی ہے کہ اس کو جلاء دینے کے لئے سوراور گائے کی چربی کا استعمال ہوتا ہے یہ غلط ہے اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اس لئے یہ چربی استعمال نہیں کی جاتی بلکہ دوسرے جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی ہے اس مضمون سے سوراور گائے کی چربی کے استعمال کی تردید تو ہوتی ہے مگر چربی کا استعمال ثابت ہے، یورپ میں ذبیحہ کا طریقہ رائج نہیں۔ اس صورت میں کسی مردار جانور کی چربی بھی نجس ٹھہری اور اس سے جلا دیا ہوا پارچہ پہنکر نماز جائز ہوگی یا نہیں براہ کرم مطلع فرما دیں دیگر یہ کہ اکثر مُردوں کو دلائی کپڑے ہی کا کفن دیا جاتا ہے اگر دراصل چربی کے استعمال سے کپڑا نجس ہو جاتا ہے تو یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ ۲۵ شوال ۱۳۵۰ھ۔

**الجواب۔** چونکہ مسئلہ باب طہارت و نجاست سے ہے اس لئے قاعدہ

شرعیہ سے ایسی روایت جب تک اس کا تواتر ثابت نہ ہو جائے خواہ تواتر بالذات ہو خواہ لعارض قرآن حافہ ہو یا اگر متواتر نہ ہو تو جب تک سند متصل مسلمان راویوں کی ثابت نہ ہو جائے حجت نہیں نیز اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ خایص چربی کا استعمال کیا جاتا ہے یا کسی چیز کے ساتھ ترکیب بیکرا اور دوسری صورت میں آیا اس ترکیب سے چربی کا استحالہ ہو جاتا ہے جیسے صابون میں نجس تیل کا استحالہ ہو جاتا ہے یا استحالہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو پھر بھی شبہ رہے تو دھو کر استعمال کر لیا جائے +

۲۹ شوال ۱۳۵۰ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ صفحہ ۷)

**سوال (۱۲۹)** زید کہتا ہے کہ دلائی جدید کپڑے میں بدون غسل نماز جائز نہیں ہے کیونکہ جس وقت ہندوستان میں یہ خبر شہرت پذیر ہوئی تھی کما س کی ٹھلائی میں اور استری میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے اس وقت کارخانوں کے منتظمین اور شریک داروں کی طرف سے اعلان ہوا تھا کہ ہم چربی سور کی نہیں ملا تے کیونکہ وہ گراں چیز ہو گائے کی چربی ملا تے ہیں۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ وہاں مشین کے ذریعہ سے ذبح ہوتے ہیں اور ذابحین غیر مسلم بھی ہیں اس لئے مردار کی چربی کا استعمال اس کے اندر ضرور ہوتا ہے لہذا وہ کپڑے ناپاک ہوئے کما فی بدائع الصنائع صفحہ ۱۰۱ جلد اول و قایو فی الدیبلج الذی بنسجہ اهل فارس اند لا يجوز الصلوٰۃ فیہ

لا نھم یستعملون فیہ البول عند النسیج یزعمون انه یزید فی بریقہ  
ثوبلا یغسلون، لان الغسل یفسدہ فان صح انھم یفعلون ذلک  
فلا شک انہ لا تجوز الصلوٰۃ معہ اھم و کہتا ہے کہ الیقین لا ینزل  
بالشک۔ کپڑے جدید اہل الذمہ کا ہمیشہ قرون اولیٰ سے استعمال چلا آ رہا ہے  
لہذا اُس کو طہارت کا حکم دیا جاوے کما فی بدائع الصنائع صفحہ ۸ جلد اول ولا یاس  
بلبس ثیاب اهل الذمۃ والصلوٰۃ فیہا الا الازار والسر او یل فانہ  
تکرہ الصلوٰۃ فیہما وتجز۔ اما الحواز فلان الاصل فی الثیاب هو  
الطہارۃ فلا تثبت النجاسۃ بالشک ولان التوارث جار فیما بین  
المسلمین بالصلوٰۃ فی الثیاب المغنومۃ من الکفرۃ قبل الغسل۔ اور  
طہارت و نجاست دیا نات سے ہے۔

اور دیا نات میں فاسق اور کافر کی خبر معتبر نہیں ہے اس لئے جب تک مسلم عادل  
اس کی خبر نہ دے کپڑوں کو نجس نہیں کہہ سکتے۔ پس سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں  
کس کا قول صحیح قابل عمل ہے۔ زید عمرو دونوں حضور کے فیصلہ کو ماننے کے لئے  
تیار ہیں بہ سبب اعتماد کے بے چون و چرا مان لیں گے ؟

الجواب۔ زید کی دلیل میں فان صح خود دلیل کا جواب ہے باقی عمر کی دلیل  
میں ایک شق کی کمی ہے کہ اگر یہ خبر متواتر ہو صورتاً یا معنی تو متواتر میں اسلام اور عدالت  
شرط نہیں۔ اب مدار حکم کا اس خبر کی شان پر رہا سو اس کی تحقیق سائل بھی کر سکتے ہیں  
۱۹ صفر ۱۳۵۱ھ ہجری (النور شوال ۱۳۵۱ھ صفحہ ۷)

(تتمہ) اور اگر اُس چربی کا استحالہ ہو جاتا ہے تو فقہاء نے ایسے مباحوں  
کی طہارت کی تصریح فرمائی ہے ؟

مرغی کو ذبح کر کے آلایش صاف کئے بدون سوال (۱۳۰) ہشتی گوہر صفحہ ۹ مطبوعہ  
پانی میں جوش دیدیا تو وہ ناپاک ہی بحوالہ شامی ؟ گوہر کچھور میں تحریر ہے۔ مرغی یا کوئی پرند  
پیٹ چاک کرنے اور اُس کی آلایش نکالنے سے پہلے پانی میں جوش دی جائے  
جیسا کہ آج کل انگریزوں اور اُن کے ہم منش ہندوستانیوں کا دستور ہے تو وہ کسی طرح  
پاک نہیں ہو سکتی۔ انتہا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس کتاب کے کس



باب سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے شامی کی ”کتاب الطہارت“ ”کتاب الذبائح“ پوری اور اکثر حصہ الحظر والا باحتہ کا دیکھا ہے۔ مجھ کو یہ جزئیہ کہیں نہیں ملتا مجھ کو اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ دوسروں کو تسکین دینے کی ضرورت ہے۔  
**ثانیاً**۔ معروض ہے کہ وہ پرند صورت مسئلہ میں مکروہ تحریمی ہوگا یا حرام اس اطراف میں دستور ہے کہ مرغی کو ذبح کر کے سرد ہونے کے بعد آگ پر بھلس لیتے ہیں۔ اس صورت میں اس مرغی کا کیا حکم ہے۔ پہلی صورت میں بغیر چاک کئے تو تلوث کی وجہ سے ناپاک رہی۔ اور اس صورت میں تلوث بظاہر نہیں ہے اگر اس کا پیٹ چاک کر کے بھلسا جائے تو پھر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی امید ہے کہ ان تمام باتوں کا جواب مع حوالہ کتاب بقید صفحہ و باب روانہ فرما کر ممنون فرمائیں گے :

**الجواب**۔ بہشتی گوہر میں تو اس وقت دیکھ نہیں سکا۔ مگر شامی میں وہ جزئیہ مل گیا۔ اس کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ فی الدار المختار و کذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للتعف قبل شقها فتم۔ فی رد المختار قولہ و کذا دجاجة قال فی الفتح انه لا تطهر ابدالکین علی قول ابی یوسف تطهر و العلة والله اعلم تشریہا النجاسة بواسطۃ الغلیان ۳۴۵ مطبوع مصر ۱۲۹۲ھ قبیل فصل الاستنجاء ۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور منہ کو اس لئے ترجیح ہے کہ اس کی نظیر مذکور فیما یستقبل متصل میں عدم طہارت کو مفتی بہ کہا ہے۔ اور اس کو امام صاحب کا قول بتلایا ہے۔ اور مانعین جب اس کو نجس کہتے ہیں تو حرام بھی کہیں گے۔ باقی بھلسنا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے نجس کا اثر زائل ہو جاوے تو ظاہر ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔ فی رد المختار تحت قولہ و نار کما لو احرق موضع الدم من رأس الشاة (بعر) ولہ نظائر تاتی قریباً ولا تظن ان کل ما دخلت النار یطهر کما یلغنی عن بعض الناس ان، تو هو ذلک بل المراد ان ما استحال به النجاسة بالنار و زال اثرها بها یطهر و لذا قید ذلک فی الملیۃ بقولہ فی مواضع الا : ۲ ذی قعدہ ۲۱۲ ۲۱۳ (تمتہ خاصہ صفحہ ۳۱۲)

## فصل فی الاستنجاء

جواز استقبال و استدبار | سوال (۱۳۱) بول اور براز قبلہ کی طرف مُنہ اور پشت کر کے بوقتِ آبِ دست ممنوع ہے۔ اور استنجاء کرنا یعنی آبِ دست لینا قبلہ کی طرف مُنہ یا پشت کر کے کیسا ہے ؟

الجواب۔ چونکہ کوئی دلیل نہیں اس لئے جائز ہے۔  
(مگر نہ کرنا موجب ثواب ہے۔ کما فی المنیۃ ان ترکہ ادب الخ شامی ص ۳۵۳ جلد اول۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کو ان مسائل میں درج کیا گیا ہے جن کے متعلق مشائخ پر بعض علماء نے تنبیہ فرمائی ہے۔ دیکھو ملحقات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ صفحہ ۳۳۰) نوٹ :- یہ اضافہ تصحیح الاغلاط صفحہ ۱ سے کیا گیا ہے۔ ۱۵ شوال ۱۳۲۱ھ ہجری (امداد صفحہ ۳ جلد ۱)

از ملحقات تتمہ اولیٰ صفحہ (۳۳۰)

خلاصہ سوال۔ از روئے قبلہ بوقت استنجاء۔

خلاصہ جواب۔ جائز ہے۔

تسامح۔ شان کعبہ قبلہ را مد نظر داشتہ کہ عین مقصود اہل اسلام اس۔  
ضروری بود کہ جواب این طور دادند۔

الجواب۔ ترک ادب است نباید کرد فلولاً استقبال لم یکرہ ۱۲  
اللہ المختار قوله (لم یکرہ) ای تحریم فی المنیۃ ان ترکہ ادب ولہما مر  
فی الغسل ان من ادابہ ان لا یستقبل القبلة لانہ غالباً یكون  
مع کشف العورتہ ولقولہم یکرہ مد الرجلین الی القبلة فی النوم  
وغیرہ عمد او کذا فی حال مواقعتہ اہلہ ۱۲ رد المحتار صفحہ ۳۵۳۔

جواز استقبال شمس بوقت بول | سوال (۱۳۲) اگر آفتاب ابر کی آڑ میں ہو اور کھائی  
بحال مستور شدن شمس را بر نہ دیتا ہو تو اُس طرف کو مُنہ کر کے پیشاب کری یا نہیں

الجواب۔ فی رد المحتار والذی یظہران المراد استقبال عینہما  
مطلقاً لاجہتہما ولا ضواءہما وانہ لو کان ساتراً تمنع عن العین

ولو سحبا فلا کراہۃ۔ وان الکراہۃ اذ الحریکون فی کبد السماء  
جلد اول صفحہ ۳۵۵ باب الاستنجاء اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ  
میں ادھر مٹھ کر کے پیشاب کرنا درست ہے۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۸ھ (امداد صفحہ ۱)  
حکم یاد آمدن استنجاء | سوال (۱۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں  
کہ امام کو اندر نماز بعد تحریم یاد آیا کہ استنجا ڈھیلے سے کیا  
پانی نہیں لیا تو اب کیا کرے ؟

الجواب۔ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہیں ہوئی تو استنجا پانی سے  
سنت ہے اور اگر متجاوز ہو گئی تو اگر قدر درہم سے زائد نہیں ہوئی تو دھونا واجب ہو  
اور اگر زائد ہو گئی تو دھونا فرض ہے۔ اور اگر نماز میں یاد آیا تو صورت اخیر میں نماز  
باطل ہو جائے گی۔ اور دوسری صورت میں مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور پہلی میں مکروہ  
تذریہ ہی ؟ والغسل سنة ويجب ان جاوذا المخرج نجس درہم مختار و فی  
موضع اخر منه وعفی عن قدر درہم و ان کرکة تحريمها فيجب غسله  
و ما دونہ تنزيها فليس و فوقہ مبطل فيضرض الا واللہ اعلم۔

(امداد صفحہ ۱۲ جلد ۱)

عدم جواز استنجاء | سوال (۱۳۴) جاذب کاغذ سے روشنائی خشک کی  
جاتی ہے یہی کام اب تک خشک مٹی سے بھی لیا جاتا  
ہے۔ خشک مٹی سے استنجا جائز ہے۔ کیا جاذب کاغذ سے بھی استنجا جائز  
ہے۔ سفر میں بھی آرام دے سکتا ہے کاغذ اس کو برائے نام کہتے ہیں وہ لکھنے  
کے کام میں نہیں لایا جاتا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار ذکرہ تحریراً الی قولہ و شئ محترم فی  
رد المحتار و اما الشئ المحترم فلما ثبت فی الصحیحین من الذہی  
عن اضاعة المال قولہ و شئ محترم ای مالہ احترام و اعتبار  
شرعاً فیدخل فیہ کل متقوم الا السماء کما قد مناہ و الظاہرانہ  
یصدق بما یساوی فلما کراہۃ اتلافہ کما مر شرعاً قال و  
پس صورت اخیرہ میں نماز توڑ دے اور دوسری میں پانی کے اعادہ کرے اور پہلی میں اعادہ بھی ضروری

یداخل ایضاً الورق قال فی السراج قیل انہ ورق الکتابۃ و  
 قیل ورق الشجر وایہما کان فانہ مکروہ الھ و اقرہ فی البحر وغیرہ و  
 النظر ما العلة فی ورق الشجر وعلھا کونہ علفاً للذباب الخ ثم  
 قال و اذا كانت العلة فی الابیض کونہ الہ للکتابۃ کما ذکرنا لا یحذف  
 منها عدم الکراہیۃ فیما لا یصلح لھا اذا کان قاعاً للنجاستہ غیر  
 متقوم کما قد مناه من جوازہ بالخرق البوالی وھل اذا کان متقوماً  
 ثم قطع منہ قطعۃ لا قیمۃ لھا بعد القطع یکسر الاستنجاء بہا  
 ام لا الظاہر الثانی انہ لو یتنجز بمتقوم نعم قطعہ لذلک  
 الظاہر کراہیۃ لوبلا عذر ربان وجد غیرہ لان نفس القطع  
 اتلاف جلد ۱ صفحہ ۳۵۱ و ۳۵۲ ان روایات سے معلوم و مفہوم ہوا  
 کہ بعض کاغذات سے بوجہ آلہ علم و کتابت ہونے کے اور بعض سے بوجہ اُن  
 کے قیمتی چیز ہونے کے کہ ادنیٰ اُس کا ایک پیسہ ہے استنجاء کرنا جہاں کلورخ  
 وغیرہ میسر ہوں مکروہ تحریمی ہے بوجہ اضاعت مال کے اور اگرچہ وہ ٹکڑا اتنی  
 قیمت کا نہ ہو مگر اتنی قیمت والی چیز میں سے کسی حصہ کا قطع کرنا اُس کا اتلاف  
 ہے اس لئے اُس کا بھی یہی حکم ہے بہر حال صورت مسئلہ نادرست ہے اور  
 مٹی پر قیاس اسلئے جائز نہیں کہ نہ وہ آلات علم سے ہے اور نہ وہ متقوم ہے ۔  
 ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث صفحہ ۱۳۶)

|                        |                                           |
|------------------------|-------------------------------------------|
| جواز جواب سلام در حالت | سوال (۱۳۵) استنجاء خشک کرنے میں سلام کرنا |
| استنجاء                | یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں ؟    |

الجواب - جائز ہے مگر استنجاء ایسے موقع پر خشک کرنا کہ گزرنے والوں کا  
 مواجہ ہو خلاف النسایت ہے - ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (حوادث خاص ص ۳)

|                 |                                                             |
|-----------------|-------------------------------------------------------------|
| تحقیق سلام بوقت | سوال (۱۳۶) استہرا کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود         |
| استنجاء         | کرنا چاہیئے یا نہیں - حدیث شریف میں تو اذا یدبول کا لفظ آیا |

ہے پھر لوگ استنجاء کرتے وقت سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آیا یہ اُن کی  
 غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے - علاوہ بریں حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ

حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقاطر مانع تحیہ نہیں۔

**الجواب** فی الدر المختار اول باب مفسدات الصلوة سلاماً مکروہاً علی من ستمسح الی قوله فہذا اختتام والزیادۃ تنفع۔ ان ابیتا میں مواضع کراہت سلام کو شمار کیا گیا ہے۔ مگر اس میں یہ حالت معدود نہیں اور تامل سے اور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوئی۔ پس ظاہراً یہ بلا سند محض رسم پڑ گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

### سوال متعلق جواب بالا

بخدمت جناب مولانا صاحب دام شرفہ بعد از سلام نیاز وضع آنکھ علماء ایں تحریر شمارا طعن زنی می کنند می گویند گناہ است چنین کار کردن کہ براستبر اسلام دادن لہذا در خدمت عالی ہمت نوشتہ می آید باید کہ بدیدن نیاز نامہ ہذا جواب ایں تحریر از کتب معتبرہ فقہ و حدیث تحریر نمودہ عنایت فرمایند کہ لسی عین احسان متصور خواہد شد۔

**الجواب** عن السؤال الاخير۔ در جواب من دلیل از حدیث وفقہ موجود است۔ انکوں از چہ چیز استفسار است و کدام چیز را انتظار است۔ ۹ رجب ۱۲۳۵ (ترجیح خاص ۱۲۳۵) **سوال** (۱۳۱) مذہب اہل تسنن میں چھوٹے اور بڑے استنجے کی صفائی اول دلوں سے کیوں ہوتی ہے۔ آیا یہ طریقہ معمولی ہو یا کسی حدیث کے موافق ہے ہر بانی فرما کر اس کے متعلق جواب لکرائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔ **الجواب**۔ فی ذیل الاوطار باب وجوب الاستنجاء بالحجر او الماء عن عائشۃ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ذهب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلثۃ ارجار فانھا تجزئ عنہ رواہ احمد والنسائی و ابوداؤد و الدارقطی و قال اسناد صحیح حسن قال المصنف و ہو دلیل لمن قال بکفایۃ الحجار و عدم وجوب الاستنجاء بالماء ص ۱۰۱۔ اس حدیث سے جب بعض احوال میں صرف کلوخ لینے پر اکتفا کرنے کا جواز ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جب بانی

نہ لیا اور موضع پیشاب کا بھی نجس ہوا ہی تھا جس کا پاک کرنا دلائل شرعیہ سے واجب ہے کقولہ علیہ السلام استنزهوا من البول تو بجز کلوخ اُس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے اس سے چھوٹا استنجا کلوخ سے صاف ثابت ہوا اور بڑا استنجا تو اصل غرض ہی ہے کلوخ لینے سے پس دونوں مدعا ثابت ہو گئے اور اس کے بعد پانی لینے کی اولویت دوسری احادیث میں منصوص ہے۔

۲۷ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۱۷۱)

سوال (۱۳۸) بعد بول ڈھیلا لینے کے متعلق حدیث سے حضرت والا نے استنباط فرمایا ہے وہ کون حدیث ہے۔ دریافت کرنے کو جی چاہتا ہے اگرچہ بعد قضائے حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باہر تشریف لا کر استنجا کرنا اس سے تو ڈھیلا لینے کا استنباط ہو سکتا ہے مگر اس سے اصرح مطلوب ہے ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ ابو بکر عن یسار بن عمیر کان عمرا ذابا لم یمسح ذکرا بعماء ان یجروا لہم یمسحہ ماء قلت اجمع علی ذلک علماء اہل السنۃ ولیس فیہ حدیث مرفوع وانما ہو مذہب عمر قیاسا علی الاستنجا من الخائط طبق علی تقلید العلماء۔

الجواب۔ مجھ کو یاد نہیں استنباط کے متعلق میں نے کسی جگہ لکھا ہے شاید اُس مقام کی عبارت سے زیادہ یاد آجاتا۔ بعض اوقات استنزهوا من البول سے تقریر کیا کرتا ہوں کہ استنزاہ کی یہ بھی ایک صورت ہے و صحیح الحدیث ابن خزمیہ وغیرہ کذا فی فتح الباری اس عموم کے اعتبار سے اس کو مرفوع کہہ سکتے ہیں اور مرفوعیت میں اس سے اصرح مجمع الزوائد میں یہ حدیث ہے۔ عن عمر بن الخطاب انہ بال فمسح ذکرا بالتراب ثم التفت الینا فقال ہکذا علمنا رواہ الطبرانی فی الاوسط و فیہ روح بن الجناح و هو ضعیف اھ علمنا رفع میں صریح ہے رہا روح بن الجناح کا ضعف سو بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہو کہما فی التہذیب و المیزان تو حدیث حسن ہوئی تو ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر سے یہ زیادت نہ گزری ہو یا ضعف کے سبب اس کا اعتبار نہ کیا ہو مگر اس ضعف کا درجہ معلوم ہو گیا اس لئے صالح للاحتجاج ہے۔ خصوصاً بلا تعارض دوسری مؤیدات

کے ہوتے ہوئے واللہ اعلم والروایات کلبا من احياء السنن واستدراکہ۔

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۳ھ (النور صفحہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۲ھ)

پیشاب کرنے کے وقت کوئی مستقل دُعا نہیں | سوال (۱۳۹) پاخانہ جانے کی جس  
بلکہ بول دہرازدنوں کے لئے ایک ہی دُعا ہے | طرح دُعا ہے پیشاب کے وقت کی بھی کوئی

دُعا ہے یا نہیں۔ | الجواب۔ مستقل نہیں وہی دُعا مشترکہ ہے لا طلاق اللفظ  
واشتراكهما فی اکثر الاحکام الفقہیۃ کما فی الدرالمختار احکام

الاستنجاء - ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۲۰۵)

## مسائل منشورہ متعلقہ بکتاب الطہارت

تحقیق مس بلا وضوء | سوال (۱۴۰) فونوگراف جو ایک آلہ نقل الصّوت ہے اُس  
پلیٹ حاکی قرآن را | میں تقاریر نغمات موسیقی اور قرآء سے رکوعات قرآن مجید کی آواز  
ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں اور پھر وہی اصوات تنہائی میں مجالس میں  
تماشا گاہوں میں آلہ مذکور کو رکھ کر سنتے ہیں تو اس طرح قرآن مجید کی آواز کا اُس میں  
بند کرنا اور پھر فونوگراف سے سُنا درست ہے یا نہیں۔ اور فونوگراف باجلہ ہے یا  
کیا ہے اور کلام مقدس کی اس قسم کی آواز قرآن ہوگی یا کیا کہیں گے۔ حضرت امام اعظم  
رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ والقوان فی المصاحف مکتوب فی القلوب  
محفوظ و علی الا لسن مقرو یہ تعریف آواز مذکور پر نفی میں صادق آئے گی یا  
اثبت ایں بھی یہ امر بھی قابلِ گزارش ہے کہ جس آلہ سے اُس کے پلیٹ پر صّوت  
بھری جاتی ہے اُس سے اُس کی پلیٹ پر کچھ خطوط دوائر کے طور پر بن جاتے ہیں اور جب  
اُس کا مشین چلایا جاتا ہے تو اُس کا ایک پرزہ جس کے آخر میں ہیرے کی کئی لگی ہوتی ہے  
وہ کئی اُس دوائر پر گشت کرتی ہے اور اُس سے صّوت پیدا ہوتی ہے وہ خطوط اُس  
میں کچھ ممتاز نہیں معلوم ہوتے بلکہ ہر پلیٹ پر خطوط یکساں سے معلوم ہوتے ہیں ممکن  
ہے کہ فی الواقع کچھ تمایز ہو لیکن محسوس نہیں ہوتا چلانے والے کو یا درکھنا پڑتا ہے کہ اس  
ہمیشہ پر فلاں چیز منقش ہے اور اُس پر دوسری چیزیں لپٹن نقوش کا کیا حکم ہے اور  
یہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ یہ آلہ ابھی نہ تذکر اس لئے بھرنا اور سننا خلاف ادب شرعی ہے

لیکن اگر کوئی بھڑے تو اُس پلیٹ کا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں اور تحریف قرآن کی اُس پر صادق ہے یا نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آئہ خود باجا نہیں ہے بلکہ محض نقل صوت کرتا ہے اگر باجا بھرا جائے تو باجے کی آواز نکلتی ہے ورنہ جو بھرا جائے اس لئے مطلقاً باجہ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال اُمید ہے کہ اس کی نسبت حضرت اقدس اپنی رائے تحریر فرمائیں گے :

**الجواب۔** ان نقوش میں جب تک پڑھے جانے کی صلاحیت ثابت نہ ہو حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں اس لئے ان کا مس کرنا محدث و جنب کو جائز ہے جیسا دماغ میں ارتسام الفاظ قرآنیہ کا ہوتا ہے اور اُس دماغ کا مس کرنا جائز ہے البتہ اگر وہ پڑھے جانے لگیں تو اُس وقت دلالت وضعیہ غیر لفظیہ کی وجہ سے اُن کا حکم حروف مکتوبہ کا دیا جائے گا۔ یہ حکم تو نقوش کا ہے اور جو آواز اُس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں ہے بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے مشابہ صوت طیر اور صدا کے پس اُس کا حکم بھی تلاوت کا سا نہ ہوگا اور آپ کی یہ رائے صحیح ہے کہ اُس کا حکم باجہ کا سا نہیں ہے بلکہ تالیج ہوگا محکی عنہ کے جواز و عدم میں لیکن چونکہ مقصود اُس سے تہی ہے اس غرض کی وجہ سے قرآن بھرنے میں جائز نہ ہوگا اس طرح سُننا بھی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ۲۷ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۸۳ جلد ۲ و حوادث میں ۸ ج ۲۱)

تفسیر و ترجمہ کا بے وضو مس کرنا | سوال (۱۴۱) | اردو کلام مجید کا مس بے وضو جائز ہے یا نہیں۔ | الجواب۔ مکروہ ہے۔ کذا فی رد المحتار تحت قول لد المحتار و التفسیر مکصحت قبیل باب المیالہ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۱۰)

**سوال (۱۴۲)** کتب تفسیر میں جس موقع پر آیت مکتوب ہے اُس موقع کو بغیر وضو مس کرنا مکروہ ہے یا محرم۔

**الجواب۔** فی غنیۃ المستملی و یکرة ایضاً للمحدث و نحوه متفق تفسیر القرآن و کتب الفقہ و کذا کتب السنن الی قولہ و الاصح انہ لا یکرہ عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اُس کا مس مطلقاً مکما هو الظاہر امام صاحب کے نزدیک درست ہے و فی الاخذ بہ سہولت۔ ۱۷ صفر ۱۳۲۳ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۱۹)



حکم مس قربات عند اللہ بلا وضوء دہر | سوال (۱۲۳) قربات عند اللہ و صلوات الرسول  
کتابے کہ آیات قرآنہ درو باشد | جواب کا مؤلفہ ہے چونکہ اول منزل اُس کی اکثر آیات  
قرآن شریف ہے اس لئے عرض ہے کہ اُس کو بے وضوء کرنا اور جنبی اور حائضہ کو  
مس کرنا اور پڑھنا جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ خاص اس حصہ کو بے وضوء کرنا جائز نہیں۔ اور جنب و حائض کے  
پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ بہ نیت قرآن کے پڑھنا جائز نہیں بہ نیت دعا کے پڑھنا  
جائز ہے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۲۴۵)

سوال (۱۲۴) آپ کے مواعظ میں اکثر قرآن مجید کی آیات ہیں اور میں اکثر  
وقت فرصت کے مواعظ دیکھا کرتا ہوں مگر قرآن مجید بغیر وضوء چھونا جائز نہیں ہے  
مواعظ کی بابت کیا حکم ہے۔ بلا وضوء پڑھنا چھونا اُس کتاب کو جائز ہے یا نہیں۔  
الجواب۔ فی الدر المختار وقد جازا صحابنا من کتب التفسیر  
للمحدث وللمفصلوا بین کون الا کثر تفسیراً او قراناً ولو قیل  
بہ اعتباراً لل غالب لکان حسناً الخ فی رد المحتار عن السراج عن الایضاح  
ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها ولو لم یمس غیلاً و کذا کتب  
الفقہ اذا کان فیہا شئ من القرآن بخلاف المصحف فان الکمل فیہ تبع  
للقرآن الا الی قولہ قال وما فی السراج اذ فقی بالقواعد اذ جہ صفحہ ۱۸۲۔  
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چونکہ مواعظ نہ تفسیر کی کتابیں ہیں نہ ان میں قرآن کی  
آیات دوسری عبارات پر غالب ہیں لہذا ان کا مس بلا وضوء جائز ہے اسی طرح پڑھنا بدتر  
اولی البتہ جس مقام پر آیت لکھی ہوئی ہے خاص اُس مقام کو بلا وضوء مس نہ کرے۔

۸ رجب ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۲۴۱)

سوال (۱۲۵) استدلوا علی عدم جواز  
مس القرآن الجید للمحدث لقولہ تعالیٰ | جواب شبہ براستدلال برحرمت  
مس مصحف بدون طہارت | مس القرآن الجید للمحدث لقولہ تعالیٰ  
لا یمسہ الا المطہرون والحال انہ محتمل التفسیر کما ذکر وافی  
التفاسیر فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال واما حدیث لا یمس  
القرآن الا طاهر فهو ضعیف لا یحتج بہ و کذا حدیث لا یمس

المصحف الاعلیٰ طہارۃ کما جزم بذلک فیہما النوروی وابن کثیر علی ان بعضہم قال ان المراد بالطہارۃ لمومن او الطہارۃ من النجاستۃ الحقیقیۃ و المروئی عن ابن عباس و الشحبی والضحاك و داؤد جواز مس لمصحف للمحدث و الجمہور اتفقوا علی عدم جواز مس لمصحف للجنب و لکن لم یعرف للجمہور دلیل۔

الجواب۔ الیصل اتفاق الجمہور علامۃ لکون الحدیث لہ اصل قوی وان طرء علیہ الضعف لعارض لسننہ وان اشتقتہم الی التفصیل فعلیکم بالرجوع ۶ الی احیاء السنن۔ ۳ ربيع الثاني ۳۳۵ (تمہ خامسہ صفحہ ۸۳) حکم نوشتن آیات قرآنیہ بلا وضو سوال (۱۲۶) بلا وضو جو کلام مجید کی کوئی آیت بھی نہ بطور یکس کاغذ نہ شود لکھے تو ایک مولوی صاحب نے یہ بتایا کہ اگر بلا وضو کوئی آیت قرآنی لکھنے کی ضرورت ہو تو اس کاغذ کو ہاتھ نہ لگے جس پر آیت تشرانی لکھے تو یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب۔ اختلاف ہے۔ اس کی بھی گنجائش ہے۔ و فی الدار المختار ولا تکرر کتابۃ قرآن و الصغیفۃ و اللوح علی الارض عند الثانی خلا فالحمد و ینبغی ان یقال ان وضع علی الصغیفۃ و ما یحول بینہا و بین ید لا یؤخذ بقول الثانی و لا فبقول الثالث قال الحلبي ج۱ ص ۱۸۔

۲۸ رجب ۱۳۳۵ (تمہ خامسہ صفحہ ۲۴)

# کتاب الصلوٰۃ

## باب المواقیت

حکم نماز وغیرہ میان سوال (۱۲۷) اس مسئلہ میں علماء دین کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ درمیان عصر و مغرب سجدہ تلاوت و نماز جنازہ و قضاء عصر و مغرب حکم نماز کوئی نماز کسی طرح کی ادا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب** - درمیان عصر و مغرب قبل تغیر شمس سجدۃ تلاوت و نماز جنازہ و قضاء فرض و وتر جائز ہے اور نوافل و مسنون ممنوع ہیں اور وقت تغیر شمس کے یہ سب چیزیں ممنوع ہیں۔ تسعة اوقات یکراہ فیہا النوافل و ما فی معناہا الا الغرائض ہکذا فی النہایۃ و الکفایۃ فیجوز فیہا قضاء الفائتۃ و صلوۃ الجنائزۃ و سجدۃ التلاوة کذا فی فتاویٰ قاضی خان روقال بعد اسطر منها ما بعد صلوۃ العصر قبل التغیر ہکذا فی النہایۃ و الکفایۃ ۱۲ عالمگیری جلد اول صفحہ ۵۱ ثلث ساعات لا یجوز فیہا المکتوبۃ ولا صلوۃ الجنائزۃ ولا سجدۃ التلاوة اذا طلعت الشمس حتی ترتفع و عند الاغتصاب لی ان تذول و عند احمرارها الی ان تغیب عالمگیری جلد اول واللہ اعلم (امداد صفحہ ۱۲۸) سوال بیان وقت عشاء شروع ہوتا ہے :

**الجواب** - غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۷ رذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۲ جلد ۱)

**وقت عصر** سوال (۱۲۹) کس قدر حصہ دن کا گزرنے سے وقت نماز عصر شروع ہوتا ہے۔

**الجواب** - عصر کے متعلق کسی خاص حصہ دن کی نہ مجھ کو تحقیق ہے نہ تجربہ ہی اتنی پہچان معلوم ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ایک لکڑی ہموار زمین میں کھڑی

لیکن اسی روز کی عصر کی نماز پڑھ لینا چاہیئے ۱۲ منہ  
اس فتوے میں غیبوت شفق ابيض کا اعتبار کیا گیا ہے اور بہشتی زیور میں غروب شفق احمر کا پس وجہ تطبیق یہ ہے کہ بہشتی زیور میں حکم تحقیقی کا بیان ہے اور یہاں حکم احتیاطی کا لیکن اس میں شبہ یہ ہے کہ اس سے عشا میں تواحتیاط ہوگئی لیکن مغرب میں احتیاط نہ رہی اس لئے عبارت میں یوں تغیر ہونی چاہیئے۔ عشاء کا اتفاق دقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے اس لئے عشاء کی نماز و اذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے۔

یہ مضمون تصحیح الاغلاط صفحہ ۹ سے لکھا گیا :

کر کے اُس کا سایہ ناپ لیں وہ مقدار سایہ کی اور اُس کو طی سے دو حصہ اور سایہ جب ہو جاوے عصر کا وقت آگیا۔ ہر موسم میں یہ قاعدہ کلیتہً ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۴ جلد ۱)

**سوال (۱۵۰)** مثلیں کے بعد جو نماز عصر بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادا کرتے ہیں از روئے روایات اور فقہ کے یہ قوی قول ہے یا ایک مثل کی روایت اور جو امام ایک مثل پر نماز عصر ادا کرتا ہے اور اُس کے پیچھے بعض مقتدی اُس کے ہم خیال ہیں کہ وہ ایک مثل پر نماز عصر کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض مقتدی کا عقیدہ اور تحقیق مثلیں کی ہے اور وہ اُس کے پیچھے بوجہ نادانستگی وقت یا بوجہ فساد نہ ہونے کے پڑھتے ہیں اُن ... کی نماز عصر ادا ہوگی یا اعادہ فرض ہوگا اور یہ نفل ہوں گی اور ایسا امام ایسے دو قسم کے لوگوں کی مسجد میں مامت کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا یا مقتدی اُس کو امامت سے علیحدہ کر کے دوسرا امام کہ جو مثلیں کے بعد نماز عصر پڑھا یا کرے مقرر کریں تاکہ یقیناً سب کی نماز ہو جاوے یہ کرنا اُن کے یا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہوگا اور ایسا انتظام نہ کرنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں لائل و بجوالہ کتب معتبرہ حدیث و فقہ ارتام فرمائیں ۔

**الجواب۔** متون کی روایت مثلیں کی ہے اور اصل مذہب متون ہی میں ہوتا ہے۔ کما ہو مقررہ مصححہ اور گو بعض نے مثل درختار وغیرہ کے ایک مثل کو ترجیح دی ہے مگر محققین نے اس ترجیح کو نہیں مانا چنانچہ علامہ شامی نے رد المحتار میں اس پر کلام مبسوط کیا ہے ج ۱ ص ۳۷۱ میں اور نیز براءۃ ذمہ یقینی بھی سی میں ہے پس یہی احوط بھی ہوا اور عصر ایک مثل پر پڑھنے سے اُس کی صحت اختلافی ہوگی اس لئے فساد یا وجوب اعادہ کا یقینی حکم تو نہیں کر سکتے اسی طرح اس امام پر حکم عاصی ہونے کا یقیناً نہیں لگا سکتے اسی طرح اُس کے وجوب عزل کا بذمہ متولی یا جماعت کے یقینی حکم نہیں کر سکتے کہ اختلافیت میں پھر خصوص جبکہ ایک ہی مذہب کے اقوال مختلف ہوں اور دونوں جانب میں اکابر ہوں۔ ایسے احکام کا قطع مشکل ہے البتہ ایسی عصر کے اعادہ کا اولی ہونا۔ اسی طرح ایسے امام کے لئے تاخیر کا امر کرنا اور در صورت عدم اقبال دوسرے امام کا معین کر دینا یہ سب احکام درجہ احوط و افضل

میں ضرور ہیں۔ چنانچہ رد المحتار کی یہ روایت اس کی مؤید صریح ہے۔ وَاَنْظُرْ هَلْ اِذَا لَمْ يَمْنَحْ تَاخِيْرَ الْعَصْرِ اِلَى الْمَثَلِيْنِ قَدْرَ الْجَمَاعَةِ يَكُوْنُ الْاَوَّلَى التَّأخِيْرَ اِمَّا لَانِ الظَّاهِرَ الْاَوَّلَ بَلْ يَلْزَمُ لِمَنْ اَعْتَقَدَ رُجْحَانِ قَوْلِ الْاِمَامِ تَامِلَ شَعْرَ اَيَّتْ فِي الْاٰخِرِ شَرْحِ الْمُنِيَّةِ نَاقِلًا عَنْ بَعْضِ الْفَتَاوَى اَنَّهُ لَوْ كَانَ اِمَامٌ مَحَلَّتْهُ يَصَلِي الْعِشَاءَ قَبْلَ غِيَابِ الشَّمْسِ الْاَبْيَضِ فَكَالَا فَضْلُ اَنْ يَصَلِيَهَا وَحْدًا لَا بَعْدَ الْبَيَاضِ ج ۱ ص ۳۷۲ - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

۳/ محرم ۱۲۸۰ھ (تمتہ اولی صفحہ ۲۵)

توضیح وقت کراہت | سوال (۱۵۱) | احقر جب دودھ حدیث میں تھا اُس وقت موسم جاڑہ میں ترمذی شریف بعد عصر ہوتی تھی اُس وقت حضرت اُستادنا مولانا صاحب مدظلہ العالی کو کئی روز یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عصر کی نماز میں تاخیر ہو جاتی ہے بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ حد اصفرا کو پہنچ گیا۔ اس وجہ سے میں اکثر..... کی مسجد میں عصر پڑھتا ہوں وہاں..... کی مسجد سے قبل نماز ہوتی ہے حضرت والا جس وقت..... کی مسجد میں نماز ہوتی تھی بعد فراغ صلوٰۃ کم و بیش ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ دن رہتا تھا۔ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ اب اصفرا کیسے ہو گا۔ مگر یہ سمجھ کر کہ..... صاحب کو پچان زیادہ ہے عصر کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پڑھ لیتا تھا اگر تاخیر ہو جاتی تو ایک بیچینی ہوتی تھی (اور چونکہ یہاں پر جب نمازی آجاتے ہیں جماعت ہو جاتی ہے۔ کوئی وقت گھڑی کے حساب سے مقرر نہیں ہے) اور اگر مصلی سب نہ آئے ہوں یا دو چار آدمی وضو سے رہ گئے ہوں اُن کا انتظار نہ کئے نماز شروع کر دیتا تھا اس خیال سے کہ کبھی وقت اصفرا نہ آجائے اور نماز مکروہ تحریمی نہ ہو جائے۔ اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا..... قدس سرہ سے سنا کہ وقت اصفرا قبیل غروب ہوتا ہے جب ٹیکہ آفتاب پر اچھی طرح نظر کر سکے۔ اب اس سے تردد ہو گیا۔ اب حضرت والا ارشاد فرمادیں کہ جب دن چھوٹا ہوتا ہے جیسے آجکل کے دن ہیں اُس وقت غروب سے کتنا پہلے وقت اصفرا شروع ہوتا ہے گھڑی کے حساب سے تخمینہ کر کے بتلاویں تاکہ اُس پر عمل کرے۔

**الجواب** - فی الدر المختار ما لم یتغیر ذکاء بان لا تحار العین فیہا علی الاصح فی رد المختار صحیحہ فی المہدایۃ وغیرہا و فی الظہیریۃ ان امکنہ اطالۃ النظر فقد تغیرت و علیہ الفتویٰ و فی النصاب غیرہ لا وبہ ناخذ و هو قول ائمتنا الثلاثۃ و مشائخہ بلخ و غیرہم کذا فی الفتاویٰ الصوفیۃ اھ و فی المسئلۃ اقوال اخرا یضہ اس عبارت میں تغیر کی جو حد ہے کہ آفتاب کی طرف دیکھنے سے یا دیر تک دیکھنے سے چشم خیرہ نہ ہو وہ ایک امر محسوس ہے اس میں گھنٹہ گھڑی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس تغیر کے قبل عصر سے فارغ ہو جانا چاہیئے۔ ۹- ج ۲- ۲۷۳ (تمتہ خامسہ صفحہ ۳۶۵)

**سوال** (۱۵۳) یہاں ظہر عصر کے درمیان اور مغرب اور ظہر و عصر و مغرب | عشاء کے درمیان وقت تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے یہ اس وقت ہے جبکہ سورج کی بلندی اور مغرب کے بعد روشنی کا خیال کیا جائے۔ در نہ گھڑی کے اتباع سے تو کوئی مشکل نہیں۔ مثلاً دوپہر کے وقت سورج کی اونچائی اتنی سے ایک نیزہ برابر ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دن غروب ہونے میں ایک گھنٹہ بھر رہ گیا ہے۔ آج کل پونے چار بجے سورج غروب ہوتا ہے۔ ایک دو بجے کی وقت جس کو ظہر کا وقت سمجھنا چاہیئے سورج اتنا نیچا معلوم ہوتا ہے جیسے عصر کا آخر وقت ہو تو ایسی حالت میں اگر ظہر اور عصر میں فاصلہ کرنا ضروری ہے۔ تو ظہر کس وقت پڑھی جائے اور عصر کتنی دیر اس کے بعد۔

**الجواب** - اس کے لئے ایک دن یا دو دن تھوڑا وقت صرف کرنا پڑے گا گھڑی بھی اسی کے بعد رہبری کے لئے کافی ہو سکتی ہے وہ کام یہ ہے کہ کسی دن جب فرصت ہو اور دھوپ ہو دوپہر سے پہلے بالشت دو بالشت کی برابر زمین کی سطح ہموار کر کے اُس پر ایک خط مستقیم جنوباً شمالاً کھینچ دیا جاوے۔ قطب نما جو کہ شمالی سمت کو بتلاتا ہے یہ اُس کے لئے کافی ہو جاوے گا۔ اُس کے بعد اُس خط کے جنوبی نقطہ پر ایک بار ایک اور سیدھی لکڑی یا سینک یا لوہے کا تار سیدھا کھڑا کر دیا جاوے چونکہ دوپہر سے پہلے کا وقت ہو گا۔ سایہ اُس لکڑی کا عین خط پر نہ ہو گا بلکہ اُس خط سے مغرب کی طرف قدرے مائل ہو گا۔ پھر وقتاً فوقتاً خط کی طرف

آنا شروع ہو گا۔ حتیٰ کہ بالکل اُس خط پر منطبق ہو جاوے گا۔ اُس وقت اُس سایہ کے منتہا پر ایک نشان بنا کر اُس سایہ کو کسی اور لکڑی وغیرہ سے ناپ لیا جاوے اور اُس پیمانہ کو محفوظ رکھا جاوے یہ وقت عین دوپہر کا ہے۔ اس کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف مائل ہونے لگے گا یہ ظہر کا اول وقت ہے۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اُس لکڑی کو جس کا سایہ ناپا تھا اُس سطح پر سیدھا کھڑا کر کے دیکھتے رہیں اور جتنا سایہ عین دوپہر کے وقت تھا جس کا پیمانہ آپ کے پاس محفوظ ہے اُس پیمانہ کی برابر سایہ چھوڑ کر بقیہ سایہ کو دیکھئے خود اُس سایہ دار لکڑی کی برابر ہو گیا یا نہیں۔ اگر نہ ہوا ہو پھر تھوڑی دیر میں دیکھئے جب برابر ہو جاوے یہ عصر کا اول وقت ہے امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک۔ اور جب اُس پیمانہ کے برابر سایہ چھوڑ کر اس سایہ دار لکڑی سے دو گنا سایہ ہو جاوے وہ اول وقت عصر کا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ اور آپ کو گنجائش ہے۔ خواہ امام شافعی کے وقت میں عصر پڑھ لیں۔ خواہ امام ابو حنیفہ کے وقت میں جس وقت فرصت اور موقع ملے۔ اور ان اوقات مذکورہ میں اپنی لکڑی میں وقت دیکھتے رہیئے پھر اُسی کے مطابق لکڑی دیکھ کر نمازیں ادا کرتے رہیئے۔ پھر ایک پہینے کے بعد اسی طرح سایہ دیکھ لیا جاوے کچھ تفاوت ہو جاوے گا۔ اُس کو بقید ماہ شمسی ضبط کرتے رہیئے۔ آپ کے پاس ایک مفید اور کارآمد جہتزی ہو جاوے گی۔ یہ عصر کے وقت کی شناخت اور ضبط کا طریقہ ہے۔

(اتتمہ خاصہ صفحہ ۴۱۹)

طریق معرفت وقت مغرب سوال (۱۵۳) جب بادل نہوں تو سورج غروب ہونے کے بعد بہت تھوڑی دیر تک ایک صاف روشنی یعنی (اُجالا) رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے۔ سُنا ہے کہ گرمیوں میں تو یہاں سورج غروب ہونے کے بعد گھنٹوں تک ایسا اُجالا رہتا ہے جیسے دن ہو تو آیا اُس حالت میں مغرب کی نماز کا وقت اس حد تک رہے گا جب تک دھندلے کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ یا سورج غروب ہونے کے بعد کسی حد معین تک وقت شمار کیا جائے گا۔ اور عشاء کا وقت کس لحاظ سے شمار ہو گا۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد گھنٹوں کے خیال سے یا اُجالے کے زائل ہونے کے بعد۔

الجواب۔ اول یہ سمجھئے کہ غروب آفتاب اور ابتداء وقت عشاء میں امتنا فصل ہوتا ہے جتنا طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب میں۔ اب میں صبح صادق

کا قاعدہ بتلاتا ہوں۔ اس کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ قاعدہ اکثر یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ۲۶ رشب کو طلوع قمر کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۲ رشب کو غروب کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ ان دو شبوں میں سے جس شب میں دل چاہے صبح صادق کا وقت دیکھ کر گھڑی سے طلوع شمس تک کا فاصلہ دیکھ لیجئے اتنا ہی فاصلہ اُس روز غروب شمس اور ابتداء وقت عشاء میں ہو گا اُس کو بھی ہر مہینہ دیکھ کر ضبط کر لیجئے۔ اور اس قاعدہ سے جو اوقات منضبط ہوں اُن میں تھوڑی سی احتیاط کر لیجئے۔ یعنی عصر بھی اور عشاء بھی عین اول وقت سے دس پندرہ منٹ بعد میں پڑھ لیا کیجئے اور روزہ میں اس قدر پہلے سحری چھوڑ دیجئے۔ اور بارہویں اور چھبیسویں شب سے مراد وہ ہے جس کی صبح کو بارہویں اور چھبیسویں تاریخ ہوتی ہے۔ میں نے بہت آسان کر کے لکھ دیا ہے۔ پھر بھی ذرا غور سے پڑھ لیجئے۔ (تمتہ خامسہ صفحہ ۴۲۰)

سوال (۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ نماز یا ضبط اور گھڑی وغیرہ میں کہ مساجد میں نماز کے واسطے وقت کا مقرر کرنا اور اُس وقت مقررہ پر نماز کے پڑھنا یا پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد الحر فابردوا بالصَّلوة رواہ البخاری وعن رافع بن خدیج قال کنا نصلی العصر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم تنحرج الحزور فتقسم عشر قسم ثم تطبخ فنا کل لحمنا نضیجاً قبل مغیب الشمس متفق علیہ وعن رافع بن خدیج قال کنا نصلی المغرب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینصرف احدنا وانہ لیبصر مواقع نبیلہ متفق علیہ وعن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال انا علم بوقت هذه الصلوة العشاء الاخرة کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیہا بالسقوط القمر ثلثة رواہ ابوداؤد والدارمی وعن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر رواہ الترمذی وعن ابی سعید قال صلینا مع رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث و فیہ قال صلی اللہ علیہ وسلم  
 سلمو لولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لا أخرت  
 هذه الصلوٰۃ رواہ ابو داؤد والنسائی وعن ام سلمۃ قالت  
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلا للظہر  
 منکم وانتم اشد تعجیلا للعصر منه رواہ احمد والترمذی  
 وعن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الحار برد  
 بالصلوٰۃ و اذا کان البارد عجل رواہ النسائی وعن ابن مسعود قال  
 کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر فی لصیف  
 ثلثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام و فی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ  
 اقدام رواہ ابو داؤد والنسائی۔ ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔  
 اول باوجود وسیع ہونے اوقات صلوٰۃ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول  
 اکثر اوقات معینہ پر نماز پڑھنے کا تھا اور اُس کے خلاف کسی عارض سے ہوتا تھا۔ دوم  
 مدار تعین فضل وقت اور مقتدیوں کے حال کی رعایت تھا۔ سوم صحابہ میں بھی اسی  
 طرح تعین معمول یہ تھی پس اب جو مساجد میں تعین ہوتی ہو اُس کا محصل یہی ہو  
 جو روایات مذکورہ سے مستفاد ہوا۔ رہا گھنٹہ گھڑی یعنی انضباط اوقات سے کام لینا  
 سو وہ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اوقات مخصوصہ ہیں اور وہ محض شناخت اوقات  
 کا ایک آلہ ہے جو سہولت کے لئے معتبر سمجھا جاتا ہو جیسا کہ بعض اوقات تحری قلب کے  
 معیار قرار دیتے ہیں اصل میں گھنٹہ گھڑی تحری قلب میں معین و معاون ہو۔ پس یہ  
 طریقت متعارف بلا تکلف و بلا تردد جائز بلکہ مستحسن و موافق سنت ہو۔ واللہ تعالیٰ

علم و علما اتم۔ ۲۹ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۷۰ جلد ۱)

|                                                            |                  |
|------------------------------------------------------------|------------------|
| سوال (۱۵۵) آجکل بعض مساجد میں گھڑی گھنٹے کی ایسی           | حکم التزام اوقات |
| پابندی کی جاتی ہو کہ جہاں وقت مقرر کردہ ہوا اگر نمازی وضوء | صلوٰۃ بر گھڑی    |

کر رہے ہوں نماز شروع کر دی جاتی ہو اور ان کا انتظار نہیں کیا جاتا اور اگر دو نمازی بھی  
 آجاتے ہیں تو وقت مقررہ ہوتے ہی امام کو گھڑا کر دیتے ہیں بغیر اور نمازیوں کے آیا ایسی  
 پابندی التزام مالا یلزم میں داخل ہو یا نہیں اور دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے یا

نہیں کیونکہ احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازی اگر کچھ سویرے آجاتے تھے تو نماز بھی سویرے ہو جاتی تھی اور اگر دیر میں آتے تو دیر سے۔ **الجواب**۔ یہ انتظام بمصلحت سہولت نمازیوں کے ہے اور غیر ممنوع ہے۔ انتظام ممنوع وہ ہے جو دین بکسرال یا دین بفتح دال کے طور پر ہو۔ اور حدیث کا محمل وہ موقع ہے جہاں عدم انتظام میں حرج نہ ہو فقط ۲۳ رجادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (حوادث البحر ص ۷۲)

**سوال (۱۵۶)** (الف) گھڑی کے اعتبار پر اذان ہونی چاہیے یا علامات سماویہ پر۔ سائل بالا۔  
**الجواب**۔ اصل تو علامات سماویہ ہی ہیں لیکن اگر گھڑی کا تقابلی اُس کے ساتھ متیقن یا مظنون ہو تو گھڑی پر عمل بھی جائز ہے۔ کتب اللسعی، ۴ رجادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (النور شعبان ۱۳۲۹ھ)  
**سوال (۱۵۶)** (ب) دیکھا جاتا ہے کہ شناخت اوقات نماز کیلئے آجکل گھڑی کا رکھنا شناخت اوقات نماز گھڑی کے ذریعہ لوگوں نے لازمی کر لیا ہے۔ گھڑی رکھنا کیسا۔ اور حکمات شرعی میں گھڑی کا رکھنا کس حکم میں داخل ہے۔ **الجواب**۔ فی نفسہ مباح اور معین طاعت بننے کی نیت سے موجب اجر بشرطیکہ اور کوئی امر مانع نہ ہو جیسے کیس کا چاندی یا سونے کا ہونا۔

**سوال (۱۵۷)** طلوع آفتاب سے کتنے منٹ کے بعد جواز صلوٰۃ بعد الطلوع و قبل الغروب بعد وقت کردہ نکل جاتا ہے اور نماز اشراق جائز ہو جاتی ہے۔ غروب سے کتنے منٹ پہلے کراہت شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں کے عوام کے لئے تعداد منٹ معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔

**الجواب**۔ فی الدر المختار و کراہۃ تحریمًا الی قولہ مع شروق فی رد المحتار و ما دامت العین لا تماری ما فی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انہ الاصح کما فی البحر (ح) اقول ینبغی تصحیح ما نقلوہ عن الاصل للامام محمد من انہ ما لم ترتفع الشمس قدر رُح فہی فی حکم الطلوع لان اصحاب ملتون مشوا علیہ فی صلوٰۃ العید الخ ج ۱ صفحہ ۸۴ و فیہ قدر رُح ہوا اثنا عشر شبراً ج ۱ صفحہ ۸۷-۸۸ اس سے دو قول ثابت ہوئے اول ایسے ثانی احوط ہے۔

۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۸۵)

**سوال (۱۵۸)** تبخیر اولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے۔ یعنی

تبکیر اولیٰ میں شریک نہیں ہوا بلکہ فاتحہ یا ختم سورہ قبل رکوع کے شریک ہوا تو ثواب تبکیر اولیٰ کا ملے گا یا نہیں۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں۔ ایک تو مقارنت تبکیر امام کے یعنی دونوں ساتھ کہیں۔ دوسرے قبل فراغ ثناء امام کے تیسرے اگر مقتدی موجود تھا تو تین آیت پڑھنے سے پہلے اور اگر بعد میں آیا تو سات آیت پڑھنے سے پہلے چوتھے الحمد ختم کرنے سے پہلے پانچویں پہلی رکعت میں شریک ہو جانے سے پہلے و تظہر فاعداۃ الخلاف فی وقت ادراک فضیلتہ تکبیرۃ الافتتاح فعندہ بالمقارنۃ وعندہما اذ اکبر فی وقت الثناء وقیل بالشرع قبل قراءۃ ثلاث آیات لو کان المقتدی حاضرا وقیل سبع لو غابا وقیل بادر الکرکعت الاولیٰ و هذا اوسع وهو الصحیح الا وقیل بادر الکرکعت الفاتحتہ وهو المختار خلاصہ ۱۲ شافی واللہ اعلم۔ (امداد صفحہ ۲۱ جلد ۱)

سوال (۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں حکم تاخیر کردن در نماز مغرب بامہ رمضان کہ یہاں پر مسجد میں روزہ افطاری کے لئے کھانا لایا جاتا ہے اور لوگ صحن میں اور برآمدہ میں افطاری کے لئے بیٹھتے ہیں۔ مغرب کی اذان کے ساتھ روزہ افطار کر کے کھانے لگتے ہیں جس میں اکثر لوگ تو نیچے بیٹھ کے روزہ افطار کرتے ہیں اور کتنے حضرات چھت پر روزہ افطار کرتے ہیں اذان ہونے کے بعد دس منٹ کا وقفہ کر کے جماعت نماز کے لئے کھڑی ہوتی ہے جس میں ہر مصلیٰ اطمینان سے افطاری سے فالغ ہو کر جماعت میں شامل ہو جاتا ہے مگر چھت والے حضرات جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور بیٹھے کھاتے پیتے ہیں۔ بیڑی پیتے ہیں۔ پان کھاتے ہیں۔ جب نیچے جماعت تمام ہوتی ہے تب یہ حضرات چھت پر دوسری جماعت کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چھت والے حضرات کا جماعت اولیٰ میں شامل نہ ہونا اور دیر تک کھاتے رہنا اور پھر دوسری جماعت کرنا یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جائز ہے تو ایسا کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب** فی الدر المختار کتاب الصلوة و (یستحب) تعجیل مغرب مطلقاً و تاخیراً قدر رکعتین یکره تنزیہاً فی رد المحتار تحت هذا القول ان ما فی القنیة من استثناء التأخیر القلیل محمول ہی ما دون الس رکعتین و ان الس اشد علی القلیل الی اشتباک النجوم مکروه تنزیہاً و ما بعدہ تحریماً الا بعذر قال فی شرح الملیة و الذی اقتضته الاخبار کراهة التأخیر الی ظهور النجوم و ما قبلہ مسکوت عنه فهو علی الاباحة و ان کان المستحب التعجیل اھ و نحوه ما قد مناه عن الحلیة ج ۱ ص ۳۸۵ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تاخیر مغرب کے تین درجہ ہیں۔ ایک درجہ تو دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ دوسرا درجہ بقدر دو رکعت کے یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک یہ در مختار کی روایت پر مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق پر مباح مگر خلاف مستحب اور تیسرا درجہ جسمیں نجوم ظاہر ہو جاویں یہ مکروہ تحریمی ہے تو دشمنٹ سے زائد تاخیر کرنا امر مکروہ بھی نہیں جیسا کہ بعض روایات کا مقتضی ہے تاہم ترک مستحب تو ضرور ہے اور ترک مستحب پر بلا ضرورت دوام کرنا ایسا فعل ہے کہ بعض فقہاء نے اس پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے چنانچہ رد المحتار کی عبارت مذکورہ کے بعد ہی یہ عبارت ہے۔ انہ الی ما قبل ذلک مکروہ تنزیہاً لئلا المستحب هو التعجیل اور یہ ترک مستحب بلکہ اس وقت رہے گا جب جماعت تاخیر کرے اور اگر جماعت وقت مستحب میں کھڑی ہو جائے تو مختلف عن الجماعت بلا عذر قوی قریب حرام کے ہے اور اس قدر اشتغال اکل و شرب اور اس کے توابع میں اعذار ترک جماعت سے نہیں پس ان لوگوں کا یہ فعل یقیناً شرعاً ناجائز ہے۔ ۹/ شوال ۱۳۷۷ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۹۵)

## باب الاذان والایات

حکم حاضر شدن نمازیان | سوال (۱۶۰) توقیر آواز اذان چہ قدر دست مصلیان خند  
بر جس نذر اذان | بمقابلہ جس سرکاری ہیج توقیر اذان کہ نقارہ حاکم حقیقی ست

نمی کنند تا جرس سرکاری که مقرر شده است آواز ندہد مسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چه حکم مابین ست مشرح مطلع فرمایند و اجر توقیر کردن و تادیب غیر توقیر کردن چه قدر است بنیوا توجروا۔

الجواب۔ بر جرس آمدن و بلا اذان نیامدن اگر بنا بر توقیر جرس و عدم توقیر اذان بودے ہر آئینہ امرے بس قبیح و شنیع بود لیکن جائے چنین دیدہ و شنیدہ نشد بلکہ در اصل مدار نماز بروقت است و از جملہ معرفات وقت جرس ہم است چون معرفات و آلات دیگر مثل مقیاس کہ در دائرہ ہند یہ منتصب می باشد و فقہاء نیز اعتبارش کرده اند پس ہر کہ بر جرس می آید نہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس است بلکہ بایں حیثیت کہ آواز معرفات وقت است و بر مسلمانان بدگمانی کردن خود بے توقیری اسلام است کہ از بے توقیری اذان اشداست۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علما اتم۔

۹ ر شوال ۱۳۳۳ھ (امداد صفحہ ۶۶ جلد ۱) (حوادث صفحہ ۶۹ جلد ۲)

حکم رفع بدن در دعائے اذان | سوال (۱۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر بعد اذان کے کیسا ہے۔

الجواب۔ بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعائیں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ فعلیہ مرفوعہ و موقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔ من غیر تخصیص بدعاء دون دعاء پس دعائے اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا لا طلاق الدلائل وعن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفعی یدیه فی الدعاء حتی یری بیاض البطیخ وعن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا رفع یدیه فمسح وجہہ بیدیه وواھا الیہقی وعن عکرمۃ عن ابن عباس قال المسئلۃ ان ترفع یدیک حد و منکبیک او یہ مطلب نہیں کہ افضل ہوگا بلکہ یہ مطلب ہو کہ سنت کے خلاف نہ ہوگا باقی ظاہراً افضل عدم رفع معلوم ہوتا ہو لعدم النقل ۱۲ منہ (یہ بیان اس کے معارض ہو جو کہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کے الامداد میں بسلسلہ ترجیح الراجح بحوالہ سوال متعلق بدعاء بعد صلوٰۃ العیدین لکھا گیا ہو غور کر لیا جاوے) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط صفحہ ۷۱ سے کیا گیا۔

مخوفا الحدیث رواہ ابو داؤد کلمہا فی المشکوٰۃ کتاب الدعوات و  
و ۶۱۶ احادیث متکاثرۃ متوافرۃ فی هذا الباب یغضی ذکرہا  
الی الاطناب - ۲۷ رذی الحج ۱۳۰۴ھ (امداد صفحہ ۹۸ جلد ۱)

سوال (۱۶۲) حشر نے امداد الفتاویٰ جلد اول مطبوعہ ۱۳۰۹ء کے منہ میں لکھا ہے کہ  
اذان کے بعد دعا کے وقت عدم رفع ید بفضل ہو حالانکہ کسی حدیث سے عدم رفع ید بوقت  
دعائے اذان ثابت نہیں ہو نہ قولاً نہ فعلاً اور اگر یہ کہا جائے کہ اذان کی دعا والی حدیث  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہو تو اس کا جواب یہ ہو کہ  
اس حدیث میں اظہار دعائے مستونہ و فضیلت دعاء بتانا مقصود ہو نہ کیفیت جیسا کہ ترجمہ لیا  
اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہو۔ اور کیفیت دعا میں متقل حدیثیں موجود ہیں جس سے معلوم  
ہوتا ہو کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بطریق شریع مستحب فضل ہو۔ چنانچہ ابن ماجہ صفحہ ۸۷ باب  
من کان لا یرفع ید یدہ فی القنوت میں ہو عن ابن عباس قال قال رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعوت اللہ فادع بباطن کیفک ولا تدع  
بظہورہما فاذا فرغمت فاصبر بہما وجھک بس جبکہ قولی مطلق سے مطلق  
رفع ید کی فضیلت ثابت ہو تو اگر کسی حدیث فعلی سے عدم رفع ید عند الاذان کی فضیلت  
ٹھہرائی جائے تو اصول فقہ کے دو قاعدوں سے خلاف لازم آئے گا۔ پہلا قاعدہ تو یہ  
ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی جہت معلوم ہو اس فعل میں اُسی جہت  
کے ساتھ اقتداء کی جائے اور جس کی جہت نہ معلوم ہو اس کو اباحت پر محمول کریں گے  
اور یہ ظاہر ہو کہ عدم رفع ید کی جہت غیر معلوم ہو لہذا حدیث فعلی سے عدم رفع ید کا  
مستحب و فضیل ہونا ثابت ہوا۔ پہلے قاعدہ کی عبارت نہیں نکل سکی اسلئے اُس کو نقل نہیں  
کرتے اور دوسرے قاعدہ کی یہ عبارت ہو۔ فی نور الانوار صفحہ ۲۱۳ مبحث  
افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمصنف ترک هذا کلمہ و بین  
ما هو المختار عندنا فقال والصحيح عندنا ان علمنا من افعال صلوة  
واقعاء على جهة من الوجوب او الندب او الاباحة تقتدي به في  
القيام على تلك الجهة حتى يقوم دليل الخصوص فما كان  
واجبا عليه يكون واجبا علينا وما كان مندوبا عليه يكون

مندوباً علینا و ما کان مباحاً علیہ، یكون مباحاً لنا و ما لم نعلمو علی  
آیتہ جہتہ فعلہ قلنا فعلہ علی ادنی منازل افعالہ و هو الاباحتہ۔  
اب اس صورت میں عدم رفع ید کو افضل سمجھا جائے یا رفع ید کو امید ہے کہ جواب  
سے خاکسار کے شک کو رفع فرمائیں گے۔

الجواب۔ مجھ کو تنبیہ روایات کی فرصت نہیں اس لئے درایت سے جو سمجھا ہوں  
اس کو نقل کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی محقق سے تنقید کرا لی جاوے اگر کسی دلیل سے اس  
کا خطا ہونا معلوم ہو مجھ کو بھی اطلاع کر دی جاوے میں یہ سمجھا ہوں کہ دعائیں دُر  
قسم کی ہیں ایک وقتی حاجت مانگنا بدوں تو طیف الفاظ کے احادیث رفع یدین اس  
کے متعلق ہیں دوسری ادعیہ موظفہ خواہ جوامع ہوں خواہ موقت ہوں احادیث رفع  
اس کے متعلق نہیں الاما و رد فیہ بالخصوص اول میں رفع ید افضل ہے اور عدم رفع  
مباح دوسری میں عدم رفع افضل ہے اور رفع مباح اور ہر دعائیں رفع کو افضل کہنا  
بہت مستبعد ہے بعض میں تو نفی رفع کی قریب قریب مصرح ہے مثلاً منکوحہ کی اول خلوت  
میں یا اشتراؤ رقیق یا وابہ میں وارد ہے۔ فلما اخذ بنا صیبتہا ولیقل اللہ صرا فی  
اساً لک الخ اخذنا صیبتہا ظاہر ہے کہ رفع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا یا مثلاً جماع  
کے وقت اللہم جنبنا الشیطان الخ اس وقت رفع ید کیسے ہو گا یا مثلاً انزال کی وقت اللہم کاحل الشیطان  
الخ۔ علی ہذا واللہ اعلم۔ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ (النور ص ۷۹ شعبان ۱۳۸۷ھ)

مواقع شریعت اذان | سوال (۱۶۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کون کون مقام  
وواقعات آندھی وغیرہ میں اذان سنت ہے اور کہاں کہاں بدعت ہے۔

الجواب۔ ان مواقع میں اذان سنت ہے۔ فرض نماز۔ پچھلے کے کان میں نیت  
ولادت۔ آگ۔ لگنے کے وقت۔ جنگ کفار کے وقت۔ مشافرت کے پیچھے۔ جب یا طین  
ظاہر ہو کر ڈرائیں۔ غم کے وقت۔ غضب کے وقت۔ جب مسافر راہ بھول جائے۔  
جب کسی مرگی آوے۔ جب کسی آدمی یا جانور کی بد خلقی ظاہر ہو اس کو صاحب المختار  
نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض و خون غرق  
کے بھی دیکھا ہے لیکن کوئی روایت نہیں دیکھی اور آندھی کے وقت تو ان دیکھی

۵ اس لئے نہ چاہئے بالخصوص جبکہ عوام کا اعتقاد اس میں حد فساد تک پہنچا ہوا ہے ۱۲ منہ

سُنی نہیں گئی البتہ فقہار نے نماز اُس وقت لکھی ہے اور دیگر اوقات میں بھی لکھی ہے۔ کہ وقت اور خوف۔ آندھی۔ تاریکی۔ دن کو۔ روشنی شدید رات کو خوف غنیم۔ زلزلہ۔ بجلی۔ برف۔ بارش جو تھمتی نہ ہو۔ عموم امراض۔ استسقاء اس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے اور تعمیم کی ہے کہ جو آیات اللہ موجب تخولیف ہوں اُس وقت نماز پڑھنا چاہیئے ویویدہ قولہ علیہ السلام اِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ هَذِهِ الْاَفْزَاعِ شَيْئًا فَادْعُوا لِي الصَّلَاةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (امداد صفحہ ۹۸ جلد ۱)

حکم التفات وقت گفتن حتی علی الصلوٰۃ حتی علی الفلاح | سوال (۱۶۴) اذان میں حتی علی وادان واقامت ودر اذان مولود  
یمین و شمال کرتے ہیں تو اقامت میں یا جو بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں اُن میں بھی منہ پھیرنا چاہیئے یا نہیں۔

الجواب۔ التفات یمین و یسار جیسا اذان میں منون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں ویلتفت فیہ و کذا فیہا مطلقاً و قبل ان الملح متسعاً یمیناً و یساراً فقط فلا یستدبر القبلة بصلاة و فلاح ولو وحده او لمولود لانہ سنة الاذان مطلقاً در مختار با شاہی ج ۱ ص ۲۵۹۔  
مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ (امداد صفحہ ۱۰۵ جلد ۱)

کراہت بیع اذان اول | سوال (۱۶۵) جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے جمعہ وقت تعدد اذان | اُس وقت تو بیع و فروخت منع ہے آیا کل شہر پر حکم یکساں ہے یا مختلف کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے کسی میں بعد کو ہر محلہ کی مسجد کے موافق حکم علیحدہ علیحدہ ہے یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے۔

الجواب۔ جو بیع محل سعی ہو وقت اذان اول جمعہ کے کردہ ہے اور اگر چند جا اذان کہی جاوے تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہو جائے۔ اگرچہ اس کی روایت صحیحہ احقر نے نہیں دیکھی لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔ اس قیاس پر جو بیع سعی و کراہت بیع بھی اذان اول پر چاہیئے خواہ مسجد محلہ میں ہو یا غیر میں و لو تکرر اجاب الاول در مختار قد لہ اجاب الاول سواء کان مؤذن مسجدک او غیرہ شاہی ج ۱ ص ۳۶۶۔ اور اس حکم میں سب اہل شہر یکساں ہیں البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں وہ



مستثنیٰ ہیں اُن کو بیع جائز ہے۔ ذکر البیع عند الاذان الاقل وقد خص منه من لاجعته علیہ در مختار با شامی ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۳ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ

(امداد صفحہ ۱۰۶-ج ۱)

اذان کے جواب دینے | سوال (۱۶۶) اذان جس وقت ہو اور کسی جگہ دس پانچ آدمی  
کا حکم سب پر ہے | بیٹھے ہوں تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہو گا

یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں لعدم دلیل علیہ (تمہ اولیٰ صفحہ ۳۴ ج ۱)

اذان کے جواب کا | سوال (۱۶۷) جو آدمی مسجد میں ہوں اُن پر جواب اذان کا واجب  
استحباب | ہے یا مستحب۔

الجواب۔ مستحب ہو۔ فی الدر المختار ولو بمسجد لا لانه اجاب  
بالحضور الخ ورجح الاستحباب فی رد المحتار۔ (تمہ اولیٰ صفحہ ۳۴ جلد ۱)

حکم اجابت اذان بوقت | سوال (۱۶۸) چند روز ہوئے ایک عریفہ خدمت شریف  
شہید ن اذان چند بار | میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل  
معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔ سوال ایک وقت میں اذان کا جواب ایک  
ہی دفعہ دینا واجب ہو یا جتنی دفعہ اُٹنی ہی دفعہ واجب (جواب) خود واجب  
ہونے کی کیا دلیل۔ اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بھارت و طاقت نہیں جو حضور  
کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے بعد ملاحظہ  
سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمائیے جس سے تشفی کامل ہو جاوے۔ عبارت  
بہشتی گوہر حسب ذیل ہے۔ بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ اذان و اقامت کی احکام  
صفحہ ۲۴ میں مسئلہ جو شخص اذان سُننے مرد ہو یا عورت ظاہر ہو یا جنس اس پر  
اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

الجواب۔ اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقیم ہے یا باللسان بہشتی گوہر  
کافقوی قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے راجح قول اول ہے (شامی) اور اس  
صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔ پھر اگر کئی اذانیں سُننے تو در مختار میں  
صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی

کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ مکافصلہ تحت قول الدار المختار ولو تكرر  
اجاب الاول جلد ۱ ص ۱۰۰ ر بیع الثاني ۳۲۶ (تمہ خامسہ صفحہ ۲۵۸)

سَامِعِينَ اِذَا نَاطِقًا بِسَلَامٍ | سَوَال (۱۶۹) سَامِعِينَ اِذَا نَاطِقًا بِسَلَامٍ وَهُوَ جَوَابُ اِذَا نَاطِقًا بِسَلَامٍ دَعَا  
كَاجَوَابٍ وَاجِبٍ نَهِيٍّ | رَهْتِ هُوَ يَاسْكُوتِ مِثْلُ هُوَ كَسِيٍّ اَنْتَدَهْ شَخْصٍ كَسَلَامٍ  
كَاجَوَابٍ دِينَا وَاجِبٍ هِيَ يَافِيٍّ اَوْ كَسِيٍّ شَخْصٍ كَوَالِيٍّ سَوَاقٍ بِسَلَامٍ كَرَاچِلِيٍّ يَافِيٍّ  
اَلْجَوَابُ - اِيْسِيٍّ دَقْتِ مِثْلُ سَلَامٍ نَهْجَا هِيَ اَوْ اَكْرَمَ سَلَامٍ كَبَا هُوَ تَوَجُّوْا اِذَا نَاطِقًا بِسَلَامٍ  
دَعَا رَهْتِ هُوَ اَسْ بِرَتَوَاسَلَامٍ كَاجَوَابٍ دِينَا وَاجِبٍ نَهِيٍّ اَوْ جَوَاسَاكْتِ هُوَ ظَاهِرِيٍّ هُوَ  
كَرَاسٍ بِرَبِيٍّ وَاجِبٍ نَهِيٍّ - لَانِ سَمَاعِ الذِّكْرِ كَالذِّكْرِ كَمَا فِي الدَّرَالْمُتَّحِدَةِ  
مَصْلُ دَتَالِ ذَاكِرِهِ مَحْدَثِ خَطِيْبٍ وَمِنْ يَصْفِيٍّ اِلَيْهِ هُوَ لِيَسْمَعَ  
فَقَطْ (رَتَمْنَا لِيْ صَدَقَاتِ)

مسجد کی بائیں جانب اذان | سوال (۱۷۰) علی العموم یہ جو رواج ہے کہ منبر جس پر حجبہ کا  
 دینے کا رواج کیسا ہے | خطبہ پڑھا جاتا ہے وہ مسجد میں داہنی جانب بنایا جاتا ہے  
 اس کا ثبوت احادیث سے ہے یا محض رواج ہے اگر بائیں جانب منبر بنا کر خطبہ پڑھا  
 جاوے تو درست ہے یا نہیں اور اذان کی نسبت کیا حکم ہے اس کا رواج نچوٹہ  
 مسجد کے بائیں جانب پڑھنے کا ہے اس کا ثبوت احادیث سے کیا ہے۔

الجواب - کوئی اصل یاد نہیں۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۴۱)

سوال (۱۷۱) اگر کوئی مؤذن یا امام بلا کسی طبع کے کئی مسجدوں میں ایک وقت کی اذان کہے تو کیسا ہے۔

الجواب - في الدار المختار باب الاذان يكره له ان يؤذن في مسجد  
في رد المختار لانه اذا صلى في المسجد الاول يكون متغلبا بالاذان  
في المسجد الثاني والتغلب في الاذان غير مشروع ولان الاذان  
للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة فلا ينبغي ان يدعو  
الناس الى المكتوبة وهو لا يساعدها فيها اذ بد العجز اهـ  
٢٤ محرم ١٣٣٥ هـ رتمة ثالثة مثله

۱۷  
۱۸  
۱۹  
۲۰  
۲۱  
۲۲  
۲۳  
۲۴  
۲۵  
۲۶  
۲۷  
۲۸  
۲۹  
۳۰  
۳۱  
۳۲  
۳۳  
۳۴  
۳۵  
۳۶  
۳۷  
۳۸  
۳۹  
۴۰  
۴۱  
۴۲  
۴۳  
۴۴  
۴۵  
۴۶  
۴۷  
۴۸  
۴۹  
۵۰  
۵۱  
۵۲  
۵۳  
۵۴  
۵۵  
۵۶  
۵۷  
۵۸  
۵۹  
۶۰  
۶۱  
۶۲  
۶۳  
۶۴  
۶۵  
۶۶  
۶۷  
۶۸  
۶۹  
۷۰  
۷۱  
۷۲  
۷۳  
۷۴  
۷۵  
۷۶  
۷۷  
۷۸  
۷۹  
۸۰  
۸۱  
۸۲  
۸۳  
۸۴  
۸۵  
۸۶  
۸۷  
۸۸  
۸۹  
۹۰  
۹۱  
۹۲  
۹۳  
۹۴  
۹۵  
۹۶  
۹۷  
۹۸  
۹۹  
۱۰۰

7.

سنا ہے کہ نور دوسے جو کہ قطب شمالی کے قریب ہے ایک ملک ہے یہاں پر جاڑوں کے موسم میں اور گرمیوں کے موسم میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ دو مہینے تک دن ہی دن رہتا ہے اور دو مہینے تک رات ہی رات۔ تو اس صورت میں حضرت نماز کیسے پڑھنا چاہیے۔

الجواب (من الاحقص) کیا ان دو مہینوں میں غروب ہی نہیں ہوتا یا طلوع ہی نہیں ہوتا یا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے اس کے جواب میں ذیل کا خط آیا

دوسرے سوال کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو مہینے تک تو غروب ہی نہیں ہوتا برابر دن رہتا ہے اور سال بھر میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں یہ مجھے یہاں پر آکر معلوم ہوا ہے۔ میرے پاس یہاں پر کوئی بڑا جغرافیہ نہیں تاکہ میں فوراً اس کو پڑھ کر معلوم کر لیتا۔ یہاں پر اکثر لوگ مذہب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو خیال ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ایسے ملک میں جہاں پر سورج نکلتا ہی نہیں یا نکلتا تو ہے غروب ہی نہیں ہوتا تو پھر کیسے نماز پڑھو گے تو میرے پاس اس کا کوئی نصیحت بخش جواب نہ ہوگا۔ سا نکل بالا۔

الجواب (من المولوی عبد الکریم) جس موسم میں دن یا رات بہت ہی بڑی ہو جاوے اُس وقت یہ حکم ہے کہ اُس علاقہ سے قریب ترین علاقہ (جس میں معمولی طور پر غروب ہوتا ہو) اُس کے اوقات معلوم کئے جا دیں اور نماز روزہ سب اُسی حساب سے رکھیں۔ مورخہ ۹ رجمادی الآخر ۱۳۵۷ھ

اس کا حاصل (من الاحقص) یہ ہے کہ جس مقام میں دو مہینے کی رات اور دو مہینے کا دن ہوتا ہے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے اطراف کے مقامات میں جو مقامات ایسے ہیں کہ ان ہی دلوں میں وہاں مجموعہ رات دن کا چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے ان مقامات میں کونسا مقام بہ نسبت دوسرے مقامات کے اس مقام مذکورہ بالا طویل النہار و طویل اللیل کے نسبت قریب تر ہے اس معمولی طلوع و غروب والے مقام کے حساب سے اس طویل النہار و اللیل کے حساب ہو گا یعنی معمولی مقام میں نماز فجر کے جتنے گھنٹے بعد ظہر کی نماز ہوتی ہے اتنے ہی گھنٹوں بعد اس طویل النہار

واللیل مقام میں ظہر پڑھیں گے اسی طرح اور نمازیں بھی اسی حساب سے اُس طویل رات یا طویل دن میں دوہینے کی نمازیں گھنٹوں کے حساب سے پڑھیں گے جس طرح وہاں کے باشندے اپنے اور محاطات نوکری چاکری مزدوری میں اسی قسم کا حساب کرتے ہوں گے یعنی اُس طویل دن میں مزدور لوگ ایک دن کی مزدوری نہ لیتے ہوں گے بلکہ دو ماہ کی لیتے ہوں گے اسی طرح اُس طویل شب میں کارخانہ والے لوگ نوکروں کو تعطیل دینے میں ایک شب شمار نہ کرتے ہوں گے بس ایسے ہی حساب نمازوں کا سمجھ لیا جاوے اسی طرح روزہ و افطار گھنٹوں کے حساب سے ہوگا اور یہ قول ہے بعض علماء کا۔ اور میرے نزدیک اس میں سخت دشواری ہے اس لئے دوسرے بعض علماء کے قول کو ترجیح دیتا ہوں یعنی جس موسم میں جتنا بڑا دن اور رات ہو اس دن رات کے مجموعہ میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں یعنی صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان فجر کی نماز پھر دن ڈھلے ظہر و علیٰ ہذا بقیہ نمازیں۔ اور روزہ ایسے طویل دن میں اداء فرض نہیں بلکہ معمولی دنوں میں قضا رکھا جاوے گا۔

نصف جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ

**نوٹ نمبر (۱) :-** آئندہ کی اعانت فی الجواب کے لئے مسائل سے حسب ذیل تنقیحات کی گئیں جواب کا انتظار ہے۔ (۱) وہاں کے باشندے اپنے حسابات و محاطات میں ایسے لیل و نہار شمار کرتے ہیں یا دوہینے کے لیل نہا (۲) اگر متعدد لیل و نہار شمار کرتے ہیں تو اُس کا معیار کیا ہے جس سے منضبط کیا جاتا ہے اور جس کی بناء پر تاریکی کے بعض حصص کو نہار اور روشنی کے بعض حصص کو لیل قرار دیا جاتا ہے (۳) اسی کی فرع یہ ہے کہ وہاں ایک سال بارہ مہینہ کا سمجھا جاتا ہے یا کم کا اسی طرح ہر مہینہ ۲۹-۳۰-۳۱ کا شمار ہوتا ہے یا بعض مہینہ کم کا۔

**نوٹ نمبر (۲) :-** جواب ہذا کے متعلق ایک نقشہ وہاں کے طلوع و غروب کا ایک ماہرفن سے مرتب کر اگر ملحق کر دیا گیا۔

(اللہ و جلی)

طلوع وغروب شفق صبح صادق عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ  
 طول بلد ۴۷ درجہ ۲۳ دقیقہ مشرق-رین فیرو واقع اسکاٹ لینڈ  
 (از محمد مظہر تھانوی مقیم بہوپال)  
 بحساب وقت ریلوے برطانیہ اعظم (اسٹینڈرڈ ٹائم)

|          | صبح صادق |     | طلوع  |     | غروب  |     | شفق   |     |  |
|----------|----------|-----|-------|-----|-------|-----|-------|-----|--|
|          | گھنٹہ    | منٹ | گھنٹہ | منٹ | گھنٹہ | منٹ | گھنٹہ | منٹ |  |
| جنوری ۱  | ۴        | ۲۸  | ۸     | ۵۰  | ۱۵    | ۵۶  | ۱۸    | ۱۷  |  |
| ۱۱       | ۴        | ۲۶  | ۸     | ۵۲  | ۱۶    | ۱۰  | ۱۸    | ۲۸  |  |
| جنوری ۲۱ | ۴        | ۱۹  | ۸     | ۳۳  | ۱۶    | ۲۸  | ۱۸    | ۵۲  |  |
| ۳۱       | ۴        | ۷   | ۸     | ۱۷  | ۱۶    | ۲۹  | ۱۹    | ۰   |  |
| فوری ۱   | ۵        | ۵۰  | ۷     | ۵۷  | ۱۷    | ۱۱  | ۱۹    | ۱۹  |  |
| ۲۰       | ۵        | ۳۰  | ۷     | ۳۲  | ۱۷    | ۳۳  | ۱۹    | ۳۸  |  |
| مارچ ۲   | ۵        | ۲   | ۷     | ۷   | ۱۷    | ۵۵  | ۱۹    | ۵۹  |  |
| ۱۲       | ۴        | ۲۹  | ۷     | ۲۲  | ۱۸    | ۱۶  | ۲۰    | ۲۱  |  |
| ۲۱       | ۴        | ۹   | ۶     | ۱۷  | ۱۸    | ۲۶  | ۲۰    | ۲۶  |  |
| اپریل ۱  | ۳        | ۳۶  | ۵     | ۵۱  | ۱۸    | ۵۶  | ۲۱    | ۱۳  |  |
| ۱۱       | ۳        | ۰   | ۵     | ۲۵  | ۱۹    | ۱۵  | ۲۱    | ۲۵  |  |
| ۲۱       | ۲        | ۱۷  | ۵     | ۰   | ۱۹    | ۳۷  | ۲۲    | ۲۲  |  |
| مئی ۱    | ۱        | ۱۹  | ۴     | ۳۶  | ۱۹    | ۵۰  | ۲۳    | ۲۳  |  |
| ۱۱       |          |     | ۴     | ۱۲  | ۲۰    | ۱۷  |       |     |  |
| ۲۱       |          |     | ۳     | ۵۶  | ۲۰    | ۲۶  |       |     |  |
| ۳۱       |          |     | ۳     | ۴۲  | ۲۰    | ۵۲  |       |     |  |
| جون ۱۰   |          |     | ۲     | ۳۳  | ۲۱    | ۴۷  |       |     |  |

ان دنوں میں  
 تمام رات شفق  
 رہتی ہے  
 "

|          | صبح صادق |     | طلوع  |     | غروب  |     | شفق   |     |
|----------|----------|-----|-------|-----|-------|-----|-------|-----|
|          | گھنٹہ    | منٹ | گھنٹہ | منٹ | گھنٹہ | منٹ | گھنٹہ | منٹ |
| جون ۲۰   |          |     | ۳     | ۳۱  | ۲     | ۱۰  |       |     |
| ۳۰       |          |     | ۳     | ۳۵  | ۲۱    | ۲۶  |       |     |
| جولائی ۱ |          |     | ۳     | ۴۲  | ۳۱    | ۳   |       |     |
| ۲۰       |          |     | ۳     | ۵۹  | ۲۰    | ۵۰  |       |     |
| ۳۰       |          |     | ۲     | ۱۲  | ۲۰    | ۳۳  |       |     |
| اگست ۹   |          |     | ۲     | ۳۵  | ۲۰    | ۱۲  |       |     |
| ۱۹       | ۱        | ۲۲  | ۲     | ۵۵  | ۱۹    | ۲۹  | ۲۲    | ۲۲  |
| ۲۹       | ۲        | ۴۱  | ۲     | ۱۹  | ۱۹    | ۲۵  | ۲۱    | ۵۵  |
| ستمبر ۸  | ۳        | ۱۴  | ۵     | ۳۲  | ۱۸    | ۵۹  | ۲۱    | ۱۶  |
| ۱۸       | ۳        | ۲۲  | ۵     | ۵۴  | ۱۸    | ۳۲  | ۲۰    | ۴۲  |
| ۲۸       | ۴        | ۶   | ۶     | ۱۳  | ۱۸    | ۵   | ۲۰    | ۱۱  |
| اکتوبر ۷ | ۴        | ۲۸  | ۶     | ۳۳  | ۱۸    | ۴۹  | ۱۹    | ۵۳  |
| ۱۸       | ۴        | ۴۹  | ۶     | ۵۴  | ۱۴    | ۱۴  | ۱۹    | ۱۴  |
| ۲۸       | ۵        | ۱۹  | ۷     | ۱۵  | ۱۶    | ۵۰  | ۱۹    | ۱۵  |
| نومبر ۷  | ۵        | ۲۸  | ۷     | ۳۶  | ۱۶    | ۲۹  | ۱۸    | ۳۷  |
| ۱۷       | ۵        | ۴۴  | ۸     | ۵۷  | ۱۶    | ۱۰  | ۱۸    | ۲۲  |
| ۲۷       | ۶        | ۰   | ۸     | ۱۶  | ۱۶    | ۵۶  | ۱۸    | ۱۲  |
| دسمبر ۷  | ۶        | ۱۴  | ۸     | ۲۱  | ۱۵    | ۴۷  | ۱۸    | ۷   |
| ۱۷       | ۶        | ۲۳  | ۸     | ۴۴  | ۱۵    | ۴۵  | ۱۸    | ۷   |
| ۲۷       | ۶        | ۲۸  | ۸     | ۵۰  | ۱۵    | ۵۰  | ۱۸    | ۱۲  |
| ۳۱       | ۶        | ۳۸  | ۸     | ۵۰  | ۱۵    | ۵۵  | ۱۸    | ۱۷  |

اوپر کے اعداد و شمار شاہی رصد گاہ واقع گریٹوچ کے شائع کردہ ناپی کل المنک کی امداد سے تیار کئے گئے ہیں :

## ضمیمہ نقشہ :-

از ترتیب دہندہ نقشہ ہذا بذریعہ کارڈ جس کی یہ عبارت ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال دریافت ہو سکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک رلیج کم مقدار کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔ اھ۔

اللہ فعلی

(النور صفحہ ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ تا النور صفحہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵)

سوال ذیل مقام رین فیروا سکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آیا :-

بیان فصل در نماز مغرب و عشاء در مقامی کہ علم غروب شمس و طلوع صبح صادق در آنجا دشوار است | سوال (۱۷۳) یہاں پر سورج

آج کل ۵ بجے کے قریب نکلتا ہے اور ۹ بجے رات کو غروب ہوتا ہے۔ میں مغرب کی نماز ۹ بجے پڑھتا ہوں اور عشاء ساڑھے دس بجے پڑھتا ہوں لیکن کچھ دنوں میں سورج ساڑھے چار بجے کے قریب نکل آیا کرے گا اور غروب پونے دس بجے ہوگا اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس صورت میں عشاء اور مغرب کے درمیان کتنا فصل کم سے کم ہونا چاہیے۔

الجواب (من الاحقص) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشاء تک سواگر پہلا فصل معلوم ہو سکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جائے اور اگر معلوم نہ ہو سکے تو یہی پرچہ پھر واپس کیا جاوے میں اس کی فن دانوں سے تحقیق کر کے اطلاع دوں گا۔

اس کے بعد دوسرا خط آیا

سوال - آنجناب کے حکم کے بموجب پرچہ واپس کر رہا ہوں۔ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ یہاں پر روشنی مثل صبح صادق کے رات کے کبھی ایک بجے تک رہتی ہے اور اس طرف پھر تین بجے کے قریب شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر اوقات بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں پچھلے دنوں جون کے مہینہ میں سورج کے نکلنے کا وقت چار بجے تک آگیا تھا اور غروب رات دس بجے ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اب طلوع کا وقت چھ

بجے ہے اور غروب کا وقت ساڑھے آٹھ بجے ہو گیا یہ معلوم ہوا ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اور یہاں تک پہنچ جائے گا کہ طلوع دن کے نو بجے ہو گا اور غروب تین بجے دن کے پیشتر اس کے کہ یہ صورت ہو حضرت اس صورت میں نماز کے اوقات کس طرح پر قائم کئے جائیں اور اگر رمضان شریف اس زمانہ میں آیا تو روزے اور سحری کے کیا اوقات ہونے چاہئیں؟ (سائٹل بالا)

الجواب - (من الہدوی عبد الکرم) صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے یہ صبح کاذب ہے بعد ازاں یہ روشنی تقریباً غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً جنوباً پھیلتی ہے اس کی ابتداء سے قبل سحری موقوف کر دینا لازم ہے۔ اور اس کے پھیل جانے پر پھر فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے وہ شفق ہے اُس وقت تک عشاء کی نماز نہ پڑھی جاوے۔ جب یہ روشنی غائب ہو جائے عشاء پڑھ لی جاوے۔ سحری کھا کر روزہ شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر افطار کرنا چاہیے خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کوئی اعتبار نہیں (البتہ بہت بڑا ہو تو اُس کا حکم دوسرا ہے جو سوال نمبر ۱۷۱ کے جواب میں مذکور ہے)۔ حاصل (من الاحقاف) یہ ہے کہ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل نہیں اسی طرح غروب کے بعد کی سفید روشنی شفق کی معلوم ہونا مشکل نہیں کیونکہ اُس کی خاص پہچان یہ ہے یعنی ات کی تاریکی تو ممتاز چیز ہے تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہوگی وہ بھی ممتاز ہے سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب رہے وہ مغرب کا وقت ہے اور جب یہ غائب ہو جاوے وہ عشاء کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو وہ رات ہے اور جب مشرق میں نمودار ہو جاوے وہ صبح صادق ہو گئی نماز کا وقت ہو گیا۔

(النوشۃ ۳۵ صفحہ ۱۰ والنور صفحہ ۳ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ)

نوٹ :- سوال نمبر ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴ ایک ہی سائل کے ہیں جو مقام رین فیرواسکا لینڈ ملک انگلستان سے آئے۔



جواب اقامت فقط مقتدی | سوال (۱۷۴) جواب اقامت کا مقتدی اور امام ادر  
پر ہے یا سب پر ؟ فارغ الصلوٰۃ سب دیں یا فقط مقتدی۔

الجواب۔ امام اور مقتدی سب دیں۔ اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب  
دے فی الدہ المختار و نو تکرار جواب الاول و فی رد المحتار و ینظر لی اجابۃ  
الکل بالقول لتعدد السبب و هو السماع كما اعتمد لا بعض  
الشافعية الا قلت دل علی سببیت السماع فاذا وجد السماع  
وجد الاجابة ایامن کان والشرع تعالیٰ اعلم۔

(امداد صفحہ ۶۴ جلد ۱)

ذی قعدہ ۲۳

حکم فصل در اذان و نماز مغرب | سوال (۱۷۵) عرض خدمت عالی میں یہ ہے کہ  
جب حاضر خدمت ہوا تھا۔ میں نے ایک مسئلہ جناب سے دریافت کیا تھا مگر اُس وقت  
بوجہ تنگی وقت شافی جواب حاصل نہ کر سکا آپ نے فرمایا بھی تھا کہ مسئلہ دیکھ کر بتاؤ سو  
اُس وقت میں دیکھ سکا بعد میں یہاں آکر وہ مسئلہ ہدایہ اولین میں دیکھا اور وہ مسئلہ  
یہ ہے۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے یہاں

۵۷ فی الجواب بحث من وجہ اما الاول فلان الروایۃ المنقولۃ متعلقۃ  
بالاذان والسائل یستغنی عن حکم الاقامۃ وجوابہ انہ استدلال بالنظر  
علی النظر لان الاقامۃ فی الجواب مثل الاذان و هو ظاہر و اما الثاني  
فلان سببیت السماع فی غیر الفارغین مسلمون اما الفارغون فلا۔ لانہ  
دعاء لغير الفارغين لا للكل فيكون الجواب عليهم لا على الكل وجوابه ان  
شرعية الجواب لهم اعالة حسن الادب مع داعي الله وهو لا يختص بغير  
الفارغين ويؤكد ما قلنا ما قال العلامة الشافعي في رد المحتار حيث  
قال هل يجيب اذان غير الصلوة كالاذان للمولود لمرارة لا ممتنا والظاهر  
نعم ولذا يلتفت في حيلته كما مر وهو ظاهر الحديث الا ان يقال ان ال  
فيه للعهد الا ما فيه قول فان كان بجنس والا يستغراق فظاهر وان كان  
للعهد فلا يضر في ما نحن فيه لانہ يشمل كل اذان للصلوة وفيه  
المدعى (یہ عبارت حاشیہ تصحیح الاغلاط صفحہ ۱۷۵ لکھی گئی)

مغرب کی نماز میں بعد اذان کے کافی دیر ہوتی ہے نیز مجھ کو بھی کئی مرتبہ یہ خیال ہوا تھا مگر درنیت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ امام اعظم صاحب کا قول و فعل دونوں اسی پر تھا کہ وہ بعد اذان مغرب فوراً اقامت کرتے تھے اور یہ ہدایہ اولین باب الاذان میں ذکر کیا گیا ہے (صفحہ ۷۲ مطبوعہ مطبعہ علمی دہلی) اور وہ عبارت یوں ہے۔ ویجلس بین الاذان والاقامة الا فی المغرب و هذا عند ابی حنیفة اور صفحہ ۷۴ پر (یعقوب) سے روایت ہے جو یوں ہے۔ قال یعقوب رأیت ابا حنیفة یؤذن فی المغرب ویقیم ولا یجلس بین الاذان والاقامة۔ اور اس سے زائد صریح (باب المواقیف) میں بیان کیا ہے اور وہ قول امام شافعیؒ کا ہے (صفحہ ۶۴ باب المواقیف ہدایہ اولین مطبعہ علمی دہلی) عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی مقدار ما یصلے ثلاث رکعات لان جبرئیل علیہ السلام ہراقم فی یومین فی وقت واحد صرت صاحبین خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جلسہ خفیفہ ہونا چاہیے جیسے کہ خطبتین میں کیا جاتا ہے اس کو بھی باب الاذان میں ذکر کیا ہے اب جو کچھ اس کا حاصل ہوا اس سے متنبہ فرمائیں۔ میں اس کا جواب اپنے دل میں یوں دیا کرتا تھا کہ شاید یہ مسئلہ کہیں ہو کہ جب امام ایک مسجد میں مقرر ہو اور اس کو کسی وجہ سے مجبوری ہو یا آنے میں دیر ہو تو اس کا انتظار کرنا چاہیئے مگر اس سے تشفی نہ ہوتی تھی۔ سو میں نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جناب سے استفسار کیا امید ہے کہ آپ کے جواب سے کافی تشفی ہو جاوے گی۔

الجواب۔ روایات مندرجہ سوال سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے اس سے زائد تاخیر کی کراہت ثابت نہیں ہوتی سو عمل استحباب پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور مقصود بالبحث کراہت ہے سو درمختار و رد المختار میں اس سے بھی اثر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر ما دون الرکتین میں تو کراہت نہیں اور اس سے زائد اشتباک نجوم کے قبیل تک شرح المینہ کی تحقیق پر مباح اور بعض اقوال پر مکررہ تنزیہی اور اشتباک کے بعد تحریمی۔ روایات یہ ہیں۔ فی الدر المختار والمستحب الی قولہ و تعجیل مغرب مطلقاً و تاخیرہ قدر رکعتین یکرہ تنزیہاً۔ فی رد المختار افاد ان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والاقامة بغیر جلستہ و سکتہ

على الخلاف وان ما في القنية من استثناء التأخير القليل محمول على ما دون الركعتين وان الشرائع على القليل الى اشتباه النجوم مكسرة تنزيهاً بعدة تحريماً الا بعد ذلك كما مر قال في شرح المنية والذي اقتضته الاخبار كراهة التأخير الى ظهور النجوم وما قبله مسكوت عنه فهو على الا باحتمال وان كان المستحب التعجيل اهـ ونحوه ما قد مناه عن الحلية - اور عذر میں کراہت بھی نہیں اور یہاں انتظار امام میں تاخیر دو رکعت سے کم ہوتی ہے وہ بھی احیاناً نہ استمراراً واعتیاداً - اور اگر ما دون سے قدرے زائد بھی فرض کی جاوے تو ایک تحقیق پر مباح ہے اور قول کراہت تنزیہی پر عذر نافی کراہت ہے - اور عذر کی مثال فقہاء نے اکل و سفر سے دی ہے اور حصر کی کوئی دلیل نہیں اور امام کے لئے وضو اور قوم کے لئے انتظار امام راتب خصوص اگر وہ حاضر ہوا اکل سے قوی عذر ہے - واللہ اعلم - ۲ محرم ۱۳۵۳ھ (النور صفحہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

حکم قیام برحی علی الخلاح | سوال (۱۷۶) کان پور کی بعض مساجد وقت اقامت میں کچھ عرصہ سے تکبیر کے وقت مؤذن کے علاوہ سب آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت مؤذن حی علی الصلوة کہتا ہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں (ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوة ویشرع عند وقایہ قیام الصلوة) صفحہ ۱۵۵ سطر ۱۲ - اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہو جاوے اس کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں - اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں - فقط

الجواب - شرح وقایہ کی عبارت مبہم ہے کیونکہ اُس میں اس عمل کا ذکر بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسر ہے - اس لئے مبہم کو مفسر کی طرف رجح کر س گے - چنانچہ در مختار میں قبیل فصل بصفة الصلوة یہ عبارت ہے ولها ادا اب ترکها لا یوجب اساعة ولا عتاباً کترك سنة الشرائع

لکن فعلہ افضل الی قولہ والقیام لامام وموترحین قیل حی علی الفلاح  
الخ شعر قال وشرع الامام فی الصلوة مذ قیل قد قامت الصلوة  
ولو اخرحتہ اتمہا لا باس بہ اجمالاً وهو قول الثانی والثلاثہ وهو  
راى التاخير) اعدل المذاہب کما فی شرح الجمع لمصنفہ و فی  
القہستانی معنی بالحلالة انہ الاصح اھ فی رد المحتار قولہ  
انہ الاصح لان فیہ محافظہ علی فضیلتہ متابعتہ المؤذن واعانتہ  
لہ علی الشرع مع الامام اھ۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) یہ عمل آداب میں سے ہے جس کا ترک موجب اہساءت یا عقاب نہیں تو  
اُس کے تارک پر نیکر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے پس اس کا  
عامل اگر تارک پر نیکر نہ کرے عامل بالآداب ہے اور اگر نیکر کرے مبتدع ہے۔  
(۲) منجملہ آداب کے قد قامت الصلوة کے کہنے کے وقت امام  
کا نماز شروع کر دینا ہے مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واضح  
کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر مؤذن  
کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض سے کہ وہ عامۃ ناس کے اعتبار  
کی وجہ سے مثل لازم کے ہو گیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل  
کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت موکد ہے اس لئے کہ  
عامۃ ناس کے عدم اہتمام و قلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی  
علی الصلوة پر کھٹے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف  
کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر  
بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل  
کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۰/ صفر ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ ۵، رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ)

سوائے (۱۷۷) اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره الانتظار قائماً  
ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح يفهم

منہ کسراہتہ القیام ابتداء الاقامة والناس عنہ غافلون  
 رططادوی علی مدار فی الفلاح ططادوی کے علاوہ عالمگیری شامی  
 البحر الرائق شرح وقایہ ملتقى الابحر۔ مجمع الانهر مظاہر حق وغیرہ کتب میں تصریح  
 ہے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حی علی الصلوة یا حی علی الفلاح  
 (علی اختلاف الاقوال) پر کھڑا ہونا چاہیئے اور قد قامت الصلوة پر  
 نماز شروع کر دینی چاہیئے لیکن مراقی الفلاح میں تصریح ہے کہ اگر اقامت ختم  
 ہو جانے کے بعد نماز شروع کی لا باس بہ فی قولہم جہیداً لیکن اقامت  
 کے شروع میں کھڑے ہونے کی کہیں گنجائش نہیں ملی بلکہ کراہت ثابت ہوتی  
 ہے اکابر کا تعامل دیکھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کوئی امر مانع تعامل ہو  
 جس پر احقر کی نظر نہیں پہنچی اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کا  
 جواب عنایت فرمایا جائے :

(۱) ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں۔ (۲) اگر مکروہ نہیں ہے تو افضل  
 ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ہے یا حی علی الصلوة پر۔ (۳) اگر حی علی الصلوة  
 پر کھڑا ہونا افضل ہے تو جمعہ کے روز خطبہ سے فارغ ہو کر امام ممبر پر بیٹھا ہے یا صلی پر یہاں  
 تک کہ مؤذن حی علی الصلوة پر پہنچے :

الجواب۔ مقدمہ السنن ایات یغفر بعضہا بعضاً۔ اس کے  
 بعد سمجھنا چاہیئے کہ حی علی الصلوة حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو درمختار  
 قبیل فصل صفة الصلوة میں منجملہ آداب کے کہا ہے اور آداب کی صفت میں تصریح  
 کی ہے۔ ترکہا لا یوجب اساءة ولا اعتباراً لکن فعلاً افضل الخ اس  
 سے معلوم ہوا کہ یہ کسر لا الاعتظار میں یکرہ سے مراد ترک افضل ہے۔  
 اس کے بعد منجملہ ایسے آداب کے شروع امام فی الصلوة اذا قیل قد قامت الصلوة  
 کو شمار کر کے کہا ہے و نواخر حتی تمہالاً باس بہ اجماعاً اس کے بعد  
 اس تاخیر کو اعدل المذاہب اور اصح کہا ہے اور اصح ہونے کی دلیل رد المحتار  
 میں یہ بیان کی ہے لان فیہ محافظۃ علی فضیلہ متابعتہ المؤذن  
 واعانتہ لد علی الشروع مع الامام اس قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب

ایک ادب کے ترک کو یعنی تاخیر شروع امام کو عارض محافظت و اعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہے اسی طرح دوسرے ادب یعنی قیام عند حی الصلوٰۃ کے ترک کو یعنی تقدیم قیام علیٰ الحیثیتین کو عارض تسویہ صفوف کی وجہ سے رائج کہا جاوے گا اور یہ عارض تسویہ نہایت موکد ہے اور عامہ ناس کے عدم اہتمام و قلت مبالغات کی وجہ سے مشاہدہ ہے کہ کبھی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس عارض موکد کے لئے اُس ادب کو ترک کر دیں گے اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا :

اطلاع :- ایک ایسا ہی جواب ۲۰ صفر ۱۳۵۵ھ میں لکھا گیا ہے۔

۲۳ صفر ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ ۸ شوال ۱۳۵۵ھ)

حکم قیام برحی علی الغلاچ | سوال (۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جماعت کی نماز کے واسطے سب مقتدی اور امام کو قدامت الصلوٰۃ کے بعد کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر قدامت الصلوٰۃ کہنے سے کھڑے ہو گئے تو گنہ گار ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اقامت شروع ہو گئی اور وضو کرنے والا وضو سے فارغ لیسے وقت ہوا کہ ابھی کبتر لفظ قدامت الصلوٰۃ پر نہیں پہنچا تو وہ شخص بھی پہلے بیٹھ کر پھر نماز میں شریک ہو اب سوال یہ ہے کہ قدامت الصلوٰۃ کے بعد نماز کے واسطے کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب۔ اور قدامت الصلوٰۃ کہنے سے پہلے کھڑا ہونے سے امام یا مقتدی گنہ گار ہوں گے یا نہیں فقط بیذنا و توجروا :

الجواب۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں مگر سب میں وسعت ہے کسی نے کسی قول کے اختیار کرنے والے کو گنہ گار نہیں کہا۔ نہ گناہ کی کوئی دلیل ہے۔ اعلاء السنن حصہ چہارم باب وقت قیام الامام والمأمونین للصلوٰۃ میں سب اقوال مع ادلہ جو کہ آثار میں آئے ہیں اور بعض فقہاء ثقات نے ان سب اقوال پر توفیق کا محمل یہ کہا ہے کہ اس سے تاخیر نہ کرے یہ مراد نہیں کہ اس سے تقدیم نہ کرے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہے۔ وقال العلامة الطحطاوی و انظارنا احتراز عن

التأخیر لا التقدم حتی لو قام اَوّل الاقامة لا باس و جازاھ جیسا ایک سی ہی جزئیہ میں وہی شروع الامام فی الصلوة مذقیل قد قامت الصلوة تصریح ہے۔  
و لو اخر حتی اتمها لا باس بہ اجماعاً کذا فی الدر المختار قبیل  
فصل بیان تالیف الصلوة اور ترمذی کا اپنی سنن باب الجنائز میں فیصلہ  
ہے۔ الفقہاء ہمارے علم و معانی الاحادیث ۱۵

کتبہ اشرف علی۔ ۸ رجب ۱۳۵۶ھ (النور صفحہ شعبان ۳۵۷ھ)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان | سوال (۱۷۹) سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو  
بوقت سحر و صبح صادق | اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کیا اس پر قرون  
ثلاثہ میں عمل درآمد ہوا۔ ہمارے فقہاء اس کو مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے  
یہاں کردہ ہے۔

الجواب۔ قال مالک فی الموطا اخر ما جاء فی النداء بالصلوة  
مانصبه لم تنزل الصبح ینادی بہا قبل الفجر الخ و فی الجزء  
الثانی من عمدة القاری باب اذان الاعمى فی بیان اذان اب  
ام مکتوم و بلال فی وقت الصبح تحت قوله اصبحت قال  
غیاض و لانه العمل المنقول فی سائر الاحول بالمدينة اه  
ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول تھا۔ آگے یہ  
دوسری بحث ہے کہ اس پر کتنا کیا جاوے یا نہیں، اس میں اختلاف مشہور ہے،  
لیکن یہ اختلاف نفس عمل کی نقل میں نخل و قاذح نہیں۔ قال محمد فی الموطا  
باب ما یجرم الطعام علی الصائم تحت حدیث ان بلالاً ینادی  
بلیل فکلوا و اشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم و بطریق اخر  
و کان ابن ام مکتوم لا ینادی حتی یقال له قد اصبحت مانصبه  
کان بلال ینادی بلیل فی شہر رمضان لسعور الناس و فی عمدة  
القاری باب الاذان قبل الفجر تحت قوله و طأ طأ مانصبه فیہ  
ان الاذان الذی کان یؤذن بہ بلال فکان لرجع القائل  
و ایقظ النائم و بہ قال ابو حنیفة۔ ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام

ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کا کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا یہ قال ابو حنیفہ کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہاء کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں۔ لیکن فقہاء کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں خیر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ واللہ اعلم۔

۱۰ ذیقعدہ ۵۵ھ (النور صفحہ ۱۲ ذیقعدہ ۵۵ھ)

## باب شروط الصلوٰۃ وصفتها

فرضیت قیام | سوال (۱۸۰) مدرک جس وقت کہ امام رکوع میں ہے بعد تکبیر تحریمہ وقت تحریمہ فوراً رکوع میں چلا جاوے یا ثنا پڑھ کر یا بقدر ادائے ثنا قیام کر کے رکوع میں جاوے اگر مدرک کو یہ بھی خوف ہے کہ بقدر ادائے ثنا قیام کرنے پر رکوع نہیں پاسکتا تو کیا کرے یعنی یہ قیام فرض ہے یا صرف سنت مستحب۔

الجواب۔ فی الدر المختار اول باب صفة الصلوة من فرائضها التي لا تصح بدونها التحريمية قائماً وفيه في فصل يليه ويشترط كون قائماً فلو وجد الامام راكعاً فكبّر منحنياً ان الى القيام اقرب صح و لغت نيّة تكبير الركوع وفي هذا الفصل وهو مخير بين قراءة الفاتحة وتسبيح ثلاثاً وسكوت قدرها وفي النهاية قدر تسبيحة وفي رد المحتار قوله قدر تسبيحة قال شيخنا وهو الیق بل اصول حلیہ ای لان رکن القیام يحصل بہا لما مر ان الركنية تتعلق بالاداء وفيه في مفسدات الصلوة ويفسد ها ادا ركن وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف العورة الا -

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ادائی مقدار رکن کی ایک تسبیح یا تین تسبیح کی قدر ہے پس اس شخص کو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا چاہیئے اور اتنی دیر کھڑا رہے کہ ایک بار یا تین بار سبحان اللہ کہہ سکے پھر رکوع

۵ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنے کے بعد تین یا ایک تسبیح کی برابر کھڑا رہنے کی ضرورت مسبق کے لئے کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں اس کے سوال ۱۸۱ کے جواب میں جو کچھ حضرت رحمۃ



میں جاوے اور ثنا پڑھنا یا ثنا کے قدر کھڑا رہنا ضروری نہیں البتہ یہ جو عادت ہے کہ اللہ اکبر کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہنچ جاتے ہیں اُن لوگوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۶۷ جلد ۱)

حکم تکبیر تحریمہ بدون قیام | سوال (۱۸۱) جناب کی کتاب بہشتی گوہر حصہ یازدہم قبل از رکوع | بہشتی زیور صفحہ ۲۷ (بیان تکبیر تحریمہ) میں یہ مسئلہ بیان

کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام جب رکوع میں ہو تو جو لوگ بغیر قیام تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں داخل ہو جاتے ہیں تو اُن کی نماز نہیں ہوتی حالانکہ شامی میں ہے کہ یہ قیام عارضی کافی ہو جاتا ہے نماز اس سے بھی جائز ہو سکتی ہے اگرچہ ایسا فعل اچھا نہیں۔ آپ شامی کو ملاحظہ فرمادیں۔

الجواب۔ شامی میں ہے فلو ادرك الامام راكعا فكلبر منحنيا لم تصح التحريمية (ج ۱ ص ۴۷) اور اسی میں ہے فلو كبر قائما فركع و لحريقف صح لان ما اتى به من القيام الى ان يبلغ الركوع كيفه قنيه في رد المحتار قولنا فركع اي وقرأ في هويہ قد الفرض و كان اخرس او مقتديا و اخذ القراءة (ج ۱ ص ۴۳) بہشتی گوہر کی یہ عجا ہے :- آتے ہی جھک جاتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں الخ یہ عبارت شامی کی پہلی عبارت فكلبر منحنيا کا صریح ترجمہ ہے شاید سائل کو درمختار کی دوسری عبارت و لحريقف سے شبہ ہو گیا ہو سو یہ و قوف بعد التحريمية للقراءة ہے گو عارض کے سبب قراءت نہ ہو چنانچہ اس قول پر شامی کا قول و قراء فی هويہ الخ صریح دلیل ہے تو اس سے قیام للتحريم کا انتفاء ضرورت لازم نہیں آتا۔ چنانچہ درمختار میں اس لحريقف کے قبل فكلبر قائما اس قیام کی ضرورت کو ثابت کر رہا ہے :

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۴) تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاید ہے اور اس میں بحوالہ شامی یہ الفاظ بھی منقول ہیں لو كبر قائما فركع و لحريقف صح یعنی اگر صرف تکبیر تحریمہ بجا لیتا قیام ادا کر کے رکوع میں چلا گیا اور مزید کچھ قیام نہیں کیا تو نماز صحیح ہو گئی۔ اس لئے اس جگہ جو نماز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے اس میں کچھ تسامح ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے ۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ :

۱۸ سوال ۳۲۶ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۵۹۵)

حکم گفتن کلمہ (اقتدیت بالقرآن) | سوال (۱۸۲) یہ نیت امام کی جائز ہے یا  
در نیت صلوٰۃ | ناجائز۔ نوبت ان اصلی اللہ تعالیٰ

رکعتی صلوٰۃ الفجر فرض اللہ تعالیٰ انا امام لمن۔ بخبر و  
لمن لہم یحضر اقتدیت بالقرآن متوجہا الی جہۃ الکعبۃ  
الشریفتہ اللہ اکبر یعنی اقتدا کیا قرآن پر اور پڑھا نماز پیچھے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے آیا یہ نیت جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت امام کے لئے  
ضروری ہے یا نہیں۔

اجواب۔ اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ قرآن کے ساتھ اقتدا  
کرنے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا مراد ہو  
اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بالمعنی المتعارف قرآن کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کا اقتداء کر رہا ہوں اور یہ دونوں مجھ کو نماز پڑھا رہے ہیں تب تو اس کا  
فساد اور بطلان ظاہر ہے قرآن تو امام بن ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم بالفعل اس کو نماز نہیں پڑھا رہے ہیں پس اس صورت میں  
خود اس شخص ہی کی نماز نہ ہوگی۔ لان الانفراد فی موضع الاقتداء  
مفسد کعکسہ ص ۴۳۳ شامی ولانہ نوبی الاقتداء بمعدوم  
وہو لایمجزئ شامی ص ۴۴۳۔ جب اس کی نماز نہ ہوگی تو اوروں کی بھی اس  
کے پیچھے نہ ہوگی اور اگر اس شخص کا یہ مطلب ہے کہ میں حسب تعلیم رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم و حسب امر قرآن نماز پڑھتا ہوں تو یہ مطلب صحیح ہے لیکن اس کو نماز کی اقتداء  
کہنا یہ ایک اصطلاح مخترع ہے اس صورت میں نماز ہو جائے گی لیکن ایسے  
الفاظ سے خواہ مخواہ شورش ہوتی ہے چھوڑ دینا ان کا واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۳۷ جلد ۱)

حکم تلفظ بالنیت در صلوٰۃ | سوال (۱۸۳) بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ فصل  
و تحقیق قول مجدد صاحب | نماز کی شرطوں کے بیان میں مسئلہ ذیل درج ہے۔  
مسئلہ :- اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہنا کافی ہے کہ نیت

کرتی ہوں میں آج کے ظہر کے فرض کی اللہ اکبر الخ اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے اگر نیت کرے تو کچھ حرج نہیں ہے مگر مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں تحریر ہے۔ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم نقل بلفظ و بچین است انچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادۂ قلبیہ بزبان نیز باید گفت حالانکہ ازالہ سرور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح و نہ روایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد ایں بدعت را حسنہ گفته اند و ایں فقیر میداند کہ ایں چہ جائے رفع سنت کہ رفع فشرض می نماید چہ بدتجویراں اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند و از غفلت قلبی پاک اند پس دین ضمن فرض از وائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک می گردد و بفساد نماز می رساند۔ وجہ تطبیق ارفاق فرمائی جاوے۔

الجواب۔ یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے چنانچہ جملہ ایں فقیر میداند اس میں صریح ہے دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں بلکہ خاص ان کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے پس قول فقہاء و قول مجدد صاحب میں کوئی تعارض نہ رہا۔ ۱۱ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۶۱)

حکم وضع رکبتین قبل الیدین | سوال (۱۸۴) بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے۔  
در سجدہ

الجواب۔ احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔ وائل بن حجر سے وضع رکبتین قبل الیدین مروی ہے اور ابو ہریرہؓ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت مذکورہ دوسرے اس کا عکس امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں۔ وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی لہذا اس کو ترجیح دی گئی اور یہی عمل حنفیہ کا ہی (امداد صفحہ ۹۹ جلد ۱)

تحقیق رفع الیتین در سجدہ | سوال (۱۸۵) زید جو مولوی و عالم مشہور ہے جب

نوافل وغیرہ بیٹھ کر پڑھتا ہے تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے نہیں اٹھاتا اپنے معتقد و اتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھ کر پڑھو تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ ورنہ نماز فاسد ہوگی۔ اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ باب جواز النافلة قاعداً و قائماً سے استدلال کرتا ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی قائماً رکع وسجد وهو قائم واذا صلی قاعداً رکع وسجد وهو قاعد اور عبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے من صلی قاعداً فسجد لا یرفع الیتیم وان رفع الیتیم فسدت صلواتہ لان الیتیم فی صلوة القاعد بمنزلة القدمین و اذا رفع قدمیه فی صلوة القاعد فسدت الصلوة فكذا الیتیم کذا فی المحيط چلپی والا اصل ان المریض او غیرہ اذا صلی قاعداً لا یرفع الیتیم، لکما لا یرفع رجلہ فی السجدة و اذا رفع رجلاً واحداً والیتیم واحد لا یفسد کذا فی چلپی ابن الملک و المختار ان یقعد لکما یقعد فی حالة التشہد وهو الذی اختارہ الفقہ ابو اللیث و شہس الاثمة السرخسی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اذا ہات وقت الرجوع والسجود یقعد کما یقعد فی التشہد کذا فی العینی شرح الہدایۃ ص ۸۶ ج ۱ انتہی اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنی ہیں جیسے زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئت سجدہ میں رفع الیتیم و عدم رفع الیتیم سے فرق کرنا چاہیئے اور عبارات فقہ کی تصحیح کریں کہ یوں ہی واقع ہیں یا نہیں اور مفتی بہا ہیں یا نہیں جیسا کہ تعامل علماء اساتذہ اور شیوخ سے رفع الیتیم فی السجدة مشاہد ہے۔ بدینہ اب اسناد الکتب المعتمدہ عند الحنفیۃ تو جہراً یوم الحساب :

الجواب۔ زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ حدیث مسلم میں اگر سجدہ ہو قاعد کے یہ معنی ہیں کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت قعود

کی رہتی تھی سو اول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے کیوں کہ زمین پر سر رکھنے سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی اور اگر بعض ہیئت مراد ہے تو رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طریق پر اس حدیث کے اس جزو سجد و هو قائم کے بھی یہ معنی ہوں کہ سجدہ کے وقت قیام بھی رہتا تھا حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا نہ کرتے تھے کہ رکوع و سجدہ کے قبل کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اور اس کے بعد سجدہ میں جاتے ہوں جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے قلت لعائشہ کیف کان یصنع فی السجعتین و هو جالس قالت کان یقر فیہا فاذا اراد ان یرکع قام فسرکع رہ گئیں عبارات کتب فقہیہ سو ان میں سے عبارت اولیٰ یعنی من صلی قاعدا اور عبارت ثانیہ یعنی و الاصل الخ اول تو محتاج تصحیح نقل ہیں مستدل کو ان عبارتوں کا پورا پورا بتلانا چاہیے کہ کہاں سے نقل کی ہیں تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے دوسرے عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے لان الیتیم فی صلوٰۃ القاعد الخ وہ دعویٰ مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ یہ اگر حالت سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے و اذا رفع قدمیہ فی الصلوٰۃ القاعد کے رفع قدمیہ فی السجود ہوتا۔ ورنہ قید فی صلوٰۃ القاعد سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ قاعد میں رفع قدمین فی السجود مفسد صلوٰۃ نہ ہو۔ اور صلوٰۃ قائم میں ہو حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں فسجد ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالت قیام حکمی میں رفع الیتین کرے ورنہ وہ ایسا ہوگا جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ اس تقریر پر یہ اس بحث ہی سے خارج ہے اور عبارت ثانیہ میں تو لا یرفع الیتیم کے ساتھ قید فی السجود کی بھی مذکور نہیں پس اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ لا یرفع الیتیم فی القیام الخ کسی اور آگے جو مشبہ بہ کے ساتھ فی السجود مذکور ہے سو وہ محتمل ہے کہ صرف لا یرفع

رجلیہ کے ساتھ متعلق ہو اور تشبیہ محض فساد میں ہو اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہوتا ہم مستدل کو تو مفر ہے لہذا اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال تیسرے متون و شروح و فتاویٰ مشہورہ میں جو مطلقاً سجدہ رجال کی ہیئت لکھی ہے وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں پس اگر عبارات مذکورہ کی صحت نقل اور دلالت دونوں مسلم ہوں تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول اور غیر معمول بہا ہوں گی اور اخیر عبارت یعنی در المختار الخ بھی بوجہ موجود نہ ہونے عینی کے منطبق نہیں ہو سکتی غالباً اس کی نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی جیسا کہ ہات کا ہل ہونا اس پر دال ہے لیکن اس سے قطع نظر کہ کہا جاتا ہے کہ اس بحث سے کچھ مس نہیں اس میں صرف کیفیت قعود کا بیان ہے اور احتراز ہے ترجیح وغیرہ سے بہر حال زید کا نہ دعویٰ درست نہ استدلال صحیح والہ اعلم - یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ :

تحقیق حکم سجدہ | سوال (۱۸۶) مسئلہ ذیل اور روایت ذیل میں تعارض معلوم برتیکہ ہوتا ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے -

مسئلہ - سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی ادنیٰ چیز رکھ لیسنا اور اس پر سجدہ کرنا نہ چاہیئے - جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کر لیا کرے - تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں - بہشتی زیور مطبوعہ الامداد پریس باب صلوٰۃ المريض صفحہ ۶۸ حصہ دوم :

روایت - ولا یرفع الی وجہہ شیئاً یسجد علیہ فانہ یکرہ لا یحریمہ در مختار - قولہ فانہ یکرہ لا یحریمہ - قال فی البحر و استدلال للکراہۃ فی المحيط بنہیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عنہ و هو یدل علی کراہۃ التحریم اھ و تبعہ فی النہر - اقول ہذا محمول علی ما اذا کان یحمل الی وجہہ شیئاً یسجد علیہ بخلاف ما اذا کان موضعاً علی الارض یدل علیہ ما فی الذخیرۃ حیث نقل عن الاصل الکراہۃ فی الاول ثور قال فان کانت الوساۃ موضعاً علی الارض و کان یسجد علیہا

جازت صلواتہ فقد صح ان امر سلمة رضی کانت تسجد علی مرفقة  
موضوعة بین یدیهما لعلہ کانت بہا و لم یمنعہا رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم من ذلك اھ فان مفاد هذه المقابلة والاستدلال  
عدم الکراہة فی الموضوع علی الارض المرتفع شعرا یا بالقسمتانی  
صرح بذلک رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۰۰ باب صلوة المریض :

الجواب۔ فی مراۃ الفلاح وجعل ایماءہ برأسہ للسجود  
اخفض من ایماءہ برأسہ للركوع وكذا الوعجز عن السجود و  
قد رعلی الركوع یومی بہم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاد  
مريضاً فلا یصل علی وسادة فاخذها ورحی بہا فاخذ عوداً  
لیصل علیہ فرحی بہ وقال صل علی الارض ان استطعت و  
الا فام ایماء و اجعل سجودک اخفض من ركوعک رواہ ابن کثیر  
والبیہقی عن جابر کذا فی نصب الرایۃ ج ۱ صفحہ ۳۰۴ قال الجیب  
الی قولہ فان فعل ای وضع شیئاً فسجد علیہ وخفض رأسہ للسجود  
عن ایماءہ للركوع صح ای صححت صلواتہ لوجود ایماءہ لکن مع  
الاساءة لہا ویناج اضافہ و فی حاشیة الطحطاوی علیہ قولہ  
وجعل ایماءہ للسجود اخفض تمییزاً بینہما ولا یلزم ان ینال  
فی الانحناء اقصى ما یمکن بل یمکنہ بل یمکنہ اذ فی الانحناء فیہما نہر عن  
المجتبی ص۔ مذکور بہشتی زیور کی اس میں صریح تائید ہے پس تطبیق اس طرح  
ہو سکتی ہے کہ کراہت عدم عزہ کی حالت میں ہو اور عدم کراہت عزہ کی حالت میں  
ہو عزہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔ و فی عبارة الحاشیة نفی  
لما کتب فی المکتوب السابق من لزوم اقصى ما یمکن من الانحناء  
فالنص یقضى علی الراۃ۔ (ترجیح خامس صفحہ ۱۲۵)

تحقیق مذہب حنفیہ در ادعیۃ سوال (۱۸۷) عن ابن عباس ان النبی  
ماثرہ بین السجدةین وغیرہ | صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بین  
السجدةین اللهم اغفر لی وارحمنی واجبرنی و اھدنی

دار زقنی رواۃ الترمذی ص ۶۸ مطبوعہ ۱ ص ۱ المطابع - حنفیہ نے اس کو نوافل پر محمول کیا ہے اس کی دلیل قویٰ کیلئے ہے۔

**الجواب** - روی الشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم للناس فلیخفف مشکوٰۃ باب ما علی الامام و فی رد المحتار تحت قول الدر المختار و لیس بینہما ذکر مسنون مانصہ بل فیہ اشارۃ الخ اند غین مکر وہ اذا لو کان مکروہا لہی عنہ و عدم کونہ مسنوناً لاینما الجواز کالتسمیۃ بین الفاتحۃ و السورۃ بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرۃ بین السجدتین الخ و فیہ عن الحلیۃ ان ثبت فی المکتوبۃ فلیکن فی حالتہ الا انفراد او الجماعۃ و الامامون محصورون لا یتثقلون بذلک جلد اول صفحہ ۵۲۷ و ۵۲۸ ان روایات کے استیعاب کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ حنفیہ مکتوبات میں اور جماعت میں بھی مطلقاً منع نہیں کرتے بلکہ جب قوم پر ثقیل ہو جو خود حدیث متفق علیہ میں مصرح ہے اور سنیت کی نفی سے مؤکدہ کی نفی مقصود ہے سو اس میں کسی حدیث سے تعارض نہیں واللہ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۸۶ جلد ۱)

**جواب** شبہ جواز دعا ماثرہ | سوال (۱۸۸) قومیہ اور جلسہ کی بابت بھی اسی در قومیہ و جلسہ رسالہ میں دعاء ماثرہ لکھی ہیں اور مسلم کی حدیث کا حوالہ دیا ہے اور امام صاحب فرائض میں منع فرماتے ہیں اگر مناسب ہو تو اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی جاوے۔

**الجواب** - مقدمہ اولیٰ - فرائض میں اصل جماعت ہی۔ مقدمہ ثانیہ - نبص حدیث امام کو تخفیف صلیۃ کا حکم ہے۔ مقدمہ ثالثہ - ان اذکار میں تطویل مشاہد ہے۔ پس مجموعہ مقدمات ثلثہ دلیل ہے عمل علی التطوع کی اور تفصیل دونوں جوابوں کی مطولات میں ہے جس کو بقدر ضرورت اعلاء السنن میں بھی نقل کیا ہے۔



۲۸ رذی الحجۃ ۱۳۲۳ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۳۷۷)

نیت امامت | سوال (۱۸۹) اگر امام نیت اقتداء یعنی نماز مقتدیوں کی نہ کرے تو نماز ہوگی یا نہیں اور کس کی نیت کرنا اس پر چاہیے؟ - ۹

الجواب - اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا پس حصول ثواب امامت کے لئے تو امامت کی نیت ضرور ہے۔ رہا صحت صلوٰۃ مقتدی کے لئے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضرور نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اُس کی صحت نماز کے لئے نیت امامت ضروری ہے اور اگر محاذی نہیں تو اُس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالا جماع اور حجبہ اور عیدین میں بنا بر قول صحیح نیت اُس کے اقتداء کی شرط نہیں والا امام مینوی صلوٰۃ فقط ولا یشترط لصحتہ

اُس کے اقتداء کی شرط نہیں والامام ینوی صلوٰۃ فقط ولا یشرط لصحة الاقتداء نية امامة المقتدى بل لتبیل الثواب لوام رجالاوان ام نساء فان اقتدت به المرأة محاذیة لرجل فی غیر صلوٰۃ جنازة فلا بد لصحة صلوٰۃها من نية امامتها وان لم تقتد محاذیة اختلف فیہ فقیل یشرط وقیل لا کجنازة اجماعاً وکجعة وعید علی الاصح - در فختاریں یاخری میں

واللہ اعلم - (امداد صفحہ ۱۰۲ ج ۱)

(امداد صفی ۱۰۲ ج ۱)

تحقیق و جواب قراءۃ در اولین فرض و  
ضم سورة در آخرین مودیک مسائل متعلقہ

سوال

ضم سورۃ در آخر میں مودیک مسائل متعلقہ ہیں۔ شرع متین فرض ظہر و عصر میں قرائت شفع اولیٰ میں فرض ہے تو جس شخص نے آخری میں قرات قصد ترک کیا اُس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔ اور جس شخص نے سہواً ترک کیا اُس پر سجدہ سہود واجب ہے یا نہیں۔ اگر کسی شخص نے شفع ثانی میں قصد یا سہواً سورہ یا بعض سورہ فاتحہ کے بعد پڑھا تو اُس پر کس صورت میں سجدہ سہود واجب ہے کس صورت میں نہیں۔ اگر کسی شخص نے شفع اولیٰ میں قصد یا سہواً ضم سورۃ ترک کیا تو وہ شخص کس صورت میں شفع ثانی میں سورۃ قضا کرے گا اور بر تقدیر قضا کے نماز ستری دہری دونوں میں قضا کرے گا یا ایک میں اور کس صورت میں اُس پر سجدہ سہود واجب ہوگا۔ نماز صبح میں ضم سورہ رکعتین میں واجب ہے یا رکعت واحدہ میں نماز ظہر میں ضم سورہ کن رکعتوں میں واجب ہے جو سنت چار رکعت کی ہے اس میں قرائت چاروں رکعت میں فرض ہے یا شفع اولیٰ

یا ثانی یا بعض میں اور ضم سورہ کل رکعتوں میں واجب ہے یا بعض میں اور کے رکعت میں ترک ضم سورہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ جو شخص فرض نظر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوادہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے کتنی رکعتوں کے بعد جلسہ کرے کن رکعتوں میں ضم سورہ کرے کے رکعت بدو دن سورہ کے پڑھے اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوادہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوادہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ضم سورہ کن رکعت میں کرے فقط جواب پسند کتاب تحریر ہو۔ بینوا عند اللہ توبہ واد۔ ۹

الجواب۔ فرض نماز میں دو پہلی رکعتوں میں قرات واجب ہے آخرین میں اختیاً ہر خواہ قرات پڑھے یا تسبیح کہے یا ساکت رہے۔ والقراءة فی الفرض واجبة فی الرکعتین وهو مخیر فی الاخریین ہدایہ پس آخرین میں اگر قصداً قرات ترک کرے تو نماز صحیح ہو اور اگر سہواً ترک کرے جب بھی قول رائج پر نماز صحیح ہو اور سجدہ سہو واجب نہیں ہا لہذا لا یجب السہو بترکھا فی ظاہر السراۃ ہدایہ۔ اور شفع ثانی میں قصداً یا سہواً فاتحہ کے بعد سورہ یا بعض سورہ کے تلاسنے سے سجدہ سہو واجب نہیں یہ خلاف اولی واکتفی فیما بعد الاولین بالفاتحۃ فانہا سنتہ فی ظاہر السراۃ وایتہ ولوی زاد لا باس بہ۔ دو مختار۔ فکان الضم خلاف الاولی رد المحتار۔ اگر شفع اولی میں قصداً ضم سورہ ترک کیا تو ترک واجب عمداً ہوا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اعادہ واجب ہوگا اور سجدہ سہو کافی نہیں اور اگر سہواً ایسا کیا تو آخرین میں بعد فاتحہ کے سورہ پڑھ لے اور چہری نماز میں فاتحہ و سورہ ہر دو جہر سے پڑھے وان قرء الفاتحتہ ولعیزد علیہا قرأ فی الاخریین الفاتحتہ والسورۃ دجہر و یجہر بہا ما ہدایہ اور سجدہ سہو واجب ہوگا اور تہری اور جہری دونوں کا ایک حکم ہے۔ نماز صبح میں دونوں رکعتوں میں قرات فرض ہے اور ظہر عصر کے شفع اولی میں فرض ہے لما صر من السہد ایتہ ان القراءة فی الفرض واجبة فی الرکعتین۔ سنن رابعہ میں چاروں رکعت میں قرات فرض ہے والقراءة واجبة فی جمیع رکعات النفل۔ ہذا ایتہ اور ضم سورہ بھی چاروں میں واجب ہے اگر ایک میں بھی سہواً ترک کرے گا سجدہ سہو واجب ہوگا۔ جس کی ایک دو رکعت امام کے ساتھ فوت ہو گئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قرات میں اول ہوتی ہو اور حق تشہد میں

آخرن یقضی اول صلواتہ فی حق قرأۃ داخرہا فی حق تشہد۔ درمختار۔ پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر شناد توذ پڑھ کر پچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ و سورہ سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ کرے دونوں کے بعد تعدہ اخیرہ کر کے فارغ ہو جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ و سورہ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔ واللہ اعلم۔ (امداد صفحہ ۱۰۷ ج ۱)

سوال (۱۹۱) مردوں کو ناس سے گھٹنے تک بدن چھپانا نماز کے اندر سرین و لان اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو

ہے تو آبا گھٹنا علیحدہ اور سرین دفنذ وغیرہ علیحدہ عضو ہیں یا یہ سب مجموعہ ایک ہے۔ ۹۔  
الجواب۔ سرین ایک عضو ہے اور دفنذ در کبہ ملا کر ایک عضو۔ فقط (تمذ اولی صفحہ ۳۵)

سوال (۱۹۲) ایک شخص نے بروز جمعہ کپڑے بدلے اور روز شنبہ ان کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی دیکھی تو اس شخص کو کتنی وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے  
نمازیں لوٹانا ہوں گی۔ ۹۔

الجواب۔ فی اللہ المختار۔ فصل البیروجد فی ثوبہ منیا الی قولہ اعادۃ من اخرج احتلاماً من اخر نوم۔ مکافی رد المحتار۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخیر سونے سے جو اٹھا ہے اس وقت سے نمازیں لوٹا دے۔ فقط ۲۰ رجب ۱۳۲۹ھ (تمذ اولی صفحہ ۳۶)  
سوال (۱۹۳) ایک شخص رات کو جو کپڑا پہن کر سوتا ہے صبح کو اس کپڑے میں ناپاکی کا اثر پایا گیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے روز سے یہ نہانے کی حاجت ہوئی ہے اب وہ شخص کتنے روز کی نمازیں دہرا دے اور وہ شخص بہت پریشان ہے۔

الجواب۔ وجد فی ثوبہ منیا و بولاً و دماً اعاد من اخرج احتلاماً و بول و دماً کذا فی اللہ المختار و فی رد المحتار فی بعض النسخ من اخر نوم و هو المراد بالاحتلام لان النوم سبب کما نقلہ فی البیومۃ ج ۱ ص ۲۶۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخری سونے سے نماز لوٹا دے یعنی اگر سو کر اٹھا فجر کو دیکھا ہے تو یہ سمجھیں گے کہ اسی شب میں احتلام ہوا ہے غسل کر کے فجر پڑھے اور اگر فجر پڑھنے کے بعد دیکھا ہے تو فجر کی نماز لوٹا دے۔ ۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ ۶

کرناختہ و سورہ پڑھے اور ہر رکعت پوری کر کے تعدہ کرے پھر کھڑا ہو وہ رکعت بھی فاتحہ و سورہ پڑھے

سوال (۱۹۴) اگر امام کے سہو سے تکبیرات انتقالات میں کسی  
 امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہی واجب نہیں  
 تکبیر کو جہر سے نہ کہا خفیہ کہا اس سے سجدہ سہولاً لازم آوے گا یا نہیں؟  
 الجواب - نہیں کیونکہ امام کو جہر کرنا تکبیرات کا سنت ہی۔ کذا فی الدد المختار فی  
 سنن الصلوة حيث قال: وجہر الامام بالتکبیر اھ فقط

۱۶ شعبان ۱۳۲۹ھ - (تمتہ اولی صفحہ ۳۸)

سوال (۱۹۵) التیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے  
 تشہد کے وقت رفع  
 اس کی کیا بنیاد ہے۔ شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی ہے یا نہیں  
 سببہ کی حکمت  
 الجواب - توحید کا ارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

سوال (۱۹۶) رفع سببہ کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے میں نے بہت  
 تلاش کی مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب نے تعلیق المجد میں ملا علی قاری کے حوالہ سے  
 یہ نقل کیا ہے۔ والصیحہ المختار عند جمہور اصحابنا ان یضع کفید علی فخذ یہ  
 شرع عند وصولہ الی کلمۃ التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویخلق الوسطی  
 والابہام ویشیر بالمسبحۃ را فعالہا عند النفی واضعاً عند الاثبات ثم  
 یستتم علی ذلک لانہ ثبت العقد عند ذلک بلا خلاف ولہو یوجد  
 امر بتغیرہ فالاصل بقاء الشئ علی ما ہو علیہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 رفع سببہ صرف نفی کے وقت ہونا چاہیئے بعدہ اس کا وضع چاہیئے اور اسے طرح حلق  
 مع وضع سببہ اخیر صلوة تک چاہیئے اور جو حدیث ترمذی کے ابواب الدعوات میں ہے  
 اس سے رفع سببہ الی آخر الصلوة ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا  
 ہے کہ قبض اصابع و بسط سببہ اخیر صلوة تک چاہیئے بہر کیف رفع سببہ الی آخر  
 الصلوة کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔؟

الجواب - واقعی بقاء اشارہ میں روایت ترمذی کی صریح نہیں گو محتمل ہے اور ملا علی  
 قاری کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض اصابع و بسط سببہ ہی کا بقاء ہی نہ کہ اشارہ کا پس  
 بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں  
 لا الہ کے وقت انگلی اٹھاوے اور لا اللہ پر جھکاوے مگر عقدا در حلقہ کی ہیئت کو  
 آخر نماز تک باقی رکھے۔ و جزا کھرا اللہ علی ہذا التنبیہ۔ یکم صفر ۱۳۵۵ھ (ترجمہ ۵۷)

سوال (۱۹۷) مسائل۔ ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے البقاہ اشارہ الی آخر القعدتین سے رجوع فرمایا ہے بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔ تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عند النفی وضع عند الاثبات جسے صاحب محیط و برہان و در مختار و علی متقی و ملا علی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی و مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانی رحمہ سے مروی ہے اور نکتہ رفع للنفی وضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب۔ شمس الائمہ حلوانی حسب تصریح شامی فقہاء کے طبقہ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے اُن کا بلکہ اُن کے مابعد والوں کا قول بھی جرح ہے چنانچہ در مختار میں ہر دو امانحن فعلینا اتباع مارحی لان ما صحیحاۃ پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصور اور معتمد ہے شادیامرجوح نہیں اس لئے صاحب تزئین العبارت نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے عماد ہکذا ان قالوا (ای جمہور علماءنا) یرفع المسجۃ عند قول لا الہ و یضعہا عند قول لا اللہ الا صلا۔ اور ایک جگہ کہا ہے الصحیح المختار عند جمہور اصحابنا ان یضع الی قولہ و یشیر المسجۃ رافعا لہا عند النفی و اضعاف لہا عند الاثبات صلا۔ پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے اُن کی مخالفت یا اُن سے مطالبہ دلیل کی گنجائش نہیں۔ فی رد المحتار تحت قول للدر المختار کما لو افتونا فی حیاتہم و انصہ۔ اسی کما تتبعہم حولو کانوا احیاء و افتونا بذلک فانہ لا یسعنا محال فقرہ۔ رجاء صلا۔ البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح و مرجح حدیث اس کے خلاف ہو تو پھر اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جاوے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے فی تزئین العبارۃ عن معاذ بن جبل و فیہ یشیر باصبعہ اذا دعوا الی الطہران فی الکبیر صلا۔ زور دعا کی تفسیر تشہد کیساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کہ اگر اذوقیت کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہو جاوے گا اور یہی حاصل ہے رفع عند النفی وضع عند الاثبات کا اور ابو داؤد و نسائی کی روایت میں ہر دافعا اصبعہ السبابة و قد حناھا شیئا ای امالہا تزئین صلا۔ اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہو جانا مشاہد

ہے پس یہ انخار اُس وقت ہو سکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے پس اس سے دو امر ثابت ہوئے ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا دوسرے عقد کا مستمر رہنا پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اور پر کی حدیث اذا دعا سے ہو گئی۔

سائل - بخلاف البقاء اشارہ الی آخر القعدین کے کہ اس کے ثبوت میں متحد وجوہ ذہن میں آتے ہیں جن میں چند عرض ہیں - وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری ترمذی العبارۃ میں نقل کر کے فرماتے ہیں دروی ابو یعلیٰ نحو (ای نحو ما روی الترمذی الا فی الوجہ الثانی) وقال فیہ بدل بسط یشیر بالسبابة التمهی وھکذا نقل الشافعی فی رفع التردد عن تزئین العبارۃ - یہ حدیث ابو یعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحت دال ہے۔

مجیب - اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہو تو بیشک اس پر عمل اور اس قول مشہور کا ترک ضروری ہو اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کالعدم ہے اور اُس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابو یعلیٰ کے رجال کی تحقیق کرنا چاہیئے۔

سائل - وجہ ثانی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جده قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری و وضع یدہ الیمنی وقبض اصابعہ و بسط السبابة وھو یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک رواہ الترمذی - یہ روایت بھی روایت ابو یعلیٰ کی موید ہے اس لئے کہ عند العقد والتحلیق سبابة ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے بسط تام نہیں رہتا تا وقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب - یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل - پس اس روایت کا بھی مطابقی نہ ہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہو گا یہی وجہ ہے جو رواۃ ماتحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابة سے اور کسی نے بسط بالسبابة سے تعبیر کر دیا

مجیب - اس کے بنی کا خلاف مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل - وجہ ثالثہ - عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا جلس فی الصلوة وضع یدیه علی رکبتيہ ورفعا صبعہ الیمنی علی الایہما ودعا بها لحديث رواه مسلم و ابو داؤد والترمذی - وفي شرح معانی الآثار عن وائل بن حجر الحضرمي - فلما قعد عقد اصابعه وجعل حلقة بالایہما والوسطی ثم جعل یدعو بالآخری - یہ احادیث بھی دعاء کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعاء سے دعا آخر صلوٰۃ نہ مراد لی جاوے تو دعا بمعنی تشہید یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عند النفی و وضع عند الاثبات درست نہیں ہوتا اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے توجع یدعو بالآخری روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے -

مجیب - دلالت علی الاستمرار غیر مسلم ہے -

سائل - وجہ رابع امام طحاوی حدیث توجع یدعو بالآخری سے عدم تورک فی القعدة الا خیر کا استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہو سکتا ہے کہ حدیث توجع یدعو میں دعا آخر صلوٰۃ مراد ہو پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الی آخر الصلوة کا قائل ہونا لازم آئے گا - فی شرح معانی الآثار قال ابو جعفر فہذا یوافق ما ذهبوا الیہ من ذلك و فی قول وائل ثم عقد اصابعه یدعو دلیل علی انہ کان فی آخر الصلوة مجیب - یدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجتہ لازمہ نہیں -

سائل - وجہ خامس - عن بشر بن سمعہ ان عمر یقول ان رفعکوا یدیکم فی الصلوة لبدعت - واللہ ما زاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہذا یعنی باصبعہ - رواہ ابن ابی شیبہ - اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوة قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ رفع یدین مع بسطہما سوال کے لئے موضوع ہے نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادتہ سائل مسئل عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہو گا جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب ناب (اشارہ بالسیاہ) کا محل بھی سوال یعنی دعا آخر صلوٰۃ ہی ہو - یہ اور بات ہو کہ تہلیل

مقدمہ دعا کا ہو کر کا لجز ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہو گئی اور اُس کے واسطے سے محل میں اُس کے نائب کے بھی داخل ہو گئی اس لئے ابتداء تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا۔ علاوہ ازیں اشارہ میں جہت نیابتہ لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہت اشارہ (فعلیہ) الی التوحید والاخلاص کی تھی کہ بیہقی نے روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشیر بہا للتوحید اور ابن تیمی سے مروی ہے۔ سئل ابن عباس عن تحریک الرجل اصبعاً فی الصلوٰۃ قال ذلک الاخلاص۔ لہذا ابتداء تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعا اور ہرنے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الی التوحید والاخلاص بھی حاصل ہو کر قول وفعل میں مطابقت ہو جاوے پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل انقطاع طمع شیطان لا ضلالا للعبد والقاء فی الشکر۔ ورفق سہود قمع شیطان و تخویف شیطان بھی مترتب ہوتے ہیں کہ وارد ہوا الہی ای الامامۃ اشد علی الشیطان من الحديد۔ روا لا البیہقی اور وارد ہوا ہی مذبت الشیطان لا یمسوا احدکم ما دام یشیر باصبع۔ اور وارد ہوا تحریک الاصابع فی الصلوٰۃ مذعرۃ الشیطان۔ روا لا البیہقی۔ الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین لل دعا ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مستحیب۔ ابن عمرؓ کا قول اس میں صریح نہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو اُس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبین ہیں کہ کشد کے وقت تھی باقی احادیث مذکورہ وجہ ہذا کو اگر ثابت بھی ہوں ما نحن فیہ سے کوئی مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے۔ مکافی المرۃ قال جلد اول ص ۵۵۵۔ اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمہ دعائے آخر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھہرایا ہے اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدہ ادلی میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمہ دعا نہیں ہے وہو کما تری۔ دوسرے دعائے آخر صلوٰۃ کو کہ نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عیب ہو وہو کما تری۔

سائل۔ وجہ سادس جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ آثار صحابہؓ سے سنیت اشارہ



ثابت ہوگئی اور اُس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا جو سنیت اشارہ کا رافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر رہتی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے شے اپنی حالت سابقہ پر باقی رہتی ہے تا وقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے پس حکم سنیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر رہتی رہے گا۔

**محبیب**۔ یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں طبقہ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنی ہے وجود مغیر کی دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للمعارض ہے پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا جیسا رفیع دین کہ اصل نماز میں اُس کا عدم ہے مگر عارض انتقال سے اُس کا تحقق ہوتا ہے پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا۔ ورنہ سائل کے قیاس کا مقصد یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اُس کے بعد وضع یا ارسال روایات میں منقول نہیں تو چاہئے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت ... ..

... .. رفع کی حالت میں پڑھا جاوے۔ فاقہم۔ البتہ اس قیاس سے تزیین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے ویشیر بالمسبحة دافعاً لها عند النفي وواضعاً لها عند الاثبات شر یستمر علی ذلك لان ثبت العقد عند الاشارة بلا خلاف ولو وجد امر یغیره فالاصل بقاء الشئ علی ما هو علیہ واستصحاب الی اخل امرہ و مالہ الیہ هذا صلا۔ اور اس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے۔ پس استمرار عقد میں اس قیاس پر عمل ہوگا۔

**مسائل**۔ وجہ سابع۔ ایسے ہی جبکہ ہمارے ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ۔ صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہو گیا اور اُس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنیت اشارہ بنا بر مذہب ائمہ کے بھی آخر تک باقی رہے گا۔

**محبیب**۔ فیہ ما قد مر فی الجواب عن الوجه السابق۔

**التماس**۔ تریین العبارت اگر دہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃ بھیج دیجئے

چنانچہ وہ رسالہ مل گیا اُس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے ۱۲ منہ۔

اُس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہاں کتاب میں نہیں ہیں مجھ کو روایت مذکورہ و بعد اول سے کچھ تردد ہو گیا۔ اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کر کے اخیر بات طے کر لی جاوے میں اُس کا اتباع کروں گا۔ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (ترجمہ ۵ ص ۵)

سوال (۱۹۸) بہشتی زید حقہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھنا کسی کتاب میں نہیں ہے چنانچہ ان لوگوں نے اُردو کی کئی ایک کتاب میں مجھے دکھائیں (جن میں شامی و کبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے اشہد ان لا الہ الا اللہ کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب لا الہ الا اللہ زبان سے کہے اُس وقت انگلی کو گرا دو

الجواب۔ ذرا جھکا دے یہ معنی ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکل نہ گراوے۔ صرح بہ ملا علی القاری فی رسالۃ تزئین العبادة بتحسین الاشواق ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۴۱)

رفع سبابہ در تشہد | سوال (۱۹۹) عورتیں تشہد میں رفع سبابہ کریں یا نہ کریں  
زناں را | اگر اُن کے لئے بھی رفع کا حکم ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہو تو بہشتی یو  
میں لکھ دینا چاہیے۔ یہ امر زیادت تشر کے ضرور خلاف ہے لیکن کسی نے اس جگہ فرق  
بین الرجال والنساء نہیں لکھا۔ ۹

الجواب۔ چونکہ فقہاء نے باب صفة الصلوة میں التزام کیا ہے کہ جن احکام میں مرد اور عورت میں تفاوت ہے اُس کی تصریح کر دی ہو اور رفع سبابہ میں اسکی تصریح ہو یہ دلیل ہوگی کہ یہ حکم مشترک ہے رہا شبہ زیادت تشر کے خلاف ہونے کا سو ضعیف ہے کیونکہ رفع یدین عند التحريم بالاتفاق مشروع و مسنون ہے اور یقیناً اس میں اشارہ بالسبابہ سے زیادہ کشف ہے۔ فقط (امداد صفحہ ۳۱ جلد ۱)

حکم محاذات اقدام | سوال (۲۰۰) صفحہ ۲۰۲ جلد ۲ الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ  
در حالت قیام | سطر ۸ میں ہے۔ حضرت انس رضی کی روایت سے حوالہ دیا ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید سے سب لوگ صوف کو سیدھا کرتے تھے۔

پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔ اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا نہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علماء کبھی تاکید کرتے ہیں اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملالو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔ ۹

الجواب۔ کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا کیا یہ ممکن نہیں کہ صفت سیدھا کرنے کے لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذۃ یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اُس کا مدلول نفوی محاذۃ یا الزاق کا حدوث ہے یا اُن کا بقاء۔ ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ (النور صفحہ ۱۰ اشوال لمکرم ۱۳۵۷ھ)

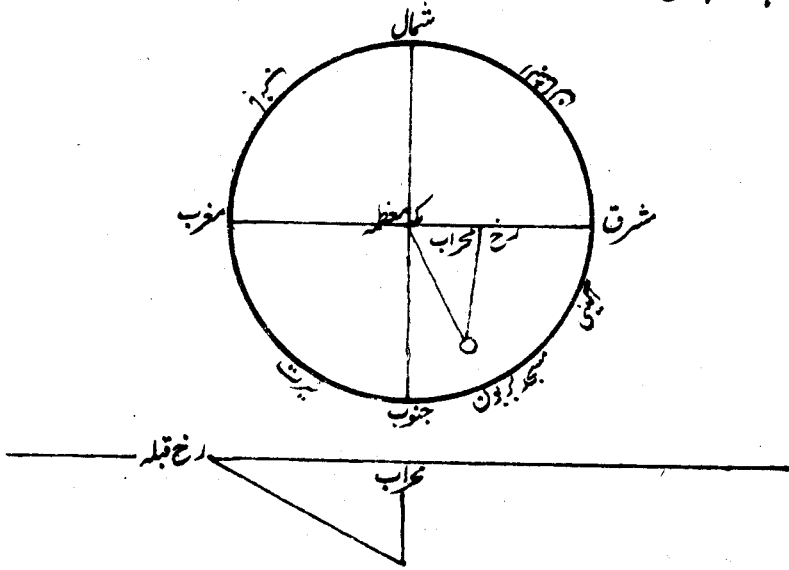
حد لاخرات عن القبلة کہ سوال { قائمہ قائمہ قائمہ قائمہ } (۲۰۰) مفسد صلوة نباشد

فی رد المحتار وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامة الی هذا الخط المار علی الکعبۃ فانہ بہذا الانتقال لا تزول المقابلة بالکعبۃ لان وجه الانسان مقوس ثوقال المفهوم مما قد مناع عن المعراج والدر من التقييد بمحصل زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعین الکعبۃ یمیناً او یساراً انہ لا یصح لو كانت احد لهما حادة والاخری منفرجة بہذا الصورة کعبہ مصلی ذنیہ ان الانحراف الی سیر لا یضر وهو الذی یبقی مع الوجه او شئ من جوانبہ مسامتاً للکعبۃ اولہما بان ینخرج الخط من الوجه او من بعد جوانبہ ویمر علی الکعبۃ او ہوا لہما مستقیماً ولا یلزم ان یكون الخارج علی استقامة خارجاً من جہتہ المصلی بل منہا او من جوانبہا کما دل علیہ قول الدر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجہتہ وھما جبینان۔ ج ۱ ص ۳ و ص ۳۰۔ شب ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۸)

حد انحراف قبلہ کہ مفسد صلوة نباشد | سوال (۲۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ

۱۵ ای علی زاویتین قائمتین ۱۲۹

میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر بربون واقع ہے۔ حسب نقشہ ذیل لہذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں۔



صورت مسجد کی یہ ہے۔ غلطی سے یہ اس رخ پر بنا دی گئی۔ معلوم ہونے سے اب فرق رخ قبلہ کا اس قدر ہے کہ اگرچہ جو تمام دنیا کا نقشہ ہے اس میں شہر بربون جس رخ پر واقع ہے وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب۔ سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے اگر مصلیٰ کے جبہ اور جبین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاوے گی۔ اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی۔ اب اس کو خود دیکھ لیا جاوے۔ دلیل المسئلہ مافی رد المحتار و کان الخط الخ قلت مأخذہ قولہ تعالیٰ فول وجہک شطر المسجد الحرام حیث امر بتولیة الوجه لا الجہت خاصۃ (تمنا بیہ) ریع دائرہ یک سمت کا سوال (۲۰۲) پنجاب میں مساجد کی تعمیر کے وقت قبلہ قطب اختلاف مفر نہیں ستارہ سے شمال قائم کر کے اس پر زاویہ قائم کر کے مغرب بناتے ہیں اور ہر مسجد میں سمت کعبہ ٹھیک مغرب کی جانب قائم ہوتی ہے۔ میرا خیال

قد صرت هذا العبارة قبل هذا السؤال متصلاً ۱۲ منہ

ہے کہ جب مسلمان حملہ آور اور مبلغ سب سے پہلے ہندوستان میں سندھ آئے تو سورت کے قریب کی بندرگاہ پر اترے جہاں پہلے بُت کدہ ہند میں مسجد کی تعمیر ہوئی۔ سورت میں یا وہاں کے قریب تو مسجد کی یہ سمت عین مغرب میں درست ہے۔ لیکن شمالی ہند میں مسجدوں کا رخ سمت کعبہ نہیں رہتا۔ اس کا کیا انتظام کیا جاوے۔ شہر گجرات میں مسجدوں کا بذریعہ کمپاس سمت کا امتحان لیا گیا تو سب میں فرق نکلا۔ کسی میں کم درجہ کا فرق تھا۔ کسی میں زیادہ تین مساجد بھی تو قریباً تیس مساجد میں سے ایک سمت میں نہیں۔ اس کے لئے حضور کی رائے اور شرعی مسئلہ دریافت طلب ہے۔ کیا یہ غلطی علماء کی کسی کمیٹی سے ہوئی یا مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں یہ غلطی ہرجگہ کی فقط الجواب۔ راجہ دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

### دوسرا خط پہلے خط کے سلسلہ میں

جواب مندرجہ بالا میں کیا جناب کا فتویٰ ذاتی خیال پر مبنی ہے یا اس کی تائید کسی کتاب کے حوالہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار من الدرر دجہتہا ان یصل الخط الخارج من جبین المصلی الی الخط اما بالکعبۃ علی استقامۃ بحيث یحصل قائمان الی قولہ یؤیدہ ما قال فی الظہیریۃ اذا اتیا من او تیا سر تعوذ لان وجه الانسان مقوس الخ وفيہ یلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامۃ خارجاً من جہتہ المصلی بل منها او من جوانبہا کما دل علیہ قول الدرر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجہتہ و ہما جبینان وفيہ لا یخفی ان اقوی الادلۃ النجوم والظاہر ان الخلاف فی عدم اعتبارہا انما ہو عند وجود المحاریب القدیمۃ اذ لا یجوز التحری معہا کما قد مناه لئلا یلزم تخطیۃ السلف الصالح وجماہیر المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفاذۃ فینبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوہا فی المفاذۃ لتصریح علمائنا وغیرہم بكونہا علامۃ معتبرۃ اھ (شرائط الصلوة) یہ سب عبارات میرے دعوے پر کافی

ودافع دلیلیں ہیں کہ ریح دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ فقط۔

**بقیۃ السؤال**۔ ہمارے یہاں گورنمنٹ نے ایک احاطہ مسجد کے لئے وقف کیا تھا جو قبلہ رو نہیں لیکن اس میں ریح دائرہ سے بہت کم یعنی بقدر  $\frac{1}{4}$  حصہ دائرہ کے فرق ہو سکتا ہے۔ کیا وہاں مسجد بنا دی جائے۔ کیونکہ قبلہ رو کرنے میں چاروں طرف سے ٹکڑے کاٹ دینے سے رقبہ آدھا رہ جاتا ہے۔ اگر اس طرح مسجد بنانے میں اعتراض نہ ہو تو مسجد بہت کشادہ ہو سکتی ہے۔ اور ضرورت کی سب چیزیں بن سکتی ہیں۔

**الجواب**۔ اوپر کی گنجائش بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکور ہوئی ہے۔ تاکہ جمہور مسلمین کا تحفیہ لازم نہ آئے لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تحفیہ سے زیادہ مفاسد ہیں۔ جیسے افتراق بین المسلمین و اطاعت لسان معترضین و جسات عوام علی الخرج عن الحدود و استحقاق حدود و امثالہا خلاف مصلحت ہے۔ نظیرہ ما مر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القدیمۃ و فی اعتبارہا فی المفاد۔ اس مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہو جانا اہوں ہے۔ یہ میری رائے ہے بہتر ہو کہ دوسرے حضرات اہل علم سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔ کتبہ شرف علی۔

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ (النور صفحہ ۹ شعبان ۱۳۵۷ھ)

**تحقیق عورت بودن** | سوال (۲۰۳) قبل ازیں یہ لکھا گیا تھا کہ جب عورت پشت ظہر کف مرآۃ کف دست کھول کر نماز پڑھے تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں اس کا جواب جناب عالی نے یہ تحریر فرمایا کہ نماز اس کی صحیح ہے اعادہ نہ کرے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب در مختار میں یہ لکھا ہے ظہر الکف عورت علی المذہب توجب نماز میں ستر عورت نہ ہو تو نماز نہ ہوئی لہذا اس کا اعادہ ضروری ہوا لہذا اس تردد کو رفع فرمائیے۔

**الجواب** ظہر کف کا عورت ہونا چونکہ مختلف فیہ ہے میں نے سہولت وابتلا عام کے لئے دوسرا قول لے لیا۔ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۲۹)

**دعوت اکثر جہتہ** | سوال (۲۰۴) کیا زمانے ہیں علما نے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں حالت سجدہ میں پیشانی کا کس قدر حصہ زمین پر رکھنا واجب

ہے اگر تھوڑا حصہ پیشانی کا زمین پر رکھا گیا اور اکثر نہیں رکھا گیا تو نماز بلا کراہت ہو جاوے گی یا نہیں۔ بینو تو جردا۔ ۹

**الجواب۔** فی الدر المختار وسجد بانفہ وجہتہ۔ و وضع اکثرہا واجب وقیل فرض کبعضہا وان قل فی رد المحتار اختلف هل الفرض وضع اکثر الجہتہ ام بعضہا وان قل قولان ارجحہما الثاني نعم و وضع اکثر الجہتہ واجب للمواظبۃ کما حرک فی البحر فی المعراج و وضع جمیع اطراف الجہتہ لیس بشرط اجماعاً فاذا اقتصصر علی بعض الجہتہ جازون قل کذا ذکرہ ابو جعفر فی الخزان ج ۲ ص ۵۲۰۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکثر حصہ پیشانی کا رکھنا گو علی الاصح فرض اور شرط نہیں لیکن واجب ہے ایسا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہوگی۔ ۹ رذی قعدہ ۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۹۸)

طریق اداۓ نماز کسے کہ نماز خواندن | سوال (۲۰۵) رمضان میں دو چار آدمی  
نہ اند محتاج تعلیم باشد | ایسے بھی آتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتے

ہیں اور ایک آدمی ایک ایک لفظ کر کے بتاتا ہے اُس کی نماز ہوگی یا نہیں اگر نہیں ہوتی تو کیا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ نماز بھی پڑھتا ہے مسجد میں آتا ہے اگر نہ بتایا جاوے تو کبھی مسجد میں نہیں آوے گا۔ اس مسئلہ میں متکلف ہو یا غیر متکلف برابر ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب۔** ایسا شخص دوبار نماز پڑھے۔ ایک دفعہ تو اسی طرح یہ تو نماز کی تعلیم ہو گئی اور دوسری بار بلا تعلیم اس طرح سے کہ نماز کے قبل اس کو بتلادیا جاوے کہ چونکہ تم کو قرأت و اذکار نماز کے یاد نہیں تم ہر رکن میں تین بار سبحان اللہ کہتے رہو یہ نماز اُس کی اصلی ہوگی۔ ۱۵ شعبان ۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۹۲)

سجدہ سے اٹھنے | سوال (۲۰۶) نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں تو  
لا مستحسن طریقہ | گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں ۹

**الجواب۔** ہاں اتمتہ السؤل۔ یا زمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو ۹ الجواب۔ نہیں لایعذر

تمتہ السؤل۔ یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں بہر حال کھڑے ہونے کا مستحسن

دستور کیا ہے۔ ۹

**الجواب**۔ اوپر لکھ دیا۔ فی الدر المختار۔ ویکر للہوض علی صمد و رد میہ بلا اعتماد و تعود استراحتہ فی رد المحتار بلا اعتماد ای علی الارض۔ قال فی الکفاۃ اشارہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احدہما یعتمد بیدہ علی رکبتہ عند ناد عند لا علی الارض الثانی الجلسۃ الخفیفة الخ (فصل ای فی بیان تالیف الصلوة) ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ ۳۵۶ مظفر ۳۵۶)

**سوال (۲۰۷)** آئین بالجہر کہنا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب**۔ جائز ہے جیسا کہ بالسر بھی جائز ہے اور مرجع احد الشقین کا تحقیق ہے یا تقلید۔ ۲، صفحہ ۳۳۱ (تمتہ خامسہ صفحہ ۲۳۳)

**سوال (۲۰۸)** رفع الیدین فی الصلوة جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب**۔ جائز ہے جیسا کہ عدم رفع بھی جائز ہے اور مرجع احد الشقین کا تحقیق ہے یا تقلید۔ (تاریخ دحوالہ بالا)

**سوال (۲۰۹)** بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے برائے مردان طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور دونوں بازو خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دواول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہیئے اسکی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں؟  
 عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہیئے یا ضرر رکوع کے وقت؟

مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہیئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہیئے؟

**الجواب (۱)** ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کے لئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا لہذا ملانے میں بناء علی الروایات الفقہیہ اور نہ ملانے میں بناء علی عدم نقل



فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملا کر نظر سے نہیں گزرا۔

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام میں اُس میں بمقدار چار انگلی ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہیے۔ فی رد المحتار بحث القیام وینبغی ان یکون بینہما (ای بین القدمین) مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع لکن ذی عن ابی نصر الدبوسی ان کان یفعلہ کذا فی الکبریٰ - ج ۱ ص ۶۶۲ - ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ - (تمہ خامسہ ص ۲۵۵)

سوال (۲۱۰) بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیا زعارض مدعام کہ در النور بابتہ ماہ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۳ - در جواب سوال الصاق کعبین تحریر فرمودہ اند کہ فقہاء کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا لہذا اطلاق اور نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے۔ انتہی ملتقطاً۔ اور مولانا عبدالحی مرحوم در سعاہ بریں مسئلہ بے بسط تام بحث فرمودہ و آخر کار فرمودہ کہ مراد فقہاء از الصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخرۃ الصاق حقیقی۔ نیز فرمودہ کہ امام کسائیکہ الصاق آورده زاہدی ست و نسبت زاہدی در نافع الکبیر و فوائد ہبیہ نوشتہ اند و آل کان اما ما جلیلانی الفقه لکنہ متنسابل فی نقل الروایات و ایضاً ہو معتزلی الاعتقاد حنفی الفردع قال صاحب رد المحتار فی تنقیح فتاویٰ الحامدۃ فی کتاب الاجارۃ المحادی الزاہدی مشہور بنقل الروایات الضعیفۃ و لہذا قال ابن وہبان و غیرہ انہ لا عبرۃ بما یقولہ الزاہدی مخالفاً لغيرہ انتہی لمخصاً معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام از سعاہ والنور صحیح تر ست براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔

**الجواب**۔ چوں منطوق قاضی است بر مفہوم و مفسر مبہم لہذا تحقیق سعاہ در عمل ترجیح وارد و قول من کہ حدیث میں کہیں نہیں دیکھا اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ از قواعد رد دل افتادہ بود۔ ۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس صفحہ ۱۳۸) تحقیق تحمید زن | سوال (۲۱۱) جناب دالانے ہشتی زیور کے صفت صلوٰۃ بعد تسمیع کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ پھر سمیع اللہ لمن حمدہ کہتی ہوئی سر کو اٹھائے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جاوے تو پھر اللہ اکبر

کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے تو کیا عورت کو رکعتنا لک الحُجْد نہ کہنا چاہیے یا سہو کا ہے یا چھاپے کی غلطی ہے مطلع فرمادیں۔ ۹

الجواب۔ عبارت میں کمی رہ گئی ہے یوں ہونا چاہیے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جائے ثور بَنَّا لَكَ الحُجْد کہہ کر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے اب یہ معلوم نہیں کہ مؤلف کی غلطی ہے یا کاتب کی۔ عجب نہیں اس کو سمیع اللہ کے تابع سمجھ کر مستقلاً لکھنے کا اہتمام نہ کیا ہو زیادہ نظر اس پر رہی ہو کہ بدون سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاوے جیسا بعض کی عادت ہے۔ (ترجیح خامس ص ۱۸)

تحقیق سنیت یا وجوب | سوال (۲۱۲) عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ جو بہشتی زیور حقہ دوم قومہ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ۔ کہ اگر رکوع کے بعد اچھی

طرح کھڑی نہیں ہوئی ذرا سر اٹھا کر سجدہ میں چلی گئی تو نماز پھر سے پڑھے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر قصد ایسا کیا ہو تو پھر سے پڑھے اور جو بھول کر کیا تو سجدہ سہو کرے۔ غرض یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں آتا کیونکہ رکوع کے بعد سیدھا ہونا واجب نہیں سنت مؤکدہ ہے اس صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ اب حضور تحریر فرمادیں کہ یہ ٹھیک ہے یا جو بہشتی زیور میں لکھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ جواب سے مشرف فرمادیں۔ ۹

الجواب۔ اس کی سنیت و وجوب میں اختلاف ہے۔ اُن مولوی صاحب نے سنیت کی بنا پر یہ فرمایا اور بہشتی زیور کا مضمون اس وجوب کی بنا پر ہے اور بہت سے علماء نے وجوب کو ترجیح دی ہے اس لئے بہشتی زیور میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ کما فی رد المحتار عن البحر۔ و وجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بین السجدتین للمواظبة علی ذلک کلامہ فی حدیث المسی صلا و لما ذکر قاضی بخان و من لزوم سجود السہو بترك الرفع من الركوع ساهیاً الی قولہ والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الہمام وتلمیذہ ابن امیر الحاج حتی قال انہ الصواب واللہ الموفق للصواب اھ۔ وقال فی شرح المنیۃ ولا ینبغی ان یعدل عن الدراية اذا وافقتہارواۃ علی ما تقدم عن فتاویٰ قاضی بخان وفيہ عن القنیۃ فی مکث فی الركوع والسجود

وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منهما - هذا هو الواجب عند  
ابی حنیفہ و محمد حتی لو ترکها او شيئاً منها ساهياً لیسئرها السهو ولو  
عمداً یکره اشدها کراهة ویلزمه ان یعيد الصلوة ویکون مقبولة  
فی حق سقوط الترتیب و نحوه ج ۱ ص ۳۸ و ص ۳۹

۶ ر ذی الحج ۱۳۳۸ھ در ترجمہ خامسہ صفحہ ۱۱۰

جواب شبہ بر جواز توجیہ | سوال (۲۱۳) بعض رسائل میں احادیث صحیحہ لکھی ہیں  
در نیت قبل تحریمہ کہ نیت کے بعد توجیہ یعنی اتی وجہت الخ ہاتھ باندھنے  
اور تحریمہ کے پہلے ثابت ہے ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اس کی وجہ اگر  
مناسب ہو ارقام فرمائی جاوے۔ ۹

الجواب - تحریمہ کے قبل توجیہ کی کوئی حدیث ذہن میں حاضر نہیں اگر  
ایسا ہے تو امام صاحب کے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ بدون دلیل کے کیسے قائل  
ہو جاوے اور اگر کوئی حدیث ہو تو نقل کی جاوے البتہ بعد تحریمہ کے منقول ہے  
چنانچہ مسلم میں روایت ہے امام صاحب اُس کو نوافل پر محمول فرماتے ہیں چنانچہ  
نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب ما یقرء  
بعد التکبیر میں ہے ۵ (تمتہ خامسہ صفحہ ۷۷، ۷۸)

## بَابُ الْقِرَاءَةِ

نماز میں دو سورتیں اس طور پر پڑھنا | سوال (۲۱۴) نماز میں دو سورتیں اس طور  
کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے  
مثلاً اول میں سورہ فتح یعنی اذا جاء دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب - اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے جس میں دو رکعت

۵ یہ میں نے یاد سے لکھا تھا مگر پھر کوئی روایت مساعدا نہیں ملی متبع سے معلوم ہوا کہ مطلب  
اس کا کہ بڑی سورت کا بیچ میں چھوڑنا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اُس  
کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہو جاوے جیسا اذا جاء کے بعد سورہ تبت  
پڑھنے میں یہی امر لازم آتا ہے۔ کذا فی رد المحتار فصل القراءۃ ۱۲ سنہ

ہو سکیں جائز ہے چھوٹی ناجائز۔ واللہ اعلم۔ ۶ رمضان ۱۳۱۹ھ ۚ

حکم فصل کردن آیات در قراءت | سوال (۲۱۵) امام نے صبح کی نماز میں سورہ دہر  
سورہ واحدہ در دور کعت ۚ پڑھی اول رکعت میں ھلّ آتی سے مُتَشَكُّراً

تک یعنی ایک رکوع پڑھا دوسری رکعت میں اِنَّ هُوَ لَآءِ سے ختم سورہ تک پڑھا  
در میان میں چھوٹی چھوٹی تین آیات چھوڑ دیں مقتدیوں میں کسی شخص نے ایک سلام  
پھیرنے کے بعد تکبیر سجدہ سہو کے واسطے کہی امام نے سجدہ سہو نہ کیا اور کہا کہ نماز  
ہو گئی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ ہو گئی مگر کراہت رہی کیونکہ در میان میں دو صورت  
چھوٹی یا بقدر انھیں سورتوں کے عبارت چھوڑنی چاہیئے جس میں دو رکعت پڑھی  
جاسکیں۔ امام کہتا ہے کہ دو سورتوں کا چھوڑنا کوئی ضروری بات نہیں اگر ہے تو  
چھوٹی ہی سورتوں میں ہے بڑی سورت میں جتنا جی چاہے چھوڑ کر پڑھے حتیٰ کہ اگر  
ایک چھوٹی سی آیت بھی در میان قراءت دور کعت کے چھوڑ دے تب بھی بلا کراہت  
نماز ہو جائے گی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ میری نماز نہ ہوئی ایک تو اسیدوہ سے جو  
اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ امام صاحب کے ٹخنے ازار سے ڈھکے  
ہوئے تھے اور قبل نماز کے بھی کہا گیا تھا کہ ازار اوپر کو کیجئے خیر اوپر کو کی بھی تو نہ ہوئی یعنی  
ٹخنے نہ کھلے۔ انھی وجوہات کو مد نظر رکھ کر دوبارہ نماز پڑھی گئی اور تکرار جماعت میں امام  
صاحب بھی شریک ہوئے۔ آیا صورت مذکورہ بالا میں نماز بلا کراہت ہوئی یا بکراہت  
اگر بکراہت ہوئی تو یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی اور در میان قراءت دور کعت کے  
عبارت کس قدر چھوڑنی چاہیئے جس میں کسی قسم کی کراہت نہ رہے۔ بینوا بالکتاب  
توجروا یوم الحساب - ۹۔

الجواب فی الدال المختار۔ ولا بأس ان یقرأ فی اولی من محل و فی

الثانیۃ من آخر ولو من سورۃ ان کان بینہما ایتان فاکثر و فی رد المحتار  
تحت قولہ ولو من سورۃ لکن الا ولی ان لا یفعل بلا ضرر و لا نہ یوہو  
الاعراض والترجیح بلا مرجح شرح المینیۃ ج ۱ ص ۵۵۔ روایت ہذا سے  
ثابت ہوا کہ در میان میں تین آیتیں چھوڑ دینے سے کراہت نہیں ہوئی البتہ خلاف  
اولیٰ ہوا لیکن یہ کہنا کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی در میان قراءت دور کعت کے

چھوڑ دی تب بھی بلا کر اہت نماز ہو جاوے گی یہ غلط ہے۔ لماہر فی السراویۃ من قولہ ان کان بینہما ایتان فاکثر۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ۔ دتیمہ اولیٰ صفحہ ۱۵

دلیل حنفیہ در مسئلہ | سوال (۲۱۶) سورۃ فاتحہ مقتدی کو امام کے پیچھے پڑنا جائز  
قراءت خلف الامام ہے یا نہیں بمذہب امام اعظم رحمہ اللہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ  
تعالیٰ علیہ نے کونسی آیت شریفہ کے حوالہ سے منع فرمایا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے الحمد للہ  
الجواب۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ممانعت ہے اور گو آیت اذا قرئ  
القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے اس پر استدلال ممکن ہے اور علماء نے کیا ہی  
مگر اصل استدلال احادیث صحیحہ سے ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اذا قرأ فانصتوا حدیث  
صحیح موجود ہے وجہ استدلال اطلاق ہے قراءۃ کا۔ پس جہری ستری اور فاطمہ وغیرہ  
سب کو شامل ہے بندہ نے رسالہ اقتصاد میں اور مسئلوں کے ساتھ یہ مسئلہ بھی تفصیل  
سے لکھ دیا ہے۔ ۱۶ رجب ۱۳۲۷ھ (امداد اول صفحہ ۷۹)

حکم قراءۃ فاتحہ در نماز جنازہ | سوال (۲۱۷) قراءۃ خلف الامام در نماز ماورست  
ومسح رقبہ در وضو : یا نہ و حنفیہ از چہ باتنا عیش کو شیدہ اند۔ و در نماز جنازہ سورۃ  
فاتحہ خواندن ہم سنت است یا مستحب یا مکروہ و ممنوع مسح گردن اند و وضو مستحب است  
یا بدعت۔ بینوا توجروا۔ ۹

الجواب۔ خلاص کلام دریں باب آن است کہ احادیث باب بر سرہ نوع منقسم  
است بعضہ دلالت بر وجوب دارد و بعضہ دلالت بر جواز۔ مکافی قولہ لا تقولوا  
الا بام القرآن و بعضہ دلالت بر اتناع دارد مکما ذکرہ الامام محمد فی موطاہ رجوع  
نمودیم باقوال و افعال صحابہ آنہا را مختلف یا فقیم رجوع بقیاس نمودیم وجوہ ترجیح و  
تطبیق علی انحرافی برآمد فکل اخذ ہمارائی علماء حنفیہ احادیث وجوب را محمول  
بر مطلق قراءۃ عام از حقیقۃ و حکمیۃ یعنی تبعاً للامام داشتند مکما ہو مؤید بعض از آیات  
مثل قولہ علیہ السلام من کان لہ امام فقرأ کالامام فقرأ کالامام الحدیث  
او مکما قال و حرمت را بر جواز ترجیح دادند مکما ہو مقرر فی اصولہم لئلا یلزم

۱۵ ما یعلق الحدیث زیادہ اونی ہے ۱۲ منہ تحقیق ما یعلق بالا حدیث میں لکھنا زیادہ مناسب ۱۲ منہ۔

تکسر ادا النسختہ پس عمل بر دلائل وجوب در ضمن قراءۃ امام بدست آمد باقی مانند دلائل  
جواز و منع اگر جائز را ترک کنیم ملامتی نیست بخلاف ارتکاب ممنوع کہ محل خطرست  
این ست مسلک حنفیہ - اما کلام در سنیت قراءۃ فاتحہ در صلوٰۃ جنازہ پس باید دانست کہ  
سنت بدو معنی اطلاق کردہ می شود یکے آنکہ احیاناً برای بیان جواز و غیر آں از مصلح شرعی  
شارع علیہ السلام فعلی کردہ باشند و بدین معنی سنیت فاتحہ در صلوٰۃ جنازہ انکار کردہ  
نمی شود چنانکہ ابن عباس رضی اقرار سنت فرمودہ اند دیگر آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بقصد استحسان آں چیز عمل کردہ باشند چنانکہ اکثر اطلاق این لفظ بر ہمین معنی است باین  
معنی در سنیت فاتحہ کلام ست امام صاحب نفی فرمودہ اند و دیگر فقہاء با ثبات کوشیدہ اند و اگر  
انصاف کنیم و قول ترمذی را بیا داریم الفقہاء ہما علمو بمعانی الحدیث از مجتہدان  
مطالبہ نمی رسید کہ این معنی از کجا تعیین کردند در حق شان اتفقاء قلب در شرح صدر کافی  
ست پس رفتن امام صاحب بسوئے سنیت بالمعنی الاول و دیگر ائمہ بسوئے معنی  
ثانی گنجایش دارد از ایشاں طلب دلیل بمنزلہ طلب دلیل ست از صیغیاء در حکم کردن  
بہودۃ در دادۃ فتنۃ و ذہب فافہم و النصف علاوہ برآں ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ شدید اتفصا الاتباع  
از سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود در جنازہ فاتحہ نمی خواند مکاراۃ مالک فی موطا  
این روایت ہم موید ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ است مزید برآں لفظ حدیث فاخلصوا الی الدعاء - رواہ  
ابن ماجہ - موید ست مرآئے امام صاحب را کہ اصل صلوٰۃ جنازہ دعا ست و اخلصوا  
چگونہ اشارہ لطیف می کند کہ غیر دعا بدعا مشوب نکرده شود از ہمیں جا اگر بہ نیت ثنا و دعا  
خوانند اجازت می فرمایند و فعل شایع اگر بر ہمیں معنی محمول کردہ شود بجا ست بہر حال  
شرح صدر مجتہدی و فعل ابن عمر رضی اللہ عنہما و لفظ اخلاص موید رائے امام ہما ست چہ خوشتر کہ  
اگر خوانند بہ نیت دعا خوانند کہ عمل بالحدیث ہم میسر شود و از اختلاف کبر امدین ہم بیرون  
آیند - واللہ اعلم - اما مسح گردن - پس علماء بر سہ شعب راہ گرفتند سنیت و استحباب و کبریا ست  
اقرب الی التحقيق قول ثانی ست روایات حسان درین باب وارد شدہ کہ مفید استحسان  
عمل و ثبت فضائل می توان شد ذکر تملک الروایات و حید عصرہ المولوی عبدالحی اللکھنوی  
فی رسالۃ تحفہ الطلبة فی مسح الرقبۃ - واللہ اعلم - فقط (امداد اول صفحہ ۲۹)

درجہ ادنیٰ قرات | سوال (۲۱۸) نماز میں قراۃ کو قاری نہ منے نماز نہیں ہوتی ہیشی زیو  
میں لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شور و

غل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے کیونکہ ہر چیز کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراۃ کو دُور کے لوگ بھی سن لیں۔ اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے۔ اور سری قراۃ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراۃ قاری ہی منے اور دوسرا نہ منے اگرچہ برابر کھڑا ہوا۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ منے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں۔ چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا ادنیٰ ہے وہ کو نسا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے کہ نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ منے تو نماز ہو جاو گی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار فصل القراءة و ادنیٰ الجہر اسماع غیو کا  
و ادنیٰ المختار اسماع نفسہ۔ اور رد المختار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب  
کر کے اصح و ارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی لہذا ہیشی زیو کے مؤلف نے اسکو  
اختیار کیا اور ایک قول کرخی کا ہے صرف تصحیح حروف کافی ہے تو خود بھی نہ منے اور بعض نے  
اس کی بھی تصحیح کی ہے۔ کذا فی رد المختار۔ پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے باقی نماز کرخی کے  
قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہوجا دے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۷۔ ربيع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۸۹)

حکم زلات عامہ قاری در صلوٰۃ | سوال (۲۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں  
مہ تحقیق متعلق فتویٰ بالا؟ | موافق فقہ حنفی کے کہ آجکل عموماً کیا علماء اور کیا عوام جیسا کہ  
آنجناب پر بھی روشن ہے۔ علم تجوید سے بالکل ناواقف ہیں یعنی کسی استاد واقف سے نہیں  
سیکھتے بلکہ بطور خود بعض حروف میں فرق کر کے بلا خیال مخرج و صفات پڑھتے ہیں مثلاً:  
تس و ص کے اندریات اور ط میں۔ حالانکہ ماہرین فن تجوید لکھتے ہیں کہ باوجود تمیز کے حروف  
اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتے خصوصاً حرف ص کہ یہ تو عموماً خواہ عرب خواہ عجم کوئی بھی  
اس حرف کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتا بعض مشابہ ظلاً اور بعض مشابہ بالذال پھر  
بعض صاف ذال پڑھتے ہیں بعض دال مخم۔ بعض کے پڑھنے میں ایک واؤ بھی سمجھ میں  
آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے۔ آیا یہ لوگ معذورین کے حکم میں ہیں اور حروف کو  
سیکھنا اور ان کو مخالف مع صفات کے ادا کرنا ان پر فرض اور ترک سے گنہ گار ہیں۔ کیونکہ

مخارج حروف کے مشترک ہوتے ہیں مگر فرق صفات سے ہوتا ہے یا بوجہ عموم بلوی مطلقاً صحت نماز کا فتویٰ دیا گیا ہے اگر دیا گیا ہے تو دلیل تحریر فرمادیجئے۔ اب ایسی حالت میں اگر کوئی شخص حروف کو عمدہ طریقہ سے مخرج سے نکالے اور حرف ضما کو بھی مخرج سے نکالے اگرچہ صورت اُس کی مشابہ بالظاہر ہو تو ایسے شخص کی نماز ان لوگوں مذکور الصدر کے پیچھے کہ جو بطور خود حرف کو متمیز کر کے پڑھتے ہیں اور حرف ضما کو ذال بسید یا نفخ کر کے یا مشابہ بالظاہر پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں خاص کر جبکہ یہ شخص جو واقف تجوید ہے واقف مسائل ضروریہ صلوٰۃ بھی ہو اور دوسرا شخص عالم فقہ و حدیث ہو مگر قراءت اُس کی موافق قواعد تجوید نہ ہو بلکہ مثل قراءت مرویہ اس زمانہ کے ہو۔ اگر اس واقف تجوید کی نماز صحیح نہ ہوئی تو وقت مقتدری ہونے اس قاری کے امام کی اور بقیہ مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی یا نہیں جیسا کہ جب اُمّی کی اقتداء قاری کرے اُس وقت کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدیوں کی احقر کو ان عبارات فقہائے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ باوجود اہل علم کہلانے کے امامت کے قابل نہیں اور سیکھنا تجوید کا فرض ہے اور اُس کے ترک سے ہر وقت گنہ گار ہیں۔ آیا یہ فہم احقر کا ان عبارات صحیح ہے یا نہیں۔ انہ بعد بذل جہد کا دائما ای فی اناء اللیل و اطراف النہار فمادام فی التصحیح والتعلو ولعقد مفصلوات جائزۃ وان ترک جہدکافصلوات فاسدۃ قال فی الذخیرۃ وان مشکل عندی لان ما کان خلقتہ فالعبد لا یقدر علی تعبیرہ کالاحی فلا یوم الا مثله و لا تصح صلوٰۃ اذا امکنہ الا قتداء بہن یحسنہ او ترک جہد کا وجہ قدر الغرض ہمالا لثغ فیہ۔ ہذا هو الصحیح المختار فی حکم الا لثغ کذا فی رد المحتار باب الامامۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اشغ جو فطرۃ معذور کیا معنی بلکہ مجبور ہے معاف نہیں کیا گیا بلکہ دوا اُس پر سیکھنا اور کوشش کرنا فرض ہے یہاں تک کہ جب تک سیکھتا رہے گا تو نماز درست ہوگی ورنہ نماز فاسد ہوگی اور بعد کوشش کے بھی وہ اُمّی ہے جب ایسا معذور فطری معذور نہیں تو جو شخص کہ باعتبار فطرت مجبور نہیں فقط اپنے تساہل سے سیکھنے کا قصد نہیں کرتا کیوں معذور شمار کیا جاوے اور کیوں نماز اُس کی صحیح ہو اور کیوں گنہ گار نہ ہو البتہ شامی کا ذخیرہ کی عبارت کا نقل کرنا مشتبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید اس حکم کی تصحیح میں کچھ کلام ہے اگلی عبارت اس سے زائد تصریح کرتی ہے۔ وکذا من لا یقدر



على التلغظ بحرف من الحروف وذلك كالرهن السهم والشيتان الرحيم والاملين اياك نابذ ونستئين وانامت فكل ذلك حكمه مامر من بذل الجهد دائماً فلا تصح الصلوة۔ اب اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں یا نہیں جو حرف ضاد کو مخرج سے نہیں نکالتے اگر نہیں تو کیا دلیل ہے۔ پھر فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف ضاد کو ظاء سے زیادہ مناسبت ہے نہ ذال سے جیسا کہ شامی کے زلہ القاری میں ہے وان لم یکن الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين فاکثر هو على عدم الفساد لعموم البلوی دوسری جگہ ہے وفيها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاداً لمخرج وقرب۔ الا ان فيه بلوی العامة كالطاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ۔ قاضی خان میں ہے۔ لو قرأ الظالمین بالظا او بالذال لا تفسد صلوات۔ ولو قرأ الدالین بالدال تفسد۔ ان عبارتوں سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشابہ بالذال پڑھنے سے فاسد ہے اور مشابہ بالطاء پڑھنے سے بعض کے نزدیک فاسد نہیں۔ مگر قاعدہ مقتدیین کے مطابق صحیح نہیں تو ایسی صورت میں جو شخص کہ حرف ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اُس کی نماز آجکل کے علماء کے پیچھے جو اکثر دودا پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کے ہوتے امام کسکو بنانا چاہیئے مکرراً مورد مسئلہ کو مختصر عرض کرتا ہوں۔ (۱) تجوید واجب کی کیا مقدار ہے آیا مطلقاً تمیز بین الحروف یا اداء الحروف من الخارج مع الصفات۔ (۲) امی عند الشریع کون ہے اور قاری کون ہے۔ (۳) حرف ضاد مخرج سے نہ نکالنے والے خواہ ظاء پڑھیں یا مشابہ بالذال پڑھیں اُتی ہیں یا نہیں (۴) جو شخص کہ ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اُس کی نماز شخص مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوگی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام دودا پڑھنے والے کی اور مقتدیوں کی نماز بھی ہوگی یا نہیں۔ (۵) دودا پڑھنے والا عالم امام فضل ہے یا قاری جو مسابیل ضروریہ صلوات سے واقف ہو رہا۔ (۶) مسائل ایک عبارت رسالہ قراءت کی نقل کرتا ہے کہ جو حوالہ دیتا ہے فتح القدیر اور وسیلۃ السعادة کا بدائیکہ دانستن وخواندن قرآن بہ تجوید کہ آں عبارت از دادن حروفہا است حق آں حروف فرض عین و لازم ست بر ہر کس کہ قرآن خواہ از برائے آنکہ بہ تجوید نازل شدہ و همچنین از آنحضرت علیہ السلام بواسطہ اساتذہ منقول

شہر چنانکہ در شرح مقدمہ جزئی آورده اگرچہ فقہائے عظام بسبب آنکہ نماز فرض عین است  
 در زلہ و خطا کردن از تجوید وسعت کرده نماز جائز داشته اند اما بہ ترک امامت این چنین کفر منہ  
 اند معلوم است کہ معنی زلت و خطا فعلی ناشائستہ بے اختیار از کسے کہ دانائے کمال باشد  
 صادر شدن است نہ آنکہ چیزے را کہ ندانند اورا زلت گویند چنانکہ در وسیلۃ السعادۃ کیلے  
 از کتب فقہ معتبر است آورده کسے کہ از ادائے حروف در رعایت قواعد قرآنی عاجز باشد بلاد  
 لازم است باقی عمر در شب و روز در تعلیم قرآن بکوشد والا نمازش جائز نیست۔ کمافی فتح القدر لابن  
 الہمام۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آجکل جو غافل از علم تجوید عالم و جاہل ہو رہے ان کی نماز  
 نہیں ہوتی اور امامت تو ہرگز نہ کرے تو امامت ایسے شخص کی جائز ہے یا نہیں۔ (۷) قاری  
 عبد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ تلفظ الضاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد معجزہ  
 حروف سے مخرج جدار کہتا ہے اگر اپنے مخرج سے نہ نکلا اور کسی حرف کے مخرج سے نکلا ظاہر  
 یا دال وغیرہ سے تو وہی ہو گیا نہ کہ ضاد رہا اور اگر حرف معتبرہ سے نہ نکلا تو شمار حروف سے نہ رہا  
 بلکہ ہل ہو گیا جیسے رقی وغیرہ علما نے لکھا ہے کہ وہ کلام بالکل ہل ہو گیا۔ (۸) پھر فرماتے ہیں  
 کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص بطور خود جس طرح چاہے قرآن پڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 سے کسی نے پوچھا کہ ہم قرآن کو اپنی زبان میں ترجمہ کریں تاکہ ہم کو پڑھنا آسان ہو۔ فرمایا کہ ہرگز  
 نہیں۔ بلکہ قرآن پاک انہیں حروف منزل پر رہے۔ ہاں تفسیر اپنی زبان میں کرو حضرت علیؑ  
 نے ترجمہ جائز نہ لکھا پھر تبدیل حروف کس طرح جائز ہوگی کہ تحریف صریح قرآن کی ہے۔ جب  
 بہدایت قرآن و حدیث ممانعت پڑھنے بوجہ عجم کی معلوم ہوئی تب بمقابلہ اس کے اقوال بعض  
 مفسرین مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے کہ انسان مکلف ساتھ تمیز حروف ضاد کے بغیر اپنے سے نہیں ہے  
 سناۃ جادے گا بلکہ اس جگہ قول حضرت علیؑ اور امام ابو عمرؒ دوانی کا کہ امام قراءت اور تجوید کے تھے  
 مقبول ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح تاکید تصحیح و تجوید کی فرمائی ہے۔ غرض کہ فن قراءت جدا  
 ایک فن ہے کہ مدار اس کا محض لقل اور روایت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے اور  
 قیاس کو بالکل دخل نہیں ہے اور جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ اہل بہام تجوید نہ تھا  
 اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہؓ عربی تھے اور بعض صحابہؓ جو عجمی تھے انھوں نے رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم سے صحیح کر لیا تھا اور جو صحابہؓ باوجود تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سعی  
 کے ان کی زبان نے مطاوعت نہ کی اور قابو میں نہ آئی وہ معذور تھے۔ غرض ایسے مضمون

بزی اور ابو عمرو دوانی اور ملا علی قاریؒ کی کتابوں کو دیکھ کر یہ لوگ قراءۃ کے امام تھے اور محدث مفسر و فقیہ تھے اور یہ لفظ خاص عرب کا ہے نہ عجم کا اپنی زبان پر جو عجم کو آسان تھا وہ ادا کر لیا اور عرب خاص کے جو دو ایک گھر ہیں وہ اب تک صحیح پڑھتے ہیں اس وقت کے عرب کا ادائے حروف لائق استدلال نہیں (۹) پھر فرماتے ہیں کہ ضاد کا مخرج چھوڑ کر کسی اور حرف کے مخرج سے قصداً ادا کرنا تو حرام ہے بلکہ بعید نہیں کہ کفر ہو اور اگر قصداً ادا کرنے ضاد صحیح کا کیا گہ سبقت لسانی سے غلطی ہو گئی۔ اس صورت میں اُمیدوار معافی حق تعالیٰ کا ہے اور اگر بسبب عدم مطاوعت زبان کے ہے اور زبان قابو میں نہیں ہے تو سیکھنے صحیح ضاد تک اور مشق کر کے صاف کرنے تک معاف ہے اور جو استاد سے سیکھا بھی نہیں اور جان بوجھ کر سہی طرح غلط پڑھتا رہا تو اول گنہ گار غلط خوانی کا۔ اور دوسرا گنہ گار ترک واجب کا اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور یہ شخص اُمتی ہو گا۔ اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہو گا اور روایات فقہیہ جو از نماز کی معذور کے حق میں ہیں نہ کہ کاہل کے (۱۰) پھر فرماتے ہیں جواز صلوٰۃ غلط خواں میں فقہاء میں اختلاف ہے اوصاحیح عدم جواز موافق اس قاعدہ اصولیہ کے ہے اذاداد الامر بین الحظر والاباحۃ فالفتویٰ علی الحظر۔ دوسرے کہ سند اور قیاس مسئلہ قراءت کا ساتھ مسئلہ فقہ کے درست نہیں۔ تیسرے یہ کہ جواز و عدم جواز قراءت کے معنی اور ہیں کہ صحت قرآن ہے اور جواز و عدم جواز صلوٰۃ کے معنی اور ہیں کہ برائۃ الذمہ ہے پس جب محمول مختلف ہوا تو قیاس مع الفارق ہوا اور وہ باطل ہے۔ چوتھے یہ کہ جواز و عدم جواز بیج روایت فقہیہ کے محمول ہے جواز نماز پر غرض ہم سب سے دگر رے اور قطع نظر کرتے ہیں کہ قاضی خان اور شامی اور سب روایات کو فقہاء زلہ القاری اور غلط خواں کے ذکر میں لائے ہیں بسبب عدم مطاوعت زبان اور عجم بلوی جواز کا حکم دیا گیا ہے پھر جس نے فتویٰ دیا ہے جواز نماز کا اُس شخص کا حکم ہے کہ جسکی زبان قابو میں نہ ہو اور اجد سیکھنے کے غلط پڑھے تمام ہوئی عبارت قاری صاحب کی۔ لہذا گزارش ہے کہ ان عبارات کے مخالف جو حدیث یا عبارت فقہ واسطے جواز نماز و امامت ایسے شخص کے ہو تحریر فرماویں فقہاء زمان حال کا فتویٰ تو جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے مگر چونکہ قاری صاحب بھی اس زمانہ کے محدث و فقیہ و مفسر تھے تو قاری صاحب نے کیوں مخالفت کی اس واسطے دلیل کی ضرورت ہے کہ کیونکر نماز ایسے شخصوں کی ہوتی ہے اور گنہ گار کس درجہ کے ہوتے ہیں (۱۱) اگر کوئی شخص استاد ماہر سے تجوید سیکھنا شروع کرے تو اثنائے تعلیم میں لائق امامت ہے

یا نہیں (۱۲) اگر جواز نماز و امامت ہے اور پھر بھی کوئی شخص ماہر تجوید بوجہ اس کے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اول یہ کہ اقوال متقدمین و متاخرین میں اختلاف ہے دیگر یہ کہ قاری عبد الرحمن صاحب مرحوم و دیگر علماء حال کا اختلاف ہے اس واسطے احتیاط پر عمل کرے اور اعادہ اس نماز کا جو امام غیر مجتہد و قاری کے پیچھے پڑھی ہے کرے بوجہ بچنے اختلاف کے تو یہ جائز ہے یا نہیں (۱۳) اور اعادہ نماز فجر و عصر کا بوجہ نمبر مذکورہ کے کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب۔** امراؤل۔ تتبع روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلۃ القاری کے چند اقسام ہیں اور اکثر اقسام میں روایات توسع کی موجود چنانچہ وہ اقسام یہ ہیں۔ خطائی لاغزاً۔ ابدال حروف بحرف۔ تخفیف مشدود۔ تشدید مخفف۔ زیادة حروف۔ نقص حروف۔ فصل حروف۔ بکلمہ۔ قطع بعض الکلمہ عن بعض۔ وقف و ابتداء۔ ترک شد۔ زیادت کلمہ نقص کلمہ۔ تقدیم۔ تکرار کلمہ۔ تبدیل کلمہ۔ اور روایات یہ ہیں۔ فی رد المحتار و اما المتأخرون کا بن مقاتل و ابن سلام و اسمعیل المزاهد و ابی بکر البلخی و الہندی وانی و ابن الفضل و الجوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی الاعراب لا یفسد و لو اعتقاد کفر لان الناس لا یمیزون بین وجوه الاعراب قال قاضیخان و ما قالہ المتأخرون اوسع و ما قالہ المتقدمون احوط و فیہ قال فی الخلاصۃ الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حروف و غیر المعنی الی قولہ قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک یفسد و ان جرى علی لسانہ۔ او لا یعرف التمییز لا تفسد و ہوا المختار حلیہ۔ و فی البنزازیۃ و ہوا عدل الا قادیل و ہوا المختار و فیہ قولہ و تخفیف مشدد و قال فی الفتح عامۃ المشاعر علی ان ترک الممد و التشدید کالخطا فی الاعراب اھ قلت و قد مر عدم الفساد فی الخطا فی الاعراب انفا فی الروایۃ الاولی و فیہ قولہ و عکس۔ قال فی شرح المنیۃ و حکم تشدید المخفف حکم عکس۔ فی الخلاف و التفصیل و فیہ قولہ و زیادۃ حروف قال فی البنزازیۃ و لو زاد حرفاً لا یغیر المعنی لا تفسد عندہما و ان غیر فسد بعد اسطر لکن فی المنیۃ و ینبغی ان لا تفسد شو قال اقول و الظاہر ان مثل زیاد بیب و مثانین یفسد عند المتأخرین ایضاً اذ لہ یذکر و فیہ خلافاً و فیہ قولہ و نقص حرفاً اما ان یغیر المعنی او لا فان غیر تفسد

الی قولہ۔ وان لم یغیر لا یفسد اجماعاً وفیہ قولہ ابوہریرہؓ کہ الخ  
قال فی البزازیۃ ان لا یفسد فی المئیۃ لا یفسد علی قول العامة وفیہ  
بعد اسطر واما قطع بعض الکلمۃ فافقی المحلوانی بان مفسد وعامتهم  
قالوا لا یفسد لعمومہم بلوی فی النقطع النفس والنسیان وعلی هذا لو قطع  
قصدا ینبغی ان یفسد وبعضہم قالوا ان کان ذکر الکلمۃ کلہا مفسدا  
فذلک بعضہا کذلک والا فلا قال قاضی خان وهو یصحح والا ولی لاخذ بهذا  
فی العمد ویقول العامة فی الضرورة وفیہ قولہ ابوہریرہؓ وابتداء  
قال فی البزازیۃ الا بتداء ان کان لا یغیر المعنی تغیرا فاحشا لا یفسد  
الی قولہ وان غیر المعنی لا یفسد عند عامة المشائخ لان العوام لا یمیزون  
وفیہ قولہ الاتشدید رب عزازہ فی الخانیۃ الی ابی علی النسفی ثم قال و  
عامۃ المشائخ علی ان ترک التشدید والمد کاخطا فی الاعراب لا تفسد فی  
قول المتأخرین وفیہ قولہ ولو زاد کلمۃ اعلما ان الکلمۃ الزائدہ امان تكون  
فی القراءۃ اولاد علی کل امان تغیرا ولا فان غیرت افسدت مطلقا وان لم  
تغیر فان کان فی القراءۃ ان لم تفسد فی قولہم والافسد وعند ابی یوسف  
تفسد وفیہ قولہ او نقص کلمۃ قال فی شرح المئیۃ وان ترک کلمۃ من آیت  
فان لم تغیر المعنی لا تفسد وان غیرت فانه یفسد عند العامة وقیل لا  
والصحیح الاول وفیہ قولہ او قدمۃ قال فی الفتاویٰ فان غیر فسدت والا فلا  
وفیہ قولہ وکذا لو کمر کلمۃ قلت ظاہر ان الفساد منوط بمعرفۃ ذلک فلو  
کان لا یعرف الی قولہ ینبغی عدم الفساد وکذا لو لم یقصد شیئا وفی اللغات  
کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو ان الفجار لفی جنات اھای یفسد  
ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز زیادت و نقص حرف یا کلمہ یا تقدیم یا تبدیل کلمہ کے جبکہ یہ  
سب بغیر معنی ہوں اور جمیع اقسام میں اقوال توسع کے پائے جاتے ہیں امر دوم فی المقدرة  
الجزریۃ سے والاخذ بالتجوید حتمی لازم من لوجود القرآن الثمرہ وهو اعطاء الحروف حقہا  
من صفت لہا ومستحقہا ورد کل واحد لاصلا وباللفظ فی نظیرہ کما کہنا شعر اول  
سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت مخارج کا ماہیت تجوید

و نا ثابت ہے پس مجموعہ روایات بالا و اشارہ بذلے معلوم ہوا کہ جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔ امر سوم فی الدال المختار ولا غیر لا لثغیر بہ ای بالاثغیر علی الاصححما فی البیہ من المجتبی و حرر الحلبی وان المشختہ انہ بعد بذل جہدہ دائما احتما کلا فی فلا یؤثم الا مثله۔ ولا تصح صلوٰۃ اذا امکنہ الا قتداء بمن یحسنہ فی رد المحتار ان یحسن ما یلغی ہو بہ او یحسن القرآن و ہذا مبنی علی ان الا فی اذا امکنہ الا قتداء یلزمہ و فیہ کلام ستعرفہا ثمر قال بعد اوراق تحت قول المداد المختار بخلاف حضور الا فی بعد افتتاح القاری اذا الع یقتد بہ و صلی منفردا فانہا تفسد فی الا صحح الا ما نصہ و هو مخالف لما قبلہ الذی صحح فی الہدایۃ فان ما قبلہ شامل لما اذا شرعا معا و افتتاحہ الا فی اول ثمر القاری او بالعکس الی قولہ و التحقیق الاول الذی فی الہدایۃ الخ۔ اس سے الشغ کا مثل اُٹی کے ہونا اور اُٹی کی نماز کا منفرداً صحیح ہونا علی الراجح معلوم ہوا۔ اب بعد تحقیق امور ثلاثہ مؤیدہ بالمدائل و الروایات کہ جاننا چاہیے کہ حروف کے صحیح نہ ادا کرنے میں ابدال حروف بھرت ہے جس کا حکم بضمن تحقیق امر اول عبارت خلاصہ سے معلوم ہو چکا کہ تغیر معنی کی تقدیر پر تعدا واجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے پس جو لوگ بوجہ مشق و ریاضت نہ ہونے کے اُن میں تمايز نہیں کر سکتے۔ اُن کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ بمعنی عدم اثم بھی معذور ہوں جیسا امر دوم میں بیان کیا گیا بلکہ تصحیح میں سعی کرنا اُس کے ذمہ واجب ہے اور ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ادا کرنے والے کی نماز ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جبکہ معنی میں تغیر آجائے گو خود یا المعنی المذکور معذور سمجھا جاوے اور مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ اس حالت خاص میں ایسے قاری کے شریک صلوٰۃ ہوتے ہوئے اور مقتدیوں کی نماز بھی اس غلط خواں کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جیسا امر سوم سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز بھی صحیح نہیں غلط

۵ یہ پہلی رائے ہے جو کہ بطور استنباط کے قائم کی گئی تھی اس کے بعد کے فتوے میں جو کہ صفحہ ۱۶۳ پر واقع ہے اس سے رجوع کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۰

ہے جیسا امر سوم میں احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ اُمّی میں کسی نے نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اُس کی نماز صحیح نہیں پس جب یہ شخص مثل اُمّی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوٰۃ کی کوئی وجہ وجہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم فساد صلوٰۃ کا میرے نزدیک ماؤل ہے کسی تاویل مناسب کے ساتھ۔ رہا یہ امر کہ ظالین سے نماز فاسد نہ ہوگی دالین سے ہو جاوے گی اس کا مبنی یہ سمجھنا کہ ظاہر و فساد میں مشابہت ہے اور قاضی خان کے جزیئہ سے اس کو مؤید کرنا اور اس بناء پر یہ حکم کرنا کہ ہر جگہ ظاہر ہٹنا چاہیے یہ صحیح نہیں کیونکہ قاضی خان ہی میں دوسرے جزییات اس مبنی کو منہدم کرتے چنانچہ مجموعہ کو یاد پڑتا ہے کہ اس میں غیر العظوب علیہم اور والعادیات طبعاً پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے اس وقت کتاب موجود نہیں ورنہ علی الجزم لکھا جاتا لیکن ایسے جزییات اُس میں بالیقین مذکور ہیں۔ پس اگر مبنی مذکور صحیح ہوتا تو اس باب میں جمیع موارد فساد کے برابر ہوتے اور اس فرق کی کوئی وجہ نہ ہوتی پس معلوم ہوا کہ اس کی کوئی وجہ ہے جس کو احقر نے اپنی بعض تحریرات میں ذکر بھی کر دیا ہے اور فقہاء کا حکم عدم فساد بالنظر کا اُس صورت میں ہے جب عمدانہ ہو چنانچہ وان لم یکن الا بمشقة کنا خود اس کی دلیل ہے اور اگر عمدانہ ہو تو فساد میں شبہ نہیں چنانچہ دوسری جزییات قاضی خان کی اس پر مبنی ہیں اور امر اول کی تحقیق میں خلاصہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے اور وہ عبارت مطلق ہے کسی حرف کے ساتھ مقید نہیں۔ غرض تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصد ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد وجہ عدم مشق پڑھا گیا خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو تو خود اُس کی نماز ہو جاوے گی لیکن صحیح خوال کی امامت نہ کرے بلکہ صحیح خوال جو مسائل ضروریہ سے وقف ہو وہ احق بالامامت ہے جیسا سب امور مفصل و مدلل بفضلہ تعالیٰ مرقوم ہو چکے اس تقریر سے اجمالاً اکثر سوالات کا جواب نکل آیا مگر سہولت کے لئے سب سوالات باقیہ کا جواب فردی فردی لکھا جاتا ہے۔

ملہ ادار الحروف من الخارج مع الصفات کما من الجزریۃ ۱۱ جس کو قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ یاد نہ ہو وہ اُمّی ہے۔ آد جس طرح عام طور پر لوگ قرآن پڑھتے ہیں یہ حکم صحت صلوٰۃ ۱۱ یہ روایات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں مذکور ہیں اب جزم ہو گیا ۱۲ منہ ۱۱ اس سے مراد یہی جواب سوال اول اس باب التجوید کا ہے ۱۲ منہ ۱۱ یہ جزییات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں منقول ہیں ۱۲ منہ ۱۱ یہاں پر تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۰ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲

میں صحیح ہے کما یفہم من الفتویٰ الآتیہ۔ ۱۲ کالامی ہیں۔ ۱۳ نہیں اور نہیں ۱۴ قاری جو مسائل ضروریہ سے واقف ہوا امامت میں اقدم ہے۔ ۱۵ خود تو اس کی نماز صحیح ہے کما مر فی الامر الثالث۔ البتہ صحیح خواں کا امام نہ بنے ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ وجوب مسلم ہے اور اس کی ترک سعی میں گناہ بھی ثابت لیکن عدم صحت صلوٰۃ غیر مسلم ہے جیسا امر ثالث میں بیان ہوا اور امر اول میں روایات مذکور ہو چکیں اور جبکہ یہ مسائل اختلافی ہیں تو بعض روایات کو لینے میں نہ قاری صاحب پر ملامت ہے نہ دوسروں پر۔ ۱۹ جب تک صحیح نہ ہو جاوے کالامی ہے۔

۲۰ احتیاط جائز ہے۔ ۲۱ جب اس نے روایات عدم صحت پر عمل کیا تو فجر اور عصر کا اعادہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم و علما تم۔ ۲۱ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۱۷ ج ۱)

سوال (۲۲۰) جناب والا احقر نے جب سے کہ اس فتوے کو دیکھا ہے جس کو نووی کفایت صاحب نے دوبارہ قراءت حضور والا کے پاس سے منگایا ہے اُسی وقت سے سخت پریشان ہوں اگرچہ حکم صاف ہے مگر واسطے تسکین خاطر کے اس کے متعلق چند امور دریافت کرتا ہوں جبکہ یہ بات قرار پائی کہ تجوید فرض ہے اور خاص کر حرف ضاد کو مخرج سے نہ نکالنے والے مثل امی کے ہیں اور ایسے شخص کی اقتداء اگر قاری جو اس حرف کو مخرج سے نکالتا ہے کریگا تو نماز کسی بھی نہ ہوگی تو اب ایسی حالت میں اگر یہ قاری جماعت علماء میں ہو تو کیا کرے آیا ان کو اطلاع کرے مگر اس میں سخت سوادہی ہے اور صورت تعلی ہے اور بعض جگہ اندیشہ فساد ہے یا اطلاع نہ کرے تو اس میں موافق فتوے کے سب کی نماز فاسد ہے یا یہ شخص جماعت میں شریک نہ ہو اور ترک جماعت کرے غرض کیا کرے حضور مجھ کو تشویش لاحق ہے وہ بہت سخت ہے کہ جس کا زبان تک لانا نہایت گراں ہے۔ ۹

الجواب۔ فی الدار المختارہ ولا غیر لا تشعبہ ای بالانشع علی الاصح الی قولہ و کذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لا یقدر علی اخراج الفاء الابتکرافی رد المحتار قولہ علی الاصح ای خلا فالما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انها جائزۃ لان ما یقولہ صارغۃ لہ ومثلہ فی التماثر خانۃ وفی الظہیریۃ وامامۃ الانشع لغیرہ تجوز وقیل لا ونحو کما من الخانیۃ عن الفضلی وظاہرہ اعتمادہم الصحۃ و کذا اعتماد صاحب الحلیۃ قال لما اطلقہ غیر واحد من المشائخ من انہ ینبغی لہ ان لا ینم غیرہ و کما فی خزائن الاکمل

۵ اس سے فتویٰ آئندہ میں رجوع کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۰



وتکرر امامتہ اتفاقاً ولكن الاحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف وفيه بعد  
اسطر (تمت) وسئل الخیر الرضی ما اذا كانت اللثغة يسيرة فاجاب بانہ  
لحیرھا لا یمتناد صرح بہا الشافعیۃ بانہ لو كانت يسيرة بان یاتی بالحرف غیر  
صات لھو ثلث قال وقواعدنا لا تأبأ الا وبمثله افتی تلمیذ الشارح المرحوم  
اسمعیل الحائک مفتی دمشق شامی ج ۱ ص ۲۹۹ محتبائی فی العالمگیریۃ دان  
جری علی لسانہ۔ اوکان لا یعرف التمییز لا تفسد وهو اعدل الا قادیل المختار  
ھکذا فی الوجیز لکھ درسی۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح اکثر عوام الناس کہ  
بہت سے خواص بھی قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح کے پڑھنے والوں کی امامت میں بھی گنجائش  
ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے ان روایات پر عمل جائز ہے۔ اس لئے میرے نزدیک صورت  
مسئلہ میں نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد صفحہ ۱۲۵ ج ۱)

سورۃ العصر میں امام کے دعواء الصالحات کو چھوڑنے کا حکم

سوال (۲۲۱) آج مغرب کی نماز میں پیش امام صاحب سے سورۃ عصر میں دعواء الصالحات سہواً چھوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز ہو گئی یا نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا اگر کرتے تو کیا نماز ہو جاتی؟  
الجواب۔ صورت مسئلہ میں قراءۃ فرض تو ادا ہو گئی اس لئے فرض نماز بھی ادا ہوئی لیکن قراءت واجبہ کہ علاوہ سورۃ فاتحہ کے ایک آیت طویلہ یا تین آیات قصیرہ ہیں ادا نہیں ہوئی کیونکہ آخری آیت کے بعض اجزاء رہ جانے سے آیت پوری نہیں ہوئی لہذا واجب ترک ہوا جس کا سجدہ سہو سے تدارک ہو جاتا ہے وہ نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ وقت میں اعادہ کرنا بالکل مکمل علوۃ ہوتا

۵۔ اس فتویٰ کا مدار اس پر ہے کہ تین آیات قصیرہ پوری نہیں ہوئی لیکن درختہ راشامی وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ تین آیتیں پورا ہونا شرط نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی تین آیتوں کی مقدار ہو جانا کافی ہے جس کی مثال درختہ میں ثمر نظیر۔ ثمر عبس و بس۔ ثمر ابد و استکبر لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے و كذلك بقاۃ الایۃ۔ والایۃ ان تعدل ثلاثا قصاراً ذکر الحلبی۔ اور شامی نے مزید توضیح یہ فرمائی کہ ان تین آیتوں میں تیس حرف ہیں اگر کسی نے ایک یا دو آیت ایسی پڑھ لیں جس میں تیس حرف ہوں تو واجب ادا ہو گیا۔ اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اعادہ واجب معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع

اب بھی احوط یہ ہے کہ سب نمازی اس نماز کو الگ الگ دہرائیں۔ والسلام۔

۲۰ محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۱۰)

ایک سورت کو کئی حصے کر کے | سوال (۱۲۲) بعض امام جو سورت قرآن کی دو رکعتوں میں نماز میں پڑھنے کا حکم دو ٹکڑے کر کے پڑھتے ہیں یا کہیں سے رکوع پڑھ دیتے

میں یہ سنت ہے یا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ؟

**الجواب۔** فی العالم گیریتۃ الا فضل ان یقرأ فی کل رکعة الفاتحة و سورۃ کاملۃ فی المکتوبۃ فان عجز لان یقرأ السورۃ فی الركعتین کذا فی الخلاصۃ ولو قرأ بعض السورۃ فی رکعة والبعض فی رکعة قیل یکرہ و قیل لا یکرہ و هو الصیحح کذا فی الظہیریۃ و لکن لا ینبغی ان یفعل و لو فعل لا باس به کذا فی الخلاصۃ و لو قرأ فی رکعة من وسط سورۃ او من اخر سورۃ و قرأ فی الركعة الاخری من وسط سورۃ اخری او من اخر سورۃ اخری لا ینبغی له ان یفعل ذلك علی ما هو ظاهر السیرۃ و لکن لو فعل ذلك لا باس به کذا فی الذخیرۃ فی الحجۃ لو قرأ فی الركعة الاولیٰ اخر سورۃ و فی الركعة الثانیۃ سورۃ قصیدۃ کما لو قرأ من الرسول فی رکعة و قل هو الله احد فی رکعة لا یکرہ کذا فی التاتاریخانیۃ قرأۃ اخر سورۃ فی الركعتین افضل من قراءۃ السورۃ بتمامها ان کان آخرها اکثر ایتۃ من السورۃ دان کانت السورۃ اکثر ایتۃ فقراءۃ افضل هکذا فی الذخیرۃ ج ۱ ص ۲۹ فصل رابع فی القراءۃ۔ روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ سورۃ سنوٰلہ میں بقول اصح مکروہ نہیں مگر مادۃ اس کے خلاف اولیٰ ہے اور اگر اچاننا ہو تو ایک درجہ میں مستون بھی ہو۔ لما رواه مسلم عن ابن عباس قال کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقرأ فی رکعتی الفجر قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا۔ والتی فی ال عمران قُلْ یَا اَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ۔ مشکوٰۃ فصل اول من باب القراءة فی الصلوٰۃ۔ ۳ محرم ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۲۲)

والعصر میں | سوال (۲۲۳) سورۃ والعصر میں سے و عَمَلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جگہ سے والتین الخ | فَلَمْ يَخْرُجْ غَيْرُ مَمْنُونٍ ہا انتقال کر کے سہو سورۃ والتین والزیتون

کو ختم کرنے تو نماز صحیح ہوگی یا یعنی بدلے یا نہ۔

الجواب۔ صحیح ہوگی۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

ترجیح وجوب جہر بقیۃ قراءت بعد شرکت مقتدی وعدم کسی نے بعد کل یا جزو پڑھ لینے فاتحہ  
دھول عادۃ قراءۃ بعد اتمام قراءت بسبب شرکت مقتدی  
آہستہ کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے بھر الراتق میں وجہ اعادہ کرنے کی یہ لکھی ہے کہ دوسرے  
کی اقتداء کی سبب اس پر جہر واجب ہو گیا اب اگر صرف باقی قراءت کو پیکار کے پڑھنا ہے تو  
تو ایک کعبت میں آہستہ پڑھنا اور پیکار کر پڑھنا جمع ہو جاتا ہے حالانکہ یہ امر بُرا ہے اور اگر  
آہستہ پڑھنا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے اس  
لئے اعادہ جہر سے ضرور ہوا (غایۃ الاوطار) شامی نے اس مسئلہ میں بہت قیل وقال کی ہے  
جناب ذرا شامی کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرمادیں کہ شامی کا قول درست ہے یا غایۃ الاوطار کا۔ اور  
جس صورت میں کلام عادہ الحمد کا کیا جاوے گا تو سجدہ سہو کیا جاوے گا یا نہیں اور اگر سجدہ سہو کیا جاوے  
تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے اس صورت میں اعادہ سورۃ فاتحہ کا بالقصد ہے اور سجدہ سہو پوچھنے  
کے ہوتا ہے۔ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے علم الفقہ میں سجدہ سہو اس صورت میں لکھا  
ہے اور شامی کے قول سے بھی سجدہ سہو معلوم ہوتا ہے یہ تو سورۃ فاتحہ کی بابت عرض کیا اور اگر کوئی  
فحص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور بعد الحمد ختم سورۃ بھی کر چکا اس وقت کسی نے اقتدار کی تو یہ کیا  
کرے یا اگر بعد الحمد کے سورۃ پڑھنے میں اقتدار کیا تو کیا کرے؟

الجواب۔ میں نے شامی کو دیکھا عدم اعادہ دھربا الباقی کے متعلق شامی نے یہ لکھا ہے  
وهو اسهل من لزوم الجمع بین الجہر والاسرار فی رکعۃ علی ان کون ذلک  
الجمع تنذیرا غیر مطرد لما ذکرنا فی آخر شرح المینۃ ان الامام لوسہا فحافت  
بالفائتۃ فی الجہرۃ بشارت ذکر یجہس بالسوۃ ولا یعید ولو خلافت بایۃ  
ان اکثریۃ ما جہس اولا یعید الی قولہ فدعوہ انہ ضعیف روایت  
ودرایۃ غیر مسامحۃ فافہم ہاں سو ہی میرے جی کو لگتا ہے اور شامی کی  
راے بھی اسی کی ترجیح کی معلوم ہوتی ہے کہ بقیۃ فاتحہ جہر سے پڑھ لے دیں۔ اسی طرح اگر سجدہ پڑھنے  
اور یہ سب اس وقت ہے کہ یہ شخص امام ہونے کی نیت بھی کرے ورنہ اگر اب بھی اپنے کو منفرد سمجھتا ہے تو احکام  
امامت کے ان میں سے جہر بالقراءۃ ہے اس پر واجب نہ ہوں گے اور مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو جاوے گی  
کہ مرد مقتدی کی صحت صلوۃ کے لئے امام کی نیت شرط نہیں ۱۲ منہ

ختم کرنے کے بعد کسی نے اقتداء کیا تو اس قراءت کے کسی حصہ کا جہر واجب نہیں۔

۱۲/ ذالحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۹۹)

صحت صلوٰۃ بعد سوال (۲۲۵) اگر کسی اَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاَمَّهُ هَٰوِيَةً تدارک نہ اتقاری خواندہ فی الفور صحیحش نمودہ نماز ادا کر دینا صحیح باشد یا نہ۔ ۹۔

الجواب۔ فی العالمگیریۃ ذکر فی الغوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطاء فاحش شرجع وقرأ أصحیحاً قال عندی صلوٰۃ جائزۃ وکذ لک الاعراب اھ ج املک قلت وکذ لک سمعت شیخی مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ پس بناءً علیہ نماز میں کس صحیح باشد۔ یکم محرم یوم الثلاثاء ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۷)

کراہتہ تعیین سورۃ در ہر نماز سوال (۲۲۶) ہم چنانکہ تعیین سورت در فرائض مکروہ است آیا در لوافل ہم مکروہ است یا نہ۔ ۹۔

الجواب۔ فی العالمگیریۃ ویکراہ ان یوقت شیئاً من القرآن بشئ من الصلوٰۃ الخ ج ۱ ص ۴۹۔ انہی روایت معلوم شد کہ فرائض و لوافل دریں حکم برابرست۔ یکم محرم ۱۳۳۲ھ (حوالہ بالا) حکم بعض اغلاط قرآنہ در نماز سوال (۲۲۷) عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب ارشاد فرمائیے۔  
ما ایک شخص نے میثاقہ الذی ذائقکون جو دوسرے رکوع ماندہ کے میں ہے کی جگہ میثاقہ الذی ذائقکون تراویح میں پڑھا ہے۔ اب یہ نماز جائز ہے یا نہیں واد کو عاطفہ سمجھ کر ہمسزہ پڑھ کر پڑھا ہے؟

ما ایک کس نے اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ حر کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَیْہِ حر زبر کی جگہ پیش پڑھا۔ پھر جب الحمد پورا ہوا اس کو یاد ہوا پس بسبب یاد ہونے کے اَنْعَمْتُ کی تاء پڑھ کر پڑھی۔ اب یہ نماز جائز ہے یا نہ مہربانی فرما کر جواب تحریر فرمادیں۔ ۹۔

الجواب۔ پہلی غلطی مفسدہ معنی نہیں بلکہ لفظ کو بے معنی کر دینے والی ہے اس لئے نماز ہوگی اور دوسری جگہ مفسدہ معنی ہے مگر اس کا جب تدارک کر دیا گیا تو وہ کالعدم ہوگئی اس لئے اس میں بھی نماز ہوگئی۔ یہ جواب قواعد سے لکھا ہے جزئیہ نہیں دیکھا، بہتر ہے کہ کسی محقق سے بھی یہ حکم متقدمین کے ضابطہ کے مطابق ہے اور متاخرین نے تو زبر زبر کی غلطی مفسدہ معنی کو بھی مفسدہ

صلوٰۃ نہیں قرار دیا۔ ۱۲ محمد شفیع :

پوچھ لیا جاوے۔ ۲۔ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تمہ خاصہ صفحہ ۱۸۲)

رفع شبہ وار وہ برنہ یوں قرائت | سوال (۲۲۸) جب کہ امام مقیم یا مسافر سلام  
بذمہ مقیم مقتدی بسا فردر باقی نماز | پھیر دیتا ہے تو باقی نماز رہنے والے مقتدیوں کو امام  
سے اور امام کو ان مقتدیوں سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا چنانچہ سلام پھیرنے کے بعد  
امام جو چاہے سو کرے امام کے فعل مقتدیوں کی باقی ماندہ نماز میں کچھ دخل مادر اثر نہیں  
رکھتے اور جبکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو اپنی باقی ماندہ نماز کی  
رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھنا لازم ہے اور حدیثوں میں وارد ہے کہ جس رکعت  
میں الحمد نہ پڑھی وہ رکعت نہیں گو یہ حدیث امام اور منفرد کے حق میں تکمیل نماز کے  
واسطے ہے لیکن پھر کیا سبب کہ امام مسافر کے سلام پھیرنے کے بعد دو یا ایک رکعت  
باقی رہنے والا مقتدی اپنی باقی رکعتوں میں الحمد اور سورۃ نہ پڑھے اور تین یا چار رکعت رہنے والا  
مقتدی یا کوئی رکعت نہ پانے والا قعدہ میں ملنے والا اپنی باقی رکعت میں الحمد اور سورۃ ضرر پڑھے  
نہ پڑھنے والے کی نماز صحیح ہو جانے کی دلیل حدیث صحیح سے ارقام فرمائیے۔؟

الجواب چونکہ بعد سلام امام مسافر کے مقیم مقتدی لاحق ہے اور لاحق بمنزلہ مؤتمم ہو  
ہے اس لئے اُس کے احکام مؤتمم کے سے ہوں گے۔ فی الدار المختار فی احکامہ اللاحق و  
حکمہ کمؤتمم فلا یاتی بقراءة ولا سهو ولا تنغید فرضہ  
بنیت اقامتہ ویبدأ بقضاء صافات، عکس المسبوق۔ اور مؤتمم  
کا قرأت نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اور لاحق کا مثل مؤتمم ہونا قیاس صحیح سے  
ثابت ہے۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ۔ (امداد ص ۵۱ جلد ۱)

کراہت فصل بسورۃ قصیرہ وقرأت | سوال (۲۲۹) اگر سورۃ کافرون پڑھ کر  
خلافت ترتیب بلا لزوم مسجدہ سہو | انا اعطینا یا لایلات وغیرہ پڑھے تو ترتیب  
قرآنی کے خلاف پڑھنے میں نماز ہوگی یا نہیں اور اگر سجدہ سہو کر لے تو کراہت جاتی  
رہے گی کہ نہیں۔؟ (۲) اول رکعت میں انا اعطینا دوسری رکعت میں اذاجا پڑھے  
تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اس لئے کہ اُس نے چھوٹی سورت ... ..  
ایک درمیان میں چھوڑ کر کے پڑھی سجدہ سہو کرنے سے نماز کی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟  
(۳) اول رکعت میں چھوٹی سورت پڑھے دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں

اور سجدہ سہو سے نماز ٹھیک ہوگی یعنی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں۔ ۹

**الجواب -** (۱) فی الدار المختار فصل القراءة ویسرا الفصل بسورة قصیرة وان یقرء منکوسا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور سجدہ سہو لازم نہیں خصوص جبکہ بلا قصد ہوا ہو تو کراہت بھی نہیں۔ ۹

لما فی الرد قونہ شہد کریتہ افاد ان التکیس والفصل بالقصیرة انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سہو فلا کما فی شرح الملیۃ اھ۔ ص ۵۵

(۲) فی الدار المختار ویکرہ الفصل بسورة قصیرة فی رد المختار اما بسورة طویلة بحیث یلزم ان اطالة الركعة الثانية طالة کثیرة فلا یکرہ۔ شرح الملیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا جو مکروہ ہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اول سورت سے بڑی نہ ہو ورنہ مکروہ نہیں۔ اور چونکہ سورت متروکہ میں سورت متروکہ یعنی قل یا ایہا الکافرون سورة انا اعطیناک الکوثر سے بڑی ہے اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ہوا البتہ دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا۔ کما فی الدار المختار ایضا وطالة الثانية علی الاولی یکرہ تنزیہا لیکن سجدہ سہو لازم نہیں۔

(۳) مکروہ بمعنی خلاف سنت ہے۔ ملاصر فی الجواب عن السؤال الثاني لیکن سجدہ سہو واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلما تم۔ ۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۱۶) تحقیق اعادہ سورت در آخرین | سوال (۲۳۰) نماز ظہر میں سہو ابتداءً رکعات میں بوقت سہو در اولیین ۹ ضم سورت سے قاصر رہا لیکن قعدہ اولی میں اس کو تنبہ ہو گیا اب بقیہ دو رکعتوں میں اس نے عمداً ضم سورۃ نہ کی اور یہ سمجھا کہ اب کیا ضرورت ہے سجدہ سہو کر لوں گا چنانچہ سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور بعد سہو خالی رکعات میں ضم سورۃ کر لینا بطور اعادہ کے واجب تھا یا کیا؟

**الجواب -** فی الدار المختار ولو ترک سورة اولی العشاء مثلاً ولو عمدًا قرأها وجوباً وقیل ندباً مع الفاتحة جہراً فی الآخرین الخ فی رد المختار تحت قولہ مثلاً لا

۵۔ یہاں پر تصحیح الاغلاط سے عبارت میں اضافہ کیا گیا ہے ۱۲ اس جگہ بھی تصحیح الاغلاط صفحہ ۱۷ سے

عبارت میں ترمیم کی گئی ہے ۲: محمد شفیع عفی عنہ ۹

المصنعت العشاء بالذکر مکان قولہ جمہراً الخ و تحت قولہ وجوباً و قبل ندباً بعد بحث طویل و الحاصل ان اختیار صاحب الفتح و البحر و الفہر الذہب (۳۵) صریحاً کلام محمد۔ ص ۵۵ و ۵۵۵ اس سے معلوم ہوا کہ آخرین میں فہم سورۃ مستحب تھا اگر نہ کیا تب بھی درست ہے اور سجدہ یہود و نول حال میں ہے لہذا تعین الاولین للسورۃ و مکان واجباً۔ ۱۰ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمت ثلثہ صفحہ ۷۲)

پہلی رکعت میں سورۃ سج اسم ربک الخ اور دوسری سوال (۲۳۱) سورۃ سج اسم اور صل میں سورۃ غاشیہ پڑھنے کا حکم درآں حالیکہ سورۃ غاشیہ اتنا کہ حدیث الغاشیہ ان دونوں سورتوں کی آیات زائد ہیں میں سورۃ غاشیہ کی آیات سورۃ اعلیٰ

سے زیادہ ہیں نماز میں ان دونوں کو پڑھنے سے کسی قسم کی کراہت تو نہیں۔

الجواب۔ گوینہ ماثوراً فیستثنیٰ من الکراہۃ۔ ۲۳ رجب ۱۳۳۹ھ۔

## فصل فی التجوید

تحقیق ضاد و ظاء سوال (۲۳۲) قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پر لوگوں نے مختلف ڈسنگ اختیار کئے ہیں بہت لوگ دوا د پڑھتے ہیں بہت لوگ صاف دال پڑھتے ہیں بہت لوگ ظا یا ز پڑھتے ہیں بہت لوگ عجب غلط کرتے ہیں کہ کہیں تو دوا د پڑھتے ہیں اور کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں اور ان غلط کرنے والوں کی تعداد دنیا میں بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو حنفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دوا د یا دال یا ظا یا ز یا ذال پڑھنا سب ہی غلط ہیں مگر جو شخص جس رب پڑھتا ہے اسی کو موافق قواعد تجوید جانتا ہے اور دوسرے طریقے سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اور اس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے عوام کی تو کچھ شکایت نہیں ان بیچاروں کا تو شین قاف تک درست نہیں ہوتا یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضرات علماء میں دیکھتا ہوں۔ اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں کہیں مجہول۔ وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے۔ ترقیق و

۷۵ یہ سوال و جواب النور مجرم ۱۳۵۵ھ سے لکھا گیا ہے اس میں چند نمبر اور بھی تھے۔ جن

کا تبویب میں دوسری جگہ آنا مناسب تھا۔ وہاں درج کر دیئے گئے۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

تفہیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں۔ حروف قلقلہ و استعلاء وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں اُس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتا رہا ہے اور سارا جھگڑا ہر پھر کر صرف ضاد ہی پر آ رہا ہے جس طرح ضاد کو ضاد پر ڈھنا قواعد تجوید کے موافق ہے اُسی طرح اور باتیں بھی ہیں مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا۔ بعض حضرات علماء پر یہ فرما دیتے ہیں کہ حروف کو اُن کے مخارج سے ادا کرنا چاہیئے و بس۔ یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی کیونکہ جس طرح حروف کو اُن کے مخارج سے ادا کرنا مامور بہ ہے اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مامور بہ ہیں۔ پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہو جائے گی شاید دونوں کے مامور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دو ادا پڑھنے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی کیونکہ بعض ماہرین فن کو سننا ہے وہ تو دو ادا نہیں پڑھتے۔ بعض حضرات دتل القرآن ترتیلاً اُد سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بڑی مشکل ہے لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں۔ اور ہوتی ہیں اور ہوں گی کیونکہ یہ فن سخت مشکل ہے۔ حضرات علماء میں ہزاروں میں کہیں دو چار مجتہد نکلیں گے مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے بعض زور میں آ کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا۔ اُمید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے غور سے ملاحظہ فرما کر کافی شافی جواب مرحمت ہوتا کہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد و عمل رکھا جائے۔ ۹

**الجواب۔** فی فتاویٰ فاضل خان دان ذکر حرفا مکان حروف وغیرہ المعنی فان امکن الفصل بین الحروف من خیر مشقۃ کا لطاء مع الصاد فقرۃ الطالحات

اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ ضاد کو دو ادا اور ظا و دونوں طرح پڑھنا غلط ہے لیکن ظا پر پڑھنے میں علاوہ مفسد غلطی کے ایک بڑا مفسد یہ ہو کہ اس میں تشبہ بفرق ضاد و ظا رافضی غیر مقلدین اور ان کے ہوا کا اتباع ہے برخلاف رداد کے اس میں صرف مفسد غلطی ہوا سوائے عاجز کیلئے حکم اذا ابتلیت بلیتین فاختار ہونا دو ادا پڑھنے کی اجازت دیدیجائیگی اور ظا پر پڑھنے سے روکا جائے گا اسی اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ لوگ ضاد کو ظا پر پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں درایا کرنے پر کیوں شور و شغب کرتے ہیں ۱۲ اشہام در تصحیح الاغلاط



مکان الصالحات تفسد صلواتہ عند الكل وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين  
 الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ  
 فيه قال اكثرهم لا تفسد صلواتہاھ وفيها ايضاً ولو قرأ العاديات ظموا بالظاء  
 تفسد صلواتہاھ وفيها وكذا لو قرأ غير المغضوب عليهم بالطاء وبالذال  
 تفسد صلواتہ ولو قرأ الذالين بالذال لا تفسد صلواتہ ولو قرأ الدالين تفسد  
 صلواتہاھ ولو قرأ دخل طلحها هضيو قرأ بالطاء وبالذال تفسد صلواتہاھ  
 وفيها ايضاً وسوف يعطيك ربك فترضى قرأ فترضى بالطاء تفسد صلواتہ  
 اھ- وفيها كيدهم في تضييل قرأ بالطاء قال بعضهم لا تفسد اھ وفيها  
 ومن يضل الله قرأ بالطاء لا تفسد صلواتہاھ وفيها الذي فرض عليك  
 القرآن قرأ بالطاء تفسد صلواتہاھ- وفيها اذن اضلنا قرأ بالطاء ظللنا  
 لا تفسد صلواتہ وهو قراءة فمن فرض فيمن الجح قرأ بالطاء فوط وبانذال  
 تفسد صلواتہاھ- ان روايات میں تدبیر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ  
 کہ فساد صلوٰۃ اُس وقت ہے جب بلا مشقت دو حرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال  
 سے پڑھا مفسد صلوٰۃ اسی بنا پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے  
 ہیں وہ دال نہیں ہے جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے البتہ اگر کوئی شخص غافل دال  
 پڑھے گا تو اُس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہو  
 گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ  
 طریق متعارف اُس کے مشابہ ہو اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے حتیٰ کہ جس شخص کو فساد  
 کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اُس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ ادا کرنے کے وقت بھی  
 کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹتا ہے اور دونوں میں اُس کو تمیز دشوار ہوتی ہے اس لئے اس  
 طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوٰۃ کہنا بعید ہے۔ دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ فساد کی وجہ  
 ظاہر پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عند اکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اُس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو  
 ورنہ بھی مفسد صلوٰۃ ہے۔ ورنہ ن العاديات ضحا اور مغضوب علیہم اور هضيو  
 اور فترضى اور فرض میں ظاہر پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان  
 للمشقة کو ٹھیکرانا اس کی دلیل ہے کیونکہ عمدہ اور ہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا پس

حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے مگر ظاہل گیا اُس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوٰۃ کی رد کرتی ہیں۔ فافہم۔ تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ دلائل ضالین میں ظار کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے اس کی بناء یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عداً ظاً کا پڑھنا جائز ہے ورنہ مغضوب علیہم اور ضالین میں کیا فرق تھا کہ مغضوب علیہم میں تو ظار کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد بلکہ مبنی اُس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظل بالظاء کے معنی یل اور جخ اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں پس ظالین کے معنی مثلاً داخل فی الظلمات ہوں گے جو حاصل ہے ضلال بالضاد کا یا یہ افعال ناقصہ ظل نفل سے ہوگا بمعنی الکائنین اور خبر مقدر ہوگی فی ضلال یا فی غضب بقرینہ مغضوب علیہم کے جیسا انڈا ظللنا یا بالظاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہوگی جیسا آگے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی خان نے والحادیات ضحاً وغیرہ میں تو ظار کو مفسد کہا اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے جیسے ومن یضل اللہ اور انڈا ظللنا اس میں غیر مفسد کہا ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ کے ساتھ خاص کیا گیا چنانچہ انڈا ظللنا میں خود ظللنا بالظاء کا ایک قرأت ہونا بھی نقل کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قرأت کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحیحہ معنی کی گئی ہے اس وجہ سے مفسد نہیں کہا اور ہر جہد کہ تفصیل میں جو اسی مادہ سے ہے بعض کا قول لا یصح نقل کیا ہے مگر اس قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے پس بناء مذکور پر راجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا فتدبرو لشکر اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے باقی مستحسن۔ فی فتاویٰ قاضی خان و ان تغیرا لمعنی تغیرا فاحشاً یخو ان یقرع لا اللہ ویقف تخریب بدء بقولہ الاھی الی قولہ قال جماعۃ العلماء لا تفسد صلوٰۃ تملأ قلنا وقال بعضهم تفسد صلوٰۃ الا قلت الاختلاف فی الفساد یوجب الوجوب۔ اس بناء پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں مگر نماز ان کی بھی اکثر علماء کے قول پر ہو جاتی ہے البتہ ایسوں کو امانت سے احتراز واجب ہے۔ فی فتاویٰ قاضی خان۔ فان کان لا ینطق لسانہ فی بعض الحروف الی قولہ لا یثم غیر کذا الرجل اذا کان لا یقف فی مواضع الوقف الا۔ واللہ اعلم۔ ۸۰ ہج الاول ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۱۷۴)

سوال (۲۳۳) ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہیے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں۔ ۹۔

الجواب۔ فی الجزیۃ والضاد من حافتہ اذ ولی الاضراس من الیسر او یمنہا جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اس نکلنے سے بوجہ عدم ہمارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاہر پڑھے وہ جائز نہیں جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہاء کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاہر ہے ظاہر پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا۔ بلکہ قاضیوں کی اس جزئی سے کہ وقوع دال الظالمین کا تفسد صلوٰۃ۔ ظاہر پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہیں وہی ہذا۔ و لوقوع العادیات طبعاً بالظاء تفسد صلوٰۃ۔ اھ و کذا لوقوع غیر المغطوب علیہہ بالظاء او بالذال تفسد صلوٰۃ و امثال ذلك من الفروع المتعددة۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ (امداد صفحہ ۱۳۶ ج ۱)

سوال (۲۳۴) خدمت مخدومی محرمی جناب مولانا دام مجدیم۔ بعد سلام مسنون التماس ہے۔ کترین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے یہاں ضاد اور ظاہر کا بہت جھگڑا ہے۔ ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا ظاہر اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق ظاہر پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں۔ ظاہر والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدہ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور ظاہر کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور نادان واقف پڑھتے ہوں بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ اسی طرح پڑھتے۔ استاذ قاری عبداللہ صاحب جو اس فن سے ابھی طرح واقف ہیں ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا۔ وہ بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا یہاں آکر یہ جھگڑا دیکھا تو بعض قراءت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قراءت سے معلوم ہوا کہ ضاد

کی صوتِ قَطّ اور زو غیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن دو حرفوں میں تیز مشکل ہو جیسا کہ ضاد اور ظا ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑے تو نماز درست ہوتی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قس صورت میں قَطّ کے مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ ظاد ہے۔ پھر انھیں کتب فقہیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت جگہ قس کی جگہ قَطّ یا ظ کی جگہ قس پڑے گا تو نماز درست نہ ہوگی اس سے معلوم ہوتا کہ دونوں بالکل مخالف ہیں یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوٰۃ اُس جگہ ہے جہاں پر محضوں میں تغیر فاحش ہوتا ہو اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قس اور ظ میں بہت سی صفات مشترک ہیں حروف قس میں استطالت ہے قَطّ میں نہیں باقی مطبقہ اور مصمتہ اور مستعلیہ رخوہ مجبورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں بخلاف ذال کے جس کے مشابہ قس پڑھا جاتا ہے کہ قس اور ذ میں اکثر صفات مخالف ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قس اور ظ قریب الخرج اور متحد الصوت ہیں اگرچہ قریب الخرج ہونے سے اتحاد صوت لازم نہیں آتا مگر ائمہ قراءت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے مثلاً رعایا میں جو امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے مذکور ہے الضاد حرف یشبہ الفظہ فی السمع بلفظ انطاء الخ۔ پھر ضاد کا جو خرج لکھا ہے کہ حافہ لسان اضراس کو لگا کر نکالا جادے اس سے بھی ظاد نکلتا ہے قس اگر نکالا جاتا ہو تو اطراف لسان ثنایا علیا کو لگ جاتی ہے جو لام کا خرج ہے ٹھیک طور پر خرج سے نکالا جاتا ہے تو ظاد نکلتا ہے پھر قس کی صفات میں سے ایک رخوت بھی ہے حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہے تو رخوت یعنی جریان صوت اُس میں پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ اور حروف رخوہ مثلاً اُس ز ظ وغیرہ میں بلکہ قس کے ادا کرنے میں صوت بند ہو جاتی ہے اور بطور شذیذہ کے ادا ہوتا ہے بخلاف اس کے جس وقت ظاد ادا کیا جاتا ہے یعنی ہمزہ مفتوح اُس کے اول میں لگا کر جو خرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے صوت نکالی جاتی ہے تو اس میں رخوت یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضاد صوت میں مشابہ قَطّ کے ہے پھر رعایہ میں لکھا ہے فلیحفظ بترقیق الذال فی اللفظ فان دخلها تغخیم فیؤدی الی الاطباق فیصیر

عندھا ظاء او ضاد الا انها اخت الظاء فی المخرج وقریبة من الظاء۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قس اور ذ اور ظاء موت میں مشابہ ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے الا انہ حصل فی الضاد انبساط لاجل رخاوتھا وبھذا السبب یقرب مخرجہ من مخرجہ الظاء شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق میان مخرج ضاد و ظا بسیار شکل است شرح قصیدہ نونیہ میں ہے لان الظاء تشارك الضاد فی الاوصاف المذكورة غیر الاستطالة فلذلک اشتد شبهة به وعسر التمییز واحتاج القاری فی ذلک الی الرياضة لا اتصال بین مخرجیہما پھر تہید میں لکھا ہے لولا الاستطالت واختلاف المخرجین لکان ظاء۔ دوسری جگہ کہتے ہیں مثال الذی یجعل لضاد ظاء کالذی یبدل الصاد سینا۔ ایسے ہی امام محمد عشی کے رسالہ اور جہد المقل اور رعایہ میں صاف تصریح ہے کہ الضاد و الظاء والذال والراء المعجمات الکل متشاركة فی الجھر والرخاوة متشابهة فی السمع شملہ شرح شاطبی میں لکھا ہے ان ہذا الثلاث ای الضاد و الظاء و الذال متشابهة فی السمع والضاد لا تفرق عن الظاء الا باختلاف المخرج و زیادة الاستطالة فی الضاد ولو لا ہا لکانتا احدا ہما عین الاخری۔ ان سب سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قس کی آواز ظا کے مشابہ ہے جس طرح پر ہم پڑھتے ہیں جس کو ال مطبق کہنا چاہیے اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے ورنہ بہت صاف طور پر سب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ قس کی صوت ظا کے مشابہ ہے۔ شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق ضاد و ظاء بسیار مشکل است یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ قس کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے اور جس طرح اس کا پڑھنا متعارف ہے اس طرح پر اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ شیخ جمال مکی علیہ الرحمۃ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے امام راوی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں فثبت بما ذکرنا ان المتشابهة بین الضاد و الظاء شدیدة وان التمییز عسوی و اذا ثبت ہذا فنقول لو کان ہذا الفرق معتبرا لوقع السؤال عنه فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الزمۃ الصحابة لا سیما عند دخول العجور فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السؤال عن ہذا المسئلة

علمنا ان التمییز بین ہذین الحرفین لیس فی محل التکلیف انتہی مختصراً۔  
 سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظا اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ امام غزالی  
 الحیاء میں فرماتے ہیں و فرقة اخرى تغلب علیہما الوسوستا فی اخراج حروف  
 الفاختة و سائر الاذکار من مخارجهما فلا یزال یحاط فی التشدید و الفرق  
 بین الضاد و الظاء و تصحیح مخارج الحروف فی جمیع صلواتہ الا یہ۔ غیرہ  
 ولا یتفکر فیہا سواہذا ہلا عن معنی القراءان الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 یہ بات کوئی جدید نہیں بلکہ علماء ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ ظا کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق  
 کرنے کو فضول سمجھتے ہیں یہ ضاد مروج کوئی جدید ایجاد ہے پچھلی کتابوں میں اس کا  
 کہیں پتہ نہیں آخر یہ کہاں سے آیا اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی۔ عامیانہ  
 جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ اور مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں مگر ایک محقق  
 آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ و قدیریہ کے سامنے اس امر کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے  
 خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہو گئی ہے اور بجائے ق کے گ اور  
 اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی نہیں  
 کرتے مگر ترکوں کو خود سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ک کی جگہ ج بولتے ہیں اگر ضاد مروجہ  
 صحیح ہو تو پھر اس کے کیا معنی۔ صاحب نشر لکھتے ہیں لیس فی الحروف ما یعسر علی اللسان  
 مثله فان السنة الناس فیہ مختلفة و قل من یحسن۔ فمنہم من یخرجہ ظاء و  
 منہم من یمزجہ بالذال الخ یہ دشواری اُسی وقت ہو سکتی ہے جس وقت کہ ض کو مشابہ ظا  
 پڑھا جاوے ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ صاحب جہد المقل کہتے ہیں۔ منہم  
 من یجعلہا ظاء الخ ہذا لیس بعجیب لثبوت التشابہ و عسر التمییز بینہما  
 فانہ یشار لہ الظاء فی صفاتہا کلہا و ینید علیہا بالاستطالة فلولا اختلاف  
 المخرجین و الاستطالة فی الضاد لکان ظاء۔ لا علی قاری شرح ہزریہ کے اس شعر  
 کے تحت میں و الضاد باستطالة و مخرجہ یمیز عن الظاء و کلہا تجب تحریر فرماتے  
 ہیں لما کان تمییزہ عن الظاء مشکلة بالنسبة الی غیرہ اما الناظر بتمییزہ لفظاً  
 شرح گیمائے سعادت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ فرق در میان ضاد و ظاء  
 بجا آورد و اگر نتواند روا باشد۔ غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض

اور ظمیں صرف استطالت کا فرق ہو اور مخرج کا در نہ دونوں متحد الصوت ہیں اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہو کہ قافض میں ایسا فرق ہو جیسا کہ تس اور قس میں اور ط میں پھر کیا وجہ ہے جو بلائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا بلکہ دم مطبقہ پڑھتے ہیں جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا غیر مقلدین اس طرح پڑھتے ہیں اور یہ دلائل مان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں میں اپنی محدود واقفیت کی بناء پر عرض کرتا ہوں آپ کو فقط اسی عرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور قس جس طرح پر کہ ہم آذر پڑھتے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حوالے اکثر کتب قراءۃ کے تھے اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرمادیں۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں و لو زاد کلمۃ ان نقض کلمۃ احر ف او قد مہ او بد لہ باخری ان قال اما ما یشتق تمییزہ لا الضاد والطاء فانکثر هم لہو یفسد ہا۔ فتاویٰ عالمگیریہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہو۔ فان ذکر حروف امکان حروف وغیرہ المعنی فان کان الفصل بین الحرفین بلا مشقۃ كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلواتہ عند الكل وان کان لا یکن الفصل الا بالمشقۃ كالضاد مع الطاء والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرهم لا تفسد علی ہذا اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہو کہ جن دو حرفوں میں فرق کرنا آسان ہو ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جائیں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے ان کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ اس بناء پر اگر ضاد کی جگہ دال پڑھی جگہ جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں نماز فاسد ہو جانی چاہئے پھر علماء حرمین شریفین کے بعض فتوے بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے۔ چنانچہ شیخ احمد و حلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظمہ تحریر فرماتے ہیں دو ابدال الضاد بغير طاء لہو تصح قراءتہ قطعاً اسی فتوے میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ حمید بن سلمۃ قال لا تفسد لانہ قل من یفرق بیدھما مفتی عنایت احمد صاحب نے البیان الجزیل فی الترتیل میں لکھا ہو کہ ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہو گئی ہے کہ ضاد کو بصورت دال پڑھتے ہیں مشتبہ الصوت دال کا اس کو کر دیا ہو کہ دال پر نہیں دو پڑی۔ سو یہ بات جملہ کتب قراءۃ اور تفسیر کے خلاف ہے سب کتابوں میں قس کا مشتبہ الصوت ہونا ظاہر

سے ثابت ہے نہ دے مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ ہے اُس میں تحریر فرماتے ہیں  
 از مدتی در میان مسلمانان این شهر و مضائقات آن نزاعی در ضاد معجزه افتاده است بعضے ضاد  
 معجزه را مشابہ دال مخفیہ می خوانند بعضے مشابہ ظاء معجزہ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجزہ را در قرآن نہجے  
 ادائی کنند کہ مشابہ حرف بلکہ عین دال میشود و فرق از دال این قدر می کنند کہ ضاد را بصورت دال  
 مخفیہ نہ آواز پڑمی برارند و این خود خطا و غلطی فاحش است بچند وجہ۔ آس کے بعد چند وجوہ اس  
 کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں۔ پس از این صاف دہویدا گردید کہ ضاد معجزہ ہمان ست کہ با ظاء معجزہ  
 مشابہت دارد نہ آنکہ مخرج آن قریب مخرج دال ست چنانچہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعضے  
 از خواص ہم می خوانند یہ دال با ضاد تخالف و تباین تمام دارد و صفات و فرق در میان این برد  
 سہل است مثلاً شکل و شمار نیست بخلاف ظاء معجزہ الخ۔ اس کا مطلب بھی وہی ہو کہ حق کو مشابہ ظ کے  
 پڑھنا چاہیے۔ ایک دوسرا فتویٰ اورد جس پر نواب قطب الدین خاں صاحب اور مفتی صدر الدین  
 صاحب کے دستخط ہیں۔ اُس میں بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں  
 و ساکنان این دیار در دال و ضاد فرق نمی کنند و جاہل اند بے تمیز۔ پھر ایک فتویٰ غلامی سے پہلے کا  
 ہے جس پر مولوی نواز شعلی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین صاحب اور  
 مولوی عبدالرشید آرد مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہر ہیں اُس میں بھی یہی ہو کہ حق بہت مشابہ  
 ظ سے اورد دال کے نہیں۔ ایک فتویٰ مولوی عبدالحی صاحب کا بھی میں نے دیکھا جس میں لکھا ہو  
 کہ حق کو مشابہ پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہو اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہو میں نے بہت وقت  
 آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ  
 سے عداوت دشمنی اور پارٹی قائم ہو گئی اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز ترک کر دی اسی وجہ  
 سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا۔ آپ کو تکلیف تو بیشک ہوگی مگر بہت لوگوں  
 کا نفع ہوگا آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرمادیں۔ اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب  
 ہو جائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا کچھ زیادہ جلدی نہیں با سانی جب آپ تحریر فرما سکیں  
 مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہیے جس کو مخالف بھی تسلیم کرے میں تو بیشک جو کچھ آپ  
 تحریر فرمائیں گے اُس کو تسلیم کر دوں گا مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہو  
 کہ شافعیہ۔ جابر دی وغیرہ میں ایسے حق کو مشابہ ظاء یا بین بین پڑھا جاوے سستہن اور غیر صحیح لکھا  
 ہے یہ بات بیشک ایسی تھی کہ دل کو لگتی مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات



کیسے پیش کی جاسکتی ہے پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستہجن اُس وقت ہو سکتا ہے جس وقت اُس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے اگر اُس کے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستہجن نہیں ہوگا اور علی سبیل التسلیم حق مستہجنہ بھی ضاد ہی بخلاف اس کے کہ مشابہ دال پڑھا جاوے اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں بہر مخرج حق مستہجنہ دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جواز صلواتہ اس سے بوائے عام کے بنا پڑھ گیا کیسے اگر بوائے عام اس میں ہے تو عوام کے سوا جو لوگ اس کو صحیح پڑھ سکتے ہیں وہ اس کو کس طرح پڑھیں۔ حرین اور عرب کا اتباع کر کے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ضاد پڑھیں اگرچہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سادہ مخرج ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اس حق اور ظکی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے آپ ضرور سہارا لگا دیں اور مظلوموں کی مدد کریں بہت سی باتیں میں نے نجوت طوالت چھوڑ دیں جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائیں گی میں نے اس غلجان رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی اس لئے سختی الوسخ آپ میرے غلجان کے رفع کرنے میں دریغ نہ فرمادیں گے۔ فقط والسلام۔ ۹

الجواب۔ ضاد کے باب میں عوام کو چھوڑ کر خواص و اہل علم کی حالت تتبع کرنے سے بوجہ استقرار فی چھ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اول حق و ظ میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو یعنی ضاد کو صاف مخرج ظاء سے نکالا جاوے۔ دوم مخرج میں تمیز ہو لیکن صوت میں بالکل تمیز نہ ہو یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو جس کو اتحاد صوت کہا جاتا ہے۔ سوم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الظاء ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام نہ ہو بلکہ من و وجہ ہو لیکن غالب مشابہتہ صوت ظاء کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالظاء کی ہیں۔ چہارم ضاد و دال میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو تو تفخیم کا فرق کر لیا جاوے یعنی ضاد کو صاف مخرج دال سے نکالا جاوے۔ پنجم مخرج میں تمیز ہو لیکن صوت میں نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو۔ ششم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الدال ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو بلکہ من و وجہ دون و وجہ ہو لیکن غالب مشابہتہ صوت دال کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں باب اختلاف کرنے والوں میں سے اکثر نے تو صورت اول و چہارم کو لیکر اختلاف کر رکھا ہے اور ان

دو دونوں صورتوں کا باطل ہونا ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک حرف کا دوسرے  
حرف کے مخرج سے نکلنا عادتہ محال ہے اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے  
اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تامل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں  
معلوم ہوتیں کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور مطلق تشابہ تشابہ تام میں منحصر نہیں بلکہ اس کے  
خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ خود سوال ہی میں جہد المقل سے نقل کیا ہے۔ الثبوت التشابه وعسر  
التمييز بينهما اور عسر تميز خود بتلار ہا ہے کہ تميز تو ہے مگر عسر ہے ورنہ عسر تميز نہ رہے گا بلکہ  
عدم التميز ہو جائے گا۔ ہفت۔ اور جب ظاہر سے تميز ہے باوجودیکہ دونوں صفات کثیرہ و قبح مخرج  
میں تشارك ہیں تو دوسے بدرجہ اولیٰ تميز ہو گا کیونکہ عسر تميز کو جہد المقل میں مطلق اس علت کے ساتھ  
کیا ہے۔ فانہ یشارکھ الظاء فی صفاتھا کاھا اور ارتفاع علت علت ہے ارتفاع معلول  
کی پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تميز کی پس تشابہ تام منفي ہو گیا ورنہ اہل المطالب  
اب صورت سوم و ششم باقی رہ گئی جن میں تردد ہو سکتا ہے لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ قوت میں تميز  
مگر نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالظاء ہے تميز کے لئے جہد المقل کا عسر تميز کا حکم کرنا اور اشبیہۃ کے  
لئے اس کو تشارك الصفات کہنا دلیل کافی ہو جیسا ابھی دونوں کی تقریر کر چکی ہے۔ جب ان سب صورتوں  
میں سے صورت سوم کا حق ہونا متیقن ہو گیا تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں ان میں سے  
کوئی اس صورت کو مضر نہیں۔ چنانچہ قاضی خاں میں عسر تميز کو لکھا ہے سو اس میں خود تميز کا اثبات ہے  
اور عسر کا سبب اشبیہۃ ہے آگے کتب قراءۃ سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے اس سے بھی  
اشبیہۃ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی جو تشبہ لفظہ فی السمع الخ۔ سو اس  
کا تحقق مطلق اشبیہۃ سے بھی ہو سکتا ہے تشابہ تام و اتحاد لازم نہیں آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ ظاہر  
کا کیا ہے یہ مسلم نہیں البتہ اشبہ بالظاء نکلتا ہے آگے رخوت سے استدلال ہے یہ بصوت دال  
نکالنے کو مضر ہے مطلق تميز عن الظاء کو آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہو فلیحفظ الخ۔ اس سے  
بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردید سے شبہ ہو فیصیر عند ظاہر  
اور فساد۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تفریق ذال میں مخرج کی پوری حفاظت کی تب تو ظاہر بن جاوے گی اور اگر مخرج  
بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حادثہ لسان ہو گیا تو فساد بن گیا چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا  
یہ کہنا۔ لانہا اخت الظاء فی المخرج الخ موید اس کا ہے۔ آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے الا  
انہ حصل الخ اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔ آگے

شاہ صاحب کا قول ہے۔ سو عشر تیز خود مسلم ہو اگر اتحاد کو غیر مستلزم۔ آگے شرح قصیدہ نوینیہ کی عبارت ہے اُس میں بھی عشر تیز و اشتداد شبہ مذکور ہے جو مضر نہیں۔ آگے تہید کی عبارت ہو اُس میں صرف استطالت و اختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے سو یہی مبنی ہے تیز بینہا کا اس سے تیز فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی اس طرح دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تیز کی نفی نہیں۔ آگے مرعشی کا مضمون ہے اُس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔ آگے جہد المقل اور عایہ سے جو نقل کیا ہے اُس میں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تیز کو نہیں۔ آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے اُس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والاستطالت کا اثبات ہے اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی و استثناء و آل علی الحصر سے شبہ ہو کہ اسمیں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہو گئی ورنہ حصر نہ رہے گا۔ سو جبکہ یہ سلمات میں سے ہر کہ الشی اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ سو جو شخص افتراق فی المخرج کو لازم افتراق فی الصوت کا مانے گا وہ کہے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزم و لازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کی۔ شاہ صاحب کا قول سوال میں کر رہا ہو گیا ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا آگے شیخ جمال و امام رازی و امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضاد و ظاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں چنانچہ خود سوال میں جزریہ کا شعر و الضاد الخ منقول ہے جس میں تیز کا امر کیا ہے۔ و در نہج التجوید از رعایہ کدوہ ولا بد للقاری من التحفظ بلفظ الضاد حیث وقعت الی ان قال ومتی فرط فی ذلک اتی بلفظ الظاء والذال اھ و از نشر گفتہ فلیحذر من قبلہ الی الظاء و از احیاء العلوم در بیع اول آورده و یجتہد فی الفرق بین الضاد والظاء و از شرح مقدمہ جزری ان الضاد اعسل لحر و ف علی اللسان فلیحسن بر عایتھا ای لا تكون مشابہة بالظاء والذال والراء اھ و ملا علی قاری در شرح مقدمہ جزری گفتہ لیس فی الحروف ما یعسر علی اللسان مثله والسنۃ الناس فیہ مختلفۃ فمنہم من یخرجہ ظاء ومنہم من یخرجہ دالا ومہملۃ او معجمۃ و منہم من یخرجہ طاء ومہملۃ ومنہم من یشبہہ دالا ومنہم من یشبہہ بالظاء المعجمۃ لکن لما کان تمییزہ من الظاء مشکلا بالنسبۃ الی غیرہ امر الناظر بتمییزہ لفظا اے۔ ان تصریحات کے مقابل میں ان حفرات کا قول کہ خود تابعین اہل فن سے ہیں ائمہ فن سے نہیں ہیں حجت نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں امام غزالیؒ کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ضیاد اور طاء میں تمیز نہ کی جائے اور اسکی ضرورت نہیں بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے جنہوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنا لیا ہے اور تدبیر و تفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مفسر صلوٰۃ ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اسکی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے کیونکہ انہوں نے جس طرح فرق بین الضاد والظاہر کو قابل اعتراض بتایا ہے یونہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور طاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہیے کہ جہم اور خاء وال اور سین میں بھی امتیاز ضروری نہیں و لا یقول بہ احد فثبت ما ذکرنا۔

دوسرے آگے سوال میں غزالیؒ کا قول نقل کیا ہے فرق درمیان ضاد و طاء بجا آرد یہ قول باقی کے معارض ہے تیسرے محمول ہو سکتا ہے معذرت پر چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے ان المشابہہ شدیدۃ دان التعمید عسیر۔ پھر اذا ثبت کہ اس کو متفرع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے۔ و اگر نتواند روا باشد آگے نشر اور جہد لعل وغیرہا کی عبارت ہے ان سے یہی عمر تمیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز بلکہ جزئیہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے سو ہم خود اس صورت کو صحیح نہیں کہتے ہیں اس لئے ہم کو مفسر نہیں آگے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں یعنی طاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیر المنضوب میں طاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد ص ۱۲ میں امام ابو عمرو دانی سے نقل کیا ہے وقد کان بعض الفقہاء من اصحابنا لا یقرء الصلوٰۃ خلف من لہو یلین الضاد من الطاء وذلك کذلک لا نقلا بل المعنی وفساد الملاد بلکہ اکثر بجا و مخرج طاء کے مخرج نہ سے پڑھتے ہیں بلکہ خود طاء کو بھی مخرج زار سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلم ہے اور بیستم پر غیر مسلم کیونکہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور طاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا۔ اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔ آگے درختار و عالمگیری و قاضی خان کی عبارتیں ہیں ان میں دو حکم ہیں اولیٰ تمیز سو یہ مسلم ہے مگر نفی تمیز کو مستلزم نہیں دوسرا حکم فرق درمیان حروف عیسر التمزید لہ یہاں ذکر تا تک تصحیح الاغلاط سے اضافہ کیا گیا ہے ۱۲ ص یہ تسلیم بالنظر الی الذات ہے ورنہ اگر عارض خارجی یعنی تشبیہ بالروافض وغیرہ پر بھی نظر کی جائیگی تو پھر صورت چہارم ہی راجح ہوگا مینا من قبل تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۱

حروف یسیر التیمیز کے صحت و عدم صحت صلوٰۃ میں سواؤل تو بعض جزئیات اس کے معارض میں چنانچہ  
مغضوب علیہم میں ظاء کا مفسد صلوٰۃ ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف  
عیسیر التیمیز میں بھی تبدیل مفسد ہے اور نیز قاضی خان میں ہر دو قرع یعوذون بر حال یوذون بالدال  
لالتفسد صلوٰۃ اور تھوڑی دور بعد ہر دو قرع و ما ہو علی الغیب بذنین بالدال لالتفسد صلوٰۃ  
جب ض اور ذ بضنین میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور ذ فی عون میں عدم فساد میں سی  
ہوئی اور مساوی کا مساوی مساوی ہے پس ذ اور ضا د مساوی ہو گئے پس یہاں حروف یسیر التیمیز میں بھی  
تبدیل مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی یوذون میں دال اور ذال کی  
تبدیل کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے اس حکم کو کہ حرف یسیر التیمیز کی تبدیل بھی مفسد نہیں ہوتی کیونکہ ذ اور ذ  
میں تیز بہت آسان ہے پس یہ جزئیات اس قاعدہ کے سراسر خلاف ہوتیں۔ دوسرے بعض فقہائے  
حروف یسیر التیمیز میں بلوی عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح  
کی ہے پس تبدیل ض بالدال میں بھی حکم فساد کا متیقن نہیں ہو سکتا اس کے بعد شیخ احمد دحلان کا قول  
ہے لم تصح الخ یہ بناءً علی بعض الاقوال ہے جس کا التزام لازم نہیں۔ آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے اس کا مضر  
نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علمائے دہلی و لکھنؤ کے اقوال ہیں جو صورت سوم کو کچھ مضر نہیں جس کی صحت کا  
التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا اُس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش  
کرنے کے قابل نہیں اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کر لی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف  
ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافعیہ  
و جابر بردی وغیرہما میں اقوال ائمہ عربیت کے حجج کئے گئے ہیں اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور  
دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے۔ اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج وصفات کا لحاظ نہ  
ہو تب مستہجن ہے یہ بھی نہایت بار ہے کیونکہ اُس وقت تو یہ ماہیت ض ہی سے خارج ہو جاوے گا  
نہ کہ ض مستہجن نہ ہو کیونکہ منجملہ مسلمات ہے۔ ثبوت الشئ للشئ مخرج ثبوت المثلث لہ  
اور جب مثبت لہ یعنی ض ہی باقی نہ رہا تو اُس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہو گا اور آخر کار عند مبنی  
ہے عذر اوّل پر چنانچہ تصریح کیا گیا ہے کہ ض مستہجن بھی ض ہی الخ مبنی کا انہدام ابھی ہو چکا ہے اور اگر  
تقریر کو اس طرح بدلاجوئے جس طرح بعضوں نے کہا ہے کہ ظاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف  
تو ہے اور دال مغفم تو کوئی حرف ہی نہیں یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے لیکن اس کا معارضہ اس طرح  
ہو سکتا ہے کہ وہ مغفم کو کوئی حرف نہیں مگر دوسرے حروف ظاء و ذ سے ممتاز تو ہر درس لازم

میں حق کا شریک ہو اور ظاہر وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے اس لئے اسکو ظاہر پر ترجیح ہوگی تو اس معاوضہ کا جواب مرجع اول کے ذمہ رہی گا اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم اس کی ترجیح کے قائل ہیں صرف دلیل کا حال دکھانا مقصود ہے ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے جیسا اوپر بیان ہوا پس دلیل استہجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہو سکا البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بن باعتبار مخرج کے ہو یعنی اگر حاذی لسان و اضراس سے استطالت کے ساتھ ادا ہو تو حق فصیح ہے اور اگر طرف لسان و ثنایا سے ادا ہو تو ظاہر ہے اور اگر حاذی و اضراس سے بلا استطالت ادا ہو تو ضاد مستحسن ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد الفصیح و بین مخرج الظاہر ہو گا تو یہ بین بین مخرج میں ہونا نہ صوت میں اس لئے مدعا پر دال نہیں اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔ بہر حال اب تک جس قدر نظر و فکر نے کام دیا اُس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور عوام کو د کے مخرج سے پڑھنا اور غیر تقلیدین و غیر ہم کا ظاہر کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا جواز و فساد صلوة کا سوہر خید کہ اسمیں دایات فقیہہ سخت متخالف و متعارض ہیں مگر ظاہر ان سب کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ قصد سب کا حق ہی ادا کرنے کا ہے صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے متاخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی دست معلوم ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا اُس کی بھی نماز ہو جاتی ہے البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاہر پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں اُس کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔ فی الشامیۃ عن الخزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلك تفسد وان جهری علی لسانہ اولاً یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیۃ فی البزازیۃ وهو اعدل الا قایل وهو المختار ۱ھ۔ واللہ اعلم وعلہ

التحرر احکم۔ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۶ جلد ۱)

## الفتویٰ المتعلقة بالضا د فیہ کلام فی مواضع

سوال (۲۳۵) الاول قوله فی الجواب عن السؤال الاول ضاد مجرراً بامتیاز مخرج خود مائل بصوت ظاہر مجرر تلفظ باید کرد قلت اگر مراد این است کہ امتیاز در میان این ہر دو محض باعتبار

مخرج است و در صوت اصلاً تماًز نیست فلا دلیل علیه و الحكم بالتشابه فی کتب القراءة لایستلزم الحكم بالتشابه التام بل یکن تحققه فی ضمن التشابه الغير التام و اگر مراد اینست که در صوت هم امتیازی باید کرد پس عبارت برای این مقصود کافی نیست بالخصوص باعتبار بعضی عوام که شیفته ظاهر خالص خواندن هستند ایشان این عبارت را بر موافق هوای خود محمول خواهند داشت الثانی قوله فی الجواب عن السؤال الثانی باعث عدم تعسر امتیاز در میان هر دو یعنی ضاد و دال بالاتفاق مفسد صلوة خواهد شد الخ اقول فی رد الملتزم انصه و فی التامه رخنه عن الحادى حکى عن الصغار كان يقول الخطاء اذا دخل فی الحرف لا یفسد لان فيه بلوی عامه الناس لا نهوا یقیمون الحروف الا بمشقة اه و فیها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فيه بلوی العامة کالذال مکان الضاد او الزای المحض مکان الذال و الظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ اه قلت فینبغی علی هذا عدم الفساد فی ابدال الشاء سینا و القاف همزة کما هو لغة عوام زماننا فانهم لا یميزون بینهما ویصعب علیهم جدا کالذال مع الزاء ولا سیما علی قول القاضی ابی عاصم و قول الصغار - پس در حکایت اتفاق کلام است و شک نیست که بعضی عوام چنانکه در ابدال ضاد معجز لظا خالصه مبتلا هستند بچنین بعضی بلکه اکثر در ابدالش بزال گرفتار اند پس عموم بلوی در هر دو جا مشترک است و حسب روایت رد الملتزم هر دو در عدم فساد قسادی اند و از آنچه از قاضی خان و غیره فساد در ابدال بزال نقل کرده شده است خود قاضی خان در غضب علیه و العادیات ضبجاً ابدال ضاد بظا در مفسد گفته فکان الابدالان تساوین الثالث قوله فی الجواب عن السؤال الثالث بلا قصد و اختیار عین ظاء بر زبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ - اقول این صحیح است لیکن اکتفا بر ذکر شق واحد عوام را باین وجه مضر است که اهل ظا قصد و اختیاراً ظا میخوانند ایشان از قید عدم قصد و اختیار قطع نظر کرده بر ظا خالصه خواندن تمسک خواهند کرد و اگر شق ثانی هم تصریحاً مذکور بود که در حالت قصد چنانکه عوام

ع فی نفسه عبارت کافی است زیرا که مفتی ماس بصوت ظاهر گفته ذکر بصوت ظا لعم بظنة غلط فمی عوام است که این چنین بار یکبار نمی فهمند یا راه تعصب زان غرض بصری نمایند بنابرین تنصیع این ضروری می بود که بصوت ظا تلفظ نمی باید کرد ۱۲ تصحیح الا غلط ۶

زمان می کنند جائز نیست پس احتمال این اقرار ننماید باز فرق نشناختن مشترک است میان دال و ظاء از ضاد پس صحت صلوة حکم مشترک می باید بود ممکن است که نشاء این همه کلام عدم جبارت احقر و تجوید باشد لیکن برای دستخط ذکر کردن عذری کافی است۔ قال اللہ تعالی ولا تقف مایس لک به علوه وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تشہد حتی تدری مثل الشمس۔ فقط واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم۔ ۴ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۹ ج ۱)

سوال (۲۳۶) چرمی فرمایند علمائے دین و شرع متین درین مسئلہ بروز عید الفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابه و وضع بمشابه ظ در دو مقام علیحدہ علیحدہ نماز شده اعنی دو جماعت اول ض بمشابه و علیحدہ جماعت دوم ض بمشابه ظ علیحدہ مابین فریقین نقیض است کہ نماز شما درست نشدہ یکے با دیگر متنازع اند۔ اجمیوا و بینوا۔ واللہ تعالی اعلم۔

الجواب۔ فی قاضی خان دان کان لا یمكن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالطاء مع الضاد الخ وفیه لوقر غیر المخطوب بالطاء او بالذال تفسد صلواته و لوقر الظالین بالطاء او بالذال لا تفسد صلواته و لوقر الدالین بالذال تفسد صلواته۔ از روایت اولی معلوم شد کہ ضاد و شبه است بظا از دال۔ و از روایت ثانیہ مفهوم گشت کہ قصداً ظا خواندن و پچنان دال خواندن جائز نیست۔ پس واجب است کہ تصحیحش کرده شود و باوجود قصد صحیح خواندن غلطی عفوست لعموم البلوی۔ پس مفسدہ نزاع ازین مفسدہ اقیح و اشنع است چنیس امور را موجب تفریق بین المسلمین نمودن و بال عظیم است۔ اما امام را باید کہ از خواندن ظا احتراز نماید کہ در آن علاءہ غلطی کہ مشترک است میان دال خواندن هر دو تشبہ باہل اہوا و مثل رد افض خذ ہم اللہ و غیر مقلدین و اتباع ہوائے ایشان و تردد بوجہ بدعت ایشان ست واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم و حکم۔ ۹ سوال ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

سوال (۲۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص حرف ض معجزہ کو اُس کے مخرج سے ادا کر نہ کر قادر نہ ہو وہ شخص حرف مذکور کو بصورت ظا منقوطہ کہ دونوں حرف مخفم اور مشتبہ الصوت ہیں جیسا کہ کتب قرآنہ و تفسیر دفعہ مثل جزری و فتح العزیز و اتقان و قنادی قاضی خاں فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہوا و صفات میں بھی مانند رغوہ و استعلا و اطباق وغیرہ آں متحرک یا بحث عنہ فی موضع پڑھے یا بصورت دال جملہ کو جو مرقق و غیر مشتبہ الصوت و بعض صفات متضادہ ضاد معجزہ مثل شدت و انخفاض و الافتتاح

۵۔ یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۱ سے ترمیم کی گئی ہے ۱۲ منہ ۶



کے ساتھ متصفت ادا کرے جیسا کہ فی زمانہ اکثر اشخاص پڑھتے ہیں۔ بیٹو! تو جروا۔ ۹

**الجواب**۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد و دال و ذال و ظا جمع علیہ اور مصرح بہ ہر کمالاً یخفی۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہر اور ذات ظا و دال اور جب تغائر ذاتی ثابت ہو گیا تو اب ضاد کو ظا یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا باکوٹا نا کو جیم حا کو خا و ہذا باطل بالاجماع فلکذا ذلک۔ اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں جیسا جیم اور دال کو صفات جہر و شدت و انفتاح و انخفاض و اصمات و فلقہ میں متحد ہیں یا وجود اتحاد و صفات مذکورہ کے پھر ان دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے و علی ہذا التیاقن اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد و ظا میں تشابہ تام ہے اور صرف تغائر فی المخرج و استطالت فارق ہے۔ اسی طرح ضاد و دال میں تقارب بلغ ہے کہ محض تغایر فی المخرج و طباق فاصل ہے۔ مکما صرح بہ فی المفتاح الرحمانی فی علمہ القراءۃ۔ لولا الاطباق فیہا لکان الصاد سینا والطاء تاءً والظاء ذالاً والضاد دالاً انتہی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظا کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق میں ہے بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے نسبت ظا کے جیسا شافعیہ میں ہے۔ والضاد المعجۃ اول حافۃ اللسان و ما یلیہا من الاضراس واللام مادون طرف اللسان الی منتہا و ما فوقہ والراء منہما ما یلیہا والنون منہما ما یلیہا والطاء والدال المهملتین والتاء المثناة طرف اللسان و اصول الثنایا العلیا والصاد والزاء والسين طرف اللسان والثنایا السفلی والطاء والدال والتاء طرف اللسان وطرف الثنایا العلیا الی ان قال کل مخرج قدم ذکرہ فہو اقرب الی الصدر مما بعدہ و کذا کل حرف سبق ذکرہ فہو اقرب الیہ مما بعدہ انتہی۔ پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف یعنی لام راہ تون ظا مذکور ہیں۔ اور ظا کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اُس کے اور ضاد کے تو حرف یعنی لام۔ راہ۔ تون۔ ظا۔ دال۔ ثا۔ ضاد۔ ثا۔ سین مذکور ہیں معلوم ہوا کہ ضاد و دال میں زیادہ قرب ہے نسبت ضاد و ظا کے پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو ظا کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی ظا کے ساتھ۔ پس ضاد کو ظا و دال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز و عدم

حصر اضافی ہے پس اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے ۱۲ منہ معنی باعتبار ادا اتمہ کے ۱۲ منہ

جواز میں قساوٹی الاقدام ہیں اگر ضاد کو ظا پڑھنا تو دال بھی پڑھنا جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظا پڑھنا بھی جائز نہیں اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال و ظا پڑھنا بالاجماع باطل ہے پس ثانی متعین ہو گیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں و نیز تصریح المہ قرأت یہ ضاد محض شائبہ ظا سے حروف مستہجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔ فی الشافیة والضاد الضعیفة مستہجنۃ انتہی و فی النظامۃ شرح الشافیة والضاد الضعیفة ای التي تكون بین الضاد والطاء وقال فی الکفاية شرح الشافیة والضاد الضعیفة بین الضاد والطاء انتہی۔ اور حروف مستہجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں۔ کما فی رسالۃ تمعید الضاد عن صوت الطاء كانت تلك الضاد ضعیفة مستہجنۃ محمۃ فی القراءة والتلاوة انتہی۔ پس ہر گاہ بوجہ تہجان کے مشابہ ظا کے پڑھنا جائز نہیں تو بعینہ ظا پڑھنا کیونکر جائز ہو گا بلکہ اگر عہد پڑھے گا تو اس کی نماز کی صحت و فساد میں اختلاف ہو اور مفتی یہ فساد صلوٰۃ ہے۔ قال فی الخانیۃ والخاصۃ لاصل فیما اذا کسر حراما مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینہما بلا مشقۃ تفسد والا یمن الا بمشقة كالطاء مع الضاد للمجمعتین والضاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرھم لا تفسد و فی خزائنہ الا کمل قال القاضی ابو عاصموان تعمد ذلك تفسد وان جرى علی لسانہ او لا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیۃ و فی البزازیۃ وهو اعدل الا قایل وهو المختار انتہی۔ پس تحقیق مذکور سے واضح ہو گیا کہ ضاد کو دال یا ظا پڑھنا ناجائز و تحریف صریح ہے وقد ورد فیہ ما ورد قال اللہ تعالیٰ یحرفون الکلم عن مواضعہ الا یہ بلکہ حتی الوسع اُس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کری خواہ نکلے یا نہ نکلے صحیح نکلے یا غلط ظا نکلے یا دال ہملہ یا غیر ان دونوں کا شرعاً وہ معذور اور مصیب ہو گا لقولہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَلًا وُسْعًا اَلَا یہ بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادا نہ ہو گا تب بھی دواجر ملیں گے اجر مشقت و اجر قرأت عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الما ھرب القرآن مع السفرة الکلام البسرة والذی یقرأ القرآن و یتنتع فیہ وهو علیہ شاق لہ اجران متفق علیہ۔ لیکن اُس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ در تفسیر حسینی تحت اس آیت آوردہ و از ترضی علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد تریل حفظ و قون ست و ادا حروف انتہی۔ اور تریل وجوب کے لئے

یعنی باعتبار ترتیب مجز کے نہ معادرت کے از عہد یعنی شائبہ مع تبدیل مخرج سے ورنہ مخرج سے ادا ہونی سے مشابہ موت لازم ہے

اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد و طلب میں کوتاہی کریگا گنہگار ہوگا۔ ملامن الامر المذکور ولما فی الدر المختار فی بحث عدم جواز اقتداء غیر بالشیخ ہکذا وحررہ الحلبی ابن الشحنة انه بعد بذل جہدہ دائماً کلامی و فی الشامی قولہ دائماً ای فی انزال اللیل و اطراف النهار فمادام فی التصحیح والتعلو ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جہدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحيط وغیرہ قولہ حتما ای بدلا حتما فهو مفروض علیہ انتہی۔ یہ حکم تھا الشیخ کا جو قادر نہ ہو کلم سین وراہ پر اور یہی حکم ہر اس شخص کا جو کسی خاص حرف مثلاً و غیرہ کے تلفظ پر قادر نہ ہو۔ لہذا فی الدر المختار و کذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف الا فی الکلام سعة لا یتحملہ المقام۔ واللہ الہادی الی الصواب و ھو المنعم۔ فقط ۲۶ رجب روز یکشنبہ ۱۳۳۳ھ (انداد صفحہ ۱۴۲ ج ۱)

سوال (۲۳۸) تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافقی اللسان اور دونوں ڈاڑھوں میں سے ہے اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت ظا ادا کیا جاتا ہے اور مخرج تروجہ سے یعنی لکھ دانتوں کے مسور سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت دال مغنۃ ادا ہوتا ہے کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصورت ظا ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے چونکہ اس کا مخرج در حقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور ظا معجمہ صفات میں یکساں ہیں صرف طول اور قصر کا فرق ہے اور دال سے بہت تفاوت ہے۔ لہذا اب التجاہیہ کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہیئے ضاد بصوت ظا جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مغنۃ جائز ہوگا۔ چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری علماء موجود ہیں پھر ہم کو پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے جہاں تک کتابوں کی تحقیق کیا ہے وہاں تک ضاد بصوت ظا معلوم ہوا ہے۔ اب آنجناب اسکی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرمادیں۔

الجواب۔ اسمیں جو دو عادتیں ہو گئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج ظا سے نکالنا دونوں غلط ہیں مخرج صحیح سے نکالنا چاہیئے۔ اس سے صوت مشابہ ظا کی پیدا ہوگی نہ عین ظا کی مشاق کے ادا کرنے میں ذرا فرق اور ظا میں فرق تمیز ہوتا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ صلاۃ)

سوال (۲۳۹) حرف ضاد معجمہ زید مشابہ دال یا ظا کے پڑھتا ہے اور اگر سیکھے تو صحیح سیکھتا ہے مگر سیکھتا نہیں جیسے غیر مقلد ظا پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال ٹوٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں۔ جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے

پیچھے پڑھنی درست ہے۔ ۹

**الجواب**۔ اس حرف کو جو غلط لظن صواب و بقصد صواب پڑھیں جیسا ابتلائی عام ہے چونکہ عموم بلوے موجبات تیسیر و تخفیف سے ہے اس لئے میری نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶ رزی الحجۃ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۴۷)

**سوال** (۲۲۰) ایک سوال آیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دالین پڑھنا یا ظالین ہر ایک ایک ایک فرقہ مفسد صلوٰۃ کہتا ہے۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا۔ ۹

**الجواب**۔ ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط۔ ظا پڑھنا بھی غلط۔ قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ عموم بلوی کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی کسی ماہر تجوید سے شق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے۔ (مصفر ۱۳۳۱ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۱)

**سوال** (۲۲۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الحمد للّٰہ الذی خلق صوت کل حرف من الحروف متخالفًا ومتغایرًا وان کان اشتراك بعضہا مع البعض فی الصفات ظاہرًا۔ والصلوٰۃ والسلام علی من لا ینطق عن الہوی ان هو الا وحی پوحی وعلی صحبہ الذین من تابعہم فقد اہتدی ومن خالفہم فضل دعوی۔ اما بعد فاقول **اولاً** آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضی از صفات اتحاد صوت یا تشابہ آں یک دیگر لازم می آید یا نہ چنانچہ مخارج دال و جیم کہ مختلف است و بچند صفات مثلاً در جہر و شدہ و الفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و قلقلہ مشترک اند و ہمچنین کاف و تائی فوقانیہ مع تخالف مخارج و صفت ہمس و شدت و الفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و سکونت مشترک لصفات پس آیا صوت دال و جیم و کذا صوت کاف و تائی فوقانیہ متحد و یکساں است یا مختلف و دیگر گوں۔ **ثانیاً**۔ آنکہ آنچہ اہل تجوید و ارباب قرائت نیما بین مخرج ضاد و ظا و تخالف و تفارق بیان فرمودہ اند صحیح و درست است یا نہ۔ **ثالثاً**۔ آنکہ حروف مفردہ تہجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب در لبست و نہ حروف منمحر اند یا نہ۔ **رابعاً**۔ آنکہ اگر حرفی از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد و مخرجش کدام است۔ **خامساً**۔ آنکہ باوجود تخالف مخارج و تفارقات حروف اگر کسی عمداً در نماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادا می کند مثلاً ولا الضالین

۱۔ لا الظالمین بظاہر مجرمین و خوالہ پس آیا نماز شش صحیح و درست است یا نہ و اگر نماز شش صحیح است پس آنچہ مولانا محمد قاسم صاحب نافو توی در رسالہ الدلیل المحکم در صفحہ ۲۱ ارقام فرمودہ است کہ جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کی جگہ ذال اور حاکے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام عین اور لام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظا پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی دوسرے منجملہ تحریف ہے جس کی بُرائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آجکل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتود کی پُھروں کو دیکھ کر پھل جلتے ہیں اور یہ کون جلتے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا انتہی! چہ معنی دارد وقاری ظا بجائے ضاد و عدا مرکب کبیرہ است یا نہ۔ و ایں چنین تعلیم او کہ بشاگرد خود میدہد از روی شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب۔ بینوا توجروا۔ ۹

**الجواب۔** الکلی الاجمالی۔ اِماعن الاول۔ اتحاد باطل است اجماعاً و تشابہ نہ لازم است نہ متمنع بلکہ تابع دلیل است و دلیل تشابہ در ضاد یا ظا از ماہرین فن منقول است نہ در ضاد یا دال و عن الثانی در صحت آل چہ شبہ است۔ و عن الثالث و الرابع بدرجہ احتمال ہم باطل است لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامد تا ہم ایں محذور در خواندن ضاد بصورت دال مفہم الزام است نہ در خواندنش بصورت ظا اگرچہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد کما سیاتی۔ و عن الخامس۔ صحت و فساد صلوٰۃ تابع صحت و فساد معنی است لیکن معصیت در ہر صورت مشترک ایں حکم مخصوص نیست بتغییر ضاد بظا و معجمہ بلکہ عام است۔ تغیر ضاد بیدال را ہم و کلام مولانا نہ محمول است بر معصیت چنانچہ آل التحریف نامیدند و تعرض بہ فساد صلوٰۃ نہ فرمودند و ہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست چنانچہ اگر کہے بجائے ذلک الکتب کلا ریب فیہ بسبب شبہ ہذا الکتب لا ریب خواندن نماز فاسد نشود و ایں تغیر ضاد ناشی است از شبہ باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن و طیفہ مجتہد است و ظاہر است کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است لیکن ہمچنین بلا دلیل معصیت را بر کہے چسپانیدن و فاعل تشابہ را فاعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است بہر حال ضاد حروف مستقل است نہ عین ظا است نہ عین دال گو شبہ الصوت است بظا۔ لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز را زیر کہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی ندارد۔ مشابہت در متغایرین می باشد۔ پس امتیاز صوت را علماً یا عملاً رفع کردن غلو بین است۔ اما ایں امتیاز صوت از

کتب مدرک نمی شود تعلق بسماح از ما ہر دارد۔ من از قراء پانی پت کہ دلیس فن از دیگران امتیاز خاص دارند این حرف شنیده ام در ادائے شال مرتج امتیاز محسوس میشود ہم از ظاہر ہم از دال ہر ادواج خاص تہ ہم دارد و آں اینکہ حکم لفساد و صلوة بر فتویٰ متأخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر بر ادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش و بچنین باتش صحیح خواں را و غلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاہر۔ کہ آں لغت او گشتہ باز در صورت غلط دانمودن آیات رجح دال مخم را است کہ اگرچہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاہر کہ ممتاز ہم نیست یا ظاہر مجمر را است کہ اگرچہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال این کلام دیگر ست و در ہر دو جانب جماعتی است از اہل علم و لکل وجهۃ ہو مولیہا۔

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (التور صفحہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ)

منع از غلو در قراءۃ سبعہ | سوال (۲۴۲) بعض مقامات میں سبعہ قراءۃ کا چرچا حد سے تجاوز  
بوقت احتمال فتنہ عوام | کر چلا ہے بعض حفاظ لوگوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کر کے  
پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض یا پڑھتے پڑھاتے ہیں تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے  
جس سے سوا نمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس نہ مانہ پر آشوب میں  
یہ خوف نہیں ہے کہ جہاں و مخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ  
نہیں ہے۔ چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک کثرت میں روایت حفص پڑھی دوسری کثرت  
میں روایت قانن۔ کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم  
ہوتیں کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے۔ براہ نواز ش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا  
تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو  
بلکہ زور دیا جائے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے اگر کوئی لکھا پڑھا  
آدمی حرف بھی اُس کا اچھا ہو تو اُس کو سچ پڑھائی جاوے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید  
پڑھائی جاوے اور قراءت جانتے والوں کو چاہیے کہ ہر کس ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے  
کچھ نہ پڑھایا کریں۔ ۹

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا  
اللہ عداوا بغیر علم۔ فی تفسیر بیان القرآن۔ اس سے قاعدہ ترعیہ ثابت ہوا کہ مباح (بلکہ  
مستحب بھی ۱۲ منہ) جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے الخ۔ (وہذا المباحث

كله صالح لان يلاحظ فيه ۱۲) دروى البخارى عن على رضى الله تعالى عنه قال  
 حدثوا الناس بما يعرفون ان يكذب الله ورسوله - في حقيقة الطريقة  
 بعضه بيابك عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بيان کر بیٹھتے ہیں بعضے عوام اُن کی تکذیب کرتے  
 ہیں اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں سو ہر حال میں اللہ و رسول کی تکذیب کا تحقق  
 ہوا - والثانی اشد من الاول - اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے - وروى مسعود  
 عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه انه قال ما انت بحديث قوم الا يبلغه عقولهم  
 الا كان لبعضهم فتنة - في حقيقة الطريقة - اس حدیث سے بھی وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے  
 ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے مثلاً وفي رد المحتار تحت مسئلة كراهة  
 تعيين السوطة في الصلوة من الدار المختار ما نصه حاصل كلام هذين الشيخين بيان  
 وجه الكراهة في المداومة وهو انه ان رأى ذلك حتماً يكره من حيث تغيير المشرع  
 والا يكره من حيث ايها المجاهل ج ۱ ص ۵۶۵ آیت اور حدیث اور فقہ سب سے قاعدہ  
 ثابت ہو کہ جس عمل سے عوام و جہلہ میں مفسدہ و فتنہ اعتقاد یہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک  
 خواص پر واجب ہے باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے سوال میں  
 بعض حالات میں جو فتنہ سب سے پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے پس فتویٰ شرعی ہو گا - کہ  
 خاص اُن احوال میں سب سے استعمال ممنوع ہو گا اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علی  
 ودعوائے کمال دریدہ و تصنع و تفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے لہذا اس باب میں مفسر  
 سوال میں مذکور ہے - واجب الاتباع ہے - ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ (تمتہ خاصہ ص ۴)

جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن در بارہ نقل کردن

قراءة ابن مسعود و علی لوارث ذی الرحم الخ بلا سند

ذکر کیا ہے - ۹/ الجواب میں نے تفسیر مظہری سہو لیا ہے جسکو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے اصل

قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعود کی قراءت کی تحفہ ص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہو اور ہدایہ میں بھی اس قراءت کو نقل کیا

ہو - لیکن اگر شبہ حق کی کتاب پر ہے تو اس کا جواب استفادہ کافی ہے کہ اسکا ماخذ فلاں فلاں کتاب ہے - اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے

تو اسکی تصریح ہونا چاہیئے تاکہ ہر جواب دیا جائے - ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ (ترجیح خاص ص ۱۴۹)

تحقیق اثبات استماع الف تنہیہ رد اقا و قال الامجد وغیرہ

سوال (۲۴۴) الف تنہیہ کا جیسے الف ذاتا اشجۃ و قال الامجد

لہ الذی کا ادواؤ جمع کا جیسے و قال الامجد لہ و افعلوا الخ کے سبج کلام میں ماقط ہوتا ہو یا نہیں و اسکو پڑھنا چاہئے یا نہیں

**اجواب۔** اس باب میں کوئی معتبر سند میری نظر سے نہیں گزری البتہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب نے اپنے بعض رسائل میں موقع التباس میں الف تشنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے۔ مگر واو جمع میں نہیں لکھا مگر چونکہ امیر کوئی دلیل قائم نہیں کی لہذا میرا معمول نہیں کی لہذا میرا معمول نہیں اور التباس تو بعض جگہ واو جمع میں بھی ہے جیسے قل ادعوا للہ اذا دعوا للرحمن حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں۔ اور فح التباس کیلئے قرینہ سیاقیہ کافی ہے واللہ اعلم۔ ۲۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ (امداد)

**سوال (۲۴۵)** پارہ انیس میں جو رکوع ہے ولقد اتینا داؤد وسليمان علما وقال الحمد لله الذي عرض به لفظ قال الحمد في الف كهنجا جاد کیا یا نہیں قال لا ہا قال ہا اگر قائل ہے تو صیغہ تشنیہ کا نہ رہے گا اور اگر قال لا ہا تو اجتماع ساکنین ہو گیا یہاں حافظوں سے معلوم کیا تو اختلاف ہے کوئی قال لا کہتا ہے اور اکثر قال کہتے ہیں تو حضور اسکی تسکین فرمادیں؟

**اجواب۔** میں الف نہیں پڑھتا ہوں اور آج تک الف پڑھنے کی کوئی دلیل ملی اور شبہ عجیب ہے کہ تشنیہ نہ رہے گا کیا تشنیہ کا الف کسی فرض سے لفظ ناقط نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں قل ادعوا للہ میں بھی واو ظاہر کر کے پڑھا جائے ورنہ جمع نہ ہو گا لکن وہاں دہرے کا کوئی بھی قائل نہیں اگر کسی کو شبہ التباس کا ہو تو خصوصیت تمام اسکا دفع ہے ورنہ قل ادعوا میں بھی التباس بغير کا اعتبار کرنا چاہیئے اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جائے تو اسکے خلاف بھی مجموعہ عن القراء ہے۔ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ

**سوال (۲۴۴)** کیا یہ صحیح ہے کہ انعام میں نون ساکن یا تینوں کو اس طرح ادا کرے کہ تین نون ساکن یا تین نون کے اوپر وہ حرف نون ساکن یا تینوں کے بعد ہے مثلاً رنگوں اور رنگ وغیرہ۔ **اجواب۔** صحیح ہے کہ تین نون حقیقت انعام کی ہیں لفظ انعام والا انعام ہوا اور انعام میں نون خالص ہو تو ہا اور انعام میں بالکل نہیں ہوا گوشت ہر موسیٰ بن ہن ہو گا لفظ ۲۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ (امداد)

**سوال (۲۴۵)** دَعَا دَعَا عَلَمُوا میں کیا انعام ذال کا ظاہر ہو گا بعض قرآن میں ظاہر تشدید ہے؟

**اجواب۔** اَدْعَا عَلَمُوا میں بالاتفاق انعام ہے کہانی غیث النفع المذموم اذ علموا الجمیع۔ اور چونکہ پہلا حرف ساکن ہے یہ اصطلاح میں انعام صغیر کہلاتا ہے یہ بھی غیث النفع کے مقدمہ میں ہے اور عبارت سابقہ کے بعد جو آئے لکھا ہے جو رمز ہے انعام کبیر کا یعنی جہاں حرف اول متحرک ہو یہ مابعد کے مواقع کیلئے ہے۔ یہ تعریف اور اصطلاح بھی مقدمہ میں ہے۔ (النور صفحہ ۸ محرم ۱۳۵۰ھ)

**سوال (۲۴۶)** اذ یعلن فی السبب اذ عرفہ القرۃ کا یعنی واسئلہم عن القرۃ التي

کانت حاضرة البحرین جو قرۃ ہوا میں مضاف محذوف ہے اذ یعلن غرت ہے اس مضاف کا تو اذ کو قرۃ سے فصل کرنا جائز ہوا یعنی جو کو اذ سے ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ پھر بحر پر وقف کیا علم نے بے تحقیق لکھا ہے یا کوئی وجہ تو بیان کریں۔ یہ تو سورہ اعوان میں اس طرح سورہ نمونون میں اعاب پر وقف لازم کہتے ہیں لکن یہ وقف بھی قبیح ہے کیونکہ جنت مفعول ہے انشاء کا لفظ اور سورہ تخریج معطوف ہے جنت پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب فردا ہوں جملے نہوں جائز ہے تو انشاء اسے لاکلین تک وقف کرنا چاہئے ہوا تو اعاب پر بھی وقف ناجائز ہوا ناجائز کو لازم کہنا محاذ اللہ سخت گناہ۔ بلکہ اگر دیدہ و دلہند ہے تو کافر ہو جائے مثلاً مس اجنبیہ ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائیگا بالاتفاق مسلمین۔ ۹



**الجواب**۔ اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئیں۔ مقدمہ اول۔ ردس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قرارت سب کے توقیفی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہر وہ بنا علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقات ہیں سب موراجتہاد یہ و ذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے مرغت میں یہ فصل و وصل مواقع مختلف میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اختلاف بنا علی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہر مثل اختلاف مسائل قیاسیہ خفیہ و شافیہ کے اسی بنا پر اوقات کے باب میں ائمہ قرارت کی اصطلاح جدا جدا ہیں چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں۔ تام۔ اتم۔ کافی۔ الکفی۔ حسن۔ احسن۔ صالح۔ اصلح۔ قبیح۔ اقیح۔ اور امام سجاد ندی کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ مطلق۔ جائز۔ مجوز۔ مرفض۔ اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ تام۔ شہید۔ ناقص۔ شہیدہ بناقص۔ حسن۔ شہیدہ بحسن۔ قبیح۔ شہیدہ بقبیح۔ چنانچہ یہ سب اصطلاحیں منار الہدی میں موجود ہیں جن کے عنوانات و معنوات و مواضع تعین سب مختلف ہیں۔ مقدمہ دوم۔ وقت لازم میں لزوم معنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے بلکہ معنی استحسان ہو کہ ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقت لازم سمجھا جاتا ہے۔

**مقدمہ سوم**۔ اسی طرح وقت قبیح میں قبیح معنی لزوم کفر یا معصیت نہیں بلکہ معنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبیح کا بھی ایہام پر ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقت قبیح سمجھا جاتا ہے چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدی میں ہے اذا علمت هذا عرفت بطلان قول من قال لا يحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخر ان يقف على سبعة عشر موضعا فان وقف عليها وابتدأ ما بعد ها فانه يكفر ولو يفصل والمعتد ما قاله العلامة النكراوى انه لا كراهة ان جمع بين القول والمقول لانه تمام قول الیهود والنصارى والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه انما هو حكاية قول قائلها حكاه الله عنهم ووعيد الحق الله بالكفار والمدار في ذلك كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجوزى من تكفير من وقف على تلك الوقوف ولو يفصل ففي ذلك نظر نعم ان صح عنه ذلك حمل على ما اذا وقف عليها لمعتقد امعناه فانه يكفر سواء وقف ام لا الى اخرها قال واطال وفيه ايضا القبيح وهو ما اشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى ويكون بعضه اقبح من بعض نحو ان الله لا يستحي فويل للمصليين فانه يوههم غير ما اراد الله تعالى فانه يوههم وصفا لا يلق بالبارى

سبحانہ و تعالیٰ دیوہران الوعید بالویل للفریقین وهو طائفة مذکورین بعدہ  
 الی اخر ما قال و اطال و فی الجزریة و لیس فی القرآن من وقف واجب و لاحرام غیر مالہ  
 سبب و قال الملا علی قالی فی شرح البیت و حاصل معنی البیت بکمالہ انہ لیس فی  
 القرآن وقف واجب یا ثلث القاری بترکہ و لا وقف حرام یا ثلث بوقفہ لانہما لا یدل  
 علی معنی فیختل بذہا بہما الا ان یکون لذلك سبب یستدعی تحریمہ و موجب  
 یقتضی تحریمہ و کان یقصد علی ما من الہ و فی کفر و نحو ہما کما سبق من غیر  
 ضررۃ اذ لا یقصد ذلک مسلم و اقف علی معنایہ و اذ العریقصد لا یحرم علیہ  
 لا الوصل و لا الوقف فی مبنایہ۔ اور ہمارے علی المقدّمۃ الاولیٰ ممکن ہو کہ اس ایہام میں آراء اقراء  
 مختلف ہوں۔ مقدمہ چھارم۔ امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تفہیل یا یقین  
 نہیں ہو سکتی ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہو جاوے گی۔ مقدمہ پنجم۔ فی  
 مناد الہدیٰ یظلمون کاف شراً عاجز و فیہ ایضا و اعاب جائز و مثله کثیرہ  
 و منها تا کلون کاف علی ان قولہ و شجرۃ منصوب بفعل مضمّر تقدیرہ و  
 انشانا شجرۃ و انبتنا شجرۃ و لیس بوقف ان عطفت شجرۃ علی جنات و جنتین  
 لا یوقف علی و اعاب و لا علی کثیرہ و لا علی تا کلون۔ مقدمہ ششم۔ اذ  
 یعدون فی السبب میں یہ بھی احتمال ہے کہ اذ ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مشتاق  
 ہو یعنی جبکہ یہ کہا گیا و اسئلہ عن القریۃ الّتی کانت حاضراً البحر۔ ماکان حایم تو  
 اس پر قدرۃ یہ سوال پیدا ہوا کہ متی اس کا جواب دیا گیا اذ یعدون فی السبب۔ اسی کانت  
 تلک الحال اذ یعدون فی السبب اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں رائج ہے۔  
 مقدمہ ہفتم۔ لکھ فیہا فاکہ میں بھی استثنائے احتمال قوی ہے کیونکہ جب

اصل کتاب مطبوعہ مجتہبائی دہلی میں دس جگہ اس مقدمات تحریر ہیں لیکن اُسی کے ساتھ ضمیر بنام تفہیم  
 الاغلاط میں اس مقام سے مقدمہ ششم ہم کو حذف کر نیکی ہدایت کی گئی ہو اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں  
 جا بجا ترمیم و اصلاح فرمائی گئی ہو۔ آخر نے تصحیح اغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ  
 باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کر دی صرف  
 تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں فردت ترمیم کا تو حضرت نے اظہار فرمایا مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی  
 جائے وہ تحریر نہیں فرمائی اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات پر بطور  
 حاشیہ لکھ دیا ہے۔ ۱۲۔ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ ۛ

بطور انعام کے یہ کہا گیا فانشاءنا لکرمہ جنت من فخل واعتاب تو یہاں سوال پیدا ہوا ای نعمتہ  
کان لنا فی انشاءنا اس کا جواب دیا گیا لکرمہ فیہا فوالک کثیرۃ ومنہا تا کلون۔ سجاوندی نے  
اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔ مقلدہ ہشتم۔ چونکہ علم وقوت نہایت دقیق علم ہی  
جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہو اس لئے بدون جمع اُن آلات و علوم کے محض تھوڑی  
سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا جمیع اجتہادیات کا  
حال ہے بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہیے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو  
وقف لازم ہے وہ سجاوندی کے قول پر ہے جس کی وجہ یہ ہو کہ وصل میں ایہام اخذ کے واسطے  
کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے کیونکہ  
اُن کے نزدیک یہ جملہ متانفہ ہو جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا اس لئے انھوں نے بحرِ وقف کیا  
اور ایہامِ اعصاب کے موصوف اور جملہ لکرمہ فیہا فوالک کثیرۃ کی صفت ہونے کا الخ یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں  
ہو سکتا کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعصاب کی صفت نہیں ہو بلکہ تخیل و اعصاب  
مجموعہ کی باجانات کی صفت ہو لہذا استدلال یوں کر ناچلے بیٹے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام متانف  
ہے جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہو اور وصل میں شبہ تھا جانات یا تخیل و اعصاب کی صفت ہونے کا جو  
کہ اُن کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا اس لئے انھوں نے وقف کیا۔ رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے کا  
سو وہ بیان بالاسے مندرج ہو گیا کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہو کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک  
ایہامِ خلاف مراد ہے اس لئے وقف ضروری ہوا کہ قبیح ہو اور اگر محض قفل کو موجب قبیح کہا جاوے سو  
اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وقف کرنے ہی  
پر کیا موقوف ہو خود موضع ثانی میں فاصل ہوتا ہے بڑے کلام کا لکرمہ فیہا فوالک کثیرۃ ومنہا تا کلون  
لزوم قبیح کے لئے کافی ہونا چاہیے (بحکم مقدمہ ہشتم) بلکہ ایسا قبیح تو قرآن مجید میں صد بار جگہ لازم آئیگا  
۱۱۔ یہ اعتراض مسائل پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ وہ لکرمہ فیہا کو جانات وغیرہ کی صفت کہتا ہو پس یہ قفل لا جنبی نہیں ہو لہذا اس اعتراض  
کو ساقط ہونا چاہیے ۱۲۔ تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرت محمد بن علی نے اعتراض کو ساقط لکھا ہو مگر عبارت کتاب کی تفسیر کی موت  
نہیں لکھی اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا سی طرح اس صفحہ کے دوسرے حاشی کا  
حال ہو ۱۳۔ محمد شفیع عفی عنہ ۱۴۔ یہ اعتراض بھی مسائل پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ جملہ مقدمہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جا تا بخلاف  
لازم کے اس کی توضیح اس سے ہو سکتی ہو قلت الیہود و لعنہم اللہ تعالیٰ واذ اقم عذاب الحریح الانبیاء بالاتفاق جائز ہو اور  
قلت الیہود الانبیاء میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہیے ۱۵۔ تصحیح الاغلاط ص ۱۹ ج ۱

مثلاً آیت مذکورہ دقیقہ میں کہ بنا بر قرات صعب کے جو کہ قرائت متواترہ پر حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام حلیل ہے قیلہ کا عطف سر ہم و نحو ہم پر تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں عامل و معمول میں سات آیات توفیقہ (جماعیہ فیصل ہیں اور حسب قول زجاج ساعۃ پر عطف تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں روایات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ ہم) پس اگر فصل مطلقاً موجب قیج ہو تو ان اندام جلد نے اتنی قیج کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا۔ علاوہ اس کے جو بنا و شبہات کی ہر کہ از بعد ان میں ادھر ت ہے اُس مضامین کا الخ یا شجرۃ مفعول ہے انشان کا الخ اس میں خود کلام ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل اذ کا محذوف ہو مثلاً کانت حاضرة یا وقعت۔ القصد یا مثل اس کے جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ پس بہر حال لزوم قیج کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا اور بعد اللہ والہی اگر خواہ مخواہ کوئی قیج کا قائل ہی ہو ابد کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اُس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہو سکتی ہے۔ قائلین بالزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی جماعی ہے قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا اول تو غفلت ہے معنی لازم و قیج سے پھر بوجہ فارق قطعیت و اجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم) چنانچہ صاحب منار نے کانت حاضرة البحر پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعقاب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم) لیکن اس قسم کا اختلاف جیسا صاحب منار نے امام سجادؓ کے ساتھ کیا ہے ہم جیسوں کو کہ نہ اُس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکا نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں۔ (بحکم مقدمہ دہم)۔ فقط واللہ اعلم۔ یکم شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص ۱۱۱)

تحقیق وجوب علم تجوید | سوال (۲۴۷) مدرسہ قرات کی خدمت کیا کیا تفصیلاتیں رکھی ہیں اور یہ علم و قرات آیا واجب ہے یا مستحب۔؟

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ و تعاونوا علی البر و التقوی۔ اس سے ہر امر خیر کی عانت کا امر اور فضل ثابت ہو البتہ اچاناً یا خیر میں شر منقسم ہو جاتا ہے اُس کی اصلاح واجب ہے اور اس علم کے تین شعبے ہیں تصحیح حروف بقدر امکان و رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد و اختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطراب میں غلو ہے لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہو جاوے وہ معذور ہے اور ایک شعبہ اختلاف قرات ہے یہ مجموع اُمت پر واجب علی الکفایہ ہے صحیح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہیے کہ سجادؓ نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ۱۷ منہ۔ تصحیح الاغلاط ص ۱۱۱

اگر بعضے جانتے والے موجود ہوں یا بعض ایک قرأت کے مافظ ہوں بعض دوسری قرأت کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ ایک شعبہ ادغام و تخفیم و اظہار و اخفا وغیرہ کی رعایت ہی مستحب ہے۔ یظهر هذا كله من المراجعة الى كتب الفقه والقراءة۔ فقط واللہ اعلم ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۱۱ ج ۱)

ثبوت اوقات | سوال (۲۴۸) یہ جو روز اوقات قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول ہا کلام مجید قرآن کے ہیں ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت و اجماع و قیاس ہے انہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے اُس کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب۔ آیات و اوقات کلام مجید کے کتاب وسنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔ اما الكتاب فقال الله تعالى و مثل القرآن ترتيلاً فرما یا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا و تفویض کا از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادرش مرحوم فی الصلاح ترتیل ہموار خواندن و آرمیدہ و پیدا خواندن۔ وقال اللہ تعالیٰ۔ وَ لَعَدَّ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا سَبْعَ اَيَاتٍ دَٰهُی الْفَاتِحَةُ بیضاوی ۱۲ اما السنة فمن ام سلمة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراءته يقرأ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثم يوقف السَّحَابِ السَّحَابِ۔ ثم يوقف ترمذی ج ۲ ص ۲۷۱ وعن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ان سوتة من القرآن ثلاثون اية شفعت لرجل حتى غفر له وهي تبارك الذي بيده الملك ترمذی جلد ۲ ص ۲۷۱ و فی الحدیث من ضمن ان یقف علی عشر مواضع فی القرآن ضمننت له بالجنة کذا فی الدسة۔ از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم۔ ادا اجماع اس لئے کہ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے اس میں خلافت نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفاً فرماتے رہے کہما یعلم من مطالعة رسائل القراءة اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع و مواقع و وصل و فصل ہو کرتے ہیں تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم و تعلم کی نہ تھی جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان

اس بحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوطہ ہے جو رسالہ اثبات دفع لازم کے اخیر میں چھپی ہے ۱۲ ص ۱۲۵ آیت

بھی وقف بالمعنی الاعام میں داخل ہے ۱۲ ص ۱۲۵ یہ حدیث کتب حدیث میں نظر سے نہیں گزری ۱۲ ص

کی زبان عربی نہ تھی اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے اُن کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن و رموز اوقات تجوید فرمائے اور ضبط کئے تاکہ اُن کو سہولت ہو پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جا خلافت کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں چنانچہ سورہ برآۃ میں آیت واللہ لایہدی القوم الظالمین پر ٹھیرنا لازم ہے اور اگر یہاں نہ ٹھیریں اور الذین امنوا و ہاجرنا کے ساتھ ملا دیں تو بالکل معنی فاسد ہو جاویں گے کہ لا یخفق دیکھے قد دہما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رأی الا المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن۔ اور جو قصداً اس کے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم۔ محرم ۱۳۳۶ھ (امداد ص ۱۵۱)

**سوال (۲۴۹)** صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ (و) علامت ہو اُس جگہ وقف کرنا یا نہ کرنا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے لیکن علماء و حفاظ کجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں لہذا حضورؐ در یافت کیا گیا۔

**الجواب**۔ نہ کرنا اولیٰ ہے مگر جہاں منقول ہو وہاں کرنا اولیٰ ہے۔ ۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تمہ خامسہ ص ۷)

**سوال (۲۵۰)** وقف خرات قرآن مجید مواضع اوقات میں بجز داسکان موضع وقف میں | **وقف نہ کرنا:** حروف موقوف علیہا بلا قطع انفس گزر جانا جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے

حائز ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ شرعاً جائز ہے یعنی گناہ نہیں لیکن عربیت و فن قرات کے خلاف ہے فقط ۹/ محرم ۱۳۳۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۷)

**سوال (۲۵۱)** حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے | **حرف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ** یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں رد و نون اور باقی حروف میں کچھ

فرق ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ قدرے تشدید کا اظہار ہونا چاہیئے خواہ کوئی حرف ہو فقط۔ ۹/ محرم ۱۳۳۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۷) **سوال (۲۵۲)** اوقات سجاوندی میں اکثر خلیفان

۱۱ اصل کتاب میں یہ عنوان لکھا ہوا ہے (الاسئلة الموصولة من بعض الاخلاء الاجلہ مد فیہم ۱۲) ۱۲ المراد سیدی تہذیب الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲ منہ

ہوتا ہی پہلے ہی عرض کیا ہوا اس وقت دو جگہ خلیان ہوا اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرمادیں۔ (۱) واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جائتھم الایۃ لیؤمنن بہا قل انما الایات عند اللہ وما یشعر کما انھا اذا جاءت لا یؤمنون۔ جملہ وما یشعر کم تا لا یؤمنون برقرۃ اَن مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا اور در صورت عدم وقف مشبہ ہو سکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو لہذا بظاہر عند اللہ بروقف لازم ہو مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔ حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی تحریر فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو۔ (۲) الا انھم من افکھم لیقولون ولد اللہ وانھم لکاذبون۔ چونکہ بظاہر جملہ وانھم لکاذبون ماقبل سے بالکل منقطع ہوا اور داخل قول نہیں لہذا وقف لازم ہے حالانکہ سجاوندی میں لا لکھا ہے تعجب ہے ہاں اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاصہ سیاق فیہم وانھم مرسلین کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منارا لہدیٰ میں اس جگہ جائز لکھا ہے۔

**الاجوبۃ۔** اول مکورہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قرآن سب سے انہا بفتح اَن اور لا تو منون بصیغہ خطاب پڑھا ہے تو اس صورت میں جملہ وما یشعر کم داخل مقولہ ہو سکتا ہو لیکن المعنی وما یشعر کما ہی لا تعلمون بل یعلم اللہ تعالیٰ انھا اذا جاءت لا تو منون۔ پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قراءت ہو اور بقیہ قراءت پر بھی ایک تہ جیہ یہ ہو سکتی ہو کہ قتل کا مقولہ کفار نہ ہوں بلکہ کفار کی قسم شکریہ مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہو گئی تھی ان کو دونوں جملوں سے یعنی انما الایات سے بھی اور وما یشعر کم سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو جو جان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

دوم اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اُس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہو کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعمیل تنزیہ حق و تعجیل بھال باطل مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ اوقات اجتہادی ہیں والا اجتہاد یحتمل الخطاء والنصواب۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا سویم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینہ عقلیہ اس ایہا کا قاطع ہیں۔ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً و التزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادتہً متمنع ہے۔ پس یہاں دانیہم رکاذون میں ضمیر یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناءً مذکور پر یہ متمنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں۔ علیٰ ہذا آیہ و قالوا اتخذ اللہ ولداً بخلاف میں بناءً مذکور پر یہ متمنع ہے کہ وہ لوگ اتخذ اللہ ولداً بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا۔ لہذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم۔ ۴۴ شوال ۱۳۲۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۲)

جواب شبہ بر عبارت رسالہ امداد سوال (۲۵۳) رسالہ امداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کے مضمون کے مضمون دربارہ ضرورت سب سے قراءت کو جو آنحضرت نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ تو تم کہتے ہو کہ فن سب سے قراءت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم و بیش ضرور سیکھنا چاہیے تاکہ اس ظلم دین کے فقدان و اعدام کا گناہ سب پر نہ ہو پس نے انکو جواب دینے میں ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے احتراک بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ ظلم دین ہے خاص کر قرآن پاک کا علم ہر جو جمع ام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جائے گا تو پھر یہ کیونکر قائم و دائم ہو سکتا ہے یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہر مگر درجہ ناواقف ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزاء و تباہی کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اسکی بقا و اجراء کا طریقہ اختیار کیا جائے گا بعض مقام پر شہد میں اشارہ سبابہ کو بہت بُرا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اُس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں بیشک ضرور واجب اصلاح ہیں نہ یہ کہ اسکی تسلیم و تعلم کا سلسلہ ہی محدود قرار دیا جائے۔ قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے احقر اپنے کمال اطمینان متلبی کے لئے یہ عرضیہ ارسال کر رہا ہوں۔ ۹

الجواب۔ سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے اور جواب میں اسکی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اُس کا اچھا ہو تو اُس کو سب سے پڑھائی جائے سفہاً اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جائے اور یہی حال اکثر فرض کفایہ کا ہے مثلاً بحر فی العلوم الشرعیہ کے فرض ۱۵ اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا ۱۲ منہ



کفایہ ہی لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہر کہ واضح العلامہ فی غیر اہلہ لمقلد الخازن ابوالوہود الجواہر اوکھا قال۔ اور مشابہہ بھی ہر کہ بعض لوگ جو بد طینت ہیں اور وہ تحصیل علوم کر کے مقتدائین گئے اُن سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بحر اس کے کیا ہر کہ ابوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جائے یا منصب قضا کا حادیت میں اُس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔ وفی حدیث ابی داؤد مرفوعاً العرافۃ حق (ای) واجب دلو علی الکفایۃ) ولکن العرفاء فی النار (اذا كانوا غیر اہل لہما) اور جو لوگ اس فن کے آجکل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کیلئے حتیٰ کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتیٰ کہ تجوید کو بھی نشان بینہا غرض منکرین مدعی دیکھتے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا کہ اگر وہ جزئیہ کا اور ظاہر ہر کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سب سے کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ خود ایک قرات سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہی۔ شوال ۱۳۶ھ (تمہ خامسہ ص ۶)

قرآن میں لفظ ابراہیم میں سوال (۲۵۴) قرآن شریف فراق مجید میں سورہ بقرہ میں جتنی جگہ (یا) نہ لکھنے کی وجہ لفظ ابراہیم آیا ہے اُس میں (ی) نہیں لکھا ہوا ہے صرف کھڑا زیر ابراہیم دیا ہوا ہے اور علاوہ سورہ بقرہ کے اور جہاں تمام قرآن میں لفظ ابراہیم آیا ہے اُس میں (ی) لکھا ہوا ہے عجیب مختصہ میں ہوں آیا معنی میں کچھ تفاوت ہر یا قرات کا باعث ہے۔ اُمید کہ اس خادم الناس کو جواب سے سرفراز فرما کر ان کے بھید سے آگاہ فرمائیے۔ ۹

الجواب۔ مختصہ کی کوئی بات نہیں بعض واقع میں ہشام کی قرات ابراہیم ہر سو بعض جگہ اُسکی رعایت سے (ی) نہیں لکھی کہ دونوں قرات کی رعایت ہو جائے۔ رہا یہ کہ سب سے واقع میں یہ عایت کیوں نہیں سوچتے کا اطراد ضروری نہیں۔ فقط۔ ۱۹ رمضان ۱۳۲۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۶)

سوال (۲۵۵) بندہ کو اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتے خیال ہوا اور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک تمام کلام مجید میں ۷۷ جگہ آیا ہے بخمید ۷۷ کے ۷ مقام پر زیر کے ساتھ مرقوم ہے اور ۷۷ جگہ یا کے ساتھ ابتداء میں خیال ہوا کہ کاتب نے اسی طرح لکھا دس پانچ کلام مجید اور بھی دیکھے سب میں سیطرہ پایا۔ اب حیران ہوں کہ فقرہ کی وجہ خاص ہوگی؟

الجواب۔ رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آتی ہے جہاں (یا) نہیں ہے بعض کی قرات ابراہیم ہی عجیب نہیں کہ اُسکی رعایت سے ابراہیم لکھا ہوتا کہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراہیم۔ واللہ اعلم۔

سورۃ نور میں رجال لاتلہیہم

سوال (۲۵۶) سورۃ نور کو پختہ یسبح لہ فیہا بالغدو

کے رجال پر وقف کی تحقیق :-

والاصال تا ذکر اللہ - ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد

سجادی نے وقف ط لکھا ہے۔ اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے یہ غلط ہے ابوجہر وغیرہ جو لوگ یسبح بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں ان کے نزدیک الاصال پر ط ہونا چاہیئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہیئے اور الاصال پر لا۔ حفص کی قرأت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کا تب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں جو قریب المعنی ہے لا کے اور تباہ معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفظ کے لئے بھی وقف قبیح ہو جس کی علامت لا ہے اسلئے کہ جملہ لاتلہیہم صفت ہے لہذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفات ہوگا جو قبیح ہے اور آیت بھی نہیں ہے جس جال پر ط بنانا مناسب ہے یا لا بہر حال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور سالہ سجادی میں رجال پر وقف مطلق سہو کا تب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا یا رسالہ سجادی معتبر ہوگا۔ ۹

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہو سکتی ہیں مشہور مصاحف کی تقدیر پر یہ ظاہر ہے اور سجادی کی تقدیر پر۔ اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جائے بلکہ معنی بعض کے لیکر کلام کو ختم کر دیا جائے۔ آگے جملہ استینافہ بطور سوال کے کہا جائے کہ رجال کیسے ہیں ایسے ایسے ہیں۔ فارفع الاشکال۔ ۱۲/ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ۔ یوم دوشنبہ (تمتہ اولیٰ ۲۵)

سورۃ یسین شریف میں من مرقدا سوال (۲۵۷) سورۃ یسین میں من مرقدا یا اکثر قرآن شریف پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ :- میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفص سے سکتہ منقول ہے تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم بصورت اختلاف رسالہ سجادی اور منار الہدیٰ کون زیادہ ثابت اہل اعتبار ہے۔

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہیئے بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے اور یہ عرض سکتہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا اس طور پر تعارض نہ رہا۔ ۱۳/ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ۲۵)

فکانت سرا با میں سوال (۲۵۸) فکانت سرا با۔ اس آیت شریفہ کی قرأت کس طرح پر ادغام کی تحقیق۔ ہے یعنی فکانت کی ت ساکن رہتی ہے یا نہیں یا سین مشدّد ہوتی ہے اور ت

موقوف ہو جاتی ہے۔ ۹۔

**الجواب**۔ ابو سمر و حسره و کسائی کے نزدیک ت کانت کی اس سربا میں مدغم کر کے پڑھی جاتی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جن میں امام عجم بھی ہیں جبکی قرات ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے بلا ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کذا فی المکررہ - ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ اولی ص ۲۷)

جواب شہر بعبارت تشیط الطبع درجہ الثانی | سوال (۲۵۹) رسالہ تشیط الطبع درجہ الثانی کے دربارہ مدرسین کے ماقبل اور مفتوح باشد متعلق ایک طالب علم کی یہ تحریر آئی تشیط الطبع اور جوا میں مجھے کچھ شبہ ہے یہ کہ تشیط الطبع ص ۱ یا ئی مقدم اور لین مؤخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتح ہو تو لین میں طول ہوگا حالانکہ غیث النفع ص ۱۵ پر وعسلی آن تکرر ہوا شیدائ کے تحت میں یوں لکھا ہے (یائی علی الفتح فی عسی التوسط والطویل فی شئ ویاتیان ایضاً علی التقلیل) اور وجوہ الثانی ص ۱۶ باب الهمزین من کلمۃ میں یہ لکھا ہے ہمزہ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو تو قانون و بصری کے لئے ادخال الف ہوگا حالانکہ شاطبی نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے جیسے کہ دمذوق قبل الفتح و الکسر حجة بهانذ و قبل لکسر خلف له ولا۔ فرمایا ہے شرح ابن القاصح ص ۶۔ فقط

**الجواب** یہ دیا گیا۔ کتاب مقدم ہو یا دیا سرسری مطالعہ پر دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کر دیں اور مطلب غیث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمزہ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصری و قانون و ہشام جن کے ناموں کی طرف تا و با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے اس کے اور ہمزہ اولی کے درمیان میں بقدر ایک لف کے مد کر دیں مگر ہشام سے خاص ہمزہ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک بھی مروی ہے۔

۲ رجب یوم جمعہ ۱۳۳۵ھ (ترجیح رابع ص ۷)

تحقیق شبہ نقص حنات | سوال (۲۶۰) فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور بر بعض قرات وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ عبد اللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے۔ کہ فرطے ہیں کہ میری عادت اکھڑ شریف پڑھنے میں مالک یوم الدین والی قرات پڑھنے کی تھی ایک دن میں ایک بڑے عربی داں اور فاضل عالم سے سنا کہ وہ مالک یوم الدین بے الف والی قرات پڑھتے تھے اور یہ فرطے تھے کہ یہ بے الف والی قرات نہایت فصیح و بلیغ قرات ہے اُس دن سے میں بھی مالک یوم الدین پڑھنے لگا وہ قرات جس میں ایک لف زیادہ تھا موقوف کر دی

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتھ غیب مجھ بچا رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا دش نیکیاں تیری کم ہو گئیں کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں دتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ قراءت جس میں ملاف یوم الدین ہے نہیں پڑھنی چاہیے کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر واقعی کم ہوں تو اُس کو پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ قل ھو اللہ احد کو اللہ الصمد سے ملا کر اگر پڑھے یا نستعین کو اھذا الصمد سے پڑھے یعنی وصل کر کے پڑھے تو نیکیاں کم ہوں گی بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے یا نہیں۔

**الجواب۔** قراءتین سا قوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا حدیث میں ا حروف قرآنیہ کے باب میں ہے کھا شاف شاد ہا شبہ نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں تاکیا معلوم نہیں کہ ایک دو تہ باوجود دو اکتی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف و کمیت میں برابر ہیں یا

خواب۔ سواد قل تو وہ حجت نہیں۔ دوسرے ان کو یہ تنبیہ اس لئے کی گئی کہ ایک قراءت کو مفضل سمجھ کر انہوں نے چھوڑا تھا سو ایک اعتبار سے اُس کا فاضل ہونا بتلادیا۔ رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانا سواد قل تو اُس کا وہی جواب ہو جو ابھی لکھا گیا۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب لاجر ہو۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۴ شوال ۱۳۵۷ھ (تمہ خامسہ ص ۳۴)

## رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الهمس

از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

**سوال (۲۶۱)** کیا فطرت ہی علمائے دین و قراء قرآن نبین اس سلسلہ میں کہ حروف کیفیت ادا الهمس در تاقا و کاف و تاجو حروف ہمو سہ سے ہیں اُن کی صفت الهمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف و تاجو کی صفت الهمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف و تاجو ساکن و متحرک میں ہار ہوز کی آواز سُنانی دیتی ہے آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں۔ نیز وہ صاحب اپنی کیفیت ادا کی تائید میں کتاب جہد المقل کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں واما التشدید المہموس فہی حرفان الکاف والتاء المتناذرة الفوقیة فلتشد تھما یحتبس صوتھما بالکلیہ بل نفسھما ایضاً حین احتباس

صوتھما لان احتباس الصوت بالکلیۃ لا یكون الا باحتباس النفس بالکلیۃ لان حقیقۃ الصوت ھى النفس تجرینفخہمخرجہا و یجرى فیہما نفس کثیر مع صوت ضعیف لیحصل الهمس اھ آیات عبارت سے اُن صاحبک اداء کی تائید ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔ ۹

الجواب۔ ہمس مقابل ہے جہر کا۔ جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں اور ہمس آواز ضعیف و خفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں یہ کس حروف جن کا مجموعہ فحشہ شخص۔ سکتہ ہجہ حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان حروف کے اداء کرتے وقت آواز اُن کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف و خفی ہوتی ہے (اسی جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلہ معلوم ہو گئے۔) ماکال العلامة علی القاری الهمس فی اللغة الخفاء و سمیت حر دہ مہموسہ بحریان النفس معھا الضعفھا و لضعف الاعتماد علیہا عند خروجھا و ضدھا المجهوۃ اھ۔ منہج الفکرۃ علی متن الجزریۃ مطبوعہ مصر ص ۷۲۔ اور حروف مہموسہ میں سے دو حروف کاف و تا، شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں شدت کے معنی لغت قوت و سختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ اجداد قطبت ہے حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی اداء کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوت و سختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے لہذا شدت کے معنی لغوی و عرفی سے مقابلہ رخوۃ کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسطہ سحر کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف و تا، مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں لیکن بناؤ بر تعریف مذکور ہمس و شدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد و صبریان نقش مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے حالانکہ یہ انوکھا ایک دوسرے کے مخالف و ضد ہیں۔ لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے کہ ہمس و جہر شدت و رخوت کی تعریف میں جو قوت و ضعف اعتماد و صوت اور صبریان و احتباس نفس و صوت کہا جاتا ہے امور اضافی و اعتباری ہیں یعنی ہر ایک صفت میں اُس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت و ضعف و صبریان و احتباس پایا جاتا ہے پس کاف و تا، میں من حیث الهمس جو ضعف اعتماد و صوت اور صبریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجبورہ کے ہے اور من حیث الشدۃ جو قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ

کی نسبت سے ہے فارفعہ الا تشکال - نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت وضعف و جریان و احتباس نفس و صوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے - پس کاف و تاء نسبت صاف و ضعیف ہیں کیونکہ صا د میں تین تین صفت قوی اطلاق و استقلال و صغیر موجود ہیں اور نسبت تاء و حاء و ذاء و سین و شین و قاف و ہاء قوی ہیں اور نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف و خفی الصوت ہیں مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کثر ہے بہ نسبت دیگر حروف ہموسہ کے لکن فی الشدۃ یوجد احتباس الصوت و احتباس الصوت یستلزم احتباس النفس لکما فی جہد المقل - پس تقریر مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ کاف و تاء میں ہنس حقیقی یعنی ضعف و خفا صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف ہموسہ ان میں جریان نفس بہت کم ہوتا ہی سی وجہ سے بعض علمائے اُن کے ہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اودان کو مجبورہ کہا ہے کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجبورہ بھی خالی نہیں چنانچہ ملا علی قاری نے اس خلاف کو منخ الفکر یہ شرح جزریہ میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیلئے نیز دیگر محققین فن تجوید و قرأت کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف و تاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا - یا کم ہوتا ہے دیگر حروف ہموسہ سے چنانچہ حضرت ملا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں "لیکن جریان نفس در کاف و تاء خوب معلوم نہی شود گو ضعف صوت ہست" لہذا بعض علماء در ہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند آہ - تحفہ نذریہ مطبوعہ بلائی پریس ساڈھورہ صلا - حضرت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں "اما جریان نفس در کاف و تاء کمتر است و در بواقی اکل آہ حجتہ القاری مطبوعہ محمود المطالع کانپور صلا" نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوت اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہر الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائے گا خواہ متحرک ہوں یا ساکن کیونکہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت یہ امور منجملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان و احتباس نفس و صوت فایت درجہ خفا میں ہوتا ہے لکما قال صاحب السراۃ ان جری النفس فی الهمس و حبس النفس فی الجھر فی الساکن زاید من المتحرک و فی الوقت زاید من الساکن اھ ہکذا قال الجار بردی و ذکر الجار بردی ان جریان الصوت و عدم جریہ عند اسکان الحرف ابین منہما عند تحرکہ الخ - پس کاف و تاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حروف کی ادائیگی افتتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے لہذا

انفتاح کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا جب جریان صوت ہوگا تو اُس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا بموجب قاعدہ مسئلہ جریان الصوت يستلزم جریان النفس کذا فی الجہد مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفایں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اُس کا پتہ نہیں لگتا بلکہ معلوم کہنا چاہیے جیسا کہ بقول بعض قائلین بحالت حرکت بھی صفت قلقہ منفک نہیں ہوتی اور نون و میم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونے کے قلقہ و غنہ کا عدم ہونے ہیں اسی طرح کاف و تاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونے کے لا یعبا بہ ہے یہ تفصیل تو کاف و تاء متحرک کے متعلق تھی اور اگر کاف و تاء ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی متفرقا صوت و التصاق مخرج کے ساتھ ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ اُن میں تصادم جبین بالقوہ ہوتا ہے لہذا شدت اتصال جبین کی وجہ سے جب صوت متحبس ہوگی تو نفس بھی ضرور متحبس ہوگا (مذاکرۃ صاحب الجہد) پس جب صوت و نفس دونوں بند ہو گئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو تب تک کوئی حرف سُنائی نہیں دے سکتا اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف قُطْبُ جِلِّ میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقہ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں قوت جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے لان ادنی الجھل سماع الغیس (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقہ سے خارج کیا ہے و تعجیہ مذکور فی المطولات) اور دو حرف کاف و تاء ساکن میں بوجہ صفت ہنس ضعیف کے جنبش نہایت ضعیف و زری کے ساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں ضعف و خفاء قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اُس کو محسوس کر سکے لان ادنی المخافۃ سماع نفسہ مگر اس جنبش ضعیف سے کہ صفت ہنس کے ادار کی غرض سے کی جاتی ہے، جو نفس جاری ہوتا ہے اُس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہنس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے لہذا قال صاحب الجہد المقل اعلم ان النفس الذی هو الهواء الخارج من داخل الانسان ان کان مسموعاً فهو صوت والا فلا انتھی مک و قال مؤلف حقیقۃ التجوید فی رسالۃ المذکورۃ فالتنفس یوجد فی کل صوت و لا یوجد صوت فی کل تنفس بل بعضہ مع الا ارادۃ و اذا خرج الحرف من

فہر الا نسان بغير ارادته فلا يطلق عليه الحرف ولا يرا دمنه المعنى فالصوت  
على قسمين جهرى وخفى والجهرى ما يسمعه الغير والخفى ما يسمعه النفس  
كما قال الفقهاء وادنى الجهر ما يسمعه الغير وادنى الخفى ما يسمعه النفس  
فى القراءة والطلاق والعناق والبيع والاستثناء والتسمية على الذبح  
ووجوب السجدة بتلاوة آية السجدة وغيرها والملا من الادنى  
حد الجهر والخفى اھم ملاً پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف و تاء میں مطلقاً  
خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور دیگر حروف ہمو سے بہت کم ہوتا ہے  
اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل و ثبوت اہل احوال محققین سے ثابت کیا  
گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے ادا کی غرض سے کاف و تاء متحرک میں انفتاح مخرج کے ساتھ اور  
ساکن میں جنبش ضعیف و خفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا ہے اُس کے صوت کا جاری ہونا  
ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہوا اور صوت خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں  
نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی  
جاوے گی تو کاف و تاء شدیداً زہر ہیں گے بلکہ خواہ ہو جائیں گے کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے  
نہ شدید میں۔ اور یہ بات ادنی تامل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جہادی کے باوجود جیم  
میں ہر وہ بھاری اور جھاری کے باوجود جیم میں  
ہو سکتی۔ اسی قیاس پر جو شدت کا نا اور تانا کے کاف و تاء میں ہے وہ کھانا اور تھانا کے کاف و  
تاء میں نہیں پائی جاتی۔ تو ایک صفت ہمس جو مختلف فیہ ہے اُس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت  
شدت جو کہ متفق علیہ ہے مفقود ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں۔ اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزیری رحمہ  
سے کتاب النشر فی القراءات العشر میں اور ملا علی قاری سے منہ الفکر یہ علی متن الجزریہ میں اس  
کا عدم جواز و غلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ کتاب النشر فی القراءات العشر میں ہے والتاء يتحفظ بها  
فيهما من الشدة والهمس لئلا تصير رخوة كما ينطق بعض الناس والكاف فليعن  
بما فيهما من الشدة والهمس لئلا يذهب الى الكاف الصماء الثابتة في بعض لغات  
العجم فان ذلك غير جائز في لغات العرب وليحد من اجراء الصوت معها  
كما يفعل بعض الاعاجم۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اجراء صوت ادا اعاجم ہے جو  
کہ ممنوع و قابل احتراز ہے نیز ملا علی قاری منہ الفکر یہ علی متن الجزریہ میں فرماتے ہیں نشر



ان النفس الخارج الذی هو صفت حروف ان تکلف کله بکیفیه الصوت حتی یحصل صوت قوی کان الحرف مجهوراً وان بقی بعضه بلا صوت یجری مع الحرف کان الحرف مهموساً وایضاً وان انحصر الصوت فی فخرجه انحصاراً تاماً فلا یجری جریاً ناسهلاً یسمی شدیدا واما اذا جری جریاً ناسهلاً ولا ینحصر اصلاً یسمی رخوة۔ اس عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ ہموس من حیث ہو ہموس میں نفس بلا صوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے اور فلا یجری جریاً ناسهلاً سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہو گئی پس چونکہ جہد المقل کی عبارت مذکورہ فی السؤال کا مفہوم بظاہر معارض ہے کتاب النشر فی القراءات العشر اور منع الفکر یہ کی عبارات مذکورہ کے لہذا امام جزری اور طاعی قاری کے مقابل صاحب جہد المقل کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں جہد المقل کی عبارت میں کات و تاء متحرک مراد ہوساکن یا مطلقاً متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اول تو خود جہد المقل کی عبارت مذکورہ میں حاصلہ انھما ناقصان عند تحریک الحرف اس کے معارض ہے۔ دوسرے یہ کہ حرکت خود الافتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے پھر شحہ ینفتحہ کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہو گئی۔ کیونکہ متحرک کو بھی شامل ہے۔ پس لامحالہ مراد جہد المقل کی عبارت کات و تاء ساکن ہے پس اگر جہد المقل کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کات و تاء ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حرف شحہ تعقیب و تراخی کے لئے ہے۔ اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی۔ اور اگر صوت مسموع غیر حرنی ہے تو اس کا عدم جواز ادا اعلیم ہونا نشر و منع سے ثابت ہو گیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرنی پیدا ہو تو حن جلی ہوگا۔ اور اگر غیر حرنی ہو تو حن خفی ہوگا۔ اور اگر حری صورت کا وہم و شبہ ہو تو یہ ادا مطابق ادا محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہیئے اور غالباً مراد جہد المقل کی یہی ہے۔ لہذا اکثر جگہ اُن کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی۔ اور یا یہ کہا جاوے کہ اُن پر عجیبت غالب تھی۔ اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریان نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مراد جہد المقل کی جریان نفس کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے۔ گو دیگر حروف ہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے۔ لان ادنی المخافۃ هو اسماع نفسه تو اس توجیہ پر جہد المقل کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کات و تاء مخلوط ہوا، ہوز بھی ثابت نہ ہوئی، پس کات و تاء کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہا، ہوز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو (جیسا کہ بعض سین ہملہ کی اور بعض تاء مثلثہ

کی آواز نکالتے ہیں اور حروف عربی مخلوطاً تلفظ حروف عجمی ہو جا دیں گانا کو کھانا ادا بستر کو ابتر پڑنا  
 نُقَلْتُ کو نُفَلْتُ اور ذکر لک کو ذکر کھ پڑنا۔ اس طرح کی صفت ہمیں ادا کرنا بالکل غلط  
 و بے اصل ہے نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سنا۔ نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے۔ البتہ  
 بعض اعاجم مثل اہل خراسان و ترکستان و ایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد و یمن وغیرہ سے  
 اس قسم کی ادا سنی ہے۔ اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزری و دلا علی قاری سے اس قسم کی ادا کی تغلیظ  
 ثابت ہوتی ہے لہذا ذکر۔ اس قسم کی ادا و مخترع و بے اصل سے تو ان بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہو  
 جو کہ کاف و تاء کو مجہورہ کہتے ہیں۔ نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت  
 ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تحفہ نذریہ میں تحریر فرماتے ہیں ویدایا  
 کہ در مقامات حروف خیال فساد پر پارہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرر است کہ کلام اللہ  
 محرف گردد چہ می گوید کہ در وقت ہمسہ بعد سکون تاء و کاف آواز دیگر پیدا شود چوں معنی اس قول را تانوا  
 او پر سید ند گفتند کہ در لفظ خَلَقْتُ خَلَقْتُس باید گفت یعنی بعد سکون تاء، آواز سین ساکن باید برآورد  
 کہ احتماً ساکنین شود بدول آن صفت ہمیں حاصل نمی شود ہمچنین در کاف ساکن در وقت بعد سکون کاف  
 یک سین ساکن با آواز خفیف باید گفت و ہمچنین در حروف تعلقہ دیگر صفات فساداً اختراع کردہ تعلیم مردم  
 ساختہ سبحان اللہ در عبارات کتب قراءت چہ غلط فہمی کرد و کلام علم شریف را بچہل مرگب خود فاسد ساختہ انتہی  
 بقدر الحاجت۔ ص تحفہ نذریہ مطبوعہ دہلی پریس سادہ وورہ۔ نیز رسالہ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ ۳۲  
 میں فرماتے ہیں کاف را احتیاطاً کن تان کاف فارسی کہ آل را کاف تمام گویند نگر در دخیب مضائقے کہ کر باشد مانند  
 بشر ککو و ما قبل مہوسہ آید مانند تستکثروا بسیار احتیاطاً کند کہ صوت در آن جاری نہ شود  
 چنانچہ لغت بعضی عجمیاست آہ حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی حجتہ القاری مطبوعہ محمود  
 المطالع کان پور صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کاف با کاف فارسی نیا میزد و بے ہود ہم در و پیدا نشود خاصہ و قے  
 کہ پیش از حرف مہوسہ در آید نحو تستکثروا ہمچنین اگر کرر باشد نحو بشر ککو آہ وقال العلامة  
 الجزدی فی مقدمتہ ۵

و راع شد لا بکاف و بناء کشر ککو و تنو فی فتنہ

فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتعوا حکم۔

کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفی عنہ رب العالمین معلم التجوید فی مدرستہ امداد العلوم تھانہ  
 بھون اداکل صفر ۱۳۳۸ھ

جواب نہایت صحیح و مدلل اور متقدمین و متاخرین کی کتب و ادارہ کے مطابق ہے۔

عبد الرحمن الملکی ثم الاکادہ بادی عفی عنہ

حضرت مولانا دمرشد ناتھانوی افاض اللہ تعالیٰ علی برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا۔ احقر حروف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے جن کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے۔ جو بفضلہ تعالیٰ اس جواب میں مع شے زائد سب مضامین موجود ہیں احقر بوجہ عدم فرصتی و بے سامانی اس حد تک نہیں کر سکا۔ اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کترین خلایق عبد الوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ۔ خادم درجہ قراوت

مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارن پور۔

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر میا ختمہ قلب

میں آیا ۵ اللہ الحمد ہر آل چیز کہ خاطر بخوات آخر آمد ز پس پردہ تعذیر پدید

جنی اللہ تعالیٰ مؤلفہا خیر الجزاء اشرف علی ۲ رجب الاول ۱۳۳۸ھ (تمت غارۃ)

## ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین رضا

جواب سوالات بر جمال القرآن | سوال (۲۶۲) ۱۔ جمال القرآن میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا۔

معلوم نہیں مطبع کی غلطی ہے یا سمجھ ناقص۔ خودیم کی صفحہ ۴۴۳ قاعدہ ۷۷ لکن بسا لمت اور احطت اور فرطم الم خلقکم میں الم صفحہ ۴۴۳ تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام ناتمام متعین اور پانچویں الخ اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۴ پر کل صرف ۴ ہی لفظ ہیں۔ پس چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے کیا مطلب ہوگا۔

سوال ۲۔ مخرج قس میں حافظ لسان کو مجموعہ بیسوں اضر اس سے ملانا چاہئے یا ضوا حک و

طواحن و نواجز میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافظ لسان کافی ہے۔

الجواب۔ جواب شبہ اول۔ صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۴ قاعدہ ۷۷ میں غالباً مطبع کی غلطی سے ما

فرطم کے بعد (اور مافرط) رہ گیا ہے پس لفظ مذکور ملا کر چار لفظ ہو گئے کہ ان میں ادغام ناتمام متعین ہے۔ اور الم خلقکم۔ پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم۔ ضاد کے مخرج میں حافظ لسان کو اوپر کی پانچوں ڈاڑھوں (ضاحک

اور ہر سہ طواحن اور ناجز داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے۔ صرف ایک دو کے

ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضر اس سے ملانا غلط ہے۔ ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ (تمہ ۵۳۵)

**جواب سوال متعلق قراءت ضعف یا ضم واقعہ سورہ روم** از مولانا قاری عبد السلام صاحب پانی پتی عباسی

**سوال (۲۶۳)** اما بعد سورۃ الروم کے اخیر کے رکوع میں من ضعف کے ضاد کو ضمہ حفص کی روایت میں لکھا ہے امام عاصم اس ضاد کو فتح پڑھتے ہیں جبکہ حفص اُن کے راوی ضمہ پڑھیں گے، تو ہر دو روایت کا خلط ملط ہو جاوے گا۔ اور خلط ملط ایک روایت کا دوسری روایت میں ناجائز ہے اگر ناجائز نہیں ہے تو مطلع فرادیں۔

**الجواب**۔ امام حفص کی روایت اپنے استاد امام عاصم سے فتح ہے۔ اور دوسری روایت امام عاصم کے علاوہ ضمہ ہے تو گویا حفص سے ہر دو روایت ہے۔ اور یہ پڑھنا درست ہے۔ اس سے خلط روایت نہیں ہوتا۔ فان قلت هل يقرع الحفص بهذا الاختيار لانه وان لعير ولا عن عاصم فقد رواه عن غيره وثبت قرأته به، اولاً يقرع به لانه خالف شيخه وخرج عن طريقه وروايته قلت المشهور المعروف جواز القراءة به بذلك قال الذاني واختياره في رواية حفص منه طريق عمر وعبيد الأخذ بالوجهين بالغتخ والضم فأتا بعد بذلك عاصم على قرأته ووافق به حفصاً على الاختيار وقال المحقق وبالوجهين قراءة له وبهما أخذ غيث النفع سورة روم (محمد عبد السلام عباسی) (تمہ ۵۳۶)

**رسالہ التدقیق الجلی فی تحقیق النون الحفی**

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

**سوال (۲۶۴)** الحمد لله الذي هونعنا الوكيل والصلاة والسلام على رسولنا النبي الجليل والد وصحبه الذين هم اهلوا البر والصابر الجميل۔

۵۷ فائدہ متعلقہ بجواب ہذا سورہ روم میں جو تین جگہ لفظ ضعف واقع ہے اسکے ضاد کا حفص نے ضمہ اختیار کیا ہے حالانکہ عاصم کی قراءت فتح ہے اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب دونوں قراءت متواتر ہیں تو ایک کو ترجیح کی کیا وجہ ہو۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمہ کو لغت قریش ہونیکلی وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہو۔ و فی المصباح الضعف لفتح الضاد فی لغت جمیم وضمہا فی لغت قریش خلاف القوة والصحة (جمل سورہ روم) کتبہ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۳ شعبان ۱۳۳۹ھ

ابا بعد نون مخفی کی ادائیں کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے تقریباً نصف صدی سے اب تک قرار اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ کہ نون کا مخرج بالکل ادا نہ ہو مرف غنہ مابعد کے حرف سے معزوج ہو کر نکلے۔ جیسے اردو میں پنکھا جنگ و سنگ اور ادائی شائع ذائع ہوئی کہ عربی عجم ہرہ وغیرہ سب اس میں مبتلا ہو گئے حالانکہ اس ادائیگی میں ادغام ناقص کی ادائیں مثل قول تن قال کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ مجھے اس ادراخفا میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابر اشکال رہا۔ لیکن اللہ کریم کا صد لاکھ شکر کہ امام العصر وحید الدہر رئیس القراء استاد الاساتذہ المحضت شیخی وسیدی مولانا الحاج الحافظ المقرئ عبدالرحمن الملکی الالہ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکایک ایک مضمون ارقام فرمایا کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ ادراخفا مرفوجہ (جاس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے بل کر ادا ہوتی ہی) صحیح نہیں۔ بلکہ اس طرح ہونی چاہیے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے۔ یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعیف ہو۔ چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل و علل فرما کر اس مضمون عالی کو اپنے اس نایز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا۔ وہ مضمون عالی تمامہ نہایت ہی معمولی توضیح و تشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ ادوہ بھی ملقطاً حسبِ میل ہے۔

لَا يُقَالُ لَا بَدَ مِنْ عَمَلِ اللِّسَانِ فِي النُّونِ وَالشَّقَتَيْنِ فِي الْمِيمِ مُطْلَقًا حَتَّى فِي حَالَةِ الْإِخْفَاءِ وَالْإِدْغَامِ بَعْنَةً وَكَذَا الْخِشُومِ عَمَلٍ حَتَّى فِي حَالَةِ التَّخْرِيكِ وَالْإِظْهَارِ فَلَمْ يَهَذَا التَّخْصِصُ لَا نَهْمُ نَظَرُ وَالْإِغْلَابُ فَحُكْمُ الْوَالِدِ بَانَهُ الْمَخْرُجُ فَلَمَّا كَانَ الْإِغْلَابُ فِي حَالَةِ إِخْفَاءِ هُمَا أَوْدَغَامُهُمَا بَعْنَةً عَمَلِ الْخِشُومِ جَعَلُوا مَخْرَجَهُمَا حِينَئِذٍ وَإِنْ عَمَلِ اللِّسَانِ وَالشَّقَتَانِ إِضْوَاحًا لَمَّا كَانَ الْإِغْلَابُ فِي حَالَةِ التَّخْرِيكِ وَالْإِظْهَارِ عَمَلِ اللِّسَانِ وَالشَّقَتَانِ جَعَلُوا هُمَا الْمَخْرُجَ وَإِنْ عَمَلِ الْخِشُومِ حِينَئِذٍ إِضْوَاحًا كَمَا نَادَاهُ الْبَعْضُ عَنْ الْعِلَامَةِ الشَّاهِرَةِ أَمْسَى أَوْرَانِ كَمَا ارْتَدَّ تِلْكَ عِلَامَةُ أَحْمَدِ دِيْمَا طَلِي أَيْ كِتَابِ اتِّحَاتٍ فِي الْقُرْآنِ الْارْبَعَةِ عَشْرٍ مِثْلَ هَـ يَجِبُ عَلَى الْقَارِئِ أَنْ يَحْتَرِزَ مِنْ أَمَلٍ عِنْدَ إِخْفَاءِ النُّونِ فِي نَحْوِ كُنْتُمْ وَعِنْدَ الْإِثْنَانِ بِالْبَعْنَةِ فِي نَحْوِ النُّونِ وَالْمِيمِ فِي نَحْوِ آذِينَ وَآفَاءٍ وَهُوَ خَطَأٌ قَبِيحٌ وَتَحْرِيفٌ يَتَحَرَّزُ إِضْوَاحًا لِمَصَاقِ اللِّسَانِ فَوْقَ الثَّنَائِيَا الْعُلْيَا عِنْدَ إِخْفَاءِ النُّونِ فَهُوَ خَطَأٌ وَطَرِيقٌ الْخُلَاصُ مِنْهُ أَنْ تَجْمَعَ فِي اللِّسَانِ قِلَّةً مِنْ ذَلِكَ الْحَمْعِ الْإِخْتِصَادُ وَنَهَايَةُ الْقَوْلِ الْغَيْدُ مِثْلَ قَوْلِ فِي الْعَشْرِ

النون من ان يشبع الضمة والفتحة والكسرة وليجتزأ ايضا من المد عند  
الایمان بالغنة في النون والميم في نحو ان واما فان ذلك خطأ صريح و  
زيادة في كلام الله تعالى وليجتزأ ايضا من الصاق اللسان فوق الثنايا  
العلیاء عند اخفاء النون فهو خطأ ايضا وطريق الخلاص منه ان يجا  
في اللسان قليلا من ذلك انتهى مع الاختصار - اورامام جزری نشر فی القرات  
العشر میں لکھتے ہیں المخرج السابع عشر وهو الغنة وهي تكون في النون والميم  
الساکنین حالة الاخفاء او ما في خفا حكمه من الادغام بالغنة فان  
مخرج هذه من الحرفين يتحول في هذه الحالة عن مخرجها الا  
صلى على القول الصحيح كما يتحول مخرج حروف المد من مخرجها  
الى الجوف على الصواب - یہ آگے احکام النون الساكنة والتنوين کی تنبیہات میں لکھتے  
ہیں الاول مخرج النون والتنوين مع حروف الاخفاء الخمسة عشر من  
الخيشوم فقط ولا حظا هما معهن في الفم لانه لا يعمل للسان فيهما  
كعمله فيهما مع ما يظهر ان اوريد غمان لغنة - اورامام علی قاری نے فرمایا کہ  
میں لکھتے ہیں وان النون المخففة مركبة من مخرج الذات ومن تحقق الصفة  
اورامام کی کتاب الرایہ میں لکھتے ہیں الاخفاء انما هو ان تخفى الحروف في نفسه  
لا في غيره والادغام انما هو ان تدغم الحروف في غيره لا في نفسه  
فتقول خفيت النون عند السين واخفيت النون عند السين ولا  
تقول خفيت في السين ولا اخفيت في السين وتقول ادغمت  
النون في الواو ولا تقول ادغمتها عند الواو - امام شبراہی احمدمیا طی  
مرعشی، امام جزری، ملا علی قاری، امام محمد کی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نون  
مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے - لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان  
سے تعبیر کیا ہے - مثلاً شبراہی نے مقلوب سے دیما طی اور مرعشی نے تجانی قلیل سے اور جزری  
نے کعملہ کی قید سے اور پہلے قول میں يتحول کے لفظ سے اور محمد کی نے فی نفسه لانی غیرہ سے  
اور ملا علی قاری نے مرکبہ من مخرج الذات سے - اب جبکہ کلام ائمہ کے سیاق و سباق سے  
یہ بات ثابت ہو گئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق باین قدر کہ پیدا نہیں ہو سکتی اور پہلے

یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے۔ اور ذات نون باطل ہو جاتی ہے۔ اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے۔ تو لامحالہ اس سے تولید حرف مد لازم آوے گی۔ کیونکہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر الصاق، تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدہ ہے۔ جو کہ محذور اور ممنوع ہے۔ اور زیادہ فی کلام اللہ ہے..... تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدہ بھی نہ ہو۔ اور الصاق لسان بھی نہ ہو۔ یہی ہے کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا۔ اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رنج ہو گئی۔ صرف نزاع لفظی کی صورت ہو گئی۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مخفی میں مخرج اصلی کو دخل ہے۔ اور اس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہے تو نون خفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ و جنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہو گیا۔ اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ہم لوگ عموماً و خصوصاً اس میں مبتلا ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اگر اعتماد مابعد کی کچھ اصل ہوتی تو تحول الی الخیشوم لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ تحول الی مخرج مابعد حرف لکھتے۔ علاوہ بریں نون مخفی کے عند الجہود پسند، حرف ہیں اور امام جعفرؑ کے نزدیک سرہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں مگر اتنے مبالغہ والے حرف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارتاً بھی اعتماد مابعد حرف کو ذکر نہ کرتے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ نون مخفی کی ادار میں تولید حرف مدہ کا مظنہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر لسان کو یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہو تو حرف مدہ پیدا ہونا باطل ہے۔ جیسے کہ سابق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا۔ پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا۔ کہ اعتماد مابعد حرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال۔ اگر کوئی یہ مشبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنہ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں و یبالغ فی الغنہ۔ جواب۔ اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کے تقویت نہیں ہوتی۔ بلکہ اور مانع عن الغنہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے احتجاجی وغیرہ میں غناد نہیں ہوتا۔ اگر مدہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ وقت نہ ہوتی۔ تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ان یبالغ فی الغنہ ای فی اخراج حرف الغنہ من الخیشوم۔ راجعاً یہ کہ جہد المقل میں ہے فلیحذر القادری عن طباق اقصى اللسان الى الحناك عند التلفظ بالغنة قبل القاف والکاف اس مخذیر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ غنہ یعنی نون مخفی قبل القاف والکاف کے ادا کرتے وقت اقصى لسان کا حناک اعلیٰ سے طباق نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اردو میں پنکھا اور سنگ

وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔ خامسایہ کہ امام جعفر کے یہاں خاء اور غین میں بھی اخفاء ہوتا ہے۔ اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ ادنیٰ حلق سے صوت خیشومی مفہم نہایت دقت سے ادا ہو۔ بلکہ اس میں غین و خاء کی کچھ بود شائبہ بھی مسموع ہو جاسی کی کیا خصوصیت ہے۔ بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے وقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے۔ خصوصاً حروف مستعلیہ میں غشہ مفہم ادا ہوتا ہے۔ اور یہ ممنوع و منہی عنہ ہے۔ جیسا کہ نہایت القول میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے۔ قال الحلبي وزاد القاضی الامم والنون المخفأة وهو وهم اذ ليس فيها شائبة حرف آخر ولهم ليقعابين مخرجين۔ اور ملا علی قاری شرح شاطبی میں لکھتے ہیں وان النون المخفأة ليس فيها شائبة حرف آخر ولهم لقعابين مخرجين وكونهما ذات مخرجين لا يلزم بنيتها۔ حلی اور ملا علی قاری نے تصریح کر دی کہ نون خفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے۔ کیونکہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے۔ اور مخرج۔ اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجانی قلیل کے کالعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں جو نون خفی کو حرف فرعی کہا جاوے اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو لم یقع بین مخرجین نہ لکھتے۔ بلکہ وقع بین مخرجین لکھتے۔ اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے کیونکہ نون خفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی۔ دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا۔ پس حرف فرعی کی تعریف مارتد بین المخرجین صادق ہو جاتی۔

سوال۔ چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نون خفی کا مخرج خیشوم ہے۔ اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف مارتد بین المخرجین تو صادق آگئی تو پھر حلی اور ملا علی قاری نے لم یقع بین مخرجین کیوں لکھا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں صفت محدود ہے یعنی لم یقع بین مخرجین متعارفین حرفا ہما اور حرف مابعد کے اعتماد یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا وقع بین مخرجین متعارفین حرفا ہما اور وقوع بین مخرجین متعارفین حرفا ہما کو لازم ہے تردد بین المخرجین جیسا کہ الف ممالہ صاد مشتملہ ہمزہ مسہلہ ہوتا ہے حالانکہ یہ معلوم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اسی واسطے حلی نے اس کی فرعیست سے انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ ملا علی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے۔ یعنی ما عدل عن مخرجه الاصلی والصفة الذاتیة لہذا اس تعریف کے بموجب نون خفی دلام مفہم بھی فرعی ہی رہے گا۔ سادسایہ کہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی درۃ الفرید میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ ولا یخفی ما فید من اللطیف



والدقة۔ اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو وقت کیا تھی بقت اس میں ہر کہ الاظهار والا بھی اعتماد نہ ہوا وادغام والا بھی اعتماد نہ ہو۔ علاوہ براس شیخ کو انفا ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی جبکہ اعلوم ناقص ادا خفا میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سابعاً یہ کہ جمع اہل فن سلفاً و خلفاً یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے۔ یہ فرق سب لکھتے ہیں۔ اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں ہو مشددة القبال الحرفی جمع امتزاجھا فی السمع بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً۔ اب ہم لوگ جو مابعد کے حرف پر زور دے کر ادا کرنا کرتے ہیں اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تعریف مذکور صادق آجاتی ہے۔ گر تشدید ناقص جیسا کہ احطت اور بسطت کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔ تا مائے کہ مرعشی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں ان میں نون اقرب الی الاظهار ہوگا۔ اور اقرب الی الاظهار جب ہی ادا ہوگا جب نون کو اپنی اصلی مخرج سے تعلق ہو۔ ادا اعتماد زیادہ ہو حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فار و قاف و کاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہذا ان تمام ادا اور نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف ادا امر واجب باطل اور بے اصل ہے۔ اور اس کے رواج کی وجہ محض ہر تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قاعدہ مسئلہ ہے کہ اصعب میں اہل جذب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طبیعت کا اہتمام اصعب کی طرف ہوتا ہے جس سے اہل میں خرابی آجاتی ہے۔ تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے۔ اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو اہل الخروج ہے جذب ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہو گیا۔

**سوال۔** اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ انفا کی تعریف ہے حالہ بین الاظهار والا ادغام عار من التشدید اور بینۃ جب ہی ہوگی جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو۔

**جواب** یہ ہے کہ عار من التشدید بمنزلہ فصل کے ہے۔ اور اس لگاؤ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہو جاوے گا۔ جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے۔ حالانکہ انفا میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی و نون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں تباہی ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد سے مخفی و مدغم با دغام ناقص میں مثل من یقول کے کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے۔ جس سے ادغام کی تعریف صادق آجاتی ہے۔

حالت بین الاظهار والا ادغام کے معنی یہ لکھتے ہیں لاظهار فیہ والا ادغام انفا کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا۔ اور ادغام کے معنی ہیں خلط حروف۔ بحرف

بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً مع شدة الاتصال فیہا۔ اور غلط کی تین صورتیں ہیں یا تو غلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے جیسے قل رب میں ہے یا قلب ذات مع بقا صفت غنۃ کے جیسے من یقول دمن وال میں ہے۔ یا غلط مع شدة الاتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے حطت میں ہوتا ہے۔ اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ بیجئے۔ اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی اس لئے اظہار نہ ہوا۔ اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے۔ اور صفت غنۃ بھی باقی ہے۔ لہذا کچھ اظہار بھی ہوا۔ اور ادغام میں ستر ذات یا صفت کا ہوتا ہے۔ اور یہ ستر اخفاء میں بھی ہے۔ مگر ادغام غلط اور شدة الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہوتی چاہیئے۔ لہذا اب اخفاء کی تعریف بین الاظہار والادغام بھی صادق آگئی۔ اور لا اظہار ولا ادغام بھی صادق آگیا۔ اسی واسطے تو محققین نے ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے۔ الاخفاء اخفاء حروف فی نفسہ عند غیرہ لاتی غیرہ فی نفسہ کے معنی اے فی مخرجہ۔ اور عند غیرہ کے معنی اے عند حروف الاخفاء لا غیر۔ لاتی غیرہ کے معنی اے لاتی مخرج غیرہ۔ اور ادغام میں لکھتے ہیں ہوا اخفاء حروف فی غیرہ اے فی مخرج غیرہ۔ اس تفریق کے بعد معلوم ہو گیا کہ اعتماد ما بعد سے لازم آوے گا اخفاء الحروف فی غیرہ وہذا خلاف ماصحوابہ۔

**سوال۔** دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام سخاوی دامام دانی نے یا، اور واؤ میں ادغام ناقص کو لکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں بلکہ وہ اخفاء ہے۔

**جواب** یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کی بلکہ تمام کی نفی کی ہے۔ کیونکہ تیسیر میں لکھتے ہیں والباقون یدغمون فیہما ای فی الواو والیااء لکن القلب الصحیح ممتنع فیہما۔ اس آخری جملہ سے معلوم ہو گیا کہ نفی قلب کامل کی ہے۔ باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشا ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے حالت بین الاظہار والادغام اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم تقسیم ہیں چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے لہذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتہً دونوں جدا جدا مستقل ہیں۔ اور تباہی۔ کیونکہ اتنی عبارت بین الاظہار والادغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التشدید بطو قید کے جس کی ذاتی و سخاوی نے بھی تصریح کی ہے یہ بمنزلہ فصل کے ہے۔ اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے۔ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اد پر بیان کی گئی ہے اس سے تو اخفاء کو ادغام سے چاہے ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ مناسبت ہی نہیں ہے۔ صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے۔ یعنی محض مطلقاً استتار۔ اسی واسطے امام جندی اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ یا اطلاق

دانی و سواد ہی کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جاوے کہ ان حشرات کی اصطلاح ہی مجہد ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں۔ الاخفاء بالبقیت مع الغنة۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کو اچھاں کچھ اثر باقی رہے وہ اخفاء ہے۔ مگر یہ تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب و خلط و بلا تشدید جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے۔ اور کہیں مع القلب و الخلط و التشدید مع الغنة جیسا کہ من یقول اور من وال میں ہوتا ہے۔ اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید جیسا کہ احطت میں ہوتا ہے۔ اب ان ہی کی تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ادغام ناقص اور اخفاء دونوں غیر ہیں۔ اور وہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخففة نون مظهر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہونہ اس کے مخرج پر اعتماد ہو۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ فقط

تصدیق از اوستاد الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمن ضا الہ آبادی  
ان هذا الموهو الحق والحق احق ان يتبعه عبد الرحمن بن محمد بشير خان الالہ آبادی  
(تمتہ خامہ صفحہ ۶۶)

اصلاح بعض عبارات جمال القرآن و دفع تعارض ظاہری باعبارات زمینۃ القرآن  
سوال (۲۶۴) جمال القرآن صفحہ ۲۰ قاعدہ ۴۵ میں لکھا ہے، نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر الخ پس اگر بار کو میم سے بدل دیا جاوے تو عن بعد سے من معد ہو جاوے گا۔ اور کتابوں میں لکھا ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف بار آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں ایسا ہوگا۔ یعنی من بعد سے ص معد ہو جائے گا۔ آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے یا میری کم فہمی کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟ الجواب۔ واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی۔ یوں لکھنا چاہیے تھا کہ اس نون کو میم سے بدل کر۔ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ترجمہ خاص ص ۱۵)

سوال (۲۶۵) گزارش یہ ہے کہ احقر نے سالہ زینت القاری اردو کا مطالعہ کیا۔ بعض مضامین سالہ جمال القرآن کے خلاف پائے۔ لہذا جناب والا سے استفسار کرتا ہوں۔ امید کہ جواب شافی و مومنون فرمادیں گے۔ فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں۔ چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دو تین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جاویں لہذا باقی سوال آئندہ انشاء اللہ ارسال کروں گا۔ الجواب۔ السلام علیکم۔ چونکہ فن قرأت کے متعلق سوالات تھے اس لئے میں نے جواب

کے لئے قاری محمد یا مین صاحب مدرس مدرسہ ہند کے سپرد کر دیئے چنانچہ ذیل میں منقول ہیں۔  
 سوال (۱) جمال القرآن میں لحن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ  
 دوسرا حرف پڑھ دیا۔ اور لحن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر  
 کئے ہیں ان کے خلاف پڑھنا (صفحہ ۳ و ۴ لمعہ ۲) اور زینت القادری میں صورت مذکورہ کو لحن جلی میں  
 نہیں لکھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ لحن جلی کہتے ہیں اعراب پڑھنے کو یا لفظ میں اس کے اصل سے کچھ زیادہ کم  
 کرنے کو۔ اور لحن خفی کہتے ہیں۔ حرف کے مخرج چھوڑنے کو اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہو  
 انتہی (مذا مطبوعہ مجیدی کان پور) پھر بعض مشتبہ الصوت حروف کی مثالیں لکھی ہیں۔ پس مشتبہ الصوت  
 میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے جمال القرآن کے مطابق لحن جلی ہوگا۔ اور زینت القادری کے مطابق خفی  
 اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لحن نہیں لکھا۔ سو محقق امر سے مطلع فرمادیں۔

الجواب۔ یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی جس کے مؤید موافق  
 علماء اکابر و سلف معتبرین کے اقوال ہوں۔ اس بناء پر جمال القرآن کا قول محقق و درست معلوم ہوتا ہے  
 کیونکہ ملا علی قاری شائع مقدمۃ الجزیرہ اور مرعشی صاحب جہد المقل یہ دونوں حضرات فن تجوید و  
 قرآن کے بڑے محقق و ماہر و مستند عالم اور مسلم ہیں۔ ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لحن جلی و خفی کے  
 متعلق نہایت القول المفید فی علم التجوید مطبوعہ مصر کے فن تجوید میں بہتر تصنیف ہے۔ اور مقبول و  
 متداول بین القراء و المجتہدین ہے (صفحہ ۲۲ میں اس طرح منقول ہے و هو (ای اللحن) نوعان  
 جلی و خفی و لکل احد منهما حد یخصه و حقیقۃ یمتاز بہا عن صاحبہ  
 فاما الجلی فهو خطأ یطرأ علی الالفاظ و فیخل بالآصوات اعنی عرف القراء و  
 سواء اخل بالمعنی ام لم یخل و انما سہی جلی لانہ یخل اخلا لا ظاہراً لیشترک  
 فی معرفۃ علماء القراءۃ و غیرہ و ہو یكون فی المبدئی او الحریکۃ او السکون  
 و المارد من المبدئی حروف الکلمۃ و من الخطاء فیہ تبدیل حروف باخر کتبدیل  
 الطاء و الا بتترک اطبا قہا و استعلا ثہا و تاء بتترک ہما و باعطاء ہما ہسا  
 و اما اللحن الخفی فهو خطأ یطرأ علی اللفظ فیخل بالآصوات و لا یخل بالمعنی  
 و انما سہی خفیاً لانہ یختص بمعرفۃ علماء القراءۃ و اهل الاداء و ہو یكون  
 فی صفات الحروف کذا اطلق لکن ینبغی ان یقید الخطاء بما لا  
 یؤدی الی تبدیل حروف باخر کترک الادغام و اما اذا ادی الیہ کترک

الاطباء فی الطاء و تدرک استعلا ثھا فهو من اللحن الجلی۔ پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے جمال القرآن کی مدلول کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین جمال القرآن و زینت القاری کچھ تعارض نہیں۔ کیونکہ زینت القاری میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں۔ اور ایک چھوٹ گئی سو ایک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہو سکتا۔ اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینت القاری مولانا کرامت علی صاحب جونپوری اپنے دوسرے رسالہ شرح ہندی جزری میں جمال القرآن کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ ص ۲۴ پر لکھتے ہیں۔ دوسرے طور پر کہ معنی نہیں بدلتا۔ جیسے باریک کو پُر کیا یا پُر کو باریک یا انہما کی مقام میں ادغام کیا یا انخفا کیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے۔ اور اس کی خوبی و دلچسپی کو کھو دیتی ہے۔

سوال (۲) جمال القرآن میں ل ن ر کو ذلیقہ اور قذ ث کو لثویہ لکھا ہے (ص ۹ لمعہ) اور زینت القاری میں لکھا ہے حروف ذلیقہ یعنی ج ز ہا ن کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں قذ ث اور لثویہ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ل ن ر انہی (ص ۱۸) یہ بالکل عکس ہے سو کونسی بات ٹھیک ہے۔ تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ جمال القرآن کا قول ٹھیک ہے۔ کیونکہ فن تجوید و قرآن کتب متداولہ مذکورہ و شرح ملا علی قاری علی المقدّمۃ الجزریہ المسمیٰ بمنح الفکرۃ و دیگر کتب مستندہ زینت القاری کی موافقت نہیں کرتی۔ غالباً نا سخیں کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور جمال القرآن کا قول تمام کتب تجوید کے موافق ہے۔ فظہر الامر للمقدّمۃ المذكورۃ۔

سوال (۳) جمال القرآن میں نراء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہئے۔ اگرچہ اس پر تشدید بھی ہو الخ (ص ۱۵ لمعہ) اور زینت القاری میں لکھا ہے کہ کو ایسا ادا کرے کہ اس کے صفت تکرار کی نہ جاتی ہے۔ پُر بھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے۔ خاص کہ جب مشدد ہو۔ (ص ۱۱) یہ تو صریح تعارض ہے۔ امید کہ جواب ثانی سے جلد مشرف فرمائیں گے تاکہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کر سکوں۔

الجواب۔ جمال القرآن کا قول محقق ہے۔ گما قال المحقق ملا علی فی منح الفکرۃ علی المقدّمۃ الجزریۃ المطبوعۃ فی مفر ص ۲۳ ما نصہ فی شرح قول المتن و بتکریر جعل و المعنی ان النراء یوصف بالتکرار ایضا کما و صنف بالانحطاف و التکرار

اعادة الشئ واقله مرة على الصحيح ومعنى قولهم ان الراء مكسر هو ان الراء له قبول التكرار لا رتعاد اللسان به عند تلفظه - كقولهم لغير الضحكك انسان ضاحك يعنى انه قابل للضحك وفي الجعل اشاق الى ذلك ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسده من شبه ترديد اللسان في مخرجه واما قوله ولذا لا يجرى مجرى حرفين في احكام متعديّة فليس كذلك بل تكريره لا يحن فيحب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به وهذا كعرفة السحر ليجنب عن تضليله وليعرف وجه رفعه قال الجعبرى وطريقة السلامة ان يلصق اللافظ ظهر لسانه باعلى حنكه لصقا محكما مرة واحدة ومتى ارتعد حدث في كل مرة راء قال مكى لا بد في القراءة من اخفاء التكرير وقال واجب على القارى ان يخفى تكريره ومتى اظهر فقد جعل من الحروف المشددة حرفا ومن المخفف حرفين - انتهى والله تعالى اعلم - (ترجيح خامس مثلاً)

**تحقیق قرات در کلمہ الصراط** | **سوال (۲۶۶)** احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کر رہا تھا۔ درہر دو مقام سورۃ فاتحہ۔ ایک مقام میں شک واقع ہوا۔ فدوی نے اس مقام کو وجہ الثانی میں نکال کر دیکھا۔ لیکن الطینان نہیں ہوا اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جو بے تحشرہ فرمائیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے۔ شک یہ ہے مطلب عبارت تیسیر الصراط میں خلف لصلاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور خلا د بھی خاص سورۃ فاتحہ میں صاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں مطلب عبارت وجہ الثانی الصراط میں صاد کو خلف باشام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور قبل بالسين اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلا د بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں حالانکہ خلا د صکر اسمہ اشام بالزائے کرتے ہیں یعنی سورۃ فاتحہ میں۔ امید کہ حضور جواب باصواب موزون و ممتاز فرمائیں گے۔

**الجواب۔** میں نے مرہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ اس وقت میں نے اسکی طرف مراجعت کی۔ معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے۔ چنانچہ میرے رسالہ تنشیط میں تیسیر کے موافق ہے۔ اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں قولہ تعالیٰ الصراط الاول المعروف فیہ قراءات الاولیٰ بالاشام و هو ان ینطق القاری بحرف متولد بین الصاد والراء

لخمة والثانية بالسین لقنبل کجميع القرآن والثالثة بالصاдах الحاصلة  
 للباقيين کجميع قوله تعالى صراط المثناني المنکسر فيه قاءتان الاولى بالاشمائي  
 لخلف کجميع القرآن والثاني بالسین لقنبل کما ذکر والثالثة بالصا  
 الحاصلة للباقيين (ومنهم من خلا د) اگر اس عبارت میں بھی شبہ ہو تو میں زیادہ غور کر کے  
 مکرر درست کر دوں۔ اگر شبہ نہ ہو تو حاجت جواب نہیں۔ مگر تاکہ سوال کی عبارت قابل توضیح ہے اس  
 طرح قولہ خلا د بھی خاص سورہ فاتحہ میں صادر کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں الخ یہ اس طرح  
 ہونا چاہیئے۔ خلا د بھی خاص سورہ فاتحہ کے لفظ البصر اطم بلام التعریف میں الخ وکذا قوله۔ حالانکہ  
 خلا د خاص کراس میں الی قوله یعنی سورہ فاتحہ میں الخ یہ اس طرح ہونا چاہیئے خاص کراس میں یعنی  
 سورہ فاتحہ کے الصراط اول میں۔ ۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خاص ص ۲۲)

تحقیق مزلقہ بمصمتہ | سوال (۲۶۷) بفضلہ تعالیٰ جمال القرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا  
 ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہو جاوے گا۔

جمال القرآن کے ۵۷ اصفت ۱۰ میں ارقام ہے کہ (مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف  
 زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں) موقوف  
 یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا۔ حالانکہ  
 اوپر صف میں مرقوم ہے کہ (مخرج ۱۳ طا اور ذال اور ثاء کلے۔ اور وہ زبان کا کنارہ اور ثنائی اعیا  
 کا سرا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مخرج ۱۳ میں زبان کے کنارہ کا دخل ہے حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں۔  
 نہ ذلقہ۔ حضرت تاج میرا شبہ صحیح ہے یا غلط میری اصلاح فرمادیں۔

الجواب۔ مجھ کو اس فن کے مسائل مستحضر نہیں۔ کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ اب کسی ماہر  
 سے مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔ (ترجیح خاص ص ۲۳)

تحقیق بسملة در ابتدا | سوال (۲۶۸) سیدی مولائی دام ظلکم العالی۔ السلام علیکم۔ عرض یہ  
 سورہ توبہ ہے کہ جناب نے ترک بسملة کو ابتدا تلاوت برآۃ سے ہوا غلط الخوام میں

داخل کیا ہے۔ اور مکررہ میں ہے و اجمعہ انقرء علی تبارک البسطة فی اول بدآۃ سوا  
 ابتدا ابھا او وصلھا بالانفال ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔ لہذا جناب کے قول اور مکررہ  
 میں جو صیرت تطبیق ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ مسئلہ فن قرأت

کا نہیں اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔ قواعد فقہیہ کا مقتضا یہ کہ نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو محکو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آگئی۔ وہ یہ کہ ابتدا بسودۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ابتدا بطلق القراءة کی دوسری حیثیت ابتدا بالسودۃ کی۔ پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے۔ اور مکررہ و شاطیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ فلا تعارض واللہ اعلم۔

(ترجیح خامس ص ۱۳۳)

رفع تعارض در میان قول عاصم دام صاحب  
در بارہ جزئیت تسمیہ

سوال (۲۶۹) خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت  
بغزوان سوال درجواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی جس  
کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ بمسلمین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں۔ اور شاطی کا جو شعر ہے ۵  
ولسمل بین السورتین بسنتہ رجال نموا ودریتہ و تحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ بمسلمین کے یہاں جزو ہر سورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے  
کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے۔ لیکن شاطی پشادری جس کے  
حاشیہ پر دو شعر ہیں پڑھی ہیں بخلاف ان کے شرح کنز المعانی بھی ہے۔ کنز المعانی کے صفحہ ۳۸ پر اشقی  
کی شرح کی ہے۔ شعر المبسمون بعضہم وعدہا آیت من کل سورۃ سوی براءۃ  
وہم غیر قالون وعدہا حمزۃ من التارکین آیت من الفاتحۃ فقط۔ اس  
عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عالم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ ہر  
سورت کا جزو ہے۔ جناب اس کا جواب تحریر فرمادیں؟

الجواب۔ مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہو گیا۔ اور جس سوال کا میں نے  
جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہو گیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت۔ دوسرے علماء و قراء سے رجوع  
کیا جاوے۔ اور کوئی ثانی جواب ملے۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالے میں  
نقل کر دوں گا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت  
کے متعلق ہے۔ اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے۔ روایت میں عاصم کا قول حجت ہو گا۔ اور اجتہاد  
میں امام صاحب کا پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تنظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری  
عبد الرحمن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھے ہیں



”وہمہ اقوال حق انداز قبیل اختلاف قرأت ہستند“ اور اسی عبارت پر خود ہی مہنیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے۔ بدائع چوں در جزو بودن و نبودن بسم اللہ از ہر سورۃ اختلاف قرأت است پس بقاری قرآنہ بمسملین در تراویح قرآنہ بسملہ بر سر ہر سورۃ جہر او واجب شد والا ترک یک صد و چہارہ آیت در ختم لازم آید۔ قال جائز نیست و معمول دیا رخصی المذہب برخلاف آن است پس سبب اہل ترک و غفلت معلوم نیست“ اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس سلسلے میں ہے یوں لکھتے ہیں، التسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں۔ چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں۔ لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ مسائل منصوصہ میں تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے۔ اور قرآن میں مقلدائے قرآن اور راویان قرأت کے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر ہر حرف اور ہر ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آہک رکھتے ہیں۔ اور قرآن میں ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے۔ اور احتمال اجتہاد اس سلسلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اور آگے جانے کے لکھتے ہیں دائل مسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے۔ دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عام اور ابو حنیفہؒ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض و تخمین ہے تو مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر ادیان قیاس فقہی ہے تو یہاں قیاس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور بھل و پر علیہ وصف مشترک کے کیا ہو۔ انتہا۔

**الجواب۔** فی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت عنوان البسملة وسورة الفاتحة ما نصده وايضا فان المحققين من الشافعية وعزلة المادردی الى الجهور علی انها اية حکما لا قطعاً قال النووی وصحیحہا نہا قرآن علی سبیل الحکم ولو كانت قرأنا علی سبیل القطع لکفرنا فیہا و هو خلاف الاجماع وقال المحلی عند قول المذہاج فقہہم حد البسملة منها ای من الفاتحة عملاً لانہ صلی اللہ علیہ وسلم عدھا اية منها صححه ابن خزيمة والحاکم ویکفی فی ثبوتہما من حیث العمل الظن انتہی۔ ومعنی الحکم والعمل انہ لا تصح صلوٰۃ من لم یأت بہا فی اوّل لفاتحة و هو نظیر کون الحج من البیت ای فی الحکم باعتبار الطواف والصلوة فیہ لالہ لا باعتبار انہ من البیت اذ لم یثبت ذلک بقاطع و اذا قلنا انها اية قطعاً لا حکماً لکما هو ظاہر عبارة کثیر فیکون من باب اختلاف القراء فی اسقاط بعض الکلمات و اثباتہا و کل قرأیہ

تو اتر عند لا والفقہاء تبع للقرآن فی هذا وکل علم لیسال عنده اهلہ والمسئلة طویلۃ الذیل وما ذکرناہ لب کلامہم و تحقیقہ ص ۱۹۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابلِ خود یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قرات فی الفرض میں بھی جاری ہیں تکیا احناف وجوب جہر بالبسملة فی الفرائض کا التزام کریں گے۔ ۲۰۰ شوال ۱۳۳۹ھ (ترجیح خاص ص ۱۱۹)

**ایضاً** سوال (۲۷۰) ایک قابلِ دریافت ہے وہ یہ کہ بابا لبسملة میں امام عاصمؒ کے نزدیک بین السورتین بسملة ضروری ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایہ حفص عن العاصم الکوئی رح ختم کلام مجید پڑھے طور پر کیونکر ہو گا اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سورتیں سورۃ کے اول میں نہیں پڑھی جاتی۔ ختم کلام مجید میں امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک بیکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانہ کوئی حرج تو نہیں ؟

الجواب بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق۔ عاصمؒ کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہ ہو۔ مگر باوجود عدم جزئیت روایت اُس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہو پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اُس کی قراءت اُس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جزو ترک نہ ہوا ہو جبکہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایت ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا گو اُس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو امام عاصمؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے قول میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں مجداً مجد ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعلق جاتا رہتا ہے یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحبؒ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں

کہا نہیں کہتے درختار یا درختار میں ہر صورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عجم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلماہم  
۶۔ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۵۷)

## باب الامت والجماعت

سوال (۲۷۱) کیا فرماتے ہیں علماء شریعت متین ان لوگوں میں (۱) کہ مسجد حکم امامت زائر عالم مع  
حکم نماز پر فرش دو تو میں اگر دو ہزار فرش مع مقتدیوں و امام کے ہو تو درست ہے یا نہیں۔ ۹۔ (۲) ایک امام جامع مسجد ہے اور وہ نماز کے فرائض اور واجبات و سنن و مکملہ وغیرہ بخوبی جانتا ہے اور قرآن شریف صحیح خواں ہے مگر عالم نہیں۔ ایک عالم دارد ہوا تو نماز وہ امام حی جو ہمیشہ قدیم سے موجود پڑھا دے یا وہ عالم نووارد پڑھا دے اور وہ عالم بلا اجازت امام حی کے نماز پڑھا دے درست ہے یا نہیں اور نماز بغیر اجازت امام حی کے موجود ہونے عالم کو پڑھانی درست ہے یا نہیں۔ یا امام حی کو بلا اجازت عالم کے نماز پڑھانی درست ہو یا نہیں اور اس صورت خاص میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ ۹۔

الجواب۔ للسؤال الاول۔ دہرے فرش پر نماز درست ہے وان یجد جمعا کلا رض  
عن مختار تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک فصح علی  
طنفسة وحصیر وحنطة وشیعر وسیر ططاوی جلد اول ص ۲۲۲۔

الجواب للسؤال الثاني۔ صورت مذکورہ میں استحقاق امامت کا امام حی کو ہے وہی نماز پڑھاو  
اُس کو عالم کی اجازت کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں اور اُس عالم کو بغیر اجازت امام حی کے نماز پڑھانا  
نہ چاہیئے۔ اور اگر پڑھا دے تو نماز جائز ہو جائیگی۔ باقی استحقاق امام حی کو ہے۔ فی سنن ابی داؤد قتال رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا یؤم الرجل فی بیتہ ولا فی سلطانہ ولا یجلس علی  
تکرمہ الا باذنہ مکہ وفیہ ایضا قال علیہ السلام من زار قومًا فلا یؤمہم  
و یؤمہم رجل منہم دخل المسجد من ہوا لی بکلام مامۃ من امام المحلة  
فلما الم المحلة اولی کذا فی القنیۃ (عللگیری ص ۲۲) واللہ اعلم (امداد ص ۱۶۷)

یعنی مع الکراہۃ البتہ اگر یہ امام حی قرآن غلط پڑھتا ہو اور عالم صحیح پڑھتا ہو تو امام حی کی امامت درست نہیں اور وہ عالم پڑھاو

## وترجماعت خواندن متخلف فرض را سوال

چہ حکم است اندین

صورت کہ دوسہ مردم بعد ادا کے نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است در آن مسجد حاضر شدند اس اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند و باز شش نماز وتر را با امام بخواند یا تنہا چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است ۔ ۹

الجواب ۔ اگر دوسہ مردم بعد ادا کے جماعت فرض کہ امام تراویح مشغول است در مسجد آمدند فردی فرض گزارده شامل امام شوند و نماز وتر با امام خواند اگر چہ فرض با امام نیافتند ۔ ولو ترکوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراویح جماعة لانها تبع فصلية وحده يصلیہا معہ در مختار اما وصليت جماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله ان يصلیہا مع ذالك الامام شافعی جلد اول ص ۱۷۷ ولو لم يصلها التراویح بالامام او صلاها مع غيره له ان يصلی الوتر معہ بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر جماعة فليراجع در مختار قوله فليراجع قضية التعليل في المسئلة السابقة بقوله لانها تبع ان يصلی الوتر جماعة في هذه الصورة لانه ليس بتبع للتراویح ولا للعشاء عند الامام رحمة الله ۔ انتهى چلپی طحطاوی مصری جلد اول ص ۲۹۷ ازین روایت معلوم شد کہ ہر گاہ نماز تراویح کہ تابع فرض است متخلف جماعت فرض را بجماعت گزار دن جائز است پس وتر کہ نا تابع تراویح و نہ تابع عشاء بجماعت گزاردن چگونہ و انباشدہ ملازمہ حکم اقتدار بعد یک سلام امام سوال زید بعد یک سلام امام کے شریک ہوا تو باقی نماز کے واسطے کب کھڑا ہو کر شروع کرے اور بعد لفظ سلام کے شرکت جماعت کی جائز ہے یا نہیں ۔ ۹

الجواب ۔ صورت مسؤل میں شرکت امام کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی ۔ پس تحریمہ از سر نو کہہ کر اپنی نماز تنہا پوری کرے ۔ تحریمہ اولی باطل ہو گیا کیونکہ اقتدار موضع افراد میں مفید نماز ہے اور یہ موضع افراد کا تھا کما فی الدر المختار فی احوال الصلوۃ و تنقضی قدرة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا و علیہ الشافعية واللہ اعلم ۔ (ملازمہ ۲) تحقیق اعادہ صلوۃ کہ خلف امام فاسق گزارده شود سوال ہمارے کتبہ میں ہے کہ اگر

صحیح و نیز در بعض کتب معتبرہ میں کہ امام تراویح مشغول است در مسجد حاضر شدند اس اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند و باز شش نماز وتر را با امام بخواند یا تنہا چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است ۔ ۹

فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کر لیا کرو حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا خصوصاً ایسے بلوائی جنہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین داماد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم داخل عشرہ مبشرہ پر بلوہ کیا ہو؟

الجواب - یہ روایت مجھ کو نہیں ملی اگر حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے البتہ درمختار میں قاعدہ لکھا ہے واجبات صلوٰۃ میں کل صلوٰۃ ادا بیت صحیح کر لے۔ التحریر تجل عادتھا اولاً والمتحماً میں اس کے عموم پر ایک قوی اعتراض کر کے تفصیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے الا ان یدعی تخصیصاً بان مراد ہمہ بالواجب والسنة التي تعاد بانكره ما كان من ماهية الصلوة واجزاؤها پس صلوٰۃ خلف الفاسق دغوه میں اول تو کوئی امر اجزائے صلوٰۃ میں سے مختل نہیں ہوا اس لئے قاعدہ واجب اعادہ کا جاری نہ ہوگا دوسرے افراد سے ان کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے اور اعادہ میں جو غالباً علی الافراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔ فی الدر المختار صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعت فی رد المحتار اذ ان الصلوة خلفها اولیٰ من الافراد۔ فقط ۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ۔ (امداد ص ۱۱) تحقیق کراہت اقتداء خلف صاحب اخلاق ذمیرہ جو صورت دیکھتے ہی یسننے یا معاملہ سے معلوم ہو جاتے ہیں مگر اخلاق ذمیرہ مثلاً - ریا - بخل - محب - حسد - حب جاہ - حب مال - بغض وغیرہ کا پتہ دوسروں کو مشکلوں سے چلتا ہے ابدیہ اخلاق ذمیرہ بھی یقیناً فسق ہیں کیا اگر کسی شخص میں ان اخلاق ذمیرہ میں سے کوئی خلق ذمیر ہو اور کسی مقتدی کو اس کا پیچہ چل جاوے تو مقتدی کو نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب - اعادہ میں تو اوپر کلام ہو چکا البتہ کراہت کا سوال کرنا چاہیے سو یہ صفات ذمیرہ ہیں ہیں اس لئے ان کے موصوف کا فسق یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اصل مومن میں عدم فسق ہے لہذا ان کی امامت مکررہ نہیں۔ ۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ۔ (امداد ص ۲۸ ج ۱)

سوال (۲۷۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ متخلف فرض را ایک شخص نے فرض عشاء تنہا پڑھی ہو۔ اس حالت میں وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔ یا اگر ایک شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ فرض عشاء کی جماعت ہو چکی ہو وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا علیحدہ تنہا۔

بہشتی گوہر میں یہ مسئلہ ایسا ہے تراویح کے بیان میں۔ مسئلہ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہیئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے۔ پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر وہ میان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد تر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (در مختار و صغیری)۔ لیکن غایۃ الادوار ترجمہ اردو، در المختار میں باب الترتیب والنوافل میں یوں لکھا ہے۔ "اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کے تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے۔" مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت سے نہیں پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔ "کذا فی الشامی" یہ عبارت ہے تو اب کیا کرنا چاہیئے یعنی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

**الجواب** جس شخص کو فرض کی جماعت نہ ملی ہو ایک قول یہ ہے کہ وہ وتر جماعت سے پڑھے۔ فی الصغیری۔ شرح الملیۃ إذا لم یصل الفرض مع الإمام قبل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر کذا إذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلا کذا کتب الی بعض ثقات احبابی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ کما مر من قولہ قبل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر۔ اور ظاہر عبارت در مختار کی قول اول کے موافق ہے چنانچہ شامی نے تحت قول در مختار۔ فصلیہ وحدہ یصلیہا معہ کہا ہے وبظہر ان التعلیل لمذکور (بقولہ لانہا یتبع فیما تراتک القوم الجماعت) فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعت (لا یشمل لمصلی وحدہ فظہر صحۃ التفریع بقولہ فصلیہ وحدہ الخ۔ لیکن در مختار کے آئندہ قول ولو لم یصلہا الخ کے تحت میں ہستیانی سے ایک جزئیہ لکھنا اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر نقل کر کے در مختار کے قول ولو لم یصلہا میں تاویل کی ہے۔ اسی وقد صلی الفرض معہ التماس میں تسلیم کی ہے کہ خواہ اس امام کے ساتھ فرض پڑھا ہو یا کسی دوسرے امام کے ساتھ۔ لیکن اگر تمام قوم نے فرض بلا جماعت پڑھا ہو اس میں سب کے نزدیک تراویح اور وتر بلا جماعت پڑھے صرف اختلاف ایک شخص کے جماعت فرض نہ جانے میں ہے لیکن صغیری میں قول اول کو صحیح کہا ہے۔ کما مر منہ۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔ ۲۲ رمضان ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۵)۔

**سوال (۲۷۷)** جس شخص کی زوجہ یا دختر یا والدہ اور خواہر بلا حجاب و نقاب بلاناہ  
 زس بے پردہ باشد میں جاتی ہیں آیا ایسے شخصوں کے ساتھ مشاربت و ملاکتہ کرنا اور ان کے پیچھے مناز  
 پڑھنا - غالباً کراہت جائز ہے یا نہیں اور حجاب عامہ و مومنات کے حق میں بھی واجب ہے یا سنت ہے  
 یا مستحب ہے - فقط - ۹

**الجواب** کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ حرہ کا تمام بدن بجز وجہ اور کفین اور قد میں کے فی نفسہ اور  
 وجہ وغیرہ بعارض فتنہ واجب الاستتر ہے اور ترک واجبہ معصیت ہے اور معصیت پر باوجود قدرت منع  
 کے سکوت و تسامح فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے تحریراً علی الارواح پس جس شخص کو اپنے جن کا  
 پر اس قدر قدرت ہو اودہ منع نہ کرے تو وہ اس حکم میں داخل ہو جاوے گا اور اگر قدرت نہیں یا اسکی زوجہ  
 و خواہر وغیرہ سن رسیدہ ہیں کہ کشف وجہ سے خوف فتنہ نہیں یا کپڑا چہرہ پر لٹکا کر نکلتی ہیں تو چونکہ اس طرح نکلتا  
 حوائج کے لئے جائز ہے اسلئے منع واجب نہیں اور ترک منع فسق نہیں اسلئے امامت میں کچھ حرج نہیں اور  
 یاد رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں فسق کی اوپر مرقوم ہوئی ہیں کچھ باہر نکلنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان پر نشینوں  
 کے حق میں بھی عام ہیں جو اپنے نامحرم اقارب کے درپردہ حجاب سامنے آتی ہیں و ہذا کلمہ ظاہر فقط -

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ (امداد ص ۱۵ ج ۲)

**سوال (۲۷۸)** جس شخص کے یہاں پردہ نہیں ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا کسی قدر کراہت  
 ہے اور پردہ واجب ہے یا فرض اور پردہ نہ کرنے والا کس درجہ کا گنہگار ہوگا - ۹

**الجواب** جتنا پردہ فرض و واجب ہے اُس کے ترک سے گناہ اور اُس میں بے پردائی کرنے سے  
 امامت میں کراہت ہے ورنہ نہیں اور تفصیل اس کی فقہ کے اردو رسائل میں موجود ہے - (فتنہ اولیٰ ص ۱۸)  
**سوال (۲۷۹)** ایک مقام پر شاہی زمانہ کی تعمیر جامع مسجد ہے جس کو بادشاہی  
 صوبہ حاکم وقت نے شہر کے آباد کرنے کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور بعد ختم تعمیر جامع مسجد  
 منصب امامت کو ایک مرد صالح کے سپرد فرمایا تھا چنانچہ اُس زمانہ سے آج تک اُسی امام کی اولاد میں  
 پشت در پشت امامت منتقل ہو کر آئی ہے مگر عرصہ پانچ سات سال کا تخمیناً گزر چکا ہے کہ امام وقت نے  
 کسی اخبار میں کچھ مضامین بنسبت انتظامی قواعد طاعون کشکایتی چھپوائے تھے جس کو بعض افسران سرکاری  
 نے دریافت کر کے بعض رؤساء شہر کو ہدایت فرمائی کہ امام مسجد کو بہتر ہوگا کہ علیحدہ کر دیا جاوے چنانچہ  
 حسب مصلحت وقت اُن کی جگہ اُن کے حقیقی بچاؤ بھائی کو منصب امامت پر مقرر کر دیا چند سال انھوں  
 نے بھی کام کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنے حوائج ضروریہ کی وجہ سے اتفاقاً سفر درمیش ہو جس کی

وجہ سے اپنی جگہ پر ایک مولوی صاحب کو قائم مقام مقرر کر دیا لہذا اب چند سال سے مولوی صاحب موصوفت امامت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے جنہوں نے مولوی صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا کسی جمعہ کو قصداً امامت کیا تو یہ امر مولوی صاحب کو سخت ناگوار ہوا جس پر انہوں نے اپنے چند معتقدین کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی اور اب تک کر رہے کہ یہ امامت ہم سے نکلے اور ہمارے لئے ہمیشہ کو قائم رہے۔ لیکن اکثر اہل شہر اپنے امام قدیم کو چھوڑنے اور مولوی صاحب کی امامت قبول کرنے سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے گو مولوی صاحب کو بمقابلہ امام قدیم کے علم میں زیادتی ضرور ہے لیکن ان کے نزدیک سوائے اپنے چند ہم خیالوں کے سلف سے اب تک جتنے عالم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کر نیوالے گزرے ہیں اور فی الحال موجود ہیں اور نیز ان کے پیرو عام مسلمان سب و بابی و بے دین ہیں خاص کر آخر زمانہ کے عالم مثل مولانا شاہ محمد اسحق صاحب اور مولانا امجد علی صاحب شہید دہلوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور علمائے دیوبند اور ندوہ کی شرکت کرنے والے عالموں کو ناجائز الفاظ سے یاد کرنا وظیفہ ہے اور باوجود ان سب باتوں کے بعض صاحبوں نے بنظر رفع شرم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک جمعہ کی نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیجئے اور آئندہ حسب دستور امام قدیم کی جانب سے پڑھاتے رہئے اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو زیدی بیعت نہیں ہے حالانکہ امام صاحب کے عقائد امامت و الجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں پس ایسی صورت میں استحقاق امامت امام قدیم کا ہے یا اہمیت کے طائب مولوی صاحب کا حق ہے چونکہ اس بارہ میں دونوں طرف سے کوشش ہو رہی ہے کون فرقہ خطا پر ہے اور کون حق پر۔ فقط۔ ؟

**الجواب۔** اولاً تو جب امام اول کے حقیقی چچا زاد بھائی کو شہر کے اہل حل و عقد نے منصب امامت پر مقرر کر دیا تھا تو قیثکہ وہ مغزول نہ کئے جاویں اور مغزول کر نیوالے بھی شہر کے اہل حل و عقد ہی ہوں اس وقت تک اگر یہ امام ثانی بمقابلہ ان عالم صاحب یعنی امام ثالث کے باعتبار صفات کے اولیٰ بالامامۃ بھی نہ ہوتے تب بھی بوجہ سبق فی النصب ہونے کے مستحق للامامۃ ہی تھے کیونکہ اعتبار ان صفات کا وقت نصب کے ہے نہ بعد نصب کے جیسا کہ رد المحتار میں ہے قولہ اعتبار اکثرہم لا ینظہر ہذا فی النصب۔ اور کسی کو نائب بنانے سے اصل مغزول نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث بہت سے علمائے حقانی متبعین سنت کو براکتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث عقائد میں سنت کے خلاف ہیں یعنی مبتدع ہیں اور براہین خود عمل فسق ہے



اور فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ ہے۔ فی الدلہ المختار و فاسق داعی و فحی الاغشی نہر الا ان یکن ای الفاسق اعلو القوم فهو الا ولی و مبتدع ای صاحب بدعت و ہی اعتقاد خلان للعرف عن الرسول لا یحاندہ بل بنوع شبهة تیسرے سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل شہر مولوی صاحب کی امامت سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے اور وجہ دوم سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب میں ناراضی کے وجود بھی شرعی ہیں تو خود ایسی صورت میں امامت کرنا مکروہ ہے۔ فی الدلہ المختار و لو ام قوما وھولہ کارھون ان الکراھة لفساد فیہ اولاً نہوا حتی بالامامة منہ یکوہ ذلک متحریم الحدیث ابی دائد لا یقبل اللہ صلواتہ من تقدم وھولہ کارھون وان ہوا حتی لا و الکراھة علیہم۔ چوتھے اگر امام ثالث میں کوئی خرابی نہ بھی ہوتی تب بھی چونکہ اکثر لوگ امام سابق کی طرف ہیں ایسی صورت میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔ فی الدلہ المختار فان استواء القیرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم۔ رہا امام ثالث کا عالم ہونا سو محض عالم ہونا موجب احقیقیت امامیت نہیں بلکہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ شخص مطہون فی الدین نہ ہو ورنہ وہ احق للامامة نہیں۔ فی الدلہ المختار و الا حتی بالامامة الاعلو یا حکام الصلوة فی رد المحتار الاعلو بالسنة اولی الا ان یطعن علیہ فی دینہ لان الناس لا یرغبون فی الاقتداء بہ۔ لہذا صورت سنو لہ میں استحقاق امامت کا امام قدیم کو حاصل ہے ان مولوی صاحب طالب امامت کا کچھ حق نہیں۔ والشرع الم ۲ شعبان ۱۳۲۲ھ۔ (امداد مج ۵۳)

**سوال (۲۸۰)** ایک شخص حافظ سید شریف النسب کسی محلہ کی مسجد کا امام مقرر ہے اُس کی موجودگی میں اُس کی بلا اجازت اور کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھائے گا تو نیاز بلا کر اہست جائز ہوگی یا نہیں اور بطائف الحیل امام مذکور کی آمد فی جو موقع شادیات وغیرہ پر مقرر ہیں یہ شخص لے لے اور امام مذکور محروم رہ جاوے تو یہ آمد فی اُس شخص کو لینی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ فی الدلہ المختار و اعلو صاحب البیت و مثلہ امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیرہ مطلقاً الخ فی رد المحتار قولہ مطلقاً ای وان کان غیرہ من الحاضریین من ہوا اعلو و اقرب آمنہ الی قولہ فان قدم واحد منہم لعلمہ و کبرہ فهو افضل و اذا تقدم احدھم جاز رج ۱ ص ۵۵۵) اس سے معلوم ہوا کہ بلا اذن امام راتب کے کسی کا امام بننا مکروہ ہے اور اُن لطائف الحیل کی تفصیل کسی جاوے تو حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ ۶ رمضان ۱۳۲۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸)

**سوال (۲۸۱)** امر در کے کے پیچھا نماز افضل ہو سکتی ہے یا نہیں مراد یہ ہے کہ بالغ تو ہو گیا ہے مگر دارمعی مونجہ کچھ نہیں آئی خواہ حافظ ہو یا علم دین کا پڑھنے

حکم صلوٰۃ خلف امر و نابا

والا ہوا و مقتدیوں کو بوجہ لڑکپن کے اُس کے امام ہونے میں اختلاف ہے۔

**الجواب**۔ اگر وہ خوب صورت ہے اور اُس کو نگاہ شہوت سے لوگوں سے دیکھنے کا احتمال ہے تب تو وہ اگر حافظ یا طالب علم بھی ہو تب بھی مکروہ ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم و قرآن میں اچھا ہو تو اُس کی امامت مکروہ نہیں اور اگر اتنی عمر ہو گئی ہو کہ اب دُرُہی بھرنے کی امید نہیں رہی تو وہ امر و نہی رہا۔ فی الدماء المختار باب الامامة و کذا اشکرہ خلف امر دنی رد المحتار انہا تنزیہیة ایضاً والظاهر کہ حاکم الیٰ رحمتی ان المء ادبہ صبیح الوجه لانه عمل الفتنۃ و هل یقال ہنا ایضاً اذا کان العلم القدم تلتفی الکراہۃ فان کانت علۃ الکراہۃ خشیۃ الشہوۃ و هو الاظہر لان کانت غلبۃ الجہل و لفقہ الناس من الصلوۃ خلفہ فتعوضا مل و فیہ عن حاشیۃ المد فی شخص بلع من السن عشوین سنة و تجا و زحد الانبات و لعمریبت عند الخ و هل یخرج بذلک عن حد الامر دۃ الی قولہ فاحاب بالجماع من غیر کراہۃ اللہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

**سوال (۲۸۲)** ریاست بھوپال میں تقریباً ۷۵ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ۹-۱۰ سال کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دوران میں بہ لحاظ آبادی بھوپال میں حفظ قرآن کا خاص ذوق رہا علمائے سابقین مولانا ایوب صاحب مرحوم مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم و دیگر قضاة و مفتیان بھوپال نے ہمیشہ اس فعل کو مستحسن خیال فرمایا موجودہ زمانہ میں بھی جناب قاضی صاحب ریاست کا فتویٰ جواز بایں الفاظ شائع ہوا۔ "نابالغ تمیز دار پسر کی اقتدار تراویح میں اختلا فی مسئلہ ہے اس میں مشائخ فقہائے متاخرین جواز کے قائل ہوئے ہیں اور عاجز و جناب والد صاحب مرحوم و جناب مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا مسلک بھی فتوائے جواز کا ہمیشہ رہا ہے البتہ دیگر علماء اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹیں نہ ہونے کا بھی حسب اصول شرعیہ اسی میں لحاظ ہے۔ دستخط جناب قاضی صاحب۔

اس لئے عرض ہے کہ جناب معظم بھی توجہ عالی مبذول فرما کر مفصل جواب سے شکرا فرما دیں اور یہ بھی واضح فرمادیا جاوے کہ حد بلوغ فقہائے احناف علیہم الرضوان کے نزدیک کیا ہے اور اگر ۹ سال سے لیکر ۱۳-۱۴ سال تک کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جائیں تو کیا حسب قواعد شرعیہ متاخرین فقہائے احناف جائز ہے۔ فقط۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ۔

**الجواب**۔ الروایۃ الاولى۔ فی الدر المختار ولا یصح اقتداء رجل بأمرأة او خثلی او صبی مطلقاً یونی جنازۃ ونفل علی الاصح فی رد المختار قال فی الہدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقة جوازہ مشائخ بلخ وحریم زہ مشائخنا الی قولہ والاختیار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا اھ۔

الروایۃ الثانیۃ۔ ایضاً فی الدر المختار ویکفی تحسیر جماعۃ النساء فی التراویح۔  
الروایۃ الثالثۃ۔ فی الدر المختار۔ فی تحلیل عدم صحۃ بعض الاقتداء بالنساء القوی علی الضعیف۔ روایت اولیٰ میں تصریح ہے کہ باوجود اختلاف کے ترجیح عدم جواز کو ہے۔ اور روایت الثالثہ میں اس ترجیح کا اصول سے مؤید ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت ہوکرہ ہے۔ دوسرے صبی کی نفل شروع سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہو جاتی ہے پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی اُس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں اور روایت ثانیہ میں جواب ہے مصلحت مذکورہ فی السؤال کا کیونکہ اس میں عورتوں کے لئے حفظ قرآن کی ترغیب میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اصل یہ ہے کہ احکام کی بناء دلائل پر ہے مصالح پر نہیں۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت و صلوٰۃ سے ناواقف اور متسائل بھی ہوتے ہیں پس اس کی تجویز میں بائین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے پھر بجائے تراویح کے نوافل میں اُن کا پڑھ لینا اُس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے چنانچہ اُس کا کافی ہونا مشاہد ہے اور بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتی زین الدین سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ۔ (النور صفحہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ)

**حکم امامت با اجرت** | سوال (۲۸۳) امام مسجد کے واسطے مقتدی کچھ مقرر کریں بطور مشاہرہ یا سالیانہ یا بلا تقرر و تعین کچھ دیا کریں تو نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہوگی یا مکروہ۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدر المختار باب الاجاقۃ الغاسدۃ ولفقی الیوم بصحتہا التعلیم النفس ان دلائل ممتدہ الاذان۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو شرط کر کے بھی دینا درست ہے اور بلا شرط بدرجہ اولیٰ درست ہے پس نماز اس کے پیچھے مکروہ نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۴ ج ۱)

**حکم عدم متابعت امام در قیام الی الخامتہ** | سوال (۲۸۴) اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے

بیچھے دوسری تیسری چوتھی رکعت میں آکر ملا تھا اور امام کو اتفاقاً چار رکعت پوری ہونے کے بعد سہو ہو گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو بھی یاد نہ آیا کسی نے نغمہ نہ دیا اور سب کھڑے ہو گئے اب اُس امام کے یاد آنے تک وہ شخص جو بعد میں کسی رکعت میں آکر ملا تھا اُس امام کی متابعت کرے یا اپنی پوری رکعتیں کر کے فارغ ہو۔

**الجواب۔** فی الذل المختار باب سجود السهو وان قعد فی الرابعة مثلاً وقد سالت هذا فقام عاد وسلم ونو سلم قائماً صحح ثم الاصح ان يقوم بنظره ونه فان عاد فبعده ان سجد للخامسة سلوا لانہ ثم فرضه اذ لم يبق عليه الا السلام اه اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام رابعہ پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر ہے اگر وہ لوٹ آوے تو اُس کے ساتھ سلام تک ہے ورنہ اپنی نماز پوری کر لے اور اگر وہ رابعہ پر نہیں بیٹھا تو بھی انشطار کرے اگر قبل سجدہ خامسہ کے لوٹ آوے تو بھی سلام تک رہے اور اگر نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۹ صفر ۱۳۲۷ھ (امداد صفحہ ۶۹ ج ۱)

تحقیق کراہتہ وعدم کراہتہ جماعت ثانیہ | سوال (۲۸۵) قول محقق اور معتبر باعتبار موافقہ فقہ وحدیث  
در مسجد شارع عام | دربارہ جماعت ثانیہ آپ کے نزدیک کیا ہے مگر بحوالہ احادیث  
اور اقوال فقہاء و نیز بحوالہ کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ محقق ہو  
اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعت ثانیہ کی کراہت یا عدم کراہت ہو تو اُس کے لئے  
علیحدہ ارقام ہو ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی حضرت  
مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری و حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری  
جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارن پوری  
و جناب مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے مگر  
غالب گمان یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اولیٰ کے پابند ہوں ان کے لئے بلا کراہت فرماتے تھے۔؟

**الجواب۔** فی جامع الآثار لہذا العبد الحقیقہ ہکذا کراہتہ تکرار الجماعۃ فی  
المسجد عن ابی بکرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل من نواحي المدینۃ  
یرید الصلوۃ وقد صلوا فمال الی منزلہ فجمع اہلہ فصلی بھم رواہ الطبرانی  
فی الکبیر و الاوسطان قال الہیثمی رجالہ ثقات قلت و لو لم یکن فیہ لما ترک المسجد  
وعن ابراہیم النخعی قال قال عمرؓ لا یصلی بعد صلوۃ مثاہر رواہ ابن

ابی شذیبة قلت واقرب تفاسیرة حمله على تكرار الجماعة في المسجد وعن  
 خرشة الحران عمر بن الخطاب كان یصل بعد صلوة الجمعة مثلها رواه  
 الطحاوی واسناده صحيح قلت دل على كراهة تكرار الجماعة خاصة  
 وفي حاشیتہ تابع الآثار وما در من قوله عليه السلام من يتصدق لا يدل  
 على جواز التكرار المتكلم فيه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذا الثابت به  
 اقتداء التنقل بالمفترض ولا يحكم بکراهته بل ورد في جواز حديث  
 اخر من قوله عليه السلام اذا اصيلتما في رحالكما اشرا تيتما صلوة قوم  
 فصليا معهم واجعلوا صلواتكم معهم سجة كما هو ظاهر وما  
 هو رواية البخاري تعليقا عن انس بن مالك عن علي بن مسعود الطريق ان  
 نحوه لما نقل فيه انه رضى اذن واقام وهو مكره عند العامة اه اما الرواية  
 الفقهية في هذا الباب ففى الدار المختار ويكره تكرار الجماعة باذان  
 واقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا  
 مؤذن في رد المحتار قوله ويكره اي تحريم القول الكافي لا يجوز والمجمع لا يباح  
 شرح الجامع الصغير انه بدعة كما في رسالة السندی قوله باذان و  
 اقامة عبارته في المختار ان اجمع مما ههنا ونصها يكره تكرار الجماعة في  
 مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلى بهما فيه او لا غير اهلها  
 او اهلها لكن بخافته الاذان ولو كسر اهلها بدو نهما ان كان مسجد  
 طريق جاز اجماعا كما في مسجد ليس له امام ولا مؤذن ويصل الناس  
 فيه فوجا فوجا فان الافضل ان يصل كل فريق باذان واقامة على  
 حدة كما في اما الى قاضيخان اه ونحوه في الدرر والمراد بمسجد  
 المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدرر وغيرهما الى ان قال  
 ولان في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فانهم لا يجتمعون  
 اذا علموا انها لا تفق تهم شعر قال بعد سطر ومقتضى هذا الاستدلال  
 كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدو ن اذان يؤيده ما في  
 الظهيرية لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه اهلها يصلون

و احد انا و هو ظاهر السراية الا و هذه الخالف لحکاية الاجماع المارة  
 ج اص ۱۷ و فيه ما نصه و فی اخر شرح الملیة و عن ابی حنیفة رحمہ اللہ کان فی الجماعة  
 اکثر من ثلثة یکره التکرار الا فلا و عن ابی یوسف اذا لم تکن علی الهيئة الا  
 لا تکره الا تکرار هو الصحیح و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة  
 کذا فی البزارية و فی التاتارخانية عن الولی الجیة و به ناخذ  
 ج اص ۱۸ و فيه قولہ الا فی المسجد علی طریق هو ما لیس له امام و مؤذن  
 را تب فلا یکره التکرار فيه باذان و اقامة۔ بل هو الا فضل خانية۔  
 ج اص ۱۹۔ روایات فقہیہ مذکورہ سے چند منور تیں اور ان کے احکام معلوم ہوئے۔

صورة اولی المسجد محلہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔ صورة ثانیہ مسجد محلہ میں اہل نے بلا  
 اعلان اذان یا بلا اذن بدرجہ اولی نماز پڑھی ہو۔ صورة ثالثہ وہ مسجد طریق پر ہو۔ صورة رابعہ  
 اس مسجد میں امام و مؤذن معین نہ ہوں۔ صورة خامسہ مسجد محلہ ہو یعنی اس کے نمازی اور امام  
 معین ہوں اور انھوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔ پس صور  
 اربعہ اولی میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے جیسا کہ افضلیت کی تصریح موجود  
 ہے اور صورت خامسہ میں اگر جماعت ثانیہ بنیئت اولی ہو تب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے جیسا  
 کہ رد مختار میں تحریمی ہونے کی تصریح ہے اور اگر بنیئت اولی پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے۔ امام  
 ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے جیسا ظہیر یہ میں اس کا ظاہر  
 روایت ہونا مفسر ہے۔ البتہ ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی  
 ہوں مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ یہ تو خلاصہ ہوا روایات کے مدلول ظاہری کا۔ اب آگے دو مسلک  
 ہیں یا تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دی  
 جاوے اگر متعارض کہا جاوے تو حسب سہم المفتی و اختلاف فیما اختلافوا فیہ و الاصحہ کما فی  
 السراجیۃ و غیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم یقول الثانی  
 الی قولہ و صحیح فی الحاوی القدسی قوۃ الملد را الخ ھکذا فی الدار المختار امام  
 صاحب کے قول پر عمل ہوگا اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر حاوی قدسی  
 کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہے جو اول نقل ہوئی ہے  
 اور دلیل قیاسی رد المختار سے ولان فی الاطلاق الخ معلوم ہو چکی ہے جس کی قوت ظاہر ہے

اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہراً متعارض ہیں اُن سب کا جواب کافی شافی تاج الآثار سے گزر چکا ہے اور اگر بعض کی حکایت اجماع علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحب نے حکم بالکراہتہ سے رجوع کر لیا ہو گا تو شامی نے بعد نقل روایت ظہیر یہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے پس یہ استدلال قطع ہو گیا اور اگر امام صاحب اور ابو یوسف کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہو کہ امام صاحب کو کراہتہ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابو یوسف کو کراہتہ تحریمیہ کے نافی ہیں قرینہ اس کا یہ ہے کہ در مختار میں جو مسجد محلہ میں اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کو مکروہ کہا ہے اس میں شامی نے تصریح کر دی کہ کراہتہ تحریمیہ مراد ہے پس اُس کے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہتہ کا حکم ہو گا اُسی کو کراہتہ مذکورہ کی نفی ہوگی پس کراہتہ تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہے جیسا کہ صور راجعہ اولیٰ میں انصافیت کی تصریح

۱۵۰ اولیٰ شبہ محل ہے کیونکہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا بلکہ ان صورتوں میں ہوا ہے جن کی نسبت فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز جائز بلکہ افضل ہے اور ثانیاً اس کا جواب کہ شامی نے بعد نقل روایت طبریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے نامناسب ہے کیونکہ اگر اس تصریح کو مان لیا جاوے تو یہ فتویٰ کے اس دعوے کے مخالف ہوگی جو کہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے پس صور راجعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہوگی آہ۔ کیونکہ صور راجعہ ثانی کی نسبت اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد محلہ میں بل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدو جہاں نماز پڑھ لی ہو اور ظہیر یہ سے ان صورتوں کی کراہت ثابت ہوئی ہے پس دعوے اجماع صحیح نہ ہوا۔ الحاصل جواب شبہ دعویٰ سابقہ کے مخالف ہے اسلئے یہ جواب مناسب نہیں پس اس صورت میں شبہ اور جواب دونوں کو ساقط ہونا چاہیئے نیز جن چار صورتوں میں عدم کراہت پر اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے دوسری صورت میں اختلاف نقل ہونا چاہیئے یا شامی کے قول مقتضی ہذا الاستدلال الخ کو رد کرنا چاہیئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط صفحہ ۱۱۰

۱۵۱ اس جگہ مولانا رشید احمد صاحب مدرس دارالعلوم کراچی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے وہ ہوتا ہے:-  
وگو کہ اہلہ بدنہما کو جائز بالا جماع کہا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بیعت اولیٰ پر ہو کر ہے یعنی عدم المحراب نہیں کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور عدول عن المحراب کی حالت میں محل نزاع ہے پس یہ قول محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا صحیح نہیں نیز یہ قول کہ ظہیر یہ سے صور راجعہ اولیٰ میں سے ثانیہ صورت کی کراہت ثابت ہوئی ہے صحیح نہیں۔ صورت ثانیہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ بلا اذان یا بغیر اعلان اذان کے ہوئی۔ اور ظہیر یہ میں اس کی کراہت مذکور ہے کہ جماعت ثانیہ بلا اذان ہوئی ہو۔ غرض اصل جواب کی عبارت صحیح ہے اور تصحیح الاغلاط کی عبارت صحیح معلوم نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم الخ انتہی ۱۲ محمد شفیع

بالاستقلال کراہت تنزیہیہ کی نفی پر دال ہے پس صورت اجماع اولیٰ میں نفی کراہت سے کراہت تحریم متقی ہو گئی اور حکم افضلیت سے کراہت تنزیہیہ متقی ہو گئی اور مندرجہ بیت ثابت ہو گئی بخلاف صورت تکلف فیہا کے کہ اس میں انتفاء کراہت تحریم کی دلیل تو قائم ہے لیکن انتفاء کراہت تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ظاہر روایت میں کراہت کا اثبات ہے پس کراہت تحریم متقی ہوئی اور کراہت تنزیہیہ ثابت رہی پس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا اگر یہ شبہ ہو کہ جائز و مباح وغیرہ عبارات سے کراہت تنزیہیہ متقی معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ کذا فی رد المحتار صفحہ ۲۵ ج ۱۔ اور جیسا در مختار میں اذان صبحی کو جائز بلا کراہت کہا ہے اور شامی نے کہا ہے کہ مرافعی کراہت تحریم کی نفی ہے اور تنزیہیہ ثابت ہے۔ صفحہ ۴۰۶ ج ۱۔ وزیر حکایت اجماع جس میں تقدیر تعارض پر کلام ہوا ہے اس تقریر تطبیق پر جا ہا رہا کہ سکتی ہے کہ نفی کراہت تحریم پر اجماع ہے اور اگر ثبوت کراہت تنزیہیہ سے قطع نظر بھی کی جاوے اور اباحت بالمعنی المتبادر مان لی جاوے تب بھی چونکہ مذہب و استحباب نہ دلیل سے ثابت نہ ابو یوسف سے منقول اس لئے نفی کراہت سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آئے گا جیسا رد المحتار میں جماعت فی التطوع میں صرف مسنون نہ ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے مگر بعض صورتوں میں مباح بھی ہے صفحہ ۴۱ ج ۱۔ پس غایت مافی الباب ایک فعل مباح ہوا جس میں نہ ثواب نہ عقاب اور امام صاحب کراہت کے قائل تب بھی علم اور احوط اس کا ترک ہی ہو گا کیونکہ فعل میں احتمال کراہت کلمہ اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتیٰ کہ حرمان ثواب بھی نہیں پس ترک ہی راجح ہوا یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے اور اگر مفسد اس کے امام ابو یوسف کے رد پر پیش کئے جاتے تو یقیناً کراہت شدیدہ کا حکم فرماتے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں اس لئے کسی کو کسی پر نیکر شدید و طعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم۔ (احمدی الادبی ۳۲۲ سلمہ (امداد صفحہ ۱ ج ۱)

**جماعت ثانیہ | سوال (۲۸۶)** حنفیہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے اور حدیث میں ہے عن ابی سعید قال جاءني رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ايكبرني على هذا فقال رجل صلى معه رواه الترمذي صححه المطابع وفي البخاري عن انس تعليقا وابی يعلى هو صولانہ جاء انس الى مسجد قد صلى فيه فاذا واقام وصلى جماعة لهذا اس حدیث کا کیا جواب ہو اور مسجد محلہ اور مسجد بانا اس حکم میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے اگر فرق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے۔ ۹۔

**الجواب۔** ابو سعید کی حدیث میں تنفل نے مفترض کی اقتدار کی اور کلام اس جماعت ثانیہ



میں ہے جہاں دونوں مفترض ہوں فلا حاجت فیہ۔ اور انس کا فعل ممکن ہے کہ مسجد طریق میں ہو چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے کیونکہ مجوزینِ جماعتہ ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں فقط (امداد ص ۳۱)۔

**سوال (۲۸۷)** بعض صاحبان کا یہ قول ہے کہ اگر اندرون مسجد قریب محراب جماعت ہوگی ہو تو کچھ آدمی اگر باقی رہ جایا کریں تو جماعتہ ثانیہ صحن مسجد میں کر لیا کریں تو کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگا کیونکہ یہاں کی ہر ایک مسجد دوسری مسجد ہے ایک صیغی یعنی صحن مسجد دوسری شتوی یعنی اندرون مسجد جو اکثر مسقف ہوتی ہے یا لداؤ کی اور درمختار میں جماعت کے بارے میں دو قائلتہ ندب طلبہا فی مسجد الخ ظاہر ہے کہ صحن مسجد آخر ہے لہذا اُس میں جماعت ثانیہ کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگی جواب دیا گیا کہ یہاں کی مسجدوں میں صحن مسجد دوسری مسجد نہیں حقیقت میں یہاں کی مسجدیں ایک ایک مسجد ہیں کیونکہ عرف میں بھی ایک ہی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ بانیین مسجد کی نیت دو مسجدوں کی ہوتی ہے بلکہ ایک ہی مسجد کی ہوتی ہے صحن کو صحن مسجد اور فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں بحوالہ انس لغت انگلانی یعنی صحن خانہ یعنی ساحت و سرح و فناء پس اگر خانہ کی طرف اضافت ہوگی تو صحن خانہ اور مسجد کی طرف اضافت ہوگی تو صحن مسجد و فناء مسجد بولیں گے اور فقہاء بھی اس صحن کو صحن مسجد و فناء مسجد تعبیر کرتے ہیں چنانچہ واقفین پر ظاہر ہے واقف علم ظاہری و باطنی مولانا شید احمد صاحب گنگوہیؒ نے کراہت جماعت ثانیہ یہاں کی مسجدوں کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اگر یہاں کی مسجدیں دو مسجدیں ہوتیں تو کراہت جماعت ثانیہ آپ مکروہ نہ فرماتے بلکہ جماعت ثانیہ کا ہونا مکروہ فرماتے اور تصریح بھی کر دیتے کہ صحن مسجد دوسری مسجد ہے ذیل صاحبان سے معلوم ہوا کہ مسجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد حرام میں بھی صحن ہے حالانکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب صلوٰۃ اپنی مسجد اور مسجد حرام میں فی مسجدی بناؤ مسجد الحرام فرمایا۔ فی مسجدی ہذین فی مسجدی الحرام نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن مسجد دوسری مسجد نہیں اور صیغی و شتوی مسجدیں اور طرز کی ہوتی ہیں یعنی ان میں ہر ایک کی محراب جدا گانہ ہوتی ہے ایک دوسرے کے جنب میں واقع ہوتی ہے اور درمیان دیوار قصیر مقدار ایک دو ذراع کے اُس میں فرجہ ہوتا ہے جیسا کہ قاضی خان کے صفحہ ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے۔ محمول علی ما کان الحائط قصیرا لاسد مقداد فرجۃ بین الصدفین ذریعۃ او ذریعین کے مایکون بین المسجد الصیغی و الشتوی۔ لہذا حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جواب مسائل مفصلہ ذیل صاف تحریر فرما کر خاکسار کو ممنون و مشکور فرمائیں۔ (۱) یہ کہ یہاں کی ہر ایک مسجد حقیقتہً صیغی و شتوی ہے یا نہیں؟ (۲) یہ کہ محراب مسجد اصل میں کس جگہ ہے۔ آیا وہ طاق

یعنی محراب جو جانب قبلہ دیوار غری مسجد میں ہوتی ہے یا دوسری جگہ (۳) والسنة ان يقوم الامام في المحراب قول شامی منقول از معراج فی تحت قول لقیف وسطاً صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر قول شامی منقول از تاتارخانیہ یکروزہ الامام ان یقف فی غیر المحراب (الاضی وریج صفحہ ۴۵۳۔ تحت قولہ لان العبوة للقدم کا کیا مطلب ہے آیا اس ظرفیت سے کمال قرب محراب مراد ہے یا محاذ محراب خواہ قریب ہو یا بعید اگر محاذ مذکور مراد ہے تو فی کا کیا موقع۔ اور اسمیں کیا نکتہ۔ یا حقیقت میں عین محراب میں کھڑا ہونا مراد ہے جیسا کہ ظاہر میں فی کا مقتضی ہے بعض صاحبان کا خیال ہے کہ حقیقت میں کھڑا ہونا محراب کا مراد ہے کیونکہ اصح مذہب طحاوی اور سرخسی رحمہما اللہ کا ہے کہ علت کراہت قیام فی المحراب خفاء امام ہے نہ مشابہت اہل کتاب اگر خفا ہو گا تو کراہت ہوگی نہ نہوگی گو بخار سرخسی اول میں مشابہت اہل کتاب کی تھی۔ (۴) گرمی میں یہاں کی مسجدوں میں درآں صورتیکہ مسجد صیغی و شتوی نہ ہوں ترک محراب کی ضرورت ہو سکتی ہے (جیسا کہ مسجد صیغی و شتوی میں ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے صیغی میں آجاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے شتوی میں چلے جاتے ہیں) یا نہیں اور یہاں کی مسجدوں میں عمل درآداس کا کہ جب گرمی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں امام بلا کیر پڑھا دیتا ہے صحیح ہے یا نہیں اور یہ عمل درآد کس بنا پر ہے۔

**الجواب۔** ان بعض صاحبان کا قول غلط ہے مجیب کا جواب بالکل درست ہے البتہ مجیب کی تقریر میں لفظ فناء کی تفسیر میں تسامح ہے کیونکہ فناء اس جگہ کہتے ہیں جو مضاف الیہ سے خارج ہو اس کا جزو نہ ہو اور صحن مسجد جزو مسجد ہے۔ بانی سب تقریر نہایت صحیح اور کافی ہے یہ نہیں کے متعلق عرض کیا گیا۔ اب جزئی سوالات کے جواب کے متعلق لکھا جاتا ہے (۱) نہیں۔ (۲) وہ بھی اور اس کے محاذات جو مسقف درجہ کے موخر میں اور غیر مسقف کے مقدم میں ہوتی ہے۔ وہ بھی۔ (۳) یہاں فی المحراب عبارت ہے فی الوسط سے کیونکہ محاریب وسط میں ہوتی ہیں جب محراب سے مراد وسط ہوا تو فی اپنے حقیقی معنی پر رہا صرف محاذ لفظ محراب میں رہا سو عند القرینہ کچھ مضائقہ نہیں اور قرینہ لفظ وسطاً صاف ہے۔ (۴) جب محراب سے مراد وسط ہے تو عدول عن المحراب لازم ہی نہیں آیا۔ واللہ اعلم ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی صفحہ ۳۰)

**سوال (۲۸۸)۔** یہاں بازار میں ایک مسجد ہے جس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور جماعت کا بھی معمول انتظام ہے یعنی امام و نائب امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر ہیں ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں۔ ۹۔

**الجواب** بعض عبارتوں سے جواز معلوم ہوتا ہے فی الدار المختار ویکری تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام له ولا مؤذن فی رد المختار وبنی کسر اہلہ بد و نھما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً لکما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن الخوفیہ والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع الخوفیہ واما مسجد الشارع فالناس فیہ سوا علا اختصاصاً بفریق دون فریق اھو مثله فی البلد اعم وغیرھا ومقتضیٰ هذا الاستدلال کراہۃ التکسر اری فی مسجد المحلة ولو بدون اذان وبنی یدہ ما فی الظہیریۃ لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیہ اھلہ یصلون وحدا نا وھو ظاھر الروایۃ الا وھذا الخالف لحکایۃ الاجماع المارۃ الا قال الناقل ولھو یتعرض لاشامی لمسجد الطريق فبقی حکمہ المذکور سابقاً عن الخلاف و فیہ لکن یشکل علیہ ان فحی المسجد المملکی او المذنی لیس لہ جماعة معلومون فلا یصدق علیہ انہ مسجد محلة بل ھو مسجد شارع وقد مر انہ لا کراہیۃ فی تکرار الجماعة فیہ اجماعاً لا جرمۃ ۵۷۵۵۵۵ قال الناقل بنی الشامی الجواب علیٰ کونھما مسجد شارع مع ان لھما اماماً ومؤذناً معیناً واللہ اعلم۔

۲۳ / رجب ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۵۶)

**سوال (۲۸۹)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بانارو شارع عام وغیر آبادی وغیر مکہ سوا آبادی کی مسجد جیسے محلہ کی مسجد یا جامع مسجد میں جماعت ثانی کا ہونا کیسے ہے۔

**الجواب** - اختلاف ہے۔ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس صفحہ ۳۶)

|                                                                    |                                  |
|--------------------------------------------------------------------|----------------------------------|
| <b>سوال (۲۹۰)</b> مقتدیوں کے نیچے جائے نماز اور امام کے نیچے نہ ہو | <b>حکم</b> بدن مقتدی یا نہ جاننا |
| نماز کیسی ہے اور عکس اس کے ہو تو نماز کیسی ہے ؟                    | <b>دون الامام و عکس آں</b>       |

**الجواب** - جزئی نظر سے نہیں گزری البتہ امام نیچا اور مقتدی اونچے کھڑے ہوں اس کو کردہ تزیہی کہنے کی وجہ امام کی بے توقیری کو لکھا ہے اس علت کے اشتراک سے صورت مسئلہ کی شق اول میں بھی کراہت کا گمان ہوتا ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (امداد صفحہ ۷۸ ج ۱)

**سوال (۲۹۱)** بلا اہتمام نوافل کے جماعت علاوہ تراویح جائز ہے یا

یا نہیں اور اس میں آدمیوں کی کچھ تعداد شرط ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدر المختار ولا یصلیٰ الترویج بحماعتہ خارج رمضان ای یکوہ ذلک لو علی سبیل التداوی بان یقتدی اربعۃ لو احد، وفی رد المختار اما اقتداء واحد بواحد او اثنين بواحد فلا یکفر وثلاثة بواحد فی خلاف بحر الا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہت نہیں اور اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے۔ ۱۲ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۱)

**سوال (۲۹۲)** آپ کی کتاب ہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھوہہ کے عنوان ”جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں“ کے تحت میں یہ عبارت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگی اور چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے لہذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہو (رد مختار) اس عبارت سے تردد اور خلجان دل کو اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کسی مہینے میں اس اہتمام سے نماز جمعہ ادا کی جاوے رمضان ہو یا غیر رمضان عدم شرائط جمعہ کی تقدیر پر نماز جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے فی الہدایہ۔ ولا یصلیٰ الترویج جماعة فی غیر شہر رمضان علیہ اجماع المسلمین واللہ اعلم بحقیقۃ فی فتح القدیر لانہ نفل من وجہ والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ لا فالاحتیاط ترکھا فیہ۔ اس شبہ کا جواب بھی مفصل دیں۔ اس واسطے کہ بعض عالم بہت ہی چھوٹے چھوٹے گائول میں جمعہ کی نماز خفی المذہب ہوتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ اور جب ان سے کہتے ہیں تو وہ ان ہی عبارتوں کو لیکر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نفل پڑھتے ہیں اور نفل رمضان شریف کے مہینہ میں جماعت سے پڑھنے میں کوئی قباحت و کراہت نہیں؟

**الجواب**۔ فتح القدیر کی عبارت والجماعة فی النفل الخ سے مقصود جواز فی رمضان کا ایجاب کلی نہیں بلکہ جواز فی غیر رمضان کا سلب کلی ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں نفل جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر رمضان میں کوئی نفل جائز نہیں اور رمضان میں بعض نوافل جائز ہیں گو وہ من وجہ ہی نوافل ہوں جیسے وتر اور تراویح۔ ۲۶ رمضان ۱۳۲۲ھ (ترجیح خاص صفحہ ۱۲۴)

**سوال (۲۹۳)** غیر مقلد کے پیچھے خفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں  
حکم اقتداء خلعت غیر مقلد بتدع  
ومخالفت مذہب مقتدی  
او کیسی ہوتی ہے۔ ۹

الجواب - غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لئے احتیاط یہی ہے کہ اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۰ ج ۱)

سوال (۲۹۴) بعض موحضون نیت پیچھے یعنی کے نہیں کرتے یہ کیسا ہے اور بعض

کا قول ہے کہ پڑھ لیوے مگر دوبارہ نماز اپنی اعادہ کر لیوے ؟

الجواب - ہر چند کہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے کمافی الدہم المختار و مبتدع مگر تنہا پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے و فی الحجۃ المختارۃ افادان الصلوۃ خلفہما مبتدع نال فضل الجماعۃ در مختار۔ و فی حجۃ المختارۃ افادان الصلوۃ خلفہما اولیٰ من الافلاک الا اذا اعادہ ہر چند کہ وقت ترک سنت کے مستحب ہے لیکن بشرطیکہ اعادہ میں ترک سنت لازم نہ آوے۔ اور یہاں اعادہ میں ترک جماعت کہ سنت ہے لازم آتا ہے پس اعادہ کچھ ضرور نہیں۔ (امداد صفحہ ۱۰۲ ج ۱)

سوال (۲۹۵) اگر بعد اذان مغرب کے باوجود موجود ہونے امام کے چھ سات منٹ توقف کیا جاوے بعد از یا بغیر غنڈ کے آیا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - تخلف جماعت سے خواہ مغرب میں ہو یا دوسرے وقت میں بے عذر بہت بُرا ہے۔ کما ورد لا یتخلف عنہا الا المنافق البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو یا امام موافق المذہب کا انتظار ہو تو جائز ہے۔ مثلاً شافعی امام پہلے پڑھتا ہے۔ اگر حنفی کے انتظار میں بیٹھا ہے کچھ حرج نہیں

۵۔ اس وقت یہی زمین میں آیا اور اصل دلیل یہ ہے کہ جو سنت نمازیں داخل ہے اس کے ترک سے اعادہ ہے یہاں ایسا نہیں ۱۲ منہ عم۵ عبارت واضح نہیں اس وقت مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ امام نماز شروع کر دے پھر کبھی شخص غلط بیٹھا ہے یہ کیسا ہے جواب اسی پر منطبق ہے۔ اور اگر سوال کا یہ مطلب ہو کہ امام اور جماعت سب کے سب کسی وجہ سے ٹھہرے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز ہے مغرب میں بھی اذان نماز کا اتصال واجب نہیں ۱۲ منہ مگر اس جواب پر بھی بعض علمائے کلام کیا ہے جو کہ منصات تہ۱ اولیٰ میں درج ہے اور ہم نے اصطلاحات میں اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حکم جواز سے مطلقاً کراہت کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط صفحہ ۱۷۰۔

۵۔ یہ ایک قول ہے جو اس وقت راجح معلوم ہوا اور بہت سے محققین اس انتظار کو منع کرتے ہیں۔ البتہ انتظار اس وقت ہے جب وہ شافعی مراعات خلائیات کی نہ کر تا ہو ۱۲ منہ ۶

دلوکان بکل مذهب امام کما فی نوماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء اقتدم او تأخر علی ما استحسنه علماء المسلمین وعمل به جہوں المؤمنین من اهل الحرمین والد دمشق ومصر والشام ولا اعتبار بآئین شذ منہم۔ شاہی ج ۳ ص ۳۷۲ واللہ اعلم۔

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (امداد جلد اول صفحہ ۱۰۶)

**اقتداء بغیر مقلد** سوال (۲۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ آئین بالجہر و رفع الیدین اور نماز میں سید نہ پر ہاتھ باندھنے والے و نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کے پیچھے ہم اہلسنت جماعت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ جواب قرآن شریف و حدیث سے ہو؟  
الجواب۔ ان لوگوں کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف ان ہی مسائل فرعیہ میں ہے یا عقائد میں بھی۔ اور یہ لوگ امام ہونے کی حالت میں آیا مسائل طہارت میں مراعات خلاف کی کرتے ہیں یا نہیں۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۹۰)

سوال (۲۹۷) تمہید۔ مسئلہ اقتداء بالخالف کے باب میں ایک قول کی نسبت علم الفقہ میں یہ عبارت ہے۔ و حقیقت یہ قول بالکل بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر اس قول پر عمل کیا جاوے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ آہ اس پر خلافت فی البدعات نے غیر ہذب عنوان سے رد لکھا۔ اور مولف کے حق میں یہ الفاظ لکھے۔ نہ مستحق ہے نہ حنفی نہ ائمہ امام بنانا محال نہ اس کے پیچھے نماز جائز نہ اس کا وعظ سننا روا (وہ خود آہ ہے اور کفر ہم۔ دے آدب ائمہ کے ساتھ گستاخ۔ اور مسائل شرعی کی توہین کرنے والا اور خود اپنے اقرار سے فاسق۔ معلق۔ و باطنی غیر مقلد ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اس کا وعظ سننا چاہئے۔ وہ عوام الناس کو گمراہ کرتا ہے اس کے نزدیک ہر گز نہ جانا چاہئے۔ ایسے گندم نما جو فروش سے اجتناب چاہئے۔ اس کو فاسق سمجھیں اس کی مدح نہ کریں کہ فاسق کی مدح سے غضب ذوالجلال اترتا ہے۔ غیر مقلدین کے بعض عقائد کو اچھا سمجھنے کے سبب مستحق کفر ہے۔ آہ۔ مولف کی جماعت نے خالقہ کی تحریر چاہی اور لا عذر کر دیا گیا ثانیاً کراستہ بار پر جواب ذیل دیا گیا۔

کرمی سلمۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لفاظہ حاملہ تین قطعات مطبوعہ اور کارڈ موصول ہوئے مجھ کو جواب تحریر کرنے کا کمر مشورہ دیا گیا ہے۔ اتنا لالامر کچھ لکھتا ہوں (اور اگر ارشاد ہو میری طرف سے اس کی اشاعت کی بھی اجازت ہے) جس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا

کہ میں جواب کس عذر کے سبب نہ لکھتا تھا۔ حاصل اس عذر کا یہ ہے کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجہ مفید نہیں۔ اور میری کیا تخصیص ہے شاید کسی خفی سے ایسا جواب ملنے کی توقع نہ ہوگی جو من کل الوجہ مفید اور موافق ہو۔ گو من وجہ جو ایک اعتبار سے اصل مقصود ہے ضرور مفید ہے۔

**امراق ل۔** اس لئے کہ اس شذوذ عریض میں جملہ اقوال مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے۔ جو رد مختار میں بھر سے نقل کی ہے بقولہ ان یتقن المراءعات لم یلکوا او عدمها لم یصح وان شک کوہ او جس کی ترجیح رد المختار میں جلی سے نقل کی ہے۔ بقولہ هذا هو المعتمد لان المحققین جنحوا الیہ، وقوا عد المذہب شاہدۃ علیہ، الخ البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں ماول و مقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہے تفسیر یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعة وغیرہ کے میسر ہو۔ ومبني التاویل ما نقل فی رد المختار عن حاشیۃ الرملی علی الاشباہ الذی یبیل الیہ خاطرہ القول بعدم الکراہۃ اذا لم یتحقق منه مفسد (وہ) ووجہ التفسیر ظاہر۔ نیز مراعات کا عمل صرف فرائض میں۔ کما فی رد المختار ای المراعات فی الفرائض من شرط وان کان فی تلك الصلوۃ وان لم یراع فی الواجبات والسنن کما هو ظاہر سیاق کلام البحر ظاہر کلام شرح الملیۃ ایضاً حیث قال واما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما لم یعلم منه ما یفسد الصلوۃ علی اعتقاد المقتدی علیہ الاجماع انما اختلف فی الکراہۃ اہ قلت و فی التمثیل بالشافعی الذی الاصل فیہ عدم التعصب خرج من الحكم القائلون بحرمۃ التقليد المدعون للاجتهاد لانفسہم الذین الغالب فیہم التعصب وقد صرحوا بکراہۃ الاقتداء بالمتعصب۔ اور چونکہ میں اُس کو احوط سمجھتا ہوں اور احتیاط شرعاً محمود و مطلوب ہے چنانچہ زمرہ کا قصہ صحاح میں مذکور ہے کہ آپ نے ولد کو فرائض کا حق فرمایا۔ اور باوجود اس کے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس بلود سے احتجاب کا حکم دیا جس سے یہ بھی ثابت ہوا اگر اس قول کا غیر راجح ہونا بھی ثابت ہو جائے وانی لا اخذ بذلک تب بھی احتیاط کے لئے اُس کو اخذ کرنا احفظ للدين ہوگا۔ اس لئے

اس قول احوط کو بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل اور موجب اخراق شدید و اشکال عظیم قرار دینے کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا پر بھی ہم جیسوں کا ایسا حکم کرنا غیر مرضی ہے خصوصاً جب کہ سلف سے ایسا جزئیہ منقول بھی ہو۔ چنانچہ مدّٰن مالک ح میں ہے۔ قال وسئل مالک عن عمن صلی خلف رجل یقرء بقرءاءة ابن مسعود قال ینخرج ویدعه ولا یاثر به قال وقال مالک عن من صلی خلف رجل یقرء بقرءاءة ابن مسعود فلیخرج ولیتو کہ قلت فهل علیه ان یعيد اذا صلی خلفه فی قول مالک قال ابن القاسم ان قال لنا ینخرج فاری انہ یعيد فی الوقت وبعده ۴۴ قلت وظاھران من کان یقرء بقرءاءة ابن مسعود فهو یعتقدھا قرائنا ومع ذلک لہ یجوز مالک الصلوة خلفہ۔ والمسئلہ مجتہد فیہا کما یظہر من مراجعہ نیل الاوطار باب النجۃ فی الصلوة بقرءاءة ابن مسعود الخ اما اس قول کا علم الفقہ کے قول مختار کے ساتھ منازع ہونا ظاہر ہے۔ اس سے امر اول ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔

امرتانی کا بیان یہ ہے کہ میں باوجود علم الفقہ کے قول کے قائل نہ ہونے کے اور قول مقابل کی نسبت رائے مذکور پسند نہ کرنے کے پھر بھی صاحب قول مذکور رائے مذکور کی شان میں ایسے فتوؤں کو اور ایسے الفاظ کو جو کہ اشتہار واجب الاظہار میں نقل کئے گئے ہیں محصیت اور حرام اور غلو اور تعصب سمجھتا ہوں جس کا نہ اعتقاد جائز نہ نقل جائز الا للخصوص ان کے محاسن و فضائل و خدمات دینیہ پر نظر کرتے ہوئے اُن کے کلام کا محمل صحیح پر حمل واجب ہے بعض محال اشتہار واجب الاظہار کے جواب میں محد نظر پیش بھی کئے گئے ہیں ۱۲ اگر جواب کی ضرورت ہی تھی تو اتنا کافی تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے اور مجتہد فیہ کی نسبت ایسے الفاظ زیبا نہیں اس لئے مشورہ دیا جاتا ہے کہ گو فتوے سے رجوع نہ کریں۔ گو ادلی و ادق بالمصالح العالمیہ بھی ہے لیکن ایسے الفاظ سے ضرور رجوع فرمائیں کہ اقرب الی ادب الاحکام و البعد عن تشویش العوام ہے۔ اور جو ذلک اس سے امر ثانی ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مقصد کے اعتبار سے رکہ و جوب کف لسان ہے مولف علم الفقہ کے سبب و تم سے مفید ہے۔ وفی هذا کفایت انشاء اللہ تعالیٰ لمن النصف و لہ یتعسف واللہ اعلم و السلام مع الاکرام خیر ختام۔ ۱۶ از ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۲۳۵)



**سوال (۲۹۸)** مقلد غیر مقلد امام کے پیچھے از روئے مسئلہ حنفی کسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھ سکتا ہے تو کس حالت میں اگر نہیں پڑھ سکتا ہے اور ناواقفیت میں پڑھ لیا تو نماز مقلد مقتدی کی ہوگی یا نہیں اگر نماز نہیں ہوئی تو اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ فقط ؟

**الجواب**۔ نماز حسب قواعد فقہیہ صحیح ہوگئی مگر احتیاطاً اعادہ میں ہے۔

۲۲ رزی الحجۃ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اول صفحہ ۲۴)

**سوال (۲۹۹)** ما قولکم رحمہم اللہ تعالیٰ فی هذه المسئلة - اقتداء الحنفی خلف غیر المقلد جائز ام لا بینوا بالدلیل ؟

**الجواب**۔ مبسلاً وحامداً ومصلیاً اقول التفصیل عندی ان غیر المقلدین ہما صنفان شتی فمنہم من یختلف مع المقلدین فی الفرع الاجتہادیۃ فقط فحکمہم فی جواز الاقتداء بہم للحنفیۃ کالشافعیۃ حیث یجوز بشرط المراعات فی الخلائیات الصلوتیۃ وفانما عند عدم المراعات خلافاً وبالاول افقی الجمہور فان امر الصلوۃ مما ینبغی ان یحاط فیہ۔ ومنہم من یختلف معہم فی الاجماعیت عند اہل السنۃ کتجویز النکاح ما فوق الاربع وتجویز المتعہ وتجویز سب السلف امثال ذلك وحکمہم کاہل البدع حیث یکرہ الاقتداء بہم تحریماً عند الاختیار وتزبیہاً عند الاضطرار وحیث یشتبہ الحال فالاولی ان یقتدی بہم دفعا للفتنة ثم یعید اخذاً بالاحوط ولو كانت للفتنة فی الاقتداء فلا یقتدی صوراً للمسلمین عن التخلیط فی الدین والتجسس علی الشرع المتین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعندہ علم الیقین والحق المبیین ثانی یوم النفر من ذی الحجۃ ۱۳۲۹ھ من الحجۃ المقدسة۔ (تمتہ اولی صفحہ ۳۹)

**سوال (۳۰۰)** ایک حافظ قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند حکم اقتدار پابند نماز خلف غیر پابند نہ تھا کبھی پڑھ لیتا تھا اور اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب وہ ماہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھنا چاہتا ہے ایسے حافظ کے پیچھے اُن لوگوں کی نماز جو برابر نماز کے پابند ہیں بلاکراہت ہوگی یا کراہت اگر کر وہ ہوتی ہو اور وہ اس وقت توبہ کرے کہ اب نماز ہم

نہیں چھوڑیں گے اور جتنی نمازیں نضا ہو گئی ہیں اُن کی قضاء پڑھ لیں گے تو کراہت زائل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ تو بے کراہت زائل ہو جاوے گی کیونکہ علت کراہت کی فسق ہے اور توبہ سے فسق زائل ہو جاتا ہے اور مطالب بالحقو ق رہنا موجب فسق نہیں۔ و ہذا ظاہر۔ فقط۔

۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ۔ (امداد صفحہ ۹۰ ج ۱)

**سوال (۳۰۱)** کسی عالم یا حافظ کے ثنایا ہائے علوی نہ رہیں جو مخرج ثنایا ملیانہ دارد | حکم امامت شخصے کہ تا طارال کا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول مع الکر اہنت یا بلا کراہت جواب مسائل ہذا مع سند کتاب معتبر و تحریر فرمودہ رفع شک و اختلاف فرمادیں اگر درست نہ ہو تو جو شخص ان کی اقتدار کرے اُس کو اعادہ لازم ہو گا یا نہ۔ بینوا تو جردا۔

**الجواب**۔ اختلاف ہے۔ احوط عدم صحت ہے اور اوسع صحت ہے میرے نزدیک اس زمانہ میں صحت کو ترجیح ہونا چاہیے۔ ۱۵ شعبان ۱۳۳۲ھ (تہذیب ثانیہ صفحہ ۱۵۶)

**سوال (۳۰۲)** ایک حافظ الشخ ہے اور نماز کی پابندی کے باب میں اُس کا حال بھی مثل حافظ مذکور الصمد کی ہے۔ بجائے چھوٹے سین کے بڑے شین اور بجائے جیم کے ز یا ذ یا بالعکس اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ باوجود کوشش مزید کے وہ اولے حروف مذکورہ پر قادر نہیں ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح قرآن صحیح پڑھنے والوں کی درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب**۔ امامت الشخ کی غیر الشخ کے لئے مختلف فیہ ہے۔ کمافی الحاشیۃ الشامیۃ۔ پس احقر کے نزدیک فرائض و وتر میں عدم جواز کا حکم احوط ہے اور تراویح میں جواز کا حکم اوسع ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۱ ج ۱)

**سوال (۳۰۳)** جس شخص سے راہ نہ نکلتی ہو اُس کے پیچھے تلفظ راہ قادر نہ باشد | نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ فی السداد المختار ولا غیر الا لثغیر بہ ای بالالغ علی الاصح۔ فی المختار ای خلا فالما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انہا جائزۃ الی قولہ و

یعنی جو کہ سوال سابق میں مذکور ہوا ہے یعنی وہ حافظ جو صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند نہیں ہے ۱۲

وظاهرة اعتقادهم الصحة نحو قال ولكن الاحوط عدم الصحة وفيه هو الذي يتحول لسان من السنين الى الثاء وقيل من الراء الى العين واللام او الياء زادني القاصو او من حرف الى حرف وفيه انه (اي اللثغة) ان كانت يسير بان اتى بالحرف غير صاف لحرقة ثرا لخر ج امشلا وصفلا - ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے مگر اگر انہ نکلتی ہے لیکن صاف نہیں تو معتبر نہیں۔ ۲۔ اور اگر لام وغیرہ سے بدل جاتی ہے تو اختلاف ہی لیکن جہاں بلوی بوضاحت کا حکم مناسب ہے۔ ۱۰۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ صلا)

حکم جذب مقتدی مسبوق را سوال (۳۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں از وسط صف بعد اتمام صف کہ مثلاً ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز باجماعت قائم ہے اور پہلی صف تمام ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص صف میں کس مقام سے مصلیٰ کو کہینچ کر اپنے سلاوے اور وسط صف سے کہینچے تو بظاہر ولات تذروا فرجات الشیطان کا خلاف لازم آتا ہے اور جو کنارہ صف سے کہینچے اور وہیں کھڑا ہو جاوے تو تو بسطو الامام کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارہ صف سے وسط صف میں لاوے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے اور نیت باندھ کر کہینچنا بہتر ہے یا خارج نماز سے کہینچے۔ فقط ۹

الجواب۔ تصریح تو ملی نہیں لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وسط صف میں سے کہینچ لے رہا ہے کہ لات تذروا الخ کے خلاف لازم آتا ہے سو فرجات بند کرنے کا حکم اصطفا کے وقت ہے اور اثناء صلوٰۃ اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جاوے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں چنانچہ امام کا اگر جاوے اور اس کو استحلاف کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ چلا جاوے ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں اسی طرح صورت سنوٰۃ میں بھی وہ عارض ضروری اقامت ہے سنت کی اور تحرز ہے قیام خلف الصف و حد سے لہذا کراہت نہ ہوگی البتہ شخص اس کے بعد جماعت میں حاضر ہو اس کو چاہیے کہ اس فرجہ کو بند کر دے گو مر و پیش مصلیٰ لازم آوے کیونکہ فرضیت شرعی کے وقت یہ بھی مکروہ نہیں یہ تو تحقیق ہے اس حکم جذب المصلیٰ کی لیکن درمختار ورد المختار میں مصرح ہے لکن قالوا فی زماننا ترکہ اولیٰ لغلبة الجهل علی العوام فاذا اخرجوا تفشدا صلوٰۃ، ۱۷ ج ۱ ص ۶۷ اور کہینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیت باندھنے کے ہر طرح درست ہو فی العالمگیریۃ الفضل الخامس من الباب الخامس من کتاب الصلوٰۃ

فجاء ثالث وجذب المؤثر الى نفسه قبل ان يكبر الافتتاح حكوى عن الشيخ  
الإمام ابى بكر بن طرخان انه لا يفسد صلوة المؤثر جذب به الثالث  
قبل التكبير او بعد الاخير - والله اعلم ۲۲ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۳ ج ۱)

حکم شرکت در جماعت صلوة | سوال (۳۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مقتدی  
آن را کہ نماز گزارده باشد کو بعد ادائے فرائض نماز کے کب تک شرکت مستحب ہے؟

الجواب - بعد ادائے فرائض کے اگر جماعت پاوے ظہر وعشاء میں شرکت بہتر ہے  
اور فجر اور عصر اور مغرب میں نہ چاہیئے۔ فی الدار المختار ومن صلی الفجر والعصر والمغرب  
مرة فيخرج مطلقاً وان اقيمت لكرهه النفل بعد الاولين وفي المغرب  
احد المحظورين بالتبراء او مخالفة الامام ۱۸ (امداد صفحہ ۹۹ ج ۱)

حکم امامت بغير عمامه مع ذكر عبارات | سوال (۳۰۶) اگر امام کے سر پر عمامہ ہو تو مقتدی  
کتاب نفع المفتی و فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ کے سر پر عمامہ ہو تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب - کراہت نہیں۔ (تمتہ اول صفحہ ۱۱)

سوال (۳۰۷) مشہور ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ عمامہ موجود ہوتے ہوئے بدون عمامہ  
کے نماز مکروہ ہے۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب - صحیح نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے  
شخص کے لئے خود نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔ فی الدار المختار و صلواتہ  
فی ثياب بذلة یلبسہا فی بیتہ - ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۶۴)

سوال (۳۰۸) اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نماز میں عمامہ کو ضروری خیال کر لیا گیا ہے اور  
ایسا ضروری نہیں ہے اور وہ اسی وجہ سے عمامہ موجود ہوتے ہوئے نہیں باندھتا ہو تو اس کا یہ فعل  
برما ہے یا نہیں؟

الجواب - گاہ گاہ ہو برا نہیں۔ نظیر یہ صافی رد المحتار فی تعیین السور فان ایہام  
اللزوم ینتفی بالتلف احیاناً - ج ۱ ص ۵۶ - ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۶۵)

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا (۳۰۹) چہ فرماید علمائے دین  
درین مسئلہ کہ نماز بکلاہ بدون عمامہ مکروہ است یا نہ؟

الجواب - مکروہ است و فتاویٰ غرائب می آرد و جل صلی مع قلنسوة و لیس

فوقہا عمامۃ او شئی اخر یکری ۱۲۔ و عمامہ بر سر بستن مسنونست خصوصاً در نماز۔ ملا علی قاری  
در مقالہ مذکور روایت می کند انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس القلانس تحت العمامۃ  
فی بغیر العمامۃ و در فردوس دلیلی از جابر مرویست کہ گفتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ  
بلا عمامۃ و ابن عمر آورده صلوٰۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ خمساً و ثلث و عشرین صلوٰۃ  
بلا عمامۃ و رجعة بعمامۃ۔ تعدل سبعین جمعة بلا عمامۃ۔ و نیز در مقالہ مذکورہ می گوید  
امام احمد ث۔ فقہاء زماننا من النہم یا تون المسجد بعمامۃ کبیرۃ ثم یضعونها  
و یلقونها بلفافۃ صغیرۃ و یصلون بغیر عمامۃ۔ فمکروہۃ غایۃ الکراہۃ انتہی  
و اللہ الموفق فتاویٰ سعدی۔ ص ۵

**تمتہ سوال۔** جناب عالی گزارش آنکہ مذکورہ جواب سوال مذکورہ کے لئے فتاویٰ سعدی میں  
مسطورہ بالا کے موافق ہے لیکن فتاویٰ رشیدیہ میں مذکور مسئلہ کی نسبت مولانا گنگوہی جازن فرماتے  
ہیں اس میں کیا بات ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جن کپڑوں سے باہر جانا انسان معیوب سمجھتا ہے اگر اسی  
سے وہ شخص نماز پڑھاوے اُس کے لئے کیا حکم ہے؟

یہاں سے اس کا یہ جواب لکھا گیا۔ دونوں فتووں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ کراہت  
اُس کیلئے ہو جو بلا عمامہ جامع میں نہ جاتا ہو۔ اور عدم کراہت اُس کے لئے جو جامع میں بلا عمامہ جاسکتا ہو  
اسی سے اخیر سوال کا جواب معلوم ہو گیا کہ مکروہ ہے۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۷)

**سوال (۳۱۰)** بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رسالہ الامامۃ بالعمامۃ کی تحریر سے ٹوپی رکھ کر  
نماز پڑھنا یا پڑھنا مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے اور کتاب نفع المقتی صفحہ ۸۸ سے مکروہ معلوم نہیں ہوتا ایسا  
ہی فتاویٰ اشرفیہ تتمہ جلد اول صفحہ ۷۷ جو جناب کا تصنیف کردہ ہے میں بھی مکروہ نہیں بتایا۔ مذکورہ ہر دو  
آول رسائل پیش خدمت کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب باصواب سے مشرف فرما دیں تاکہ تسلی ہو جاوے  
اور جناب اجر پاویں۔ ۹

**الجواب۔** میں نے پورا رسالہ پڑھا کسی دلیل سے کراہت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ بعض استدلال  
کا جواب مولانا عبدالحی صاحب کے کلام میں مصرح ہے اور بعض کا جواب ظاہر ہے میں ہر استدلال کا  
جواب کہاں تک لکھوں ایک رسالہ بن جاوے گا۔ آپ کو جو دلیل موجب مدعا معلوم ہوتی ہے اُس کو پوچھ  
لیجئے جس کا جواب مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر میں نہ ہواں سطور کے لکھنے کے بعد درختار میں یہ روایات  
مکروہات صلوٰۃ میں نظر پڑی و صلوٰۃ۔ حاسرا ای کا شفا دار سہ للتکاسل ولا باسج للتذلل

واما لاہانتھا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتها افضل الخ فی رد المحتار عن الدرر عن  
التا تاریخانیہ والظاہران افضلیۃ اعادتها حیث لم یقصد بترکھا التذلل علی  
مامر جراحۃ ۱- اس سے کئی امر مستفاد ہونے ایک یہ کہ بالکل برہنہ سر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں جب براہ  
تکاسل نہ ہو تو ٹوپی پر اکتفا کرنے کو جب کہ براہ تکاسل نہ ہو محض برہیل عادت ہو کیسے مکروہ ہوگا البتہ اگر کوئی  
شخص صرف ٹوپی سے اسواق و مجمع احباب میں نہ جاتا ہو تو اس کے لئے صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا نماز میں  
مکروہ ہوگا جس میں افراد اور اقتدار اور امامت سب برابر ہیں امام کی تخصیص نہیں کیونکہ ایسے شخص کے  
لئے صرف ٹوپی ثیاب بذلوہ منہ سے ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر عمامہ کی وسعت نہ ہو تو پھر ایسے  
شخص کے لئے مکروہ نہیں۔ دوسرا امر اس سے یہ مستفاد ہوا کہ ٹوپی کے گر جانے پر اعادہ افضل ہے لیکن  
اگر قصہ تذلل ہو تو اعادہ نہ کرنا افضل ہے۔ یہ جزئیہ اس شخص کے حق میں ہو سکتا ہے جو صرف قلنسوہ  
یعنی کلاہ سے نماز پڑھ رہا تھا پھر اس جزئیہ کو ذکر کر کے اس کے ساتھ یہ نہ کہنا الا ان یکوہ بقاعدہ  
والسکوت عن البیان فی موضع الضرر حق۔ بیان دلیل واضح ہے عدم کراہتہ کی۔ ۱۱ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال (۳۱۱) حضرت اب تک میں اس امر کی تعمیل نہ کر سکا کہ مسجد جا کر  
قلبت رعب از قلوب رعایا۔ نماز پڑھوں یہیں جماعت سے بدستور نماز پڑھ رہا ہوں مسجد تھانہ سے  
کوئی قریب متوقفم کے یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے راستہ میں جو لوگ رہتے ہیں اُن کو میرے آنے جانے  
کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے بار بار کھڑے ہوتے ہیں منع کرتا ہوں نہیں ملتے دن میں جبکہ پانچ مرتبہ جاؤں  
تو غالباً وہ بالکل بے حجاب ہو جائیں گے اس سے عہدہ کا جواز درعرب رعایا پر ہے وہ کم ہو جائیگا اس سے  
کام میں خرابی ہوگی اگرچہ خود اپنی عظیم یا بڑائی قطعی مقصود نہیں ہے صرف یہی خیال کہ عہدہ کا دقتا جائے گا  
اور اس عہدہ کا جب تک رعایا پر اثر نہ ہو انتظام و کام ٹھیک نہیں ہوتا اس وجہ سے مسجد نہیں جاتا ہوں  
آئندہ جو حکم ہو۔ اب تو صرف جمعہ کے روز اور آجکل روزانہ تراویح کو جاتا ہوں؟

الجواب۔ آپ جیسے سلیم الغم والشمند سے ایسا خیال عجیب ہے اول تو یہ محض توہم ہے جو تجربہ  
دشاہرہ کے خلاف ہے۔ بلکہ اس سے وقار بڑھ جاتا ہے۔ اول تو دینداری کی یہ خاصیت ہے خاص کر جب  
ممتاز شخص میں دینداری ہوزبانوں پر اسکی مدح اور قلوب میں اسکی عظمت ہوتی ہے پہلے تو ہیبت مع  
الوحشت والنفرت تھی پھر ہیبت مع الانس والحبۃ ہو جاتی ہے پھر اس کی ایک لم بھی ہے جو حدیث  
میں وارد ہے من ھاب اللہ ھابہ کل شی ان سب کے علاوہ اگر کسی مقام پر عوام اس خیال  
کے ہوں کہ ڈارھی منڈلنے سے زیادہ مرعوب ہو جاتے ہوں بنسبت ڈارھی رکھنے کے یا کفار کے

لباس سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت اسلامی لباس کے یا اس سے بڑھ کر عیسائی ہونے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت مسلمان ہونے کے تو کیا اس مصلحت کی رعایت اس حد تک وسیع ہو سکے گی۔ ۱۳/ رمضان ۱۳۴۶ھ (تمتہ خاصہ صفحہ ۵۹۰)

امام خطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام۔ سوال (۳۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذانِ اول کے بعد اتنا وقف کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں یعنی تقریباً نو سو منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے۔ جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرائی تھی۔ مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقرر پر خطبہ شروع کر نیکیے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا۔ جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنز یہ جملے غیر ذاتی جذبات نفسانہ کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذانِ ثانی ہو کر ممدوح نے خطبہ عربی پڑھا۔ متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دودھ کچھ خیال نہ ہوا۔ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہوا ہے کہ ایسا نہ ہو رفتہ رفتہ آئندہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کریں اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغ جمعہ کھانا کھاتی ہے۔ اسلئے بنا بر تاخیر طوالت اذان کو اور بھی زیادہ گرائی ہونے لگی۔ طوالت خطبہ کی بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرماویں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں و اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذانِ اول کے بعد قذمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد موصوف کے نمازیوں میں تقریر اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا اس لئے کہ گرائی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اسکی بھی اطلاع دیدی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کو بعد نمازِ عشاء کہ جس میں بھی صد ہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں حاور متولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحب کی خواہش ہوگی توں کو بعد

فراغ جمعہ بیان کرنے کا موقع دیدیا جائیگا اس سورت میں بہت پہلے سے آیہ ہوائے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑیگا۔ برخلاف ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیاں ادا سے جمع خواہ مخواہ مجبوراً رکنا پڑتا ہے پس ارشاد ہو کہ صورتِ سنوہ میں تنویان مسجد کا امام بر صوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں فقط بیوا تو جروا ؟

**الجواب ومنه الصدق والصواب**۔ سوال میں امام جمعہ کی چند کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سب کی سب احکام شریعت کے خلاف ہیں وہ احکام ان روایات میں ہیں۔

**الاولی**۔ عن عمار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ن طول صلوة الرجل وقصر خطبة مؤننه من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصر الخطبة الخ <sup>يعني</sup> روله مسلم (باب الخطبة والصلوة) قلت معنی قوله عليه السلام طول صلوة الرجل بالاضافة الى الخطبة فان الطول الثقيل قد نهى عنه كما سيأتي عن عمر بن الخطاب

**الثانية**۔ في الدار المختار باب الجمعة وليس خطبتان خفيفتان وذكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل في رد المحتار عن القهستاني في زيادة التطويل مكره وهت اه قلت والتقدير يسوئ من الطوال يرا د بـ التطويل لغير الثقيل كما في الدار المختار باب التراخي عن المجتبى عن الامام بن قرة ثلاثا فاقصلا وايت طويلة في

نقض فقد احسن ولو بسئ فما ظنك بالتراخي اه وبالحكمة رعاية الخفيف واجتنب على حال

**الثالثة**۔ عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى احدكم للناس فليخفف فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء متفق عليه عن قيس بن ابى حازم في حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان منكم منفر من الحديث متفق عليه (باب ما على الامام)

**الرابعة**۔ في الدار المختار باب الامامة ويكره تحريم تطويل الصلوة على القوم زاعل اعلى قد راسنته في قراءة واذا كان الخ قلت النظر ما قد سبق تحت الرواية الثانية وفي الدار المختار فصل الامامة في مقدار القراءة المستنوت واختا في البدائع عدم التقدير وان يختلف بالوقت والقوم والامام وفي رد المحتار عن البدائع والجملة فيه ان ينبغي للامام ان يقرأ مقدرا ما يخفف على القوم ولا يثقل عليهم بعد ان يكون على التمام وهكذا في الخلاصة اه



**الخامسة** - عن النعمان بن بشير في حديث طويل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فعن اتقى الشبهات استبراء لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يدعى حول الحمى يوشك ان يدرتم فيه الحديث متفق عليه۔

**السادسة** - في الدر المختار فصل في القراءة وكيفية التعيين كالسجدة هل اتى بفهر كل جمعة بل يندب قراءتهما احيانا في رد المحتار تحت قوله بل يندب بعد كلام طويل حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجب الكراهة في المداومة وهو ان ان راي ذلك حتما يكره من حيث تغيير الشرع والا يكره من حيث ايهام الجاهل الخ۔

**السابعة** - في الدر المختار باب سجود التلاوة وسجدة الشكر مستحبة به يفتى لكنها تنكح بعد القبلة لان الجهلة يعتقدونها سنة او واجبة فكل مباح يؤدي اليه فمكره اه في رد المحتار تحت قوله فمكره الظاهر انها تقوى لان يدخل في الدين ما ليس منه والا حاديث كلها من المشكوك ان رواها حديثه وفقهه سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

علا خطبہ کا نماز سے زیادہ طویل کرنا خلاف سنت ہے اور خلاف سنت پر دوام کرنا کراہت کو شدید کر دیتا ہے۔ ۲۱ امام کو ایسا فعل کرنا جس سے جماعت کو تنگی و گرائی ہو سخت مذموم ہے۔ ۲۲ کوئی ایسا کام کرنا کہ فی نفسہ مباح ہو مگر بظن غالب وہ مخفی ہو جاوے کسی منکر شرعی کی طعن سخت قبیح ہے۔ جب امام کے افعال کا ان احکام کے خلاف ہونا ثابت ہو گیا اور صاحب قدرت کو بالعمل روکنا واجب ہے جیسا نصوص میں تصریح ہے اور متولیان مسجد صاحب قدرت ہیں لہذا ان پر واجب ہے کہ ان منکرات کا انسداد کریں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ شرف علی بن ابی حمزہ ۳۵۶ھ (انور شہان ۵۵ ص ۵۷) ننگرے کی امامت کا حکم | سوال (۲۱۳) ننگرے کی امامت جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب** - اگر پانوں سیدہانہ کھڑا ہوتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا فی رد المحتار یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۲۳)

**سوال** (۲۱۴) ایک شخص حافظ قرآن بھی ہیں اور علم بھی ہر قدر رکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں ان کی برابر کوئی نہیں۔ اور سن رسیدہ اور صاحب تقویٰ بھی ہیں مگر گھٹنے میں درد کے سبب شہد پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت اگر وہ ہو کر بیٹھتے ہیں اس طرح کہ غفلت

ان ساقوں سے الگ رہتی ہیں مگر دونوں ہاتھ بدستور رانوں پر رکھتے ہیں اور باقی رکنوں و واجبات و سنن و مستحبات کو بدستور ادا کرتے ہیں اس شخص کی امامت باوجود مقتدیوں میں تندرست و غیر حافظ قرآن لوگ موجود رہتے ہوئے درست ہے یا نہیں یا مکروہ ہوگی اور اگر مکروہ ہو تو کونسی مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور اگر مکروہ بھی ہو تو ترک اولیٰ ہے یا نہیں اور مقتدیوں میں جو حافظ لوگ موجود ہیں ان میں کوئی بھی شخص مذکور کے علم و فضل میں برابر نہیں ہے اور سن میں بھی کم ہیں بعض جتنے ہیں بعض زیادہ خود ہیں؟

**الجواب** - اس شخص کی امامت بلا کراہت درست ہے۔ فی الدر المختار وقائمه باحدب

القولہ وکذا باعوجہ وغیرہ اولیٰ باب الامامة - ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴)

**سوال** (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع جو امامت قاعدہ کے برقیام قادر نباشد مع استحباب ترک امامت آل متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک روز مسجد میں تھا اور وقت غروب کا ہو گیا اذان ہو رہی تھی کہ حافظ صاحب بھی آگئے مگر استنجار اور وضو کرتے ہوئے ان کو دیر بہت ہو گئی مسجد کے ملانے مجھے نماز پڑھانے کو کہا پہلے تو میں نے عذر کیا پھر وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے کو بھیج دیا تب کبیر ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ نماز اس کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ دوسرا حافظ تندرست موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کتب میں کو بے پڑھے آدمی تنگ کرتے ہیں نماز پڑھانے کو اجازت ہو کہ نماز پڑھانی پڑتی ہے۔ اب امیدوار ہوں کہ جائز ہو تب بھی ناجائز ہو تب بھی انجذاب کے دستخط درکار ہیں کیونکہ سب کھٹکا جاتا ہے۔

**الجواب** - فی الدر المختار وقائمه بقاعدہ یرکم ولیسجد وقائمه باحدب وان بلغ حدہ - الرکوع علی المعتمد وکذا باعوجہ وغیرہ اولیٰ اھ باب الامامة - اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمہاری امامت جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جب تک دوسرا اچھا امام میسر ہو جب تک نہ پڑھاؤ۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ۔ (تمتہ ثانیہ ص ۹۵)

**سوال** (۳۱۶) ایسا رک کا بالغ جو پابند جماعت نماز نہیں یعنی رک کے کو مارنے کا حکم کبھی تو شریک ہوتا ہے اور کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے اس کی تاکید پابندی میں مارنا شرعاً کیسا ہو گا شبہ یوں ہو گا ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی اختاد ایسا الامورین مالہو لیکن اثماً ۹

**الجواب** - اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوتے تو ناضر بوجہ علی الصلوٰۃ وھما بناء

۵ یہ سائل مندور ہے کھڑا نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ

عشر سنین نہ فرماتے اور جماعت بھی واجب ہے جو عللاً مساوی فرض کے ہے اور ضرباً حکام  
علیہ سے ہے۔ فقط۔ ۴ رزی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولی ص ۲۲)

تعدیہ کراہت صلوٰۃ امام مقتدی | سوال (۳۱۷) امام کی اگر نماز مکروہ ہوگی تو مقتدی اُس کراہت  
سے بچیں گے یا نہیں؟

الجواب۔ اس باب میں کوئی روایت نہیں ملی لیکن قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر  
کراہت کسی فعل داخل فی الصلوٰۃ سے ہے مثلاً ترک واجب یا فعل زائد تب تو وہ کراہت صلوٰۃ  
مقتدی تک متعدی ہوگی کیونکہ اس صورت میں اُس کی نماز ہی مکروہ ہوئی و صلوٰۃ محتضنہ  
لصلوٰۃ المقتدی اور اگر کسی امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے جیسے کسی ہیئت غیر مشرفہ سے  
تو وہ متعدی نہ ہوگی کیونکہ اس وقت نماز مکروہ نہیں ہوئی ایک جدا گانہ فعل مکروہ ہے گویا ایسے  
شخص کا امام بنانا مکروہ ہو۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۴)

حکم امامت معذور بوقت انقطاع عذر۔ | سوال (۳۱۸) معذور شرعی کو باوجود شرط معذوریت  
بوقت افتاد اس قدر کہ نماز ادا کر سکتا ہے امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدار المختار باب الامامۃ ولا طاهر بعد در هذا ان قادن  
الوضوء الحادث او طرأ بعد الاوصاف ووضواً وصلى كذا لك اهـ۔ اس سے ثابت ہوا کہ  
صورت مسئلہ میں امامت جائز ہے۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ۔ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸)

حکم اقتداء مر امام را چون امام قبل از تمام | سوال (۳۱۹) اگر مسبوق تعدی اولی میں شریک  
موتم تشہد قیام کند یا سلام دہد ہو اور جیسے وہ شریک ہو ویسے ہی امام تیسری رکعت کے  
لئے اٹھ بیٹھے تو مسبوق کو بھی امام کی متابعت کرنا چاہیئے یا نہیں اور اگر مسبوق نے التحیات  
شروع کر دی تھی تو التحیات کو ختم کر کے اٹھے یا فوراً امام کے ساتھ اٹھ بیٹھے؟

الجواب۔ تشہد ختم کر کے اٹھے۔ فی الدار المختار فصل صفة الصلوٰۃ بخلاف  
سلامہ او قیامہ لثالثۃ قبل اتمام الموت والشہد فان لا یتابعہ بل یتبعہ۔

لوجوب فی رد المختار و شمل الاملا قمالو اقتدی بہ فی اثناء التشہد الاول  
او الاخیفین قعد قام امامہ او سلحالی قولہ ثورایتہ فی الاخیفۃ ناقلہ  
عن ابی الیث الخ ج ۱ ص ۵۱۔ ۶ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۱۵)

حکم سلام مقتدی قبل سلام امام | سوال (۳۲۰) مقتدی آخری قعدہ میں آدمی التحیات

کے بعد اور امام کے سلام پھیرنے کے پہلے وضو جانے کے خوف سے یا اس کے درمیان میں مرغون کے غلہ کو کھایا یا کسی اور چیز کا نقصان ہوا امام کے پہلے سلام پھیرنے سے نماز صحیح اور درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب** - تعدہ اخیرہ بقدر تشہد کے فرض ہے جب اس نے آدمی التحیات پر سلام پھیر دیا بوجہ ترک فرض کے نماز فاسد ہوگئی اور اگر پوری التحیات کے بعد مگر قبل امام سلام پھیر دیا تو فرض نماز تو ادا ہوگئی لیکن بلا عذر ایسا کیا تو مکروہ کا ارتکاب کیا بوجہ ترک متابعت واجبہ کے اور اگر بجز ایسا کیا تو کراہتہ بھی نہیں اور خوف حدث غریبہ اور نقصان چیز کا اس باب میں عندہ ہونا مصرح نہیں دیکھا۔ فی رد المحتار لواعلام المؤمنین والتمسک بان الشریع فیہ و فرغ منہ قبل اتمام امامہ فاتی ہما یخرجہ من الصلاۃ کسلا م او کلاما و اقیام حازای صحت صلاۃ لحصولہ بعد تمام الادکان الی قولہ وانما کثر للمؤمن ذلک لتركه متابعة الامام بلا عذر فلو به کخوف حدث او خروج وقت جمعة او مرور ما ربین یدیه فلا کراہت ج اص ۵۰ ۱۰ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۷)

**حکم اقتدار بہ احد باب سوال (۳۲۱)** کو زہشت امام کے پیچھے نماز درست یا نہیں؟

**الجواب** - جائز ہے۔ لما فی الکنز وقائم بقاعد و باحد باب و بسط القول فیہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸۸ و ص ۳۸۹ - ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۵)

**حکم امامت ولد الزنا سوال (۳۲۲)** امامت ولد الزنا طوائف زادہ کی عند الشریعہ کہ عالم باشد

بلاکراہت جائز ہے یا نہیں شخص سؤل عنہ تائب ہو کر علوم دینیہ سے فارغ ہوا ہے لیکن اہل شہر اُس سے بوجہ علم اس بات کے کہ وہ طوائف زادہ ہے اور ایک عرصہ تک اُس نے اُسی شہر میں مزا میر وغیرہ ہمراہ طوائف کیلئے اُس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں اور نہ اُس کو اپنا امام بناتے ہیں تاہم ایسی حالت میں عبارت مذکورہ ہدایہ تنفیر جماعت عند الشریعہ موجود سمجھی جاوے گی یا نہیں یا عوام الناس کی تنفیر جو کہ اُس کی اصلیت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں قابل اعتبار نہ ہو کر بلاکراہت امامت ہو سکتی ہے یا نہیں اور بوقت موجودگی ایک شریف النسب کے (جو ضرور دین مسائل دینیہ سے پورا واقف ہو) افضلیت تقدیم کس کو ہے آیا ولد الزنا کی جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں تقدیم افضل ہے یا اُس شخص شریف النسب کی جس سے لوگ خوشش ہیں؟

**الجواب** - فی الدر المختار و دیگرہ امامتہ عبد الی قولہ الا ان یكون اغیرا لفا

اعلم القوم فهو اولیٰ فی رد المختار قوله ای غیر الفاسق تبع فی ذلك صاحب البحر حیث قال  
 قید کراهته امامته الاعمی فی المحيط وغیرہ بان لا یتكون افضل القوم فان کان افضلهم  
 فهو اولیٰ اھم شعور کسانہ۔ ینبغی جریان هذا القید فی العبد والاعرابی وولد النراء  
 ونازعه فی النھر بان۔ فی الھدایۃ علی الکراہۃ بغلبۃ الجھل فیھو بان فی  
 تقدیمھم تنفییر الجماعة ومقتضی الثانیۃ ثبوت الکراہۃ مع انتفاء الجھل وفیہ  
 بعد السطر لکن ما بحثہ فی البحر صرح بہ فی الاختیار حیث قال ولو عدمت ای  
 علت الکراہۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر ولد النراء  
 من ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحكم بالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی  
 وشرح درر البحار ولعل وجهہ۔ ان تنفییر الجماعة بتقدیمہ ینزل اذا کان افضل  
 من غیرہ بل التنفییر یتكون فی تقدیم غیرہ الخ (ج ۵ ص ۵۵۷) اس عبارت سے مفہوم  
 ہوا کہ جہاں ولد الزنا کی امامت سے جماعت کو نفرت نہ ہو در صورت اُس کے افضل ہونیکے  
 وہ احق بالامامت ہے اور جہاں باوجود اُس کے افضل ہونے کے بھی نفرت رہے تو علت کراہت  
 یعنی نفرت کے بقا کے سبب اُسکی امامت مکروہ ہے۔ حیث علی کون الحكم بالضد بذوالتنفییر  
 حیث لہ نزل التنفییر لا یتكون الحكم بالضد بل يحكم بالاصل ای الکراہۃ پس صورت  
 مسئلہ میں تقدیم شریف النسب کی افضل ہوگی۔ ۶ / رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیۃ ص ۶۸)  
 کراہت طویل کردن سوال (۳۲۳) ایک امام رکوع وسجود میں اس قدر دیر لگاتا ہے کہ  
 امام صلوٰۃ را۔ مقتدی ۱۳ سے ۶۷ تک تسبیح رکوع وسجود پڑھ لیتے ہیں اور شہد میں نقلہ  
 تاخیر کرتا ہے کہ مقتدی التیمات و درود وغیرہ سے فارغ ہو کر اس سے زیادہ بہت دیر تک خاموش  
 بیٹھے رہتے ہیں مقتدی بیوپاری اور پیشہ ور لوگ ہیں اس لئے تاخیر مقتدیوں پر گراں اور شاق  
 گزرتی ہے اور جب امام صاحب کو کہا جاتا ہے تو جواب اُس کا یہ دیا جاتا ہے کہ نماز خشوع اور خضوع  
 سے ہونی چاہیئے۔ آیا یہ نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ فی الدر المختار وکیرۃ تحویما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائد علی  
 قدر السنۃ فی قرأۃ واذکار رضی القوم اولاً لا طلاق الا مر بالتخفیف (نہر) و فی  
 رد المختار وقد تبع الشارح فی ذلك صاحب البحر واعترضہ الشیخ اسمعیل بان  
 تعلیل الامر بما ذکر یفید عدم الکراہۃ اذ رضی القوم ای اذا کانوا محضون

و یمکن حمل کلام البحر علی غیر المخصوصین تامل (ج ۱ ص ۵۵) اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں امام کی تطویل کردہ تحریری ہے اور خشوع و خضوع تطویل کو نہیں کہتے بلکہ اس تطویل سے تو مقتدیوں کا خشوع و خضوع فوت ہو جاتا ہے۔ ۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۵۸) تحقیق عند بودن خوف ضیاع مال

**سوال (۳۲۴)** بندہ نے تجارت چرم شروع کی ہے مگر بندہ کو اس کا علم نہیں اس وجہ سے ایک دوسرا شخص جو در ترک جماعت اچھا نا

اُس کام سے خوب واقف ہے بغیر اصل مال کے محنت کا شریک کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت نماز جماعت ادا نہیں ہو سکتی اس واسطے اگر بندہ نماز کے واسطے مسجد میں گیا اور بعد میں اُس نے کچھ مال فروخت کر دیا اور قیمت کے دام اپنے پاس رکھ لئے اور بندہ کو نہ کہا اس عذر سے جماعت ترک کرنا اور اس قسم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں چونکہ ہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ اگر عذر سے جماعت میں شامل نہ ہو تو جائز ہے اور یہ بظاہر ہمارے خیال میں ایک طرح کا عذر ہے لہذا حضور سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جس کام سے کسی وقت کی جماعت اکثر فوت ہو تو وہ کام کرنا کیسا ہے۔ بینوا اقوجوا۔ ۹

**الجواب۔** فی الدر المختار فی اعداد ترک الجماعۃ او خوف علی مالہ فی رد المحتار اصح من نقص و نحوه اذ العیون غلق الدکان او البیت مثلاً ج ۱ ص ۵۵ و فی العالمگیریۃ او یخاف ضیاع مالہ ج ۱ ص ۵۵۔ ان روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر اس کی عادت نہ کرے جب کوئی انتظام نہ کر سکے اُس وقت معذور ہو سکتا ہے ورنہ اگر ممکن ہو دکان بند کر کے جماعت میں حاضر ہو۔ یکم محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۵۸)

**سوال (۳۲۵)** ایک شخص قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر احوط بودن شرکت بازاعلاہ برائے مقتدی صحیح خوال خلف امام غلط خوان بخوئی عذر دہی

بوجہ ناسور (جو ہر وقت جاری رہتا ہے) و عدم ت رت علی القیام والجلوس موافق سنت امامت نہیں کر سکتا اور سب اُس کے دیر کے پہنے والے بقدر جواز۔ صلوة قرآن نہیں پڑھ سکتے اب وہ کیا کرے اُن کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتا ہے تو اُس کی نماز نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکتا اس کو تقاعد عن الجماعۃ جائز ہے یا ناجائز؟

**الجواب۔** چونکہ عموم ابتلا کے سبب بعض علماء ایسی اقتدار کو صحیح بتلاتے ہیں پس بنا بر احتمال صحت تخلف عن الجماعۃ محل وعید ہے اور بعض غیر صحیح بتلاتے ہیں اس بنا پر عدم صحت صلوة محل وعید ہے پس جمعا بین الادلۃ احتیاط یہ ہے کہ جماعت سے تقاعد نہ کرے اور بعد میں اپنی

نماز کا اعادہ کر لے۔ ۶۔ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (تمتہ رابعہ ص ۷۱)

سوال (۳۲۶) بکرا یک مسجد کا امام ہے اور حافظ قرآن بھی ہے مگر قرآن بہت غلط پڑھتا ہے بعض الفاظ ایسے لپیٹ کے پڑھتا ہے کہ اگر کسی کو پہلے سے وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو سمجھ میں نہ آئیں اس کے علاوہ بعض جگہ زبر کو ایسا پڑھا دیتا ہے کہ الف پیدا ہو جاتا ہے مثلاً نغفروا کو فحافروا اور قد اطلع کو قد افلح وغیرہ پڑھ جاتا ہے بعض جگہ ساکن کو متحرک پڑھتا ہے مثلاً ابدنا الصراط المستقیم کو ابدنا بکسر ہا بعض جگہ متحرک کو ساکن پڑھ دیتا ہے مثلاً اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ کو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ بسکون عین پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا درمیان میں وقف کر دیتا ہے اور وقف کے وقت آخر لفظ کو ساکن نہیں پڑھتا بلکہ ہمیشہ متحرک پڑھتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے جس لفظ پر وقف کیا ہے اُس کو دوبارہ نہیں پڑھ لیتا۔ ایسے حافظ قرآن کے نیچے نماز پڑھنا کیسا ہے اگر اس کے نیچے نماز کر وہ یا ناجائز ہو مگر لوگ اُس کو امام بنائیں تو اس شخص کو کیا ترک جماعت کرنا چاہیے جو اس قسم کی سب غلطیوں سے بچتا ہو؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضیخان۔ اما الخطا فی الاعراب اذ المر یغیر المعنی لا یفسد الصلوة عند الكل وان غیر المعنی یغیر، واحشا فسدت صلوتہ فی قول المتقدمین واختلف المتأخرون، فی ذلک وما قاله المتقدمون احوط وما قاله المتأخرون اوسع انتهى مختصراً فیہا ایضاً واما ترک المدا ان لم یغیر المعنی كما فی قوله انا انزلناه انا اعطيناه لا یفسد صلوتہ۔ اھ۔ قلت وکذا المد فیما لیس فیہ کما هو ظاهر۔ پس جو غلطیاں سوال میں مذکور ہیں جو نہ غیر معنی نہیں اس لئے نماز ہو جاوے گی جو شخص ایسی غلطیوں سے محفوظ ہے اُس کو ترک جماعت نہ چاہیے۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (امداد ص ۱۱ ج ۱)

معنی تراص والازاق | سوال (۳۲۷) آجکل یہاں غیر مقلدی کا بہت زور و شور ہو رہا ہے حتیٰ کہ نماز میں کہا جاتا ہے کہ ایڑی سے ایڑی اور چھنگلیاں سے چھنگلیاں ملا کر کھڑے ہوا کرو اور بہت لوگ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ؟

الجواب۔ فی مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضوا صفو فکم وقاربوا بینہما وحازوا بالاعناق الحدیث رواہ البوداد ودعن ابی امامۃ فی حدیث طویل قال قال رسول

سوال (۳۲۸) یہاں ایک مولوی صاحب جو اپنا شمار اہل حدیث میں کرتے ہیں لیکن ایک بزرگ و سنجیدہ آدمی ہیں آجکل تشریف لائے ہیں نماز جماعت مسجد میں وہی پڑھاتے ہیں انہوں نے صفت بندی میں الزاق الکعب بالکعب کو بہت رواج دیا ہے ہر شخص جماعت میں پیر کو اپنے پاس والے کے پیر سے چپاں کرتا ہے اس میں چند فتور ہوتے ہیں اول درمیان دونوں پیر ایک آدمی کے فصل زیادہ ہو جاتا ہے دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہے اور صف سے پیچھے معلوم ہوتا ہے یعنی اس کا مونڈھا مونڈھے سے نہیں ملتا تیسرے جب سجدہ میں جاتے ہیں تو سب کے پیر اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہو کر ان کو دونوں طرف بڑھا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اس التفات و حرکت غیر مامور بہا کو مکروہ خیال کیے اپنے طریق پر قائم رہا اور ہوں۔ بعض حضرات نے مجھ سے کہا تو میں نے جواب دیدیا کہ میرے فعل سے آپ کو کیا بحث لیکن ایک روز مولوی صاحب ممدوح نے اس پر مجھے ملامت کی اور کہا تم تارک سنت موکدہ ہو میں نے کہا کہ اس کا سنت ہونا غیر ثابت ہے پس آپ مجھ پر افتراء کرتے ہیں یہ آپ کو مناسب نہیں۔ انہوں نے ثبوت میں روایت نعمان بن بشیرؓ کی جس کا جزویہ ہے روایت الرجل منا یلحق منکبہ بمنکب صاحبہ وکعبہ بکعبہ اور روایت حضرت انسؓ کی فکان احدا نا یلحق منکبہ بمنکب صاحبہ وقد امه بقدمہ فی الصف رواہ البخاری۔ پیش کی میں نے کہا حدیث اول سے مواظبت نہیں نکلتی اور حدیث ثانی سے الزاق الکعب کا استدلال صحیح نہیں بہت ناراض ہوئے پھر کہا ابھیجا کہ اپنے شہادت تحریر پیش کر دیں آپ کا اطمینان کر دوں گا۔ میں نے ایک جزویں تقریر لکھ کر بھیج دی جواب آج تک نہیں آیا اس شہد میں تمام لوگ بجز الزاق الکعب کے تارک ہو گئے۔ اب آپ سے عرض ہو کہ اس بیان کو مفصلاً تحریر فرمائیے کہ میرا اور لوگوں کا اطمینان ہو جاوے گا؟

الجواب۔ اس باب میں مختلف الفاظ سے روایات آئی ہیں بخاری کے الفاظ تو



سوال ہی میں مذکور ہیں اور سنن ابو داؤد میں نعمان بن بشیرؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ قال فرأيت الرجل يلشق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں قاربوا بينكما وحاذوا بالاعناق اور عبد اللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں۔ حاذوا بالمنكباں اور یہ امر یقینی ہے کہ ان سب عبارات کا معبر عنہ ایک ہی ہے اسی کو کہیں الزاق سے تعبیر کر دیا کہیں مقاربت سے کہیں محاذاة سے اس سے معلوم ہوا کہ محاذاة و مقاربت ہی کو الزاق کہہ دیا ہے مبا لئاً فی المقاربة دوسرے اگر الزاق کے معنی حقیقی لئے جاوے تو الزاق المنکب اور الزاق الکعب اس صورت متعارف متبادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ مصلیٰ اپنے قدمین میں خوب الفراج رکھے کیونکہ اس میں الزاق الکعب تو ہو گا لیکن الزاق المنکب نہ ہو گا جیسا کہ ظاہر اور شاہد ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ الزاق الکعب کو مقصود سمجھا جاوے اور الزاق المنکب کی رعایت نہ کی جاوے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ الزاق المنکب اصل ہے اور الزاق الکعب غیر مقصود تیسرے الزاق الکعب کی جو صورت بھی لی جاوے الزاق الרכب کے ساتھ اُس کے تحقیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رکبہ بمعنی زانو کا الزاق دوسرے رکبہ سے جب ہو سکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متواجه ہوں جیسا کہ ظاہر ہے البتہ محاذاة رکب میں ہر حال میں ممکن ہے ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی بلکہ فرجات چھوڑنے کی ممانعت سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم۔

۹ شوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۴ ج ۴)

تحقیق صحت اقتداء در مسجد کبیر | سوال (۳۲۹) گزارش خدمت میں یہ ہے کہ ہشتی گوہر مطیع مجتہبیٰ باوجود فصل کشیر۔ صفحہ ۵۵ کے مسئلہ میں ہے کہ اگر مسجد بہت بڑی ہو اور اس میں طرح اگر گھر بہت بڑا یا جگہ بڑا اور امام و مقتدی کے درمیان اتنا خالی میدان ہو کہ جس میں دو صفیں ہو سکیں تو یہ دونوں مقام یعنی جہاں مقتدی کھڑا ہے۔ اور جہاں امام ہے مختلف سمجھے جائیں گے۔ اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں جو خانہ کعبہ کے متصل بود کی طرف امام کھڑا ہوتا ہے۔ دو ایک صف بھی اُن کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ اُن کی اقتداء تو صحیح ہو جاتی ہے۔ اور بہت سی صفیں بیس چپیس صف کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہیں۔ درمیان میں خالی جگہ پڑی رہتی ہے اُن کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے اب مقصود سوال یہ ہے کہ چند سال تک بندہ کا وہاں قیام رہا۔ اور نماز فاصلہ والی جماعت میں شرکت کر کے پڑھی ہے۔ اب اگر وہ

اقتدار صحیح نہ ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں۔ اگر درست نہ ہوئی تو کیا کرنا چاہیے۔ ڈھا کر کے بعض علماء سے دریافت کیا تھا تفسیفی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت جو فراویں اُس کو انشاء اللہ کام میں لائیں گے۔

**الجواب**۔ بہت بڑی مسجد کی مثال در مختار وغیرہ میں مسجد قدس لکھی ہے۔ سو مسجد حرام اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی اشکال نہیں اور در المختار میں نوازل سے جامع قدیم خواندم کو بھی مثال میں لائے ہیں۔ اداس کا وصف یہ لکھا ہے فان ربحہ کان علی اربعۃ آلاف اسطوانۃ۔ اور جامع قدس کی تفسیر میں لکھا ہے اعنی ما یشمل علی المساجد الثلاثۃ الارضیۃ والصحرة والبیضاء کذا فی البرازیۃ۔ اس پر بھی وہی تفریع ہے۔ واللہ اعلم۔ اور عالمگیریہ باب خاص فی الامتہ کے فصل رابع میں مسجد میں علی الاطلاق فصل کو غیر مانع عن الامتہ کہا ہے۔ گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔ عبارتھا والمسجد دان کبر لا ینح الفاصل فیہ۔ کذا فی الوجیز للکدوری۔ سو بہشتی گوہر کا مسئلہ ایک روایت پر محتاج تفصیل اور دوسری روایت پر غیر معمول بہ ہے۔ (نشر فعلی ۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ) (النور منہ) جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

حکم عباد صلوٰۃ خلف امام فاسق | سوال (۳۰) پیش امام جامع مسجد کہ ہزار ہا مخلوق در آنجا وعدم کراہت در حالت اضطراب | نمازی کنند مرد جاہل در بواخار وخیل و بے تقویٰ و متعلق و کاذب و حارس وغیرہ وغیرہ بہت در جماعت عالم و فاضل و زاہد و عابد و قاری و متقی داخل اند پس آن نماز ایشان چگونہ است اکثر قوم ناراض اند صرف از طرف حکومت بطریق وراثت آن پیش امامی مقرر شدہ است ہمہ مردمان از طرف حکومت مجبور اند شرعاً چہ باید کرد۔ ۹

**الجواب**۔ صبر باید کرد مخالفت با حکومت نازیباست و چوں مقتدیان بر عزل امام تادار نیستند پس اس ہمہ کراہت بر امام خواہد بود نماز مقتدیان بلا کراہت صحیح خواہد ماند و تادمی ۳۱۵

جواز تقدم مقتدی از خود | سوال (۳۱) دیدام نے نماز پڑھائی کسی رکعت میں اُس کو حدث وقت حدث امام در نماز | ہوا چونکہ اُس کی پشت کے پیچھے کوئی مقتدی نماز پڑھانے کے لائق نہ تھا اس لئے اُس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا جماعت کے داہنے ہائیں طرف امام سے دس یا پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا سب نمازیوں کے سامنے گوگرد کر امام کی جگہ آ کھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔ کیا اس صورت میں نماز سب کی صحیح ہوئی یا نہیں۔ فقط۔ ۹

**الجواب** - صحیح ہوگئی۔ فی الدرد المختار باب الاستحلاف ولم يتقدم احد ولو بنفسه في رد المحتار اشار الى ان يصير خليفة اذ اقدم الامام او احد القوم او تقدم بنفسه كما قد مناه عن النهر - نقط يلم جمادى الاول ۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱)

تفصیل حکم دعا کردن در سجده وغیرہ زبان | سوال (۳۳۳) ایک خط در بارہ دعا اندرون نماز ایک غیر عربی برائے غرض دینی و آخر دی۔ صاحب کے پاس ایک عالم کے یہاں سے آیا ہے جو ہر شے حریفہ ہذا ارسال خدمت کرتا ہوں چونکہ مجھ کو اس کے مضمون میں شک ہے لہذا مکلف خدمت عالی ہوں کہ سوالات ذیل کے جواب باصواب سے معزز فرمایا جاوے۔ ۱۔ فرض یا سنت نماز میں سجدہ یا کسی دوسرے رکن میں عربی یا کسی دوسری زبان میں کوئی دعا غیر منقول دنیا و آخرت کے لئے مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ ۲۔ دوران نماز میں مطلقاً کوئی دعا مفسد نماز ہے یا نہیں خاص کر سجدہ میں بعد تسبیح (اُس خط کی نقل یہ ہے) سجدہ میں دعا کرنے کے متعلق صاف حدیثیں ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ تسبیح کے علاوہ یہ ہیں اور تسبیح مقدم ہے مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود میں ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی سجودہ۔ اللہم اغفر لی ذنبی کلہ۔ ذق۔ وجہ۔ واولہ۔ وآخرہ۔ و علائیتہ۔ و سجدۃ دعا مسلما اور مسلم میں ہے (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یكون العبد من رب۔ وهو ساجد فاکثر الدعاء۔ یہاں سجدوں میں خصوصیت سے کثرت دعا کا حکم دیا ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں مگر یہ دو کافی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی ہے کہ دعا سجدہ میں علاوہ تسبیحات ماثورہ کے مانگتے تھے اور یہ حکم بھی ہے کہ دعا سجدہ میں بہت مانگا کر وجہ دعا کا حکم ہے تو جس زبان میں انسان چاہے مانگے ایک شخص عربی نہیں جانتا تو وہ اپنی زبان میں ہی دعا مانگا کہ اس حکم کو پورا کر سکتا ہے مسلمانوں کی نمازیں اسی لئے بے اثر ہو گئی ہیں کہ نماز میں اور بالخصوص سجدہ میں کثرت دعا سے کام نہیں لیتے آہ۔ ۹

**الجواب ومنه الصدق والصواب** - اولاً ثبوت ذیل معروض

ہیں۔ معان کے دلائل کے ۱۔ دعا کا اطلاق حمد پر بھی آیا ہے عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الذکر لا الہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ دعا الترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۔ ۲۔ اصل نماز فرض میں جماعت ہے واصل جماعت میں تخفیف ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم

للناس فليخفف فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء متفق عليه - مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۳ - ۳۷ تطويل صلوة وادعيه طويله بقرينه مقدمه على نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔ ویقیدہ ماروی عن محمد مسلمة قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام يصلي تطوعاً قال الله اكبر الى قوله اللهم انت الملاك الا اله الا انت سبحانك وبحمدك ثم يقرأ رواه النسائي مشكوة ج ۱ ص ۹۳ - ۳۷ اصل اور سنت سترہ رکوع اور سجود میں تسبیح ہے۔ عن حذيفة بن - عن صلی مع النبی صلی الله عليه وسلم وكان يقول في ركوعه سبحان ربی العظيم وفي سجوده سبحان ربی الا على الحدیث رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی والنسائی وابن ماجه ۳۷ ج ۱ مشکوٰۃ - ۵۷ اصل محل دعا کا نماز میں تعدہ کی حالت ہے بعد درود شریف کے عن فضالہ بن عبید قال بینا رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعداً اذ دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفر لی وادحی فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبت ایہا المصلی اذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو اهلہ وصل علی ثم ادع - قال ثم صلی رجل اخر بعد ذلك فحمد الله وصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم فقال له النبی صلی الله عليه وسلم ایہا المصلی ادع تجب رواه الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۳ - ان مقدمات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ کے سجدہ میں دعا کی عادت کرنا خلاف قواعد سنت ہے کئی وجہ سے۔ اول وہ موجب ہے تطویل صلوة کو جو فریضہ میں حالت جماعت میں ناپسند ہے اور ترک جماعت خود ناپسند ہے خصوص جبکہ دعا کے اس ادب کو بھی ملحوظ رکھا جاوے جس کا اہتمام وارد ہے کہ اس کے قبل درود شریف بھی ہو یہ سب ملکر تو بہت ہی تطویل ہو جاوے گی۔ دوسرے تغیر ہے محل دعا کی کہ حالت قعود کی ہے۔ تیسرے عدول ہے اصل وظیفہ سجدے کے اکتفاء ہے تسبیح پر جیسا ظاہر نصوص کا مقتضا ہے اور سنن مؤکدہ بہت احکام میں مشابہ فرض کے ہیں تو اس میں بھی احتیاطاً اس کی ساتھ لمحت ہی جاویں گی پس جن احادیث میں دعا فی السجود وارد ہے یا تو محمول ہے فعل احیاناً پورا اور یا نوافل پر اور بعض محمول ہو سکتی ہیں مطلق حمد و ثناء و تسبیح پر تاکہ نصوص و روایات اور ان کے مقتضیات و قواعد میں تعارض نہ ہو تو یہ گفتگو تھی مطلق دعا میں اب خصوصیت سے باقی رہی بحث دعا بغیر العربیہ فی الصلوة کی سو فقہاء نے اس سے مع نقل اثر کے تعرض کیا ہے چنانچہ در مختار میں ہے ودعا بالعبودیۃ وحرم بغیرہا نہں۔ رد المحتار میں

ہے قال فی غرر الافکار شرح درر البحار فی هذا المحل ذکر الدعاء بالجمیعة لان عمر بن  
نہی عن رطانة الاعاجم اھ الی قولہ ولا یبعد ان یكون الدعاء بالفارسیة  
مکروہا تحریمیا فی الصلوة وتذنیہا خارجہا حاج (ص ۵۴۰) اس روایت سے معلوم ہوا  
کہ نماز کے اندر غیر زبان عربی میں دعا کرنا یا حرام ہے یا مکروہ تحریمی اور حضرت عمرؓ کا اثر اسی پر محمول ہو  
اور نیز یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عجمی کو اس کی اجازت نہیں دی  
اور ہایہ کہ بے سمجھے دعائیں حضور نہ ہوگا سو ایسی مختصر دعاؤں کا جو کہ نماز میں اپنے محل پر پڑھی جاتی  
ہیں کسی سے پوچھ کر ترجمہ یا اس کا حاصل معلوم کر لینا اور اس کا استحصال کیا دشوار ہے ورنہ اسی  
غند سے شدہ شدہ بجائے قرآن مجید کے اس کا ترجمہ نماز میں پڑھنے کی رائے دی جانے لگے گی۔

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ (تمتہ راجعہ ص ۲۷)

عدم کراہت امامت در نماز فجر و ظہر | سوال (۳۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ  
عشاء بدون اداء سنن قبلتہ میں کہ وقت فجر و ظہر و عصر یا عشاء قبل فرض مقتدی سنتیں  
پڑھ چکے ہوں اور امام صاحب نے بے سبب کسی عذر یا بلا عذر نہ پڑھی ہو جماعت میں کوئی  
شبہ کراہت تو نہ ہوگا۔ ۹

الجواب - نہیں۔ ۱۹ رذی الحج ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳)

جامع مسجد کی | سوال (۳۳۴) (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے  
نفیلت یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے۔ (۲) اور فی نفیلت مختص بصلوة  
جمعہ ہے (۳) یا عام ہے۔

الجواب (۱) محلہ کی مسجد میں (۲) ہاں غیر اہل محلہ کے لئے (۳) ہاں اہل محلہ کے لئے۔  
فقط۔ ۴ رمضان ۱۳۳۳ھ۔

سوال (۳۳۵) ہمارے محلہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ پنج وقتہ ہر آدمی  
برائے ادائیگی نماز مسجد کو نماز کے واسطے بلایا جاوے اس کے لئے چودہ آدمی مقرر کر دیئے ہیں۔  
جس وقت اذان ہوئی اسی وقت وہ سب آدمی آواز میں محلہ میں لگاتے ہیں کہ چلو نماز پڑھو نماز  
تیار ہے مسجد میں اذان ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آدمیوں کو بلا تے ہوئے مسجد میں  
آجاتے ہیں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بدعت و مکروہ ہے۔

الجواب - مجھ کو بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۳۳۹ھ

سوال ۷۔ اور اگر بعد اذان کے مسجد ہی میں سے مؤذن یا اور آدمی نمازوں کو بلانے جاوے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو مکروہ وغیرہ تو نہیں ہے۔  
الجواب۔ وہی حکم ہے۔ تاریخ بالا۔

## باب بالفساد الصلوٰۃ وایکیر فیہا

سوال (۳۳۶) حکم تعنی القرآن | اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور ناگ ادا کرے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ اگر وہ پڑھنے والا محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ عن البراء بن عازب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن تزید القرآن حسنًا رواہ الدارقانی اور اگر حروف کو اس قدر گھٹاتا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ و معانی متغیر و غلط ہو جاویں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں ہوتی مقتدیوں کی تو اُس کے پیچھے کس طور ہوگی۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرؤ القرآن بلحون العرب واصواتہا وایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل الکتابین وسمیعی بعدی قوم یرجعون۔ بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لا یجاء ورجاء جرہم مفتونۃ قلوبہم وقلوب الذین یعجبہم شانہم۔ رواہ البیہقی فی شعب

الایمان وورزین فی کتاب ۱۲ من مشکوٰۃ فی کتاب فضائل القرآن۔ واللہ اعلم (املاہ)

سوال (۳۳۷) معنی کراہت قیام | محراب مسجد کے علاوہ مسجد میں محاذی محراب کھڑا امام در محراب ہو کر امام راتب کو جماعت کرانا جائز بلکہ کراہت ہے یا نہیں اور فقہاء کرام جو قیام غیر محراب کو مکروہ لکھتے ہیں اُس کے کیا معنی ہیں اور اگر جماعت کے لئے عذر شرعی ہو سکتی

یعنی جبکہ معنی میں بھی تفسیر و فساد ہو جاوے۔ اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جاویں اور معنی میں فساد ہو تو گو نماز ہو جاوے گی مگر کراہت شدید ہوگی ۱۲ منہ ۶

ہے یا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمیوں کے ایام میں صحن مسجد میں جماعت کرنا ثابت ہے یا نہیں بعض علماء میں یہم ہے کہ محراب مسجد میں کھڑے ہو کر جماعت کرنا ضروری جانتے ہیں خواہ کیسی ہی تکلیف ہو اور طبیعت باقاعدہ نماز کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو اس کی کوئی سند ہے یا نہیں۔  
**الجواب** - فی رد المحتار (تنبیہ) یفہم من قولہ والی ساریۃ کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب ویؤیدہ قولہ قبلہ السنۃ ان یقوم فی المحراب وکذا قولہ فی موضع اخر السنۃ ان یقوم فی المحراب وکذا قولہ وسط الصف الا تری ان المحارب ما نصبت الا وسط المساجد وہی قد عینت لمقام الامام الا و الظاہ ان ہذا فی الامام السراتب لجماعۃ کثیرۃ الا لئلا یلزم عدم قیام فی الوسط فلولہ یلزم ذلک (و یکسر تامل) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ محاذی محراب صحن میں کھڑا ہونا بلا کر اہت جائز ہے بلکہ عبارت اخیرہ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر محراب کے محاذ بھی نہ ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قول فقہاء میں محراب سے مراد وسط مساجد یا وسط صف ہے اب گرمی کا تبدل مکان کے لئے عذر ہونا محتاج استفسار نہ رہا اور اس باب میں کوئی حدیث فعلیہ مرفوعہ نظر سے نہیں گزری البتہ قولی حدیث غالباً ابوداؤد میں ہے تو سبھ الامام و سبھ والاخلال اس سے بھی تا مد علم مذکور ہوتی ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسجد میں بحالت سفر نماز پڑھنے سے استدلال کیا جاوے کہ وہاں محراب بھی نہ تھی تو گنجائش ہے اور اس تقریر سے ہم مذکور فی السؤال کا بے اہل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ (امداد صفحہ ۳۸۱)  
**سوال (۳۳۸)** مسجد کے در میں بوقت جماعت لوگوں کا کھڑا ہونا کیسا ہے اور جب محراب ایسی گہری ہو کہ امام بالکل اس میں چھپ جاوے تو امام کا ایسی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے۔؟

**جواب** شامی صفحہ ۶۷۷ باب الامامۃ میں مذکور ہے۔ تنبیہ فی معراج الدنایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی عن ابی حنیفہ انہ قال اگر الامام ان یقوم بین الساریتین اذ اذیۃ او حاجۃ المسجد والی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ اجماع فیہ ایضا السنۃ ان یقوم الامام اذ وسط الصف الا تری ان المحارب ما نصبت الا وسط المساجد وہی قد عینت لمقام الامام او فی التتار خانۃ ویکرہ ان یقوم فی غیر المحراب الا بقرۃ الخ و مقتضاه ان الامام لو ترک المحراب وقام فی غیرہ بیکرہ لکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الامۃ وہو ظاہر فی الامام الزاتب دون غیرہ فانتمم ہذا الفائدۃ فانہ وقع السؤال عنہ ولم یوجد نص فیہا آہ یہ عبارت عبارت منقولہ فی الجواب کے معارض ہے اس لئے جواب میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے ۱۲ (تصحیح الاغلاط صفحہ ۷۷)

**الجواب** - فی الدلائل المختار فی مکروہات الصلوٰۃ و قیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ و قد ماہ خارجہ لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الامام ان علن بالشبه وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ و فی رد المختار سواء کان المحراب من المسجد بکما هو العادۃ المستعمی اولاً کما فی البحر و فیہ عن الولوالجیۃ اذ الرضی عن المسجد بمن خلف الامام لا ینبغی لذلك لانه یشبه بتأثر المکانین و فیہ بعد صفی: حکم الحلوی

عن ابی اللیث لا ینکر قیام الامام فی الطاق عند الضرۃ بان ضاق المسجد علی القوم و فی رد المختار باب الامامۃ فی الکلام علی لصف الاول کذلک و یعلم منہ باولی ان مقصودہ دمشق القی فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی لیکون الصف الاول فیہا ما یلی الامام فی داخلہا و ما اتصل بمن طرفیہا خارجاً عنہا من اول الجدار الی اخرہ فلا ینقطع الصف ببنائہا کما لا ینقطع بالمنبر الذی ہو داخلہا فیما یظہر اذ ان رؤیت سے چند امور معلوم ہوئے اول امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کہ قدم بھی اندر ہیں کر وہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر ضرورت ہو تو کر وہ نہیں تیسرے یہ کہ انقطاع صف موجب کراہت ہے پس جماعت کا ندول کے اندر کھڑا ہونا موجب انقطاع صف ہے اس لئے کر وہ ہوگا۔ و بتأیید بعد یشرواۃ الترمذی عن عبد الحمید بن محمّد قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال نس بن مالک کنا نتقی هذا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن ضرورت میں یہ بھی جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ ۱۷ رذیقہ ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۶ ج ۱)

قیام امام در محراب | سوال (۳۳۹) مسجد کے دریں امام کو کھڑا ہونا کیسا ہے دلیل سے بیان فرمادیں؟

**الجواب** - فی الدلائل المختار مکروہات الصلوٰۃ و قیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ و قد ماہ خارجہ لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الامام الخ و فی رد المختار اقتصار علیہ فی الہدایۃ واختارہ الامام السرخسی وقال انه الاوجه الخرج اصح امام کا مسجد کے اندر دریں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر ہوں کر وہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ رذیقہ الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۱۱ ج ۱)

محراب میں نماز کا حکم | سوال (۳۴۰) محراب داخل مسجد ہے یا نہیں اگر فقط غراب ہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی جاوے صحیح ہوگی یا نہیں بہر صورت صورت صحت کیا ہے؟ فقط۔



الجواب - فی الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا و قیام الامام فی الخراب لا سجودہ فیہ وقد فاعا خارجۃ الخ اس سے ثابت ہوا کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے گو محراب داخل مسجد ہے۔ (تمتہ اولی ص ۱۵۱)

سوال (۳۴۱) بعد پڑھے جانے تین آیت کے نماز فرائض میں اگرچہ بعد سہ آیت باشد امام کو اگر لقمہ لگے اور مقتدی لقمہ دیدے تو نماز فاسد یا مکروہ تو نہیں ہوتی اور اگر فاسد ہوئی تو کس کی ہوئی اب مکر پڑھنی چاہیئے۔ ؟

الجواب - فوراً بتلادینا یا امام کو منتظر رہنا کہ مجھ کو کوئی بتلادے تو بہتر تو نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کر دے یا اگر بقدر کافی پڑھ چکا ہو تو رکوع کر دے لیکن پھر بھی اگر مقتدی نے بتلادیا اور امام نے لے لیا تو نماز میں کسی کی غلطی نہیں۔ فی الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ بخلاف فتح۔ علی امامہ فان۔ لا یفسد مطلقاً لفتح واخذ بكل حال فی رد المحتار قولہ بكل حال ای سواء قرأ الامام قدراً ما تجوز الصلوٰۃ ام لا انتقل الی آیتہ اخری ام لا تکرر الفتح ام لا ہوا الا صحیح نہر ثعلب قال بعد اسطر تئمہ یکرہ ان یفتل من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجم الیہ بل ینتقل الی آیتہ اخری لا یلزم من وصلہا مایفسد الصلوٰۃ او الی سورۃ اخری او یرکع اذا قرء قدراً الفرض کما جزم بہ الشریعی وغیرک و فی روایۃ قدراً المستحب کما جح۔ الکمال بان۔ الظاہر من الدلیل و اقرا فی البحر والنہر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵ شعبان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

سوال (۳۴۲) اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھ کر مجھول جائے مقتدی اُس کو لقمہ دے تو امام لے لے یا نہ لے مشورہ یہ ہے کہ اگر امام لقمہ لے لے تو نماز نہیں ہوتی پھر دوبارہ نماز پڑھنا ضرور ہے اگر امام نے لقمہ نہیں لیا تو بتلادنے والے کو پھر دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے میں نے کہا نماز ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب بولے کہ شافعی مذہب میں ہو جاتی ہوگی حنفی مذہب میں نہیں ہوتی کیا حنفی مذہب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔ ؟

الجواب - ہاں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔ فی عالمگیریۃ باب مفسدات الصلوٰۃ و مکروہاتہا۔ وان فتح علی امامہ لفتح فسد الی قولہ قالوا ہذا اذا رتجہ علیہ قبل ان یقر اُقر و ما یجوز بہ الصلوٰۃ و بعد ما

الجواب - في الدماء المتخارو التي خرج مجرمين بلا عذر اما به بان نشأ من صعب

حکم نافہ در نماز سوال (۳۴۴) گزارش یہ ہے جناب والا بہشتی زیور کی ایک جگہ میں ایک مسئلہ کم فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا ہے ہر بانی فرما کر اس کا مطلب تحریر فرمادیں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ تین میں مسئلہ نماز میں آہ یا ادہ یا آف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ اگر حجت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھرا یا اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی ۱۲۔ اس عبارت کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں اگر نماز میں آہ یا ادہ یا آف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے اور حجت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھرا یا اور زور سے روئے کی آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی اور آہ یا آف یا ہائے کہے تو بھی نماز جاتی رہتی ہے۔ میری یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط تحریر فرمادیں۔ ۹

الجواب - فی الدر المختار الانین والتاویہ والتانیف والباء بصورت یحصل  
 به حروف موجه او مصیبة قید الاربعۃ الالمریض لا یملک نفسہ عن انین وتاکلا  
 لانہ جینین کعطاس وسعال وجشاء وثاؤب وان حصل حروف للضمر رة  
 لا لذلک رجنۃ او نار فی رد المختار لا لذلک رجنۃ او نار لان الانین ونحوہ اذا کان  
 بذکرہما صار کانہ - قال اللہم انی اسئلك الجنة وان کان من وجع  
 او مصیبة - صار کانہ - یقول انا مصاب فعرونی کذا فی الکافی ام لمخصا ج ا  
 ص ۶۳ - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ کی یاد سے اگر آہ یا آف وغیرہ بھی منہ سے

نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس عبارت بہشتی زیور کی صاف نہیں ہے جہاں اُس میں یہ ہے کہ دوسرے آواز نکل پڑے وہاں یہ بھی بڑھانا چاہیے تھا کہ یا آہ وغیرہ نکل گیا۔ (ترجمہ خاس ص ۱۳)

حک بدن در نماز | سوال (۳۴۵) نماز میں کھجانا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدہ المختار ذکر کف - ای رفعہ - ولو للثواب مکشاً مکسراً و ذیل و عبثہ  
بہ ای بشوبہ و یجسدہ للنہی الا للیاجتہ فی ہر د۔ مختار قولہ لایاجتہ کحک بدن نہ نشئی کلمہ  
واصرہ و سلت عرق یصلہ و یشغل قلبہ و ہذا الوبدون عمل کثیر قال فی الفیض الحک  
بید و احقہ فی رکن ثلاث مرات یعفس الصلوٰۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ الا و فی  
الجوہر عن الفتاویٰ اختلافوا فی الحک هل الذہاب و السرج و مرۃ او الذہاب  
مرۃ و الرجوع اخری (جلد اول ص ۲۶۹ مکروہات) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے  
کھجانا جائز ہے جبکہ عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچ جاوے اور عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف مشہور ہے  
واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ رمضان ۱۳۲۸ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

دامن چیدن در نماز | سوال (۳۴۶) شمیر ذیل پانچ ماہ بجا طاعت دیدگی از تنگی یا

عموماً جائز ہے یا نہ؟

**الجواب** - غالباً سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ  
اکثر سجدہ میں جلتے ہوئے یا اُس سے کھڑے ہوتے ہوئے پانچ ماہ دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں یہ درست  
ہے یا نہیں پس اگر وہی مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے۔ البتہ  
اگر حاجت شدید ہو تو کراہت نہیں دلیلہ صاف فی الجواب عن السؤال السابق۔ اور اگر کچھ  
اور مطلب ہے تو بیان کرنے پر جواب ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

کراہتہ نماز دلباس تبذل مرد اجدا | سوال (۳۴۷) جو اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے  
پاس قمیص اور ازار اور عمامہ موجود ہو تو اُس کو صرف ازار یا صرف قمیص سے نماز پڑھنا مکروہ ہے  
یہ مسئلہ فقہ حنفی میں موجود ہے یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدہ المختار و صلات - فی ثیاب بذلہ بلبسہا فی بیتہ و مہلتہ ای  
خدمتہ ان لم غیرہا و الا لا و فسرہا فی رد المختار عن شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی  
بیتہ - ولا یدھب بہ - ای الا کا بد و النظاہ - ان الکراہتہ - تنزیہیہ - اس روایت سے  
معلوم ہوا کہ جیسے لباس سے اہل وجاہت لوگوں کے پاس کوئی جاسکتا ہے اُس سے نماز

پڑھنا مکروہ نہیں اور اس کم حیثیت میں کراہت ہے لیکن تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم۔  
۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

دلیل کراہت استعانت بالربک | سوال (۳۴۸) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال اشتکی اصحاب النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
درغیب نفل

مشقۃ السجود علیہم سوا ذلک اتفرجوا قال استعینوا بالربک۔ حنفیہ اس کو نوافل پر  
محمول کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے۔ رواۃ الترمذی مث مطبوعہ اصحاب المطابع۔  
الجواب۔ روی مسلم عن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم اذا سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیك وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد لوشاءت بہمۃ (ان تمتہ بین یدینہ لمات  
مشکوٰۃ باب السجود۔ یہ دونوں حدیثیں صاف نفی کر رہی ہیں استعانت بالربک کی پس  
تطبیق کے لئے واجب ہوگا کہ نوافل پر محمول کیا جاوے یا ضرورت و مشقت پر چنانچہ خود حدیث  
میں اس کا قرینہ واضح ہے۔ فقط ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

حکم مفسدہ بودن جلسۃ استراحت | سوال (۳۴۹) جلسۃ استراحت مبطل نماز ہے پس  
بعد السجدتین  
حنفی کی نماز جلسۃ استراحت کر نیوالے کے پیچھے ہوگی یا نہ؟

الجواب۔ اس کا مفسد نماز ہونا میری نظر سے نہیں گزرا لہذا مانع صحت اقتدار نہیں البتہ  
جو لوگ اس وقت تارک تقلید ائمہ ہیں بوجہ عدم مراعات خلائیات کے نوافل و ضویں و نیز تعدیہ فساد  
کے عوام میں ان کی اقتدار خلاف مصلحت و خلاف احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔  
۲۱/ شوال ۱۳۳۳ھ (۱۰ امداد ص ۶۶)

کراہت فصل بسورۃ قصیرہ وقرات | سوال (۳۵۰) سند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں  
خلافت ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو۔  
ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یرتیل سورۃ المفصل قال اسود یقرأ فی الركعة  
الاولیٰ اثم کما التکاثر وانا انذرناہ فی لیلۃ القدر واذ ازلت الارض و

عہ و نیز اس لئے کہ یہ حضرات اکثر پیشاب کر کے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسک کے قطرہ آجانا  
غالب ہے جس کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی پس چار یا پانچ بار میں ظن غالب یہ ہے کہ نجاست قدرہم  
سے زیادہ یا نجاستیں لگ جاتی ہوگی جو مانع صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت امامت بھی ہے ۱۲ منہ  
۲۱/ شوال ۱۳۳۳ھ (۱۰ امداد ص ۶۷ ج ۱)

فی السرکۃ الثانیۃ والعصر واذا اُجاء نصر اللہ والفتح وانا اعطینا انک شرو فی المکۃ الثالثۃ  
قل یا ایہا الکافرون وتبت ید ابی لہب وقل ھو اللہ احد۔ جس ترتیب سے اس  
میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے  
اس طور پر کہ پہلی میں ۱۲۳۲ دوسری میں ۱۲۳۳ تیسری میں موافق حدیث یا اس طرح پڑھنا مسنون  
رہے گا۔ ۹۔

**الجواب۔** قبل جمع قرآن ترتیب سور اختیاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں  
اختلاف تھا یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے  
اس کے ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اجماع کا اتباع ضروری ہے اب اسکی مخالفت  
نہ چاہئے اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پراجماع ہو جائے علامت ہے اس مرفوع کی منسوختی کی  
اسلئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں بترتیب حال پڑھیں۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳)

**سوال (۳۵۱)** ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سجانہ جو یہاں ایک مدرسہ  
نماز پڑھنے کا حکم ہے اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر  
اور لنگی پہنکر نماز پڑھنا باد جو یکہ یا جاسہ وغیرہ موجود ہو نماز درست ہے یا نہیں۔ جواب یہ لکھا گیا کہ مکروہ  
ہوگی جب عمدہ لباس موجود ہے تو امراء کے یہاں تو عمدہ لباس پہنکر چادریں اور خدا کے سامنے ردی لباس  
یہ نہ ہونا چاہئے۔ جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ  
لباس فعل رسول ہے جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے نہ ہوگا  
ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو۔ چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ  
لباس ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہو سکتی جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی جسکو  
جناب مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین صاحب نے بھی اسی کی  
تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہو سکتی اس کا رد مدرسہ سجانہ کے مدرسین نے بڑے زور و شور سے کیا۔ رد  
یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے وہ یہ لایذہب بثلک الثیاب الی الامراء  
جب عادت لوگوں کی اس طرح ہے کہ چادر اور لنگی پہنکر امراء کے پاس نہیں جاتے محبوب سمجھے ہیں  
تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز بلاکراہت  
پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبو دار ہو یہ لکھا ہے وہ فرد  
ثیاب بذلہ ہے تعریف عام وہی ہے جو لایذہب بثلک الثیاب الی الامراء سے ثابت ہے۔ آنحضرت

اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ لایذہب بثلک الثیاب الی الامراء کا کیا مطلب ہے محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادراور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ ہوگی اور حنیفہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کو ہمیشہ پہنا یا نہیں یا جامہ وغیرہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا نہیں یا صرف پسند فرمایا تھا۔ ۹

**الجواب**۔ میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے ردا دانا سے نماز پڑھی آیا سنت سمجھ کر پڑھی ہے یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کر کے پڑھی ہے اول صورت میں کراہت نہیں کیونکہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جاوے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر قیم ہے۔ اس تفصیل سے تنازعین کے سب دلائل دست رہے اور نزاع لفظی ہو گیا موضوع کے بدلنے سے

محول بدل گیا۔ اشرف علی ۲۵ شعبان ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۱)

**صلوة بین السائتین** | **سوال (۳۵۲)** (۱) باب الامامة فتح القدير اور رد المحتار کی اس عبارت سے الاصح ما روی عن ابي حنيفة انه قال اكفر الامام

لا حکم

ان يقوم بین السائتین اوزاویۃ اونا حیۃ۔ المسجد اوالی ساریۃ۔ لانہ بخلاف عمل الامۃ (۱)۔ بقول و تحقیق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلا ضرورت امام کا بحالت امامت مسجد کے دیں جو بین السائتین ہو کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں (۲) بصورت ثبوت حکم کراہت صحیحین وغیرہما کی وہ حدیثیں قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معارض ہو سکتی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر بین العمودین کھڑا ہو کر نماز پڑھنا ثابت ہے یا بوجہ منفرد ہونے حضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے معارضہ نہ کو قیاس مع الفارق و باطل ہوگا (۳) بدائع کی یہ عبارت الافضل للامام ان یقف فی مقام ابراہیم جس کو شامی نے حواشی در مختار کے باب الامامة و باب الصلوة فی الکعبۃ میں نقل کیا ہے معارض قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بوجہ وقوع مقام ابراہیم بین السائتین) ہے یا نہیں بصورت ثانی تعارض ظاہری کے دفع کی کیا تقریر تنقیح ہے۔ ۹

**الجواب**۔ (۱) کراہت ثابت ہوتی ہے کہا ہو ظاہر۔ (۲) قیاس مع الفارق ہے لا وجہ لذلک فی السؤال (۳) یہ مقام ابراہیم کہنا ایسا ہے جیسا باب الامامة میں اس کے ذرا قبل کی عبارت میں السنتہ ان يقوم فی المحراب الخ۔ فی المحراب کہنا۔ مگر دوسری دلیل سے فی المحراب یقیناً



المسند ان يقوم الامام بازاء وسط الصف الا ترى ان المحارب ما نصبته  
الا وسط المساجد وهي قد علنت لمقام الامام ص ۶۷ ج ۱۔ وجہ یہ کہ وسط  
مسجد کو چھوڑنے سے جب مسجد میں پوری صف ہوگی تو ایک طرف مقتدی کم ہوں گے دوسری طرف  
زیادہ۔ (۲) امام کو مکروہ ہے لا شتراک العلة اور مقتدی کو انقطاع صف کی حالت میں  
اور منفرد کو مکروہ نہیں۔ (۳) انتفاء علت الکسرا ۱۷۲۔ ۲۰ رمضان ۱۲۸۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۹)

نقل ستونہ | سوال (۳۵۴) در دیار پنجاب و خراسان بوقت ساختن مساجد و بعضی  
در صف و ستوی زیر صف میان ہر دو جدار ستون میدہند و بوقت صف بستن مصلیان  
اُن ستونہا میان صف می آیند و جلسے یک مصلی میگیرند بعض علماء فرمایند کہ اِس حالت کعدم  
بہا اہل سنت پس فرجات الشیطان متحقق شد و یدخل فیہ الشیطان کا نہاخذت برود  
مطلق و بعض سے سر ایند کہ حیلولت ستون در میان صف مثل ایستادن مصلی شد و در فرجات  
شیطان داخل نشد چہ دخول شیطان برآں صورت است کہ قصد فرجہ در صف میان دو کس  
گزاشتہ شود و اِس آمدن ستون حالت اضطراری است نہ اختیاری چہ اِس قدم دراز چوب  
کہ سر بسر بر جدراں نہادہ شود نادر الوجود است و الضرورات تبیح المحظورات دین امر ہر چہ  
ارشاد شود واجب العمل خواہ شد اگر قول بعض اول درست شود تا ستونہا را از مساجد کشیدہ صورتی  
دیگر کردہ شود اگر قول بعض ثانی درست خود مال و سواکس و عیدارمین باہم اما دین صورت جزئیہ نوشتہ  
شود بجا کتاب و صفحہ باب تاکہ بر مخالفت حجت قوی گردد۔ ۹

الجواب۔ اِس جزئیہ تصریحی از نظر نگزشتہ و نہ ذخیرہ کتب نزد خود دارم کہ در اُن نتیجہ نایم  
لیکن انچہ از کلیات و نظائر ہمیدہ ام آن است کہ اگر آمدن ستونہا میان صف تحریر بوجہی ممکن باشد  
تحریر باید کرد زیرا کہ مراعتہ در صفوت مامور بہ است و حیلولۃ سواری مفوت مراعتہ است و اگر تحریر ممکن  
نباشد پس امر واسع است۔ کما فی راہدالمختار الجلد الاول ص ۵۹

ع مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے تشبیہ الافان میں مبسوط سرخسی سے نقل فرمایا ہے  
والاعطافات بین الاسطواناتین غیر کردہ لاند صف فی حق کل فریق وان لم یکن طویلا و تحلل الاسطواناتین بین الصف  
کتخلل متاع موضوع او کفر جہ و بین زمین و ذلک لا یمنع صحتہ الا قدر آہ۔ اس عبارت کے ظاہر سے ضرورت عدم  
مطون میں عدم کراہت کا حکم مفہوم ہوتا ہے لا شتراک العلة۔ لیکن حدیث انس رضی اللہ عنہ اس کی معارض ہے  
فالحق ہوا تفصیل المذكور فی الجواب ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۳۱)۔



قال فی البحر تکلموا فی الصف الاول قبل هو خلف الامام فی المقصود وقیل ما یلی المقصود  
وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث لانہ یمنع العامة عن الدخول فی المقصود فلا  
تتوصل العامة الی نیل فضیلة الصف الاول ثم قال ویعلم منہ بالاولی

عہ اس نقل میں اختصار محل ہے اس لئے اول پوری عبارت نقل

کی جاتی ہے اُس کے بعد ضروری تحقیق لکھی جائے گی۔ شامی ۵۹۵ میں ہے قال فی البحر فی اخر بابا لجمعة تکلموا  
فی الصف الاول قبل هو خلف الامام فی المقصود وقیل ما یلی المقصود وبہ اخذ الفقیہ  
ابو اللیث لانہ یمنع العامة عن الدخول فی المقصود فلا تتوصل العامة الی نیل  
فضیلة الصف الاول اھ اقول والظاهر ان المقصود فی زمانہم اسرعلیث فی محل  
انجد اسرالمقبل من المسجد کان یصلی فیہا الا مرءا الجمعة یمنعون الناس من دخولہا  
خوفا من العبد وفعلی هذا اختلف فی الصف الاول هل هو ما یلی الامام من داخلہا  
ام ما یلی المقصود من خارجہا فاخذ الفقیہ بالثانی توسعة علی العامة فی لا تقوتہم  
الفضیلة ویعلم منہ بالاولی ان مثل مقصود قد دمشق التی ہی فی وسط المسجد  
خارج الحائط القبلی لیکون الصف الاول فیہا ما یلی الامام فی داخلہا وما اتصل بہ  
من طرفہا خارجا عنہا من اقل انجد الا لی اخری فلا یقطع الصف ببنائہا لاما لا  
ینقطع بالمنبر الذی ہو داخلہا فیما یظہر وصرح بہ الشافعیة وعلیہ الفتوی  
فلو وقف فی الصف الثانی داخلہا قبل استکمال الصف الاول من خارجہا لیکون  
مکسر وہاں یوخذ من تعریف الصف الاول بما ہو خلف الامام ای لا خلف مقتد  
آخر ان من قام فی الصف الثانی بحذاء باب المنبر یسکن من الصف الاول لانه  
لیس خلف مقتد آخر واللہ تعالی اعلم اھ۔ اس عبارت میں علامہ شامی نے اول تعیین صف  
اول میں علماء کا اختلاف دکھلایا ہے کہ بعض اُس صف کو اول کہتے ہیں جو کہ امام کے پیچھے مقصورہ کے اندر  
ہوتی ہے اور بعض اس صف کو جو کہ مقصورہ کے قریب اُس کے باہر ہوتی ہے۔ اُس کے بعد علامہ موصوف  
نے ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اس غرض سے کہ عوام صف اول کی فضیلت سے محروم نہ ہوں  
قول ثانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو اللیث کے فتوے سے  
یہ امر بالاولی معلوم ہوتا ہے کہ جامع دمشق جس میں مقصورہ حائط قبلے سے باہر اور مسجد کے درمیان میں واقع  
ہے اس میں صف اول وہ ہے جو کہ مقصورہ کے اندر واقع ہے اور جو لوگ مقصورہ سے باہر (بقیہ ماشرعہ ص ۳۳۳)

ان مثل مقصورۃ دمشق الیٰ فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی  
یکون الصف الاول فیہا ما یلی الا مام فی داخلہا وما اتصل بہ من طرفیہا  
خارجا عنہا من اول الجدار الیٰ اخرہ فلا تنقطع الصف ببنائہا کمالا تنقطع  
بالمبدر الذی ہو داخلہا فیما یظہر و صرح بہ الشافعیۃ ۱۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صف مذکور کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہیں اور مقصورہ  
کی دیواروں کے بیچ میں حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی جیسا کہ مقصورہ کے اندر نہر کے حائل ہونے سے صف  
منقطع نہیں ہوتی اور گو علاء مومنوت نے اس استنباط کی وجہ نہیں بیان کی ہے مگر میرے نزدیک اس کی وجہ  
یہ ہے کہ جب امام ابو اللیث عوام کی فضیلت صف اول کو حاصل کرنے کے لئے اس صف کو صف اول کہتے  
ہیں جو کہ صف واقع فی المقصورہ کے پیچھے ہے تو جو صفیں کہ اُس کے دونوں پہلوؤں میں ہیں وہ تو بالاولیٰ صف  
اول میں داخل ہوں گی اور جبکہ وہ صف اول میں داخل ہوئیں تو اب پچھلی صف کو صف اول کہنے کی کوئی  
ضرورت نہیں ہے لہذا صف اول وہ صف ہوگی جو کہ مقصورہ کے اندر اور اُس کے دونوں پہلوؤں میں واقع  
ہے اور جبکہ صف اول صف مذکور قرار پائی تو اب دیوار بائیں مقصورہ قاطع صف ہوں گی یہ تقریر تھی وجہ استنباط  
کی لیکن مجھے اس میں کلام ہے اولاً اس لئے کہ حصول فضیلت صف اول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صف  
ثانی کو صف اول کہا جاوے بلکہ اس کے لئے قرب امام کی اسکانی کو شش کافی ہے کما لا یخفی علی العارفين  
بقول اللہ عز وجل اور ثانیاً اس لئے کہ اگر صف خارج مقصورہ کو صف اول مان بھی لیا جاوے اور یہ بھی مان لیا جاوے  
کہ جو لوگ صف واقع فی المقصورہ کے پہلوؤں میں ہوں وہ صف اول میں داخل ہیں تو اس سے یہ لازم  
نہیں آتا کہ مقصورہ کی دیواریں قاطع صف نہ ہوں یہ ممکن ہے کہ نمازیوں کو قطع صف کا گناہ نہ ہو کیونکہ اس  
سے بچنا ان کے اختیار سے باہر ہے مگر بانیان مقصورہ کا گناہ سے محفوظ رہنا دشوار ہے کیونکہ وہ اس قطع  
کا سبب اپنے اختیار سے بنے ہیں اور ثالثاً اس لئے کہ امام ابو اللیث کے صف خارج مقصورہ کو صف  
اول کہنے سے یہ لازم بھی نہیں آتا کہ صف واقع فی المقصورہ دمشق صف اول ہو اور جو لوگ اس کے  
پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں کیونکہ جس ضرورت سے امام ابو اللیث نے  
صف خارج کو صف اول کیا تھا وہ ہنوز موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کی وجہ بیان کی تھی کہ اگر صف  
مقصورہ کو صف اول کہا جاوے گا تو عوام فضیلت صف اول سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ عوام حجرہ میں  
داخل نہیں ہو سکتے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر جامع دمشق میں صف اول صف واقع فی المقصورہ کو  
کہا جاوے گا تو وہ لوگ فضیلت صف اول سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ مقصورہ میں داخل ہونے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

قلت وقد ثبت بهذه الروایۃ ان القاطع فی محل الضمیرۃ لیس بقاطع ویؤیدہ ما روی الترمذی فی باب کراہۃ الصف بین السواری عن عبد الحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بیننا وبينهم فلما صلینا قال انس بن مالک کنا ننتقی هذا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم الحديث فلینظر فی قوله اضطرنا وقوله ننتقی یحصل التفصیل الذی ذکر۔ (امداد ص ۱ جلد اول)

تحقیق حکم صلوٰۃ بحالت اطلاق سوال (۳۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل ازراہ (گھنڈیاں بٹن وغیرہ) میں۔ (۱) کرتے اور اچکن کی گھنڈیاں یا بوتام اور انگریز کھربند کھول کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں۔؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے کرتے کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے یا نہیں۔؟ (۳) بہشتی گوہر کے صفحہ ۵۸ باب کردہات نماز میں یہ مسئلہ ہے (حالت نماز میں کھڑے کا خلاف دستور پہننا یعنی جو طریقہ اُس کے پہننے کا ہو جو جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہوں اس کے خلاف اُس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے) اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند بانہنے (بقیہ حاشیہ منورہ شدہ) سے حکومت مانع ہے اور اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہونے سے شریعت مانع ہے لازم

القطع۔ پس ضرور ہے کہ صفت خارج کو صفت اول کہا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو الیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک قوی ہے نہ علامہ شامی کا اس سے یہ استنباط کرنا کہ جامع دمشق میں صفت اول فی المقصورہ ہوگی اور جو لوگ اُس کے دونوں طرف میں کھڑے ہیں وہ صفت اول میں داخل ہوں گے اور جدران مقصورہ قاطع صفت نہ ہوں گے جب یہ تہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ غالباً اس روایت سے استدلال کی وجہ تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حائل بوقت ضرورت کا عدم ہے سو یہ مضمون صحیح ہے اور مدعی پر اس سے استدلال درست ہے گویا اگر جامع دمشق میں دیوار ہائے مقصورہ قاطع صفت نہیں ہیں محل کلام ہے کہ کتابیں ویوید ما قلنا تصریح ابن الحاج المالکی بوزم قطع الصفوف ببناء المقاصر۔ لیکن اس کا اثر اصل مقصود پر کچھ نہیں پڑتا۔ پس یہ عبارت بر محل ہے اور اس کی بے متعلقیت تمام کا شبہ مندرج ہو گیا۔ جو کہ اول نظر میں احقر کو ہوا تھا ۱۲

(تصحیح الاغلاط ص ۱۱)

ع (حاشیہ صفحہ ۱۱) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص ۱۱ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲

کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں۔ ۹۔

**الجواب۔** عن الثالث وهو یغنی عن الجواب عن الاولین۔ اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے۔ اور اس کی تفسیر ارسال ثواب بلا لبس مقاد ہے۔ کذا فی الذم المختار و حواشیہ خواہ کل ثوب میں ہو یا جزو میں مثل آستین وغیرہ بعض نے اس میں توسع کر کے مطلق لبس غیر مقاد کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ قال فی المختار اثن بل ذکر ابن جعفر انہ لو ادخل یدیه فی کلبہ ولعیشہ وسط۔ اولو یدہ راز راہ فہو مسئی لان۔ یشبہ السدل اھ۔ عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے ہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے جس کی بنا پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تمام بھی نہیں اس قول کو لے لیا ہو لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔ ونصہ۔ قلت لکن قال فی الحلیۃ فیہ۔ نظر ظاہر بعد ان یگون تحت قمیص او فتح مایستر البدن الخ۔ جلد ۱ ص ۶۶ و ۶۷۔ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس مقاد سدل کی حقیقت نہیں۔ بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت یعنی ارسال کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو نیز اس کا لبس غیر مقاد ہونا بھی مسلم نہیں۔ صد با صلیحاً و متواضعین میں یہ مقاد جو اسلئے جتنی تمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہو اس بنا پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ ذی الحجۃ ۱۳۸۵ھ

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ | سوال (۳۵۶) کشف دست زنان تا مرفق در نماز و نیز کھولنے یا پٹنے کھولنے کا حکم۔ | کشف کعبین ایشال مفسد آں نماز است یا نہ؟

**الجواب۔** ذراع تا مرفق عضو کامل است کشف اور مفسد است اگر بقدر سہ تسبیح باشد و کعبین عضو کامل نیست کشفش مفسد نیست ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۳ و ۲۲۴ حصہ اخیر ۱۱ صفر ۱۳۲۸ھ (تمت اولیٰ صفحہ)

نماز میں رونے کا حکم | سوال (۳۵۷) ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ ایک بیگ از خود رو پڑایا باوازا بلند لفظ (اللہ یا حق یا اے یا ہو ہو کہہ کر کانپ اٹھا دہم کو یہ علم نہیں کہ یہ بندوق الہی کہتا ہے یا بغیر ذوق الہی کے۔ دیں صورت تہائے مرقومہ شخص مذکور کی نماز درست ہوگی یا نہیں اور قرب و جوار کے آدمیوں کی نماز ہوگی یا فاسد ہو جائے گی۔؟

**الجواب۔** فی الذم المختار مفسدات الصلوٰۃ والا نین والتاویۃ والتایف و البکاء بصوت لوجع او مصیبتہ قید للاربعة الا لم یضک لایملک نفس۔

عن انین ان تاكل الى قول لا لاذ كسرجنة او نار الخ وفيه باب الا مامة اما ما تعارفه  
(عن دفع الموذنين اصواتهم) في زماننا فلا يبعد انه مفسد اذ الصياح ملحق  
بالكلام فتح وبسط القول فيه في رح المختار ج ۱ اصلا اس روایت سے معلوم ہوا کہ  
اگر اس نے شوق و محبت الہی میں ایسا کیا اُس کی نماز درست ہوگی ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل  
تو خود اُس کی نماز میں ہے لیکن پاس والوں کی نماز میں کسی حال میں فساد نہیں آتا۔

۲۸ / ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ (تمتہ اولی ص ۳۲)

بطلان نماز کشف ریح عضو۔ | سوال (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس قدر ستر  
مصلی اندر نماز کے مکشوف ہو جاوے تو نماز باطل ہوتی ہے؟

الجواب۔ ریح عضو اگر کھل جاوے اور بقدر ادائے ایک رکن کے کھلا رہے نماز  
باطل ہو جاتی ہے۔ یہ توجہ ہے کہ ایک جگہ سے اس قدر کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا  
کھل جائے تو اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا ہے تو اگر دونوں کو ملا کر بقدر ریح اُس عضو کے  
ہو جاوے تب بھی نماز باطل ہو جاوے گی اور اگر ایک عضو میں ایک جگہ سے دوسرے عضو  
میں دوسری جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں عضو میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اُس  
کے ریح کی برابر دونوں جگہ ملا کر ہو گئی تب بھی نماز باطل ہو گئی ویمنع کشف ریح عضو  
قد مراد ان رکن بلا صنف و تجمیع بلا جزاء لو فی عضو واحد والا فبالقدار  
فان بلغ ریح اداھا کا ذن منع۔ درختہ مختصر ا۔ واللہ اعلم (امداد ص ۱۱)۔  
نماز میں عینک لگانے کا حکم | سوال (۳۵۹) حالت نماز میں عینک لگائے رکھنا جائز  
ہے یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی کراہت تزیہ ہی ہے یا تحریمی فقہائے متقدمین میں سے کسی نے  
اس مسئلہ کی تصریح کی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ ۹

الجواب۔ عینک لگانے کی عادت مستحدث ہے اس لئے اُمید نہیں کہ کسی کے کلام  
میں اس کی تصریح ملے مگر قواعد سے یہ جواب ہے کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن فعل عبث ہے اور  
عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ ہوگا۔ (تمتہ اولی ص ۱۲)

سوال (۳۶۰) اگر کسی سجادہ پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی  
مکروہ تحریمی بودن نماز پر سجادہ کہ درال  
برجائے سجدہ تصویر جاندار باشد  
یا حیوانی ہو مذہب امام شافعی حنفی کے علماء اس پر  
نماز کا حکم دیتے ہیں یا نہیں ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحديث صحیح و آیات قرآنیہ

یا یہ نص پورے طور سے واضح و خلاصہ تحریر فرمادیں کہ اس سجادہ پر نماز درست یا مکروہ یا واجب جو کچھ حل حرمت سے ہو بنظر عنایت رحمت آگاہی بخشیں۔ ۹۔

**الجواب۔** فی الدرا المختار مکمل ہات الصلوة وان یکون فوق رأسه و بین یدیه۔ او یجد ائیمتہ او یسرة او محل سجودہ مثال الخوفیہ۔ اولہا ذکرہ ہذا تعمر التنزیہیہ التي مرجعها خلاف الاولی فالغارق الدلیل فافہما ظنی الثبوت ولا صارت فقریمیہ ولا فتانزیہیہ۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسؤلہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی جو حکم حرام میں ہے۔ اور میرے پاس مذہب شافعی کی کتاب نہیں ہے۔ ۲۴۔ رشوال ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۸۵)

**سوال (۳۶۱)** مسئلہ مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ نقشہ روضہ مطہرا وسلم کے مزار کا قبہ بھی ہے اگر نماز میں سامنے ٹکھا ہو تو نماز میں کچھ خرابی ہوگی۔ ۹۔  
**الجواب۔** فی رد المحتار عن الحلیۃ و تکرار الصلوة علیہ (ای علی القبر) دالہ لورود النہی عن ذلک ج ۱ ص ۹۲۵۔ فی الدرا المختار اول غیر ذی رحمہ لا یکراہ لانہا لا تعبد فی رد المحتار فعلی ہذا ینبغی ان یکراہ استقبال عین ہذا الاشیاء (ای الشمس والقمر والکواکب والشجۃ الخضر) معراج لانہا عین ما عبد بخلاف مالو صوراھا واستقبس صورھا تھا۔ ج ۱ ص ۹۲۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نماز کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں کیونکہ نقشہ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہو جائے تو پھر اس میں بھی کراہت ہو جائے۔ مکی۔ ۲۵۔ رشوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۸۵)

**سوال (۳۶۲)** امام نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ دیکھو اگر پانی برسنے لگے تو میں مسجد کے اندر ہوں گا اور تم لوگ میرے پیچھے آجانا اگر رخ قبلہ سے نہ پھرنے پاوے چنانچہ امام اور مقتدیوں نے ایسا کیا بھی تو ایسی صورت میں نماز میں فساد آدیکھا یا نہیں خصوصاً جبکہ فاصلہ امام کے پہلے مقام اور دوسرے مقام کا اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے جتنے میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں شامی میں تلاش کیا عند مطر کی تخصیص ایسی صورت میں تو ملی نہیں اگر بحوالہ شامی جواب عنایت ہو تو زیادہ سہولت ہوگی حدیث و خوف کے علاوہ اعذار میں بشرط عدم تحویل قبلہ تو عدم فساد صلوٰۃ کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے مگر شبہ یہ ہے کہ مطر غدر بھی

ہے یا نہیں کیونکہ معمول علماء کا ایسا نہیں دیکھا کہ پانی برسنے کے وقت نماز ہی میں مسجد کے اندر چلے جاتے ہوں خیر دلیل شرعی ہو نا ضروری ہے۔ ۹

**الجواب** - حدیث میں نص ہے اقلوا الاسودین فی الصلوٰۃ الحیۃ والعقرب اور باوجود اس کے اس قتل کو عمل کثیر مفسد صلوٰۃ علی الاصح کہا گیا ہے۔ کما فی الشامی قولہ لکن صحیح الحلبي الفساد حیث قال تبعاً لابن الہمام فالحنی نیما یظہر ہو الفساد والا مر بالقتل لا یتلزم صحۃ الصلوٰۃ مع وجودہ کما فی صلوٰۃ الخوف بل الامر فی مثله لا باحۃ مباشرتہ۔ وان کان مفسد للصلوٰۃ اھ ونقل کلام ابن الہمام فی الحلیۃ والبحر والنہر واقمرہ علیہ وقالوا ان ما ذکرہ السرخسی من انه عمل رخص فیہ للمصلی فلو کالمشی بعد الحدیث بحجر، ردہ فی النہایۃ بانہ مخالف لما علیہ عامۃ رُوایۃ شروح الجامع الصغیر ومبسوط شیخ الاسلام من ان الکثیر لا یمباح اھرج اھلک۔ اور مگر تو ہر طرح اس سے اخف ہے کہ نہ اُس میں کوئی ایسی نص ہے اور نہ اُس میں ایسا خوف ضرر ہے اس لئے اُس کے سبب سے شی بدیجہ اولیٰ مفسد صلوٰۃ ہوگی البتہ اگر درمیان میں وقفات ہوئے جائیں تو اُس کو عمل کثیر نہ کہا جاوے گا۔ کما فی العالمگیریۃ المشی فی الصلوٰۃ اذا کان مستقبل القبۃ لا یفسد اذا لم یکن متلاحقاً الی قولہ لو مشی فی صلاتہ مقدار صف واحد لو فسد صلوٰۃ ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعۃً واحداً فسد صلوٰۃ وان مشی الی صف ودفع ثوالی صف لا تفسد کذا فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۶۵ - ۲۷ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۲)

**سوال** (۳۶۳) ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے نیچے کے درمیان سے ٹوپی نظر آدے یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی ہے وہ نظر آدے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہ کہ ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی اس بارہ میں بھی اختلاف بہت ہو رہا ہے۔ جواب با

**صواب** اتقام فرماویں۔ ۹

**الجواب** - فی الدرا المختار مکروہات الصلوٰۃ و صلوٰۃ حاسر الی کا شفا رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل و اما الاھانتہ بہا فکفرہ لو سقطت

قلنسوت۔ فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتکون بدو عمل کثیر مع رد المحتار۔  
ج ۱ ص ۶۷۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے۔

۱۸۔ لیس بحاسر کیف و اذا جاز الا کتفاء بالقلنسوتہ کمایدل علیہ قولہ  
ولو سقطت قلنسوتہ الخ فکیف اذا کانت علی بعضها العمامۃ ایضاً۔  
اور اگر سر نظر آوے تو کراہت ہے۔ ۱۸ نہ حاسر۔ فقط ۱۶ سوال ۳۳۸ (تہذیب ۱۸)

شہر عبارت تذکرۃ الرشید در بارہ فساد صلوٰۃ | سوال (۳۶۴) قطب الاقطاب حضرت  
از ختم کردن مقتدی سلام اول راقبل امام خود | مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک فتویٰ

مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید جلد اول میں ارقام فرماتے ہیں وہ یہ  
ہے کہ اگر مقتدی اپنے پہلے سلام کو امام سے پہلے ختم کرے تو مقتدی کی نماز فاسد  
ہو جاوے گی۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سننے والا دوسروں کو سناوے۔

اس عبارت میں اور در مختار کی اس عبارت میں تو ارض ہے ولو اتمہ قبل امامہ  
فتکلم جاز و کلا فلو عرض منات تفسد صلوٰۃ الا امام۔ فقط در مختار ص ۱۱۴

مطبوعہ مطبعہ مجتبائی دہلی صاحب در مختار کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ  
نماز فاسد نہیں ہونے کی۔ قول فیصل اس بارہ میں کیا ہے۔ فقط۔ ۹

الجواب۔ یہی شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا اور ہے میرا گمان یہ ہے کہ حضرت نے کراہت  
فرمایا ہوگا ناقصین نے فساد نقل کر دیا۔ اگر خود جامع تذکرہ سے تحقیق کی جاوے شاید وہ  
کچھ زیادہ تفصیل لکھ سکیں۔ فقط۔ ۲۴ ص ۳۳۸ (تہذیب ۱۸) (تہذیب ۱۸)

کیا چادر رضائی کا لٹکانا | سوال (۳۶۵) کرتا۔ انگر کہا۔ پانچاٹھ ٹخنے سے نیچے  
اسبال میں داخل ہے | لٹکانا مردوں کو جائز نہیں۔ آیا اس میں چادر رضائی داخل ہوگئی

جبکہ اس کا آٹھل کندھے پر نہ ڈالا جاوے اور ٹخنوں سے نیچے لٹک جاوے اور ٹھننے  
کی حالت میں۔ ۹

الجواب۔ چادر رضائی کا لٹک جانا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ موضوع  
اس لئے نہیں ہیں کہ ٹخنے سے نیچے رہے محض اتفاقی امر ہے۔ جمادی الاول ۱۳۲۹ (تہذیب ۱۸)

قرآن لفظ عطا اور محل عذاب | سوال (۳۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ  
عطا جو قرآن میں آیا ہے وہ موقع انعام۔ و جزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے اگر کوئی شخص



اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ یا اعادہ نماز مستحب ہوگا یا نہ؟

**الجواب** - فی فتاویٰ قاضی خان و ان تغیر المعنی بان قرأ ان کلاماً برار فی جیمہ ان الفجاء فی نعیم و قرأ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم شر البریۃ و قرأ وجوہ یومئذ علیہا غبرۃ اولئک ہم المؤمنون حقاً تفسد صلوٰۃ - لا نہ اخبار بخلاف ما اخبر اللہ بہ - چونکہ صورت مسئلہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش ہو گیا لہذا اقتضاء قاعدہ کافساد ہے لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اس کو حکم پر محمول کیا جاوے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلْسِیۡوۃ اور اس کا مقتضاء عدم فساد ہے اول کا مقتضاء وجوب اعادہ ہے نہ کہ ثانی کا و الاول احوط و الثانی اوسع۔

۲۱ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

**مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے** | سوال (۳۶۷) ہم مصلیان مسجد میر محمد صاحب مرحوم مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے بڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ (۱) مسجد پست بنی ہے۔ (۲) درجہ اونچے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمد و رفت کم ہے جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ (۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نائے وقت چھت پر نماز پڑھنا بھی مقصود تھا زینہ بہت عرصہ کے بعد بنایا گیا ہے۔ (۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے۔؟

**الجواب** - فی العالمگیرۃ الباب الخامس من الکراہیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ و لہذا اذا اشتد الحر لیکو ان یصلوا بالجماعۃ فوق الا اذا ضاق المسجد فینتد لا یکفر الصعود علی سطحہ للضررۃ کذا فی الغرائب

اس میں تصریح ہے کہ صورت مسئلہ میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ ۱۴ صفر ۱۳۵۲ھ

(التورع رحمہ ۱۳۵۵ھ ص ۹) (نوٹ) ہوا اور گرمی کا علاج دیوار قبلہ یا بین و شمال میں درجہ کھولنے ہو سکتا ہے۔  
مواضع غضب عذاب میں ممانعت | سوال (۳۶۸) کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہوا نماز اور اس کی حکمت - ہے۔ اب تک بدستور ہے۔ اس لئے عرض کر کے حل چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بندہ چونکہ ضعیف و ناتواں ہے ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہیں وہ تاثر و منفعل نہیں ہوتے پھر مواضع غضب

وعذاب میں جانے آنے یا ناز پڑھنے سے نہیں کیوں فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے لا تدخلوا علی هؤلاء القوم الا ان تکونوا باکین فان لم تکنوا باکین فلا تدخلوا علیہم ان یصلبکم مثل ما اصابہم الحدیث اس کی حکمت ارشاد فرمادی جاوے؟

الجواب - ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو کتابوں کا مطالعہ کیا بحمد اللہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغیر الفاظ وہی توجیہ ملے جو خیال میں آئی تھی اُس میں شبہ مذکورہ فی السؤال کا جواب بھی ہے اس لئے اس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

نقال وجہ هذه الخشية ان البكاء يعش على التفكير والا اعتبارا فكانه امر لهم بالتفكير في احوال توجب لبكاء من تقدر الله تعالى على اولئك بالكفر مع تمكينهم لهم في الارض وامها لهم مدة طويلة ثم ايقاع فقمت بهم و شدّة عذابهم وهو سبحانه مقلب القلوب فلا يأمن المؤمن ان تكون عاقبتہ الى مثل ذلك والتفكير ايضا في مقابلة اولئك نعمته الله بالكفر اهما لهم اعمال عقولهم فيما يوجب لایمان به والطاعة له فمن مرّ علیہم ولم يتفكر فيما يوجب لبكاء اعتبارا باحوالهم فقد شابهم في الازمان ودل على قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يأمن ان یجر ذلك الى العمل بمثل اعمالهم فیصیب ما اصابهم وبهذا یبذل نعم اعتراض من قال کیف یصیب عذاب الظالمین من لبس بظالم لان بهذا التقدير لا یأمن ان یصیر ظلما فیعد بظلمه اھ (جلد اول باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف والعذاب) میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور ہوتا ہے اور وہ نور حامل ہوتا ہے طاعات پر۔ اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حامل ہوتی ہے معصیت پر۔ تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہو سکتا ہے قساوت و غفلت و معصیت کا۔ اور اس پر نزول عذاب مرتب ہو سکتا ہے اور بکار و خشیت اس اثر سے مانع ہو جاتا ہے پس یہ اصابت تلبسین کو اپنے اعمال سے سبب ہوگی نہ کہ اُن کے اعمال سے ولعل هذا العنون السهل۔ فکات فی قولہ

علیہ السلام ان یصیبکم مثل اصباہم دون ان یقول یصیبکم ما اصباہم۔  
 اشارۃ واضحۃ الی ذلک۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۶ محرم ۱۳۵۶ھ  
 (النور ص ۷ ربيع الثاني ۵۷ھ)

نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا  
 مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا۔  
 سوال (۳۶۹) حمد و نعلی علی  
 رسولہ الکریم۔ حضرت حکیم الامت۔  
 السلام علیکم۔ آج میں نے اعلاء السنن جلد خامس میں ایک حدیث دیکھی۔ وہ اس بیان  
 میں ہے کہ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دینا مکروہ ہے کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے  
 پہ زور دینا مستحب ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اور ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے؟ (یہ عبارت ترجمہ  
 کی ہے) عن ابن مسعود ان رأی رجلاً صافاً صافاً قد میده فقال اخطأ  
 هذا السنة۔ اخرجہ سعید بن منصور کذا فی تخریج الاحیاء للعراق  
 وسکت عنہ واخرجہ عبد الرزاق بلفظ مرابن مسعود برجل صاف بین  
 قدمیه فقال اما هذا فقد اخطأ السنة لوراء بینہما کان احب  
 الی کذا فی کنز العمال وقال الطحاوی فی معانی الآثار لکن قام فی  
 الصلوٰۃ امران یرادح بین قدمیه وقد روی ذلک عن ابن مسعود  
 اھ ذکر محتجاً به علی ان تفریق الاعضاء اولی من الصاق بعضها  
 ببعض واحتجاج المحدث الحافظ الناقد بحديث دلیل علی  
 صلاحیت۔ لہ۔ احياء السنن جلد خامس صفحہ ۸۶۔

میں نے مولوی رونق علی صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے  
 اب سے پہلے یہ حدیث نہیں دیکھی۔ تم حضرت حکیم الامت سے دریافت کرو تب اس پر کاربند  
 ہونا۔ فقط۔ الجواب۔ السلام علیکم۔ حدیث کا درجہ باعتبار سند کے تو اعلاء السنن میں بتلایا  
 گیا ہے کہ طحاوی نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ اور مذہب کے اعتبار سے حاشیہ میں بتلادیا  
 گیا ہے کہ تراویح بین القدرین خفیف کے نزدیک افضل ہے طحاوی نے ظہیر سے  
 نقل کیا ہے نصل کلام علی ذلک امام صاحب اس کی تصریح کی ہے۔ اور بعض کتب فتاویٰ میں  
 جو کہ اہت تراویح مذکور ہے اس میں محل تمایل علی سبیل التعاقب بغیر تخلل سکون  
 ہے۔ ففراحمہ بامر سیدی حکم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم از تھانہ بیون۔

۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ -

**تنبیہ** ۱۸۸۸ علاء السنن میں صف القدمین کو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد وصل القدمین ہے جو مقابل تفریح کا ہے۔ جیسا آگے چل کر امام مالکؒ سے قرن القدمین کی کراہت نقل کی گئی ہے اور نصب القدمین جو مقابل تراویح بین القدمین کا ہے مکروہ نہیں کیونکہ تراویح کا صرف افضل ہونا منقول ہے۔ اس کی ضد کا مکروہ ہونا منقول نہیں۔ پس مؤلف علاء السنن کا صف القدمین کی تفسیر نصب القدمین سے کرنا مسامحت ہے۔

نیز تراویح کی افضلیت کو جس علت سے معتل کیا گیا ہے وہ وہاں ایسا ناممکن طول القیام۔ یہ علت قیام قصیر میں ظاہر نہیں۔ پس قیام قصیر میں تراویح اور نصب القدمین دونوں برابر ہیں۔ قال الطحطاوی ثمان هذه العلة لا تظهر فيما اذا كان القیام قصیراً (ص ۱۵۵ مراقی الفلاح) تراویح اور صفین میں فرق ہے۔ صفین یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دے کر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مڑ جاوے۔ جیسا گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے۔ جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ تراویح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا۔ مگر اس کو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مڑ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

وفی مجمع البحار کان یدارح بین قدمیه من طول القیام ای یعتقد علی احدھما صرۃ وعلی الاخری مرقۃ لیوصل الراحة۔ الی کل منھما صرۃ ج ۲۔ وفیہ ایضاً حدیث نہی عن الصلوٰۃ الصافن ای من یجمع بین قدمیه وقیل من یتثنی قدمیه الی ورائہ کفعل الصرۃ اذاثنی حافظ ص ۵۳ ج ۲۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ النور ص ۱۸۔

تحقیق صحت وعدم صحت صلوٰۃ باستعمال سوال (۳۷۰) اگر اون غیر ذیجہ سے مونہ بنایا جاوے خف ساختہ از صرف عیوان غیر مذکور تو اس کو ہنکر نماز جائز ہوگی یا نہیں خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔ ؟ الجواب۔ نماز جائز ہے اور وہ ظاہر ہے بجز خنزیر کے۔ فی الدلالتہ

عہد انسان کے بانوں کا استعمال بوجہ تحریم کے حرام ہے ۱۲ منہ ۶

و شعر المیتة غیر الخنزیر علی المذہب و عظمہا و عصبہا و حافرہا و قرینہا الی قولہ  
طاهر ۱ھ - ۱۳ / ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (۱۱۵۹ھ)

حکم ترک قعدہ اخیرہ | سوال (۳۷۱) اگر سنت مؤکدہ کے قعدہ اخیرہ کو فراموش کر کے  
درسن یا تراویح پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو یہ سنتیں مؤکدہ تبدیل بغل ہو جاویں گی یا نہ  
جیسا کہ فرائض میں اگر قعدہ اخیرہ اور ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرائض تبدیل بغل ہو جاتے ہیں  
اور اعادہ نماز فرمادی ہوگا۔ یا مثلاً کسی نے دو تراویح میں قعدہ اخیرہ نہ کیا بلکہ بھول سے تیسری رکعت  
لالی بعد کو یاد آیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا تو اب یہ دو رکعت تراویح تبدیل بغل ہو جاویں گی  
اور ان کا اعادہ ہو گا یا نہ۔ مع حوالہ کتب فقہ ارقام ہو۔ ۹

الجواب - فی فتاویٰ قاضی خان الجلد الاول صفحہ ۱۱۵ - اذا صلی الامام اربع  
رکعات بتسلیمۃ واحداۃ ولحق یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوٰۃ - وهو  
قول محمد و زفر رحمہما اللہ ویلزمہ قضاء هذه التسلیمۃ - وهو روایۃ عن ابی  
حنیفۃؒ وفی الاستحسان وهو اظهرہم وایتین عن ابی حنیفۃؒ وروابی یوسفؒ  
لا تفسد واذا لم تفسد اختلفوا فی قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ انھا تنوب  
عن تسلیمۃ او تسلیمتین قال الفقیہ ابو اللیثؒ تنوب عن تسلیمتین لان الاربع  
لما جاز وجب ان تنوب عن تسلیمتین کمن اوجب علی نفسہ ان یصلی اربع رکعات  
بتسلیمتین فصلی اربعاً بتسلیمۃ واحداۃ ذکر فی الامالی عن ابی یوسفؒ انه  
یحوز فکذاھنذا کذا الوصلی الاربع قبل الظہر ولحق یقعد علی اُس رکعتین  
جازا استحسانا الا قلت ویلزمہ سجدتا السہو - اس روایت سے معلوم ہو گیا  
کہ سنت مؤکدہ اور تراویح ہر دو صحیح ہو گئیں۔ واللہ اعلم - ۲۱ رمضان ۱۳۲۵ھ (۱۱۵۹ھ)  
حکم الحن فی الاعراب | سوال (۳۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص  
نے نماز میں سبح اسمہ ربک میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا۔ آیا نماز  
درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب - جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آجاوے اُس سے نماز فاسد  
ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا اسلئے  
نماز درست ہو گئی۔ اذا الحن فی الاعراب لحن لا یغیر المعنی بان قرأ لا ترفعوا اصواتکم

بیرفع التاء لا تفسد صلوات۔ بالا جماع۔ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱ (امداد ص ۱۱۱)  
 حکم فتح امام در تکبیر قنوت | سوال (۳۷۳) تراویح پڑھنے کے بعد قنوتوں میں یہ واقع  
 پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کیے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے  
 لگا کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کر کے  
 پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کر کے سجدہ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہ رہی۔

الجواب۔ فی الدار المختار فی واجبات الصلوٰۃ وقراءۃ قنوت التورہ وہو مطلق الدعاء  
 وکذا التکبیر قنوت۔ فی رد المحتار ای التورہ قال فی البحر فی باب سبج السہو ما الحق بہ ای  
 بالقنوت تکبیر وجزء من التلیج بوجوب السجود بترکہ الی قولہ ویبغی ترجیح علم  
 الوجوب الخ ج ۱ ص ۷۸۔ پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور  
 دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر یہ بتلانا زائد ہوا مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں  
 صحیح ہو گئی جیسے قنات میں بلا حاجت بتلانا سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ امام قنوت لے لے  
 اور چونکہ کوئی امر موجب سجدہ سہو کا نہیں پایا گیا اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا۔  
 ۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۷)

حکم قطرہ آمدن وقت سجدہ | سوال (۳۷۴) مجھ کو مرض ہے کہ اکثر قطرہ خطا ہو جاتا ہے۔  
 جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں اس وقت بھی اکثر ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اس کے لئے کیا کیا جاوے؟  
 الجواب۔ اگر لنگوٹ باندھنے سے رک جادے باندھنا چاہئے اور اگر اس سے نہ سکے  
 تو دیکھنا چاہئے کہ سجدہ میں جانے سے اگر گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تب تو جب آوے وضو کرے اور  
 اگر ہمیشہ آتا ہے تو بجائے سجدہ کے اشارہ کر لیا کرے۔ فی رد المحتار عن الذخیرۃ رجل بحلقہ  
 خراج ان یسجد سال وهو قادر علی السکوع والقیام والقراءۃ الخ ج ۱ ص ۷۹۔  
 ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۷)

مفسد نہ بودن فتح علی الامام در ہر حال | سوال (۳۷۵) امام و مقتدی در حین نماز بودنیکے  
 از مقتدی در قیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیاں آئندہ ایں رکعت چہارم است  
 چونکہ امام را یقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم را ختم کردہ  
 نماز خود و مقتدی ان را تمام کرد و دریں صورت نماز آن مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام  
 شد یا بسبب کلام لغو نماز آن فاسد شد صورت مسئلہ حیثیت در مذہب حضرت امام اعظم حیثیت

دو مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد و در مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل این مسئلہ جزئیات در آن بسیار باشد اگر بحضرت معلوم باشد ایما فرمائید ؟

الجواب - فی الدرد المختار مفسدات الصلوٰۃ بخلاف فتحہ علی امامہ فائدہ دینند مطلقاً لفا تح و اخذ بكل حال - چون در صورت مسئلہ این سببان التذکرہ بفتح علی امام است و خود از کلام ناس نیست لہذا نماز امام و مقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی را معلوم نیست و نہ کتابی در مذہب شافعی را معلوم است - (تمتہ اولی ص ۳۱۲)

## بَابُ صَلَوةِ الْوَتْرِ

حکم تیسین سورہ مقصودہ | سوال (۳۷۶) نماز وتر میں سورہ قدس و کافرون داخل ہیں  
در نماز وتر واسطے مرض بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں اگر اس کو التزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں ؟

۲۔ دانوں کی پائیداری کے واسطے وتروں میں : — سورہ نصر و لہب و اخلاص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں ۔

الجواب (عن کلا السوالین) اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا غرض دنیوی کا - سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنا نا دو قسم ہے ایک واسطہ جیسے عاملوں کا طریقہ ہے کہ ادعید و کلمات سے خاص اغراض مقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولاً برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں وہ اس دوسری قسم سے ہیں جیسے سورہ واقعہ کی خاصیت آتی ہے کہ لہ تصدہ فاقۃ اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں پس عمل مذکورہ فی السؤال بطریق اول نماز کی وضع کے خلاف ہے اور بطریق ثانی کچھ حرج نہیں - ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۱۵)

رمضان میں وتروں کا تہجد کیساتھ پڑھنا افضل ہو یا جماعت کیساتھ تراویح کے بعد - (سوال ۳۷۷) جو شخص نماز

تہجد میں وتر ہمیشہ پڑھتا تھا وہ رمضان شریف میں وٹروں کو جماعت ادا کرے یا بوقت تہجد ادا کیا کرے؟

**الجواب**۔ جماعت کے ساتھ بہتر ہے کہ جماعت کی رعایت اولیت وقت کی رعایت سے مقدم ہے۔ ونیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحریر فرمادی ہے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ۱۳۲۹ھ)

**سوال (۳۷۸)** ایک امر دریافت طلب ہے کہ بعد نماز عشاء بیس رکعت تراویح پڑھنے کے بعد وتر پڑھنے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے یا نہیں؟

**الجواب**۔ ہاں یہی افضل ہے۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۹)

**سوال (۳۷۹)** ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے وقت اس کے لئے وتر کا ادا کرنا افضل ہے یا اسکو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہئے؟

**الجواب**۔ ہاں ایسا ہی چاہئے یعنی جماعت ترک نہ کرے اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدر المختار وفی ای فی رمضان یصلی الوتر قیامہ بھا وھل الا فضل فی الوتر الجماعۃ او المنزل فی رد المحتار رجح الکمال الجماعۃ الی قولہ وفی شرح الملیۃ والصیحح ان الجماعۃ فیہا افضل الا ان سنیتہا لیست کسنیتہ جماعۃ التراويح ج ۱ ص ۷۷

۶، سوال ۳۳۳ (تمتہ خامسہ ص ۹۵)

**سوال (۳۸۰)** وتر جب اکیلا نماز رمضان شریف میں پڑھتا ہو جو ازہر و عدم جہر در وتر بماء رمضان قرات جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ دونوں جائز ہیں یعنی جہر بھی اور اخفا بھی۔ کیونکہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر و عدم جہر میں تغیر ہوتا ہے۔ دلیل المقدمۃ الاولیٰ ما فی رد المحتار ان الجہر یحب علی الا ماص فیما یجہر فیہ۔ وھو صلوة الصبح و الاولیان من المغرب والعشاء وصلوۃ العیدین والجمعة والتراويح والوتر فی رمضان الحجج ص ۷۷ ودلیل المقدمۃ الثانیۃ ما فی العالمگیریۃ وان کان منفرح ان کانت صلوة یخافت فیہا تخافت حتماً ھو الصبح وان کانت صلوة یجہر فیہا فھو بالخیار والجہر افضل ج ۱ ص ۷۷ قلت ہذا ھو المشہور وان اختلف بعضھم فی التقیید بقولہ فی رمضان کما فی رد المحتار لکن یرد علیہ انہ یقتضی انہ لو صلی الوتر جماعۃ فی غیر رمضان ان



لا یجہر بہ وان لم یکن علی سبیل التداعی ویحتاج الی نقل صریح و اطلاق الزلیلی  
یخالف۔ و کذا ما یأتی من المتنفل باللیل لو ام جہر فناملج اصلہ لکن لا یضہر المحکم  
بجہر المنفرد فی رمضان و انما یفید عدم تخصیص ہذا المحکم برب رمضان۔ و انما علم  
۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خاصہ ص ۹۷)

در بعد تہجد یا سوال (۳۸۱) اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو وتروں کا بعد تراویح پڑھنا اچھا  
بعد تراویح ہے یا بعد تہجد۔

الجواب۔ بعد تراویح۔ کیونکہ جماعت کی افضلیت زیادہ مہتمم بالشان ہے وقت کی فضیلت  
حکم خواندن وتر باجماعت در غیر رمضان و سوال (۳۸۲) نماز وتر باجماعت و جہر در ہر رکعت  
مخصوص بودن جماعت وتر بہا رمضان پڑھو  
مخصوص در رمضان است یا نہ؟

الجواب۔ جماعت وتر بتداعی مخصوص بر رمضان است و خارج آل کردہ اگر تداعی نباشد  
احیاناً خارج رمضان ہم مکروہ نیست و زیادہ از سہ مقتدی داخل تداعی است اگر جماعت کند جہر  
برامام واجب است و منفرد بخیر است خواہ رمضان باشد یا غیر رمضان۔ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ  
(تمتہ ثانیہ ص ۹۸)

سوال (۳۸۳) رمضان شریف میں اگر عشاء کی نماز جماعت کیساتھ  
جماعت تراویح را پڑھی اور تراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں وتر  
باجماعت جائز ہیں یا نہ؟

الجواب۔ فی الدار المختارہ بقی لو ترکھا (ای الجماعۃ التراویح) کلہا یصلون  
الوتر یجماعۃ فلیس لجمع فی رد المختار تحت قولہ بقی الذی یظہر ان جماعۃ الوتر تبع  
لجماعۃ التراویح وان کان الوتر لنفسہ اصلاً فی ذاتہ لان سنتہ الجماعۃ فی الوتر انما  
عرفت بالانترابۃ للتراویح علی انہم اختلفوا فی افضلیۃ صلوٰتہا بالجماعۃ  
بعد التراویح کما یاتی اھ۔ ج ۱ ص ۲۷ اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے  
کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادی فرادی پڑھیں۔ یکم محرم ۱۳۳۷ھ (تمتہ رابعہ ص ۹۹)

سوال (۳۸۴) عالمگیری میں لکھا ہے۔ و فی الوتر نیوی صلوٰۃ  
الوتر کذا فی الزاہدی و فی الغایۃ انہ لا نیوی فیہ و اجبا  
گفتن در نیت وتر  
حکم لفظ واجب گفتن یا نہ  
الوتر کذا فی الزاہدی و فی الغایۃ انہ لا نیوی فیہ و اجبا  
للاختلاف فیہ کذا فی التبیین۔ مولوی کرامت علی جوہری و مولوی امانت اللہ غازی پوری

نے اپنے رسالہ میں عربی نیت کے بیچ واجب اللہ تعالیٰ لکھا اب میں کیا کروں بندہ کے پاس کتابیں بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اور بنگالہ میں مولوی کرامت علی کا غلبہ زور دشور سے ہے سب واجب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ نئی الحال عرض فدوی کی یہ ہے کہ واجب کہنے سے نماز ہوگی یا نہ اور واجب کہنا افضل ہے یا نہ۔ اور واجب کہنے سے نماز میں خلل ہوگا یا نہ حضور از روئے مہربانی تحریر فرمادیں۔ ۹

الجواب فقہار نے تصریح کی ہے کہ ایک مذہب کے مقلد کو دوسرے مذہب کی رعایت خلافیات میں ادائی ہے واجب نہیں پس غایت میں جو علت لکھی ہے اُس کا حاصل یہی رعایت مذہب نفیۃ وجوب ہے پس اس کی رعایت واجب نہیں۔ اس لئے واجب کہنے سے بھی نماز ہو جاوے گی اور نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

سوال (۳۸۵) نماز ترک نیت میں لفظ واجب کہا جاوے یا نہیں؟ ۹

الجواب۔ فی الدر المختار بحث النیۃ۔ ولا بد من التبعین عند النیۃ لفرض اور واجب ان۔ و تراخ۔ و فی رد المختار ای لا یلزم۔ تعین الوجب ثلثا علم ان ما فی شرح العینی من قولہ و اما الوتر فالاصح ان یکفی۔ مطلق النیۃ۔ مشکل لان ظاہر ان۔ یکفی۔ نیت مطلق الصلوٰۃ کا نقل الا ان یحمل علی ما ذکرنا من اطلاق نیت الوتر الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت وتر میں اگر تعین بعنوان واجب نہ ہوتا ہم یہ تعین ضرور ہے کہ یہ وتر ہے اور مطلق صلوٰۃ کی نیت کافی نہیں۔ فقط ۲۰ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸) تحقیق معنی تخلع و ترک من یفجرک در قنوت وتر

سوال (۳۸۶) ہم لوگ ہر روز قنوت میں پڑھتے ہیں و تخلع و ترک من یفجرک۔ اب فرمائیے اگر

بیٹا فاجر ہے تو باپ کیا کرے اور اگر باپ فاجر ہے تو بیٹا کیا کرے؟

الجواب۔ یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ انشائیہ ہے پس اس میں کذب نہیں دوسرے قول سے مراد کفر ہے اور ترک سے مراد مخالفت اعتقادی۔ و ہو حاصل ۱۲ رذی الحجۃ ۱۳۲۵ھ (تمثانیہ ص ۹۹)

قنوت نازل میں رفع یدین سوال (۳۸۷) یہاں سے کانپورا ایک سوال کے جواب میں قنوت وغیرہ کے احکام نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنے کو لکھا گیا تھا۔ وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا جس کا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہو سکتا ہے جو یہاں سے لکھا گیا۔ اور جو درج ذیل ہے۔

الجواب۔ مولانا! السلام علیکم۔ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے۔

اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کی ہو کہ ہاں مقتضی مذہب الشیخین؟ لیکن عارض التباس و تشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے کہ ہاں مقتضی مذہب محمدؐ اور ثناء و صلوة جنازہ و قنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے اس لئے وہاں رائج پر عمل کیا گیا۔ اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجدہ سہو کو باوجود اس کے وجوب کے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور وضع تو درجہ میں سجدہ سہو سے بہت ادنیٰ ہے فہو احق بالترک۔ اور التباس کا ارتفاع اخفاء قنوت سے اس لئے نہیں ہو سکتا کہ سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ جہر قرأت میں امام کو سہو ہو گیا۔ اور اسی طرح اس کے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اس کا ارتفاع نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے التباس ہو چکے گا۔ پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھے گی کہ رکوع کیوں نہیں کیا اور نہ ایسا ارتفاع تو سجدہ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں مکرر سلام پھرنے سے بھی مرتفع ہو سکتا تھا۔ مگر فقہانے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اس لئے کہ عوام غلبہ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کر سکتے ہیں اور اپنی نماز کو تباہ کرتے ہیں۔ والہ اعلم۔ باقی دوسری جانب میں بھی مجھ کو تنگی نہیں۔

۲۴ رمضان ۱۲۵۷ھ (النور ص ۵۷۷)

## بَابُ النَوَافِلِ

حکم انصلیت قیام در نوافل بعد وتر | سوال (۳۸۸) عوام الناس بعد نماز ظہر اور بعد نماز مغرب و بعد ظہر و مغرب و عشاء | اور بعد نماز عشاء دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور بیٹھ کر ادا کرنے کو بہ نسبت کھڑے ہو کر ادا کرنے کے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط۔ ۹

الجواب۔ فی الدر المختار عن البحر ارجو غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النصحت الا بعد راءۃ ص ۹۷ احکام النوافل۔ اس روایت کے اطلاق سے سب نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے اس لئے عوام الناس کا سمجھنا غلط ہے

۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

سوال (۳۸۹) امداد الفتاویٰ دیکھتے ہوئے آج کل وتر کے بعد دو رکعتیں جالساً

پڑھنے کو خطا قرار دیا ہے اور حدیث ابن ماجہ کی جو سنن ابی داؤد میں بھی نقل کی ہے کہ آپ نفس قراۃ جالساً کر کے پھر کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ سنن ابی داؤد میں دوسری روایت (اگر اس کی ضرورت ہوئی تو نقل کر کے بھیجوں گا) حضرت عائشہؓ سے ہی یہ ہے کہ قرأت اور رکوع وغیرہ سب جالساً کرتے تھے یہاں تک کہ اس پر آپ کی وفات ہو گئی اس سے آخر تک کا عمل تصریحاً معلوم ہوتا ہے اور یہی اپنے اساتذہ سے اب تک سنا ہے اور گو قاعدہ کے اعتبار سے اجر اس میں غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نصف ہونا چاہئے۔ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے گا کہ آپ سے روہنی منقول ہے تو اس نیت سے انشاء اللہ تعالیٰ عجب نہیں کہ ثواب میں بھی کمی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال مسئلہ کچھ ہو مگر معمول نبوی تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ قراۃ اور رکوع کی تفریق میں فقط یہی ایک روایت ہے جس کے معارض دوسری روایت موجود ہے اور سنن کی ان روایات متعارضہ سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صحیحین کی روایات میں مطلقاً جالساً کا لفظ موجود ہے جس سے باطلاۃً ثبات یہ ہے کہ رکوع وغیرہ اور قراۃ میں کوئی فرق نہ تھا شاید بقاۃ سے اس ابن ماجہ کی روایت میں کچھ اختلاط وغیرہ ہوا ہو اور انہوں نے بعض رکعات تہجد کو جو آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ قراۃ تو بیٹھ کر اور رکوع کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کے ساتھ لگادیا ہو بہر کیف معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بظاہر وہی رائج معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۹

**الجواب۔** مجھ کو تو تعارض نہیں معلوم ہوتا کہ ترجیح یا احتمال اختلاط کا قائل ہونا پڑے روایت ابن ماجہ کو مطلقاً جالساً کی تفسیر کیوں نہ کہی جاوے اور جس روایت میں رکوع جالساً کی تصریح ہو اس کو محمول اختلاف اوقات پر کیا جاوے پھر قول مطلق ہے فعل کو اس پر منطبق کرنا اچھا ہے تخصیص کے قائل ہونے سے اور مسئلہ ظنی ہے جانبین میں گنجائش ہے۔ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۳)

**دتر کے بعد دو نفل | سوال (۳۹۰) دتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے یا کھڑے ہو کر اور ان دونوں میں سنت کیا ہے۔**

**الجواب۔** فی سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً عن ابی سلمۃ قال حدثنی عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بحدیث یرکع رکعتین یقرأ فیہما کوہی جالساً فاذا اراد ان یدرکہ قائماً رکع

ان حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد اوتریں قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہوا، رہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قراۃ طویل پڑھتے تھے اور آخر میں ضعف پڑھ گیا تھا یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا اور جب قرب رکوع کا ہوتا تھا چونکہ عارض مرتفع ہو جاتا تھا تو پھر کھڑے ہو جاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا نہ جو لوگ بیٹھ کر پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں اور روایت مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے۔ غرض عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اور بعض سائل اردو فارسی میں جو لکھ دیا ہے وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۱) بعد در نماز عشاء کے نفلوں کا حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے اور ایک وعظ میں ارشاد ہے۔ ”وعظ عود العصر ص ۱۱“ میں کہ بعض اکابر کا قول ہے۔ چونکہ بعد وتر کے دو رکعت حضور سے بیٹھ کر ہی پڑھنا منقول ہے اور قواعد شرعیہ سے بیٹھ کر پڑھنے میں نصف ثواب کا استحقاق ہوتا ہے مگر چونکہ حضور نے بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ اس لئے ہم کو بیٹھ کر پسند ہے۔ خادم کے واسطے جس طرح ارشاد ہو تعمیل کرے۔؟

الجواب۔ یہ قول چونکہ مشعرا تبار تھا اس لئے نقل کیا چنانچہ اوپر کے مضمون کے ملانے سے یہ امر واضح ہے۔ لیکن یہ عمل موقوف اس پر ہے کہ یہ ثابت بھی ہو۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی منقول ہے۔ اس لئے اب افضل یہی ہے۔ آپ کھڑے ہو کر پڑھئے۔ یہاں تو صرف بعض اکابر کے اس قول کا مبنی بیان کیا تھا۔ ۱۵ / محرم ۱۳۲۳ھ (تمہ خامسہ ص ۱۱)

حکم ادائے سنت فجر | سوال (۳۹۲) ایک شخص وضو کر کے آیا تو دیکھا کہ جماعت صبح کی کھڑی بعد اقامت فرض ہو گئی ہے اور مسجد انتی بڑی نہیں ہے لہذا اگر ایک گوشہ میں سنتیں پڑھی جائیں تو قراۃ امام کی آواز نہ سنائی دے تاکہ تعمیل آیت واذا قرأ القرآن۔ الایت کی ہو۔ اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فجر کی سنتوں سے کسی کو بوجہ فضاہل کثیرہ کے شوق ہو تو اسے چاہئے کہ حالت مذکورہ میں سنت کی نیت کر کے توڑ دے بعدہ جماعت میں داخل ہو جاوے بعد ادا کے فرض فی الغور وہ سنتیں بوجہ فرض ہو جانے کے پڑھ لیوے آیا یہ کہنا ان کا غلط ہے یا صحیح اور حالت مذکورہ میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ

شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر الساموع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دُوری صحت ممکن ہو وہاں پڑھے اور یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے بالکل ناجائز ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ پر تہمت ہے فی رد المحتار باب ادراک الفریضۃ والحاصل ان السنۃ فی سنت الجفران یا فی بھانی بیتہ والا فان کان عند باب المسجد مکان صلاھا فیہ والا صلاھا فی الشتموی او الصیفی ان کان للمسجد موضعان والا خلف الصفوف عند ساریۃ الا وفی الد المختار الباب المذکور ثم ما قبل یشترع فیہا ثم یکبر للفریضۃ او خیر یقطعہا ان یقضیہا مردود و بان درء المفسد مقدم علی جلب المصلحتہ وفی رد المحتار تحت ہذا القول ان ما وجب بالشروع لیس باقوی مما وجب بالندب ونص محمد بن المنذوب لا یؤدی بعد الفجر قبل الطلوع ۸۵ - ۱۱ رجب ۳۲۲ھ (امداد ۵۳)

حکم سنت فجر ہنگام جماعت | سوال (۳۹۳) خالد مسجد میں نماز صبح پڑھنے آیا ہے آگے مسجد میں جماعت ہو رہی ہے خالد سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہو دے یا امام کو جس رکن میں پائے شامل ہو جاوے مفتی برہنہ جوالہ فقہ نقہ و مزین بہر خود ابلاغ فرما دیں :-

الجواب ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنت نہ چھوڑے۔ کذا فی الکتب المذمبیۃ - ۲۶ رذیحہ ۱۳۳۱ھ، (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۰)

سوال (۳۹۴) سوال اول عرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت کی ترجمہ مجھے تردد ہے کہ حضرت کے بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھوروہ میں جو مسئلہ موجود ہے وہ صحیح ہے یا ان مندرجہ ذیل کتابوں سے ظاہر ہو مسئلہ سمجھ میں آتا ہے وہ صحیح ہے اور وہ مسئلہ آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ مذکور کے عنوان (جماعت میں شامل ہونے نہ ہونیکے مسائل مفہوم) میں ملج ہے۔

مسئلہ - فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا اور کسی وقت کی وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھے۔ (در مختار وغیرہ)

لفظ (خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی) اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ اور مندرجہ ذیل کتب کی عبارتوں سے تخصیص بالفجر معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے آپ سے نہایت مؤدبانہ طور سے التجا ہے کہ آپ مجھے کافی شافی جواب سے اس ظلمت سے نکالیں جس میں اس وقت میں ہوں اور وہ

عبارت موجود ہے "فی مدارق الفلاح ص ۳۲ مطبوعہ مصر فصل فی الاوقات  
المکروهہ ویکرہ (التنفل) عند الاقامۃ لكل فرضیۃ الا سنتہ الفجر اذا امن  
فوت الجماعة و فی الكتاب المذکور فی ص ۳۲ فی باب ادراك الفریضۃ ومن  
حضر وکان الامام فی صلوٰۃ الفرض اقتدی بہ ولا یشتغل عنہ بالسنتۃ  
فی المسجد ولو لم یفتہ شیء وان کان خارج المسجد وخاف فوت رکعتہ اقتدی  
والاصلی السنتۃ ثم اقتدی لا مکان جمیعہ بین الفضیلتین الا فی الجہر فانہ  
یصلی سنتہ ولو فی المسجد بعید عن الصف ان امن فوتہ ولو باداکہ  
فی التشہد وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا  
المکتوبۃ محمول علی غیر صلوٰۃ الفجر لما قد مناه فی سنتہ الفجر و فی الہدایۃ  
ومن انتهى الی الامام فی صلوٰۃ الفجر وهو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان  
یفوتہ رکعتہ ویدرک الاخری یصل عند باب المسجد ثم یدخل  
لانہ امکنہ الجمع بین الفضیلتین وان خشی فوتہا دخل مع الامام  
لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترک الزم بخلاف سنتہ الظہر  
حيث یترکھا فی الحالین لانہ ممکنہ اذا وھا فی الوقت بعد الفرض هو الصحیح  
اور اسی طرح در مختار میں بھی موجود ہے۔ عبارت کی طوالت کی وجہ سے انہیں دو کتابوں

کی عبارت کو نقل کیا ورنہ اور بہت سی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

الجواب۔ اور کتابوں سے جو مفہوم ہوتا ہے وہی صحیح ہے۔ معلوم نہیں علم الفقہ میں جو کہ  
بہشتی گوہر کی اصل ہے تعمیم کیسے لکھ دی۔ بہشتی گوہر اُس سے اس طرح منتخب کیا گیا ہے  
کہ سرسری نظر سے مضامین کے اول و آخر پر نشان بنا دیا کاتب نے نقل کر لیا۔ ایک ایک  
لفظ نہیں دیکھا گیا بوجہ اعتماد کے۔ (ترجیح خامس ص ۱۲۲)

حکم تکبیر شدن در اثنائے سنت | سوال (۳۹۵) مردے نیت چہار رکعت سنت خواہ  
نفل نمودہ یک رکعت با تمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخواست دریں ضمن کستے تکبیر نماز  
فرض گفت اذکنندہ نفل و سنت ہر چہار رکعت تمام نماید یا برود رکعت اکتفا سازد و دو رکعت  
باقی را قضا کند یا نہ؟

الجواب۔ اگر در اثنائے سنت یا نفل تکبیر شد برود رکعت سلام دادہ و رجاعت داخل

شود رائج و افسر بہین ست۔ و الشارع فی نفل لا یقطع مطلقاً و یتیمہ رکعتین و کذا سنۃ الظہر و سنۃ الجمعة اذا اقيمت او خطب الامام یتیمہا اربعاً علی القول الرابع لانھا صلوة واحدة و لیس لقطع الا کمال بل لا یطال خلافاً لما رجحہ الکمال در مختار قولہ خلافاً لما رجحہ الکمال حیث قال و قيل یقطع علی رأس رکعتین و هو الرابع لانہ یتیمک من قضائھا بعد الفرض و لا یطال فی التسلیم علی رکعتین فلا یفوت فرض الاستماع و الاداء علی الوجه الا کمال بلا سبب الخ اقول و ظاہر الہدایۃ اختیاراً و علیہ مشی فی المقتی و نور الايضاح و المواہب و جمعة الدرر و الفیض و عزالہ فی الشرع بلا لیتۃ الی البرہان و ذکر فی الفتح حکى عن السعدی انہ رجح الیہ لما رآہ فی النوادر عن ابی حلیفۃ حمزہ مال الیہ السرخسی و البقائی فی البنزازیۃ انہ رجح الیہ القاضی السفی و ظاہر کلام المقدسی المیل الیہ و نقل فی الحلیۃ کلام شیخہ ابن کمال شمر قال و هو کما قال ہذا و ما رجحہ المصنف صرح بتصریحہ انولوا لى و صاحب المبتغی و المخطط ثم الشمنی و فی جمعة الشرع بلا لیتۃ و علیہ الفتویٰ شامی مجتہد فی جلد اول ص ۲۷۰۔ پس بعد نماز فرض اگر سنت بود ہر چہ اربعہ رکعتی و اگر نفل بود بیچ لازم نیاید و قضی رکعتین و نوای اربعہ غیر مؤکدہ علی اختیار الحلبی و غیرہ و نقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای و تشهد الاول و لا یفسد کل الی اتفاقاً در مختار با طحاوی مصر ص ۲۹ و اللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

اہمیت اشتغال بالفقضاء از نوافل | سوال (۳۹۶) نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضا نمازیں۔؟

الجواب۔ فی رد المحتار عن المضمحلۃ الاشتغال بقضاء الفوائت او الی و اھم من النوافل الا سائر المفروضۃ و صلوة الضحیٰ و صلوة التسبیح و الصلوۃ الی روت فیہا الاخبار اہا ای کتیمۃ المسجد و الا ربع قبل العصر و الست بعد المغرب ج ۱ ص ۲۷۰۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضا نمازیں پڑھنا نفل سے بہتر ہیں بجز سنن مؤکدہ اور ان نوافل کے جن کا ذکر اوپر کی عبارت میں ہے۔ فقط ۱۴ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

حکم تیمۃ الوضوء و مسجد بعد خواندن سنت فجر و منزل | سوال (۳۹۷) نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اس وقت نماز تیمۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔؟

لیکن اگر کسے بقول دیگر کہ تمام اربع است و سنن محل کد گنجائش دارد ۱۲ منہ +



ہیں اس دو رکعت نماز نفل کا کسی حدیث صحیح حسن یا ضعیف سے کچھ ثبوت یا کبریت ہے ؟  
**الجواب** - عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ما صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط  
 فدخل علی الاصلی اربع رکعات اوسط رکعات - رواہ احمد وابوداؤد واسنادہ  
 صحیح کذا فی آثار السنن ص ۲۳ ج ۲ - ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالث صفحہ)

دلیل دوازده رکعت در تہجد سوال (۳۹۹) شامی مصری جلد یکم صفحہ ۵ میں ہے۔ قولہ اقلھا علی مافی الجوهرة ثمان الی قولہ واللہ اعلم۔ اس مجموعی عبارت سے نماز تہجد کا بارہ رکعت ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف آٹھ رکعتیں تو بہشتی زیورہ نقل و مکمل حصہ دوم ص ۱۸ کی عبارت زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اس کا کیا مطلب در کہاں سے لکھا گیا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ۹

الجواب - فی مکلا بدمنہ للقاضی ثناء اللہ الیانی پتی المسلمون فی التحدیث للنگب

عند الشاه عبد العزيز الدہلوی بیدھقی الوقت ما نصہ وازدو ازوہ رکعت زیادہ ہم نبوت  
نہ پیوستہ الی قولہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہے تہجد مع وتر ہفت رکعت خواندہ وگا ہے یازدہ  
وگا ہے سیزدہ وگا ہے پانزدہ الخ ویتاید بمافی صحیح البخاری عن ابن عباس الحدیث بطولہ  
وفیہ ثمر صلی رکعتین ثمر رکعتین ثمر رکعتین ثمر رکعتین ثمر رکعتین ثمر رکعتین  
ثمر الخ وفی ہامشہ فیہ دلیل علی ان صلوۃ اللیل اثنا عشر رکعۃ اھـ وثمان  
کو جنہوں نے اکثر کہا ہے وہ باعتبار اکثر عادت نبویہ کے ہے ورنہ اس قول کا صلح کے خلاف  
ہونا لازم آوے گا اور اگر مقصود سوال سے اس کی تحقیق ہے کہ شامی کا حوالہ کیوں دیا گیا۔ اس کا  
جواب اہل میں بذمہ حوالہ دہندہ ہے جن کا نام شروع کتاب میں ہے مگر تیرا جواب بی دیتا  
ہوں کہ حوالہ باعتبار اہم اجزاء کے ہے۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ (تمہ خامسہ ص ۴۲)

لیکن اس کی تفصیل سمجھیں نہیں آئی یعنی ایسی حالت میں کوع و سجود قیہ وغیرہ ارکان نماز کیونکر

ممکن ہوں گے دوسرے اس کا ثبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی سے حدیث و سیر کی عام و متداول کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا حضرت محبوب الہی کے ملفوظات فوائد الفوائد کے شروع میں البتہ یہ تذکرہ موجود ہے کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر نے اتباع سنت میں یہ نماز بھی پڑھی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اقوال الجلیل میں اسے اشغالِ حشریہ کے ذیل میں درج فرمایا ہے لیکن یہ بھی فرمایا ہے کہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس باب میں جناب کی تحقیق سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ ۹۔

**الجواب۔** اس کو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لئے منقول و مائل ہونا ضروری نہیں۔ ہاں مہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے سو یہ مہی عنہ نہیں لیکن اس وقت امرِ جہ اس کے تحمل نہیں ہو سکتے لہذا مشائخ نے اس کو ترک فرمادیا ہے۔ تاریخ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۵)

تحقیق چار رکعت سوال (۴۰۱) قبل از عشاء چار رکعت سنت کس حدیث سے ثابت ہیں شیخ قبل العشاء دہلوی نے لمعات میں لکھا ہے کہ میں نے کوئی حدیث اس مضمون کی نہیں دیکھی فقہار نے اس کو کہاں سے ثابت کیا۔

**الجواب:** شاید ظہر یا عصر پر قیاس کیا ہو۔ فقط واللہ اعلم ۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

## فصل فی التراويح

حکم تعدد تراویح در یک مسجد | سوال (۴۰۲) ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۸۸ گز اور عرض ۸ گز ہے اگر چاہیں کہ قرآن شریف دو جگہ مسجد کو در میں دو حافظ بیچ تراویح پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ روک ایسی کر دی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں۔ ۹۔

**ع** اس تحریر کے بعد صیغہ دیکھنے سے اس مسئلہ کا جواب جو عبارت ذیل منقولہ عن العینی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا وہ عبارت یہ ہے قال الحلیون الغنیۃ۔ اما الاذیہ قبل العشاء فلعمدہ کہ فی خصوص ما حدیث لکن یستدل بعموم ما رواہ الجماعة انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بین کل اذا انین صلوٰۃ بین کل اذا انین صلوٰۃ شرعاً بعد الثالثۃ لمن شاء فہذا مع عدم المنافی من التنفل قبلہا یفید الاستحباب لکن کو کہا ربیعاً یتشیع علی قول ابی حنیفہ صلاً ہما الا فضل مند ۴۲

**الجواب** - ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ ازراہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں فی البقیہ عن عبد الرحمن ابن عبد القادر ہی انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلتہ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الی الرجل لنفسہ - ویصلی الی الرجل ویصلی بصلواتہ الرہط فقال فی اری لوجعت ہواکلاء علی قارئی و احد لکان امثل شوخ من فجعہم علی ابی بن کعب الحدیث جلد اول ص ۳۹۹ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشبیہ نہیں فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۴/۱۲/۱۳۳۵ھ (امداد ص ۱۹ ج ۱)

**سوال** (۴۰۳) رمضان شریف میں کوچ کے دن کو ح شب جواز تراویح بردا بحال عذر کو ہو گا تراویح کیونکر پڑھیں آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں سواری ہاتھی کی ہوگی؟  
**الجواب** پڑھ سکتے ہیں۔ فی رد المحتار بخلاف سنۃ التراويح لانہا دونا فی التاکد فیصح قاعداً وان خالف المتوارث وعمل السلف کما فی البحر قلت وافادت المخالفة الکراہۃ وتجبر بالعد من فی الدار المختار فہی صلوات علی الدابة فتجوز فی حالتہ العد رالی قولہ وذہاب الفقہاء - ۱۵ شعبان ۱۲۲۱ھ (امداد ص ۳)

**سوال** (۴۰۴) اگر کوچ آٹھ بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور کہاں تک کمی ہو سکتی ہے؟

**الجواب** - جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں جس قدر کوچ سے پہلے پڑھ سکیں اس کا بقیہ سواری پر پڑھ لیں۔ فقط تاریخ بالا (امداد ص ۳ ج ۱)

**سوال** (۴۰۵) ہمارے ملک میں چند سال سے رواج ہو گیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کے لئے مساجد میں مضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں اگر کسی جا پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ

**ع** اس استنباط میں تامل ہے کیونکہ یہ حالت اس وقت کی تھی جبکہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وہ عدم تشبیہ کی بھی یہی عدم اہتمام تھا اس سے حکم مذکور کا استنباط مشکل ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس کے وہ مقصود فوت ہوتا جس کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔ (تصحیح الاغلا ص ۵۵)

معلوم ہو جاوے کہ یہاں نہ ہزار مبلغ حاصل ہوگا باطل اقبال نہیں فرماتے۔ یہ امر اجرت علی الطاعة جس کی حرمت و منع شرع میں وارد ہے اُسی میں داخل ہے یا نہیں اور بعض علماء فقط کہہ رہے ہیں کہتے ہیں اور بعض علماء جائز بتلاتے ہیں۔ فقہاء متاخرین امور اربع یعنی امامت و اذان و تعلیم و وعظ میں ضرورت جائز ہی کہتے ہیں سو اس ختم کو اسی باب امامت میں داخل کر کے امامت تراویح بھی ختم ہوا امامت سے خارج نہیں کہتے ہیں فقہاء کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی سوائے قواعد و قیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گزری ہے تو ترقیم فرما کیونکہ کیونکہ ایصال ثواب قراءۃ کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو فقہاء نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں تراویح میں جو ایصال نہیں محل تامل ہے کہتے ہیں اور تحلیل فقہاء کی نفی الانتفاع بتضییع حفظ القرآن کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور و قصور واقع ہوگا کہیں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن سے کہتے ہیں۔ درخانہ کسے رفتن و از صبح تا شام نشستن الخ کو محل جارہ پھرانے سے اس کی اجرت کے لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مبلغ کا دینا لینا واقع ہوگا بطریق تبادل و تعارض نہ ہو بطریق صدقہ یا ہدیہ ہو جو چاہے سو دے سکتے ہیں۔ اور یہ پشور پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں انتہی ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح درجہ مکمل مطلوب ہے اور ان امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کی طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانیوالے جا بجا ٹوکتے ہیں تو دے کبھی لیتے یا گڑبڑاتے یا دفعہ کر لیتے پھر لینے خیال میں آئے بعد مقام معین تک بڑھ لیکر نماز بلا سہو تمام کر دینا اور اعراب و الفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے یا موجب وزر۔ بینوا تو جروا۔

تتمۃ السوال۔ الفصل الثالث امور مبتدعة باطلہ الاصل لہا فی الشریعۃ اکب الناس علیہا علی ظن انہا قریب مقصودۃ و ہذہ کثیرۃ فلنذکر اعظمہا منہا وقف لادوات ای النفود لتلاوة القرآن العظیم فی اجراء قرآنیۃ عن الواقف قرأتہا فی مکان مخصوص اولہم یعین لہم کانا اولان یصلی نوافل اولان یسبح ای یقول لا سبحان اللہ کذا کذا اولان یہلل اولان یصلی او اطلق فی ذلک کلہ ولہم یدکر عدد او یعطی ثوابہا لروح الواقف اولہم من ارادۃ و اصل المسئلۃ صحیح فیم قرآن القرآن

اوسبح او همل او صل کذا رکعة واهدی ثواب ذلك لغلان الحی او المیت قال  
 ابوالد في شرحه على شرح الدرر في بيان الحج عن الغير اعلو ان الانسان له  
 ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوما او صدقة او قراءة قرآن او ذكر او  
 طواف او حجا او غيره ذلك عند اصحابنا كذا في البحر اما قوله عليه الصلاة  
 والسلام لا يصلی احد من احد ولا يصوم احد عن احد فهو في حق  
 التفرج عن العهدة لا في حق الثواب فان من صام او صلى او تصدق وجعل  
 ثوابه لغيره لا لاموات ولا لحياء جازو يصل اليهم ثوابه عند اهل السنة  
 والجماعة كذا في البدایع شر فی البحر وبهذا علوانه لا فرق بين ان  
 يكون المجعول له ميتا او حيا والظاهر ان لا فرق بين ان ينوی به عند الفعل  
 للغير او يفعل لنفسه شر بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لا طلاق كلامهم  
 ولما راكم من اخذ شيئا من الدنيا فيجعل شيئا من عبادته للمعطي و  
 يلغي ان لا يصح ذلك قال الوالد رحمه الله فيه نظير بل اطلاق ما  
 سبق يقتضي الصحة انتهى ووجهه ان اخذ الدار هم صدقة من المعطي  
 واخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطي ووجه الاول في المتن ان ثواب العباد  
 لا يدخل تحت عقد البيع لان ذلك مخصوص بالاعراض الدنيوية بهذا  
 السبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلك لان بدل اخذ المعلوم من  
 الوقف في مقابلة فعل لشرط الذي شرطها الواقف فهو كالبيع للثواب  
 وان اعتبرنا وجه كونه صدقة على من يقرأ الواقف القران ان او يصل له  
 الى اخره لان ذلك المعلوم عوض عن تلك القرابة وثمن لثوابها ولكنه  
 بمنزلة ما اذا كان الواقف على امام الجامع او الخطيب ونحو ذلك فانه شرط  
 على من اتصف بذلك فهي صدقة من الواقف على صاحب هذه الوصف  
 المذكور لان الوقف ليفعل لموقوف عليه ذلك في مقابلة اخذ المعلوم  
 المنعين له ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته وبعد هاو  
 باعطاء دراهم معدودة لمن يطلب القرآن لرحمة او ليسبح له او  
 يهمل او بان يبيت عند قبرة اربعين ليلة او اكثر او قل او بان يبيت

۱۔ علی قبرہ بناء و کل هذا بدع منکره ای انکرها الشرع لمخالفتها لمقتضاها حیث  
اشتملت علی بیع ثواب الطاعة و اخذ الشئ من الدنيا فی مقابلته و الوقف  
و الوصیة باطلاق و الماخوذ منها حرام للاخذ و هو عاص بالثلاوة و الذکر  
لاجل الدنيا و المفهوم منه ان الذی یاخذ ذلک لو تلى القرآن اذ ذکر الله  
تعالی اوصلی کذا رکعة او هلال او کبر و نحو ذلک من انواع القربات لا و جل  
ما یاخذ من المعلوم المعین له فی الوقف لمن فعل ذلک بل لوجه الله  
تعالی و اخذ المعلوم صدقة علیه من الواقف جاز و صح الوقف حیث ین  
وهو ما ذهبا الیه فیما تقدم فی حق جمیع الوظائف فی الاوقاف کلها و لیس  
الا مرفصصاً لهذا النوع منها انتهى - حدیقة الندیہ شرح طریقہ محمدیہ - ۱۲ -  
عالمگیری کی عبارت یہ ہے و اختلافوا فی الا ستمجار علی قراءة القرآن علی القبر صریح  
معلومہ قال بعضهم یجوز کذا فی سراج الوہاجہ جلد ثالث فی کتابہ لا جاز  
ص ۱۱۳ - رد المحتار میں اس عبارت کی توجیہ علی قراءة القرآن کی جائے پر علی تعلیم قراءة القرآن کی ضرورت  
ہے کہا ہے ورنہ جمیع فقہاء کی تصریح کا خلاف ہی کہا ہے -

مدارس کے فاضل مولوی صاحب صورتہ جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں - نزد فقہاء متقدمین  
حفیظہ جاریہ عبادات باطل ست لیکن متاخرین و راوان و امامت و تعلیم قرآن و غیرہ جائز و ہستہ اند  
و امامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ و عیدین و تراویح و ابراخراج امامت تراویح و ابراخراج  
امامت تراویح ہندی یافتہ نمی شود و اپنے فقہاء و تعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ لظہور التوائی فی الامور  
الدینیۃ ففی الامتناع تصبیح حفظ القرآن در امامت تراویح نیز جاری میشود کہ برائے  
امامت تراویح قرآن را خوب حفظ می کنند و بدون حفظ جید امامت آن نمی توانند و معائنہ می شود کہ  
حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند یا ترک کردہ اند در حفظ آنها قصوری باشد پس از مانع جواز شوند  
ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد و قصور در حفظ قرآن خواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود این قیمت  
کہ امامت برا جازہ واقع شود لیکن اگر ا جازہ بر امور دیگر و رائے امامت واقع شود و امامت ضمناً واقع شود  
عدم جوازش و جہے ندارد و در فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب واقع شدہ است قاعداً ا جازہ آن بہت  
کہ بر شے واجب و مندوب منعقد نمی شود و تعلیم قرآن فرض کفایہ است و مندوب علی العین پس  
محل ا جازہ نیست آری در خانہ کسے رفتن و از طبع تا شام نشستن و اطفال و راشائی کردن

فعلیست درائے تعلیم کہ بالاجارہ منعقدی تواند شد انتہی۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی ضا  
اجارے کی دو قسم کر کے دوسرے بہت میں تعلیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اور بھی اسی نوع میں ہے۔ تاگر  
درمیان آہنا ابتدا جارہ و آخر نشود گو کہ بقاعدہ المعروفہ کا مشروط محمول برا جارہ خواہد شد لیکن درال  
وقت نیت معاوضہ نہ داشتہ نیت صلہ و صدقہ دارد و برا جارہ محمول نتواند شد خصوصاً اگر تصریح کند ایں  
روپیہا بطور صلہ و تبرع است عبارت حدیقہ الندیہ برہمیں محمولست و در فتاویٰ عزیزیہ واقع شدہ  
است شخصے طلب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر میخواہد لیکن از راہ تنگ دستی و فقدان  
وجہ معاش فراغت اشتغال ہایں امور ندارد و در دے دیگر صاحب مایہ ذمہ دارد و جہ قوت او شود با فراغ  
بال مشغول بطاعت گرد و دریں صورت ہر دورا اجر کامل برہر طاعت او حاصل میشود قال تعالیٰ  
للفقراء الذین احصوا الخ و اعانت بر طاعت کہ در حدیث جامعہ مدح واقع شد و ہمین است  
لیکن ایں را اجرت گفتن مجازست۔ انتہی واللہ اعلم۔

الجواب۔ قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے کل طائفتہ تختص بہا المسلمون لا یجوز ان لا یتبحار علیہا  
عندنا اور دلیل نقلی اس کی یہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام اقروا القرآن ولا تاکلوا ابہ اور عقلی یہ ہے  
لان القربۃ متی حصلت وقعت عن الحاصل ولہذا التعلین اہلیتہ فلا یجوز  
لہ اخذ الا جرحہ من غیرہ کما فی الصوم من الصلوۃ ہکذا فی الشامیۃ المجلد الثانی  
اور متاخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے احتساباً بعلت ضرورت بقا و حفظ شعائر دین مثلاً و مخصوص  
کر لیا ہے فی الدار المختار باب الاجارۃ الفاسدۃ و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن  
والفقہ و الامامۃ و الاذان اے فی رد المختار وقد ذکرنا مسئلۃ تعلیم القرآن  
علی استحسان الا۔ یعنی للضرورة آہ ملکہ مدۃ ۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمتہ استیجار  
علی الطاعت ہے اور استثناء بعض فروع کا خلاف اصل مذہب بعلت ضرورت مذکورہ ہے پس ماموا  
فروع مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔ قال فی الشامیۃ۔ بعید العبادۃ الاولی  
المذکورۃ وقد اتفقت کلماتہم جمیعاً علی التصریح باصل المذہب من عدم  
الجواز ثم استثنوا بعدہ ما علمتہ۔ فہذا دلیل قاطع و برہان ساطع علی  
ان المفتی بہ لیس ہو جو از لا یتبحار علی کل طاعت بل علی ما ذکرہ فقط مما  
فیہ ضرورۃ ظاہرۃ تبلیغ الخروج عن اصل المذہب من طرہ المنع فان مفاہیم  
الکتاب حجتہ و لو مفہوم لقب علی ما صرح بہ الاصولیون بل ہو منطوق

فان الا ستنشاء من ادوات العموم کما صرح جوابہ ایضاً ۱۵۔ عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بخصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلم ہو) مضر حکم حرمتہ استیجار نہیں کیونکہ اولاً مفہوم مخالفت روایات فقہیہ میں مجتہد ہے ثانیاً جو عموم صدر کلام کے ماسوی المشتفی کو اس ختم علی الاجرت کی حرمت منطوق و منصوص ہے چنانچہ عبارت مذکورہ انفاً اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہو اگرے تو کسی مسکر جدید الترتیب کی حرمت پر کل مسکر حرام سے استدلال جائز نہ ہوگا و ہوا بطل دوسری تلاوۃ لا یصل الثواب جس کی حرمت استیجار بالخصوص مصرح ہے اُس کی تعلیل میں حرمت کی تقریر میں علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے ویمنع القادی للذین یأخذوا بالخذ والمعطى الثمان فالخا صل ان ماشاع فی زماننا عن قراءة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیہ الامر بالانکسار واعطاء الثواب الامر بالقراءة لاجل المال فاذا لم یکن للقادی ثواب لعدم النية الصیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر لو کما کما جرة ما قرأ احد الا حد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً و وسیلة الی جمع الدینا ان اللہ وانا للہ وارجعون الا کذا فی الشامیۃ ص ۳۵ من المجلد الخاص۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی بالخصوص مصرح ہو گیا کیونکہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے ورنہ فی نفسہ شاعر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسب بنالیا ہے پس اشتراک علت ثابت ہو گیا۔ ہر حال خصوصاً لیا جاوے یا عموماً پھر عموم میں مفہوم لیا جاوے یا منطوقاً ظہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہو گئی اور اس سے لائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ اُس وقت رسم فاسد نہ ہوگی ہر صنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے لیکن جب دلیل حرمت کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے اب باقی رہا جواب تو یہ بات جواز کا۔ سو جواز ہذا الختم کے لئے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے محض فاسد ہے جس کا منشاء سوء تدبیر ہے اور بنا بر ضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلیم کا جو موقوف علیہ ہے حفظ کا پس بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادیہ کے تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا۔ چنانچہ بدیہی ہے پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت



نہ ہوا غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا تو اس اجرت پر جو بعض تعلیم لی جاتی ہے سو اس کا جواب مفتی یہ ہے اور ختم بلا واسطہ حفظ کو اسی اجرت پر موقوف ہے جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے لیکن تعلیم پر قیاس اس لئے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے بہات دین سے نہیں چنانچہ فقہائے اُس کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔ فی الدلائل المختارہ رد المحتار والختصر مکتبہ مدینۃ دہلی لکسل القوم لکن فی الاختیار الافضل فی زمانہ اہل زمانہ ہوا قولا لا یتقل علیہم حواذی المصنّف وغیرہ الی قولہ ومن لہو لیکن عالم اہل زمانہ فہو جاہل قولہ الافضل فی زمانہ لان تکتیر الجمع افضل من تطویل القراءۃ الی قولہ ولہذا قال فی البحر المحاصل ان الصحیح فی المذہب ان الختم بدینۃ لکن لا یلزم منہ عدم ترکہ اذ الزم منہ تنفیل القوم وتعطیل کثیر من المساجد خصوصاً فی زمانہ اہل زمانہ اختیار الافضل علی القوم مجلد اول ص ۳۹۰۔ ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے پس جب ختم ضروریات سے نہ ہو تو اس کا توقف جس اجرت پر بعارض عادت ثبت و مسلم ہو اس کا جواز علت ضرورت سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا چنانچہ قاعدہ فقہیہ تحریر ہے اذ تردّد الحکم بدین سنتہ و بدعتہ کان ترک السنۃ واجبا علی فعل البدع کذا فی الشامیۃ المجلد الاول صفحہ ۱۰۰۔ پس جب اس سنت کے ادائے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کر دیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرت کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصدّد الختم بالاجرت و توقّف ہے سوا دلائل اس عادت کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے۔ ثانیاً تحصیل قرآن و حفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا سو اس کا بھی اولاً عادت فاشیہ ہونا غلط ہر اردو بندگان خدا سامعین کو دیکر اپنے اہواء حفظ کے لئے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقع دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے جیسا تعلیم میں تھا بلکہ اپنی سوء طبع سے ہے اگر اس کا اعتبار کیا جاوے تو صوم و صلوٰۃ میں بھی اگر کسی زمانہ یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہئے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کر دیا جاوے۔ وہو باطل بلا جماع والتخصیص من الشارع والفقہاء اور تعلیم میں اس عادت کا اعتبار

اس لئے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کر سکتا اور ہر شخص فارغ البال و مرقد الحال نہیں بخلاف ختم متنازع فیہ کے کہ اُس سے عیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے اس لئے عادیہ متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر و مخفف حکم ہوگی اور عادیہ متعلقہ ختم معتبر و مخفف حکم نہ ہوگی فافہم۔ اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بنا پر اُس کو مستثنیٰ سمجھنا محض باطل ہے کیونکہ ختم نہ عین امامت ہے نہ اُس کا موقوف علیہ جزئیہ یا زوائد ہے کیوں کہ امامت بلا ختم بھی متحقق ہوتی ہے کما ہو مدرک بالحس پس دعویٰ استثناء کی اس بنا پر گنجائش نہ ہوتی اور شاہ صاحب کے فتوے اولیٰ کو اس سے کچھ بھی حس نہیں کیونکہ بہ توجہ جس کی مخصوص ہے صورت ضرورت کے ساتھ اور جہاں ضرورت مذکورہ ہو وہاں یہ تاویل مقبول نہیں و نہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے کیوں کہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکیگی علیٰ ہذا فتویٰ ثانیہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اعانۃ علی الطاعة اور چیز ہے گو اس کو مجازاً اُجرت کہا جاوے اور اُجرت علی الطاعة اور چیز ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے وہ حقیقۃً اُجرت ہے کما ہوا ظاہر و سیاقی قریبۃ عن الامام الاستاذ ذیل اُجرت کو ماوِل باعانت کرنا محفل ہر ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کما مر اور یہ تاویل کہ یہ حسبہ بشر پڑھتے ہیں وہ حسبہ بشر دیتے ہیں الخ بالکل انکار حیسیات اور تاویل العمل بما لایرضی بلعامل ہے جو شخص ان فاعلین کے معاملہ کو دیکھے گا اُس کو ہرگز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصلی اُجرۃ ہے اولسی تصریح کہ فعل کینایات ہوا و متعاقبین کے نزدیک غیر مقصود ہو بنزل محض ہے جو شرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔ قال الامام الاستاذ لا یطیب والمعروف کالمشروط الا قلت و هذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا العلم ہما نہم ولا یدھبون الا باجرا للبتۃ کذا فی الشامیة المجلد الخامس صفحہ ۵۲ فی تقریر مسئلۃ اخرى اور دناھا احتجاجاً بالعلۃ اور بعض بزرگوں سے جو یہ توجیہ نقل کی گئی ہے اُن کے زمانے میں ممکن ہے کہ نیات میں اس قدر فساد نہ ہو گا ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہر و باہر ہے اور حدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے اس کی نسبت شامی میں رد منقول ہے وقد اغتر بما فی الجوهرة صاحب البحر فی کتاب الوقف وتبعہ الشایح فی کتاب الوصایا حیث یشعر کلامہما بنحو ان الاستیجار علی کل الطاعات ومنہا القراءة وقد ردہ الشیخ خیر الدین الرملی فی حاشیۃ البحر فی کتاب الوقف حیث قال اقوال ملفتی بہ جواز الاخذ استحساناً علی تعلیل القرآن لا علی القراءة المجردة

کما صرح به فی التاثر خانیۃ۔ الخ جلد خامس صفحہ ۵۳ اور حسب قواعد رسم المفتی چونکہ یہ قول مرجوح ہے لہذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جو عبارت ہے اس کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے والصواب ان يقال علی تعلیم القرآن فان الخلاف فیہ كما علمت لا فی القراءة المجردة فانه لا ضرورة فیہا فان كان ما فی الجوہر سبق قلع فلا كلام وان كان عن عمد فهو مخالفة لكلامهم فاطبة فلا يقبل وقد اطنب فی ردہ صاحب تبیین المحارم مستند الی النقول الصریحۃ الی اخر ما قال۔ جلد خامس صفحہ ۵۲۔

اسی طرح بعض نے جواز القراءة علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اُس کی بھی غلطی محققین نے کی ہے۔ قال الشافعی وفیہ رد ایضاً علی صاحب البحر حیث علل لبطلان بانہ مبنی علی القول بکراهة القرآن علی القبر وليس كذلك بل لما فیہ من شبهة الاستیجار علی القراءة كما علمت وصرح به فی الاختیار وغیرہ ولذا قال فی لو کون ما نصبہ ولو زار قبر صدیق او قریب لہ وقرء عندہ شیئاً من القرآن فهو حسن اما الوصیۃ بذلک فلا معنی لہا ولا معنی ایضاً لصلة القاری لان ذلک یشبہ استیجاراً علی قراءة القرآن وذلک باطل ولعل یفعل ذلک احد من الخلفاء الا جلد خامس صفحہ ۵۳۔ ایک مقام پر شامی نے کہا ہے ولا ضرورة فی استیجار شخص یقرأ علی القبر وغیرہ الا جلد خامس صفحہ ۶۷۔ اس غلطی کے لفظ میں غیر قراۃ علی القبر بھی داخل ہے جو تراویح کو بھی شامل ہے۔ حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السؤال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں بلکہ موجب معصیت ہے۔ واللہ اعلم۔ راجع ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۱۷ ج ۱)

حکم استماع قرآن در تراویح | سوال (۴۰۶) سلام مسنون۔ سوالات ذیل بطور استفاء روانہ خدمت از حافظ لاجر بطریق مختلفہ | ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے۔ لیکن حافظ جوان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔ (۲) حافظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دو صورتیں رائج ہیں اکثر تو قبل شروع تراویح محالیت صاف صاف کر لیتے ہیں لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے جو تعین عوض نہیں کرتے بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدیان نماز تراویح بطیب خاطر و رغبت حافظ صاف

کو نقدی ۸ روپیش کرتے ہیں جس کو حافظ صاحب حلو اے بے دود کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔  
(۳) ایک صورت یہ بھی مستحل ہے کہ محلہ کاٹیس یا کوئی ذی قدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرے تاہم ادا اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرے تاہم مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۴) رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آل مخدوم کے مطابق صاف ظاہر ہے کہ طاعت الہی پر اجرت نہیں ہے۔ لہذا مسئلہ بالامیں کو کسی صورت بعرض جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے۔ (۵) جبکہ حافظ ماجور کی دبا عالمگیر ہو تو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں افضل اور انسب ہے بہ نسبت اقتداء ان حافظ ماجور کے (۶) اگر حافظ صاحب سے قبل از تراویح معاشرت کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پر ان کو اجرت دی جاوے بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعین تاریخ ان کی کما حقہ نقدی سے خدمت کر دی جاوے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی تہذیب کی جاسکتی ہے۔ (۷) ایک محلہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا لیکن صرف الم ترکیف سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ بس ان شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے آیا اس شخص کا جو اپنے محلہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتداء کر کے ختم کلام شریف پڑھ کر کرتا ہے۔ (۸) اگر کسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف الم ترکیف سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (۱) جبکہ وہ مسجد اس محلہ میں نہ ہو (۲) جبکہ وہ مسجد دوسرے محلہ میں ہو۔

الجواب چونکہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سناٹ سے اس کا اہتمام متواتر ہے اور وہ آجکل بوجہ فساد زمان کے تخلص ختم سننے والوں سے کم میسر ہوتا ہے اگر ایسے حفاظ کے ساتھ قرآن نہ سننا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر متاع ختم قرآن سے محروم رہیں اس لئے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطراب جالب تیسرے اس لئے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ

تاویل ممکن ہے کہ اس اجرت کو (خواہ وہ مشروط ہو یا معزوف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے) بمقابلہ امامت کے کہا جاوے گا جس کو متاخرین نے جائز رکھا ہے اور چونکہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا پس اُس کے حق میں یہ اجرت بجا اپنا درست رہے گی۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا اگر کسی خاص اس کا الطباق ظاہر نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔ (مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے) ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (حوادث ادا ۲ ص ۱۱)

توضیح مسئلہ مذکورہ از | حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۲ھ ص ۱۱۵ میں اجماع قرآن من الحافظ الاجیر کا ترجمہ ہے اس کی سطر پر ایک حاشیہ ہے وہ ملاحظہ فرمایا جاوے اور ترمذیہ ملاحظہ فرمائیے۔ (ترجیح ثالث ص ۲۳۲) ۱۲۶ میں بھی اُس مسئلہ کی تحقیق ہے اُس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث ص ۲۳۲)

سوال (۲۷۰۷) حافظ جو تراویح میں سنانے اُس کو دنیا بھی جائز ہے یا لینا دینا دنیا ناجائز۔ مل اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے یا الم ترکیف سے تراویح پڑھے۔ مل اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت ہو کہ وہ ہے اُس پر اجرت کو ہمارا۔ الجواب۔ مل میں تو ناجائز سمجھتا ہوں۔

مل میں تو الم ترکیف سے بتلا دیتا ہوں۔

مل جہاں فقہار نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت ہو کہ مراد ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر تکلیف ہو وہاں الم ترکیف وغیرہ سے پڑھ دے پس جب تکلیف جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اُس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعت محذوہ اس کے بعد ۱۰ رمضان ۱۳۳۲ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا گیا ہے جس میں بتا دیا گیا کہ

جواب بھی ہے اور وہ بنا اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب ہو کہ خلاصہ ہے اُس فتوے کا یہ ہے کہ جہاں فقہار نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت ہو کہ مراد ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر تکلیف ہو وہاں الم ترکیف سے پڑھ دے۔ پس جب تکلیف جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اُس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعت کا محذور اُس سے بڑھ کر ہے اُس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم ترکیف سے پڑھ لے آہ۔ چونکہ یہ فتویٰ بعد کا ہے جیسے نزدیک عمل کیلئے یہی متعین ہے باقی فتویٰ سابق کا نفل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمائیں اور جو راجح ہو اُس پر فتویٰ دیں ممکن ہے کہ محیب احتقر کی نظر قاصر رہی ہو ۱۲ منہ غفی عنہ ع۔ یہ حوالہ سوال بالا حاشیہ مل کے متعلق ہے۔

ع۔ یہ سوال ۲۷۰۷ ہے جو اس کے بعد درج کر دیا گیا ہے ۱۲۔ مصحح

اُس سے بڑھ کر ہے اُس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم تر کیف سے پڑھ لے اور اسی سے نمبر ۲ کی وجہ بھی معلوم ہو گئی ہوگی۔ ۱۰۔ ۱۱۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (دستور ثانیہ ص ۱۶۲)

ابطال حیلہ برائے استیجار | سوال (۲۰۸) اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپیہ دیوے یا ایک ماہ کے لئے امام مقرر کر کے کچھ

اجرت دیوے اس طور سے خدا شرع اجرت حلال ہوگی یا نہیں اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے آپ کی کیا رائے ہے تفصیل وار تحریر کیجئے۔

الجواب۔ یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے اور یہ محض ایک حیلہ۔ دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد و بین اللہ ہے حیل مفید جو از واقعی کو نہیں ہوتے لہذا یہ ناجائز ہوگا۔ ۶۔ ۷۔ سوال ۱۳۳۳ھ

کیلئے التراویح اور تہجد میں | سوال (۲۰۹) ایسا طور پر جب ایسا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھا ہو تو قراءت جہر پڑھ سکتا ہے یا نہیں قراءت جہر | الجواب۔ پڑھ سکتا ہے و دلیل مامر۔ ۶۔ ۷۔ سوال ۱۳۳۳ھ

### فیصلہ و محاکمہ در میان دو فتویٰ مختلف متعلق تشبہ متعارفہ

حکم شبینہ | سوال (۲۱۰) حامداً و مصلیاً۔ دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ در حقیقت دونوں میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ حکم جواز کا متعلق نفس عمل کے بشرط خلوص المفاد کے ہے اور حکم منع کا در صورت لزوم و اقتران مفاسد کے ہے۔ اور دونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے کہ اگر مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے اور اگر مفاسد ہوں تو جائز نہیں۔ اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفاسد غالب ہیں یا نہیں سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ مفاسد غالب ہیں مثلاً اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہو تو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں ہو تو امام کو جو تخفیف صلوة کا حکم ہے اُس کی مخالفت لازم آنا اور قراءت کا تریل و تجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اور اکثر خرو و نو و کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا داخل ذلک مما یطول ذکرہ اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ حیل مرجائز بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو مفاسد کا غلبہ ہو اُس کو ترک کر دیا جاتا ہے خواہ وہ مفاسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں یا دوسرے عوام ناظرین

کے اعتبار سے ہوں۔ اس لئے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔ روایات ذیل اس تقریر کی توثیق ہیں۔ فی الدر المختار مکروہات الصلوٰۃ و ترکھا ای القلب الحصى اولی فی رد المختار لا نہ۔ اذا تردد الحكم بين سنة وبدعت كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة الا وفي الدر المختار الا فضل فی زماننا قدر ما لا یثقل علیہم و فیہ ای یکرہ ذلک (ای النفل بالجماعة) لو علی سبیل التلاعی بأن یقتدی اربعة بواحد الى قولہ فی الاشبہا عن البزاریة یکرہ الا قتداء فی صلاۃ رغائب و براءۃ وقد روٰ بعید هذا ولا ینبغی ان یتکلف کل هذا التکلف لا مومکروہ و فی رد المختار تحت هذا القول فلو ترک امثال هذه الصلوٰۃ تارک لیعلم الناس انه ليس من الشعائر فحسن الا وظاهره انه بالنذر لم یخرج عن كونہ اداء النفل بجماعة و فی الدر المختار بحث سجدة الشکر لان العامة یعتقدونہا سنة او واجبة و کل مباح یودی الیہ فمکرہ الا و فی هکذا کفایۃ انشاء اللہ تعالیٰ لمن کان له قلب او تقی السمع وهو شهید۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقائق الامور۔ فقط ۱۹ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۷۱)

سوال (۷۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے خواہ چند حفاظ جمع کر کے پورا کریں جائز ہے یا نہیں حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرماؤ مع سند عبارت فقہاء وغیرہم بینوا توجروا ؟

الجواب۔ ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔ فی مشکوٰۃ عن عبد اللہ بن عمر وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لم یفقه من قرأ القرآن فی اقل من ثلث رواۃ الترمذی ابو داؤد والدارقونی ۱۲ اسی بنا پر بعض علماء نے اس شبینہ کو مکروہ فرمایا ہے لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے ایک شب دو روز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے اس لئے مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا نامناسب ہے بلکہ اقرب الی التحقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو یا مقصود

نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر۔ اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے اور حدیث مذکور کے معارض نہیں کیونکہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ و تدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں۔ چنانچہ عادات بعض سلف کی تحریر ہو چکی یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ ان کے قول کو کمرہ کہیں چنانچہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر رقم ہے۔ **ظاہر الامتناع من ختم القرآن فی قل من هذه المدة ولكنهم قالوا قد اختلف عادات اسلف فی مدة الختم فمنهم من كان يختم فی کل شهرین ختمه و اخرین فی کل شهر و فی کل عشر و فی اسبوع الی اربع و کثیرون فی ثلث و کثیرون فی یوم و لیلة و جماعه ثلث ختمات فی یوم و لیلة و ختم بعض ثمانی ختمات فی یوم و لیلة و المختار انه یکر الختم فی الختمه اکثر من اربعین یوما و کذا التجیل من ثلثه ایام و الا ولی ان یختم فی الا سبوع و الخی ان یختلف باختلاف الاشخاص ۱۲ ط و لمعات مختفراً۔ اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے نہ زیر کی خبر نہ رہے نہ غلطی کا خیال نہ مشابہ کا۔ اور فقط ریاکاری مقصود ہو اور جماعت بھی ادھر ادھر مگر پڑی ہو یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں یہ بیشک مکروہ ہے۔ لقوله تعالیٰ ورتل القرآن ترتیلاً و لقوله و اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کساً یداً و الناس الخ و لقوله ان الله لا یحب المفسرین۔ و لقول الفقهاء ان جماعه النوافل مکروهه۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب روز جمعہ ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۱۳۱ ج ۱)**

**سوال (۴۱۲)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد یا علاوہ جامع مسجد کے اور کوئی مسجد یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے۔؟

**الجواب**۔ چند شرائط سے درست ہے مگر عادتاً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں (ع ۱) ترتیل نہ چھوٹے (ع ۲) تراویح میں پڑھیں۔ (ع ۳) جماعت کے وقت تخلیف نہ کریں۔ (ع ۴) (تمتہ خامہ ص ۶۵)

**سوال (۴۱۳)** کیا فرماتے

ہے حکم ہے فعل کا فی نفسہ لیکن جہاں زیادہ میں مغاسد عادتاً شامل لازم کے ہو گئے ہیں لہذا منع ہی کرنا اچھے ۱۲ ص ۵

دی الطحاوی بسند عن عبد اللہ بن زبیر انہ قرأ القرآن فی رکعتہ وعن سعید بن جبیر انہ قرأ القرآن فی رکعتہ فی البیت انتہی ۱۲



ہیں علمائے دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب پوری کرنی یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہو گیا ہو تو پھر اس کو دوسرے روز نہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں کہ مقتدیوں کو بار آور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا تو جردا؟  
الجواب۔ نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرائی ہو کر وہ تحریمی ہے البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشہ ضرر ہے تو مکڑ بھی نہیں فی الدار المختارہ کہ تحریماً اطالة الركوع او قراءة الا دراك الجاثی ای اذا عرف فی رد المحتار کا اذا کان داعماً شریراً۔ فی رد المحتار وان لم یعرف فلا باس الی قولہ لکن یطول مقدار ما لعل یتقل علی القوم ج اصلاک سلخ۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳)

تراویح میں دوسری رکعت سوال (۴۱۴) تراویح میں اگر دوسری رکعت پڑھ بیٹھ اور پر بیٹھنے کا وجوب۔ کھڑا ہو جاوے تو سیدھا کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ یا نہیں

اور چوتھی رکعت میں سجدہ سہو کرے یا نہیں اور نماز تراویح ہوگی یا نفل اور اعادہ کی ضرورت ہو یا نہیں۔ الجواب۔ جزئی نہیں دیکھی کلیہ کا مقتضایہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدہ سہو کرے اور تراویح ہوگی اور حاجت اعادہ نہیں فی الدار المختارہ کا اصل ان کل شفہ صلاۃ الا بعارض اقتداء او تذکر او تریح قعوداً ہ مع رد المحتار ج اصلاک وجوب سجدۃ السهو ظاہر۔ نقطۃ الرشحان ۱۳۲۸ھ۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳)

تراویح میں ترویج (جلسہ) سوال (۴۱۵) مقدار ترویج جو جلسہ میں توقف کرنے کی مقدار کی مقدار اس ترویج سے مراد کیا ہے آیا وہ چار رکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے یا جتنی دیر میں چار رکعت نفل پڑھیں ادنیٰ مایجوز بہ الصلوۃ سے۔

الجواب۔ بعد کل اربع بقدر ما سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں مگر قول ہستانی فیفا ثلاث صلات ذی الملائک والمملوک الخ اور قول نہر طبل المدینۃ یصلون اربعاً سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اربع مراد ہے دھند ایسر کذا فی رد المحتار بحث التراویح۔ ۵ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۹) سنت مؤکدہ بودن تراویح بر مردان زناں سوال (۴۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس

## اجواب

نہیں اُس میں صامت لکھا ہے سنت مؤکدۃ للرجال والنساء اجماعاً۔ یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں۔ ۳۰/ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹)

قوة قول سنت عین بوجہ جماعت | سوال (۲۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے در تراویح و موافقت آل مصالح دینیہ | بابت تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔ از عالمگیری؟

الجواب۔ واقعی ایک قول یہ بھی ہے مگر دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔ سکا فی رد المحتار وقیل ان الجماعۃ فیہا (ای التراویح) سنت عین فمن صلاھا وحده اساء وان صلیت فی المساجد وبسکان یفتی ظہیر الدین ج ۱ ص ۳۷۔ اور اس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہئے۔ ۳۰/ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹)

تحقیق تکرار کردن قل ہواللہ | سوال (۲۱۸) جناب کتابیکہ از تالیف حضو فیض گنجور است دیک رکعت تراویح | مسہمی بہ گوہر بہشتی و حقہ یازدہم کہ زیور بہشتی است درال مکتوب است کہ خواندن قل ہواللہ در نماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است چنان کہ حافظان این زمانہ بموزے کہ ختم آخری شود قل ہواللہ را بہ سہ مرتبہ در نماز خوانند این قسم خواندن مکروہ است یا نہ اگر باشد بچہ وجہ۔ آیا بوجہ تکرار سورہ یا بوجہ رواج گردانیدن و اگر مکروہ باشد کلام مکروہ۔ جناب این قسم خواندن در ملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسی منع کند عالم و جاہل ہمگنان اورا نفرت می کنند و گویند کہ این قسم خواندن از زمانہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے او نیز منع کر دے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز۔ بے مولوی انکار نمودہ و چند مولوی اقرار نمودہ انکوں فساد برپا شد و در تحقیق آں مشغول شدہ بعد چند روز شخصے از کتاب مفید القادی کہ از تالیفات مولوی عبدالمنان است آوردہ کہ نزد فقیہ ابوالیث خواندن قل ہواللہ سہ بار جائز است و بعض متحسن فہمیدہ و بعضے غیر متحسن و بعد ازاں نوشتہ کہ در شرح فیہ نوشتہ و یکرا تکرار السورۃ فی المکتوبہ دون النواقل پس باقی ماند کہ نماز تراویح نفل است یا سنت اگر نفل است جائز است باتفاق و اگر سنت باشد جائز شود یا نہ و ادشال کتاب جناب دیدند و گفتہ اند کہ از کلام کتاب نقل کردہ آیا کہ معتبر است یا غیر معتبر۔ ہل یجوز تکرار السورۃ فی السنۃ۔ والواجب اگر معتبر باشد و علمائے متین دستخط کنند و گرفتن آں شکے نما نہ فلہذا امید نزد جناب این کہ از دے شفقت و رضاء اللہ و قلم تحریر فرمودہ مکروہ است یا نہ ثابت کردہ و ہم از کتاب است عبارتش نوشتہ

از چند علمائے فحول معلوم گناہیدہ این فساد را دور کنند و ثواب داریں حاصل کنند۔ ان الله لا یضیع  
اجرا للمحستین ۹

الجواب بہشتی گوہر مخلص است از علم الفقہ کہ از البغات مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی  
است نہ انتم از کجا نقل فرمودند وقت تخفیف بسبب وثوق پریشانی تفتیش ماخذ نموده شد اگر دل  
خواہد از دشان تحقیق نمایند نشان او شان لکھنوی چوک مدیرہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی  
است لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل بندہ ہم بکتب جوہر کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از نظر  
گزشتہ و یکبارہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ فی الفرائض ولا بأس فی التطوع کذا  
فی فتاویٰ قاضی خان و اذا کسر ایتہ واحدۃ مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی حکا  
فذلک غیر مکررہ وان کان فی الصلوۃ المفروضۃ فهو مکررہ و الخ جزء ۱ ص ۱۸۷  
پس ظاہر است کہ تکرار سورت و تکرار ایت متساوی الحکم ہستند و در عدم کراہتہ تکرار ایت فی التطوع  
قید الذی یصلی و عدہ اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است  
کہ تنها گزاردہ می شود و ترانجہ کہ مثل فرائض بجہت ادا کردہ میشود دریں حکم مثل فرائض است پس مثل  
فرائض در آل ہم تکرار سورت کردہ باشد و علاوہ بریں چنین التزام و اصرار کردہ مان اختیار کردہ اسم  
دلیل مستقل است بر کراہتہ و مقتضائے دلیل اول کراہتہ نیز یہیہا است و مقتضائے دلیل ثانی  
تحریمیۃ۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ (شوال ۱۳۳۲ھ) (تمتہ ثانیہ ص ۱۷۸)

سوال (۴۱۹) عرضہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے دربارہ مسئلہ تزارۃ سورۃ اخلاص  
شریف تراجیح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں بلکہ یہ موجب ثواب ہے چونکہ  
تین مرتبہ سورۃ مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار  
نماز میں نہیں ہے اور چنانچہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارہویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے۔  
اصح یہ ہے کہ کردہ ہے جیسا کہ آجکل رواج ہے پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی آجکل  
کا رواج کس طور پر ہے پس جناب والا کلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط؟  
الجواب۔ اس وقت خاص اس کا جزئیہ توجہ دینی میں ملا نہیں لیکن در مختار کے اس قول  
پر کہ لا بأس ان یقرأ سورۃ و یعیدھا فی الثانیۃ۔ علامہ شامی کا یہ قول ملا۔ افادانہ۔ یکبارہ  
تذریعاً و علیہ یحمل جزم القنیۃ۔ بالکسرۃ۔ ویحمل فعلہ علیہ۔ الصلوۃ والسلام  
لذلک علی بیان الجواز جزء ۱ ص ۱۷۵۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورۃ کا ذکر رکعت

ہیں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ کرنا تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درختار میں ہے ولا ینکح فی النفل شیئ من ذلک اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے۔ وعندی فی ہذا الکلیۃ نظر الخ پھر ردالمحتار ہی میں طبری سے نقل کیا ہے انھم نصوا بان القراءة الخ ج ۱ ص ۵۵ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کو معلوم ہوتی ہے یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا چنانچہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آجکل دستور ہے اس کے معنی ظاہر ہیں کیوں کہ آجکل ایسا کرتے ہیں پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے۔ وشرح منیہ می آر قراءۃ قل هو اللہ احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو الیث ہذا شیئ استحسنہ۔ اهل القرآن وایمۃ الامصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا ینبذ علی صیغۃ انتہی۔ ودرہما کتاب بجائے دیگر است ویکسا کہ تکرار قراءۃ السورۃ فی الفرض ولا ینکح تکرار السورۃ فی التطعی لان باب النفل اوسع ملخصاً فتاویٰ مولانا عبدالحی جند سوم ص ۵۹ ۱۳ رد المحتار ۳۳۲

(تمتہ ثالثہ سوال)

سوال (۴۲۰) اگر کوئی شخص بکایت شجعت جسمانی یا

منع اختصار اور عدد رکعات تراویح

دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور صرف ۸ یا ۱۲ پڑھ لے تو گنہگار تو نہ ہوگا؟

الجواب۔ بین کو سنت مؤکدہ لکھا ہے اس سے کم کا پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا پس جو غدر ترک سنت مؤکدہ کے لئے معتبر ہے وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر گھڑے ہرگز دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے۔ ۸ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ سوال)

سوال (۴۲۱) اگر درود جمعہ حفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان

تحقیق ہر بسم اللہ در بیان

سورہ در تراویح

المبارک میں تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ باواز بلند پڑھنی چاہئے۔ یا کہ خفی۔ شاطبی میں لکھا ہے کہ قرا سبعمیں سے ساڑھے تین قرا کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں فقط اول میں جبکہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ امام کا تو قرآن مجید پورا ہو جائے گا لیکن سامعین کے قرآن مجید ختم ہونے میں ۱۱۳ آیات کی کمی رہے گی؟

**الجواب** بسم اللہ بن السورتین پورے سے اُس کی جزئیت تو لازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص صورت کا یا ہر صورت کا جزو نہیں پس اس کا مقتضایہ ہے کہ ایک جاہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جاوے گا کیونکہ بعض اجزاء کا جاہر بعض کا اخفاء جائز ہے فن قرات سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔ ۶۔ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمغہ)

**حکم اجرت برسماع قرآن** | سوال (۴۲۲) سماعت قرآن کی اجرت اور قراءہ قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام۔ اور اول حلال۔ ۹۔

**الجواب**۔ سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلاوے گا پس یہ تعلیم ہی اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے بخلاف قراءہ کے اس میں تعلیم مقصود نہیں اسلئے کلیہ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔ فقط واللہ اعلم کم رمضان ۱۳۳۷ھ (امداد ملحق ۳)

**حکم متم تراویح بعد وتر بعد جماعت** | سوال (۴۲۳) تراویح کی جماعت قائم ہوئی چار یا پچھ رکعت گزارنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہو گیا جب امام کی نماز تمام ہو جائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہو گیا یا اپنی مافات کو ادا کرے گا۔ ۹۔

**الجواب**۔ فی العالمگیریۃ۔ واذا فاتتہ ترویجۃ او تریحۃ فلو اشتغل بھایفوتہ۔ الوتر بالجماعۃ۔ یشغل بالوتر ثم یصل ما فاتتہ من الترویج وہ۔ کان یفتی الشیخ الامام الاستاذ ظہیر الدین کذا فی الخلاصۃ ص ۱۶۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہو جاوے پھر ترویج پڑھ لے۔ یکم محرم ۱۳۳۷ھ (تمہ رابعہ ص ۱)

**تحقیق حصول ثواب سامعین** | سوال (۴۲۴) جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اُس سے کلام اللہ راز قاری اجیر در تراویح تراویح میں سنتے ہیں معین تو نہیں کرتے مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چہرہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں تو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا یا نہیں۔ اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالباً ہوگا۔ ۹۔

**الجواب** سننا جدا عمل ہے اُس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اُس کا ثواب ہوگا۔

عہ اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲۔ محمد ضیف

۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۳)

سوال (۴۲۵) تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے  
 سہواً یا ترک تعدہ خواندہ شد اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز  
 تراویح ہوں گی یا نہیں۔ اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی یا چار۔ اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دویا آخر کی  
 اور کونسی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی؟

الجواب۔ فی الفتاویٰ دلوصلی اربعاً بتسلیمۃ ولم یقعد فی الثانیۃ ففی  
 الاستحسان لا تفسد وهو اظهر السوا یتین عن ابی حنیفۃ والابی یوسف  
 واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الا سابع عن تسلیمۃ واحداً  
 وهو الصحیح کذا فی السراج الوہاج وھکذا فی فتاویٰ قاضی خان وعن ابی  
 بکر الا مضاف انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی السراویح ولم یقعد  
 فی الثانیۃ قال ان تذکر فی الیام ینبغی ان یعود ویقعد ویسلم ودان  
 تذکر بعد ما سجد للثانیۃ فان اضاف الیہا رکعۃ اخری کانت ہذہ  
 الاسرۃ عن تسلیمۃ واحداً وان قعد فی الثالثۃ قدر التشہد اختلفوا  
 فیہ۔ فعلى قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح ھکذا فی فتاویٰ قاضی  
 خان الا عالمگیری ج ۱ ص ۵۷۔ اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعہ اولیٰ بھی فاسد نہ  
 ہوگا، البتہ مجموعہ معتبر بھی نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں شفعہ ملکر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے  
 اور جب مجموعہ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا۔ رہا یہ امر کہ کونسے شفعہ کا پڑھا ہوا  
 قرآن معتد بہ ہوگا اور کونسے کا قابل اعادہ۔ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہو جاوے کہ کونسا  
 شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہو اور کونسا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابل  
 اعادہ ہو۔ سو اس میں مجھ کو تردد ہے۔ دوسرے علماء سے تحقیق کیا جاوے۔ اور میرے خیال میں  
 اگر صرف اعادہ قرآن کے حق میں سہولت کے لئے دوسرے قول پر عمل کر لے جو دونوں شفعہ کو معتبر  
 کہتے ہیں تو گنجائش ہے۔ پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔ ۲۵ رمضان المبارک  
 ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۹)

بحث بر سنیۃ منکرۃ ختم قرآن سوال (۴۲۶) کل ایک صاحب نے مراد آباد میں یہ روایت  
 در تراویح و طلب لیل برآں بیان کی کہ حفصہؓ والہ نے ایک مجلس میں جس میں مولانا..... صاحب

اور مولوی..... صاحب بھی تھے یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا۔ اس کے بعد انھی راوی صاحب کا بیان ہے کہ..... صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنہ عظیم کا اندیشہ ہے۔ لوگ کہیں گے کہ ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پہنچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے۔ چونکہ صحیح دائعہ کا علم نہیں اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سیدالحیثین مولانا شاہ محمد عبدالغریز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گزرا فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں۔ اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے گی تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی نعوذ باللہ تعالیٰ عن ذلک۔

حضرت شاہ عبدالغریز صاحب قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں۔ وزیر ختم قرآن راویں مناسبت می گویند ایں از کجا نعم در حدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہر رمضان با جبرئیل علیہ السلام سارست قرآن میکرد و در رمضان اخیر دوبار کرد ازینجا سنت ختم در رمضان ثابت میشود لیکل از پھر خارج الصلوٰۃ الخ ص ۱۹ مجموعہ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔ امید کہ حضور والا صحیح دائعہ سے مطلع فرمائیں گے۔ ۹

الجراب۔ مجھ کو اس معاملہ میں دو تردد تھے ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے یا صرف مشائخ کا قول ہے مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء اخاف میں مختلف فہم ہے اکثر کا قول تو تاکد ہی ہے بعض کا قول عدم تاکد بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسن نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے من غیر تصریح بتاکدہ او عدمہ اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تاکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا و لو مستحباً۔ اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا پھر قائلین بالتاکد میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تاکد کو ساقط کر دیا۔

ومنہ کسل القوم او نحوہ۔ خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تا کہ پر مبنی ہے خواہ یہ عدم تا کہ اصل ہی سے ہو۔ خواہ کسی عذر سے ہو۔ اور عذر ہر ایک کا مجدا ہے۔ دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتا کہہ کی دلیل کیا ہے سو اسی کو میں متعدد علماء سے استفسار کیا کرتا ہوں جس سے مقصود تا کہ کی نفی نہیں بلکہ اُس پر طلب لیل ہے اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جوام معلوم نہ ہو اُس کو طلب نہ کرنا چاہیئے تو اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے یا بقاء علی الجہل۔ اشرف علی ۲۴ شوال ۱۲۳۵ھ (ترجمہ صفحہ ۳۳۵)

جن بلاد میں رات یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں | سوال (۲۲۷) ایک کالج کے طالب علم نے ایک وہاں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے احکام۔ بدر دین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بتقتضائے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ ط تمام انسانوں کے لئے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہئے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لئے اُس میں احکام ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تطہین کے رہنے والوں کے لئے جہاں چھ ماہ کارات و دن ہوتا ہے اُس میں احکام نہیں۔ مثلاً روزہ ایسے مقام کے لوگ کیونکر رکھیں اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العین اور اگر اس سے کم تو قرآن و حدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہئے تھا۔ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ تطہین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چونکہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں اسلئے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے رہا نادر اور شثنی صورتیں ان کے لئے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جاسکتا ہے ہر ہر جزئی کا حکم صراحتہ قرآن و حدیث میں ہونا ضروری نہیں بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے جو منزہ اصول کے ہو سکتا ہے جیسا کہ ان مقامات کے لئے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی (کتاب ہیئت دیکھئے سے معلوم ہوا کہ ۲۲ مئی سے لیکر ۲۱ جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸ درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا لہذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے لندن کا عرض البلد ۵۱° ۵۱ درجہ ہے) بعض فقہاء نے لکھا کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشاء کی نماز ساقط ہے بعض فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے ارض بلغار کے متعلق شامی نے بھی اس کا حکم لکھا ہے میں نے یہ جواب تو دیدیا لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی خبری نہیں ملی یعنی مثلاً لندن کے لوگ بس دمت تک سحر کھا سکتے ہیں اور تراویح جو مانع عشاء کے



معلوم ہوتی ہے ادا کریں یا نہ ادا کریں۔ کیا جناب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے یا قیاس کے موافق کیا حکم ہو سکتا ہے نیز میرا جواب غلط یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح و تکمیل فرمادیں۔ اگر کوئی دوسرا جواب ہو سکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرمادیں کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ۱۶ گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ۲۴ گھنٹہ کی ہوتی ہے سینٹ پیٹر برگ دار السلطنت روس ۶۰ درجہ شمال عرض البلد پر ہے۔ وہاں تقریباً ۱۹ گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں جہاں سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زائد ہوتا ہے یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے چنانچہ ۶۵ درجہ ۵۴ دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱ دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یعنی ایک دن ۳۱ دن کے برابر ہوتا ہے وہاں روزہ کا کیا حکم ہوگا۔ ۹

الجواب۔ آپ نے جو جواب دیا بالکل کافی و مکمل ہے تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر قہامی احکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنا پڑتی ہے جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب اُن ہی کلیات کے تحت میں داخل اور اُن قوانین کو اُن کے لئے شامل سمجھا جاتا ہے اُن جزئیات مقامیہ کے مصرعاً مذکور فی کتاب لقانون نہ ہونے سے اُن مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا جبکہ اُس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اُس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنا دے گا اسی طرح جب لائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے چنانچہ جیسا اشتمال مثال مذکور میں ہے ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے جس کی بنا پر فقہائے اسلام نے اُن مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلی میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی ہو گیا لیکن یہ اختلاف ہمارے لئے اصل مقصود میں قاذح نہیں کیونکہ اُن کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں جو اُن مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں گو وجہ تطبیق میں آراء مختلف ہو جائیں جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بنا پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بنا پر اُس کے خلاف حکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے رہا روزہ اگر بالخصوص اُس سے تعرض بھی نہ ہوتا تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی با شترک اصول

روزہ کے لئے بھی کافی ہوتے لیکن فقہاء نے اس پر کفایت نہیں کی بلکہ روزہ سے بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال و معاملات سے بھی تعرض تصریح فرمایا ہے۔ فی رد المحتار عن الراملی فی شرح للنہاج و یجری ذلک فیما لو مکنت الشمس عند قوم مد لا اھرح و فیہ عن امداد الفتاح قلت و كذلك یقدر الجميع الا بال حال كالصوم والزکوة والحج والعدة واجال البیع والسلم والا جارة وینظر ابتداء الیوم فیکدر کل فصل من الفصول الا لربعة بحسب ما یتكون کل یوم من الزیادة والنقص کذا فی کتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثلہ اذا صل التقدیروم قول به اجماعاً فی الصلوات اھرج اصلاً ۳۴۷ و فیہ بعد نصف صفحة لہ امر من تعرض عندنا لحکومہم فیما اذا کان یطلع الفجر عندہم کما تغیب الشمس او بعدة بزمان لا یقدر فیہ الصائئ علی اکل ما یقیر بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب مواکاة الصوم علیہم ولا نہ یؤدی الی الہلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وھل یقدر لیلہم باقرب البلاد الیہم کما قالہ الشافعية ہذا ایضاً ام یقدر لہم بما یسرع الیہم والشرعاً ام یمجب علیہم القضاء فقط دون الاداء کل محتمل فلیتأمل ولا یمکن القول ہنا بعدم الوجوب اصلاً کالعیشاء عند القائل بہ فیہا لان علة عدم الوجوب فیہا عند القائل بہ عدم السبب و فی الصوم قد وجد السبب وھو شہود جزء من الشہر وطلوع فجر کل یوم ہذا ما ظہر لی واللہ اعلم اھرج ۳۴۹۔ اس تقریر سے اس اعتراض کا جواب تو ہو گیا۔ اب یہ بات کہ ہمارے فقہاء کے اقوال میں کس پر ترجیح ہے اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے جس کی ضرورت مسلم کے لئے ہوگی سوا حوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں جہاں بعض ازمہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر یا گیا اور چھوٹے افطار و سحر و نہار شرعی میں واقع ہوا ہے اس لئے شبہ کے دوسرے زمانہ میں قضا بھی کر لیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃ ان کا تحمل ہم سے نائید ہوگا۔ لہذا ہم معتادوں بطول النہار و طول اکثر الاعمال فیہ وہاں روزہ رکھیں

اور ادا بھی ہو جاوے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد اداء اگر ایسے ایام مل جاویں جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطاً قضا بھی کر لیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہو جاویں گے و فی رد المحتار فی جواز فطر من لا یقدر ۱۲۰ قضا ۱۴ ما نصہ وقال الرضی فی جامع الفتاویٰ ولو ضعف عن الصوم لا شتغاله بالمعینۃ فله ان یفطر ویطعم کل یوم نصف صاع ۱۵- ای اذ الحرید ساء عدۃ من ایام أخر ۱۶ مکنہ الصوم فیہا ولا وجب علیہ القضاء و علی ہذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم و یہذا النزاع بالتأخیر لا شک فی جواز الفطر و القضاء الی أخر ما قیدہ بما اذا لم یکن عندہ ما یکفیه و عیالہ و اذا خاف ہلاک زرعہ او سرقتہ و لم یجد من یعمل لہ باجرة المثل و هو یقدر علیہا ج ۲ ص ۱۸۴ - ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ ھ (تمتہ رابعہ ص ۳۳)

# باب

## ادراک الفریضۃ وقضا الفوت

تحقیق تعریف صاحب ترتیب | سوال (۴۲۸) ایک شخص نے صاحب ترتیب کی تعریف کئی عالموں سے پوچھی جواب مختلف ملے جو بات حضور والا میں گزران کر اطمینان بخش جواب کا طالب ہے۔ ۹  
الجواب۔ (نمبر ۱) زید نے علی الاتصال چالیس روز تک نماز پڑھی اُس کی کچھ نمازیں فوت ہو گئیں فائتہ کو ادا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہے۔ (نمبر ۲) زید زمانہ فرضیت نماز برابر پڑھتا رہا اُس کی کچھ نمازیں قضا ہو گئیں قضا پورا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہوا۔ (نمبر ۳) فقہ سے ثابت ہوا کہ زید کی پانچ یا کم پانچ سے نمازیں فوت ہو گئیں فائتہ کے ادا کرنے کے لئے زید پر ترتیب فرض ہے اس لئے زید صاحب ترتیب ہے یہاں تک کہ زید نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی عشاء کے وقت سے نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کیا اُسی عشاء کی صبح سے پھر پانچ یا پانچ

سے کم نماز چھوٹ گئی چھٹی ہوئی نماز کو ترتیب سے پڑھنا زید پر فرض ہے اور زید اس صورت میں بھی صاحب ترتیب ہے جو بات ثلاثہ بحیثیت شبہات ہیں ملاحظہ فرماتے ہوئے صاحب ترتیب کی جامع و مانع وعام فہم لفظوں میں تعریف ارقام فرما کر مطمئن فرمائے۔ بینوا تو حروا۔ ۹

**الجواب** - فی الدر المختار لو فاتت سنت اعتقاد یدتہ الی قولہ ولو متفرقة او فکلتہ علی المعتدل کاندہ متی اختلف الترجیح یدرجح اطلاق المتون بجر وادفع۔ الشاخی جرح اطلاق اس سے معلوم ہوا کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں ہوں خواہ پُرانی یا نئی مسلسل یا متفرق وہ صاحب ترتیب نہیں اور جس کے ذمہ یہ نہ ہوں اُس پر ترتیب واجب ہے۔ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۴۵)

**تحقیق** لزوم تعیین نماز در نیت بوقت قضاء یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینہ اور سال کا بھی نام لیوے اور کہے کہ فلا نے سال کی فلا نے مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھتی ہوں پنے اس طرح نیت کئے قضا صحیح نہیں ہوتی۔ کسی کو اس طرح نیت کرنے کا علم نہ تھا اور اُس نے دو سال کی قضا نمازیں (صرف اتنا کہہ کر نیت کرتا ہوں میں نماز قضا ئے عمری کی) پڑھیں تو اُس کی نماز درست ہوئی یا نہیں اور اُس پر صحیح نیت سے جو (بہشتی زیور حصہ دوم میں تحریر ہے) پھر از سر نو کل نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں۔ ۹

**الجواب** - فی رد المحتار قیل لا یلزمہ التعلیلین الخ احوماً قال واطال صدق ج ۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہذا قضا پڑھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کے لئے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۴۳)

**تحقیق** عدم قضاء بارتداد **سوال** (۲۳۰) زید مسلمان تھا اُس کے بعد مرتد ہو گیا اور پھر مسلمان ہوا ہے اور قبل مرتد ہونے کے حالت اسلام اول میں اُس کی چند نمازیں اور

روزے قضا ہو گئے تھے تو اب بعد ارتداد جو اسلام لایا ہے اُن نمازوں کی قضا کرے یا نہیں؟  
**الجواب** - فی رد المحتار عن البحر عن الخانیۃ اذا کان علی المرتد قضا صلوات و صیامات ترکھا فی الاسلام ثم اسلم قال شمس الا مئة الحلو انی علیہ قضاء ما ترک فی الاسلام لان ترک الصیام والصلوة معصیۃ والمعصیۃ تبقی

بعد الردۃ اھ فافہم ج ۱ ص ۷۹ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۳۳۳)

حکم اختصاص قضاء بغير دو تر سوال (۴۳۱) کسی وقت کی نماز اگر قضاء ہو جائے دوسرے وقت قضاء کرتے ہوئے سنت کو ترک کر کے فقط فرض اور دو تر پڑھنا پس

ہے یا کرم سنت کے پڑھنی ہوگی حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے (فقط فرض نمازوں اور ترک پڑھی جاتی ہے سنتوں کی قضاء نہیں ہے) اور عالمگیری ص ۱۹۹ میں لکھا ہے۔ والقضاء فرض فی الغرض و واجب فی الواجب و سنت فی السنۃ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے سنتوں کی قضاء پڑھنا سنت ہے اور حضور فرماتے ہیں سنتوں کی قضاء نہیں ہے اس میں کیا راز مخفی ہے بندے کی سمجھ ناقص میں نہیں آتا ہے حضور اس کا فیصلہ فرمادے دیں۔ ۹

الجواب بہشتی زیور کا مطلب یہ ہے کہ بعد خروج وقت کے سنت کی قضاء نہیں اور عبارت عالمگیری کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر سنت کی قضاء ہے اور وہ بھی سب سنتوں کی نہیں بلکہ جن کی ہوتی ہے جیسے قبل ظہر والی سنت رہ گئی اور بعض فرض کے ادائیں اس کو بھی مجازاً قضاء کہہ دیتے ہیں اس قضاء کو سنت میں قضا کہہ رہے ہیں چنانچہ صاحب درمختار کے اس قول پر۔ القضاء فعل الواجب بعد وقتہ و اطلاقہ علی غیر الواجب کا الی قبل الظہر مجازاً اھ۔ علامہ شامی نے کہا ہے قولہ و اطلاقہ الخ ای کافی قول المصنف الاتی وقضاء الغرض والواجب والسنۃ الخ وقول الکفر وقضی الی قبل الظہر فی وقتہ قبل شفعہ الی قولہ اما اذا اتی بها بعدہ فہی قضاء اذ لا شک انہ لیس وقتہا وان کانت وقت الظہر فافہم۔ اس کے بعد درمختار کے اس قول پر وقضاء الغرض والواجب والسنۃ فرض و واجب و سنت لعل و نشر مرتب الخ۔ علامہ موصوفی لکھتے ہیں قولہ والسنۃ یوہم العموم کالفرض والواجب و لیس کذا لک فلو قال وما یقضی من السنۃ لرفع هذا الوهم۔ رملی ص ۵۹ ج ۱۔ وفی الہدایۃ لہما ان الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لا اختصاص القضاء بالواجب الی قولہ واما سائر السنن سواہا لا تقضی بعد الوقت وحدہا و اختلف المشائخ فی قضاہا تبعاً للفرض وفی الحاشیۃ عن العنایۃ فقال بعضهم یقضیہا وقال بعضهم لا یقضیہا لا اختصاص القضاء بالواجب وهو الصحیح ص ۱۳۳ ان روایات سے سب شبہات رفع ہو گئے۔ ۱۲۰ ذیحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۳۳۳)

رفع شبہ در معاف نمودن | سوال (۴۳۲) ایک مسئلہ میں اشکال بظاہر معلوم ہوتا ہے تو یہ سے نماز قضاء از توبہ تمام گناہ صغائر کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ الاحقوق العباد۔ مگر ہمارے

فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نماز یا روزہ قضا ہو گیا ہو تو وہ بھی توبہ کرے اور قضا بھی پڑھے۔ توبہ سے گناہ معاف ہو جاوے گا نماز معاف نہ ہوگی۔ اشکال یہ آن کر پڑتا ہے جب نماز حقوق اللہ سے ہے تو محض توبہ سے کیوں معاف نہیں ہوتی اور جبکہ توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو پھر قضا نہ پڑھنے پر گرفت کیسی اور گناہ کیسا۔ یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ قضا نہ پڑھنے سے محروم رہے نماز کی نفی صلیت تقرب الی اللہ سے مگر گناہگار کیوں ہوگا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نماز کے اندر دو حیثیت ہیں۔ ایک نماز کا ادا کرنا دوسرے اس کو عین وقت پر پڑھنا اور توبہ سے تاخیر نماز کا گناہ معاف ہو جاتا ہے نماز معاف نہیں ہوتی تب بھی اشکال وہی رہتا ہے کہ حقوق اللہ میں سے ہے نماز پھر توبہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ مانا جاوے کہ نماز من وجہ حقوق العباد سے ہے کیوں کہ اس کا نفع اُسی کو پہنچتا ہے۔ اس لئے معاف نہیں ہوتی تو حضور والا اس طرح سے ہر محصیت میں دو حیثیت ہیں مثلاً کذب ایک حیثیت سے حقوق اللہ سے ہے اور چونکہ اس کے گناہ سے اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے حقوق العباد سے ہوا۔ اس لئے وہ بھی توبہ سے معاف نہ ہونا چاہئے۔ مگر کذب معاف ہو جاتا ہے۔

الجواب۔ حقوق اللہ کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذنوب معاف ہوتے ہیں کہ طاعات سو نماز طاعات میں سے ہے۔ اور اس کا بدل ممکن اور مشروع ہے۔ لہذا قضاء واجب ہوئی پھر قضا کا بدل فدیہ ہے۔ اگر قضا پر قدرت نہ ہوئی فدیہ واجب ہو گا یا اس کی وصیت۔ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہوئی یا وسعت نہ ہوئی نہ اس کا کوئی بدل ہے اب یہ کوتاہی ذنب محض رہ گئی یہ توبہ سے معاف ہونیکا امید گاہ ہے۔ اب سب اشکالات رفع ہو گئے۔ خلاصہ مختصر یہ ہوا کہ جس عبادت کا شرع میں بدل ہے بدل پر قدرت ہونے تک وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بعد بجز وہ بھی معاف ہو جاتی ہے۔ ۹ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۸۶)

سوال (۴۳۳) کسی صاحب ترتیب نے صبح کی نماز جماعت سے حکم سقوط ترتیب در حق کسے | سوال (۴۳۳) کسی صاحب ترتیب نے صبح کی نماز جماعت سے کہ علم فساد نماز ندارد پڑھی پھر مغرب کے وقت معلوم ہوا کہ امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔ توبہ ظہر اور عصر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الجوعن المحيط لوصلی العصر ثم تبین لہ اند صلی الظهر بلا ضو یعیید الظهر فقط لا نہ بمنزلۃ الناسی۔ رد المحتار باب الفوائت ج ۱ ص ۷۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بعد کی نمازیں سب صحیح ہو گئیں۔ عورت صبح کی نماز کا قضا کرنا پڑے گا۔

۹ شعبان ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۸۸)

حکم ادا رک فرض مغرب بعد | سوال (۴۳۴) بہشتی گوہر میں جماعت میں شامل ہونے کے مسائل  
سجدہ ہائے رکعت ثانیہ | ہیں اور اس میں مغرب کے وقت دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو دوسری رکعت پر  
سلام پھر دے ہے مگر عالمگیریہ و درختار میں لکھا ہے کہ نماز پوری کر لے۔ ۹

الجواب۔ (بقلم المولوی عبدالکریم الکتھلوی) صحیح یہی ہے کہ اگر مغرب کی دوسری رکعت کا سجدہ  
کر چکا ہو تو سلام نہ پھرے بلکہ نماز تنہا ہی پوری کر لے اور جماعت میں شامل نہ ہو۔ فی الشامی ص ۴۵۷  
ج ۱۔ اوان فی غیر رباعی قطع و اقتدی ما لعلی سجد للثانیۃ فان سجد التحدی لہ  
یقتد اھ و ہکذا فی العالمگیریۃ۔ اور بہشتی گوہر میں اگر اس کے خلاف ہے وہ غلطی ہے۔  
لیکن سوال میں جو عبارت بہشتی گوہر کی طرف منسوب کی ہے وہ عبارت اس میں نہیں نقل میں احتیاط لازم  
ہے۔ ۹۔ سوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس)

## فصل فی احکام اللاتق والمسبق

حکم اتمام تشہد مسبق و اگر درتعدہ | سوال (۴۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبق امام  
اولیٰ یا اخیرہ شریک شود | کے ساتھ تعدہ اولیٰ میں ملا۔ اور قبل اس کے کہ مسبق تشہد ختم کرے  
امام اُٹھ گیا تو مسبق امام کی متابعت کرے یا تشہد ختم کر کے اُٹھے۔ ۹

الجواب۔ اس صورت میں مسبق تشہد ختم کر کے اُٹھے بذون ختم کرنے تشہد کے نہ اُٹھے ہکذا  
فی رد المحتار عبارتہ ہذا قولہ لا یتابع الخ ای ولو خاف ان تلفوت۔ الرکعت۔ الثالثۃ مع الامام  
کما صرح بہ فی الظہیریۃ۔ و شمل باطلاق۔ ما لواقندی بہ فی اثناء التشہد الاول  
اولا لا حیضین تعد قام امامہ او سلو و مقتضاہ ان۔ ینکوا التشہد ثم یقوم۔  
فقط و التدریج بالاصواب۔ (امداد ص ۲۸۷ ج ۱)

سوال (۴۳۶) مسبق جو سلام پھرنے کے قریب آکر داخل جماعت ہوا ہے التحیات کے  
بدین کلیمے پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو یہ مسبق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے

کھڑا ہو جائے یا پوری التیمات پڑھ کر کھڑا ہو۔ ۹

الجواب۔ پوری التیمات پڑھ کر کھڑا ہو۔ کذا فی الدر المختار فصل شروع الصلوة بعد بیان کیفیتہ الركوع۔ یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۳)

سوال (۲۷۳۷) مسبق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام دونوں طرف پھیر دیا اور حکم تسلیم مسبق سہواً اپنے یاد دوسرے کے کہنے سے اُسی وقت یا کچھ توقف کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان چاندوں مع الامام

صورتوں میں سجدہ سہولازم ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ اگر امام سے پہلے یا اُس کے ساتھ سہواً سلام پھیرا تو سجدہ سہولازم نہیں جمیع صورت مندرجہ سوال میں۔ کیونکہ یہ ہنوز موتم ہے اور سہو موتم سے سجدہ لازم نہیں اور اگر بعد سلام امام کے پھیرا تو سجدہ سہولازم ہے علی عموم الصور المذكورة ولا سجود علیہ ان سحر سہواً قبل الا امام او معہ وان سحر بعدہ کا لزوم لكونه منفرداً حينئذٍ بجر ۱۲ شاہی فی بحث سجود المسبق سہواً ج ۱ ص ۲۹۹ اور اس مسبق کو قبل کلام و تحویل عن القبلة بنا جائز ہے و یسجد للسہو ولو مع سلام للقطع ما لم یتحول عن القبلة او یتکلم در مختار باشامی۔ ج ۱ ص ۵۰۵۔ اور دوسرے کے کہنے سے کھڑے ہونے میں احتیاط یہ ہے کہ اُس کے کہنے کے ذرا بعد کھڑا ہوتا کہ قیام اپنی رائے سے ہو اس کا امتثال نہ ہو۔ کیونکہ نمازی کو غیر نمازی کے امتثال کا مفسد و غیر مفسد ہونا مختلف فیہ ہے اگرچہ اصح عدم فساد ہے حتیٰ لو امتثال مرغوبہ فقیل لہ تقدّم او دخل فرجة الصف احد فوسعه فسدت بل یملکت ساعة ثم یتقدّم برایہ۔ قہستانی معزی اللزہدی و مرویات قلیہ در مختار و قولہ و صرفی باب الا امامہ عند قولہ ویصف الرجال وقد مناعن الشرین لا لی عدم الفساد و تقدّم تمام الکلام ہذا ج ۱۲ شامی۔ ج ۱ ص ۵۱۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب۔

طریق اتمام رکعت مسبق سوال (۲۷۳۸) جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ را بعد فراغ امام تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے۔ کس رکعت کے بعد جلسہ کریں۔ اور کن رکعتوں میں ختم سورۃ کرے۔ کس رکعت بدون سورۃ کے پڑھے۔ اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے۔ جو غروب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ختم سورۃ کن رکعت میں کرے۔ فقط۔

الجواب۔ جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ فوت ہو گئی ہو اس کو مسبق کہتے ہیں اس کی



باقی نماز حق قرارت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر و یقظی اول صلوٰۃ فی حق قراءۃ و آخرہا فی حق تشہد۔ در مختار۔ پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثناء و تہود پڑھ کر فاتحہ دوسرے پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر وہ رکعت بھی فاتحہ دوسرے سے پڑھ کر پچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ دوسرے سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدہ اخیر کر کے فاتحہ ہو جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ دوسرے پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے

نقطہ والہ عالم (امداد ص ۲۲ - ج ۱)

سوال (۴۳۹) فتاویٰ اشرفیہ میں ایک شخص نے سوال مسبق کے متعلق حکم ثناء و تہود در حق مسبق کیا کہ جماعت سے رہی ہوئی باقی رکعتیں کس طرح پوری کرے۔ حضور نے جواب میں فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبق اٹھے اور ثناء و تہود و بسم اللہ پڑھ کر الحمد دوسرے پڑھے نیز ہشتی کے تتمہ میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسبق کسی وقت یعنی بعد جماعت کے ثناء و اعوذ و بسم اللہ نہ پڑھے ثناء ساقط ہو گئی اس میں کیا مصلحت ہے۔ ۹۔

الجواب۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہشتی زیور کے ضمیمہ کو بالکل نہیں سمجھا اور افسوس ہے کہ عبارت بھی اُس کی بعینہ نقل نہیں کی اپنی طرف سے غلط سمجھ کر خلاصہ نکال کر نقل کر دیا ایسا تصرف نقل میں گناہ بھی ہے۔ میں نے جو ثناء کا نہ پڑھنا لکھا ہے تو امام کے ساتھ شریک ہونے کی حالت میں لکھا ہے یعنی نہ نیت باندھ کر پڑھے اور نہ امام کی قرارت کے دفعات میں پڑھے یہ کہاں لکھا ہے کہ جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو تب بھی نہ پڑھے سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

(تمتہ خاصہ ص ۲۲)

سوال (۴۴۰) مسبق رکعات جہرۃ و خفیۃ میں ثناء و تہود و تسبیہ تینوں پڑھے یا نہیں اور جب بعد فراغت کے اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اُس وقت ثناء و تہود و تسبیہ تینوں پڑھے یا صرف تہود و تسبیہ پر قناعت کرے جو کچھ فرق اس سلسلہ کے متعلق رکعات جہرۃ و خفیۃ میں ہو مطلع فرمائیے گا۔ ۹۔

الجواب۔ فی الدر المختار قبل باب الاستحلاف والمسبوق منفرج حتی یتثنی و یتعوذ و یقرء ان قرء مع الامام لعدم الاعتقاد بہا لکمل ہما مفتاح السعادتہ فیما یقضیہ اہ مختصراً۔ اس روایت سے دوام مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسبق امام کیساتھ

شنا و نحو ذلسمیہ نہ پڑھے دوسرے یہ کہ بعد فراغ امام کے جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو سب چیزیں اور قرات پڑھے اور جہری و ستری اس حکم میں دونوں برابر ہیں لاطلاق الدلیل - واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷)

مسبوق کو رکعات فائتہ میں | سوال (۴۴۱) مسبوق کو اپنی فوت شدہ رکعت نماز جہریہ کی جہر کا حکم جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جہر سے پڑھنا جیسا جائز ہے (جیسا کہ نوط امام مالکؒ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے) تو ایک مسبوق ہو خواہ کس بیس ہوں سب کو جہر سے پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب - مسبوق کو جہر جائز ہے خواہ ایک ہو یا متعدد۔ فی الدر المختار کہ عن سبق بركعتہ من الجمعة فقام يقضيها بجهر قلت وهو باطلاق - يعبر الواحد والكتير فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولی ص ۱۷)

جواب سوالات اربعہ متعلقہ | سوال (۴۴۲) السلام علیکم دعوات عبدیت کا حصہ مقالات و احکام لاحق و مسبوق مجادلات کے مطالعہ سے مستفیض ہوا۔ خدا جزائے خیر سے جناب صدیق صاحب اور دیگر مشیعین و ضابطین کو کائن کی بدولت فائزین بھی فیض صحبت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس رسالہ مقالات کے صفحہ ۹۷ میں جو مسئلہ درج ہے اُس کے دو جزوں میں احتقر کو کچھ شبہ ہے جس کی تحقیق کے لئے حضرت والا کو تکلیف دینا مناسب سمجھا کہ امر حق واضح ہو اور اسی کے متعلق دو امر اور بھی تحقیق طلب تھے اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ ان کو ملاحظہ فرما کر امر حق سے مطلع فرمایا جاوے۔ اول رسالہ مذکورہ ص ۹۷ میں مقیم مقتدی بالسافر کا دو رکعت کو قرات پڑھ کر اُس رکعت کو جو فوت ہو گئی تھی پڑھنا افضل لکھا ہے اور میری فہم ناقص میں یہ ترتیب واجب ہے اس کے ترک سے نماز صحیح ہو جائے گی مگر تارک آثم ہو گا اسلئے کہ مقتدی مذکور مسبوق ہونے کے ساتھ ہی علی الاصح لاحق بھی ہے اور لاحق مسبوق کو قضا لاحق فیہ و ما سبق بہ میں ترتیب واجب یہ ہے کہ پہلے لاحق فیہ کو قضا کرے پھر ما سبق بہ کو۔ اس لئے کہ محل قضا ما سبق بعد الفراغ عن الاقتداء ہے اور وہ بعد قضا لاحق فیہ ہے۔ اسلئے کہ لاحق تقدیراً خلف الامام اور حکماً مقتدی ہے پس جن رکعات میں لاحق ہے وہ رتبہً ان رکعات سے جن میں مسبوق ہے مقدم ہوں گی اور ترتیب بین الركعات واجب ہے۔ پس تقدم قضا لاحق واجب ہو گا اور اُس کا تارک آثم ہو گا نیز تاخیر قضا لاحق کا موجب غم ہونا و مختار کی اس عبارت ولو عکس صحیح و انحراف لترك الترتیب سے ثابت ہے ایسے ہی

رد المحتار ص ۴۲ مطبوعہ مصر کی اس عبارت سے جو کہ تحت میں قول صحیح واُثم کہ ہے وجوب قبلت قضا ر  
ما لحتی فیہ ثابت ہے حیث قال لان الترتیب بین الركعات لیس بفرض لا نہا فعل  
مکرر فی جمیع الصلوٰۃ وانما هو واجب۔

دوم رسالہ مذکورہ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا بعد فراغ امام کے تین رکعت باقیہ میں سے  
دو پہلی رکعتیں بلا تعدہ درمیانی پڑھنے کو لکھا ہے۔ حالانکہ رد المحتار سے مفہوم ہوتا ہے کہ لاحق  
قضاء لاحق فیہ میں بترتیب نماز امام بھی تعدہ کرے اور بترتیب اپنی نماز کے بھی اس بنا پر ضرورت  
ہذا میں مقتدی بعد سلام امام کے پہلی رکعت میں بھی تعدہ کرے۔ اسلئے کہ وہ اسکی نماز کی ترتیب سے  
دوسری ہے ملاحظہ ہو عبارت شامی ص ۴۲۹ تحت قول اُثم ما سبق بہ بہا الخ فیصلی رکعۃ ممانا م فیہ  
مع الا مام ویقعد متابعۃ لہ لانہا ثانیۃ امام۔ ثمر یصلی الاخری جمانا م فیہ و  
یقعد لانہا ثانیۃ (ای المقتدی) الخ سوم پھر میری فہم ناقص میں آتلبہ کہ پہلی رکعت  
میں جو اسکی دوسری ہے تقعد بقدر تشہد ہو اور صرف التیمات پڑھے اور دوسری جو امام کی چوتھی ہے  
ایسی ہی تیسری جو اس کی چوتھی ہے اس میں تعدہ طویل ہو اور درود و دعا بھی پڑھے اسلئے کہ لاحق  
جبکہ مقدار قیام و سجود بلکہ حملہ آمود میں امام کا تابع ہے حتیٰ کہ ترک تقعد ساہیا میں تو مقدار و  
کیفیت تقعد میں بدرجہ اولیٰ تابع ہوگا پس جس رکعت میں امام تعدہ طویل کیا ہے اور تشہد کے ساتھ  
درود و دعا بھی پڑھا ہے اس میں اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ اس امر قیاسی کی کہیں صراحت نہیں  
دیکھی اس لئے استدعا ہے جو اس میں احتقر کی غلطی ہوا اصلاح فرمائی جاوے۔ چہارم صلوٰۃ خوف میں  
طائفہ اولیٰ کو مطلقاً حکم عدم قرارت ہے اگرچہ بعض رکعات میں وہ مسبوق بھی ہو جیسے ظہر کی دوسری  
رکعات میں ملنے والا تینوں میں قرارت نہ کرے جیسا کہ رد المحتار ص ۱۱۵ جو کہ تحت میں قول لانہو  
لا حقون کے ہے والمسبوق ان ادراک رکعۃ من الشفعہ الاول فلو من اهل الاولی  
والا فہن الثانیۃ سے مستفاد ہے ایسے ہی طائفہ ثانیہ کو مطلقاً حکم قرارت ہے اگرچہ بعض میں لاحق  
بھی ہو جیسے مقیم مقتدی بالمسافر صلوٰۃ خوف ذی رکعات اربعہ کی دوسری رکعت میں شریک ہو تو تینوں  
میں قرارت کرے باوجودیکہ دو رکعتوں میں وہ لاحق ہے جیسا کہ عالمگیری ص ۱۲۷ باب العشر و  
فی صلوٰۃ الخوف میں ہے وان کان اکام مسافرا والقوم مقیمین صلی بالطائفۃ النفی  
معہ رکعۃ ثمر انصر فوا بازاء العد ووصلی بالطائفۃ الثانیۃ رکعۃ و سلم و ثمر  
یحیی الطائفۃ الاولی فیصلون ثلث رکعات بغیر قراءۃ الخ و تحیی الطائفۃ

الی مکان صلا تھم فیصلون ثلاث رکعات اولی بفاتحة الكتاب وسورة لانهم  
مسبقون فیہا والاخرین بفاتحة الكتاب - حالانکہ قیاس اس بات کو مقتضی ہے کہ  
طائفہ اولی جن رکعات میں مسبوق ہے اُن میں قرآنہ کرے اور طائفہ ثانیہ جن میں لاحق ہے اُن میں  
قراۃ نہ کرے تو اس اطلاق خلاف قیاس کی کیا وجہ ہے تحریر فرمائی جائے۔ ۹

الجواب عن السؤال المذكور - واقعی منقول تو وجوب ہی ہے اور اس ترتیب کو  
افضل کہنا میرا قیاس ہے جس کا مقیس علیہ تو مسبوق کا یہ مسئلہ ہے جو کہ رد المحتار میں مذکور  
ہے - وهو منفرج فیما یقضیہ ای بعد متابعتہ لامامہ الخ متعلق بقوله یقضیہ ای ان  
محل قضائه لما سبق به انما هو بعد متابعتہ لامامہ فیما ادرکہ عکس الاحق کما مر  
لکن هذا لو عکس بان قضی ما سبق به فخر تابع امامہ فقیہ قولان مصححان الی قولہ  
وفی شرح الشیخ اسمعیل عن جامع الفتاویٰ یجوز عند المتأخرین وعلیہ الفتویٰ  
اھ وہ بہ جزم فی الفیض ج ۱ ص ۲۱۲ پس جس طرح اس جزئیہ میں باوجود لزوم ترتیب خاص کے اس  
کی تغیر کو متاخرین نے جائز کہا اور اُس پر فتویٰ بھی ہو گیا باوجودیکہ بعض اس صورت میں فساد صلوة کے  
بھی قائل ہیں تو مقیس بدرجہ اولیٰ اس حکم جواز کا مستحق ہے اسلئے کہ اول تو مقیس علیہ میں بعضے نماز  
کے بھی قائل ہیں یہاں فساد کا کوئی قائل نہیں تو مقیس میں وجوب اخف ہے بہ نسبت مقیس علیہ  
کے جب اُس اشد میں وسعت ہو گئی تو اخف میں بدرجہ اولیٰ وسعت ہو سکتی ہے - دوسرے  
مقیس علیہ اقل وقوع ہے اور عام لوگ اُس میں غلطی نہیں کرتے اور مقیس کثیر الوقوع ہے اور عام لوگ  
اُس میں بہت غلطی کرتے ہیں تو یہاں وسعت کرنا احق ہونا چاہئے وجہ قیاس تو یہ ہے - اور وجہ اختیار یہ ہے  
کہ اس مسئلہ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس غلطی میں ابتلائے عام ہے اسلئے فتوے میں آسانی مناسب  
ہے پس یہ منشاء ہے میرے اس قول کا - چنانچہ عوام کو محض اس بے ترتیبی سے اعادہ کا حکم نہیں کرتا  
ہوں لیکن منقول کے سامنے میری رائے کوئی چیز نہیں دوسرے علماء سے رجوع کیا جائے اگر اُس کو  
غلط بتادیں میں بھی غلط کہوں گا۔

الجواب سوال دوم - واقعی رد المحتار میں بطرح جملہ سوال میں نقل کیا گیا ہے لیکن  
نتیجہ ہوئی اس مقام پر میں نے ایک حاشیہ لکھا ہے اس وقت صرف اُس کو نقل کئے دیتا  
ہوں اس کو بھی دوسرے علماء سے تحقیق فرمایا جاوے - وہی ہذا - قلت ہذا الا یصح  
درایۃ دلاویۃ - اما الا دل فلان الا حق لما کان حکمہ مکوثر فکیف یقعد

فی الثانیۃ مع انها ثالثۃ اماصلہ ومقتضاه عدم القعود اما الثانی فلعدم صحۃ النقل عن شرح المذنبۃ فان عبارتہ کما رواہ بعض الثقات من احیائی وقال انه لاک فی اصلہ ہکذا ثم یصلی الاخری ما نام فیہ ولا یقعد لانها ثالثۃ اھ وھکذا افتی واللہ اعلم۔

**جواب سوال سوم۔** یہ قیاس پر خیال میں نہیں آتا اسلئے کہ لائق حکماً موتم ہے اور حکمی موتم حقیقی موتم سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور حقیقی موتم جبکہ امام کا قعدہ اخیرہ ہو اور اس موتم کا قعدہ اخیرہ نہ ہو صرف تشہید پر اکتفا کرتا ہے تو یہ لائق کیسے درود دعا پڑھے گا باقی نہ میں نے کہیں دیکھا اور نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میری اس تقریر پر کوئی غدشہ نہیں ہے اس لئے اس کو بھی دوسرے علماء سے رجوع کر لیا جاوے۔

**جواب سوال چہارم۔** صریح نقل ملنے سے تو مایوسی تھی وجہ مختلفہ خیال میں آئے مگر ان کا درجہ نکات و لطائف سے زیادہ نہ معلوم ہوا سب سے اخیر میں جو وجہ ذہن میں آئی اور وہ اور وجہ سے اقرب معلوم ہوتی ہے وہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ نماز خود خلافت قیاس مشروع و منقول ہوئی ہے اس لئے احکام قیاس یہ کا چلنا اسمیں ضرور نہیں اور نص قرآنی سے کہ اس باب میں بوجہ اضطراب احادیث کے وہی نص ماخوذ ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ اولیٰ لائق ہے اور طائفہ ثانیہ مسبوق۔ کمایداں علی الاول قولہ تعالیٰ فلتقہر طائفۃ منہم معک الی قولہ فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائک و علی الثانی قولہ تعالیٰ ولتأت طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک اور فلیکونوا من ورائک کو فیضیر طائفہ اولیٰ کی طعن و راجع ہونا ظاہر ہے اس میں جو شخص یکونوا من ورائک کے ساتھ متصف ہو گا وہ طائفہ اولیٰ میں داخل ہے چنانچہ اگر ثنائی نماز ہو اور کوئی شخص بعد قومہ کے شریک ہو تو وہ بھی بعد سجدہ کے یکون من ورائک کا مامور ہونے سے طائفہ اولیٰ میں داخل ہو گا ورنہ یہ شخص کسی طائفہ میں داخل ہو گا اولیٰ میں تو اس لئے کہ رکعت اولیٰ نہیں ملی اور ثانیہ میں اس لئے کہ اس ثانیہ کے آنے سے پہلے یہ شخص سجدہ سے اٹھ کر ورائک چلا گیا لظاہر قولہ تعالیٰ فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم فامر یکونوھ من ورائک ہو بعد السجدۃ اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی طائفہ ہیں پس لافحالہ ایک میں داخل ہونا چاہئے اور اول میں داخل ہونا اس لئے احق ہے کہ وہ یکون من ورائک کے ساتھ متصف ہے لہذا مر۔ پس جس طرح ثنائی میں اس شخص کو اس بنا پر طائفہ

اولیٰ میں داخل کیا کہ وہ مامور ہے یکون من وراہ کما اسی طرح رباعی میں اس شخص کو جس کو مثلاً ایک رکعت ملی ہو یا بلکہ ایک رکعت بھی نہ ملی ہو مگر تشہد میں مل گیا ہو اسی بنا پر مذکور طائفہ اولیٰ میں داخل کہیں گے اور لاحق کا حکم دیں گے۔ پس یہ شخص کو حقیقتہً لاحق نہیں مگر حکماً لاحق ہے اسی طرح لحد یصلوا کی ضمیر کا طائفہ آخری کی طرف راجع ہونا وجہ اس کے کہ وہ موصوفہ صفت میں ظاہر ہے اس میں کہ جو شخص لحد یصلوا مع الطائفة الاولیٰ کے ساتھ متصف ہو گا وہ طائفہ آخری میں داخل ہے پس اس بنا پر جس شخص کو رباعیہ کی اخیر ملے وہ حکماً بقیہ میں مسبوق ہو گا اور تینوں میں قرأت کر لگا اور عالمگیریہ کے ایک جزئیہ سے اس تقریر کی من وجہ تائید ہوتی ہے و من دخل فی قسم غیرہ صار حکمہ حکم ذلک الخیر الا اذا دخل بعد ما فرغ من نفسه فان صلی الظہر بالطائفة الاولیٰ رکعتین وانصر فوالا رجل بقی حتی صلی الثانية ثم انصرف فصلواتہ تامۃ لانه وان دخل فی قسم لثانیۃ لکن لحد یصل منها لایضا فرغ من قسم نفسه کذا فی محیط السرخسی اھ۔ لیکن اس تقریر کی صحت موقوف ہے اس پر کہ جزئیات مذکورہ تقریر کا حکم اس کے خلاف کہیں نہ نکل آوے یا کوئی جزئی مستقل جو مستلزم ہو اس کلیتہً مذکورہ تقریر کو منقول نہ نکل آوے۔ اس لئے اس میں بھی دوسرے علماء سے رجوع ضروری ہے۔ اشرف علی یکم محرم ۱۳۳۲ھ۔

### پھر سوالات ذیل آئے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ صحیفۃ والا آیا جس سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہو کر نہایت مسترت ہوئی لیکن ابھی چند شبہات اپنی کم استعدادی کی وجہ سے باقی ہیں جن کے جواب کے لئے دوبارہ جناب ہی کو تکلیف دینا مناسب سمجھا اگرچہ جناب کی تکلیف احقر کی کلفت کا باعث ہے اور آپ کے وقت عزیز کا بھی خیال ہے مگر شوق استفادہ غالب ہے اور صحیفۃ والا کے مطالعہ سے لطف ملاقات بھی تکلیف جواب کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ اس لئے عارضہ عاہوں کے غلبہً استملی شرح نیتہ لمصلیٰ دیکھی بیشک اس میں جیسا کہ جناب نے جواب ۲ میں تحریر فرمایا ہے لایقعہد لہا ثالثہ اور ایک نسخہ میں لاہما ثالثہ ہو جو دلیل منفی ہو سکتی ہے اس جزئیہ میں حکم تہود کو درایت و نیز اس اصل کے جو اس کی تحلیل میں خود علامہ شامیؒ نے شرح منیہ سے نقل کیا ہے خلاف پونے سے متحیر تھا کہ مجدد حضرت کی تحریر سے امر حق واضح ہو گیا۔ اب باقی اجوبہ کے متعلق جو امور دریافت طلب ہیں عرض ہیں۔ شبہ بر جواب اول۔ قیاس میں تو مقیس علیہ کا حکم مقیس کو دیتے ہیں مگر قیاس

ہذا میں ایسا نہیں اس لئے کہ مقیس علیہ میں جو متاخرین نے حکم جواز دیا ہو اس سے مراد مع الکرہۃ التحریم ہے جیسا کہ کبیری ص ۴۳ شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے۔ لو ابتدا بقضاء ما سبق بہ قبل تفسد صلوٰۃ والا صحیح اتہا لا تفسد و لکن تکفیر۔ اور مقیس میں جو جناب کا فتویٰ ہے وہ ترک اولیٰ ہے پس دونوں کے حکموں میں تغاؤر ہوگا۔ دوسرے مقیس علیہ میں جس قول یعنی کراہت تحریمیہ ہے جو فتویٰ ہوا ہو اس کی اصحیت کے بعض قائل ہیں اور مقیس میں عدم کراہت کا کوئی قائل ہو نہیں جو مستحیٰ تو سبیح ہوا اور خلاف ہو بھی تو زکر کا جو فساد کے قائل ہیں تیسرے مقیس علیہ میں عدم فساد مع الکرہۃ کی علت ترک ترتیب واجب ہے اور یہی علت مقیس میں بھی موجود ہے پس یہ بھی حکم کراہت کا مستحیٰ ہوگا۔

شنبہ بر جواب ۱۔ اگر مؤتم حقیقی کو جبکہ مسبوق ہو بجائے درود دعا کے جس کے بعض قائل ہیں بنا بر قول صحیح ترسل کرنا چاہئے لیکن نفس تعقد زائد علی قدر التہدید میں سوائے چند مواضع عذر کے امام کا تابع ہو جیسا کہ در مختار عالمگیری رسائل الارکان میں ہے کہ مسبوق کا قبل سلام کے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے پس لاحق کو بھی بوجہ اقتداء حکمی کے نفس تعقد زائد علی قدر التہدید امام میں اتباع کرنا چاہئے اور اس تعقد طویل میں جیسا کہ مسبوق میں بعض درود دعا کے پڑھنے اور بعض سکوت اور بعض تکرار کے قائل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ترسل کرے ایسے ہی اسمیں بھی ہوگا۔

شنبہ بر جواب ۲۔ اول جواب آنے کے بعد عالمگیری کی اس عبارت دان عادت الطائفة الثانية (ای الذین صلوا الركعة الثانية من الشفع الاول) صلوا الركعة الثالثة واللجنة بغیر قراءۃ ثلث یقضون الركعة الاولیٰ بقراءۃ ج ۱۵۹ پر نظر پڑی جس بالکل مطابق قیاس کے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز خوف کی دوسری رکعت میں طے والا لاحق مسبوق ہے لہذا دو پچھلی رکعتوں میں قنوت نہ کرے اور ایک پہلی رکعت میں قنوت کرے ایسے ہی عالمگیری کے ان دو حزیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ۱۔ و یقضون رکعتین احدنہما بغیر قراءۃ والثانية بقراءۃ ۲۔ و یقضی الثانية رکعتین الركعة الثانية بغیر قراءۃ۔ لیکن عبارت رد المحتار باب صلوٰۃ الخوف مندرجہ سوال ۱۷۱ والمسبوق ان ادراك رکعة من الشفع الاول فهو من اهل الاولیٰ والا فمن الثانية دلالة اس کے معارض ہو تو ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہو۔ دوم والا فمن الثانية سے معلوم ہوا کہ قوم یا تشہد قسم اول میں شریک ہونے والا طائفة ثانیہ سے ہو پس احکام طائفة ثانیہ کے اس پر جاری ہوں گے اور اسی قسم ثانی میں امام کیساتھ شریک ہونا

اور بعد تمام طائفہ اولیٰ کے قسم اول کو لغزات قضا کرنا ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو پھر والا من الثانیۃ کے کیا منہ ہوں گے اور اگر یہی مراد ہو جو عرض کیا گیا تو کیا اس کی تطبیق آیت قرآنی سے یوں صحیح ہو سکتی ہے کہ امر او مسجد و اسے اعموار کعۃ ہو اور امر بکونھو من ورا ڈھو مشرط بالسجدۃ ای الرکعۃ ہو پس ایک رکعت سے کم پلنے والا (یعنی رکوع رکعت اولیٰ ثنائی یا رکعت ثانیہ غیر ثنائی کے بعد پلنے والا) بوجہ فقدان شرط کے یکون من ورا ٹکھو کا مامور نہ ہوگا۔ اور لحدیث صلوٰۃ الرکعۃ مع الطائفۃ الاولیٰ کے ساتھ متصف ہونے سے فلیصلوا معک کا مامور ہوگا پس اُسے بعد ختم قسم اول صلوٰۃ کے مقابل عدد میں جانا ہوگا بلکہ قسم ثانی کو طائفہ ثانیہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ سوم تقریر جواب سے یہ سمجھ میں نہ آیا کہ مثلاً ظہر کی نماز خوف میں امام مسافر ہو اور مقیم دوسری رکعت میں پلے تو عالمگیر و ثنائی میں مصرح ہو کہ تینوں رکعتوں میں قرات کرے حالانکہ صلوٰۃ امن میں ایسا نہیں اس نماز کا خلاف قیاس مشرّع ہونے کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہو کہ بعض امور میں جس میں نص وارد ہے جیسے اثنائے صلوٰۃ میں نماز سے علیحدگی وغیرہ ان میں قیاس کو مجال نہ ہو لیکن جن امور میں نص ساکت ہو اور وہ اسی نماز کی کسی صورت میں ثبت بالقیاس ہیں اُن کو اسی نماز کی دوسری صورت میں باوجود اشتراک فی العلة کے بدون استحسان کے ترک کی کیا وجہ ہو مثلاً جو خلف المقیم کی ظہر کی دیکھی رکعتوں میں شریک ہو اُس کو دو پچھلی رکعتوں میں حکم ترک قرات دیتے ہیں اور جو مقیم خلف المسافر ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہو اُس کو تینوں رکعتوں میں حکم قرات دیا ہو تو پہلی صورت میں جو حکم ترک قرات فقہاء نے دیا ہو وہ نصی تو ہو نہیں قیاسی ہے جس کی علت اشتراک تقدیری فی الاداء ہو اور یہ قلت صورت ثانیہ کی دو پچھلی رکعتوں میں بھی موجود ہو اس لئے کہ اُس نے اس کا التزام کیا تھا کہ باقی نماز امام کے ساتھ ادا کرے لیکن بوجہ عذر (قصر امام کے) یہ حاصل نہ ہو سکا اور یہی معنی اشتراک تقدیری فی الاداء کے ہیں پس جبکہ صلوٰۃ خوف کی ایک صورت میں اس قیاس کو چلایا گیا تو دوسری صورت میں فقہاء کا قیاس ہلکے ترک کی کیا وجہ ہو اگر کوئی استحسان ہو تو وہ معلوم ہو اور اگر کوئی اور وجہ ہو تو بیان فرمائی جائے۔ نیازمند سعید احمد تہم مدبر رفاه المسلمین اعلیٰ محلہ لکھنؤ۔

الجواب عن السوال المتصلۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تائید و موافقت فی جواب السوال الاول سے سرور ہوا۔ بقیہ سوالات کی نسبت عرض کرتا ہوں۔

الجواب من الشبهة علی الجواب الاول۔ جواز مع الکراهۃ کا شبہ محکوم بھی ہوا تھا مگر مراجعت کتب کی فرصت نہ ملنے سے تحقیق نہ کر سکا اب اُس شبہ کی قوت آپ کی نقل



سے ثابت ہوئی۔ اصل میں میری رائے کا مبنی ابتلائے عام ہر ایسے امر میں جو بہت سے خواص پر بھی خفی ہر باقی جزئیہ زیادہ تقویت کے لئے لکھا یا تھا اگر یہ مبنی سہولت کا ہو سکتا ہے جیسا فقہائے لکھا ہے ماضی اصرار کا تسخیر حکم صحیح ہے ورنہ غلط۔ اس سے زیادہ میرے پاس دلیل نہیں اور نہ اپنے فتوے پر اصرار ہے مگر جی چاہتا ہے کہ آسانی کی جاوے۔

ع اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہو جائیکے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اُس کے بھی بعد مسافر امام کا اقتدا کیا ہو مدرسہ سہارن پور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لائق نہیں ہے صرف مسبوق ہو تو یہ شخص اپنی نماز میں قرأت والی رکعتوں کو مقدم کرے۔ اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لائق و مسبوق دونوں پر اس لئے غیر قرأت والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولیٰ کہتا تھا وہ فتویٰ سہارن پور میں واجب ہوا جس کو بندہ اولیٰ کہتا تھا وہ اُس فتوے میں ناجائز ہے۔ اور فتویٰ دیوبند رافق مشہور ہے کہ ناظرین اس کی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کر لیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مثل مسائل اختلاف کے کسی جانب پر قصد یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً عادتاً عمل کرنے والے پر راء امت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگایا جائے اور یہ موافق ہو گا میرے قول اول یعنی برود کے بواز کے جس کے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شیخ عمل اور تعلیم کیلئے متعین ہو جاوے گی اور اولیٰ جانب میں بعض تو استنباطات میں جو بوجہ دوسری توجہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض مرتب ہیں چنانچہ فتویٰ مظاہر علوم کی دلیل عالمگیر کی صلوٰۃ الخوف کی وہ روایت ہو جو اس فصل کے سبب اول کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے: **و تَجِبُ الْعَاطِفَةُ الثَّانِيَةُ إِلَى مَكَانِ صَلَواتِهِمْ فَيُصَلُّونَ ثَلَاثَ رَكَعاتٍ الْأُولَى الْفَاتِحَةُ الْكَلَامُ بِسُورَةِ الْأَنْعَامِ مَسْبُوقُونَ فِيهَا دَلَالَةٌ لِاخْتِيارِ الْكِتَابِ** جس سے معلوم ہوا کہ غیر اولیٰ میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہو اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں اور دارالعلوم کی مرتبہ دلیل شامی کی یہ روایت ہے: **و قد يكون (أي المقيم المتوهم بالمسافر) مسبوفاً ايضاً كما اذا فاتت اولى صلوٰۃ** امام المسافر ص ۶۲ ج ۱۔ احکام المسبوق والمدرك واللاحق۔ مگر مظاہر علوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے جو فصل ہذا کے سبب اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے: **والمسبوق ان ادركه كذا من الشفع الاول فهو من اهل الاول والافمن الثانية (ج ۱ ص ۶۶ صلوٰۃ الخوف)** یہ شبہ ہو گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم کہ شفع اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانچواں الا طائفہ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اُس قرأت سے منع کیا گیا چنانچہ طائفہ اولیٰ ...

سے قول قرأت والی رکعتوں کو الخ اقول یعنی جن میں قرأت فاتحہ مع السورہ فریدی ہے، آخرین میں صرف فاتحہ مندوب

ہے ۱۲۔ از بندہ رشید احمد مدرس دارالعلوم کراچی۔

سے قول والمسبوق ان ادرك ركعتة الخ اقول حضرت قدس سرہ نے اس جزئیہ کو مقیم خلف المسافر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب عن الشبهة علی الجواب الثالث۔ چونکہ تعدہ زائد علی التشہد خود امام ہی پر واجب نہیں اس لئے اس کو لازم قرار دیکر درجہ حکمی میں اس کی رعایت نہ کیجائیگی جیسا خود قیام میں ضروری نہیں کہ فاتحہ کی قدر کھڑا ہو بلکہ بقدر تین تسبیح کے بھی کافی ہے گو امام کے لئے سنت بھی ہو کہ آخرین میں فاتحہ پڑھے۔

الجواب عن الشبهة علی الجواب الرابع۔ چونکہ اس کے متعلق تقریر میں کچھ پہلے ہی شرح صمد نہ تھا اس لئے اس وقت میں آپ کے شبہات کو دیکھنے کے قبل ہی وہ پہلا جواب تجویز کیا کہ اصل سوال ہی میں دوسرے علماء سے جو ع کر لیا جاوے گا وہ انہیں ملتکفین ۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ (ترجمہ ثانی ۱۳۳۷ھ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بقیہ نماز میں قرات نہیں کیا کرتا ہو لانا لاحق حقیقہ کہ رکعت اولیٰ اور حکماً کہ رکعت الثانیۃ من الشفۃ الاولیٰ اس شخص کے عدم مسبقیت حقیقہ کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قرات کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا اسی طرح عالمگیری کا یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانوالہ بقیہ میں قرات کرے اس کے عدم لاحقیت کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قرات کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہئے بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً لاحق کہیں گے اور عالمگیری کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہیں گے اور جب نہر کا حکم صلوٰۃ الخوف کیساتھ خاص ہو گا عدم التعدیہ اسی طرح عالمگیری کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کیساتھ خاص کہیں گے اور دونوں حکم کی امتحان پر مبنی ہونگے جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف کے متعلق ہونے میں مشترک کبھی ہیں پس دونوں کی یکساں بات ہوگی پس مقدمہ کہ صلوٰۃ خون کی خصوصیت کی کوئی وجہ

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) متعلق قرار دیا ہو گا یہ دل علیہ قولہ ازریہ دونوں مجلی مقیم خلف المسافر الخ "اسمیں حضرت قدس سے تسامع ہو رہا ہے اسلئے کہ خلف المسافر متفقہ ثانیہ میں شرکت تو مستور ہی نہیں ہو سکتی پس شبہ و تھو سا قاطع ہو گیا اور "فہوم الاولیٰ" میں یہ کچھ تصریح نہیں کہ یہ شخص کما ت ثلاثہ میں لاحق ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ذباب و ایاب وغیرہ احوال میں اور آخرین میں ترک قرات کے حق میں طائفہ اولیٰ کی طرح ہو، نہ کہ رکعت مسبوقة میں بھی، وہر ظاہر جدا، علاوہ انہیں سہارن پور کے فتویٰ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے صلوٰۃ خون کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے تحریر فرمائے ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا اور دارالعلوم کی دلیل کا جواب تحریر کیا گیا ہے۔ نیز مولانا محمد دم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کی تحقیق بھی سہارن پور کے فتوے کے مطابق ہے، اس مسئلہ کی پوری تفصیل بندہ کے فتاویٰ ستمی باحسن الفتاویٰ میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

از بندہ رشید احمد مدرس دارالعلوم کراچی

سوال (۴۴۳) نماز فجر میں اگر کوئی شخص دوسری رکعت  
وقت خون عدم طلوع شمس میں شریک ہو تو امام کے ساتھ التیمات وغیرہ میں شریک  
ہوتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تب تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنی نماز پوری نہیں کر سکتا اور اگر  
امام کو قعدہ میں چھوڑ کر اپنی رکعت پوری کرتا ہے تو طلوع آفتاب سے پہلے فائز ہو جاوے گا  
تو دوسری صورت مقتدی کو جائز ہے یا نہ؟

الجواب - قواعد سے تو جائز معلوم ہوتا ہے۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۱)

# ب

## السَّهْوُ فِي الصَّلَاةِ وَاحْتِكَامُهُ

سوال (۴۴۴) اگر چار رکعت کے درمیان قعدہ میں سوائے التیمات  
خواندن در قعدہ اولیٰ کے اگر چند لفظ بھی درود شریف کے پڑھے جاویں تو سجدہ سہو واجب ہوگا  
یا نہیں؟ ۹ الجواب - سہو کا سہو واجب ہوگا اگر اس قدر پڑھ لیا۔ اللہم وصل  
علیٰ محمد فقط (امداد صفحہ ۱۶۳۵)

سوال (۴۴۵) نیتہ المصلیٰ میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری  
رکعت میں بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم ہو اور یہ عبارت ہے و  
يجب سجدة السهو بغير الجلوس او صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے مقدار ایک تسبیح  
کی قید لگائی۔ اور شامی میں مجرد جلوس موجب سہو نہیں لکھا ہے یعنی بقدر جلسۃ استراحت  
اگر سہوا کوئی شخص جلسہ کرے تو سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ یہ جلسہ استراحت کا اختلاف  
بین الشافعیۃ والحنفیۃ اختلاف فی السنیۃ وعدم السنیۃ ہے پس جس نے جلسہ استراحت کے  
مقدار جلسہ کیا اُس نے سنت کے خلاف سہوا کیا اور سجدہ سہو ترک واجب ہوتا ہے نہ ترک  
سنت سے پس جب اختلاف فقہار کی عبارات میں ہوتا ہے تو یہاں بھی احتمال ہی سہو  
تحقیق کی درخواست کی خود مجھے ایسا اتفاق ایک مرتبہ ہو گیا میں نے شامی کی رائے کو

راجع سمجھ کر اس پر عمل کر لیا تھا مگر پھر بھی اپنے جی کو اس مسئلہ میں پورا اطمینان نہیں اس لئے دوسرے مسئلہ میں حضور کی کیا تحقیق ہے۔

**الجواب**۔ مجھ کو بھی مدت سے تردد ہے مگر عمل اس پر ہے کہ مجرد جلوس سب سے سہو کرتا ہوں۔ لا لان، ترك السنۃ بل لان فيه التأخير في القيام۔ اور ایک تسبیح کی قدر تو عادتاً جلوس ہو ہی جاتا ہے اس میں ذرا غور کیجئے۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۲۸ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۸)

اس مقام کی تحقیق پر ایک حاشیہ بخورداد مولوی محمد تقی سلمہ نے لکھا ہے جو نیز ذیل میں ہے۔ محمد ضعیف غنی ہے۔  
اقول وبالله استعین :- عبارات ذیل زیر بحث مسئلے میں قابل غور ہیں :-

(۱) قال فی ملتقى الحجوج يجب ان تقرأ في ركوع او قعود او قدم ركناً أو آخره أو كثره أو غير واحد أو تركه كركوع قبل القراءة وتأخير القيام إلى الثالثة بن زيادة على التشهد وقال شارح العلامة شيخ زبوة واختلفوا في مقدار الزيادة فقال بعضهم بن زيادة حروف وكلام المصنف يشير إلى هذا وقال بعضهم بقدر ركن وهو الصحيح كما في أكثر الكتب (مجمع الأنهر ص ۱۳۸ ج ۱)

(۲) وقال تحت شارحه العلامة ابن حابدین بقدر ركن (بالحوالة المسطورة)

(۳) قال الامام ظهير الدين المنزغيني لا يجب بقوله اللهم صل على محمد وانما المقابر مقدرة ما يؤدى فيه ركناً كذا في الظهيرية (برجندی شرح وقایہ ص ۱۳۹ ج ۱)

(۴) قال ابن البراز الكرمي سها في صلواتها انها الظهر والعصر او غير ذلك ان تفكر قدم ما يؤدى فيه ركن كالركوع ثم وان قليلاً فان شك في صلوة صلاتها الخ (الجامع الوجيز علی ما مضى الهندیہ ص ۷۰ ج ۲)

ان تمام عبارات سے مشترک طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاخیر واجب کی مقدار اکثر فقہاء نے یہ قرار دی ہے کہ اتنی دیر تاخیر ہو جائے جس میں کوئی رکن نماز مثلاً رکوع یا سجدہ وغیرہ ادا ہو سکے، اور وہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقفے میں ہوتا ہو، ہم مترجم الطحطاویؒ فی حاشیتہم علی المراتیٰ فی حیث قل ولعینینوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم ان يعتبر الركن مع سنته وهو مقدّر بثلاث تسبیحات (طحطاوی ص ۲۵۸ ج ۱)

اس قول کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے یا تو مرجوح ہیں یا وہ کہ جن کا مال یہی نکلتا ہے، صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

حکم فم سورۃ در آخرین بعد ترک | سوال (۴۷۶) فرض ظہر میں پہلے دونوں رکعتوں میں  
کردن این فم در اولین + فم سورہ نہیں کیا دونوں رکعت اخیر میں فم سورۃ  
کرے یا کہ نہیں اور سجدہ سہو کرے یا نہیں۔ فقط؟

الجواب۔ کرنا جائز ہے اور واجب ہونے میں اختلاف ہے لیکن سجدہ سہو ہر حال میں  
ہے کیونکہ واجب ترک ہوا۔ فی الدائم المختار بحث القراءة ولوتر بعد سورة اولی العشاء مثلاً  
قرأها وجداً وقيل نداءً وفي رد المختار ويسجد للسهو لو ساءها وليعلم الرباعية  
السرية ۱۵۔ ۱۴ محرم ۱۳۲۴ (امداد ص ۶۹ ج ۱) اس قسم کا ایک مسئلہ ۳۹۱ پر بھی ہے (امداد ص ۶۹ ج ۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۲) اور بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، باب صفۃ الصلوٰۃ  
میں ان کی عبارت یہ جو (فان زاد عامداً کلاً) فتجب الاعادة (اوساھیا وجب علیہ  
سجود السہو اذ قال اللہ صل علی محمد) فقط (علی المذہب) المفقئ بہ لا  
لخصوص الصلوٰۃ بل لتاخیر القيام (شامی ص ۴۷۷ ج ۱) اس کے تحت علامہ شامی  
نے کئی اقوال نقل کر کے تحریر، زیلعی، شرح منیہ کبریٰ، وغیرہ سے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ رثی  
اور شرح منیہ صغریٰ سے وعلیٰ ال محمد کی زیادتی کا مرجع ہونا ذکر کیا ہے،

اور باب سجود السہو میں صاحب تنویر فرماتے ہیں (وتأخیر قیام الی الثالثۃ  
بزیادۃ علی التشہد بقدر رکن) صاحب در مختار نے لکھا وقیل بجود وفي الترمذی  
الا صحیح وجوبہ باللہ صل علی محمد، علامہ ابن عابدینؒ نے اس تعارض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا  
(قوله والنزیلعی الخ) جزم بہ المصنف فی متنہ فی فصل اذا اراد الشرح وقال انه  
المذہب واختارہ فی البحر تبعا للخلاصۃ والحانیۃ والظاہر انه لا ینافی  
قول المصنف هذا بقدر رکن تأمل (شامی ص ۶۹۲ ج ۱) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ  
صل علی محمد اور بقدر رکن دونوں اقوال کا حاصل ہونا مال ایک ہی نکلتا ہے، تو گویا جس جس  
نے اللہ صل علی محمد کو مقدار تاخیر قرار دیا ہے اس نے بقدر رکن کے قول کے منافی کوئی  
بات نہیں کہی، وبالعکس،

ترجمہ وہ عبارت جو نیتہ المصلیٰ میں ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھ  
جائے تو مطلق بیٹھ جانے ہی سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا، خواہ مقدار رکن بیٹھا ہو یا نہیں؛  
سی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جلسۃ استراحت سے سجدہ سہو لازم آجائے گا، رکبیری ص ۴۳۲ (بقیہ حاشیہ ۱)

ترک تعدیل | سوال (۴۴۷) اگر سہواً تعدیل صلوٰۃ ترک شود برائے جبر نقصان فقط سہواً اعادہ واجب است یا خیار نابین سجدہ سہواً واعادہ بہت بینوا توجروا۔ ۹۔

الجواب۔ فی الدار المختار ولہا واجبات لا تفسد بترکھا وتعاد وجوبا فی العمد والسهو لیسجد لہ وان لم یجدھا یكون فاسقاً اثماد فیہ تعدیل الامر کان وفی رد المختار۔ ج ۱ ص ۸۸۳ فی مکث فی الركوع والسجود وفی القومۃ بینہما حتی یطمئن کل عضو منہ ہذا ہوا واجب عند ابی حذیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ حتی لو ترکھا او شیلئامنہا ساہیا یلزمہ السہوۃ پس ازین روایات حاصل شد کہ در صورت مسنول عنہا سجدہ سہواً واجب باشد بخیر در میان سجدہ سہواً واعادہ نباشد آری اگر سجدہ سہوۃ کرد اعادہ واجب است علی التعمین واللہ اعلم۔ ۲۶ / سوال ۳۲۲ (امداد ص ۸۱ ج ۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سواس بارہ میں تحقیق وہ موجود مختار اور رد المختار میں لکھی گئی وہ ہر ہذا :-

(۱) قال العلامة الحصفی فی واجبات الصلوٰۃ وترك قعود قبل ثانیۃ اور اربعۃ وكل زیادۃ تتخلل بین الفرضین، وقال الشافعی تحتہ وكذا القعدة فی اخر الركعة الاولی او الثالثۃ فیجب ترکھا ویلزم من فعلھا ایضاً تأخیر القيام الی الثانیۃ او الرابعۃ عن محآہم، وهذا اذا كانت القعدة طویلة اما الجلسة الخفیفة التي استحبھا الشافعی فتركھا غیر واجب عند نابل هو الا فضل (شافعی ص ۴۲۸ ج ۱)

(۲) قال فی الدار المختار ویكبر للنموض علی صد ورقدمیه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس، وقال الشافعی تحتہ قال شمس الأئمة الحلواني الخلاف فی الا فضل حتی لو فعل كما هو منہ ہبنا لا بأس بہ عند الشافعی ولو فعل كما هو مذہبہ لا بأس بہ عندنا كذا فی المحيط اھ قال فی الحلیۃ والا شبه انہ سئۃ او مستحب عند عدم العذر، ویكرۃ فعلہ تنزیہا لمن لیس بہ عذر اھ وتبعہ فی البحر۔ اقول ولا نیا فی ہذا ما قدمہ الشارح فی الواجبات حیث ذكر منها ترك قعود قبل ثانیۃ ومربعۃ لان ذاك محمول علی القعود الطویل (رد المختار ص ۴۷۳ ج ۱)

اسلئے ان عبارت سے معلوم ہوا کہ رد المختار کے درمیان (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

حکم عمل امام بقول خارج صلوٰۃ سوال (۲۴۸) صلوٰۃ مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر  
 وتحقیق حدیث ذوالیدین سلام پھیرا اور سلام ہی پھیرنے میں اُس کو شبہ ہوا کہ شاید دو  
 رکعتیں پڑھیں مگر عدم یقین اور اس شبہ کی مرجوحیت کے باعث توجہ نہ کی سلام پھیرنے کے  
 بعد مقتدی نے کہا دو رکعت ہوئیں۔ مقتدی کے اس قول سے اس کا شبہ راجح ہوا اور امام  
 فوراً کھڑا ہو گیا سب مقتدی بھی کھڑے ہو گئے اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لیا  
 نماز ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو اُس مقتدی شکم کی بھی ہوئی یا نہیں اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوئی  
 ہے کہ حکم عند الاختلاف مطلق مفسد صلوٰۃ ہو خواہ لا اصلاح الصلوٰۃ ہو یا نہیں۔ ذوالیدین کی حدیث  
 کس حدیث سے منسوخ ہے۔

الجواب۔ اس قسم کی جزئیات میں فروع مختلف لکھی ہیں۔ بکا ینظہر من مطالعۃ المختار  
 ورد المختار صفحہ ۵۹۶ و ۶۵۰ و ۶۷۳ لیکن اس باب میں طحاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے جس سے  
 سب فروع بھی متفق ہو جاتی ہیں۔ شامی نے صفحہ ۵۹۶ میں اس طرح نقل کیا ہے وقال لوقیل  
 بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشاع فلا تفسد و بین کونہ امتثل امر الداخل  
 (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جلسۃ خفیفہ عدا جائزہ شامی کی تصریح کے مطابق ترک قعود۔ جو  
 واجب ہے۔ وہ تعذر طویل ہے، تعمیر نہیں، ورایت کا مقتضا بھی یہی ہے کیونکہ یہ فعل عدا جائز ہے تو  
 سہواً بدیعہ اولیٰ ہونا چاہئے، نیز چونکہ یہ قول بقدر کن کی تقدیر کے مطابق ہے اس لئے اسی کی ترجیح  
 ہونا چاہئے، اور جب اس ورایت کے ساتھ شامی کی یہ روایت مل گئی تو اس دعوے  
 میں مزید قوت پیدا ہو گئی، اور خود علامہ ابراہیم حلبی کی تصریح علامہ شامی نے نقل فرمائی ہے  
 کہ عن شرح المنیۃ انہ لا ینبغی ان یعدل عن الذایۃ ای  
 الدلیل اذا وافقتھا روایۃ۔

خلاصہ یہ کہ جو مقدار جلسۃ استراحت کی شوائع کے یہاں مسنون ہے اس مقدار  
 تک بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم نہ آنا چاہئے۔

هذا ما بدالی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

احقر محمد تقی عثمانی غفر اللہ لہ۔ یکم محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح

بندہ رشید احمد عفی عنہ  
 ۲۰

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفی عنہ  
 ۱۰

مراعاتہ لخاصہ من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا ۱۸۔ پس جب امام کا شبہ رائج ہو گیا تو امر شارع کے سبب سے وہ کھڑا ہوا ہے اس لئے اُس کی اور مقتدیوں کی سب کی نماز ہو گئی بجز کلام کرنے والے مقتدی کے کہ اُس کی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہو گئی جیسا حنفیہ کا مذہب مشہور اور متون میں مذکور ہے اور حدیث کے متعلق بحث اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں ہیں عن الکلام میں وارد ہیں ایک معاویہ بن حکم اسلمی کی جس میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ ان هذه الصلوة لا تصلح فیہا شئی من کلام الناس قلت عموم شئی لکونہ نکتہ وقوعہ تحت النفی بشمل کل کلام بای وجہ کان حاصل و ناسیا اولاً صلاح الصلوٰۃ۔ دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس سے آنے کے وقت نقلنا یا رسول اللہ کنا نسلو علیک فی الصلوٰۃ قال ان فی الصلوٰۃ شغلاً تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی کنا نسلو فی الصلوٰۃ الی قولہ فامرنا بال سکوت و نہینا عن الکلام قلت اطلاق الکلام فی الحدیث الا خیر و کذا کونہ منافیاً للشغل لصلوٰۃ کما فی الحدیث لذلک قبلہ یحرم کل کلام۔ اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتغال علی النہی کے حدیث ذوالیدین سے ظاہراً معارض ہیں۔ اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصہ ذی الیدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں اسلئے قصہ ذی الیدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں اس پر شبہ مشہور ہے کہ بوجع عن الحبشہ ابتدا میں ہوا ہے اور قصہ ذی الیدین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اذن ان کا اسلام بعد خیر کے ہوا ہے پس حدیث نہی کی مقدم ہے اور حدیث کلام کی مؤخر ہے پس نسخ صحیح نہیں اور حنفیہ نے جواب دیا ہے کہ ابو ہریرہ کا قصہ میں موجود ہونا مسلم نہیں۔ اور سند منع یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیر سے بہت پہلے ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس قصہ میں کس طرح موجود ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ کسی اور سے روایت کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ حدیث نہی عن الکلام سے مقدم ہو اور منسوخ ہو باقی ابو ہریرہ کا یہ قول کہ بینما ان اصل یا اصلی بنا یا اصل لانا محمول ہے معنی صلی بالمسلمین اور ذوالالمعنی پر پھر اس پر شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبدر ذوالشمالین میں نہ ذوالیدین پھر اس کا جواب دیا ہر کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں پھر اس پر شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا جواب یہ ہر کہ مبیح او محرم میں جب تعارض ہوتا ہے دلیل مذکور فی الاصول مبیح کو مقدم رکھ کر منسوخ کیا جاتا ہے۔ یہ مختصر کلام ہے جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے اور اس حق کا مسلک ان سب عودوں سے قطع نظر کر کے یہ ہے کہ آپ کا کلام فرمانا خصوصیات میں سے ہو سکتا ہے اور صحابہ کا کلام رسول کے ساتھ تھا اور کلام مع الرسول

اس سلسلہ میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا غور کر لیا جائے ۱۲ للفتح الاغلا اصل ۱۸



مفسد صلوٰۃ نہیں جیسا بعض علماء نے اُس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے ابی بن کعب کو بکرا تھا پھر بعد نماز کے آپ نے یہ آیت یاد دلائی استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لایۃ یا کلام بالامیاء جیسا ابو داؤد میں ہر آدمی کو ای نفع عدم فساد بالکلام مع الرسول اور ایما کو نووی نے شرح مسلم صفحہ ۲۱۲ میں نقل کیا ہے۔ والتعلم۔ (امداد ص ۱۱)

حکم اعلام مقتدی امام | سوال (۱۴۴۹) امام کے سہو تعدیہ بر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات رادر سہو | لشرک کے جو تعلیم ہے یا یوں کہ بیٹھ جاؤ نماز ہو گئی یا نہیں۔ ۹۔

الجواب۔ سبحان اللہ اور التحیات دونوں جائز ہیں اور تعلیم و تلقین التحیات کی نہیں ہے بلکہ تذکیر ہے البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جاؤ اگر یہ کلمہ کہہ دیا تو اس کی نماز تو فاسد ہو جاوے گی اور امام کی نماز میں جواب سوال سابق میں تفصیل آچکی ہے کہ امر شائع مسجد کر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کر لیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (امداد ص ۱۲)

حکم عمل مقتدی | سوال (۱۴۵۰) مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے برا اعلام امام | کہ کھڑے ہو جاؤ یا نماز پوری کر وادروہ بلا اعتماد علی ظنہ کھڑا ہو جس کا یہ مطلب ہو کہ محض امام کے کہنے سے یا برابر والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں۔ ۹۔

الجواب۔ وہی تفصیل ہے جیسے سوال بالا کے جواب میں گزری ہو۔ فقط (امداد ص ۱۲)

تحقیق اعادہ فاتحہ عدم اعادہ | بعد خفی | سوال (۱۴۵۱) اگر مسافر نے نماز جہری شروع کی تھی اور کچھ خواندن اندکے در آں یا عدم وجوب | قرآنہ خفی کر چکا تھا کسی نے اُس کی اقتدار کی تو جو پڑھ چکا ہو

اُسکے اعادہ بجا کرنے میں اختلاف ہے اگرچہ شامی نے عدم اعادہ کو ترجیح دی ہے لیکن در مختار و دیگر

سے اعادہ مرجع معلوم ہوتا ہے یا کلام غلطی سے قرآنہ خفی تھوڑی کر چکا تھا کہ اُس کے بعد خیال آیا تو

بھی اختلاف عدم اعادہ کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ سجدہ سہو صورت اولیٰ میں واجب نہ ہوگا اور صورت

ثانیہ میں اگر مقدار بایجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا ہے تو واجب ہوگا لیکن بر تقدیر اعادہ کیا حکم ہے فقہائے

لکھا ہے جیسا کہ عالمگیری میں تصریح ہے اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو آیا

سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں صورت دلیٰ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اعادہ بقصد ہوا ہے اس لئے سجدہ

سہو واجب نہ ہوگا اس لئے کہ سجدہ سہو تسد سے واجب نہیں ہوتا لیکن صورت ثانیہ میں بھی یہی حکم ہوگا۔

کہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ اعادہ کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا لیکن جب مقدار بایجوز بہ الصلوٰۃ سہو

خفی کر چکا ہے تو سجدہ سہو واجب ہو چکا ہے اور اس تلافی سے وہ رفع نہ ہوگا یا رفع ہو جائیگا شامی

لے عدم اعادہ صورتِ اولیٰ میں ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اعادہ فاتحہ سے بعد واجب ہوتا ہے اسلئے  
اعادہ نہ کرنا چاہیئے۔ ۹۔

الجواب :- یہ تو معلوم ہے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ وعدم اعادہ مختلف فیہ ہے پس اگر اعادہ  
نہیں کیا گیا تو اس وقت دونوں صورتوں میں تفصیل ہے کہ قائلین بعدم اعادہ کے نزدیک نماز کا مکمل ہی  
اور قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز مکرمہ ہوئی ترک واجب اور چونکہ ترک عہداً واقع ہوا ہے اس لئے  
سجدہ سہو اس کا جائز نہیں ہو سکتا اور اعادہ نماز لازم ہو گا۔ کہا ہو مقتضی القواعد: اور اگر اعادہ کر لیا تو اس  
وقت تفصیل یہ ہے کہ قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز مکمل ہوگی اور قائلین بعدم الاعادہ کے نزدیک نماز  
مکرمہ ہوگی اور سجدہ سہو سے جبر نقصان نہ ہو سکے گا۔ لہذا مگر اقرب الی الفقہ عدم وجوب اعادہ ہے۔ لان  
فیہ الخیر عن تکرار الفاتحہ فی رکعة و تاخیر الواجب عن محله و هو موجب لسجود السہو فان  
مکروہا و هو اسهل من لزوم الجمع بین الجہر و الا سہل فی رکعة علی ان کون ذلک بالجمع  
شذیہا غیر مطر لما ذکرنا اخر شرح منیۃ ان کلاما مہم لوسہا فخافت بالفاتحہ فی الجہریۃ  
شعر تذکر جہر بالسورۃ و لا یعید و خافت بایۃ او اکثریتہما جہرا و لا یعید و  
فی القہستانی و لا خلاف انہ اذا جہر باکثر من الفاتحہ یتمہا مخافتہ کما فی الزاہدی  
اھای فی الصلوة السریۃ و کون القول نقلہ فی الخلاصۃ عن الاصل کما فی الجہر و  
الاصل من کتب ظاہر الشریۃ لا یلزم منہ کون الثانی لم یذکر فی کتاب اخر من کتب  
ظاہر الروایۃ فدعی انہ ضعیف روایت و درایتہ غیر مسلمۃ فافہم اھ۔ شامی  
اب رہی یہ بات کہ اگر اعادہ کر لیا تو کیا حکم ہے۔ سواس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً اعادہ مناسب ہے  
للتحرز عن الاختلاف اور اگر اعادہ نہ کرے تو نماز ہو جاوے گی مافیہ من السعۃ للاختلاف المذكور فیہا  
عالمگیری کا جزئیہ سوہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید بسہو ہے اور صورتِ ثانیہ میں اعادہ فاتحہ سے سجدہ سہو  
ساقط نہ ہو گا کیونکہ حکم اعادہ جبر نقصان کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع بین الجہر الخفیۃ  
لازم نہ آئے ہذا عندنا۔ واللہ اعلم۔ فقط۔ ۱۶ / محرم ۱۳۲۵ھ۔ (امداد ص ۱۸)

**سوال (۷۵۲)** منفرد نماز جہرہ کو ستری پڑھ رہے ہیں کچھ قرأت کر چکا تھا مثلاً فاتحہ اور اس  
کے پیچھے ایک اور شخص آ ملا یہ اول سے یعنی فاتحہ سے اعادہ قرأت کرے جیسا کہ در مختار سے  
مفہوم ہوتا ہے یا جہاں سے پڑھ رہا تھا وہیں سے جہر کرنا شروع کر دے؟

جواب :- یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۱۵ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲ صحیح

**الجواب**۔ در مختار میں تو دوسرے قول کی طرف بھی اشارہ ہے بلکہ یہ عنوان استدراک لائے سے کسی قدر قول ثانی کی ترجیح مترشح ہوتی ہے اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی قول ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے خصوصاً آخر شرح منیہ کے جزئیہ نے اس قول کو بہت قوی کر دیا اور شامی نے سب نقل کر کے بعض کی تضعیف کا بھی جواب دیا ہے۔ ج ۵ ص ۵۵۵ فصل فی القراءۃ البتہ طحاوی نے قول اول کو نقل کر کے اُس پر کچھ کلام نہیں کیا جس سے اُن کا رجحان قول اول کی طرف سمجھنے کی گنجائش ہے لیکن راقم کے نزدیک قول ثانی کو ترجیح ہے۔ لقوۃ دلیلہ وضعف دعوی الشناۃ فی الجمع۔

۱۴ محرم ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۵)

**سوال** (۲۵۳) ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلا تشہد کرتے ہیں اور تشہد دلیل تشہد و سجدہ سہو کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں؟

**الجواب**۔ فی الحدیث المتفق علیہ عن ابن مسعود قال علیہ السلام اذا شک احدکم فی صلوٰتہ فلیتحر الصواب فلیتعو علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین متفق علیہ وایضاً فی المتفق علیہ مرفوعاً حتی اذا قضی الصلوٰۃ وانتظر الناس تسلیمہ کبر وھو جالس فسجد سجدتین و فی حدیث الترمذی عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم فسجد فسجد سجدتین ثم تشہد ثم یسلم کذا فی مشکوٰۃ۔ حدیث اول میں فلیتعو علیہ سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہو سکتا اور حدیث ثالثہ سے تشہد بعد سجدہ سہو ثابت ہے پس مجموعے مجموعہ ثابت ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

**سوال** (۲۵۴) تعدہ اخیرہ میں بعد تشہد کے امام نے سلام پھیر دیا درود نہیں پڑھا مقتدی نے اللہ اکبر کہا اب امام پھر تشہد پڑھ کر سجدہ سہو بعد تشہد حکم تحریر تشہد در صورت سہو بعد تشہد

سہو ادا کرے یا اگر سجدہ سہو نہ کرے۔ ۹

**جواب**۔ پھر رحمت ہدایہ میں البوداقد ولسائی کی روایت سے ایک حدیث نظر سے گزری جس میں مجموعہ تشہدین مصرح ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کنت فی صلوٰۃ فتشکلت فی ثلث او اربع واکثر ظنک علی اربع تشہدت ثمر سجدت سجدتین وانت جالس قبل ان تسلم ثم تشہدت ایضاً ثم تسلم ص ۵۳ عنہ

**الجواب** - خروج بفعل مصلیٰ جو کہ فرض ہے اس میں تاخیر ہوئی اس لئے سجدہ سہو واجب ہو اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اُس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہو وہ قبل سہو ہوا تھا لہذا وہ کافی نہ ہوگا۔ فقط۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد ص ۹۷ ج ۱)

**سوال (۴۵۵)** بہشتی زیور منٹ۔ اگر چوتھی رکعت پڑھیں اور التحیات پڑھ کر کھڑی ہو گئی تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آوے بیٹھ جاوے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر ترت سلام پھیر کر سجدہ کرے۔ عبارت در مختار بھی اس کی مؤید ہے۔ وان قعد فی الواجبة مثلاً قدراً التشهد شوقام عادوسلم ولوسلو قانما صحرا الخ۔ فتاویٰ امدادیہ حصہ دوم ص ۹۷ میں مذکور ہے سجدہ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اُس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہو وہ قبل سہو ہوا تھا لہذا وہ کافی نہ ہوگا۔ گزارش یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں تطبیق کس طرح ہوگی۔ ۹۔

**الجواب**۔ یہ قواعد سے لکھ دیا ہو گا جواب اول صحیح ہے۔ ۲۱۔ رجب ۱۳۲۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۲)

تحقیق سجدہ سہو تکرار تشہد در قعدہ اولیٰ | **سوال (۴۵۶)** کوئی سورت یا التحیات دو دفعہ پڑھ لیں و ثانیہ دکرار سورت در رکعت واحدہ | تو سجدہ سہو جائز ہے یا کیا پہلے جواب ذیل لکھا گیا تھا۔

سورۃ کو دو دفعہ پڑھنے میں سجدہ سہو نہیں ہے کیونکہ اس کو تطویل قرار ت سمجھا جاوے گا اور تکرار

**ع** اس جواب میں تسامح ہو چکا ہے اور غالباً منشا تسامح یہ ہے کہ بادی النظر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ امام نے سلام جو پھیرا ہے وہ نا کافی ہے اور اسے دوسرا سلام خروج صلوٰۃ کے لئے پھیرنا ہوگا۔ اور تکرار سکریت اس امر میں ہے کہ آیا اس صورت میں سجدہ سہو کرنا چاہئے یا نہیں اگر کرنا چاہئے تو تشہد پڑھ کر یا بلا تشہد اس میں سے حضرت مولانا کو دھوکا ہو گیا۔ اور انھوں نے جواب دیا کہ خروج بفعل مصلیٰ جو کہ فرض ہے اس میں تاخیر ہوئی الخ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ امام کی نماز تمام ہو گئی اور سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

**تنبیہ**۔ اس جواب پر کسی شخص نے دوسرے عنوان سے شبہ کیا ہے جس کا جواب حضرت مولانا نے بلامراجعت الی اصل الکتاب کیا ہے وہ سوال و جواب لطائف تمہ اولیٰ فتاویٰ امدادیہ ص ۳۷ میں درج ہیں سو جائے اس جواب کے جو وہاں درج ہے وہ جواب سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ بہشتی زیور صحیح ہے اور جواب فتاویٰ غلط ہے اور منشا غلطی عنوان سوال سائل ہے اور صحیح جواب سوال فتاویٰ کا یہ ہے کہ نماز تمام ہو گئی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم العالی نے ترجیح الرائج حصہ سوم مطبوعہ مطبعہ کانپور میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے اور تحقیق کا مشورہ دیا ہے۔ جراحقر نے عرض کی ہے کہ ۱۲۔ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص ۱)

**ع** اب یہ سوال و جواب اسی صفحہ کے سوال ۴۵۵ میں درج کر دیا گیا ہے۔ ۱۲۔

تشہد میں سجدہ سہو ہوگا کہ فرض میں یعنی خروج عن الصلوٰۃ میں تاخیر ہوئی۔ یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے اگر کوئی خاص جزئیہ اس کے خلاف مل جاوے تو وہ مقدم ہوگا۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۳ھ۔

مگر پھر مولوی ابوالحسن صاحب موی نے اس کے خلاف یہ جزئیہ لکھا۔ فی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح ص ۲۶۷ ولو قرأ آية بعد التشهد فان كان في الاخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لانه موسع له في الدعاء والثناء بعدة فيه والقراءة تشتغل عليهما ولو قرأ التشهد مرتين في القعدة الاخيرة او تشهد قائماً او راكعاً او ساجداً الا سهو عليه مذنية المصلي۔

پس اب صورت مسئلہ کے جواب میں تفصیل ہوئی کہ اگر ایتحات قعدہ اولیٰ میں دوبارہ پڑھی ہے تو سجدہ سہو ہوگا اور اگر قعدہ اخیرہ میں پڑھی ہے تو سجدہ سہو نہ ہوگا۔ ۲۰ ذیحجہ ۱۳۳۳ھ۔ اسی طرح ایک مسئلہ فتاویٰ امدادیہ جلد اول ص ۹۶ میں چھپ گیا ہے اس لئے اس میں بھی شبہ ہو گیا اس کی بھی دوبارہ تحقیق کر لی جاوے۔ امدادہ سوال اس عبارت سے شروع ہوا ہے۔ قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد کے الخ۔ اور جواب اس عبارت سے شروع ہوا ہے۔ خروج بفعل مصلي الخ۔ اور اس کی تحریر کی تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ہے۔ فقط۔ (ترجیع ثالث ص ۱۹۹)

علم بیان سجدہ تلاوت | سوال (۲۵۷) اگر امام نے سجدہ تلاوت نماز میں سہو کیا اور جب درصلوٰۃ یاد آیا تو اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں ادا کیا پس سجدہ سہو اس

پر واجب ہوا یا نہیں اور اگر سجدہ تلاوت بعد فراغ نماز کے یاد آیا تو جبراً نقصان کا کس طرح کرے آیا دوسرے شفیع تراویح میں سجدہ تلاوت ادا کرے یا نماز کا مع قراۃ وسجدہ تلاوت ادا کرے؟

الجواب۔ سجدہ تلاوت علی الفور واجب ہے اور معنی علی الفور کے یہ ہیں کہ دو یا تین ایت

سے زیادہ فصل نہ ہو پس جب اپنے فعل سے سہو تاخیر ہو گئی تو جب یاد آوے اس وقت ادا

کر لے اور بوجہ ترک واجب کے بنا بر نہ رہے مختار کے سجدہ سہو اس پر واجب ہوگا وہی

علی التراخی ان لم تکن صلوٰۃ فعلی الفور لصیرور تھا جزء فیہا و یا شوبتاخیرھا

ویقضيہا مادام فی حرمة الصلوٰۃ ولو بعد السلام فتح الا۔ در مختار۔ قوله فعلی الفور

تفسیر الغور عدم طول المدۃ بین التلاوة والسجدة بقراءة اکثر من

ایتین او ثلاث علی ما سیأتی حلیۃ قوله و یا شوبتاخیرھا ولذا کان المختار

وجوب سجود السهو لو تذکرھا بعد محلہا کما قد مناه فی بابہ عند قوله

بترک واجب اھ۔ رد المختار۔ اور اگر بعد فراغ یاد آیا سو اگر عمر اچھوڑا تھا تو اس کا تذکرہ بجز استغفار کے کچھ نہیں۔ اور اگر سہواً چھوٹ گیا تھا سو اگر علی الفور اس شخص نے بعد تلاوت آیہ سجدہ کے رکوع کر کے سجدہ نماز کا کیا تھا تب تو سجدہ تلاوت بھی ادا ہو گیا اگر چہ نیت نہ کی ہو اور اگر اس طرح ادا نہیں ہوا پس اگر کوئی عمل منافی نماز کے ہو نہ نماز میں ہو تو اس نیت ادا کر کے سجدہ سہو کرے ورنہ بجز استغفار کے کچھ چارہ نہیں اور اعادہ شفعہ سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس میں سجدہ کیا بھی تو اس شفعہ اولیٰ سے تو خارج ہے و بتلاھا فی الصلوٰۃ سجدھا فیہا الا خارجھا لما صر فی البدئہ واذا لم یسجد اشعر فتلزمہ التوبۃ درختار قوله واذ لم یسجد اشوا الخ افادانہ لایقضیہا قال فی شرح المنیۃ وکل سجدۃ وجبت فی الصلوٰۃ ولو تردد فیہا سقطت ای لم یبق السجود لہا الفوات محلہ الا اقول وھذا اذا لم یرکع بعدھا علی الفور والادخلت فی السجود وان لم یبنوھا کما سیاتی وھو مقید ایضاً بما اذا تذکرها عمل اختی سلم وخرج من حرمتہ الصلوٰۃ اما لو سہواً وتذکرھا ولو بعد السلام قبل ان یتفعل منافیاً یا فی بھا ویسجد للسہو کما قد منالہ اھ۔ رد المختار۔ واللہ اعلم۔

محرم ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ۔ (امداد ص ۱۶)

سورت بھولنے والے کو رکوع سوال (۲۵۸) نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور سورت ملائے کو سے عود کر جانے کا حکم بھول گیا جب رکوع میں گیا اور تسبیح پڑھنے لگا یا تسبیح پڑھ چکا تب یاد ہوئی کہ سورت نہیں ملائی اب قیام کی طرف عود کرے اور سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے یا بلا سورت ملائے رکوع سے سجدہ میں چلا جائے اولیٰ کیا ہو۔ مینو اور جبر و انقطاع الجواب۔ اس صورت میں قیام کی طرف عود کرے اور سورت ملائے پھر رکوع کرے تب

سجدہ میں جاوے۔ فی الدار المختار باب سجود السہو کرکوع قبل قراۃ الواجب الی قوله فلو تذکرہ و یو بعد الوقف من الکرکوع عاد ثور عاد الکرکوع اھ۔ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تمذدلی ص ۱۸)

تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں سوال (۲۵۹) چار رکعت کی نماز میں امام نے پانچ

امام دمقتدی کے اختلاف کا حکم رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعت پر تعدہ نہیں کیا اور پانچویں

رکعت پوری پڑھ لی اور سوائے کہنے نمازیوں کے اس کو بذاتہ کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ چار سے

زیادہ پڑھی گئی ہیں ایسی حالت میں نماز امام اور مقتدیوں کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب۔ فی العالمگیریۃ ولو وقع الاختلاف بین الامام والقوم

فقال القوم صلیت ثلاثا فقال الامام صلیت اربعاً ان كان الامام علی الیقین لا یعید الصلوٰۃ بقولہ و فیہا ایضاً لو كان الامام استیقن انہ صلی ثلاثا و واحد استیقن بالتام كان علیہ ان یعید بالقوم ولا اعادۃ علی الذی یتقن بالتام هذا فی الحیط ص ۵۹ - و فیہا من الظہیریۃ قال محمد بن الحسن اما نافعید بقول واحد عدل بکل حال ص ۵۷ - روایت اولی سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز ہو گئی اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ امام کے لئے بھی بہتر ہے کہ مقتدیوں کے کہنے سے اعادہ کرے - (تمتہ اولی ص ۱۶)

صلوٰۃ ثانیہ یا ثلاثیں ایک دو سوال (۲۶۰) اگر رکعت کی نماز میں اگر ایک یا دو رکعت زیادہ رکعت زیادہ ہو جانے کا حکم پڑھی گئی تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

**الجواب** - وہی حکم ہے جو سوال ماقبل کے جواب میں لکھا گیا جبکہ بدو ن تعدہ اخیرہ کے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی - (حوالہ بالا)

بصورت ترک تعدہ اخیرہ ایک رکعت سوال (۲۶۱) بعض نمازی ایک رکعت کا بہ ترک تعدہ یا زیادہ کے اختلاف کا حکم ؟ اخیرہ کے پڑھا جا نا بیان کرتے ہیں اور بعض کو کچھ یاد نہیں ہے جن کو یاد ہے ان کی نماز کی نسبت کیا حکم ہے اور جن کو کچھ یاد نہیں ہے ان کی نماز کیلئے کیا حکم ہے ؟

**الجواب** - فی العالمگیریۃ - ولو اختلف القوم قال بعضہم صلی ثلاثا و قال بعضہم صلی اربعاً و الامام مع احد الفریقین یؤخذ بقول الامام وان كان معه واحد کذا فی الخلاصۃ و فیہا و لو استیقن واحد من القوم انہ صلی اربعاً و الامام والقوم فی مشکائیس علی الامام والقوم شئ کذا فی الخلاصۃ ص ۵۹ بنا بر روایات بالا حکم یہ ہے کہ اگر امام کو ایک شق کا یقین ہے تو وہ بھی شق معتبر ہوگی - علی الروایۃ الاولیٰ و الا اگر اس کو بھی شبہ ہے تو جس کو زیادہ ہو نا یقیناً یا وہ ہے وہ اعادہ کریں گے اور جن کو پورا پورا یقین تھا یا وہ ہے یا شبہ ہو وہ اعادہ نہ کریں گے - علی الروایۃ الثانیۃ - (حوالہ بالا)

عبید بن جعفر میں سجدہ سوال (۲۶۲) اگر عیدین کی تکبیریں تحریمہ کے بعد کی بھول جاوے یا سہو کا حکم دوسری رکعت میں تکبیریں بھول جاوے اور سجدہ سہو کا بھی نہ کرے وہ نماز ہو جاوے گی یا نہیں - خلاصہ یہ کہ اگر عیدین میں کوئی واجب ترک ہو جاوے اور سجدہ سہو کا نہ کیا ایسے نماز جائز ہے یا از سر نو پڑھنی چاہئے - ؟

**الجواب** - فی الدر المختار والسبوقی صلوٰۃ الغیڈ والجمعة والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الاولین لدفع الغتۃ کما فی الجمعة والبحر واقع المصنف وبہ جزم فی الدر ۱۱ھ - فی رد المختار لکنہ قید لا محشبیہا الوافی بما اذا حضر جمع کثیر ولا فلا داعی الی الترتیب - ط ج ۱ ص ۵۷۷ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمع وعیدین میں مجمع کثیر ہو تو ان میں سجدہ سہو نہ کرے - ۳ شوال ۱۳۲۴ھ - (تمتہ اولی صلاۃ)

امام تارک سجدہ سہو کے اعادہ کے **سوال** (۴۶۳) کوئی شخص مام تھا سہو ترک واجب کیا پھر وقت اقتدار کا حکم سجدہ سہو بھی سہو ترک کر دیا - بعدہ استیناف کیا اب مقتدی نوادر جو پہلے شریک نہ تھا شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہو گیا یا نہیں ؟

**الجواب** - فی رد المختار باب الجنائز فاذا اعادھا (الولی) وقعت فرضاً مکمللاً للفرض الاول نظیرا عاۃ الصلوٰۃ المؤداة بکراہۃ فان کلامہما فرض کما حققنا فی محلہ - ج ۱ ص ۹۲۳ - اس سے ثابت ہوا کہ نوادر کا فرض شریک ہونے سے ادا ہو گا - ۲۶ شوال ۱۳۲۴ھ - (تمتہ اولی صلاۃ)

حکم یاد آمدن سجدہ تلاوت **سوال** (۴۶۴) کسی شخص نے اول رکعت میں آیت سجدہ کی ٹرمی بعد تشهد اخیر اور سجدہ کرنا بھول گیا جب تعدہ اخیرہ میں بیٹھا اس وقت یاد آیا تو اس کو کیا کرنا چاہیئے ؟

**الجواب** - اب سجدہ تلاوت کر کے سجدہ سہو کرے جس کے قبل وبعد تشهد ہوتا ہے پھر سلام فراغ پھیرے - فی الدر المختار ولو نسی السہو وسجدۃ صلیبۃ او تلاویۃ یلزمہ ذلك فی رد المختار فاذا تدکر یلزمہ ذلك الذی تذکرۃ الی قولہ ثوبیتشهد ویسلم ثم یسجد للسہو ج ۱ ص ۵۷۷ - فی الدر المختار لان یسجد السہو یرفع التشہد دون القعدۃ لقوتہا بخلاف الصلیبۃ فانہا ترفعہا وکذا التلاویۃ علی المختار فی رد المختار لانہا اثر القراءۃ وہی رکن فاخذت حکمہا بحوائی تاخذ حکمہا بعد یسجدھا اما قبلہ فانہا واجبۃ حتی لو سلم ولو یسجدھا فصولاتہ صحیحۃ بخلاف الصلیبۃ فانہا رکن اصلی من کل وجہ کما سیأتی فی ص ۵۷۷ - ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ - (تمتہ ثانیہ صلاۃ)

کسی نے رکعتین اخیرین میں سہو اضم سورۃ کر لیا اور اس کو **سوال** (۴۶۵) اگر آخرین میں کسی نے موجب سجدہ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں **سوال** (۴۶۵) ضم سورۃ سہو کیا اور اس نے سجدہ سہو اس کی



موجب سمجھ کر لیا تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں آیا سجدہ بے ضرورت کو زیادت فی الرکن قرار دیکر اعادہ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدار المختارہ واجبات الصلوٰۃ ولفظ السلاہ صریحین ثالثی واجب وفیہ قبیل باب الا ستخلاف ولوطن الامام السہو فسجد لہ فتابعہ (ای المسبوق) فبان ان لا سہو فالاشبہ الفساد لا قتداء فی موضع الا نفراد فی جمہ المختار وفی الفیض وقیل لا تفسد وبہ یفتی وفی البحر عن الظہیریۃ قال الفقیۃ ابو اللیث فی زماننا لا تفسد لان الجہل فی القراء غالب اھ - ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے -

(۱) نماز ہو جاوے گی - (۲) اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چونکہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کر دیا اعادہ واجب ہو گا - (۳) اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدہ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتداء کیا اس مسبوق کی نماز در مختار کے قول پر اور وہی مقتضاء قواعد کا ہے فاسد ہوئی لیکن اگر اس کو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ لگا تو یہ معذور ہے اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابو اللیث کے حکم عدم فساد کا محمل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو پتہ نہ لگے پس دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاوے گی - فقط - ۱۰ / محرم ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثالثہ ص ۵)

سوال (۳۶۶) ایک شخص نے ظہر کے وقت چار رکعت سنت کی تہیت حکم ترک قعدہ اولیٰ | باندھی اور قعدہ اولیٰ فراموش کر کے تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور قرات شروع کر دی تو کیا اس کو یاد آ جانے پر قعدہ کی جانب پھر عود کرنا چاہئے اور نماز تمام کر کے سجدہ سہو کر لینا چاہئے اور اگر یاد آنے نہ آنے پر قعدہ کی طرف نہ عود کرے اور نماز تمام کر لے تو کیا حکم ہے؟

**الجواب** - فی الدار المختارہ والاصل ان کل شفع صلوٰۃ الا بعارض الخ فی جمہ المختارہ یعنی ان یستثنی ایضاً من الاصل المذكور المؤکدۃ بناء علی اختیار الحلبی وغیرہ - (ج ۱ ص ۴۲) وفی الدار المختارہ ما عن القعود الاول من الغرض الخ فی جمہ المختار اما التھل فیعود الخ جزم بہ فی المعراج والسراج وعللہ ابن ہبان بن کل شفع منہ صلوٰۃ الی قولہ قیل یعود وقیل لا فی الخلاصۃ والا ہج قبل لظہر کا تنطوع الخ (ج ۱ ص ۴۲) روایت ثانیہ سے اس کا مختلف فیہ ہونا اور روایت اولیٰ سے حلبی وغیرہ کے قول پر عدم عود کا راجح ہونا اور سجدہ سہو سے نماز کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے - وبہذا الفتی انا - ۸ / رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثالثہ ص ۵)

حکم سقوط سجدہ سہو در صورت سوال (۲۶۷) قاضی خاں نو لکشوری ج ۱ ص ۵۹ پر ہے کل وجود مانع بناء ❖ ❖ ❖ ما يمنع البناء اذا وجد بعد السلام ليسقط السهو

کیا سجدہ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جائے گا خواہ مانع بنا سہو پایا جائے یا عمداً اور خواہ وہ نفل موجب سجدہ سہو کو موجب سجدہ جانتا ہو یا نہ یا کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے نیز سقوط سجدہ کا کیا مطلب ہے آیا سقوط من ہذا الصلوٰۃ مع وجوب اعادۃ تلك الصلوٰۃ یا مطلقاً بلا وجوب اعادۃ صلوٰۃ اگر یہ مطلب ہے کہ سجدہ ہر صورت میں ساقط ہے خواہ فعل منافی بنا نہ کر سجدہ سہو کے ساتھ کیا ہو یا بحالت سہو یا ایسی صورت میں کہ اس کو وجوب سجدہ سہو کا ہی علم نہ ہو اور سقوط کا یہ مطلب ہے کہ اس نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں تو وجوب سجدہ سہو کا ثمر صرف عقاب خروی ہو سکتا ہے وہ بھی بحالت قصد ترک کرنے کے۔

الجواب - فی الدائم المختار فلو طلعت الشمس فی الفجر او احمرت فی القضا او وجد منتهما یقطع البناء بعد السلام سقط عند سقوطه فی المختار بقی اذا سقط السجود فعل یلزمه الاعادۃ لكون ما اذا اولاً وقع نافضاً بلا جبر والذی ینبغی انہ ان سقط بصنعہ کحدث عداً امثلاً یلزم والا فلا تأمل ج ۱ ص ۵۹ - مصریہ - اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو ہر صورت میں ساقط ہو گیا ہے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ مانع بنا سہو پایا گیا تب تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثلثہ ص ۵۹)

حکم اعادۃ صلوٰۃ بترک سوال (۲۶۸) ایک شخص پر نماز میں سجدہ سہو لازم ہوا لیکن وجہ مسائل سجدہ سہو کی نادانیت کے اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس پر سجدہ سہو لازم ہے اس لئے اس نے سجدہ سہو نہ کیا اور سلام کے بعد قصداً کوئی فعل منافی بنا کر لیا اس صورت میں اعادۃ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں۔ نیز ایک شخص کو نماز میں سہو ہوا اور سجدہ سہو لازم ہو گیا مگر سلام کے وقت یاد نہ رہا کہ مجھ پر سجدہ سہو لازم ہے اس لئے اس نے خیال تمام صلوٰۃ قصداً کوئی فعل منافی بنا کر لیا اس صورت میں بھی اعادہ لازم ہو گا یا نہیں۔ والذی ینبغی انہ ان سقط بصنعہ کحدث عداً امثلاً یلزم والا فلا تأمل سے ظاہر تو لزوم اعادہ ہے۔

الجواب - جی ہاں دونوں صورتوں میں اسی روایت سے لزوم اعادہ سمجھنا صحیح ہے۔

۲۹ رمضان ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثلثہ ص ۵۹)

حکم قضا سجدہ رکعت اولیٰ در رکعت بالجہ سوال (۲۶۹) مصلیٰ نے ایک رکعت میں ایک ہی

سجدہ سہو کیا یا دانے پر دوسری تیسری رکعت میں تین سجدے قصداً کیے اور آخر میں سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لی تو اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدلائل المختارہ واجبات الصلوٰۃ ورعاۃ الترتیب فیما یتکدر فی کل رکعۃ کا سجدۃ الخ فی رد المحتار الکاف استقصائیۃ اذ لو یتکدر فی الركعة سواها شرعاً قال رد المراد بها السجدۃ الثانیۃ من کل رکعۃ شرعاً حتی لو ترک سجدۃ من رکعۃ شرتکرها فیما بعد ہا من قیام اور کوع او سجود فانہ یقضیہا ولا یقضى ما فعل قبل قضاءها ما هو بعد رکعۃ ہا من قیام اور کوع او سجود بل یلزمہ سجود السہو فقط۔ ۱۶۰ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی نماز درست ہوگئی۔ ۱۰ ارشوال ۳۳۳ (تتمہ ثانیہ ص ۵۸) حکم وجوب متابعت امام در قیام | سوال (۴۷۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس رکعت ثالثہ بدون قعدہ اولی۔ مسئلہ میں کہ چار رکعت والی نماز میں امام نے بھولے سے قعدہ اولیٰ نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو مقتدی ان قعدہ اولیٰ میں شہد پڑھ کر قیام کے واسطے کھڑے ہوں یا بغیر شہد پڑھنے کے امام کی تابعداری کے لئے قیام کریں؟

**الجواب** - فی الدلائل المختارہ خمس یتبع فیہا الامام قنوط وقعود اول فی المختار قوله وقعود اول لظاہر نہ ینتظر ما ملہ الی ان یصیر الی القیام اقرب لاحتمال عودۃ قبلہ شرعاً یتابعہ لان الامام اذا حینئذ تفسد صلوٰتہ علی احد القولین ویأشعر علی القول الآخر ولیس للمقتدی ان یقعد شرعاً یتابعہ لانه یكون فاعلاماً یحرم علی الامام فعلہ ومخالفالہ فی عمل فعلی بخلاف ما اذا قام الامام قبل فروع المقتدی من التشهد فانہ یتبعہ شرعاً یتابعہ لان فی تمامہ متابعتہ لامامہ فیما فعلہ الامام فافهم۔ ج۱ ص ۲۳۷ اس روایت معلوم ہوا کہ اس حالت میں مقتدی شہد ترک کر کے امام کی متابعت کرے۔ ۲۳۷ رمضان۔ (تتمہ ص ۱۹) وجوب عادۃ صلوٰۃ | سوال (۴۷۱) زید نے افراد المغرب کی نماز میں اول رکعت میں الحمد شری از خواندن فاتحہ دوبارہ پڑھی کل الحمد پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ جہر سے پڑھنی چاہئے تھی دوبارہ اس نے الحمد شریف جہر سے پڑھی اور بغیر سجدہ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دیا۔ آیا اس صورت میں نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟

**الجواب** - واجب الاعادہ ہے کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا اور وہ واجب جہر میں ہے کیونکہ منفرد جہر واجب نہیں بلکہ وہ واجب دوام میں ایک عدم تاخیر سورۃ عن الفاتحہ بمقدار ادائے رکن دوسرا عدم تکرار فاتحہ لان فی التکرار زیادۃ واجب وهو موجب السجود السہو فی

مراقی الفلاح لترك واجب بتقدیر او تاخیر او زیادتہ او نقص فی الطحطاوی وان لا یؤخر  
السوۃ عنہا بمقدار اداء رکن وفیہ ولو کرہا الفاتحة او بعضها فی احدی الاولیین قبل السوۃ  
سجد للسہو ص ۲۲۷ (تمتہ خامسہ ص ۳۶۶)

حکم سہو کہ بکثرت | سوال (۴۷۲) میرے گھر میں نماز میں سہول جانے کی شکایت کرتی ہیں یعنی  
در نماز واقع شود | سجدہ کتنے کئے وغیرہ یاد نہیں رہتے تو کیا کیا جاوے۔ ۹۔

الجواب۔ جو بات زیادہ آوے اُس پر عمل کیا جاوے اور سجدہ سہو نہ کرے البتہ اگر سوچنے  
میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اُس دیر میں قرات یا رکن میں مشغول نہ رہی تو سجدہ سہو کرے۔ فی الدلائل  
بعد ما نقل عن الغفر وجوب سجود السہو فی جمیع الصور الشاک سواء عمل بالتحریر او بی  
علی الاقل ما نصہ لکن فی السراج اندہ یسجد للسہو فی اخذ الاقل مطلقاً وفي غلبۃ الظن  
ان تفکر قد رکن وفي حر المختار قبیل القول المذکور ثمر الاصل فی التفکر انه ان منعه  
عن اداء رکن کقراءۃ آیۃ او ثلث ادر کعب او سجود او عن اداء واجب کالعود یلزمہ  
السہو الی قولہ وان لم یمنعه عن شئی من ذلك بان کان یؤدی الارکان ویفکرها  
یلزمہ السہو عن الشرح الصغیر للہنیۃ ۱ھ۔ ۸ رجب ۱۳۲۲ ھ (تمتہ خامسہ ص ۲)

## باب صلوٰۃ المریض

جواز ترک کردن صلوٰۃ وقتیکہ صلوٰۃ بالایمان | سوال (۴۷۳) ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے  
مضر باشد و معالج از دمنغ کند | بنوانے کی حضور نے اجازت دی لیکن سنا ہے کہ  
تین دن ہسپتال میں چٹ لٹایا جاتا ہے اور کسی طرح کی حرکت کا حکم نہیں ہوتا ہے فقط دودھ  
لٹا ہے تو نماز کے بارہ میں حضور کا کیا حکم ہے۔ ۹۔

الجواب۔ فی الدلائل المختارہ ان تعذر الایمان برأسہ و کثرت الغوائت بان زادت  
علی یوم و لیلة سقط القضاء عنہ وان کان یغھم من ظاہر الروایۃ فی حر المختار وقیل

حاصل کتاب میں اسی طرح ہے بظاہر یہاں کچھ لفظ نہ گیا ہے مثلاً (خیال میں) ۱۲ محمد شفیع

لا یسقط القضاء بل تؤخر عنه اذا كان یعقل و صحۃ فی المداۃ الخ و فی الدر المختار و  
لحم یوم بعینہ و قلبہ و حاجبہ خلا فالزفر و فیہ امرہ الطیب بلا استلقاء لبزغ الماع  
من عینہ صلی بالایحاء لان حرمتہ الاعضاء کحرمتہ النفس و فی نفع المغتشی النساء  
و لو كانت امرأتہ لو اشتغلت بالصلوٰۃ ینکی ولدها بالجوع و یضرب علیہ ضربا غالبا  
وان ارضعتہ یفوت الوقت جاز لہا ان ترضعہ و تؤخر الصلوٰۃ سی ای سیف  
سما علی شمر ای شرف الائمة المکی کذا فی القنیۃ باب من یتلی بامرین یختار  
اھونھما۔ ان روایات سے مستفاد ہوا کہ اگر اشارہ سر سے نماز پڑھنا مفر نہ ہو تو اشارہ سے  
پڑھنا واجب ہے اور اگر اشارہ بھی مفر ہو نماز کو قضا کر دینا بھی جائز ہے۔ ۱۰۔ (مرحوم ۳۳۳ھ (تمتہ اللہ)

## بَاب

### فِي سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ

سوال (۴۷۴) خارج نماز کے کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا  
حکم سماع مصلی آیت سجدہ را از غیر مصلی ؟ ہو اور نمازی سجدہ سے تو اس پر واجب ہوگا یا نہیں۔ ۹۔

الجواب۔ ہوگا۔ خارج صلوٰۃ کے بعد فراغ صلوٰۃ۔ فی العالمگیریۃ۔ ولو سمع المصلی من  
اجنبی یسجد بعد الفراغ ولو سجد فی الصلوٰۃ لا یجزیہ ولا تفسد صلوٰۃ  
کذا فی اتھذیب ہوا الصحیح کذا فی الخلاصۃ۔ ج ۱ ص ۵۵۔ ۲۵ رمضان المبارک  
۱۳۲۲ھ۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۱)

سوال (۴۷۵) سجدۃ تلاوت در رکوع سے ادا ہو جاتا ہے یا  
ثبوت ادا سے سجدۃ تلاوت در رکوع نہیں اگر ادا ہو جاتا ہے تو کسی حدیث سے ثبوت ہے یا نہیں دونوں  
یا سجدۃ صلوٰۃ از حدیث موقوف مسلوں کے متعلق حدیث شریف یا کم از کم اس کتاب کا نام جس میں یہ حدیث مذکور ہے مع حوالہ باب  
تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ ۹۔

الجواب۔ فی فتح الباری المصری ص ۴۵ ج ۲ واستدل بعض الحنفیۃ من  
مشروعیۃ السجود عند قوله وخررا کعاداناب بان الركوع عندہا ینوب عن السجود

فان شاء المصلی رکع بها وان شاء سجد شعر طرده فی جمیع سجدات التلاوة  
وبہ قال ابن مسعودؓ اھو لھما رکع واحد یتامرفو عافیه مع التبع وقول الصحابی  
حجة عند الامام الا عظم و یقدم علی لقیاس ۲۲ منفر ۳۳۳ (تمتہ ثانیہ ص ۲۱)

**سوال (۲۷۶)** اگر کوئی شخص آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور رکوع کرے اور اُس کے  
بعد بہ ترتیب تمام ارکان نماز ادا کرے تو اس رکوع میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا  
یا نہیں اور اگر فی الفور سجدہ نہ کرے بلکہ آیت سجدہ کے ساتھ اور بھی چند آیتیں ملا لیں اور اُس  
کے بعد رکوع کر کے بہ ترتیب تمام ارکان ادا کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔؟

**الجواب**۔ فی الدر المختار وتودی بکوع صلاۃ اذا کان الركوع علی الفور من قراۃ ایتۃ  
ادایتین وکذا الثلاث علی الظاہر کما فی الجوان نواۃ ای کون الركوع لیسجد التلاوة  
علی الرجح وتودی بسجودھا کذلک ای علی الفور وان لم یبنو یا لاجماع ولو نواھا فی رکوعہ  
ولم یبنوھا لہم تکرار تجزئۃ الخ فی ح المختار قولہ علی الفور الخ فلو انقطع الفور لا بدلھا  
من سجود خاص ما دام فی حرمة الصلوۃ قولہ علی الظاہر الخ قال بعد اسطر لکن فی البحر  
عن المجتبی ان الركوع ینوب عنہا بشرط النیۃ وان لا یفصل بثلاث الا اذا كانت  
الثلاث من اخر السورۃ اھو ومثل لہ قبلہ کسورۃ الانشقاق وسورۃ بنی اسرائیل۔  
ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔ ۱۔ فی الفور رکوع صلاۃ کرنے سے سجدہ تلاوت اسوقت  
ادا ہوگا جبکہ اس رکوع میں اُس سجدہ کے ادا ہونے کی نیت بھی کرے اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا  
اُس کے لئے خاص سجدہ کرنا ہوگا۔ ۲۔ اگر امام نے نیت کر لی اور مقتدی نے نہ کی امام کا ادا ہوگا اور  
مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔ ۳۔ اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ کے کیا تو اگر وہ سجدہ ختم  
سورۃ کے قریب ہے جیسے سورۃ الانشقاق میں یا سورۃ بنی اسرائیل میں ہے تو یہ بھی حکم فور ہی میں  
ہے اور اگر وسط سورۃ میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اُس رکوع میں ادا نہ ہوگا۔ ۴۔ اگر رکوع میں نیت  
نہیں کی تو سجدہ صلاۃ میں خود ادا ہو جاوے گا خواہ اُس میں نیت کرے یا نیت نہ کرے مگر فور شرط  
ہے۔ ۵۔ فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے اس سے سب  
سوالات کا جواب ہو گیا۔ ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ۔ (تمتہ ثانیہ ص ۱۲)

**حکم**۔ یعنی پھر نماز ہی میں ادا کرنا ہوگا کیونکہ جو سجدہ نماز میں واجب ہوتا ہے وہ خارج نماز  
ادا نہیں ہوتا اور ترک واجب سے گناہ ہوتا ہے جس کا کفارہ صرف استغفار ہے ۱۲ منہ ۶

**سوال (۴۷۷)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے فرضوں کی جماعت میں سجدہ کی آیت پڑھی۔ پھر ترت رکوع کو چلا گیا پھر رکوع میں جا کر سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی۔ اس طرح پر سجدہ تلاوت ادا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پھر نماز میں کس قدر غلطی ہوا۔ بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷۷ میں اس طرح درج ہے۔ سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر ترت رکوع کو چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدہ تلاوت کی جگہ بھی یہی رکوع کرتی ہوں تب بھی وہ سجدہ ادا ہو جائے کیا یہ حکم عورتوں کے لئے ہے یا امام کا بھی فرضوں میں اسب طرح ادا ہو سکتا ہے۔ ۹

**الجواب۔** اس طرح پر سجدہ تلاوت ادا ہو جاوے گا۔ لیکن چونکہ رکوع میں ادا ہونے کے لئے نیت بھی شرط ہے اور امام کی نیت کا ذکر مسائل نے کیا ہے تو امام کا سجدہ تو ادا ہو جاوے گا لیکن مقتدیوں میں سے جو نیت کر گیا اس کا سجدہ تو ادا ہو گا اور جو نیت نہ کر گیا اس کا سجدہ ادا نہ ہو گا اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدہ نماز میں سب کا سجدہ تلاوت بلا نیت بھی ادا ہو جاوے گا بشرطیکہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا ہو اس لئے بہتر یہی ہے کہ رکوع میں نیت نہ کرے۔

۱۶ رجب الاول ۱۳۳۹ھ۔ (تمتہ خامسہ ص ۱۸۳)

**سوال (۴۷۸)** سورہ حج میں دو سجدے ہیں سجدہ اولیٰ کو حنفیہ کرتے ہیں تحقیق سجدہ ثانیہ سورہ حج عند الحنفیہ اور سجدہ ثانی کو نہیں کرتے چنانچہ کثرین بھی سجدہ اولیٰ کا سجدہ کرتا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئیں لہذا اس کی بابت جیسا ارشاد ہو دونوں سجدے کر دیں یا مرت سجدہ اولیٰ کر دیں۔ ۹

**الجواب** حنفیہ کے نزدیک سجدہ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ طے کیا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں خلاف کی مراعاة افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے سو اس قاعدہ کی بنا پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بھی بہتر ہو گا البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدہ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ کہ سجدہ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ۔ (تمتہ خامسہ ص ۱۸۴)

**سوال (۴۷۹)** زید سجدہ تلاوت اس طرح ادا کرتا ہے اقل قیام کر کے مستحب طریقہ

اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ کے لئے جاتا ہے اسی طرح زید اپنے ذمہ دس بارہ سجدے ساتھ ہی ادا کرتا ہے اب زید بکو کہتا ہے کہ اس طرح سجدے کرنا کثرت ہے یعنی اٹھک بیٹھک کا کرنا ہے تو بکرا روئے شرع لازم ہے یا نہیں؟

الجواب - قیام سے سجدہ میں جانا اور پھر قیام کرنا واجب نہیں فقہاء نے مستحب لکھا ہے اس لئے نہ اس کے وجوب کا اعتقاد کرے اور نہ استہزاء کرے۔ فقط ۲۵ جمادی الآخریٰ ۱۳۲۹ھ۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۳۵)

سوال (۲۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ہذا حکم وجوب سجدہ بخواندن بعض الفاظ آیت در خطبہ و درس سنوی وغیرہ میں اگر سجدہ والی آیت کے ایک یا دو لفظ کسی شعر یا سنوی شریف کے بیت میں تقریر کے موقع پر پڑے جائیں کیا سجدہ فروری اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ بیت ہدایں وارد ہے۔

گفت داسجدہ اقرب یزدال ما قرب جاں شد سجدہ ابدان ما  
الجواب - فی المختار، اول باب سجدة التلاوة عن السراج الوہاج والصیو  
انہ اذا قرأ حرف السجدة وقبلہ کلمة او بعدہ کلمة وجب السجود والا فلا وقیل  
لا یجب الا ان یقرأ اکثر اية السجدة مع حرف السجدة الخ۔ اس روایت سے  
معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں بنا بر قول اصح سجدہ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے پر واجب ہے۔  
۱۹ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور بابہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

سوال (۲۸۱) بہشتی زیور حقیقہ دوم سجدہ تلاوت کے بیان میں مسئلہ سجدہ تلاوت سے پہلے اور بیچے قیام کرنے کی دلیل ہے کھڑے ہو کر اول اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جاوے تو غرض اس مسئلہ کی حدیث طلب کرتا ہے سو یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے۔

الجواب - کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری مگر احکام شرعیہ جس طرح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس سے بھی جس میں نص نہ ہو اور اس میں گونص نہیں مگر قیاساً علی المنصوص اس کو ثابت کہہ سکتے ہیں یعنی اس ہیئت سے اس کو مشابہ سجدہ صلوٰۃ کے قرار دیکر اقرب الی التعظیم سمجھا گیا ہے۔ پھر خود اس ہیئت کے بعض اجزاء میں اختلاف بھی ہے چنانچہ عدم تکبیر مطلقاً اور تکبیر لموضع

یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یا جزا میں قیام تکبیر سجدہ کو جلتے ہوئے تکبیر سجدہ سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی ۱۲ =



اور لمحض الرقع ونفی قیام ثانی یسب اقوال بھی منقول ہیں مگر تبکیر میں ظاہر الروایۃ اور قیاس ماخوذہ حملوں ہے۔ نقطہ - ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ - (تمتہ اولیٰ ص ۳۲)

سجدۃ تلاوت کی | سوال (۴۸۲) اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے تاخیر کا حکم | اور پھر بھی با وضو کہ بعد ختم تلاوت کر لیں گے تو اس مدت میں نہ کرنے میں گنہگار ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب - نہیں۔ لان وجوبها علی التراخی لکن بشرط عدم الفوت۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۲)  
حکم ادا کردن سجدهات | سوال (۴۸۳) ایک شخص کا معمول ہے کہ جب تمام کلام مجید ختم کر لیتا تلاوت بعد ختم کلام مجید ہے تب تمام سجدے یکدم کر لیتا ہے یہ کس طرح ہے۔؟  
الجواب - جائز ہے۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۲)

تعداد سجدهات تلاوت | سوال (۴۸۴) حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں سجدہ سجدے ہیں۔؟  
الجواب - چودہ ہیں۔ (حوالہ بالا)

طریق ادا سے سجدهات | سوال (۴۸۵) سجدۃ تلاوت کے اگر کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک ہی تلاوت متعدد مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کر لیے چاہئیں یا بار بار کھڑے ہو ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور کانوں تک بھی ہاتھ لیجاوے یا نہیں۔؟

الجواب - اگر ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کر لے تو یوں بھی جائز ہے مگر ہاں بہتر یہی ہے کہ بار بار کھڑے ہو ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور ہاتھ کانوں تک لیجانا کچھ ضروری نہیں۔ (امداد ص ۳۲)  
سجدۃ تلاوت | سوال (۴۸۶) سجدۃ تلاوت اگر امام پڑھے۔ اور دوسرا نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب - فی العالمگیریۃ ولو سمعہا من الامام اجنبی لیس معہم فی الصلوۃ ولعید خل معہم فی الصلوۃ لزمہ السجود کذا فی الجوہرۃ النیرۃ وهو الصحیح کذا فی الہدایۃ سمع من امام فدخل معه قبل ان یسجد سجدہ معہ وان دخل فی صلوۃ الامام بعد ما یسجدہ الامام لا یسجدہا وهذا اذا ادرکہ فی اخر تلك الركعة

عہ یعنی بعض فقہار کے اقوال ۱۲ منہ میرے نزدیک بہتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مطلوب سجدہ ہے اور قیام کسی درجہ میں مطلوب نہیں پس اس کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ۔  
تصحیح الاغلاط ص ۶

اما نوادہ رکہ فی الركعة الاخریٰ یسجد ہا بعد الفراغ کذا فی الکافی وھکذا فی النہایۃ، ج ۱ ص ۸۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس شخص پر سجدہ لازم تو ہو گیا۔ لیکن صرف ایک صورت میں تبعاً ادا ہو گیا۔ وہ صورت یہ کہ سجدہ سُنے کے بعد اور اس کے سجدہ کرنے کے بعد یہ سُنے والا اُس پر جھنے والے کا اُسی رکعت میں مقتدی ہو گیا۔ اور باقی سب صورتوں میں اُس کو مستقل سجدہ کرنا ہو گا۔ میت کے ذمہ سجدہ سوال (۲۸۷) اگر کسی کے ذمہ سجدہ تلاوت ہوں اور وہ مر جائے تو ان کا تلاوت کفارہ کیا دیا جاوے۔

الجواب کچھ نہیں اُس کے لئے استغفار کیا جاوے۔

## باب صَلَاةُ الْمَسَافِرِ

معنی بطلان :- سوال (۲۸۸) کانپور احقر کا وطن اقامتہ تھا وہاں سے قنوج گیا وہاں سے اقامت بفر یہاں رگور کپور آیا۔ حال میں تو اس وجہ سے کچھ تردد پیش نہیں آیا کہ بوجہ نیت اقامتہ ہو جانے کے وہاں بھی اتمام کرتا رہا لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہی فرض کی جائے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ ایک شخص کانپور وطن اقامتہ چھوڑ کر اس نیت سے قنوج گیا کہ دو چار دن کے بعد رگور کپور آوے گا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ کانپور سے قنوج مدتہ سفر نہیں تو اب اس وقت قنوج و کانپور کے مابین قصر ہے یا نہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ قصر نہ ہونا چاہئے کیونکہ وطن اقامتہ یا سفر سے باطل ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامتہ سے یا وطن سے لہذا قنوج تک جائز سے کانپور کا وطن اقامتہ ہونا باقی رہا لہذا قنوج سے گو مدتہ سفر کا ارادہ ہے مگر بیچ میں وطن بھی ہے لہذا جب تک اُس سے تجاوز نہ ہو تب تک سفر کا حکم نہ ہوگا جیسے کوئی شخص پانچ منزل کا قصد کر کے پہلے اور دو منزل پر اُس کا وطن اصلی ملتا ہو تو بلا تجاوز وطن اصلی اُس پر مسافر ہونے کا حکم نہ ہوگا جو جناب والا کی رائے ہو اُس سے مطلع فرمادیں :-

الجواب :- اس سئلہ میں تصریح تو نہیں ملی مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قنوج تک کا سفر

عہ جواب تفصیح الاغلاط ص ۱۲ سے نقل کیا گیا ہے صحیح

سفر گورکھپور کا جز نہ ہو گا کیونکہ قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے اس لئے قنوج تک قصر نہ ہو گا۔ ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کے لئے چلا ہے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے یا باہر جانے کا ارادہ ہے پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہو گا اور دوسری صورت میں قصر کرنا ہو گا گو اثنائے سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہو جاوے چنانچہ شامی میں ہے انشاء السفر بیطل وطن الا قامة اذا كان منه اما الوانشاء من غیره فان لم یکن فیہ ضرور علی وطن الا قامة او کان ولكن بعد سیر ثلثه ايام فذلك ولو قبله لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحته۔ اور قاضی خان میں ہے المسافر اذا جا وزعم ان مصره فلما سار بعض الطريق تذکر شیء فی وطنه فعزم الرجوع الی الوطن لا جل ذلك الی قوله وان لم یکن وطنا اصلیا له فانه یقصر الصلوٰۃ ما لم ینو ک قامة ہاں سترہ عشر یومات اھ۔ اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے اس کا پیش کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہوا اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے مائل نہیں ہوتا بل خلافت وطن اقامت کے والہ العلم۔ (امداد ص ۳۷۱ ج ۱) (تفصیح الاغلاط ص ۱۶)

**سوال (۴۸۹)** ایک شخص کا وطن اقامت کانپور ہے وہاں سے وہ سہارنپور کی نیت سے روانہ ہوا لیکن چونکہ کسی ضرورت سے اُناؤ جانا ضروری تھا لہذا اُناؤ لے گیا وہاں سے کانپور ہوتا ہوا سہارنپور گیا تو اس صورت میں شخص اُناؤ میں اور جاتے آتے اُناؤ اور کانپور کے درمیان قصر کرے یا تمام۔ میرا خیال یہ ہے کہ تمام کرے اور جس وقت بعد واپسی اُناؤ کانپور سے بسوئے سہارنپور روانہ ہوا اس وقت قصر کرے کیونکہ وطن اقامت یا تو وطن اصلی سے ساقط ہوتا ہے یا وطن اقامت سے یا سفر سے اور اُناؤ نہ تو وطن اصلی ہے نہ وطن اقامت اور وہاں سے کانپور واپسی کا قصد ہے لہذا کانپور وطن اقامت باقی رہا۔ اس اُناؤ کی آمد و رفت کا سفر شرعی سفر نہیں ہے۔ واپسی کے وقت راہ میں اور کانپور آکر قصر نہ کرنا چاہئے۔

**الجواب**۔ چونکہ نیت اقامت میں یہ شرط ہے کہ وہ وضع صالح اقامت کا ہو اور مغازہ کو غیر صالح کہا گیا ہے لہذا یہ دیکھنا چاہئے کہ اُناؤ سے واپسی کے وقت کانپور کے اندر داخل ہو کر جاوے گا خواہ ریل سے اتر کر یا ریل ہی شہر کے درمیان میں نکلے گی یا کہ کانپور سے باہر جاوے گا اگر اندر

عہ آخر کے نزدیک اس جواب میں بھی تفسیر کی ضرورت ہے اور جواب بھی ہونا چاہئے کہ قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے اس لئے قنوج تک قصر نہ ہو گا۔ ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کے لئے چلا ہے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے یا باہر جانے کا ارادہ ہے پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہو گا اور دوسری صورت میں قصر کرنا ہو گا گو اثنائے سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہو جاوے چنانچہ شامی میں ہے انشاء السفر بیطل وطن الا قامة اذا كان منه اما الوانشاء من غیره فان لم یکن فیہ ضرور علی وطن الا قامة او کان ولكن بعد سیر ثلثه ايام فذلك ولو قبله لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحته۔ اور قاضی خان میں ہے المسافر اذا جا وزعم ان مصره فلما سار بعض الطريق تذکر شیء فی وطنه فعزم الرجوع الی الوطن لا جل ذلك الی قوله وان لم یکن وطنا اصلیا له فانه یقصر الصلوٰۃ ما لم ینو ک قامة ہاں سترہ عشر یومات اھ۔ اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے اس کا پیش کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہوا اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے مائل نہیں ہوتا بل خلافت وطن اقامت کے والہ العلم۔ (امداد ص ۳۷۱ ج ۱) (تفصیح الاغلاط ص ۱۶)

ہو کر جاوے گا تب تو کانپور سے اُناؤ چلتے وقت سفر کا ارادہ ہی نہیں ہوا اور اس چلنے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باطل نہیں ہوا جیسا کہ ظاہر ہے اور کانپور سے باہر ہاں کو جانے کا ارادہ ہے تو جس وقت کانپور سے اُناؤ کو چلا ہے۔ سفر کا ارادہ تحقق ہو گیا اور کانپور وطن اقامت نہ رہا اور کانپور کو لوٹنا اسلئے اس میں قاذح نہیں ہو اگر مفازہ محل اقامت نہیں اور سفر مبطل وطن الاقامت سے مراد انشاء السفر ہے نہ وجود السفر کا صرح یہ فی الدر المختار۔ فقط والترا علم (امداد ص ۳۷۶ ج ۱)

**سوال (۱۴۹۰) میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتحپور کی بظاہر امید نہیں نہ میرا کوئی مکان نہ وہاں میرا کوئی اسباب دار سکونہ کا ایک خن نانی صاحبہ کا ہے جو بطور وصیت مجھ کو دے سکتا ہے وہ بالکل ناکافی۔ اور چونکہ وہاں کوئی عزیز و قریب نہیں سب غیر ہی غیر ہیں اس لئے مکان خرید کر نہ بناؤ ایسا ہی ہے جیسے کہیں پردیس میں بنوانا اس لئے کیا عجب ہے کہ اسی پر رائے قرار پائے کہ فوج میں مکان تعمیر کیا جائے گا ابھی تک وہاں کے قیام کی سبھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتحپور میرا وطن رہا یا نہیں اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں یا اتمام۔ صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ نانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں وہیں۔ نیز نانی صاحبہ کے وہاں رہنے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہو تو کیا حکم ہے ایسی حالت میں فوج کا کیا حکم ہے قصر کیا کروں یا اتمام۔ نکاح کرنے سے فقہاء اتمام کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہو جائے حتیٰ کہ اگر دو تین جگہ نکاح کر لے اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو تینوں جگہ تمام کا حکم ہے اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی۔ لہذا تردد ہی رہا کرتا ہے کہ مجھ پر قصر ہے یا اتمام۔ ۹**

**الجواب۔** فتحپور یقیناً ایک نہ تنہا آپ کا وطن اصلی رہ چکا ہے اب جب تک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانے کا غرض نہ کیا جاوے گا وہ بدستور وطن اصلی رہے گا اور چونکہ ابھی اس پر آپ کی رائے قرار نہیں پائی لہذا فتحپور میں اتمام واجب ہے۔ فی الدر المختار الوطن الاصلی یبطل بمثلہ وفیہ الاصل ان الشئ یبطل بمثلہ وبما فوقہ لا بما دونہ ۱۱ھ۔ اور اب تک مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہوا۔ کہ صرف تزوج سے وہ جگہ اُس کے لئے وطن اصلی ہو جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جبکہ اہل کو وہاں سے لیجانے کا ارادہ نہ ہو گا لہذا اس شخص کا بھی ارادہ اس کو وطن اصلی بنانے کا اور خود ہمیشہ کے لئے بود و باش کرنے کا ہے اس بنا پر اس کو وطن بنانے کا سبب قرار دیدیا ہے ورنہ مدار خود اس کی نیت انشاء وطن اصلی پر ہے اگر میرا یہ سمجھنا صحیح ہے تب تو

۱۵ اسی مسئلہ کے متعلق ترجیح الرابع حصہ سوم فصل سابع میں علماء سے تحقیق کر لیا مشوہ دیا ہے ۱۲ الصحیح الاغلاط ص ۶

قنوج ہنوز آپ کا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تامل سے وطن اصلی ہو جاتا ہے تو وطن اصلی میں میں تعدد ممکن ہے جیسا فقہاء نے تصریح کی ہے اس کو وطن اصلی ہونے سے فقہور کا وطن اصلی نہ بننا لازم نہیں ہوتا قاضی خان کی ایک جزئی میری مؤید ہے المسافر اذا اجاز عمران مصر الى قوله ان كان ذلك وطنا اصليا بان كان مولداً وسكن فيه او لم يكن مولداً ولكنه تاهل به وجعله داراً الخ۔ اس میں تامل کے بعد جعلہ داراً بڑھایا ہے جیسا کان مولدہ کے بعد وسكن فيه بڑھایا ہے پس جس طرح صرف کان مولدہ بدون سکن فیہ کے وطن اصلی نہیں بنتا۔ اسی طرح تامل بہ سے بدون جعلہ دار کے وطن اصلی نہوگا۔ فافہم۔ ۸۔ الربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد مج ۱) ترجیح الرابع متعلقہ مسئلہ مذکورہ بالا | امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲ میں مسئلہ توطن بہ نزوح کا ہے اس کو دوسرے علماء سے تحقیق کر لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث ص ۲۳۳)

سوال (۲۹۱) زید اپنے مکان و مولدہ سے سو کو س جا کر پندرہ روز مقیم رہا پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا یا مطلق مکان وہاں سے معتبر ہوگا یا مطلق خواہ دو چار کو س ہی جائے تو قصر کرے۔ ۹۔  
الجواب مطلق مکان معتبر نہیں بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا بطل قصر ہوگا۔  
فی الدر المختار و بیطل وطن کا قامة الى قوله وبانشاء السفر الا والسفر المعتبر هو السفر الشرعی۔ فقط والله اعلم۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

سوال (۲۹۲) کس مقدار کے نقصان پر فرض یا نوافل یا سنن کی نیت توڑ دینی چاہئے اور اگر بجا نیت کر لینے کے ریل سیٹی دیوے  
حکم انفساد صلوة از سیٹی  
کردن ریل در حالت سفر  
روانگی کی تو کیا کرے۔ ۹۔

الجواب ۴۔ کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے اور ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو۔ (حوادث او ۲ ص ۲۳)

سوال (۲۹۳) شغف پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ ۹۔  
الجواب در شغف۔ فی الدر المختار و فی صلوة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذکور فی التیمم حرکة فی غیرہا ومن العذر المظہر طین یغیب فیہ الوجه و ذهاب الرفقاء و دابة لا ترکب الا بعناء الى قوله حتی لو کان مع امه مثلاً فی شقی محمل و اذا نزل لم تقدر ترکب و حدھا جازله ایضا کما افادہ فی البحر

فلیحفظ - ۱۵ - اس روایت سے ثابت ہوا کہ شغوف میں بعذر فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنا اور قافلہ کی معیت سب سہل ہو تو شغوف میں پڑھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۰ شعبان ۱۳۲۱ھ - (امداد ص ۳۹ ج ۱)

**حکم نماز در ریل** | سوال (۴۹۴) سواری ریل کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہئے اگر کھڑے نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سر پر لگتی ہے۔ دوم یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب چھم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے۔ سوم یہ کہ بحالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہو جائیگی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح پر نماز ادا کرے؟

**الجواب** - نماز پڑھنے کے لئے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں ہے اگر ریل مثل سر پر موضوع علی الارض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے وان لم یکن طواف الجبل علی الدابة جاز او واقفة لتعلیلہم انہا کالسریر۔ در مختار قولہ لو واقفة کذا قیدہ فی شرح المنیۃ ولو اذہ لغیرہ یعنی اذ اکانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شیء منها علی الدابة وانما لها جبل مثلاً تجرھا الدابة تصح الصلوة علیہا کانہا جینڈ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی هذا التعلیل انہا لو کانت سائتہ فی هذا الحالة لا تصح الصلوة بلا عذر وفیہ تأمل لان جرھا بالجبل وہی علی الارض لا تخرج بد کونہا علی الارض ویفیدہ عبارة التاتارخانیۃ عن المحیط وہی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفہا علی الدابة وہی تسیر تجوز فی حالۃ العذر کلا فی غیرہا وان لم یکن طرفہا علی الدابة جازت وہو بمنزلۃ الصلوة علی السریر لا فقوله وان لم یکن لہا یفید ما قلنا لانہ راجع الی اصل المسئلۃ وقد قیدہ بقوله وہی تسیر ولو کان الجواز مقید بعدم السیر لقیدہ فتأمل۔ شامی - ج ۱ ص ۴۷۰ - اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الداب کے بھی مانی جائے تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا کھڑی ریل میں ریل کے چلنے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ واما الصلوة علی العجلۃ ان کانت طرف العجلۃ علی الدابة وہی تسیر لو لا تسیر فیہی صلوة علی الدابة فتجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمحلا فی غیرہا ومن العذر المطر وطين یغیب فیہ الوجه

ع اس عبارت سے ریل میں جواز تیمم بھی ثابت ہوتا ہے ۱۲ منہ ۶

وذهب الرفقاء ودابة لا تتركب الا بعناء ومبعين۔ در مختار۔ فقوله المذکور فی التیمم بان یخاف علی ماله او نفسه او یخاف من فاسق۔ شامی ج ۱ ص ۲۷۷۔ اگرچہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کے وقت رہنے تک مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے تب بھی ریل میں بہر حال پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ عذر وقت شروع نماز کے مقبر ہے اگرچہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہو۔ (تنبیہ) بقی شئی ولعاز من ذکرة وهو ان المسافر اذا اجتنب عن النزول لعذر من الاخذ اركان علی رجاء زوال العذر قبل خروجه الوقت كالمسافر مع ركب الحاج الشريف هل له ان یصلی العشاء مثلاً علی الدابة والحمل فی اول الوقت اذا خاف من النزول لم یؤخر الی وقت نزول الحاج فی نصف اللیل لاجل الصلوٰۃ والذی یشہر لی الا ولان المصلی انما یكلف بالاركان والشروط عند ارادة الصلوٰۃ و الشرع فیہا و لیس لذلك وقت خاص ولذا اجاز له الصلوٰۃ بالتیمم و اول الوقت وان كان یدرج وجود الماء قبل خروجه و علوة بانه قد اداها بحسب قدرته للوجود عند انعقاد سببها وهو ما اتصل به الاداء او مسألتنا کذلک۔ شامی ج ۱ ص ۲۷۷۔ البتہ ایسی صورت میں انتظار آخر وقت مستحب تک مستحب ہوگا۔ و ندب لراجیه رجاء قویاً اخر الوقت المستحب ولو لم یؤخر و صلی جاز ان كان بینہ وبين الماء میل والا لا۔ در مختار مع الشامی ص ۱۷۷۔ پس ہر گاہ معلوم ہو کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے خواہ کسی شکل سے بیٹھے او وجد لقیامہ اما شدید اصلی قاعداً کیف شاء علی المذهب۔ در مختار ص ۱۷۷۔ صلی الفرض فی فلك جاد قاعد ابلا عند صحیح لغلبة العذر و اساء و قالا لا یصح الا لعذر و هو الا ظہر برہانا۔ در مختار ص ۱۷۷۔ اور اگر رکوع و سجود ہو بطریق فصل در میان شرقی و غربی تختوں کے متعذر ہوں تو اشارہ سر سے رکوع و سجدہ کرے لیکن معمولی وقت کو تعدد نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے وان تعذر اداء قاعد ای یجعل سجوداً اخف من رکوعہ۔ در مختار ص ۱۷۷۔ واللہ اعلم۔ ۲۳ شوال ۱۳۸۲ھ۔

(اماد ص ۲۵ ج ۱)

سوال (۲۹۵) نماز ریل میں کس طرح پڑھنا چاہئے میں بعض مرتبہ کھڑے ہو کر پڑھتا

۱۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریل میں بھی انتظار اپنی کا آخر وقت مستحب تک بہتر ہو ضروری نہیں ۱۲۔ منہ ۹

ہوں اس طرح کہ ایک تختہ کی طرف کھڑا ہوتا ہوں اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرتا ہوں۔ ایک صاحب نے بعد اعتراض کیا کہ سجدہ میں گھٹنے پاؤں کے زمین میں نہیں لگتے ہیں۔ لہذا نماز نہیں ہوتی حدیث خیرین میں ہے کہ سات چیزیں زمین میں بوقت سجدہ کے لگنا چاہئے۔ چنانچہ اول سات میں سے ایک گھٹنے بھی ہیں اور اسی وجہ سے سنت کے گھٹنوں میں کا فور لگایا جاتا ہے ان کی رائے میں اس طرح پڑھنا چاہئے کہ ایک تختہ پر بیٹھے مثل نماز پڑھنے والے کے اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرے مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہو کر ہوتا ہو۔ لہذا جناب کی کیا رائے ہے کیا گھٹنے کا لگنا زمین میں بوقت سجدہ کے لازم ہے؟

**الجواب** - فی رد المحتار تظافرت الروایات عن ائمتنا بان وضع الیدین و الركبتین سنة ولہ تردد وایة بانہ فرض۔ ج ۱ ص ۵۲۱۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ نانوٹکا نافرض نہیں بلکہ واجب بھی نہیں اور قیام فرض ہے پس آپ کا طریقہ صحیح ہے اور ان صاحب کا قول بالکل غلط ہے۔ علاوہ مذکورہ بالا وجہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی انہوں نے قیام کی حالت میں بتلائی ہے یعنی گھٹنوں کا سجدہ کی حالت میں زمین میں نہ لگنا وہی خرابی قعود کی حالت میں بھی ہے۔ فافہم۔ والہ اعلم۔ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

**سوال (۲۹۶)** ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں وہ ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں (۱) بجاتے کہ ریل چلتی ہوئی ہو اور بیٹھنے کی پٹری موافق رخ قبلہ نہیں ہو یعنی شمال و جنوب ہے اور آئندہ اسٹیشن پہنچنے کے قبل وقت جاتا رہے گا یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہو گا تو ایک پٹری پر بیٹھ کر اوپانوں لٹکا کر دوسری پٹری پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہو گا

**ج** متون میں عام طور پر یہی ہے لیکن نسخ القدر بحر الرائق - شامی وغیرہ ترجیح اس کو دی ہے کہ گھٹنوں کا ٹیکنا سجدہ میں واجب ہے۔ قال الشامی واختار فی الفقہ الوجوب لانہ مقتضی الحدیث مع المواظبة قال فی البحر وهو انشاء اللہ تعالیٰ اعدل الاقوال لموافقة الاصول انتہی وقال فی موضع اخر۔ قد منا الخلاف فی ان۔ سنة او فرض او واجب وان الاخر اعدل الاقوال انتہی لیکن ریل میں مذکورہ سوال ضرورت میں جبکہ فرض قیام فوت ہونا لازم آتا ہو اگر اس خاص حالت میں سنت کے قول کو ترجیح دیدی جاوے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت مصنف قدس سرہ کیا ہے۔ والہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ :

**ج** یہ اضافہ تصحیح الاغلا سے کیا گیا ہے ۱۲ مصحح



یا کیا خواہ جماعت ہو یا تنہائی۔ ۹

الجواب۔ بیٹھنا بلا عذر درست نہیں ایک پرکھڑا ہوا اور دوسری پر سجدہ کرے۔

۱۸ محرم ۱۳۳۵ھ۔ (تمتہ رابعہ ص ۶۳)

سوال (۴۹۷) بریل گاڑی نماز فرض خواندن در حالت سیر و بدون عذر جائز است

یا نہ۔ بینوا توجرو۔ ۹

الجواب۔ جائز است۔ قال فی رد المحتار شرح در المختار (من باب و ترو و نوافل) تحت قوله وان لم یکن طرف العجلة علی الدابة جاز لو واقفة الخ کذا ائیدہ فی شرح المنیة و لعارضہ لغير یعینی اذا كانت العجلة علی الارض ولم یکن شیئ منها علی الدابة و انما لها حبل مثلاً تجرها الدابة۔ تصح الصلوة علیہا لانها حیثئذ کا السیر بالموضع علی الارض و مقتضی هذا التعلیل انہا لو كانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوة علیہا بلا عذر و فیہ تأمل لان جرحها بالحبل و هی علی الارض لا تخرج بہ عن کونه علی الارض و یفیدہ عبارة التاتارخانیة عن المحيط و هی لو صلی علی العجلة ان کان طرفہا علی الدابة و ہی تسیر تجوز فی حالة العذر لا فی غیرہا وان لم یکن طرفہا علی الدابة جازت و ہی کالسیر و انتہی فقوله وان لم یکن طرفہا الخ یفید ما قلنا لانہ راجع الی اصل المسئلة و قد قید ہا بقوله و ہی تسیر و لو کان الجواز مقیداً بعدم السیر یقیدہ بہ فتأمل انتہی اقول و کذا یقید ما افادنا السید قدس سرہ عن عبارة المحيط عبارة فتاویٰ قاضی خان و ہی اما الصلوة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة و ہی تسیر او لا تسیر فہی صلوة علی الدابة تجوز حالة العذر و لا تجوز فی غیرہا وان لم تکن طرف العجلة علی الدابة جاز و ہی بمنزلة الصلوة علی السیر و انتہی قبل باب الصلوة المریض فلما جازت الصلوة علی العجلة اذا لم یکن شیئ منها علی الدابة و ہی تسیر او لا تسیر بدون العذر و كانت بمنزلة السیر فی الحالتین فبالطریق الاولی تجوز علی المکب الدخانی الذی یجری علی الارض حال کونه سائراً بدون العذر فظہر ان ملفی غایة الاوتار۔ ج ۱ ص ۳۳ تحت قوله وان لم یکن طرف العجلة علی الدابة

جاز لو واقعہ (فی باب الوترو والنوافل) علمائے ہند مختلف ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض و واجب درست نہیں اور بعض درست کہتے ہیں الخ منشاء عدم اطلاع الفرقین و المؤلف ایضاً علی ما حققہ السید العلامة تحت القول المذكور کما نقلنا هذا و اعترض (فی باب الوترو والنوافل) مفتی المصر علی قول السید قدس سرہ و فیہ تأمل لان جرحها الخ حیث قال وہی وان لم تخرج بالجر بالجل عن کونها علی الارض الا ان هذا القید لا بد منه اذ بدلت یفوتہ اتحاد مکان الصلوۃ الذی هو شرط لصحتها الا بعذر الخ و یقول لعبد الضعیف ان هذا منه عجیب جدا فان مکان الصلوۃ فیما نحن فیہ العجالة ولوح من ابواب جهادون الارض لقی تحتها۔ الا ترى ان الصلوۃ علی السفینة السائرة جائزة واعتبار العذر هنا لانها لما كانت علی المأدون الا فرض كانت کالدابة لا لعدم اتحاد مکان الصلوۃ فان المحکم فی السفینة المربوطة بالشط اذا كانت علی القرار من الماء ولم یکن شیئ منها مستقر علی الارض ایضاً کذا نیک بهذا اظهر ان کون السفینة علی الماء والماء علی الارض مما لا ینتج نتیجة تقید حکماً من الاحکام ان قیل قد تقر بان بعض الاثمة اذا صرح بقید وجب اتباعه قلت هذا اذا کان من اهل الترجیح وابن امیر الحاج شارح المیزة لیس من اهل الترجیح رکذا فی الحموی شرح الا شباہ من الف الثالث فی احکام الخنثی بل هو من نقله المذهب کان علیہ عزو القید المذكور الی کتاب من الکتب المعتبرة ولعل الیه اشار السید المحقق بقوله ولعل الخ لغيره بقی هل یجب التوجه الی القبلة وکلما دار المکب الذ خانی عنها عند استفتاح الصلوۃ وفی خلال الصلوۃ الظاهر نعره فان لم یکن یمکن عن الصلوۃ الا اذا خاف فوت الوقت هذا ما اظهر لی۔ والله تعالیٰ اعلم وعلیه السلام

### الجواب من المولوی حبیب

فی الدار المختار المربوطة بالشط کالشط فی الصحیح و قال فی رد المحتار قوله المربوطة بالشط کالشط فلا تحوز الصلوۃ فیها قاعداً اتفاقاً وظاهراً

فی الھدایۃ وغیرھا الجواز قائم مطلقاً ای استقرت علی الارض ان لا یدصرح  
فی الايضاح بمنعہ فی الثانی حیث امکنہ الخروج المحاقا لها بالذات۔ نہر و  
اختلاف فی المحيط والبلد اتعجز۔ وعزله فی الامداد ایضاً الی مجموع الروایات  
عن المصنفی وجزم بہ فی نور الايضاح و علی ہذا ینبغی ان لا تجوز الصلوٰۃ فیہا  
سائرۃ مع امکان الخروج الی البس و ہذا المسئلۃ الناس عنہا غافلون۔ شرح  
الملنیۃ ۱۵ ص ۷۹۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں خلاف  
ہے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں  
نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر  
جائز نہیں اور راجح یہ ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الامداد  
میں جو لکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ  
پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے  
آہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہن کو استقرار کی وجہ سے اس کو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے بلکہ اس  
کو مثل سرب سمجھا جاوے تو گویہ مرجوح ہے مگر اس کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہدایہ وغیرہ سے  
معلوم ہوتا ہے برخلاف ہوائی جہاز کے کہ وہاں یہ گنجائش نہیں۔ فاتصر فائدۃ ہذا الکلام  
واندفع ما اور ادخلیہ بقولہ۔ بھذا ظہران کون السفینۃ علی الماء والماء علی الارض  
مما لا ینتجہ نتیجۃ تفسید حکما من الاحکام ۱۵۔

**التماس۔** اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کر لیں فقط ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (ترجمہ خامس ۹۲)  
تحقیق قصر صلوٰۃ | سوال (۴۹۸) کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے آج اس  
سیاح را | گاؤں میں کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے یا نہیں؟

**الجواب۔** اس میں تین صورتیں ہیں ۱۔ کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے  
سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ ہینچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد نہیں اس صورت میں قصر پڑھے۔  
۲۔ کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ ہینچ کر پندرہ روز یا  
زائد قیام کا قصد ہے اس صورت میں راہ میں قصر پڑھے اور اس جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔  
۳۔ کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد نہیں یعنی جس جگہ سے اب چلا  
ہے نہ یہاں سے چلنے کے وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا اس کے چلنے کے وقت

بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔ فی الدار المختارہ من خرج من عمارۃ موضع اقامتہ قاصداً ولو کافراً ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولایا لہا صلی الغرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامہ او بنوی اقامتہ نصف شہر الا واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم۔ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۱ ج ۱)

**سوال (۴۹۹)** اگر گھوڑے پر سوار ہے اور کوئی آدمی ساتھ نہیں اور نہ کوئی باندھنے کی چیز ہے اور خوف فراہم بھی یا رات ہو جانے کا خوف ہے تو نماز فرض گھوڑے پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ فی الدار المختارہ باب النوافل فہی صلوٰۃ علی الدابة فتجوز حالۃ العذر المذکور فی التیجہ الی قولہ وذہاب الرفقاء ودابة لا تترك الا بعناء او عین وفی رد المختار بان یخاف علی نفسہ اومالہ الخ۔ پس صورت مسئلہ میں جب اُترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہے اور رات ہو جانے سے جان کا اندیشہ ہے تو فرض نماز گھوڑے پر درست ہے۔ یہ حکم تو اُس صورت میں ہے کہ گھوڑے کے چلے جانے کا بہت غالب گمان ہو اور اگر ویسے ہی شبہ ہے تو گھوڑے پر نماز نہ پڑھے بلکہ زمین پر اُتر کر شروع کرے پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑ لے۔ فی الدار المختارہ اخرو مکروہات الصلوٰۃ ویباح قطعہا لئلا یقتل حیۃ وتند دابة وفور قدس وضیاع ما قیمتہ درہم ولہ اولغیرہ۔ الا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ۔ (امداد ص ۶۱ ج ۱)

**سوال (۵۰۰)** ازید پنجاہ برس بارادہ سیاحی بنگالہ کو آیا اور ایک پرگنہ میں مواضع متفرقہ بارادہ اقامت چھ ماہ ٹھہرا اس صورت سے کہ دو روز ایک موضع میں وعظ کیا دو روز دوسرے میں۔ اس صورت سے پانچ چھ ماہ ایک پرگنہ میں جو دس بارہ کوس کی وسعت میں ہے گزارتا ہے کیا اس صورت میں قصر کرے گا یا نہ؟

**الجواب**۔ قصر کرے گا۔ فی الدار المختارہ فی قصر الی قولہ لا وفوی فیہ۔ لکن بموضعین مستقلین مکۃ ومنی الخ۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

**سوال (۵۰۱)** ازید آبی ملک میں ایک مسقف کشتی میں مع اپنے نوکر چاکر و نہ بدون کشتی اہل و عیال کے رہتا ہے اور جس گاؤں میں وعظ کرتا ہے اُس کے قریب دریا میں کشتی جا لگتا ہے دن میں وعظ کر کے رات کو واپس کشتی میں آتا ہے اور کبھی کشتی سے باہر

موضع میں بھی پانچ سات روز گزارتا ہے مگر مقیم کشتی میں رہتا ہے تو کیا اس صورت میں اہل اخیہ میں داخل ہو کر پوری نماز پڑھے گا یا قصر۔ مالاہد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز پڑھے گا (اور جو کہ ہمیشہ میدان میں رہا کرتے ہیں اور کسی جگہ اقامت نہیں کرتے ہیں مگر دس پانچ روز تو ان لوگوں کو حکم ہے کہ ہمیشہ نماز اقامت کی پڑھیں قصر نہ کریں ہاں جس وقت یکبارگی ۴۸ کو س چلنے کا ارادہ کریں تو اُس وقت قصر پڑھیں) مگر اہل اخیہ میں اور مقیم فی السفینہ میں اتنا فرق ہے کہ اہل اخیہ مثل کنجر بنجارے بدو کے ہمیشہ بیابان میں آبادی سے دور رہتے ہیں اور مقیم فی السفینہ کبھی تراب موضع کے متصل اور کبھی بفاصلہ ایک میل کسی دو تین میل و علیٰ ہذا تو پس اس میں وہ داعظ اولیٰ کر اُس کے کیا قصر پڑھیں گے یا کامل عالمگیری میں متاخرین کا اس مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے؟

**الجواب۔** قصر کرے گا۔ فی الدر المختار فی قصلی قولہ اولویٰ فیہ لکن فی غیر

صالح کجرا فی رد المحتار قال فی المجتبیٰ والملاح مسافر الا عند الحسن وسفینتہ  
 ایضاً لیست وطن اہل بحر و ظاہر دلوکان مالہ و اہلہ معہ فیہا شورا یتہ  
 صریحاً فی المعراج۔ اور چونکہ اہل بحر کا حکم مثل اہل اخیہ کے نہیں لہذا عالمگیری میں جو  
 اہل اخیہ کے باب میں اختلاف منقول ہے یہاں اُس سے کچھ تعلق نہیں۔ ۲۰ رقیہ ۱۳۲۵ھ

**سوال (۵۰۲)** حضرت والا! آپ کا فتویٰ سندرجہ رسالہ الاداد ماہ جمادی الاول  
 احقر کی نظر سے گزرا آپ نے جو جواب ارقام فرمایا ہے اُس کے متعلق عاجز کے ذہن میں چند شبہات  
 پیدا ہو گئے ہیں۔ امید کہ آپ تشریف فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر  
 نہیں ہے جب تک اُس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔ یہ تو آپ بھی تسلیم  
 فرماتے ہیں کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے لیکن جب کشتی آبادی کے متصل قطری  
 ہو تو نیت اقامت درست فرماتے ہیں۔ اب گزارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے اخذ کیا ہے۔

(۱) اگر آپ نے فناء مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے کیونکہ فناء مصر  
 محل اقامت ہے لہذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ لیکن جب کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت  
 نہیں رکھنے اور دریا محل اقامت نہیں ہو تو آبادی کے قریب کیونکہ ان میں کیوں کہ صلاحیت  
 پیدا ہوگی۔ (۲) اگر آپ نے کہیں فقہاء کی تصریح اس بارہ میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمائیے  
 تاکہ دفع خطا ہو۔ (۳) اس بارہ میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں ان سے تو یہ

مستنبط نہیں ہوتا کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریا کا کنارہ جبکہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو فنا مصر میں داخل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فنا مصر میں داخل ہے۔ (۴۷) جب مصر اور فنا مصر کے درمیان کوئی باغ یا بڑا میدان یا جنگل حائل ہو اس وقت وہ مصر کے مکم سے خارج ہو جاتا ہے تو جہاز اور کشتی جو دریا میں لنگر انداز ہوتی ہے اس میں یہ تبعیت مصر کیونکہ اقامت درست ہو سکتی ہے حالانکہ فنا مصر اور باغ و میدان جنگل کے درمیان قطع مسافت میں کوئی شئی مانع نہیں ہے اور جہاز اور خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد و رفت سے مانع ہے اور بغیر جلد و علاج کے عبور عادتاً نامکن ہے۔ (۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بحر کشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف فقہاء کی کوئی تصریح نہ ملے تو اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ (۶) عالمگیری سے بحوالہ عتابیہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو ظاہر ہے کہ کشتی لوٹنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں پہنچ گیا ہے پس اسکی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہے۔ فقط۔

فی الحقیقت یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہے جو مسافت بعیدہ سے یہاں آکر کام کرتے ہیں جو اب تک دریائے متصل کسی قریہ یا آبادی میں مقیم نہ ہوں ان لوگوں کے متعلق بحث نہیں ہے جو کسی مصر یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں کیونکہ ان کی اقامت کی صحت وطن اصلی یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل فتوے میں جو اس کے ساتھ منسلک ہے موجود ہے۔

(۷) دریا و فنا مصر میں شامل ہے کہ نہیں۔ (۸) بحر الرائق کی اس عبارت (لان نیتہ الاقامت لا تصح فی غیرہا فلا تصح فی مفاذہ ولا جزیرۃ ولا بحور ولا سفینۃ) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں۔ شامی وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگرچہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس اقامت درست نہیں ہے بحر پر سفینہ کا عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں سے دو چیزیں ہوں۔ کیونکہ بحر میں بحر کشتی کے اقامت کی کوئی صورت نہیں پس اس سفینہ کو عطف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سفینہ سے یہ مراد ہو کہ جب وہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے حقیقت سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدون قرینہ صاف

کے صحیح نہیں ہے۔ فی الجملہ تصریحات فقہائے متقدمین سے مترشح ہوتا ہے کہ بحراد سعیدہ محل اقامت نہیں ہے۔ پس اس کے خلاف حکم دینے کے لئے صریح دلیل کی ضرورت ہے۔

اب دست بستہ گزارش ہے کہ ان شبہات کے دفعیہ کی طرف توجہ مبذول فرماویں۔ جناب کا وہ فتویٰ جو سالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ میں مندرج ہے دستیاب ہونے کے قبل میں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اگر قبل اس کے آپ کا فتویٰ ملتا تو بغیر جواب تحریر کئے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیج دیتا۔ اب گزارش ہے کہ ازراہ لوازش جواب تحریر فرما کر تسکین فرماویں۔

**الجواب۔** بخد مت جامع الفضائل دامت افادہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وخط مع تحقیق مسئلہ پہنچا اس غیر خواہی سے ممنون ہوا۔ چونکہ احقر اُس وقت ایک سفر میں تھا کچھ وقت اس میں اور کچھ وقت واپسی کے بعد انتظارِ فرصت میں گزر گیا۔ جب توقعِ فرصت کی نہ رہی ایک اپنے عزیز کو اول صرف آپ کا فتویٰ دیا۔ جس میں میرے جواب کا ذکر نہ تھا۔ تاکہ خالی الذہن ہو کر اُس کو دیکھیں انہوں نے اپنی رائے لکھ دی جو ملاحظہ کے لئے مرسل ہے۔ اُس کے بعد پھر میں نے آپ کا خط دیا جس میں میری رائے نہ کوئی تھی۔ جس کے بعد عزیز موصوف نے کسی قدر اوافصیل کر دی یہ جواب میرے جواب کا موید ہے بلکہ اس میں اس قدر مزید ہے کہ میں نے جو اتصال آبادی کی شرط لگائی تھی اس میں وہ بھی نہیں۔ چونکہ میرے نزدیک یہ جواب صحیح ہے اس لئے میں نے اُس اشتراط سے بھی رجوع کر لیا۔ والتداعلم۔ ۲۷ ماہ رجب ۱۳۳۲ھ۔

تنبیہ۔ خط مذکورہ بالا مع فتویٰ صاحب خط و جواب عزیز موصوف یہ سب امداد الاحکام مسئلہ مرقومہ ۱۱ رجب ۱۳۳۲ھ و مسئلہ مرقومہ ۱۲ رجب ۱۳۳۲ھ میں مذکور ہیں۔ (ترجیح خامس ص ۱۳۹)

**سوال (۵۰۳)** زید جس ملک میں وعظ کرتا ہے وہاں کے قریب کے مثلاً دس بارہ کوس کے دور کے لوگ ملاہوں میں نوکر رکھتا ہے اور ان کے علاقہ کے قریب پندرہ بیس کوس میں برس روز تک سیاحت کرتا ہے بصورت مذکورہ بالا ان کی نماز کا حکم تابع صاحب السیفینہ کے ہو گا یا وہ ہمیشہ کامل پڑھا کریں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس وقت وہ لوگ نوکری چھوڑ کر مکان کو چلے جائیں تو ان کا مانع کوئی نہیں؟

**الجواب۔** تبعیتِ اجیر کی مشروط دو شرط سے ہے ایک یہ کہ اُس کا خرچ اپنے وطن سے مسافتِ قصر کی نیت سے ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ ماہانہ یا سالانہ تنخواہ پر نوکر ہو صرح بہ فی رد المحتار عن التتار حایہ پس ان ملاہوں کا حکم اسی قاعدہ سے کمال لیا جائے۔ چونکہ سوال

میں دونوں امر مہم ہیں لہذا جواب مجمل ہو سکا۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ - (امداد ص ۹۵)۔

لزم قصر بوقت اعادہ صلوة | سوال (۵۰۴) مقتدی مسافر ہے امام مقیم ہے مقتدی نے خیال فاسدہ مع الانام کیا کہ ہم دوہی رکعت کے بعد سلام پھیریں گے پس ایسا ہی کیا۔ بعد کو امام نے اس بات کو انکار کرنے سے وہ چار رکعت پڑھ دیا معلوم کرنا یہ بات کہ اس مقتدی کو فقط دو رکعت دوبارہ پڑھنی تھی یا کہ امام کے پیچھے اقتدار کر کے تمام ذکر کرنے سے پہلے چار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے۔ فقط۔ ۹

الجواب۔ فی الدر المختار ولما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت و یتم لا بعدہ فیما یتغیر فی المختار تحت قوله فیصح فی الوقت ویتم ای سواء بقی الوقت او خرج قبل اتمامہ بالتغیر فرضہ بالذبحۃ لا اتصال المغير بالسبب و هو الوقت ولو افسدہ صلی رکعتین لزم الالمغیر لا جلد اول ص ۸۳۔ اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسافر کو امام مقیم کے ساتھ نماز تمام کرنا چاہئے تھا دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہو گئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہئے۔ فقط والشرع علم۔ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ - (تمتہ اولیٰ صلا)

کیا عورت کو بعد شادی وطن مہلی | سوال (۵۰۵) ہندہ اپنے وطن مولودی سے تنہا (سیک میں) قصر کرنا ہو گا | کو کس پر یہاں ہی گئی ہے تو جبکہ سسرال سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آوے تو نماز قصر پڑھے یا پوری۔ ۹

الجواب۔ فی الدر المختار لوطن الاصلی بیطل بمثلہ فی المختار فلی کان للابوان ببلد غیر مولدہ و هو باضر و لعمریہ تاهل بہ فلیس ذلک وطنالہ الا اذا عزم علی القرار فیہ و ترک الوطن الذی کان لہ قبلہ شرع المینہ ج ۱ ص ۸۲۹۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسئلہ میں نماز قصر پڑھے۔ فقط، راجب (تمتہ اولیٰ صلا) جنگل میں رہنے والوں کے لئے | سوال (۵۰۶) جو لوگ ہمیشہ جنگل باشی ہیں جیسے قصر یا امتام کا حکم قوم اوڈو جو سر کی لئے مع اپنے ٹانڈے کے وہ بدہ پھرتے ہیں جہاں مزدوری مل گئی کئی کئی روز ٹھہر جاتے ہیں ورنہ شب باش ہوئے اور چل دیئے ایسے لوگ مسافر ہیں یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ یہ لوگ مقیم ہیں البتہ اگر کسی ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد ایک دم سے



نیت ایسے مقام کی کریں جو یہاں سے مسافت قصر پر ہو تو مسافر ہو جاویں گے۔ ہکذا فی  
المختار و در المختار - ۱۸ / رمضان ۱۳۲۷ھ - (تمتہ اولی ص ۱۹)

سوال (۵۰۷) جو لوگ آگبوٹ جہاز میں نوکری کرتے ہیں اور ان  
قصر یا تمام کا حکم کا دائمی پیشہ ہی ہے بعض ان میں ایسے ہیں جو ہفتوں میں واپس آ جاتے  
ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مہینوں میں واپس آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو برسوں میں واپس  
آتے ہیں ان میں بعض آگبوٹ تو ایسے ہیں جو ایک ملک سے براہ راست دوسرے ملک کو  
چلے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ملک در ملک شہر در شہر آدمیوں کو اتار تے چڑھاتے اور مال  
لیتے دیتے جاتے ہیں اور کہیں ہفتہ بھر کہیں اس سے کم قیادہ ٹھہرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے  
کہ یہ لوگ ذی اختیار نہیں جب تک کپتان مالک آگبوٹ یا اس کا قائم مقام ٹھہرے تب  
تک یہ بھی ٹھہرتے ہیں جب وہ چلے یہ بھی چلتے ہیں آیا یہ لوگ مسافر ہیں یا مقیم اگر مسافر ہیں تو  
اپنی نمازوں کو قصر کریں اور روزہ افطار کریں یا نہیں۔ فقط - ۹

الجواب جہاز گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں۔ ہے پس اس کا حکم کوئی جدا نہیں ہے  
جو اور مسافر کا ہے وہی اس کا۔ یعنی یہ لوگ جب اپنے وطن اصلی یا وطن اقامت سے (یعنی  
بہاں پندرہ روز کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں چلنے کے وقت، دیکھنا چاہئے کہ کس قدر مسافت قطع  
کرنے کا ارادہ مصمم ہو تو ہے اگر بقدر مسافت تین ایام کے (یعنی دریا میں اعتدال ہوا کی حالت میں  
کشتی تین دن میں جس قدر جاتی ہے) ارادہ ہو تو قصر کرے گا اور اگر اس سے کم کا ہو نہ کرے گا۔  
ہکذا فی کتب الفقہ - والہ اعلم - ۹ / محرم ۱۳۲۸ھ - (تمتہ اولی ص ۲۹)

سوال (۵۰۸) ہمارے ہاں شہر مولین میں بہت دور دراز ملکوں سے لوگ آتے ہیں  
اور کمائی کر کے لے جاتے ہیں اب ان کے پیشہ میں فرق ہے کوئی تو خشکی کے کام کرتا ہے جیسے  
بزازی لوہاری دندہ وغیرہ اور کوئی بانی کے کام کرنے والا ہے (جیسے شہر دہلی کے پورب طرف  
جمناندی بہتی ہے ایسے ہمارے شہر مولین کے داہنی طرف ایک ندی بہتی ہے جو رفتہ رفتہ سمندر سے جا ملتی  
ہے جس کے سبب سے دوسرے ملکوں سے اور دوسرے شہروں سے ہمارے ہاں جہاز اور کشتی - منور  
سوداگری کے آیا کرتے ہیں) یعنی کوئی تو ایسے جہاز کی نوکری کرتا ہے جو دور دور شہروں سے تجارتی چیزیں  
لیئے آیا کرتے ہیں اور کوئی چھوٹے چھوٹے جہازوں میں کام کرتا ہے جو ایک پار سے لوگوں کو دوسری پار  
لے جاتے ہیں یا ایک دن یا دو دن کے راستے پر مال لینے جایا کرتے ہیں رات کے وقت ہمیشہ

جہاز ہی میں لنگر انداز کر کے سو جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتی چلاتے ہیں بڑے بڑے جہازوں سے جو ندی کے پہنچ میں لنگر انداز ہوتے ہیں مال نکال کر چھوٹی کشتیوں میں لا کر کنارہ پر لاتے ہیں اور بعض کشتی والے اس پار کے لوگوں کو اُس پار لے جاتے ہیں اور بعض کشتی والے دو تین کے راستہ میں بھی کرایہ لیکر جاتے ہیں پھر وہاں سے شہر میں چلے آتے ہیں اور سب جہاز والوں کے لئے اور کشتی والوں کے لئے اپنی اپنی کشتی لنگر کرنے کو ایک ایک جگہ مقرر ہے وہاں آ کر رات کو لنگر کر کے اُسی کشتی یا جہاز میں سو جاتے ہیں اُن کے واسطے وطن اصلی اور وطن اقامت یہی ہے یہ لوگ ایسے کچھ دن سفر کر کے کچھ کما کر کے پھر اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاتے ہیں شہر سے یا کنارہ سے اُن کو کوئی ٹوکا نہیں ہاں کوئی چیز خریدنے کو یا کوئی کرایہ دیکھنے کنارہ پر یا شہر میں آیا کرتے ہیں درنہ ہمیشہ اُن کے رہنے سہنے کی جگہ وہ کشتی یا جہاز ہے یہ لوگ مسافر کہلا دیں گے یا مقیم۔ ان مسئلہ میں یہاں علماء دو فوق ہو گئے۔ خریق اول یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک اپنا ملک چھوڑ کر رہیں گے کشتی یا جہاز میں مسافر کہلائیں گے اور احکام سفر کے اُن پر جاری ہوں گے کیونکہ اُن کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کشتی یا جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور جس جگہ لنگر انداز ہوتے ہیں وہ بھی کوئی نیت اقامت کرنے کے لائق جگہ نہیں ہے اور اگر شہر مولین میں اقامت کی نیت کریں یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ شہر میں یعنی کنارہ خشکی میں نہیں رہتے ہمیشہ دریا میں رہتے ہیں یہ نیت اُن کی کیونکہ صحیح ہوگی پس یہ لوگ ہمیشہ مسافر ہیں مقیم نہیں ہو سکتے۔ اور خریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جب نیت اقامت کی کریں صحیح ہے جب وہ ارادہ کریں ایک برس یا دو برس اس شہر مولین میں رہنے کا اور اسی شہر کے پتہ سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے اور وہ ندی جس میں وہ لوگ کشتی یا جہاز رانی کرتے ہیں شہر کے تحت میں ہے جب یہ لوگ شہر کے قریب ندی میں لنگر انداز ہو کے رہتے ہیں گویا شہر میں رہتے ہیں گویا کہ ان کا وطن اقامت شہر مولین ہے جس پتہ سے ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہے پس نیت اقامت ان کی صحیح ہے اگر چہ یہ لوگ جہاز یا کشتی میں اکثر وقت رہیں یہ لوگ مقیم ہیں جب تک ملک جلنے کا ارادہ نہ کریں۔ فقط۔ اب آرزو ہے کہ حضور اس مسئلہ کو کچھ دیلوں کے ساتھ فیصلہ فرما کر سرفراز فرماویں۔ ۹

**الجواب۔** فی الدلائل المختارۃ لا ینوی اقامۃ نصف شہر بموضع واحد صالح نہامن مصر او قریۃ او صحراء داننا و هو من اہل لا خبیۃ فی قصہ ان نوی الاقامۃ فی اقل منه ای من نصف شہر او نوی فیہ لکن فی غیر صالح کجو و جزیرۃ الخ فی المختار فیہ لہ کجوال فی المختار فیہ لہ مسافر الا عند الحسن و سفینۃ ایضا لیست بوطن الا بحوزہ ظاہرہ و لو کان مالہ و اہلہ معہ فیہا

شعراً یتہ صریحاً فی المعراج۔ ج ۳۳ ص ۳۰۰ فی الدر المختار بخلاف اہل الاخیۃ کعرب و ترکمان نووا  
 فانہا تصح فی الاصحوب یمیفی اذ کان عندہم من الماء والکلاء ما یکفہم حمد تھالان  
 الاقامۃ اصل فی رد المختار قولہ کعرب المناسب قول غیرہ کاعراب لما فی المغرب ۱۱ الذین  
 استوطنوا المدن والقری العربیۃ والاعراب اہل البد ووفیہ قولہ لان الاقامۃ اصل  
 علۃ لقولہ فانہا تصح ای نیتہم الاقامۃ قال فی البحر وظاہر البد اعران اہل الاخیۃ  
 لا یتحاجون الی نیتۃ الاقامۃ فانہ جعل المفاد للہم کلام مصاد والقہ کاہلہما الخ۔  
 ج ۳۵ ص ۳۰۵ فی العالمگیریۃ الصحیح ما ذکرانہ یتعبر بمجاوزۃ عمران المصر لا غیر الا اذا  
 کان ثمرۃ قریۃ او قری متصلۃ بربض مصر فحینئذ یتعبر بمجاوزۃ القری بخلاف القریۃ  
 الی تکیون متصلۃ بفناء المصر فانہ یقصر للصلوۃ وان لم یجاوز تلك القریۃ کذا  
 فی المحيط ج ۱ ص ۳۰۰ وفيہا ولا یصیر مقیماً ببنیۃ الاقامۃ فیہا (ای فی السفینۃ) وكذلك  
 صاحب السفینۃ والملاح الا ان یکون السفینۃ بقرب من بلدتہ او قریۃ فیہ یکون  
 مقیماً باقامتہ الاصلیۃ کذا فی المحيط وفيہا عن العتابیۃ ولو کان مسافراً وشرع فی  
 الصلوۃ فی السفینۃ خارج المصر فخرجت السفینۃ حتی دخل المصر یتوار بکاذا فی التکا  
 خانیۃ ج ۱ ص ۳۰۰۔ ان روایات سے آموزیدیل استفاد ہوئے :- (۱) کشتی یا جہاز خود موضع  
 صالح لاقامۃ نہیں اگرچہ مال واپل بھی پاس ہو پس اُس میں قامت کی نیت کرنے سے مقیم نہ ہوگا اگر  
 اُس کے قبل اُس پر شرعاً وصف مسافر کا صادق آچکا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا البتہ اگر ابھی مسافر شرعاً  
 نہیں ہوا تو اقامت اصلییہ سے وہ مقیم رہے گا نہ کہ اقامت فی السفینۃ سے۔ (۲) البتہ جس کشتی یا  
 جہاز پر لنگر انداز ہوتا ہے وہ کنارہ اگر کسی شہر یا قریہ سے متصل ہے یعنی شہر سے وہاں تک سلسلہ آبادی  
 کا متصل چلا آتا ہے درمیان میں کھیت یا باغ یا کوئی بڑا میدان و جنگل حاصل نہیں تو وہ کنارہ بھی حکم مصر  
 میں ہوگا اس صورت میں وہاں نیت اقامت کی معتبر ہو جاوے گی کما فی المصر والقریۃ۔ اور اگر اس  
 طرح سے متصل نہیں ہے تو وہ حکم مصر میں نہ ہوگا اور وہاں نیت اقامت کی معتبر نہ ہوگی۔ کما فی رد المختار  
 اراد بالعمائر ما یشتمل بیوت الاخیۃ لان بہاء عمائر موضعہا قال فی الامداد فیہ شرط  
 مفارقتہا ولو متفرقۃ وفيہ یشترط مفارقتہ ما کان من توابع موضعہ الاقامۃ کرہض  
 المصر وهو ما حوال بلدینہ من بیوت و مساکن فانہ فی حکم المصر و کذا القریۃ المتصلۃ  
 بالربض فی الصحیح بخلاف البساطین ولو متصلۃ بالبناء لانہا لیست من البلدۃ

وہو سکنا اہل البلدۃ فی جمیع السنۃ اذ بعضہا ولا یعتبر سکنی الحفظۃ والا کثر اتفاقاً  
اصلہ ادبیہ ص ۱۳) ان ہی روایات سے دلائل قائلین کو یہاں عملاً صالحاً لاقامتہ کا جواب بھی نکل  
آیا کہ محض شہر کے تحت یا تعلق میں ہونا اس کے لئے کافی نہیں جب تک آبادی کا اتصال نہ ہو ورنہ شاید  
کوئی اہل اجنبیہ کی حالت سے اس پر استدلال کرنے لگے تو اہل اجنبیہ کی حقیقت مذکورہ فی الروایات  
السابقہ کے معلوم ہونے کے بعد وہ استدلال بھی نہ رہے گا کیونکہ اہل اجنبیہ کا کوئی گھر ہی نہیں رہتا  
بخلاف ان کے خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں جب تک کہ اس کے ٹھکانے  
ہونے کا موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔ ۸۔ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ۔ (تمتہ رابعہ ص ۱۸)

جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی | سوال (۵۰۹) ایک نو مسلم عورت ہے اپنے خاوند ہندو کو چھوڑ کر  
ذہلے پہلا وطن چلی آئی ہے۔ مسلمان ہو گئی ہے گھر بار سب چھوڑ دیا ہے اپنا وطن اصلی اُس نے کوئی  
قائم نہیں رکھا۔ دس دن کہیں پندرہ دن کہیں سنگی کے تھان فروخت کر کے گزر کرتی ہے کئی ج جی کئے  
وہ دریافت کرتی ہے کہ جب کہ میرا کوئی وطن اصلی نہیں تو میں ہمیشہ نماز قصر کروں اور وطن اقامت  
ہی میں پوری نماز ادا کروں یا جیسے ارشاد ہو۔ ۹

الجواب۔ فی الدرس المختار لوطن الاصلی یبطل بعثلہ لا غیر۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ  
جب تک وہ کسی تھام کو اپنا وطن اصلی نہ بناوے اُس وقت تک اُس کا وطن اصلی سابق اصلی رہے گا۔  
پس وہاں پہنچ کر تمام واجب ہے اور وہاں سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دُور کی نیت سے  
چلی ہے اگر تین منزل کے قصد سے چلی ہے قصر کرے گی ورنہ تمام۔ ۱۸۔ شوال ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۳۹)

سوال (۵۱۰) ایک شخص نے جس کا مکان سکونت اُس کی زادبوم وطن اصلی میں ہے اسکی زوجہ  
اولیٰ و دیگر اعز او اقربان اس کے سب وہیں ہیں دوسرے شہر میں فقط زوجہ ثانیہ کے قیام و سکونت کے لئے  
مکان بنایا چند سال کے رہنے کے بعد باعث ناموافقت آب و ہوا و مبتلا بامرض رہنے زوجہ ثانیہ کے وطن  
زادبوم میں اپنی زوجہ ثانیہ کو لیجا نا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کر دیا یعنی اسباب خازناری  
بھی اب تک وہیں ہیں اور زوجہ ثانیہ کا پھر اس دوسرے شہر میں آنا بھی اس دم تک مشکوک ہوا ایسے  
حال میں وہ شخص اگر دو ایک دن کے لئے کسی ضرورت سے یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اُس شہر  
میں مسافت طے کر کے آئے تو اُس کو قصر کرنا ہو گا یا چار رکعت پوری فرض ادا کرنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں  
جو قول محقق و مفتی بہ ہند بہب حنفی ہو مع نقل عبارت معتبرات رقم فرمایا جاوے۔ بینوا ایہا  
العلماء الکرام احسن اللہ جزاکم ھویم العیام۔ ۹

**الجواب**۔ فی المختار قال فی النہر ونونقل اہلہ ومتاعہ ولہ دور فی البلد لا تبقی وطنالہ وقبل تبقی کذا فی المحيط ۱ھ ج ۱ ص ۸۶۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نزل قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدیر اور بحر الرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیل بھی نقل کی ہیں اور فتح القدیر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے چنانچہ اس صورت میں امام محمدؒ کا قول ہذا حلی وانا اری القصر ان نوی ترک وطنہ نقل کر کے لکھا ہے الا ان ابایہ سعت کان یتوہا لکنہ یجلی علی انہ لہ ینوترک وطنہ ۱ھ۔ خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اُس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے جس طرح پہلے رہتا تھا تب تو وطن نہ رہتا ہاں جا کر قصر کرے گا جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اس طرح رہنے کا ارادہ ہو تو وہ بھی وطن ہے پس اس شخص کے دو وطن ہو جاویں گے۔ (مجموعہ ۳۳۳ ص ۱۰۰)

**سوال (۵۱۱)** صلوٰۃ فی السفینہ میں فقہاء کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم صلوٰۃ بر سفینہ مربوطہ غیر مستقرہ مربوطہ غیر مستقرہ میں نماز بشرط امکان خروج ناجائز ہے اور بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ بعض وقت کنارے پر مکان بھی موجود ہوتا ہے اور بعض جگہ آبادی نہیں ہوتی تو دھوپ کی شدت یا کسی جگہ کچھ ہو جاتا ہے تو خروج کا امکان تو ہوتا ہے مگر تکلیف و تکلف پس امکان سے کیا مراد لیا جاوے۔ اور بعض اہل علم کو اکثر مربوطہ میں نماز پڑھتے دیکھا گیا غالباً اُن کا عمل ہدایہ وغیرہ کی روایت پر رہا ہو۔ اس میں قول فیصل کیا ہے اور گنجائش کی حد تک ہے۔ اگر کوئی سفینہ مربوطہ مستقرہ علی الارض میں قائم نماز ادا کر چکا ہے یا اب کرتا ہے تو اس کی نماز بالکل ناجائز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ اختلافات میں قول فیصل کون لکھے اس لئے اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ جواز اوسع و ارفق ہے اور منع احوط ہے اگر کوئی احوط پر عمل کرے تو اعادہ میں قلیل تک احتیاط بہتر ہے کیونکہ تکلیف بالایطاق ہے اور امکان مقابل تحذیر کا ہے اور تفسیر کو بھی شامل ہے۔ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ۔ (تمتہ ثانیہ ص ۹۷)

**سوال (۵۱۲)** پٹری پر بوجہ کثرت آدمیوں کے جگہ نہیں ہے محل سجدہ در ریل وغیرہ کہ دوسری پٹری پر سجدہ ہو سکے مثلاً وہ لوگ دوسرے فرقہ کے ہیں کہنے سے جگہ دیں یا نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے یعنی اُن درخواست کی جاوے یا نہ کی جاوے اگر نہ کی جاوے یا مانگنے سے بھی وہ لوگ جگہ نہ دیں یا ایسی گنجائش ہی نہ ہو

تو نماز اشارہ سے پڑھی جاوے یا کیا۔؟

**الجواب۔** درخواست کی جاوے اور جب جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو پھر سجدہ اشارہ سے کر لے۔ ۱۸۔ محرم ۱۳۳۲ھ۔ (حوادث رالبعہ ص ۶۲)  
اعتبار مسافت در سفر و عدم | سوال (۵۱۳) ہمارے مکان سے چائیکام شہر خشکی کی راہ سے تین دن اعتبار وقت بسر کرتے ہیں | کی راہ ہے اس طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے لیکن اسی عمر ہی چند سال سے چلتا ہے جہاز دہانی پر سوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے سو اگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چائیکام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں۔؟

**الجواب۔** ہاں قصر کیا جاوے مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جاوے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے۔ ۲۰۔ صفر ۱۳۳۲ھ۔ (حوادث رالبعہ ص ۶۲)  
تحقیق جواز نماز دہوائی جہاز | سوال (۵۱۴) ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو خواہ چلتا وقت طیران ہو یا ٹھیرا ہو اس میں نماز فرض جائز ہے یا نہیں۔؟

**الجواب۔** فی رد المحتار (ای السجود) لغة الخضوع قاموس وفسر لا في المغرب بوضع الجبهة في الارض وفي البحر وحقيقة السجود وضع بعض الوجہ علی الارض الخ ج ۱ ص ۴۶ وفيه تحت قول الدر المختار وان لم يجد حجوا الارض مانصبه تفسيره ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك فصحة على طنفسه وحصابه وحنطة وشعير وسرير ومجلة ان كانت علی الارض لا علی ظهر حیوان كبساط مشدود بین اشجار الخ۔ ج ۱ ص ۵۲۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہ یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز مستقر علی الارض ہو وہ بتما حکم ارض ہو۔  
اس مسئلہ میں اقوال فقہار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھے مگر پھر اس کا اعادہ لازم ہو، بحر الرائق میں ہے فی الخلاصۃ وفتاویٰ قاضی خان وغیرہما الا یہ فی یہ العرواذا منعا لکافر عن الوضوء والصلوۃ یتیم ویصلی بالایمان ثم یبید اذا خرج الی قولہما المحجوس لان طہارۃ التیمم لم تظهر فی منہ وجوب الاعادۃ (ثم قال) فعلم منہ ان الحذر ان کان من قبل اللہ تعالیٰ لا تجب الاعادۃ وان کان من قبل العبد وجبت الاعادۃ (مجموعہ ج ۱ ص ۱۳۹)  
اسی طرح اگر ریل میں جگہ کم ہو تو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھے، لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہو گا۔ ۱۲۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ

دو شرط سے ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطہ بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جائز نہ ہو کیونکہ جائز میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہو وہ مثل جمادات کے تابع للارض نہیں ہو اسی لئے حیوان پر بلا عذر جائز نہیں اور سریر و عجلہ وغیر میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے اُس پر جائز ہے پس یہاں چار چیزیں نکلیں۔ ارض۔ سریر۔ عجلہ وغیرہ بساط مشدود و مثله حیوان۔ اولین پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز الا بعد فی الحيوان۔ بعد اس تہید کے سمجھنا چاہئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے اب دو احتمال رہ گئے۔ ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو۔ دوسرے یہ کہ مثل حیوان کے ہو تو گویا ہر مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بواسطہ ہوائے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الارض ہو مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو اُپر مستقر ہے اور نہ ہوائے ارض پر مستقر ہے چنانچہ ہوا کا میلان الی المحيط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اور چسپے اور ہوا کا ماہہ رقیقہ بھی جہاز کے نقل کا معادق نہیں ہو سکتا چنانچہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے پس وہ حقیقتہً ارض پر غیر مستقر ہو اور حیوان جو کہ حقیقتہً مستقر تھا مگر حکماً مستقر نہ تھا جب اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقتہً غیر مستقر ہے کس طرح نماز جائز ہوگی۔ اکا بعد رہ معتبر فی الصلوٰۃ علی الحيوان۔ حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذر دلوں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے اگر وہی عذر پائے جادو یا شلائز دل میں خوف ہلاک وغیرہ ہو یا نزول پر قادر نہ ہو (اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کے لئے ہے جو کہ اُس کے اتارنے یا ٹھہرانے پر قادر ہیں متحقق نہ ہوگا) تب تو اس پر نماز جائز ہے اور بدوٰں ایسے عذر کے جائز نہیں (دفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔

(تنبیہ) یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے علماء سے اُمید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہ نصیح دین احقر مجیب کو مطلع فرماویں۔ سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اُس کو شائع کر دوں گا۔

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ - (حوادث رابعہ ص ۷۷)

سوال (۵۱۵) برہنہ ہوائی جہاز در حالت طیران او دیار وقوف او در ہوا سجدہ کر دن یا نماز فرضی خواند

جائز است یا نہ - بینوا تو جرد - ۹

الجواب - واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب - قال العلامة القمہستانی فی شہرہ مختصر الوقایۃ والسیود لغتہ هو الخنوع وشرعاً وضع الجبہ علی الارض وغیرہا انتہی - وفي الحج

شرح الکنت تحت قوله وکذا باحد هما وکبر عمامة من فصل اذا اراد الدخول فی الصلوة  
فی اثناء ما بسطه والا صل انه كما تجوز السجدة علی الارض تجوز علی ما هو معنی الارض  
ما تجدد جبهته حجه وتستقر علیه وتفسیر وجد ان الحجة ان الساجد بوالغ  
لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك انتهى وفي الوقایه فی اخر باب صفة الصلوة فان  
سجد علی کبر عمامة او فاضل ثوبه او شئ یجد حجه وتستقر علیه الجبهة جاز  
وان لم تستقر لا یجوز انتهی - فالمرکب الهوائی ان کان مرکبا من اشیاء صلبة  
بحیث تستقر علیه الجبهة ولا تتسفل بالانشیل تجوز السجدة علیه والظاهر ان  
ملحق بالدابة کالسفینة السائرة والموقوفة بالشط الغیر المستقر علی الارض  
فانها ملحقة بالدابة كما یتفاد من ح المختار قبیل سجدة التلاوة فالصلوة للکثرة  
علی المرکب الهوائی لا تجوز بدون العذر كما هو حکم الصلوة علی الدابة والسفینة  
السائرة وهل یلزم التوجه الی القبلة ههنا كما فی السفینة او كما فی الدابة -  
والظاهر انه یلزم لان المرکب الهوائی بمنزلة البیت کالسفینة فان لم  
یمکن سیکث عن الصلوة الا اذا خاف فوت الوقت لما تقر من ان قبله العاخر  
جهة قد سرت - روم من حادثه الا ولها ذکر فی کتاب من الکتب المعتمدة  
اما بحینها او بذکر قاعدة کلیة تشتملها ۱۲ - والله تعالی اعلم - (ترجم خامس ۹)

**سوال (۵۱۶)** اس زمانہ میں جو ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے اس پر سفر کرنے میں رفتہ رفتہ  
ترقی ہو رہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سفر کو علاوہ سفر بری و بحری ایک تیسری قسم سفر ہوائی کی قرار  
دینا چاہئے یا سفر بری و بحری میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہئے جس طرح سفر ریل کا حال ہے کہ  
جس شخص نے پیدل رفتار سے شب و روز کی مسافت کو بندر لیم ریل دوڑھائی گھنٹہ میں طے کر لیا  
ہے تو اس کو مسافر کا حکم دیا جاتا ہے تو ہوائی جہاز پر سفر کرنے میں کس مسافت پر قصر صلوة کا اعتبار  
کرے یعنی تین شب و روز کی مسافت ہوائی جہاز کے اعتبار سے یا درمیان میں اگر سمندر پر پڑتا ہو تو بحری  
جہاز کی تین روز کی مسافت کا لحاظ کریں یا خشکی پر پڑتی ہو تو تین شب و روز کی مسافت پیدل رفتار  
کے لحاظ سے اعتبار کریں۔ ۹

**الجواب** - قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں محاذاة کا اعتبار ہوگا یعنی جتنا سفر بری  
کی محاذاة میں ہوا ہے وہ سفر بری کے حکم میں ہوگا اور جتنا بحری محاذاة میں ہوا ہے وہ سفر بحری کے



حکم میں ہوگا شریعت میں اس کی نظیر بھی ہے کہ حج کے جو مواقیت ہیں جو لوگ مواقیت سے دُور دور گزرتے ہیں کہ مواقیت ان کے طریق میں نہیں پڑتے وہاں مواقیت کی محاذات کا اعتبار ہے یعنی ان مواقیت کے محاذی مقامات اُن مواقیت کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۲، محرم ۱۳۵۱ھ ص۔

والنور بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ص

مسافت قصر و سفر | سوال (۵۱۷) ہوائی جہاز میں اگر کوئی مسافر کرے تو کتنی مسافت میں نماز ہوائی جہاز کا قصر کرنا چاہئے۔ ۹

الجواب جس وقت احکام شرعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں اُس وقت سفر فی البر و البحر و الجبل واقع تھا فی الہوانہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں اس لئے شریعت میں نصایہ مسکوت عنہ ہے۔ لیکن شریعت میں اس کی ایک نظیر وارد ہے پس اُس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا۔ اور چونکہ قیاس منظر ہے نہ کہ مثبت۔ اس لئے اس حکم کو بھی لوارد فی الشرع کہا جاتا ہے وہ نظیر ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں اُن میں اہل نجد کے لئے قرآن مقرر فرمایا گیا ہے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو اُن لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اہل ہاں جانے میں مشقت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اُس کے محاذی مقام کو دیکھ لو چنانچہ ذات عرق مقدّم ہوا رواہ البخاری۔ اور گو اس باب میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں مگر اول تو وہ حکم نہیں ہیں۔ دوسرے اس اجتہاد کے وقت حضرت عمرؓ کو اُس کی اطلاع دہی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس میں اجتہاد سے کام لیا چنانچہ اسی جواز اجتہاد کی بناء پر ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے کہ محسن کان فی بحار و بحر لا یمر

بواحد من المواقیت المذکورۃ فعلیہ ان یحرم اذا حاذی اخرھا و یعرف بالاجتہاد فان لم یکن بحیث یحاذی فعلی مرحلتین من مکة۔ فتح القدیر۔ پس اسی طرح یہاں اس مسافت ہوائی کے محاذی کو دیکھیں گے کہ بحر ہے یا تر یا جبل اور اس محاذی کی مسافت قصر و تکبیر کے اداسی کا اعتبار اس مسافت ہوائی میں کر کے اُس کے موافق حکم دیں گے احتیاطاً اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔ ۷، ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (حوادث خاص ص)

حکم فسخ قصر و سفر | سوال (۵۱۸) یا حضرت گھر سے چلتے وقت ارادہ دہے گا ہو جو کہ مسافت درائے سفر قصر ہے لیکن بعد کا نہ ہلنے کے جو کہ مسافت قصر نہیں ارادہ واپس گھر جانے کا ہو گیا پھر تخمیناً بعد چھ گھنٹے کے ارادہ ہو گیا کہ دہرے جاؤں گا جو کہ کا نہ ہلے سے بھی مسافت قصر ہو اس نے بعد ارادہ بدلنے کے عشاء کی نماز پوری پڑھی اور اُس وقت بوجہ غم دہرہ نہر کی قصر کی

اب اس میں کیا حکم شرع شریف ہے۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدار المختار حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر والا فلیتوجبد نية العود لعدم استحکام السفر فی رد المختار قوله ان سار قید لقوله حتی یدخل ای انما یدوم علی القصص الی الدخول ان سار ثلثة ایام ۱۲۲۵۔  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ سائل نے جو کیا ٹھیک کیا۔ ۱۲۰ رجب الثانی ۱۳۳۱ھ (تمہ غامضہ ص ۲۲۵)

**سوال (۵۱۹)** دورہ کی صورت یہ کہ پانسو چھ سو کوس کے علاقہ میں گشت کرنے کی نیت سے سفر کیا جائے گا لیکن منزل عموماً چھ سات کوس پوری یعنی چودہ یا پندرہ میں پرہیز کرے گی اور بعض مقامات پر دو تین روز قیام ہی ہوگا تمام سفر مسلسل طے کیا جاوے گا یعنی گوالیار بعد تمام گشت واپسی ہوگی کوچ و مقام سب تجویز ہو گیا ہو ایسی صورت میں نماز قصر پڑھی جاوے گی یا پوری۔ فقط۔ ۹

**الجواب**۔ نماز قصر ہوگی۔ فقط۔ ۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص ۳۲۱ ج ۱)

**سوال (۵۲۰)** سرکاری ملازم جو فہرہ کرتے ہیں ان کو نماز قصر جائز ہے یا نہیں طریق غیر معروف سے اپنی آسائش کے موافق دیہات کا دورہ وطن سے وطن تک چھتیس کوس یا تین یوم کی پوری مسافت ہو جاتا ہو اور یہی اُن کے سفر کی غایت ہے یعنی بصورت دائرہ جس میں وطن کے علاوہ کسی شہر کو غایت سفر نہیں کہہ سکتے۔ ۹

**الجواب**۔ صورت مسؤل میں قصر درست نہیں۔ ۱۵ صفر ۱۳۲۵ھ۔ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

**سوال (۵۲۱)** نماز قصر کے متعلق مجھ کو استفتاء کی ضرورت ہے اور حالت یہ ہے کہ میری ملازمت گشت و گردآوری کی ہے میں حکماً مستقر ہر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا اور صورت سفر یہ ہے کہ جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں دس کوس تک سفر کر کے قیام کا موقع ملتا ہو لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوتی حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہو کل فہرہ کی گشت کا ارادہ ہوتا ہے جس کے اندر دس گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولاً چالیس میل ضرور ہوگی اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ شراستی میل سے زائد ہی مسافت ہوگی پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں جبکہ مجھ کو بارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور

طبع اول میں اس جگہ قصر درست ہونے کا حکم مذکور تھا لیسح الاغلاط ص ۱۱۵ اس سے جرح فرمایا اس کے موافق یہاں نقل کیا گیا اور مزید توضیح اس کی تمہانہ امداد الفتاویٰ ص ۱۱۵ میں مذکور تھی جس کو اسکے نیچے نقل کر دیا گیا ۱۲ محمد شفیع :

اُس کے مفصلاتی چکیوں پر مجھ کو گشت کے لئے بصورت معروضہ صبر و گردآوری و گشت کو وسط  
مسافر کرنا ضروری ہے۔ ۹

**الجواب**۔ قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچا جائے پڑھنے  
کو واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا  
جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اُس مقام کو منتهیاب، سفر کیا  
جاوے گا۔ اور مستقر سے اُس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی اگر وہ مسافت قصر ہو گا تو قصر  
کیا جاوے گا جبکہ دوسرے شرائط قصر بھی پائے جاویں اور اگر وہ مسافت قصر پر نہ ہو گا تو قصر نہ ہو گا  
جبکہ دوسری شرائط تمام کی بھی پائی جاویں مثلاً دائرۃ ذیل میں۔ **(ب)** نقطہ (۱) مستقر ہے اور  
(ب) تک پہنچ کر پھر (۱) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتهی سمجھا جاوے گا اور اس میں وہی  
تفصیل بالا جاری ہوگی اگر (ب) مسافت قصر ہو تو ہر حال قصر ہو گا اور اگر (ب) مسافت قصر  
پر نہیں ہو تو اُس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر مستقر پر حکم شرعی یہ تمام کرنا ہو تو پھر اس محیط کے سفر میں  
قصر نہ کیا جاوے گا اور اگر مستقر تمام نہیں کیا جاتا تو پھر شام سفر میں قصر ہو گا نہ اس وجہ سے کہ منتهی  
قصر ہو بلکہ اس وجہ سے کہ ہنوز یہ شخص مقیم نہیں ہوا مجھ کو یاد پڑتا ہو کہ میں نے اس کے قبل اور طرح سے  
فتویٰ دیا ہے یعنی مستقر سے قبل کے ایک مقام کی مسافت کا اعتبار کیا ہو اور اُس کا منتهی سفر کتنا دیا  
ہے کیونکہ اُس کے بعد تو مستقر ہی کا قصد ہو مگر اس وقت قواعد سے یہ حکم مذکور اقرب معلوم ہوتا ہے لہذا  
ضروری ہے کہ اس کو دوسرے علماء سے بھی یا مدرسہ دیوبند و سہارنپور سے تحقیق فرمایا جاوے اور میری  
یہ تحریر بھی پیش کر دی جاوے۔ ۱۰ صفر ۱۳۳۱ھ۔ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳)

**سوال (۵۲۲)** زید وطن سے مظفر نگر کا عازم ہو کر چلا اور قصد ہے  
بصورت عدم قطع مسافت قصر  
کہ دو یوم میں واپس ہو جائے گا وہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ  
سہارنپور ہو آئے اور سہارنپور سے واپس میرٹھ ہو لیا میرٹھ سے مظفر نگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفر نگر  
سے سہارنپور ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر ہے پس سفر کے دو ٹکڑے علیحدہ و مستقل نیت سے مظفر نگر سے والی  
کے وقت سفر میں گئے یا نہیں یعنی سہارنپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر کا حکم ہو ہی گا مظفر نگر سے  
سہارنپور تک بھی حکم سفر ہو گا یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدار المختار ومن طاعت الدنيا بلا قصد لہر یفصح فی رد المختار قولہ

۱۰ جواب امداد الفتاویٰ مجتہد فی صفحہ ۸۵ میں چھپا ہے۔ اب اس جواب پر وثوق نہ کریں ۱۲ منہ ۹

بلا قصد بان قصد بدلة بينه وبينها يومان فلما بلغها بدلة ان يذهب  
الى بدلة بينه وبينها يومان وهلم جرا قال في البحر وعلى هذا قالوا امير خرج  
مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم اين يدركهم فانه يتعوان طالت المدة  
او المثلث اما في الرجوع فان كانت مدة سفره قصرا ١٨ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ  
شخص مظفر نگر سے سہارنپور جاتا ہوا قمر نہ کرے گا اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قمر کرے گا نہ قطع  
۱۸ صفر ۱۳۲۵ھ - (۱ امداد ص ۸۵ ج ۱) طریق انکار کا سبب مقتدی یا مسافر [یہ حد تک ۱۹۱۹ء ۲۸ مارچ ۱۹۲۰ء  
(ترجمہ ثانی ۱۹۱۱ء)]

## حکم فوت سجدہ

سوال

حکم فوت سجدہ

سوال (۵۲۳) اگر نماز میں ایک سجدہ بھول جاوے تو کیا کرنا چاہئے۔ بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں۔ ۹ اور مقیم نے مسافر کی اقتداء قعدہ اخیرہ میں کی تو اب یقیناً مسبوق کس طریقہ سے نماز ادا کرے۔ ۹ اور معصوم بچے کی یعنی نانا بچ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام زبیر تو کیا اس میں نماز ہوئی یا نہیں۔ ۹

پھر اولیائے میں مارہوں یا نہیں  
الجواب۔ جب یا آوے اُسی وقت ادا کر لے پھر جس رکن سے اس سجدہ میں آیا ہے اُسی کی  
طرف چلا جاوے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ فی حق المختار عن شرح المینیۃ لوترک سجدۃ ثمن  
رکعة ثمرت ذکرہا فیما بعد ہا من قیام اور کوع اور سجود قاسم تقصیہا ولا یقضی ما فیہ  
قبل قضاءہا لما ہو بعد رکعتہا من قیام اور کوع اور سجود من یلزمہ سجود السہو۔ فقط لکن اختلف  
لنہ و ہم قضاء ما تذکرہا فقضاہا فیہ ففی الہدایۃ انہ لا یجب اعادۃ بل تستحب فی الخانیۃ  
انہ یعید والا فسدت صلوٰۃ ومثلہ فی الفتح والمعتد ما فی الہدایۃ فقد خرم بہ فی  
الکذوب وغیرہ باب الاستیخلاص وصرح فی البدر یضرب ما فی الخانیۃ ہذا  
انتمی۔ ملتقاً۔ دیکھ سکتا ہے۔ فی الدر المختار وینعہ زوجہا من  
غسلہا ومسہا لامن النظر الیہا علی الاصح مذہب۔۔۔ اور قبر میں  
آمارا نجس محارم نہ ہوں زوج کو درست ہو۔ کان۔ مس من حائل۔ یہ مقیم بدر سلام امام کے کھڑا  
ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جاوے سجدہ سہو بھی واجب نہیں بعد  
قعدہ کے پھر دو رکعت مع فاتحہ و سورت کے پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جائے سجدہ سہو  
کرے۔ فی الدر المختار صلوٰۃ الجنائزۃ و رکعہا شیئان التکبیرات الاکابرۃ والقیام  
وسننہا ثلثۃ التعمید والثناء والدعاء فیہا اے۔ روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام بھیجا  
فرض نہیں لہذا نماز ہو گئی۔ فقط والشرع علم۔ ۲۷ شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد جلد اول ص ۲۹)

# رسالہ نافع الاشارة الى منافع الاستخارة

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

خط اول مع جواب

سوال (۵۲۴) بخد مت شریف عالی جناب محلی القاب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دایم ظلم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہاں اس علاقہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں میرے بھتیجے ہیں اور ہزاروں آدمی تلاش کرتے ہیں اور ہر سال ایک دو میرے بھتیجے ہیں ہاؤس کی حوس میں میری تلاش کے جلتے ہیں اور بہت سے آدمیوں کو ملے ہیں۔ لہذا گزارش ہو کہ سات روز استخارہ کر کے اگر دل رجوع ہو تو میرا ڈھونڈنے اس جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ میرے ضرور ملیں گے۔

تتمہ سوال۔ اور میرا ڈھونڈنے جانے کے لئے استخارہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے۔

خط ثانی مع جواب

سوال۔ بخد مت شریف عالی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دایم ظلم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ ہمدست ہوا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ میرے ضرور ملیں گے) جو اب عرض ہے اگر دل رجوع ہو تو امید رہتی ہے کہ میرے ملیں گے اگر خدا نے چاہا۔

جواب۔ السلام علیکم۔ یقینی امید یا مشکوک۔

تتمہ سوال۔ پھر آپ نے لکھا ہے کہ (استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے) جو اب عرض ہے کہ میری غرض یہ ہے کہ استخارہ سنت ہو اور استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہو اور کام میں کامیابی ہوتی ہو۔

جواب۔ بالکل غلط یہ اعتقاد کامیابی کا تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے۔

تتمہ سوال۔ اگر کام پورا نہ ہو تب بھی قیامت میں اس کا ضرور ثواب ملے گا یہ اعتقاد ہے؟

جواب۔ استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے یعنی خصوصیت استخارہ کا۔ اور اس میں دعا

ہونے کی حیثیت سے کلام نہیں۔

## خط ثالث مع جواب

سوال۔ بخد مت شریف عالیجناب معلی القاب نورشید رکاب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو یقینی تمید رہتی ہو یا مشکوک) جو اباعرض ہے کہ اس جیسے مسئلے کے اعتقاد رکھنے کا خلاصہ مول کا حکم ہوا ہے رکھنا چاہتا ہوں۔ مطلع فرمادیں۔

جواب۔ یقینی تمید کی کوئی دلیل نہیں شرہ کامرتب ہونا مشکوک ہی رہتا ہے اور درجہ شک میں بھی استخارہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ قبل استخارہ جیسا کہ مشکوک تھا وہی مشکوک رہتا ہے۔  
تتمہ سوال۔ دیگر آپ نے میرے اس لکھنے پر کہ استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہو اور کام میں کامیابی ہوتی ہو یہ لکھا ہے (بالکل غلط یہ اعتقاد تم نے کہاں لکھا، کیا ہے) جو اباعرض ہے کہ آپ بہشتی زیند میں لکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی کام کرے تو بھی استخارہ لکھے بغیر نہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی، اب پشیمانی نہ ہونا تو کام کے کامیاب ہونے پر ہی ہوگا ورنہ پشیمانی ہی ہوگی۔

جواب۔ غلط بلکہ اُس دعا کی یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر کامیابی بھی نہ ہو تو اس لئے پشیمانی نہیں ہوتی کہ کامیابی ہی نہ ہونے کو خیر سمجھے گا جیسا کہ اہل تفویض کا مسلک ہے کہ جو حال پیش آوے اُس کو مصلحت سمجھتے ہیں۔

تتمہ سوال۔ میں نے لکھا تھا استخارہ کرنے سے قیامت میں ضرور ثواب ملے گا۔ آپ نے اس جملہ پر لکھا ہے کہ (استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے) جو اباعرض ہے آپ نے بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ حدیث شریف میں استخارہ کی بہت ترغیب آتی ہے تو جس کام کی حضورؐ نے ترغیب دی تو اس کام کے کرنے سے قیامت میں ثواب ملے گا یہ سمجھ کریں نے یہ لکھا ہے کہ (قیامت میں ضرور استخارہ کا ثواب ملے گا)۔

جواب۔ اس ہی کی کیا دلیل ہے حدیث میں تو دعا کرنے کی بھی ترغیب ہو مگر اُس میں ثواب کا کوئی بھی قائل نہیں وجہ یہ کہ وہ موضوع نہیں ثواب کے لئے بلکہ دنیوی مصلحت کے لئے موضوع ہے اسی طرح استخارہ بھی مصلحت دنیویہ کے لئے موضوع ہے اور ثواب اُس میں جوتا ہے جو مصلحت دینیہ کے لئے موضوع ہو باقی نیت سے ثواب مل جاتا یہ اور بات ہے اس طرح تو اکل و شر میں بھی ثواب ہے مگر اس سے وہ عبادت میں جبہ ثواب نہیں بن جاتا۔

تتمہ سوال - استخارہ کے بارہ میں میں آج قریباً گیارہ ماہ سے آپ سے استفسار کر رہا ہوں براہ  
ہر بانی مطلع کریں۔ ہمیشہ استخارہ کر کے معاملہ کرنا ٹھیک ہی یا نہیں؟

جواب - ہاں ٹھیک ہے مگر اس معاملہ میں یہ قید ہے کہ اس میں احتمال نفع و ضرر دونوں  
کا ہوا اور جو عادت یا شرعاً یقیناً نافع ہو یا یقیناً مضر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کیلئے  
استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کے لئے استخارہ  
کرنے لگے یا کسی اپانج عورت سے نکاح کرنے کے لئے استخارہ کرنے لگے۔

تتمہ سوال - کیونکہ آپ کے آخری خط سے دل کو فدا عطا جان ہو آپ نے لکھا کہ دکا میا بی  
کے ہونے کا اعتقاد غلط ہے اور ثواب کا ملنا بھی کہاں لکھا ہے بے ادبی معاف اب سوال یہ رہا کہ  
پھر استخارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جب دکا میا بی بھی نہیں ہوتی پھر اور ثواب بھی نہیں ملتا ہے؟

جواب - استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو  
متوجہ کر دے اور اس میں میرے لئے خیر ہو ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اسکو  
تجویز کر دے۔ سو اس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اس کے اختیار کرنے کو فلاحاً خیر سمجھنا  
چاہئے خواہ دکا میا بی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں اور ناکامی کا خیر ہونا باعتبار اس  
کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے اور استخارہ  
نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطا ہی ہو جو عطا دے پس استخارہ کا ناکامی  
ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطا ہوگی۔ اور استخارہ اور عدم استخارہ کے ان آثار میں وجہ فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد  
اگر وہ مؤثر ہو تو قلب ہمیں ایسی چیز دکا دے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ کے ایسی چیز  
آنے کا بھی احتمال ہے کہ فدا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہو سکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے  
احتیاطی سے اس کو اختیار کر لیا تو اپنے ہاتھوں جب مغرت کو اختیار کیا جاوے اس میں دعا خیر  
کا نہیں۔

تتمہ سوال - میں ہر معاملہ اکثر استخارہ کر کے کیا کرتا ہوں مجھے ہمیشہ استخارہ کر کے معاملہ کو بہتر  
کا میا بی ہوئی ہے مگر اس سال پہلی کی تخم کے معاملہ میں خسارہ ہوا ہے؟

جواب - اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ  
ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

تتمہ سوال - جس کو میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں؟

**جواب**۔ غلطی کی تقریر کرنا چاہئے تھا۔

**تتمہ سوال**۔ اب آپ جیسا حکم دیں گے کروں گا اب آپ براہ مہربانی مطلع فرمادیں۔

**جواب**۔ میرا کام حکم دینا نہیں حقیقت بتلانا ہے جیسے طبیب دوا کی خاصیت بتلاتا ہے حکم نہیں دیتا کہ ہویا نہ ہو مریض سمجھ کر خود اپنے لئے ایک راہ تجویز کرے۔

**تتمہ سوال**۔ ہر کام میں اند کوئی مال فروخت کرنے اور خریدنے میں استخارہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں

**جواب**۔ اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی ہاں ٹھیک ہے الخ۔

**تتمہ سوال**۔ استخارہ پر کیسا اعتقاد رکھنا استخارہ سے کیا غرض رہنا (اعتقاداً)

**جواب**۔ اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی استخارہ ایک دعا ہے الخ۔

**تتمہ سوال**۔ باقی استخارہ کیسے کرنا یہ تو آپ نے بہشتی زیور میں بتلادیا ہے۔

**جواب**۔ ہاں مسنون طریقہ وہی ہے (نعمت رسالہ نافع الکاشف) رجب الاول ۱۳۵۲ھ

(النور) بابتہ ماہ شعبان ورمضان و شوال ۱۳۵۲ھ

# بَاب

## صَلَاةُ الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ

**سوال (۵۲۵)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس جو ارمیں دعا بعد از خطبہ عید دعا عظمیٰ عید یہ معمول ہے کہ بعد خطبہ عید کے نہر سے اتر کر مصلیٰ پر بیٹھ کر بعض بعد صلوۃ عید

دعا مانگتے ہیں۔ یہ فعل شرعاً کیسا ہے۔ بینوا تو جروا۔ ؟

**الجواب**۔ کہیں ثابت نہیں۔ اگرچہ دعا ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی

ہے۔ البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دبر الصلوۃ اوقات اجابت دعا بھی ہے۔

بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اُس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے اور قابل احتراز۔

وہذا کلہ ظاہر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد ص ۳۳۷ ج ۱)

یعنی نماز کے بعد حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد دعا

قبول ہوتی ہے ۱۳ مد شفع عفا اللہ عنہ ؟



**سوال (۱۵۲۶)** ایک مولوی صاحب یہاں تشریف لائے اور عید الاضحیٰ کی نماز انھوں نے ہی پڑھائی اور نماز سے پیشتر عید گاہ میں وعظ فرمایا بعد نماز بغیر دعا مانگے خطبہ پڑھا اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا نہ مانگی اس پر لوگ بہت بہم ہوئے۔ مولوی صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا۔ میں نے سکوت کیا اور یہ خیال کر کے کہ آجنا ب سے اس کے متعلق دریافت کر کے کچھ کہوں گا اب تک جواب نہیں دیا۔ اب جیسا ارشاد ہو ویسا عمل میں لایا جائے۔ تیز لوگوں نے مولوی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا کہ جب دعا مانگنی تاجا ہے تو عید گاہ میں وعظ کہنا کب جائز ہے۔ پس اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیے کہ وعظ کہنا عید گاہ میں نماز سے پہلے جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ مولانا نے خطبہ سے فارغ ہو کر یہ فرمایا تھا کہ دعا مانگنا نماز عید اور خطبہ کے بعد صحابہ تابعین تبع تابعین سے منقول نہیں اس لئے بغرض اتباع دعا نہ ماننی چاہئے۔ اس پر ایک صاحب نے حدیث پیش کی اور کہا کہ منقول ہو اور اس حدیث سے ثابت ہے۔ عن ام عطیۃ قالت امرنا ان نخبر الحیض یوم العیدین وذوات الخدود فی شہدن جماعة المسلمین ودعوتہم وتعتزل الحیض عن مصلاہن قالت امرأتہ یا رسول اللہ الخ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین۔ دعا متنازعہ فیہ کے بارے میں لفظ دعوتہم سے استدلال کیا پس دریافت طلب یہ ہے کہ یہ استدلال ان کا صحیح ہے اگر صحیح نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔؟

**الجواب۔** واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور دعوتہم سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی عمل کی تصریح نہیں کہ یہ دعا کیسے پڑھتی ہے پھر عمل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین براس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداء کا بھی مشکل ہے کیونکہ عموماً نصوص سے تفصیلت دعا بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہو پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ ایسا اہم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے۔ رہا وعظ کہنا چونکہ یہ بالاتزام نہیں ہوتا اس کے جواز کے لئے دلیل منع کی نہ ہونا کافی ہے۔

۱۷ رزی الحجۃ ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثالث ص ۱۲)

**سوال (۵۲۷)** بعد نماز عیدین کے یا بعد غلطے کے دعاء مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہو تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعاء مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے انتہی۔ لہذا نبی بہشتی گوہر اور الرشید جمادی الاولیٰ ۳۳۲ھ ص ۲۱۰ تحت فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے اور دعاء مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے لعدم الادلة الشدھی ما التوفیق فیما بینہما۔ ۹

**الجواب۔** اول میں نفی نقل جزئی کی ہے ثانی میں اثبات کلی سے ہے فلا تعارض۔ لیکن مانع میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے وہی المعمول لی وان کنت نقلت الاول من علو الفقه والا صدق وعلو موافقة الجہور اولی۔ (ترجمہ راجع ص ۱۸)

**سوال (۵۲۸)** بعالیناب کراست مآب برگزیدہ اذکیا پسندیدہ اصفیاء جناب مولانا صاحب دام ظلہ بعد از آرزوئے قدم بوسی داشتیاق دست بوسی محروض خدمت حاشیہ پوسان آستان قدوسی نشان میگردداند کہ اکل صاحبان در تصنیف خود اعمیٰ بہشتی گوہر باب عیدین نہیں فرمودہ است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب و تابعین و تبع تابعین بعد از صلوٰۃ عید دعاء خواستہ اند اگر خواستہ شدہ بودے ضرور نقل کردہ بودے از خواستہ نمودن خواستن افضل است و حالہ آں صاحب بکتاب بحر الرائق فرمودہ است۔ عرض این است کہ بایاں این مسئلہ را در باب عیدین قسیم و در مطلب دعاء در کتاب شامی نوشته است من صلی صلوٰۃ و بعد بدیع فیہا فہو خدا ج و دیگر قول باری تعالیٰ۔ فَادْفَعْ عَنْكَ الْفَقْرَ۔ از آیت و حدیث میں سخن معلوم می شود کہ دعاء در پس ہر نمازی باید کرد ہنوز این نہیں عرض است کہ اکل صاحب توفیق کلام خود و حدیث و آیت شریف می باید کہ کہ غمک یاں رفع شود عنایت باشد از جواب سرفراز فرمایند گستاخی معاف فرمایند۔ چرا کہ در باب دین میں امر اولیٰ است۔ ۹

**الجواب۔** السلام علیکم۔ بہشتی گوہر تصنیف مستقل نیست بلکہ تلخیص است از علم الفقہ پس ناقلیم از علم الفقہ کہ نفس زندہ ہستند گو علم الفقہ ناقل از دیگر باشد پس بذمہ ناقل تصحیح نقلی باشد بذمہ ناقل تصحیح نقل از علم الفقہ است و بذمہ علم الفقہ تصحیح نقل از بحر الرائق است۔ ماذمہ داریم قسیم کلام بود متعلق نقل و تصحیح آں ما نفس مسئلہ اقرب الی کلیات الشرع ہمان است کہ شما نوشته آید و عمل من و اکابر من موافق ہمین است یعنی بعد نماز عیدین دعا معمول است۔ بہر حال ہر قدر کہ مضمون

بہشتی گوہر معارض قواعد است ازاں رجوع می کنم۔ والسلام۔ ۸۰ ارذی المحرم ۱۳۳۲ھ۔ ترجمہ حضرت

**سوال (۵۲۹)** بہشتی گوہر حصہ یازدہم میں یہ مسئلہ مندرج ہو (بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا۔ ناگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں ہے اگر ان حضرات نے دعا مانگی ہو تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعا ناگنا دعا ناگست بہتر ہے اور فتاویٰ امدادیہ کے حصہ اول میں جو اہام قوم ہو (البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں شروع ہے اور دبر الصلوٰۃ اوقات اجابت دعا بھی ہو بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بچائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہو اور قابل احترام عبارت گوہر سے تو بعد نماز عیدین دعا نہ کرنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور فتاویٰ امدادیہ سے نہ کرنا تغیر سنت ظاہر ہوتا ہے۔ اندر میں صورت قول راجع اور اتویٰ نماز کے بعد دعا کا کرنا بھی یا نہ کرنا۔ ۹

**الجواب۔** دونوں جواب قواعد سے ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ میں مقصود دیکھ کر ہے اس پر کہ بجائے بعد نماز دعا کرنے کے بعد خطبہ کے دعا کی جاوے اور اسکو بہشتی گوہر میں بھی جائز نہیں رکھا گیا۔ (ترجمہ خامس ص ۱۲)

**سوال (۵۳۰)** بعد نماز عیدین دعا کرنا تو قبلہ سنوں ہو یا یمین و یسار کو بھی بعد خطبہ عیدین دعا کرنا سنوں ہو اور کس شان سے کھڑے یا بیٹھے یا کس طرف کو۔ ۹

**الجواب۔** بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعا کرنا یا نہ کرنا خصوصیت کے ساتھ نظر سے نہیں گزرا ظاہر قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعا بہتر معلوم ہوتی ہے اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے۔ ۱۵ اردو رمضان ۱۳۳۲ھ۔ (ترجمہ ثانیہ ص ۱۶)

**تحقیق** جواز سلام امام قبل مسجد علی المنبر  
**سوال (۵۳۱)** زید ایک مسجد کا خطیب ادا مام ہے اکثر اوقات وہی نماز پڑھتا ہے اور بعض اوقات دوسرے سے پڑھواتا ہے جب یہ خطبہ پڑھنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو بعض لوگ اٹھ اٹھ کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور یہ سلام کا جواب دیتا ہوا اور مصافحہ کرتا ہوا نہرہر جا بیٹھتا ہے۔ آیا طرفین کا سلام و مصافحہ ایسے وقت میں ممنوع و تراہم ہے یا نہیں۔

اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام سے اس کی ممانعت و حرمت نکلتی ہے یا نہیں غلا ہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و کلام کی ممانعت ہے تو سلام و مصافحہ کی بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب خود زید نماز پڑھانے کو چلتا ہے اور جب وہ دوسروں سے پڑھواتا ہے

اس وقت بھی لوگ زید سے سلام دم صاف کر کر اپنی جگہوں پر بیٹھتے ہیں۔ البتہ جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو لوگ ایسا نہیں کرتے تاہم اتنا ہوتا ہے کہ اگر زید اثنائے خطبہ میں کسی کی طرف دیکھتا ہے تو دوسرا شخص ہاتھ کے اشارہ سے سلام کر لیتا ہے۔ کیا یہ اشارہ سے سلام کر لینا بھی ممنوع ہو گا۔ ہر ہر صورت کا جواب ارشاد فرمائیے۔؟

**الجواب۔** اذ اخرج الکلام میں ایک قول یہ ہے کہ خروج سے مراد صعود علی المنبر ہے چنانچہ عینی نے حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا ہے اور یہی راجع معلوم ہوتا ہے پس اس سے پہلے سلام دم صاف ہر دو جائز ہیں اور اشارہ چونکہ کلام نہیں لہذا وقت خطبہ کے حرمت میں مثل کلام کے تو نہیں ہے مگر چونکہ مشابہ کلام کے ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں۔ بالخصوص جبکہ خود سلام کرنا بھی اشارہ سے مطلقاً ممنوع ہے حدیث میں ہے ومن مس الحصى (ای فی الخطبۃ) فقد لغا۔ دعاہ مسلّم جب مس الحصى سے ممانعت ہے کیونکہ اس میں مشغولی ہے وغیرہ خطبہ کی طرف تو اشارہ سلام میں تو اس سے زیادہ مشغولی ہے اور حدیث میں ہے لیس منامن تشبہ بغیر نالا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسليع الیہود الاشارة بالاصابع وتسليع النصارى الاشارة بالاكف ودعا التوسل فی۔ اس سے سلام بالید کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ فقط والشرع علم۔ ربيع الاول ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص ۳۳ ج ۱)

**سوال (۵۳۲)** دیباچہ خطبہ ماثرہ نمبرہ نمبر پرچہ ٹھہ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔ اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۳۲ مطبوعہ مراد آباد میں لکھا ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے بغرض خطبہ اٹھے تب سے مقتدیوں پر سکوت واجب ہو جاتا ہے پس جب خطیب سلام کرے گا لا محالہ سامعین کو جواب دینا پڑے گا پھر سکوت کی قید جاتی رہے گی۔ لہذا اس کی صراحت فرمادی جائے کہ یہ فعل خاص آپ ہی کے لئے مخصوص تھا یا اب بھی عام خطباء کو اس کی پابندی کرنی چاہئے اور مقتدیوں پر جو حسب صراحت صدر سکوت کا حکم ہے اس کا کیا جواب ہے۔؟

**الجواب۔** واقعی اس تحریر میں اجمال ہے اس کے بعد اجار السنن میں اس مسئلہ کی اس طرح تحقیق کی گئی۔ وفي الجمعۃ استفيد منه (ای من قول البدائع انه لا يسلم اذا صعد المنبر ودعى ان يسلم كما في الساجد الوهاج ص ۱۱ جلد ۲ وهو المختار عندی للحدیث وان كان المشهور فی المذهب هو القول الاول

کما فی الدر المختار وغیرہ والمتمسک فیہ العمومات وعلیہ یاؤل ما ویرد من السلام من صلوٰۃ  
علیہ ما قبل تحویر الکلام فی الصلوٰۃ وفي الخطبة قلت واذ لیس السلام واجباً واحتل  
الکراہۃ بالنسبۃ فلعل الا ولی للعمل ترکہ ولا اعتقاد بخیرۃ - واللہ اعلم - اھ -

اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط یہی ہے کہ امام سلام نہ کرے۔ پس اپنی تحریر کے اجمال سے جو مبہم اجازت سلام  
بلا اختلاف ہے رجوع کرتا ہوں گو مجوز و جو ب سکوت سے اسکو مخصوص کر سکتا ہے۔ ۴۰ صفر ۱۲۵۵ھ (ترجیح خاص مل)

**سوال (۵۳۳)** خطبہ الماثورہ میں نمبر (۵) میں صفحہ اول پر تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نمبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔ اس سلام کی سنت پر عمل  
دیکھا نہیں جاتا کیا اس سنت کو زندہ کیا جاوے یا اس پر عمل نہ کرنے میں کوئی مصلحت ہے۔ لاعلمی کے  
باعث یہ استفسار ہے۔ ۹

**الجواب** حنفیہ نے اس کو اسلئے نہیں لیا کہ عوام اس کو لازم خطبہ سے سمجھنے لگیں گے جو کہ  
بدعت ہے جیسا حنفیہ نے بہت افعال کو اسی اصل پر منع کیا ہے اور شافعی نے نقل کی بنا پر جائز فرمایا ہے  
چنانچہ اس مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔ کما فی الدر المختار ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ  
عن یحییٰ المنبر ولبس السواد وترك السلام من خروجه الی دخولہ فی الصلوٰۃ  
وقال الشافعی اذ استوی علی المنبر سلم عجبتہ۔ اور بعض علمائے حنفیہ سے جو سلام کا  
استحباب یا اباحت منقول ہے اس کو غریب کہا گیا ہے۔ کما فی رد المحتار تحت قوله ترك السلام  
پس امام شافعیؒ بنا بر جزئی منقول سلام کا حکم کرتے ہیں۔ حنفیہ بنا بر کلیات منقولہ اس کے ترک کو سنت  
کہتے ہیں۔ نیز غور کرنے سے منع کی ایک نقل جزئی بھی ذہن میں آئے۔ وہ حدیث ہے۔ اذ خرجہ کا امام  
فلا صلاۃ ولا کلام۔ اور یقیناً سلام بھی یا لمحق بالصلوٰۃ ہے یا لمحق بالكلام اور ظاہر ہے کہ جب  
امام سلام کرے گا تو حاضرین جواب دیں گے جو کہ سلام ہو اور یہ بعد خروج ہوگا جو بنا بر حدیث  
مذکور ممنوع ہے اور قاعدہ ہے۔ اذ تعاض المنيح والمحم ترشح المحرم پس سلام جو منقول ہے  
وہ اس قاعدہ سے منسوخ ہوگا پس حنفیہ کا مذہب روایت و روایت قوی تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۸ رجب المرجب ۱۲۵۳ھ۔ (النور رجب ۱۲۵۳ھ)

**سوال (۵۳۴)** زید عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھتا ہے عید گاہ میں  
نہیں پڑھتا اور جو کوئی عید گاہ میں پڑھنے کا عادی ہے اس کو بھی رکبتا ہے کبھی  
کتبتا ہے نماز عیدین مسجد میں بھی جائز ہے۔ چنانچہ فلاں مولوی صاحبوں کا فعل اس کے جواز کی دلیل

کافی ہے کبھی کہتا ہے جس کو جمعہ سے محبت و تعلق ہو اور میرے کہنے کا کچھ پاس دلحفاظ ہو وہ میری ہی مسجد میں نماز پڑھے کبھی کہتا ہے عید گاہ میں تو بہت لوگ ہو جاتے ہیں یہاں بھی پچاس ساٹھ آدمی ہو جائیں تو بہتر ہے کبھی کہتا ہے مسجد میں بھی خدا ہی کی نماز ہے اور عید گاہ میں بھی خدا ہی کی نماز ہے چاہے جہاں پڑھو۔ غرض مختلف طریقوں سے عید گاہ جانے سے روکتا ہے اور اُس کے ملنے والوں میں سے جو کوئی چلا جاتا ہے اُس سے ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے اس شخص کے پاس دلحفاظ سے بعض لوگ عید گاہ جانے سے رُک جاتے ہیں۔ اگر یہ شخص عید گاہ میں پڑھے یا دوسروں کو منع نہ کرے تو اس مسجد کے پڑھنے والے سب عید گاہ ہی میں جائیں ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی مسجد میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے اور عموماً مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا اور بلا عذر بارش و ضعف رفتار وغیرہ عید گاہ کو ترک کرنا کچھ گناہ ہے یا نہیں۔؟

**الجواب** - فی الدر المختار - والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنتہ وان وسعہا المسجد الجامع هو الصحیح۔ اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرات ایک بار کے بعد بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی تھی ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لیجاتے تھے حتیٰ کہ جن پر غدر شرعی سے نماز بھی نہ تھی اُن کے لیجانے کا اہتمام فرماتے تھے چنانچہ بکثرت احادیث وارد ہیں پس جس امر کا حضور کو قولاً و فعلاً اہتمام ہو اُس کے خلاف کا قولاً و فعلاً اہتمام کرنا صحیحاً مخالف سنت کی ہے جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں حدیث میں ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص ۲۱۷ ج ۱)

**سوال** (۵۳۵) اگر کب کے مسلمان جماعت کثیر ہو جائیں یا آٹھ دس آدمی اشتراط عدد مصلیان تک ہوں جمعہ کی نماز حالت سفر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔؟

**الجواب** - جمعہ کے لئے کم از کم چار آدمی شرط ہیں اس سے کم میں جمعہ صحیح نہیں اور چار اور زائد سے جائز ہے بشرطیکہ جگہ قابل اقامت جمعہ کے ہو جیسا کہ آگے آتا ہے ایسی جگہ کو مسافر پر جمعہ فرض نہیں لیکن پڑھ لے تو صحیح ہے۔ فقط۔ ۵ شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص ۲۱۸)

**سوال** (۵۳۶) کوٹھی رزیدنی شہر سے علیحدہ ہے۔ اور ہر جامع مسجد بشرط قریش از بلدہ ایک میل سے تین میل کے فاصلہ تک ہے اس فاصلہ کے ملازمین کو کوٹھی سے بغیر تعطیل یا ہر ممکن کی اجازت بھی نہیں ایسی حالت میں کوٹھی کے احاطہ میں یا کسی مکان میں جمعہ پڑھا

یعنی سوال آئندہ کے جواب میں ۱۲ منہ ؟

جاسکتا ہے کیونکہ کمپ کی آبادی تو ایچ شہر میں ہے گاؤں تو کہا نہیں جاسکتا نماز جمعہ تو غالباً فرض ہوگی بغیر مسجد کے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ اگر یہ جگہ تو ایچ شہر سے ہو جیسا ظاہر ہے تو جمعہ اسمیں صحیح ہو اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہونا تو مضر نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حد کے اندر باہر والے بھی آسکتے ہیں یا نہیں اگر آسکتے ہیں تب بلا تردد جمعہ جائز ہے۔ اور اگر نہیں آسکتے ہیں تو جواز جمعہ میں تردد ہے اسلئے مسافر کو اس صورت میں ادائیہ ہے کہ ظہر پڑھے کیونکہ جمعہ مسافر پر فرض نہیں تو غیر فرض کے لئے تردد میں کیوں پڑے اور جامع مسجد جمعہ کے لئے شرط نہیں۔ وجہ التردد ما فی الدار المختارہ کا اذن العام الی قولہ فلا یضرب علی باب القلعة لحد ولو لعادة قديمة۔ و فی رد المحتار بعد نقل عدم جواز الجمعة ان من وجع الدخول مانصہ قلت ویلینبی ان یکون محل النزاع ما اذا کان تکلیفاً کما فی محل واحد اما لو تحدث فلا لانه لا یتحقق التقرب کما افادہ التعلیل تامل وفیه عن المنع وکذا ای کا یصلح لو جمع فی قصرہ بحشمہ ولحد یغلق الباب ولحد ینع احد اکا ان لحد یعلم الناس بذلک اکا۔ ۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ - (امداد ص ۲۱۱ ج ۱)

**سوال** (۵۳۷) دفتر کے اندر عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں مگر حکم اقامت جمعہ درمکان | دفتر سرکاری و قلعہ | حاکم نے اجازت دیدی ہو کہ جمعہ کے روز صرف نماز پڑھنے کی واسطے جس کا جی چاہے وہ چلا آوے ممانعت نہیں ہے۔ اس حالت میں نماز جمعہ دفتر کے اندر پڑھا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ جب اذن عام ہے درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں۔

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ - (حوادث او ۲ ص ۲۱۱)

**سوال** (۵۳۸) آنجناب کو معلوم ہوگا کہ اب جمعہ کے دن ہر ایک سرکاری دفتر میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی ہو مگر کترین بدتمی سے قلعہ میں ملازم ہے۔ عرض یہ ہو کہ سنا ہوا ہو کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اب جبکہ سرکارا جازت دیتی ہے۔ اور خوشی سے اجازت دیتی ہے تو قلعہ میں جواز ہے یا نہیں ایک اور شرط جو کہ جمعہ کے متعلق ہے وہ شاید شارع عام کا ہونا ضروری ہے سو اس کے متعلق عرض یہ ہو کہ قلعہ چھاؤنی فیروزپور ایک بڑے گاؤں کے مانند ہے اور اسکی مختلف شاخیں جو کاسی کے محل کے اندر ہیں بمنزلہ مکانات کے ہیں اور ہر ایک آدمی کو خواہ مزدور ہو یا کلرک ہو ایک بجے کی چھٹی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو تو کیا اس حالت میں بھی شارع عام کی ضرورت ہے یہ قید جو کہ سرکار نے لگائی ہے وہ صرف نقصان سے بچانے کی غرض سے ہے۔ اور ایسا ہم سبھی عموماً اپنے بڑے کارخانہ میں کر لیا کرتے ہیں۔ فقط۔؟

**الجواب** - اذن عام ہونا بھی بخیر شرائط صحت جمع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو یوں کہنا اور پل مقصود نہ ہو۔ باقی اگر یوں کہ کسی اور نے درست سے ہو وہ اذن عام میں نخل نہیں۔ فی الدار المختارہ والاذن العام من الامام وهو يحصل بفتح ابواب الجامع للوارثین کا یہ فلا یضرب غلق باب القلعة لعدوا ولا حادثة قد یتم لان الاذن العام مقدر لاهله وغلقة لمنع العدو ولا المعصی نعمل لوم یغلق لکان احسن اھ فی دار المختارہ ینبغي ان یکون محل النزاع عما اذا كانت لا تقام الا فی محل واحد اما ان تعددت فلا لانه لا یتحقق التقویت کما افادہ التعلیل تامل جہ اصناف۔ پس بناء بر روایت بالا اس قطع میں نماز جمعہ درست ہے۔ ۸۔ رجب ۱۳۳۱ھ۔

(حوادث اوصل)۔

**سوال (۵۳۹)** (۱) ایک بستی میں قریب تین چار مسلمان مرد بالغ عاقل اور قریب تین سو مرد بالغ کافر مقیم ہیں ان میں ایک بازار جسمین اشیائے ضروریہ موجود رہتی ہیں اور منصفی تھانہ، ڈاکخانہ، تارخانہ، شفاخانہ سب موجود ہیں اب یہ بستی شہر کہلا سکتی ہو یا نہیں اگر قریہ مانا جائے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہ ہو تو وہاں جمعا داکر نے سے صلوٰۃ ظہر وتر سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ (۲) ہمارے ملک برہما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلف ہزار دو ہزار تک مقیم ہیں مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اور ادنیٰ درجہ میں بعضے قریہ میں دس بیس تک بھی موجود ہیں اور جہاں سودو سو چار سو پانچ سو مرد مکلف مقیم ہیں ایسی بستیاں بہت ہیں بعضے قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی حکم شہر ہو سکتی ہو یا نہیں اگر سب کو قریہ مانا جائے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعا داکر کیا جاوے تو ان کے ذمے سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی یا نہیں اگر بڑے بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہو تو ان بستیوں میں سے کوئی بستی بڑی کہلا سکتی ہو؟ (۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے۔ آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں اب کیا دونوں کو علیحدہ علیحدہ قریہ مانیں گے یا دونوں ملکر ایک بڑی بستی مانی جاوے گی۔ ان سب سوالوں کے جواب تفصیل اور مدلل سے ہم نایمانوں کی رہنمائی فرمائیں۔

**الجواب** - تجارت سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت و حالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آتی البتہ ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گوا آبادی وہاں کی متفرق حصے ہو کر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے لیکن تاہم کسی کئی حصے ملکر ان سب کا مجموعہ ایک نام



سے مشہور ہے اور وہ حقہ پارہ کہلاتے ہیں مثلاً دولت پور محکمہ میں ایک آبادی کا نام ہجڑس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حقہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حقہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھ کر بجائے اُس حقہ کے نام کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارہ بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ اُن پاروں کا ایک آبادی ہے گو اُن کے اندر ہم کس قدر فصن بھی دیکھیں ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہوتا اُس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں اُن کی یہی حالت ہے اور بعض اہم صارفہ قبائات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے جیسے شاہجہانپور اور بعض قبائات ضلع سہارنپور و مظفر نگر کے کہ اُن کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کعبت اور باغ فاصل ہیں مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی سوہ ماے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے اُس لواح میں کل یا اکثر آبادیاں الٹی ہیں۔ یہ حالت تو دہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہو پھر باہم ان میں ایک تفادت یہ ہو کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ ڈاکخانہ ہنصفی وغیرہ ہے گو اس مجموعہ کے کسی خاص حقہ و پارہ میں ہی ایسے مجموعہ آبادی کو محکمہ کہتے ہیں اور جن میں یہ چیزیں نہیں اور ان بعض کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو وہ اُن محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گائوں کے نام سے مشہور کرتے ہیں پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ دہاں محکمہ کہلاتا ہو مصر ہے اور عرفاً لفظ محکمہ لفظ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ شہر یہ ہو پس اس بنا پر مجموعہ آبادی ہم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی ہم ثانی میں جمعہ شہر نہیں۔ استفتی صاحب اپنی صورت منقول عنہا کو اس قاعدہ پر خود منطبق کر کے اُس کے موافق جواب سمجھ لیں پس جہاں جمعہ صحیح ہو گا وہاں نماز ظہر ساقط ہو جاوے گی۔ اور جہاں جمعہ صحیح نہیں نماز ظہر فرض رہے گی۔ اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون و شروح و فتاویٰ مندرجہ ہنصفی کے مملو و مشحون ہیں واللہ اعلم۔ ۶ شوال ۱۳۲۲ھ - (۱ امداد ۵۵)

جواب جمعہ  
سوال (۵۴۰) زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ عیدین حنفیہ کے درقبت  
نزدیک جاز نہیں۔ کیونکہ جمعہ عیدین کے لئے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبے کے مطرح  
شہر نہیں نہ صرف عام ہیں نہ کسی عتد میں حدیث دفعہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں یا مصر شہر کا لفظ  
یا قریہ (گاؤں) کا لفظ قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے قصبے میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے تو  
اُسے شہر یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں دوسری حیثیت سے گاؤں یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں کھنکھانچ

کے شہر میں داخل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں بلکہ اُسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہئے چیز ہمیشہ رزل کے تابع ہوتی ہے اعلیٰ کا ازل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں بلکہ یقینی ہوتا ہے اور اعلیٰ کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے اس لئے قصبوں میں جمعد و عیدین کو منع کرنا چاہئے۔ زید کا یہ کہنا کیسا ہے۔ (۲) شہر اور قصبے اور گاؤں کی کیا تعریف ہے۔ ان کی تعریفوں میں بقعہ اور آبادی کو بھی دخل ہے یا نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو اتنی آبادی ہو وہ تو گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اور اتنی آبادی ہو وہ شہر ہے اور بقعہ اور آبادی کی مقلد محبت کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبے اور تھوڑی آبادی گھٹ بڑھانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ تو ہر خفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعد و عیدین جائز نہیں مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے اور تعریف میں بقعہ اور آبادی کو دخل سمجھ کر عمل کر نیسے اکثر خلط و اختلاف و تنازع پیدا ہے اسلئے جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے جو لوگ تعریفوں میں معتین بقعہ اور معتین آبادی کو دخل سمجھتے ہیں۔ اُن کا استناد کسی حدیث و روایت فقہ سے ہے یا نہیں۔ (۳) ایک مقام عرفہ عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اُس کو گاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس قصبہ میں جمعد و عیدین سے منع کریں گے تلیٰ ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اُس کو قصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اُس گاؤں میں جمعد و عیدین کی اجازت دیں گے (۴) ضلع سلطان پور ملک ادوہ میں مسافحہ نے ایک مقام ہے اگر اس کی آبادی پر نظر ڈالیں تو ایک چھوٹا گاؤں ہے مگر یہ عرفہ عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہے اور عرفہ عام ہی کے لحاظ سے غالباً سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے سواری کو یکے ملتے ہیں بازار ہے جو روزمرہ کی ضروری اشیاء دیتا ہے آبادی سے باہر پختہ میں غالباً دو بار بڑا بازار لگتا ہے جس میں باہر کی خرید و فروخت کرنے والے آتے۔ تیل کا کارخانہ ہے ڈاکخانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے۔ سرکاری ہسپتال (شفا خانہ) ہے۔ سرکاری اسکول ہے مگر آبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے جیسے عام طور پر قصبوں میں ہوتی ہے درجہ سوم تک خواندگی ہے جیسے دیہات میں ہوتی ہے تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے۔ کابجی ہوس ہے تحصیل کی کچہری ہے منصفی کی کچہری ہے تحصیل کا خزانہ الگ ہے ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بینک الگ ہے ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے

جس میں حکام انگریزی اگر ٹھہرتے ہیں اور مقامی حکام کے لئے علیحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں۔ پختہ تالابہ و مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے متعدد سرائیں ہیں۔ مسجدیں میں ایک میں جمعہ ہوتا ہے آبادی کے باہر عید گاہ بنی ہوئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبے میں جو باتیں آج کل عرف عام و عرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کر کے اور اُس کو قریہ اور گاؤں قرار دیکر یہاں جمعہ و عیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا عرف عام و مویات عرف عام پر لحاظ کر کے جمعہ و عیدین کی اجازت دینا چاہئے۔ (۵) اگر کوئی شہر یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہو جاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جاوے اب اتفاق سے چند مسافر یا قسیم وہاں آئیں اور جمعہ یا عیدین پڑھیں تو جمعہ و عیدین پڑھنا صحیح ہو گا یا نہیں؟

**الجواب۔** (۱) فی رد المحتار عن القہستانی و تقیم فرضا فی القصبات واد قمری الکبیرۃ السی فیہا اسواق الا۔ جلد اول ص ۳۳۳ یہ روایت صریح ہے قصبات کے جمعہ و عیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گرد و نواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مہر آیا ہے وہ اس کو بھی شامل ہوا۔ آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہو گیا۔ (۲) خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سلاک و اسط و لہا رسا یتق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم الخ اور جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مال یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں مغنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید نام ہو جاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے کہ نہ زیاحۃ فی الدین باقی رہی ضرورت رفع نزاع موثلاً یکر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت غلب رائے مبتلی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتد و معتبر ہو گا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اُس کے لئے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔ (۳) تعریف بالاسے ظاہر ہے استفاد ہوتا ہے کہ قصبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے مکا نقل فی الجواب عن السؤال الاول من تعقید القری بالسی فیہا سلاک و اسواق اس بنا پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر و قصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے و نہ گاؤں سمجھیں گے۔ فاعترضا۔

(۴) عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے اسکے اعتبار سے اُس کو قصبہ کے

حکم میں سمجھا دیجئے۔ وقد مر فی الجواب عن السؤال الثالث اعتبار هیئته العمارۃ (المقدار ونحوہ) واللہ اعلم۔ (۵) لکن نہ وان لم یعتبر بحد خاص من العمارۃ لکن یشترط نفس العمارۃ کما فی الدر المختار وجازت الجمعیۃ بمقتی فی مرسوم الی قولہ وجود اکا سواق والسکک ولما مر فی الجواب من السؤال الثاني من قولہ وفيہا والی الخ فدل علی اشتراط وجود الناس فیہا الحاکم والمحکومین وهذا ظاہر جہدا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۶ رذیقہ ۱۲۲۲ھ۔ (امداد ص ۵۹ ج ۱)

سوال ۱۱۱۵، بڑا قریہ کہ جس میں چار سو یا ہزار دو ہزار تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قریہ کبیرہ قتل و قصاص قطعید کے جملہ احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علماء وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں موافق شرع شریف کے عمل درآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہو اور بازار بھی موجود ہے جن میں اکثر حوائج و ضروریات کی اشیاء بہر وقت ملتی ہیں اس موضع میں گورنریاں یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغچہ میں دفن کرتے ہیں۔ غرض اکثر موضع ایسے ہیں جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے اس میں بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے چار یا پنج موضع ملکر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ مواضع بمنزلہ محلات شہر کے ہیں ان میں زیادہ فاصلہ نہیں لیکن ایام برسات میں دو تین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلا کشتی کے پھرتے ہیں پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ و عیدین قائم کر لیں عند الشرع صحیح ہو گا یا نہیں۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

الجواب۔ یہ مذہب حنفی میں مصرح و متفق علیہ ہے کہ مصر شرائط مجموعہ سے ہے اور اہل فتاویٰ نے قصبات و قریہ کبیرہ کو حکم مصر میں فرمایا ہے۔ کما فی رد المختار عن القہستانی و لقعہ فرضنا فی القصبات والقریہ الکبیرۃ الی فیہا اسواق الی قولہ لا تجوز فی الصغیرۃ الی لیس فیہا قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات۔ رہا یہ کہ مصر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے سو مصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے اُس کو علامہ شامی نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ عن ابی حنیفہ۔ انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک و اسواق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم الی قولہ و هذا هو الاصح۔ اور قصبات اور قریہ کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے جس کا حاصل لفظ اسواق و قاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی آبادی مصر کی سی ہو اور اس میں حاکم بھی ہو پس جو قرنی سوال میں مذکور ہیں وہ نہ مصر ہیں نہ قصبہ

ذکر یہ کبیرہ لہذا وہاں جمعہ صحیح نہیں البتہ اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہل عشر اُس کے مجموعہ اجزاء کو یا جو کسی قصبہ کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع و قسمت کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اُس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔  
۲۷ محرم ۱۳۲۶ھ۔ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷)

**سوال (۵۴۲)** اصل سوال جناب مولانا صاحب السلام علیکم بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اور اُس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے دیگر دیہات قرب و جوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آکر پڑھتے ہیں اپنے اپنے قربانی کے جانور یہاں لا کر ذبح کرتے ہیں کیونکہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں مردم شماری یہاں کی تین ہزار تین سو ہے بائیس دوکانیں مہاجران کی ہیں مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبدالرحمان صاحب یہاں منجانب سرکار واسطے انفصال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید راکن گنگرہا پ دادا سے امامت کرتے چلے آتے ہیں میں نہیں بلکہ زیادہ ملاحظہ خواں و حافظ قرآن خواں اور دس بیس آدمی منشی و حکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا دیہات گرد و نواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجدیں قند بڑی ہے کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ نکلے اور پنجگانہ نمازی سو سو اجمع ہو جاتے ہیں اور مولوی نظیر حسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے ایک دو دفعہ تو انھوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا۔ اب دیگر علماء یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے اور اب بھی جمعہ ہوتا ہے مگر بادی کے دو گروہ ہو گئے ہیں ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے لہذا یہ پرچہ فرط اس حضور کی خدمت میں ارسال کر کے امید داریں کہ جواب اس کا مفصل و مشروح تحریر فرما کر بھیج دیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے یہ درست ہے یا نہیں۔ فقط۔

**الجواب۔** یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ و عیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے ہیں جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو اُس کا حکم مثل قصبات و امصار کے ہے اور موضع ساران کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار تین سو کی ہے وغیرہ وغیرہ اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے جس کو فقہائے فقہ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ و عیدین کو صحیح کہا ہے اس بنا پر موضع مذکور میں عیدین و جمعہ درست ہے۔

والسرا عسم - ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ -

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا ساران کو دیکھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجہ سوال بالاسے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور دوکانیں بھی زیادہ ثابت ہوئیں یعنی قریب چالیس کے۔ البتہ متصل نہیں ہیں اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں سب صحیح محقق ہوئے۔ اس کے بعد روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا مصر کے بارے میں اقوال کثرت ہیں بعض میں افراط ہے بعض میں تفریط، بعض اعدل وادسط ہیں اور وہی احق بالقبول ہیں اندر حال میں موضع مذکور اعدل الاقایل پر مصر میں تو داخل نہیں لیکن فقہاء کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات و قری کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں چنانچہ رد المحتار ج ۳ ص ۱۳۸ میں مصر ہے وعبارة القہستانی و تقع فوضافی القصبات والقری الکبیرۃ التي فیہا اسواق الی قولہ لا یجوز فی الصغیرۃ التي لیس فیہا قاض ومنابر وخطیب ۱۵ھ۔ اور نظر برحالت مذکورہ سوال و محقق بعد السؤال موضع مذکور قری کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ و صغیرہ میں ماہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے مدین بھی ہیں چارہزار کی آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چارہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چارہزار کے ہے پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اور ویسا اس کی وہ حکایت ہے جو بعض احباب ساکنان بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں ملاقی ہوئے مسموع ہوئی کہ باغیت کے تحصیلدار صاحب سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کرینکا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہو گیا ہو منجملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر ماہ الفرق وہ صفات لی جاویں جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں یعنی اسواق و حاکم و خطیب و منبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قری کبیرہ میں داخل ہے کیونکہ اسواق بقریہ مقام اسم جنس ہے جو واحد کو بھی شامل ہے سوائے دوکانوں سے ایک سوق کا ہونا متیقن ہے اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہو سکتا ہے سوائے اس کے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت کے خواج ضروری میں وہاں کے مکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں سوائے غرض کے حصول میں اتصال و انفصال برابر ہے چنانچہ مولانا بحر العلوم نے رسالہ ارکان الجمع میں اپنے والد قدس سرہ کا قول نقل کیا ہے اُس سے اُس کی تائید ہوتی ہے حیث قال وکان مطلع الامرا ابی قدس سرہ یفتی بان المصنوع یندفع حاجۃ الانسان الضروریۃ من الاکل بان یکون ہنا لایمن

یبدع طعاماً و لکسوة الضروریۃ وان یكون هناك اهل حرف یتحتاج الیہم کثیراً ھ  
 ص ۱۱۷ و ایضاً یؤید ھما فی المضملات فی تعریف المصر ھوان یعیش کل محترف بخرقہ  
 من سنۃ الی سنۃ من غیر ان یتحتاج الی حرفۃ اخری صحیح و الفتاویٰ ملوکاً علی کھن  
 ج ص ۳۶۔ اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہوا چھوٹا ہو سو وضع مذکور میں نصف کے مقرر ہونے  
 سے بہ امر بھی حاصل ہے اور نیز اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی کہ ایسی جگہ عادیہ خطیب  
 منبر ہونا ہی ہے و نیز چند صاحبوں سے سموع ہوا کہ کسی وقت میں جبکہ یہاں افغان آباد تھے بارہ ہزار کی  
 مردم شماری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ ویرانی محض کا سپر نہیں مگر راپس اس وقت  
 تو صحت جمعہ یہاں یقینی تھا اور بقاعدہ الیقین کا یزول بالشک جب تک کہ کسی وقت الیقین حالت  
 نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو اس وقت تک حکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی  
 حالت کا تحلیل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی راجح ہوگی  
 و نیز ترک جمعہ سے جو آثار و ہاں واقع ہوئے یا متوقع ہیں مثل ترک کر دینے جوار کے بعض لوگوں کے نماز کو  
 اوڑھنا اتفاقاً باہمی کے جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہو جائے  
 کا اندیشہ ہے ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہو تو حکم جواز کا کر دیا جائے  
 ہاں اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی مگر عدم صحت درجہ یقین میں نہیں غایت مافی الباب  
 حالت اشتباہ کی ہے کما یضہر ہاں معان اور اگر اشتباہ کو قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی  
 امر کر دیا جاوے بعد شحری تقریر ہذا اسلام مگر ضلع سہانہ سے فیض محمد خاں صاحب بن حاجی محمد حسین  
 صاحب کامیر سے خط کے جواب میں خط آیا انھوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی  
 لکھی ہے اور دو کانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اجازت واسطے جماعت نماز  
 جمعہ کے لکھی ہے جس کی روایت اپنے والد و دیگر اشخاص سے لکھی ہے اس سے بھی تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی  
 ہے۔ واللہ اعلم۔

اس پر مولانا صدیق احمد رضا کا مذہلوی کا والا نامہ یا جویل میں منقول ہے

لمجائے نیاز منذ ان جناب مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی۔ از بندہ ناچیز صدیق احمد  
 عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت فیضد جت اینکہ والا نامہ شرف صدور لا کر  
 باعث افتخار ہوا بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کوئی لغو و ساریان روانہ کر دے لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز  
 بندہ بڑت چلا گیا تھا کھل لغافہ ملا لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے بعد چند خلجان فقہاء کے کلام میں الحق

ہو گئے اس لئے مودبانہ اُن کی استکشاف کا مستعدی ہے اولاً ارشاد ہے کہ موضع را مان اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے آپ نے شامی میں و یقع فیضا فی القصبیات والقری الکبیرۃ التي فیہا اسواق کا حاشیہ لکھا ہوا القصبیات جمع قصبۃ وہی القریۃ فیکون عطف القری علیہ عطف نفس یرى جبکہ فقہاء کے نزدیک قصبہ اور قریہ کبیرہ ایک چیز ہے یہ فرقہ کیوں کیا جاتا ہے اگر یہ غرض ہے کہ ہوائے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از بحث ہے آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریہ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہو تو اس وجہ سے ہے کہ تنج سے معلوم ہوا کہ اس مقدار میں شرط مصریت کا تحقق غالباً ہو جاتا ہے یعنی چار ہزار سے زائد میں وجود سگ اسواق و ابنیہ مثل بنیہ منی قائم ہو جاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی یہ تخمین و تنج منقول ہے چنانچہ عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں کہ فیہا اسواق ان جواتی قریۃ بل ہی مدینۃ لما حکینا عن البکری حتی قبل کان لیسکن فیہا فوق اربعۃ آلاف والقریۃ لایکون کذلک یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی بلکہ قصبہ یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا معتق ہی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بناتے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ یا قریہ کبیرہ نہ ہوا اور چونکہ عد فقہ کو حد محدود ہو تو کسر کا عدم نہ سمجھی جاوے گی۔ اور حضرت خاں صاحب کی حکایت غپ شہد سمجھے وہ ہرگز قابل التفات نہیں باقی رہا اسواق و سگ و ابنیہ منی سو بندہ ناچیز کے خیال میں یہ امور قریہ کبیرہ صغیرہ میں فاق و ماہہ الامتياز ہونے ملاحظہ فرمائیے شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہوا وقد وقع الشک فی بعض قری مصر لیس فیہا وال وقاض نازکان ہا بل لها قاض یسمی قاضی الناحیۃ فاتی القریۃ ایما ناو وال کذلک بل ہو مصر نظراً الی ان لها والیا اذ لا نظراً الی عدل ہما باہا والذی یشہر اعتباراً لکن ہما مقیمین بہا والا لہو لکن قریۃ اصلاً او کل قریۃ مشمولۃ بحکمہ قال فی النہر مقتضی الشرط ان تبلغ ابنیتہا ابنیۃ منی و کذا ما ہو عن الامام من اشتراط ان یکون لہا سگ واسواق تصرہا ولو کان مقیمین بہا ویوافقہ ما مر عن الخلاصۃ ای من تولہ الخلیفۃ اذ اسافرو ہو فی القری لیس لہ ان یجمع بالناس و سنیا فی ما یؤید کذا ایضاً انتہی قلت ینبغی حمل کلام ہذا اکامام المحقق علی القریۃ المستوفیۃ بقیۃ الشرط لانہ اجل من ان یشغی علیہ مثل ذلک حاشیۃ البحر لابن عابدین۔ حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تہاد یہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہو جائے گا۔ صاحب نہر نے اعتراض کیا کہ



یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل مٹی اور سنگ اور اسواق کا وجود تحقق مصر اصطلاحی میں ضروری ہے چنانچہ اگر بادشاہ  
 سفر کر کے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا اور مصر میں پڑھ سکتا ہو۔ صاحب و المحتاج نے اعتراض تسلیم  
 کر کے عذر کر دیا کہ تحقق کا کلام قریہ تنوفیہ شرط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سنگ و  
 اسواق و ابنیہ مثل ابنیہ مٹی پر موقوف ہے اور جبکہ مصر کا تحقق سنگ اسواق و ابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم ہر  
 مصر میں تین کو چھ اور تین بازار ہونے چاہئیں اور عرف میں بازار دو کا کین مجتمہ سلسلہ کا نام ہے لیکن  
 مجمع البحار میں ہے السوق سمیت بہلان التجار تجلب الیہا وتساق المبيعات نحوہا یعنی  
 اس لئے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں  
 اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجارت و کثرت امتنع و خواہ متصل ہوں خواہ منفصل مگر کم سے کم تین  
 جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو علامہ عینی شعراء القیس کو استدلال میں لائے ہیں وہ حنا کا نامان جوائی عشیہ  
 تعالیٰ المعاج بین عدل و معقب یرید کا نامان تجار جوائی بکثرتہ مامعہ من  
 الصید و اداد کثرتہ امتنعہ تجار جوائی قلت کثرتہ الامتعة یدل غالباً  
 علی کثرتہ التجار و کثرتہ التجار علی ان جوائی مدینہ قطعاً انتہی تو انصاف کی  
 ضرورت ہے کہ قریہ ساراں میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجارت کی ہے اور کس جگہ کثرت ہو اور کس جگہ متفرقہ کا مقامات  
 متفرقہ میں بلا کثرت امتنع و تجارتوں سے بازار پر محمول کریں عربی یا شرعی میرا خیال یہ ہے کہ بازار  
 اصلاً نہیں مگر چونکہ قریہ میں بقید جماعت مکان دو چار دکانیں ہو کر تھیں اور ان دکانوں سے وہ  
 قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا اسی قسم کی سمجھے اور مصر مصطلح میں جو بازار ہے وہ اہل سوق اور اہل تجارت  
 بنانے کے لئے ہے جو خواص امصار و قصبات سے ہے جس کے انصاف سے اہل قریہ معری ہیں غالباً ہی وجہ  
 ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے جیسے اقہ الصلوة لدلوك الشمس اور اقہ الصلوة  
 طہ فی النہار وغیرہ وغیرہ اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ  
 میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصہ خطاب فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا اذا نودى للصلاة  
 من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیعة اور آگے و اذا راؤ تجارة اولہوا بالقصا  
 الیہا۔ اور حاصل کلام والدہم حرم بحر العلوم یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں جمیع مایحتاج ملتی ہو بندہ کو تجربہ  
 صحیح کر رہے معلوم ہو چکا کہ مایحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی کیا سونف کا سنی ہے وہ بھی ٹیکری سے  
 لاتے ہیں اور وہ حجامبر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے قال فی رد المحتار خلاصہ من اکامیہ من یجوز  
 الناس وینعہ المفسدین و یقوی احکام الشرع کذا فی الدقائق انتہی اول ان حضرات

کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ میں روپیہ کا دعویٰ مع سود و گری کر دیتے ہیں اور وہ جو کہا جاتا ہے زائد افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے علاوہ انہیں وجہات الجمعۃ بمئی فی الموسم فقط لوجود الخلیفۃ او امیر الحجۃ و العراق ادمکۃ و وجود الاسواق و السکک و درختار اسی فلا یصح فی منعی فی خیر یا ما اجتماع الحاجۃ فیہا فقد بعض الشر و طردا لمختار۔ یہاں استصحاب حال کا محل نہیں بلکہ ارتفاع الحکم بارتفاع العلتہ ہے یعنی جواز جمعہ کی علت منقود ہوئی اور عدم جواز یقینی ہو گیا الیقین کا یدول بالشک کا محل نہیں رہا بلکہ الیقین لا یدول الا بالیقین کا محل ہو اور حضرت قدس سرہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا وہ محض افتاء ہے مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پر فتویٰ دیتے تھے لا غیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں علماء کو ان کا لحاظ ضروری ہو نفل کی جماعت تداعی کیساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جو اصل فریضہ وقت ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہو اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضائق سے میری خلاصی فرمادیں۔ بینوا تو جرداً راقم بندہ حدیث احمدی کا ماحلہ۔

**الجواب عن المکتوب السالط۔** بخدمت مولانا محمد دم الکرم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلاشبہ سوء ادب سے خالی نہیں لیکن جناب کا اذن اول رقیۃ کریمہ میں اور اہم اس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر پر ہوا رجاء عفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروفہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہو تو بدین سبب کہ مکدر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع سامی کو ناگوار نہ ہو یہ ہے کہ طلبند فرما کر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقیں کے دیوبند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ام فیضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصالحت ہو تو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب مضمون بھیجی جائے تاکہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرما سکیں اور اگر حکم ہو تو وہاں بھیجنے کی خدمت کو میں انجام دیدوں پھر اگر با احتمال بعید احقر کے موافق ہو تب بھی اس کے اعتقاداً پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہو تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہو تو میں آخری رائے کا اعتقاد یا اس کے موافق فتویٰ نہ دوں گا۔ اب مدعا عرض کرتا ہوں۔ یہ ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے الخ حاشیہ میں نے نہیں دیکھا معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی تقدیر التسليم صرف تسامح عنوان میں ہو گا معنوں پر نظر کر کے یوں کہہ دیا جاوے گا کہ یہ قصبہ و

وقریہ کبیرہ جو باعتبار حقیقت کے گو باعتبار تسمیہ کے نہ ہو اور عمدۃ القاری کے قول و القریۃ لا یكون كذلك سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں گے مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم کو قصبہ کہیں گے چونکہ جوائی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی اس لئے کلام میں اسی عدد کا ذکر کیا اور بحال میں عدد نہ کر چو کہ منصوص شرعی نہیں لہذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے محض تخمین کہیں گے جس میں کسر کی کمی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ مصر میں وجود مسلک اسواق و ابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے لیکن قریہ ہونہ میں مسلک کا وجود تو ظاہر ہے ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں رہا منیٰ کی حد کو پہنچنا سوخو و ابنیہ منیٰ ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے غالباً مقصود شمال سے کثرت معتد بہا ہے سو وہ حاصل ہے رہے اسواق سومیرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بناء ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے ہے ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بناء پر اتصال حوائت کا شرط نہیں معلوم ہوتا۔ رہا مجمع کا قول سو وہ وجہ تسمیہ ہے جس کی غرض محض مناسبت صحیحۃ الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً و یقیناً ہوتا ہے جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے لا نہ یسفر ای یکشف عن اخلاق الرجال۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی سفر کا شرف نہ ہو تو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہوں گے پھر بعد تسلیم تجارت و امتنع عام ہے قدر ضروری و فائدہ علیہ کو البتہ کم کا عدم ہے اور یعنی کا قول و کثرة التجار علی ان جوائی انھو استلزام الکثرة للمدینۃ کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتفاء لزوم تسلیم نہیں ہے انتفاء لازم کو اور بعض اوقات ما یتحتاج الیہ کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے اس طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے۔ جلال آباد و لوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں صرف چوکیدار رہتے ہیں مگر چونکہ یہ صرف مارات ہیں اس لئے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریہ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہو گو کبیرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو سو اگر کبیرہ ہونا مطلقاً بھی نہ ہوتا ہم مشتبہ ضرور ہے اس سے البتہ یقول بالشک کا یہ محل ہو سکتا ہے باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہریت یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہو گا مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو یہ محض تا ید تہی ملہ حکم نہیں اور اسلام نگری میں فتویٰ صحت کا افزائے گزر نہیں حاجی محمد سلیم خاں نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرمان برار و مخصوصین میں سے ہیں ان سے میں نے بھی سنا ہے اور مولانا

کافقوی چار ہزار سے کم پڑنا باعتبار خاص حالات کے ہوگا جہاں دوسرے امارات بھی مرجع قرہ ہونے کے ہوں حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں مگر خط منگایا جاسکتا ہے اور غالباً اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہوں گے اور فیض محمد خان قسیم بڑوت سے میں نے مکر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے دوسرے یہ بھی محض تائید تھی مادہ مناسد جواز جمعہ فی القرۃ کے سب مسلم ہیں مگر جبکہ اقلین ہوں عدم جواز جمعہ کا اور موضع معہ ہوں اسی میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام۔ ۲۵۔ صفر ۱۳۳۳ھ

اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت کا ثبوت کی ہوئی جس کی نقل محفوظ نہیں جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہو گیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے نفقت کی۔ فقط (ترجیح ثانی ص ۱۷۱)

**سوال** (۵۴۳) نماز جمعہ کے انعقاد کے شرائط سے جو سلطان اور امام کا ہونا امام درجہ نزدیک امام صاحب کے معتبر ہے اب زمانہ موجودہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس صورت میں جمعہ ہو سکتا ہے اگر ہے تو وہ کیا اسباب ہیں جن سے احناف علماء نے اس شرط کو شرط نہ سمجھا۔ بحوالہ کتب و اقوال تحریر فرمائیے۔ اگر چنی زمانہ مناسب جگہ جمعہ ہو رہا ہے۔؟

**الجواب**۔ فی المدادیہ ولا یجوز اقامتها الا للسلطان او لمن اقر السلطان لانها تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدير والتقدم والخوف فی الدماء المختار ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجہ من ذکر کلاما مع عدم مہم فیجب فی الضرر ونحو۔ روایت اولی سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان مقصود لذاتہ نہیں ہے بلکہ حکمت سد فتنہ کے ہے پس اگر تراخی مسلمان سے یہ حکمت حاصل ہو جائے تو معنی یہ شرط مفقود نہ ہوگی چنانچہ روایت ثانیہ میں اس کی تصریح موجود ہے البتہ جہاں اور کوئی شرط صحت جمعہ کی مفقود ہو وہاں جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۲۰۔ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (۱۷۔ صفر ۱۳۳۳ھ)

**سوال** (۵۴۴) بعد دو روز عید کے معلوم ہوا کہ نماز باطل ہو گئی تو دو ہزارویں عید بعد وقت یا نہیں۔؟

**الجواب**۔ نہ دو ہزارویں۔ فی الدماء المختار و توخر بعدد کمطر الی الزوال من الغد فوقتہا من الثانی کالاول وتكون قضاء الاداء اھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عید کی قضا صرف اگلے دن کے زوال تک ہو اس کے بعد نہیں قال فی السرد تحت قولہ مع الاکام

۵۔ یہاں پر تعمیم الاغلاط صفحہ کالم نمبر ۲ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲۔ مرتب

متعلق بہ حذف حال من ضمیر الامرافات لان المعنی ان الامام اذا فاتت  
المقتدی لانها وفاتت الامام والمقتدی لقضی كما یاتی افادہ فی معراج الدایۃ  
وقال تحت قوله بعد سطر دخل فیہ ما اذا العریخج الامام وما اذا غمر السلال  
فشهد وابد الزوال او قبلہ بحیث لا یمكن جمع الناس او صلاھا فی یوم غیم  
وظھر انھا وقعت بعد الزوال كما فی الدرر وشرحہ للشیخ اسمعیل و فیہ عن  
الحجہ امام صلی العید علی غیر وضوء ثمر علم بذلک قبل ان یتفرق الناس تیوضاً  
و یعیدون وان تفرق الناس لم یعد لھم وجازت صلا تھم صیانہ المسلمین  
واعمالھم اھ۔ والشرعالی علم وعلیہ اتم۔ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

سوال (۵۴۵) خطبہ حکم خواندن خطبہ  
قاعدہ کے سبب مجبور ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی الدر المختار ویسن خطبتان الی قوله و طہارۃ و ستر عورۃ قائماً  
اس سے معلوم ہوا کہ قیام خطبہ کا سنت ہو کہ نہ ہے اور اگر واجب بھی ہو تا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا  
کیا قیام الصلوۃ اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہو پس عذر میں خطبہ جمعہ و عیدین میں ٹھیک  
یہ رہنا جائز ہو۔ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

سوال (۵۴۶) حکم جمعہ در قرنی باذن  
سلطان اسلام خلد اللہ تعالیٰ ملکہ تحریک بعض عالم در قرنی جمعہ قائم می کنند و برائے چارونج  
قریب یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصرعنی مے پندارند و در  
علاقہ اگر کدام یکے مجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکاری کنند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم  
ملک می رسد و صورت مذکورہ دو رکعت جمعا ز ظہر خلف میشود یا زیادتا خیر زان بعد چیلہ اتم خواہ شد یا نہ؟  
الجواب۔ قال الشامی قال ابن القاسم هذا بلا خلاف اذا اذن الی الی القاضی الی

قوله و صلوا فی القرنی لزم مہر اداء الظہر و هذا اذا الحریتمصل بہ حکم فان فی فتاویٰ  
الدینا حرم و اذا ابنی مسجد بامر الامام فهو امر بالجمعة اتفاقاً پس در صورت مسؤلہ جمعہ  
صحیح است۔ لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست قال  
الشامی لا یبقی الی الیوم الاذن بعدموت السلطان الاذن بذلک الا اذا اذن بہ ایضا سلطان  
زمانا نصہ اللہ ص ۵۰ والشرعالم ۲۰ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ و عیدین یاد آوے | سوال (۵۴۷) اگر خطبہ عیدین یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے | کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے۔؟

**الجواب** - فی الدار المختار باب الجمعة و لو خطب جنبا ثم اغتسل و صلی جاز و فیہ و اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا کلام الی تمام ما خلا قضاء فائتته لم یستقط الترتیب بینہا و بین الوقتیۃ فانہا لا تکرر سراج و غیرہ لضرورت صحۃ الجمعة اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ تو درست ہو جائے گا۔ لیکن نماز جمعہ نہ پڑھاوے اگر صاحب ترتیب ہو بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبہ عیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ترتیب خود فرائض و عیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی۔ فی الدار المختار باب قضاء الفوائت الترتیب بین الفروض الخمسة و لو تراءى أو قضاء لازم و فی رد المحتار و دخل فیہ الجمعة فان الترتیب بینہا و بین سائر الصلوات لازم فلو نہ کسر انہ لم یصل الفجر یصلہا و لو کان الامام یخطب اسمعیل عن شرح الصحاحی - ۱۵ - واللہ تعالیٰ اعلم ذیقہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲۲ ج ۱)

حکم بودن امام در جمعہ | سوال (۵۴۸) جمعہ و عیدین میں امام اور مہود خطیب دوسرا شخص ہو و عیدین غیر خطیب | تو کچھ مضائقہ تو نہیں اگر عندہ ہو مثلاً امام جماعت باعتبار نقوی طہارت و قراءۃ قرآن وغیرہ کے افضل ہوا و خطبہ میں بوجہ عدم عوبیت غلطیاں کرتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے | **الجواب** - فی الدار المختار فی الشرع الخامس للجمعة لکن سیجئی انہ لا یشترط انما الامام و الخطیب ثنوں فی و عدلہ بقولہ فیما بعد لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب الی قولہ جازہ المختار - اس سے معلوم ہوا کہ بلا عندہ بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ اور عندہ سے خلاف اولیٰ بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم - محرم ۱۳۲۲ھ - (امداد ص ۶۵ ج ۱)

حکم جمعہ در آبادی | سوال (۵۴۹) مدت سے اس بابت میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے متصل شہر محلہ میں جو کہ شہر الہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اہم لوگوں کو تمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے جائز ہے یا نہیں اور پھر لوگ جو چار رکعت نماز جمعہ کی پڑھ لیتے ہیں یہ کیسا ہے چنانچہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلہ میں بعد ازلے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ لیتا ہوں امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں؟ | **الجواب** - فی الدار المختار و فتاویٰ و هو ماسوفہ اتصل بہ ان کا ماحرر ابن کمال

ابن الکمال لا جمل مصالحوہ کد فن الموقی و رکض الخیل فی رد المختار و ان اعتبرت لتکیة قریة مستقلة فہی مصر علی تعریف المصنف ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر وہ مقام جس کی نسبت سوال ہے مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی بلکہ شہر کے متعلق قرار دی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عامہ اس سے متعلق ہیں جیسے گھوڑ دوڑ اور چاندی اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان و مثل ذلک تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۴۰ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۱)

عند بودن حشد بیکر از د  
خون مرض بود در جمعہ

سوال (۵۵۰) اگر کسی کو ایسا مرض ہو کہ اگر صبح کو وہ جامع مسجد جمعہ کے دن جانا چاہے تو جاسکتا ہے اور اگر دوپہر کے وقت یا دلچ جانا چاہے تو نہیں جاسکتا اس وجہ سے کہ آجکل دھوپ سے اُس کو سخت مفرت ہوتی ہے تو ایسے شخص کو جمعہ پڑھنے کے لئے صبح کو جانا واجب ہے یا نہیں یا جمعہ اُس سے معاف ہے۔

الجواب۔ فی رد المختار تحت قول الدر المختار فی اعذار ترک الجماعۃ و برد شدید مانصہ لعید کلا الحرا الشدید ایضا و لہا من ذکرہا من علمائنا و لعل وجہہ ان الحرا الشدید انما یحصل غالباً فی صلوة الظہر و قد کفینا مؤنتہ بسنیۃ الا براد نعمہ قد یقال لو ترک الامام ہذا السنۃ و صلی فی اول الوقت کان الحرا الشدید عذلاً تاملاً فی اعذار ترک الجماعۃ من الدر المختار و حل و تلج و نحوہا فی رد المختار ای کہ برد شدید کما قد منہا فی باب الامامۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوپہر سخت مضر ہو اور پھرتی کی حفاظت کافی نہ ہو تو ترک جمعہ کے لئے عذر ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔ (امداد ص ۱۱)

مسئلہ احتیاط ظہر  
بعد جمعہ

سوال (۵۵۱) بعد اداۓ صلوٰۃ جمعہ جو لوگ چار رکعت بوجہ اشتباہ اداۓ جمعہ و فقہان بعض شرائط جمعہ پڑھتے ہیں ان کا ادا کرنا احتیاط ہے یا ادا نہ کرنا احتیاط ہے یا خواص کو درست ہے اور عوام کو نہیں یا خواص و عوام دونوں کو درست ہے نفس مسئلہ کیا ہے اور آجکل کے اعتبار سے کیا حکم ہے۔

۵ جمعہ کو جماعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جمعہ فرض ہے اور جماعت مستحب یا سنت ہو کہ وہ واجب فلا یقاس علیہا ادا کر صحیح ہو تو پھر یہی دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں ایسی گرمی ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ نازک مزاج لوگ اس فتوے کو حیلہ بنا کر جمعہ و جماعت کا اہتمام چھوڑ دیں ۱۲ (تفصیح الاغلاط ص ۱)

**الجواب**۔ ردالمحتار میں بعد ایک بحث طویل کے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے نفعاً ان ادی الی مفسدہ لا تفعل جہا راں الکلام عند عدمہا ولذا قال المقدسی نحن لا ناصر بذلت امثال هذه العوام بل ندل علیہ الخ اص وبق بالنسبة الیہم اھ۔ اور چونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ لا ناصر العوام اس لئے میں بھی کہتا ہوں کہ اترجمہ هذه العبارة لانى لا ادل علیہا العوام لان الدلالة نوع من حملہ علیہ۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۱)

**سوال (۵۵۲) آیت پہلی**۔ ومن ینتہز غیر الاسلام ینذرن یقبل منه وہی فی الآخرۃ من الخسرین۔ دوسری آیت۔ یا اهل الكتاب لا تغلو فی دینکم تیسری آیت۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ چوتھی آیت۔ ام للہم شریکاء شرعوا للہم من الدین ما لہم یا ذن بہ اللہ۔ پہلی حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو ح۔ دوسری حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فهو ح۔ تیسری حدیث وایاکم محدثات الامور فان کل محدث بدعة و کل بدعة ضلالة۔ چوتھی حدیث من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضہا اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم اثام من عمل بہا لا ینقص ذلک من اذناہم شیئاً۔ موافق مطلب ان آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ کے نماز احتیاط الظہر پڑھنا منع ہو گا یا نہیں؟

**الجواب**۔ صحاح میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن زمرہ نے زمرہ کی لونڈی کے بچے میں نزاع کیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفراش اس بچے کو زمرہ کا بیٹا قرار دیا اور بسبب مشابہت عقبہ بن ابی وقاص کے آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سودہ بنت زمرہ کو اس سے حجاب کرنے کا حکم فرمایا اس حدیث سے ثابت ہو اگر تعارض اولہ کے وقت گو ان اولہ میں ایک دلیل ضعیف ہی ہو حجج بین الاولہ وکل بقضیات کل نہا احتیاط مشروع و مسنون ہو پس اسی کی نظر ہے حجج بین الجمع و الظہر جن کو ظہر احتیاطی کہتے ہیں اور گو عدم صحت جمع کی کوئی دلیل ضعیف ہی ہو مگر حدیث مذکور نص ہے کہ مقتضا احتیاط کا دلیل ضعیف کا بھی اعتبار کرنا ہو جیسا کہ مشابہت دلیل ضعیف ہو اور پھر بھی اس کا اعتبار کیا گیا پس ظہر احتیاطی کی اصل سنت سے نکل آئی تو اس کا پڑھنا آیات و احادیث مذکورہ سوال کے خلاف نہ ہو گا اور اس سے اصرح وہ حدیثیں اس کا ماخذ ہو سکتی ہیں جن میں وقوع شک کی صورت میں بناء علی الاقل کا اور صلوٰۃ موداة مع الکراہتہ کے اعادہ کا حکم ہو بناء علی الاقل میں احتمال تکرار رکعت کا ہو اس سے مشکوک کے تدارک



بشکلہ کی مشروعیت ثابت ہوئی کیونکہ غیر مشروع کا تو احتمال بھی مانع جواز ہے اور اعادہ میں تو یہ تدارک یقینی ہے  
پس جہاں جمعہ مشکوک ہو اُس کا تدارک بالظہر بالیقین اس کی نظر ہے لان الجمعۃ الغائتۃ تجبر  
بالظہر اجماعاً لہنا کا لغائتۃ حیث احتمال فقد شرط ان وجہ مانع فافہو۔ اور تقریباً  
ظہر احتیاطی کی فی نفسہ مشروعیت کی ہے اور اگر کسی عارض خارجی سے منع کیا جاوے تو وہ اس کے منافی  
نہیں چنانچہ اس وقت اکثر علمائے محققین عوام کے غلو اعتقادی و عملی کو دیکھ کر منع فرماتے ہیں اور وجہ  
اس کی یہ ہے کہ مبنی اس کی مشروعیت کا محض احتیاط تھی جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود احتیاط ہے جب غلو  
ہو گیا تو اب پڑھنے سے اصل مقصود فوت ہو گیا کہ اُس احتیاط سے زیادہ بے احتیاطی ہو گئی اس لئے اب  
احتیاط نہ پڑھنے میں سمجھی جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۶ / محرم ۱۳۲۸ھ۔ (تمتہ اولی ص ۲۶)

سوال (۵۵۳) کسی آیت کریمہ و احادیث صحیحہ و اجماع قویہ و قیاس جلیہ سے نماز احتیاط  
ظہر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ سوال اول کے جواب میں اس کا ماخذ سنت سے مذکور ہو چکا ہے پس باعتبار  
ثبوت کے سنت سے ثابت ہے اور باعتبار ظہور کے قیاس سے ظاہر ہے۔ (تایخ دحوالاصح ۲)

سوال (۵۵۴) امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ و ابو یوسفؒ و زفرہ  
احتیاط الظہر وحسن سے خود احتیاط الظہر پڑھنا یا دیہات والوں کو حکم دینا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اور ائمہ کے مذہب پر تو نظر نہیں مگر امام صاحب کے قول معمول بہ جمع بین الوضوء  
بالماء و مشکوک و التیم کا اس کی نظیر ہونا معنی اس ظہر کا اُن کی طرف منتسب ہونا ہے کیونکہ جو قول امام  
صاحب کے قواعد سے ماخوذ ہو وہ بھی حسب تصریح فقہا ملحق باصل المذہب ہے اور صریحاً اسکا منقول  
نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ اُس وقت اس کا داعی پیش نہ آیا ہو لعدم الشک فی الشرط۔ کتبہ اشرفی۔  
۶ / محرم ۱۳۲۸ھ۔

سوال (۵۵۵) احتیاطی ظہر پڑھنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ جہاں صحت جمعہ میں شبہ ہو ایسا کرنا جمع بین الادلہ ہے جو شرعاً ثابت ہے حدیث  
الولد للفراش و الحتبی منہ یا سودة اس کی دلیل ہے۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۳)

سوال (۵۵۶) مسافرین خواہ مقیمین جنہوں نے کہ نماز جمعہ نہیں  
در صلوٰۃ ظہر یوم جمعہ پائی ظہر کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اور جامع مسجد میں بھی کر سکتے

ہیں یا کسی دوسری مسجد میں۔ بینوا تو جروا۔ ۹

**الجواب** - فی الدار المختار وکے تحریر المحدث و مسیحون و مسافرا اداء ظہر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدھا التقلیل الجماعة و صورۃ المعارضة و اخاذ ان المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع و کذا اهل مصر فالتهم الجمعة فانهم یصلون الظہر بغير اذان و لا اقامة و لا جماعة و یتستحب للمریض تاخیرھا الی فراغ الامام و کرہ ان لم یؤخر، هو الصحیح فی رد المختار قوله الا الجامع ای الذی تقام فیہ الجمعة فان فتحہ فی وقت الظہر ضرر و یرى و الظاهر انه یغلق ایضاً بعد اقامة الجمعة لئلا یجتمع فیہ احد بعدھا الی قوله لكن لا داعی الی فتحہ بعدھا فیبقی مغلقاً الی وقت العصر ج ۱ ص ۵۵) اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ ظہر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے نہ جامع مسجد میں نہ کسی دوسری مسجد میں - ۱۷ (شوال ۱۳۳۳ھ - تتمہ ثالثہ ص ۹)

**سوال ۵۵۷** اگر چند مسافر بروز جمعہ مجتمع شوند نماز ظہر را بجماعت خواندن روا است یا نہ اگر بارے کسے خواندہ بود ادراچہ حکم است و ہر جا کہ شرط جمعہ یافتہ نشود و دران جا مسجد جامع ہم نیست حکمش چیست - ؟

**الجواب** - فی الدار المختار و کرہ تحریر المحدث و مسیحون و مسافرا اداء ظہر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدھا فی رد المختار قوله لم یصلح و یرى و لا غیر و بالا و لی قوله فی مصر بخلاف القرى لانہ لا جمعة علیہم فكان هذا الیوم فی حقہم کغیرہ من الايام شرح للنیة و فی المعراج عن المجتبی من لا تعجب علیہم الجمعة - بعد الموضع صلی الظہر بجماعة ج ۱ ص ۵۵) از یہ روایات جواب ہر سہ سوال برآمد یعنی ایں جماعت روا نیست و اگر جماعت گزارد فرض ادا شد و جائیکہ جمعہ واجب نیست و مال ظہر بجماعت گزاردہ نشود - ۱۹ (ذیقعد ۱۳۳۳ھ - تتمہ ثالثہ ص ۹)

**سوال ۵۵۸** چونکہ بر مسافر جمعہ واجب نیست ہر جا کہ قیامان و مسلمانان کثیر اند و را نماز ظہر منفرد خواندن ہیچ گناہ عند اللہ شویا نہ - ؟

**الجواب** - نہ - کان الا ثوباً ترکھا یتلزم وجوبہا و قد فرض انه لا وجوب - البتہ اگر دین وقت جماعت در مسجد جمعہ حاضر باشد دریں صورت خاص تردد دارم - یتأسا علی توقف صاحب البحر فیما لو (قیمت و هو) (ای الا علی) حاضر فی المسجد و اجاب بعض العلماء بانہ ان کان متطہراً فالظاهر الوجوب کان العلة المحرر و هو منتہی الخ ۱ ص ۵۵ - (تاریخ وحوالہ بالاصح)

اگر عیدین ہر روز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ | سوال (۵۵۹) اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الفصح ہو تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں کی نماز واجب رہتی ہو یا نہیں؟

الجواب - دونوں واجب ہیں۔ فی رد المحتار امام مذہبنا قزوینی کل واحد منہما ۱۵۸ ارشوال ۱۲۵ھ - (امداد اول ص ۹۳)

سوال (۵۶۰) جن گاؤں اور قریوں میں سو سو پچاس پچاس نمازی ہوں | جواب مصالح جمعہ | ان کا جمعہ قائم کرنا مستحسن ہے یا نہیں نہ فرض اور واجب تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے اُس کے ادا کرنے سے اور نہ بچکانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ نمازیں چھوڑ دیتے۔ ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی منع کرے تو مصیب ہے یا مخطیٰ اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القریٰ اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب - فی الدر المختار نو اقص الموضوع لکن ینذہب للخروج من الخلاف کا سیال امام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبہ و فی رد المحتار فی بعض المسائل لو افتی بہ اسی ہذا مذہب مالک فی موضع الضمن والآخر ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اُس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اُس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگا اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ اول نفل کی جماعت۔ دوم نوافل نہا میں جمعہ۔ سوم غیر لازم کا التزام۔ چہارم ترک جماعت فرض ظہر۔ پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فرضیہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہر شرائط جواز جمعہ سے ہے شرائط وجوب سے نہیں پس یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز تو ہو جاوے گا۔ لہذا صورت مسئلہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۵ھ - (امداد ص ۹۹ ج ۱)

سوال (۵۶۱) ظہر کی چار سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جماعت کے سنت قبلتہ بعد جمعہ فوت ہونے کی وجہ سے اگر ان کے پڑھنے کی کوہت نہ آوے تو بعد ادا کے فرض ان چار سنتوں کی نیت قضا کی کی جاوے گی یا ادا کی؟

**الجواب**۔ ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرت ترتیب بدلی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ ۱۸۔ اشوال ۳۲۵۔ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

**سوال** (۵۶۲) زید نے بوجہ تہیہ سنتی وغیب الوطنی کے عمر کی نوکری کی حکم خواندن جمعہ برائے اجیر ممنوع از جمعہ لیکن عمر بوجہ ہرج ہونے کام کے زید کو مہلت نماز جمعہ پڑھنے کی نہیں دیتا ہے اور زید مجبور ہے آیا اس حالت میں نماز ظہر مجبوراً پڑھنے سے فرض جمعہ کا اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ مستاجر یعنی آقا کو جائز نہیں کہ اجیر یعنی نوکر کو نماز جمعہ سے کمر فرض ہے منع کرے اور نہ اجیر کو اس کا چھوڑنا جائز ہے اور اگر باوجود اس کے جمعہ میں حاضر نہ ہوا اور ظہر پڑھ لیا تو جمعہ ساقط ہو جائے گا لیکن ترک جمعہ سے گنہگار ہوگا۔ البتہ اگر اجیر کو جمعہ میں آنے جلنے سے جو تھائی دن خرچ ہو گیا تو جو تھائی اجرت اس دن کی کم کر دی جائے گی اور اگر اس سے کم صرف ہو تو پوری اجرت واجب ہے۔ والا صحیحون جو بہا علی مکاتب و مبعضون اجیر و یسقط من الاجر بحسابہ لو بعید او الاکالا۔ در مختار۔ قولہ و اجیر مفادہ انہ لیس للمستاجر منعاً و هو احد قولین و ظاہر المتون یشہد لہ کما فی البحر حقولہ بحسابہ لو بعید افان کان قد ربح النہار حط عنہ ربح الاجرة و لیس للاجیر ان یطالبہ من السرب المخطوط بمقدار اشتغاله بالصلوٰۃ تا ترخانیۃ رد المحتار۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔ صفر ۳۲۴۔ (امداد ص ۹۶ ج ۱)

**سوال** (۵۶۳) (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (السلام علیکم حکم خواندن و رحمتہ اللہ وبرکاتہ ما ترشدون ایہا الکرام السخون فی العلم الدینیۃ فی قرآۃ الخطبۃ باللسان العجمی علی قوم لا یعلم العربی منهم الا البعض فهل جائزۃ ام لا۔

**الجواب**۔ مکراہۃ والدوام علی المکرۃ ینزید کراہۃ و الاکتفاء علی العجمی اشد فی الکراہۃ من اختلافہ بالعربی۔

**سوال** (۲) فان لم تجز فہل ہی کراہۃ ام غیرہا و ماذا حکم الترجۃ بالعجمی مع قراءۃ العربی فی ہذا الصورتۃ۔

**الجواب**۔ ان کان احیاناً الضرورة و قتیہ بدون جعلہا جزءاً من الخطبۃ فلا باس۔

**سوال (۵۶۴)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں نماز عید الضحیٰ دو مقام پر ہوتی ہے عید گاہ میں اور جامع مسجد میں درہماں روز

اور ہر دو جگہ جماعت کثیر ہوتی ہے چند لوگ نماز پڑھنے کے لئے عید الضحیٰ کی طرف چلے عید گاہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ نماز عید الضحیٰ ہو گئی وہاں سے واپس پلٹے اور طرف جامع مسجد کے چلے اور جب وہاں پہنچے تو جامع مسجد میں بھی نماز نہ ملی اور نماز کا وقت ابھی بہت باقی ہے پس یہ لوگ اور اور لوگ جن کو نماز نہیں ملی سب ملکر کسی مسجد میں اُسی قصبہ کے نماز عید الضحیٰ اساتذہ جماعت و امام کے پڑھیں تو یہ نماز ان کی قضا میں شمار کی جاوے گی یا ادائیں اور ان لوگوں نے نماز قبل زوال پڑھی ہے۔

**الجواب**۔ صورتہ مذکورہ میں نماز عید صبح ہو گئی تو وہی بمقام واحد ہوا واضح کثیرۃ اتفاقاً درختہ سار۔ اودا ہوگی کیونکہ ادا کہتے ہیں واجب کو اُس کے وقت میں کرنے کو۔ ثعلابہ فعل الواجب فی وقتہ درختہ سار۔ اور وقت عیدین کا ارتفاع شمس سے قبل زوال تک ہے۔ و وقتہا من ارتفاع الزوال باسقاط الغایۃ۔ درختہ سار۔ پس جب زوال ہے پہلے پڑھے تو اپنے وقت میں واقع ہوئی اس لئے ادا ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (امداد ۹)

**سوال (۵۶۵)** حضور کے رسالہ ہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ نماز عیدین بالاتفاق متعدد مساجد میں جائز ہے اور فقہاء نماز عیدین کے لئے خروج الی الجبانہ سنت نہ کرکے لکھتے ہیں اور خلاف سنت نہ کرکے تحریری ہے لہذا حضور کی تحریر جواز میں شبہ پڑا کہ جائز مع الکرہ است ہے یا بے کراہت ہے اور کراہت بھی تحریری ہے یا تنزیہی۔ اس شبہ کا دفعیہ فرماویں؟

**الجواب**۔ ہشتی گوہر میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درختہ سار کا ہے اُس میں ہوا ضعیف کثیرہ کا لفظ ہے یہ مترجم کی لغزش ہے بمقصود یہ ہے کہ جیسا جمعہ کے جواز تعدد میں اختلاف ہے اس میں وہ اختلاف نہیں اس لغزش کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مسجد کو معنی لغوی پر محمول کر لیا جاوے یا مسجد کو معنی شرعی پر محمول رکھا کہ معذورین کے حق میں اس کو کہا جاوے جو عید گاہ نہ جاسکیں فقط۔

واللہ اعلم۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ۔ (تمتہ اولی صلا)

**سوال (۵۶۶)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید الضحیٰ قصبہ بعد از تاہیم ثانی۔ ہسوتہ میں روز شنبہ ۱۰ ذی الحجہ کو ہوئی اور شہر فچور میں کہ اس قصبہ سے تین کوس ہے وہاں نماز عید الضحیٰ بروز چار شنبہ ۱۱ ذی الحجہ کو ہوئی۔ چند شخص نمازی اس قصبہ کے کسی مقام میں ماخوذ ہو کر عدالت فچور میں گئے اور بروز شنبہ بسبب مقدمہ کے فچور میں رہے اور بروز چار شنبہ

۱۱ ذیحجہ وقت صبح وہ لوگ قصبہ ہسودہ میں آئے پس ان سب بارہ تیرہ آدمیوں نے ایک شخص کو امام کیا اور نماز عید اضحیٰ ۹ بجے دن ۱۱ ذیحجہ چہار شنبہ کو پڑھی موافق شہر فختور کے تو یہ نماز ان کی درست ہوئی یا نہیں یہ نماز عید اضحیٰ کی نماز میں شمار ہوگی یا نفل میں۔ بینوا تو جروا۔؟

**الجواب**۔ تاخیر نماز عید اضحیٰ کی بارہویں تک اگر بجز رہو تو بے کراہت اگر بے عذر ہو تو بکراہت جائز ہے لکن ہنایہ جزا تاخیر ہا الی اخر ثالثا یام الفخر بلا عذر مع اللہ اھۃ و بہ بد و نہا در محتار۔ پس صورت مسئلہ میں نماز بکراہتہ صحیح ہوئی اور نفل شمار نہ کی جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۶ ذیحجہ ۱۳۳۵ھ۔ (امداد ص ۹ ج ۱)

**سوال** (۱۵۶۷) حضور کا کارڈ مسئلہ کترین کے سوالات کے سر راغ امام درجائے دیگر جوابات کا پہنچا کترین کو سوال ۱۷ کے جواب میں شبہ ہے امید ہے کہ حضور تسلی فرمائیں گے وہ شبہ یہ ہے کہ عبارت قدوری ومن فاتتہ صلوٰۃ العید صح کا لحد یقضہا (ص ۳۲ باب صلوٰۃ العیدین) سے اس کے عدم جواز کا شبہ ہوتا ہے۔ اب اس میں حسب ذیل سوالات ہیں۔ ۱۔ اس جملہ کے کیا معنی ہیں ۲۔ اس جملہ سے عدم جوا ثبات ہوتا ہے یا نہیں ۳۔ کترین نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ اگر کسی شخص کو عید کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے تو مثل نماز جمعہ کے پھر اُس کو نہیں پڑھ سکتا۔ اگرچہ وقت باقی ہو۔ کیونکہ اگر لحد یقضہا سے مراد وقت گزرنے پر قضا کرنا ہوتا تو مع الامام کی قید لا حاصل تھی اگر یہ کہا جائے کہ اگر ایک یا دو یا چار شخصوں کو جماعت عید نہ ملے تو ان کے لئے لحد یقضہا کا حکم ہے نہ کہ جماعت کثیر کے لئے تو کنزالدقائق کی عبارت ولحد تقض ان فاتت مع الامام (باب العیدین) اس کی تائید کرتی ہے کہ فعل مجہول ذکر کیا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔؟

**الجواب**۔ در مختار میں بہت صاف عبارت ہے جس سے دوسری عبارات کی شرح ہو جاوے گی۔ ولا یصلیہا وحده ان فاتت مع الامام ولو بلا فساد اتفاقا فی الاصل ولو امکنہ الذہاب الی امام اخر فعمل کا نہا تو دی بمصر و احد بمواضع کثیرۃ اتفاقا فان عجز صلی اربعا کا الضحیٰ فی حر المختار دقو لہ مع الامام متعلق بمحدود و نہ وہ سوال وجواب یہ ہے۔

**سوال**۔ عید کی نماز ہونے کے بعد اگر بہت سے آدمی جمع ہو کر کسی دوسری مسجد یا جامع مسجد

میں دوسری جماعت عید کی کریں تو جائز ہے یا نہیں۔؟ **الجواب**۔ جائز ہے۔ ۱۲۔

حال من ضمیر فانت لا بغانت لان المعنی ان الامام اداها و فانت المقتدی - اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لایقضی یا لم تقض کے بھی معنی ہیں کہ منفردانہ پڑھے اگرچہ شروع کر کے فاسد کر دی ہو باقی اگر ایک امام کے ساتھ نہ ملی ہو دوسرے امام کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے اور اس تقریر میں سب نمبروں کا جواب ہو گیا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ - (تتمہ ثالثہ ص ۱۱)

در اثناے خطبہ ترجمہ | سوال (۵۶۸) جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور دعوت خطبہ وغیرہ کردن | کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جائز ہے۔ ہکذا يستفاد من العالمگیریۃ - واللہ اعلم ۶ رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد جلد اول ص ۹)

سوال (۵۶۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سلسلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں قرآن شریف اور احادیث کی عبارت پڑھ کے اُس کا ترجمہ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ خطبہ میں اور کوئی غیر چیز لاحق نہیں کرتے اس لئے فقط خطبہ عربی پاکتفا کرنا چاہیئے ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درمیش سد میں کرے جائز ہے۔ یکذا للخطیب ان ینکلم فی حال الخطبة الا ان یکون امرامجمعون کذا فی الفتح القدیر عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵۔ و یروی رجوعہ فی اصل المسئلة الی قولہما و علیہ الاعماد و الخطبة و التشہد علی هذا الاختلاف ۱۲ ہدایہ اقول فلما ثبت الرجوع عنہ فی القراءة بالفارسیۃ ثبت فی الخطبة بہا۔ فقط واللہ اعلم (امداد ص ۱۱ ج ۱)

سوال (۵۷۰) ماقولکم رحمکم اللہ سبکم اندرین سلسلہ - کہ جمعہ ایضاً | کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور دعوت خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جائز ہے۔ ہکذا يستفاد من العالمگیریۃ و اللہ اعلم و فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ قیومی پریس ۱۳۲۵ھ ص ۳۲۲ اس سوال و جواب مرقوم بالا میں بندہ کو شبہ ہے کہ یہ جواب حضرت و الامقام کی تحریرات سے ہے یا نہیں۔

الجواب - اس وقت فتاویٰ اشرفیہ میرے پاس نہیں۔ اس لئے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن غالب یہ ہے کہ میرا ہی جواب ہے۔ مگر ابتدائی زمانہ کا ہو گا۔ اس لئے محمل ہے۔ میرے بعد کی تحریرات میں اس کی تفصیل مذکور اور بذریعہ طباعت مشہور ہے۔ جس کا حاصل

یہ ہے کہ ایسا کرنا گاہ بگاہ، کبھی ضرورت سے، قلیل مقدار سے مضائقہ نہیں۔ باقی اس کی عادت کر لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ میں خلاف سنت ہے۔ ۲۴ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ۔ (النور ص ۶ ذیقعدہ ۱۲۹۹ھ)

اشعار خواندن بزبان غیر عربی و خطبہ جمہ

سوال (۵۷۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں کہ خطبہ جمہ مشتمل بر اشعار اردو فارسی وغیرہ کے پڑھنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے یا با کراہت اور در صورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو ادلی کیا ہے اور کس طرح خطبہ کی عادت کرنی چاہئے یعنی اردو وغیرہ کے اشعار و الا خطبہ پڑھا کرے یا فقط عربی کے الفاظ اور عبارات پر اقتصار لازم ہے کہ علی وجہ المسنون ادا ہووے اور طریقہ سلف صالحین اور عمل علمائے عاملین کیا ہے۔ ۹

الجواب (مسئلہ مذکورہ از مولوی ارشاد حسین صاحب) واللہ سبحانہ، المعروف للصواب اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہیں اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ اشعار فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پسند و نصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں پس جو انا اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ بالکل کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی خدا الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ قال فی الدر المختار و کفت تحمیدۃ ان تہلیلۃ ان تسبیحہ للخطبۃ المفروضۃ مع الکسارۃ و قال لا بد من ذکر طویل و اقلہ قدر التشہد الی احب انتہی و قال ایضاً صحیح شروع بتسبیح و تہلیل و سائر کلام التعظیم کما صحیح لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان و شرط العجزۃ و علی ہذا الخلاف الخطبۃ و جمیع ادکاس الصلوۃ انتہی۔ و قال فی رد المحتار و شرط العجزۃ عن التکبیر بالعربیۃ و المعتقد قولہ بل سیاقی ما یفید الاتفاق علی ان العجز غیر شرط انتہی۔ اور ان اشعار فارسی وغیرہ پڑھنے میں کراہت نہیں لیکن سلف صالحین اور علمائے متقدمین سے منقول خطبہ تبارہ

۱۷ اگر کہہ تخریج کی نفی مقصود ہے تو صحیح ہے اور اگر کہہ تخریج کی نفی مقصود ہے تو صحیح نہیں اور جب اس پر اصرار ہو گا تو اگر تہذیب شد ہو جائیگی اور ادرچا استدلال میں کہا گیا ہے کہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا الخیر اسلئے صحیح نہیں کہ خطبہ اگر تعمیر ہو تو وہ تمام خطبہ ہے اور اگر طویل ہو تو وہ بھی تمام خطبہ ہے جیسا کہ ترقی مغربہ میں تصریح ہے کہ اگر قدر فرض سے زائد ترقی ہو تو وہ مجموعہ فرض ہوگی۔ اور امام صاحب راجع عید اصلوۃ میں ہے کہ حکم میں خطبہ کا ہونا بھی کتب فقہ میں مصرح ہے اور عبارت در مختار میں ہے کہ غیر شرط کہا ہے تو نفس صحت یعنی ادا کرنے فرض کے لئے نہ کہ جواز بلا کراہت کے لئے ۱۲ اشترعی غفرلہ



زبان عربی میں ہے اور یہی اولیٰ ہے بسبب موافقت سنت کے اور اسی کی عادت کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ عظم و علمہ اتم۔ العبد محمد ارشاد حسین۔

**اقول۔** (جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب)

مستحیدنا باللہ سبحانہ و تعالیٰ دونوں جواب صحیح ہیں واقعی خطبہ میں اشعار وغیرہ پڑھنا غیر مستحسن ہے اور مکروہ کے دو معنی ہیں ایک بوجہ دلیل مستقل کے دوسرے بوجہ مخالفت سنت کے پس اگر اشعار مذکورہ لغنی کے ساتھ پڑھے جاویں تو مکروہ بالمعنی الاول ہے ورنہ بالمعنی الثانی۔

یؤید ما فی الکام النفاؤس و سئلت ایضاً عما اعتادہ اکثر خطباء عننا من قراءۃ الخطبۃ بالعربیۃ و تضمین بعض الاشعار الفارسیۃ او الہندیۃ ہل یجوز ذلک فاجبت بان قراءۃ الاشعار فیہا ان کان بالغناء الممنوع عنہ فی الشریعۃ فلا یریب فی کراہتہا وان کان بالعربیۃ ما فی نصاب الاحساب ہل یجوز المذکر ان یقر علی المنبر و یدتی لکما اعتادہ مکسرون عننا فالجواب انہ ورد فی الحدیث من اشتراط الساعۃ

ان تو وضع الکاخیار و ترفع الاشعار وان تقرأ المثلثۃ علی رؤس الناس و المثلثۃ ہی الیٰتی تسمی بالفارسیۃ دو بیتی من صحاح الجہری و الفقہ فی منعہ

انہ خناء و انہ حرام فی غیر المنبر فما ظنک فی موضع یعد للوعظ و النصیحتہ

قال العبد اصلحہ اللہ و قد ظفرت علی هذا الحدیث بعد ما کنت اجلس

للعلمۃ فی المنابر یبقی اللہ اکثر من ثلاثین سنۃ فحمدت اللہ علی انی و

ان کنت لخاص علم بجرمۃ هذا الفعل و لکنی لہذا کرمتنا یعنی دو بیتی قط فی

منبر ما جلست فیہ انتہی کلامہ و ان لو یکن بالغناء فالکراہۃ لکونہ مخالف

للسنۃ و اخلا فی اصناف البدع و کذا قراءۃ بعض الخطبۃ بالعربیۃ و بعضها

بالفارسیۃ لا تخلو عن الکراہۃ للتقریرات السابقۃ فلیحفظ هذا کلامہ فان

الناس عنہ غافلون یرتکبون امرًا شنیعًا و یحسبون انہم یحسنون۔ اور السنۃ

و جماعت سے خروج بسبب بدعت کے ہوتا ہے اور بدعت کے معنی درمختار میں یہ لکھے ہیں

و ہی اعتقاد خلاوت المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شنیعہ اھ۔

اور صاحب رد المحتار نے اس تعریف کو ابن حجر کی طرف نسبت کیا ہے اور شنیعی سے دوسری

جواب اول کی تصحیح اس کے جز بمقصود کے اعتبار سے ہو لیکن سلف صالحین الی قول عادت کرنا چاہئے۔ ۱۲۰

تعریف کہ صدق میں اسی کے مساوی ہے نقل کی ہے۔ ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علمہ او عمل او حال بنوع شبہة واستحسان وجعل دینا قویما و صراطا مستقیما ۱۱ھ - فقط - کتبہ اشرف علی عفی عنہ

من اجاب فقد اجاد و اصاب فیما افاد حرک محمد عبدالغفار عفی عنہ سب العباد بجالا  
الرسول والالاجاد - الجواب صحیح - شیر علی عفی عنہ - قد اصاب من اجاب - محمد صدیق دودی (امداد الفتاویٰ)

سوال ۵۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کے وقت سے پہلے چار پانچ منٹ منبر سے علیحدہ خطبہ کا ترجمہ سنانا حسب فرمائش مصلیان اور پھر فوراً اذان خطبہ کے وقت منبر پر جانا اور حسب معمول اذان خطبہ ہونا اور عربی میں خطبہ کا پڑھنا۔ اس میں کوئی کراہت یا مفسد نماز ہے یا نہیں۔ زیادہ ادب - ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ - ۹

الجواب - یہ خطبہ کا ترجمہ سنانا تذکیر ہے اور آیت و ذکر فان الذکر ی تنفع المؤمنین اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے۔ بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور جو قیود و سوال میں مذکور ہیں ان میں دو قیدیں او قایل اضافہ ہیں۔ ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لئے لازم نہ سمجھیں۔ دلیل اس کی مشہور ہے۔ دوسرے یہ کہ مذکر اس وقت منبر سے دور ہوتا کہ ہیئت خطبہ کا ایہام نہ ہو۔ دلیل اس کی مجوزین تکرار جماعت کی یہ تقید ہے کہ عدول عن المحراب ہو۔ پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں لہذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نمازیں۔ اور فساد صلوة میں تو دوسو سوہ کا بھی درجہ نہیں۔ البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہو سو وہ چونکہ بقول رائج خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نماز جمعہ کی اسلئے اس صورت میں فساد صلوة کے حکم کی گنجائش ہے۔ اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی جو۔ راوی مسالو عن جابر فی قصۃ یوم الفطر شر خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکرھن الحدیث و راوی البخاری عن ابن عباس بعد من عظم النساء ثلث انطلق هو وبلال الی بیتہ الحدیث یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی۔ اور نیز منبر پر نہ تھی۔ اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا جس سے معلوم ہو کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم و تاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم - ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ - (النور - بیچ الاول ۱۳۵۵ھ)

تعدد جمعہ  
کا حکم

**سوال (۵۷۳)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمپ میرٹھ لال کوٹلی بازار میں دو مسجدوں یعنی سیدہ والی اور شیخ الہی بخش والی میں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوئی ہے اور اب قریب ایک ماہ کے چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کو ٹھسی کے ضد میں مسجد کو نکلے والی میں جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور جو لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ تن درستی مسجد کو نکلے والی میں مصروف ہیں اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ جمعہ بوجہ نفسانیت بھی ہو تو اس مسجد میں جمعہ پڑھکر لال کوٹلی میں تین جگہ جمعہ کرنا کیسا ہے - ۹

**الجواب** - اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے یا نہیں اگرچہ واسطے دفع حرج کے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ جائز ہے پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہو کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں اگرچہ بوجہ اطلاق دلیل راجح یہی ہے کہ جائز ہے - فتاویٰ فی مصر واحد بمواضع کثیرہ مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتویٰ شرح المحکم للعینی واما فتح القدیر دفعاً للحرج وعلی المرجوح فالجہۃ لمن سبق تحریرتہ وفسد بالمعیتہ والاشتباه - درمختار - وبہ اندفع مافی البدائع من ان ظاہر الروایۃ جوازہ فی موضعین لا فی اکثر وعلیہ الاعتناء - شامی مصری جلد اول ص ۵۴ - یہ سب اختلاف اس صورت میں ہو کہ ازراہ نفسانیت نہ ہو نہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ سقوط واجب ہو جائے گا - پس صورت مسئلہ میں اگر ازراہ نفسانیت بھی نہ ہوتا جب بھی بہتر نہ تھا کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف علماء میں پڑنا کون ضرور ہو - دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور و دراز سے سب کا آنا دشوار ہو گا اور لال کوٹلی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں فاذا فانت العلة فانت المعلول چہ جائیکہ یہ تفریق ازراہ نفسانیت ہو تو بہت بیجا اور مشابہت ہو اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ہے الذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفرراً وکفرافاً بین المومنین الخ اعاذنا اللہ منہ وجميع المسلمين - ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہو اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تدارک بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بیشک اس علیحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں - واللہ اعلم - ۱۳ شعبان ۱۳۸۷ھ - (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

**سوال (۵۷۴)** دیہاتوں میں جہاں چند جگہ جمعہ ہوتا ہے تو ان میں جہاں پہلے ہوا ان کا جمعہ صحیح ہونا اور باقی کا غیر صحیح ہونا کسی اور شرعیات سے ثابت ہے یا نہیں - نقطہ ۹

**الجواب** - روی الشیخان عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر کتبتین لویصل قبلہما ولا بعد ہما - اس حدیث اور نیز دوسری بہت سی احادیث

سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف سے لیکر خلف تک جس طرح فعل نبوی سے کسی حکم پر استدلال کرتے رہے ہیں اسی طرح ترک سے بھی استدلال کیا گئے ہیں اسی بنا پر عید کے قبل اور بعد کی نوافل کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے اور اپنے محل میں ثابت ہو کہ آپ کے زمانہ میں قاطبہ کسی امر کا معمول ہونا یا عامۃ کسی امر کا ترک ہونا اور آپ کا اس پر سکوت فرمانا یہ حدیث تقریری اور مثل حدیث قولی یا فعلی کے اثبات حکم میں ہے۔ اس کے بعد غور کرنا چاہئے کہ عہد نبوی یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک مصرع میں چند مساجد میں جمعہ ہونا کہیں منقول نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں ہو تو کہا جاوے گا کہ مانع تعدد کو وہ روایت نہیں پہنچی۔ پس اس بنا پر نظر الی الامرین المذکورین مانع اس طرح استدلال کر سکتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں تعدد کا بالعموم متروک ہونا دلیل اس کے عدم مشروعیت کی ہے اور مقصود اس استدلال کے نقل کرنے سے اس منع کی تقویت نہیں ہو کیونکہ خود علمائے مذہب نے اس قول کے مروج ہونے کی تصریح کر رکھی ہے۔ کما فی الدر المختار فتاویٰ فی مصر واحد بموضع کثیرۃ مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتویٰ بشرح المجمع للحدیث امامتہ فتح القدیر دفعاً للجرح۔ اور یہ مجوزین اس استدلال کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ترک و اجابت ہے جو قصد ہوا وہ یہ امر مجتہد کو ذوقاً ورائے سے معلوم ہو جاتا ہے اور تعدد جمعہ کا ترک اتفاقاً تھا اور اجتماع کا شوق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کار پر ہونے کا ذوق تھا ہفتہ میں ایک بار ذرا اتہام کر لینے میں کچھ حرج نہیں تھا اسلئے تعدد کی نوبت نہ آئی اس سے عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی خصوص جبکہ اس میں حرج بھی ہو جو خود مستقل مقتضی ہے توسع کو چنانچہ دفعاً للجرح کہنا اس طرف مشیر ہے اور چونکہ اس جواب کے بعد دلیل منع کا ضعف خود ثابت ہو گیا اس ضعیف ہونے کو مثل دلیل مفقود ہونے کے کہہ دیا گیا ہے۔ کما فی الدر المختار و لم یجد دلیل عدم جواز التعدد بل قضیۃ الضرورة عند اشتراط ۱۷ اور اسی حرج کے مبنی ہونے پر نظر کر کے موضعین یا مواضع کثیرہ کے اقوال میں بھی تطبیق ہو گئی کہ مختلف مقامات پر مختلف ضرورتیں معلوم ہوئیں اور گویہ دلیل منع کی ضعیف تھی مگر موقع احتیاط میں ضعیف نظر ہونا جواب سوال اول میں بیان ہو چکا ہے۔ فقط

۴ محرم ۱۳۲۶ھ۔ (تمتہ اولی ص ۲۵)

عصا گرفتار  
وقت خطبہ

سوال (۵۷۵) (۱) خطیب کو وقت خطبہ عصا یا لکڑی ہاتھ میں لینا سفت ہے یا مستحب؟ نیز دہن ہاتھ میں لیوے یا بائیں میں۔ اگر دہن ہاتھ میں عصا لیوے اور بائیں میں خطبہ تو خلافت ادب تو نہیں۔ ۳ آل رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آثار علی عصا

۵ مراد اس سے دھواں ہے جو اس سوال سے کچھ پہلے ۵۵۲ پر درج ہے ۱۲



یہاں خطبہ غیر زبان عربی کے بارہ میں شبہ پیدا ہوا ہے۔ بہشتی گوہر میں ہے کہ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کا دستور ہے خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے آھ۔ اس وقت تک جن کتابوں میں دیکھا گیا یہ الفاظ بتصریح نہ ملے لہذا رجوع الی المؤلف کے سوا چارہ نہ دیکھ کر یہ فیض رسالہ خدمت ہے امید کہ اصل منقول عند کی عبارت سے دستگیری فرمائی جائے تاکہ رفع نزاع ہو۔

**الجواب**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور اس کی حریت کی مقصودیت حضرات صحابہؓ کے ممالک عجم میں باوجود بعض صحابہؓ کے عارف بالفارسیہ ہونے اور باوجود سامعین کے غیر عربی میں نہ پڑھنے سے ثابت ہے جب یہ عربیہ مقصود بالموافقت ہوئی تو اس قید کی حالت سنت مؤکدہ ہو گئی اور سنت مؤکدہ کے ترک کو فقہاء نے موجب اثم (دان کاں دون اشعرتک الواجبہ) اور بعض جزئیات میں موجب فسق قرار دیا ہے۔ جو کہ اہل تہذیب پر دلالت کے لئے کافی ہیں اور اس کی بعض جزئیات کو خود اسی عنوان مکروہ تحریمی کا محکم علیہ بنایا ہے وہ عبارات یہ ہیں۔ فی الدلالت المختار ہی (ای السنۃ المؤکدۃ) کا دلالت علیہ فی حقوق الاشعرو فی رد المختار۔ یعنی دان کاں مقولاً بالتشکیک نہرج ۳۹۵۱ و فی رد المختار و الصحیح انہ یا ثمر بترک السنن الصلوٰۃ الخمس (ذکر فی فتح القدیر و تصریحہم بالا ثمر لمن ترک الجماعة مع انہا سنۃ مؤکدۃ علی الصحیح اصلاً و فیہ ایضاً و صرحوا بفسق تارکھا) (ای الجماعة مع کونہا سنۃ مؤکدۃ علی الصحیح کما مر) و تعزیر دانہ یا ثمر الی قولہ مع ان صلاتہ منفرداً مکروہۃ تحریمیاً و قریبۃ فی التخریج ۳۹۵۲۔ اگر اس جواب سے اطمینان نہ ہو تو علم الفقہ کے رک بہشتی گوہر اسی کا اختصار ہے جس میں سرسری نظر سے نشان بنانے سے کام لیا گیا ہے بوجہ اعتماد کے تعمق نظر کی نوبت نہیں آئی، مصنف سے جو اس مضمون کے اصل کاتب ہیں تحقیق کر لیا جاوے امید ہے کہ اس سے زیادہ کافی و ثانی جواب ملے۔ ۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ۔ (تمتہ خامسہ منہ)

**سوال (۵۷۹)** فان لم یجد فیہما المراد فی هذه الصورة بالقول بانها نصیحة و

وعظ فی اکل سبوع بینوا بالدلیل الشافیہ الکافیہ علی مذهب الحنفیۃ۔ ۹

**الجواب**۔ هذا بیان الحقیقۃ الخطبۃ ولا یلزم منها اختیار لسان الخطاب لیت شعری ما ذی فعل الخطیب لو حضر الخطبۃ جمع مختلف الالسنۃ علی انہ منقوض بقولہ تعالیٰ فی شان القرآن وانه لتذکرۃ للمتقین و قوله تعالیٰ ان فی ذلک لکبر لری

ونعوہما من الایات التي لا تحصى فهل يحكم بجواز قراءة في الصلوٰۃ باللسان الجعبي بنہ  
 علی انه نصیحة ووعظ - وفقہ المسئلة ان الخطبة امر تعبدی كالقراءة فيجب فيها اتباع  
 المنقول ولو لا ذلك لنقل عن الصحابة قراتها بالفارسية لما فتح فارس واقيع فيها  
 الجمعة وكونها غير منقول ظاهر فاذا ان الامر باهر علی كل ما هر والله اعلم - لثالث  
 عشر من ربيع الاول ۱۳۳۳ھ - (تمتہ خامسہ ص ۳۵۸)

**سوال (۵۸۰)** اگر خطبہ جمعہ وعیدین میں حمد و نعت عربی زبان میں پڑھ کر بقیہ تمام خطبہ  
 مقتدیوں کے سمجھنے و فائدہ اٹھانے کی غرض سے اردو زبان میں پڑھا جائے تو کیا شرعاً جناب کے نزدیک  
 جائز ہے۔ خطبہ کا اصلی مقصد کیا ہے بعض لوگ اردو زبان کے داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں یکہاں  
 تک جناب کے نزدیک صحیح ہے۔ براہ مہربانی نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو تحریر فرمائیے گا۔  
 جناب کی اس تکلیف فرمائی کا بہت ہی ممنون احسان ہوں گا۔ ۹

**الجواب**۔ قرآن مجید اور خطبہ کا دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے۔ چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں  
 ذکر اللہ فرمایا ہے یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لئے فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَآلَهُ لِحَاظِ فَكْرُونَ بلکہ  
 قرآن مجید کے لئے لفظ ذکر ہی بمعنی تذکرہ بھی وارد ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ پس اگر لفظ ذکر اس  
 پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی مادہ تو چاہیے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے  
 ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکر ہی اس پر زیادہ دال ہے۔ اور اگر  
 قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا  
 جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے۔ مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر  
 ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس اس  
 وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے۔ پھر کیا وجہ کہ اس  
 وقت ایسا نہیں کیا گیا۔ پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لئے شرط  
 ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو۔ اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوگی۔

الرجادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ - (تمتہ خامسہ ص ۳۶۲)

**تمہید سوال و جواب آئندہ**۔ فران شریعت ایک عالم کا رسالہ ہے جس میں خطبہ کے  
 عربی زبان میں ہونے کی ضرورت اور غیر عربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے  
 اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی۔ ایک مقام سے احقر کے پاس ایک خط آیا جس میں دو سوال تھے ایک

میں حوالہ روایات کے متعلق خلط کا اثبات اور دوسری میں غیر عربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ احقر نے اس خط کا جواب لکھا یہ سب ذیل میں منقول ہے :-

**سوال (۵۸۱)** (سوال اول) اس کا خلاصہ تہید میں لکھ چکا۔ اور چونکہ جواب میں بھی اسے محض اجمالی تعرض ہے اس لئے اس سوال کو بعینہ نقل نہیں کیا گیا۔

(سوال ثانی) صاحبین نے عاجز عن العربیہ کو محذور اور عاجز قرار دیا ہے اور اس لئے غیر عربی و اقل کو غیر عربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہو گیا یا نہیں۔ کیونکہ تکبیر تحریم کے متعلق قاضی خان نے لکھا ہے۔ کہ اگر عربی نہیں جانتا ہے تو فارسی میں نماز کو شروع کرے گا ورنہ غیر عربی میں نہیں شروع کر سکتا تھا۔ بالکل یہی اختلاف بقول در مختار خطبہ میں بھی ہے اس لئے عربی نہ جاننے والے کیا صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر بکراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے یا مکروہ تحریمی کیا وہ مکروہ تنزیہی بحالت موجودہ نہ سمجھ میں آنے کے عند سے معاف نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی ضروریات کے لئے اردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں آداب القراۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ جو عبادت بے سمجھے ہو اُس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تامل ہو وہ تلاوت نہیں اس لئے اگر کوئی شخص خطبہ شریعیہ کے حدود میں رہ کر اردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ مثاب ہو گا یا نہیں نیت اُس کی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونا چاہئے خصوصاً خطبہ جو تذکرہ کے لئے بھی ہو جس میں سامعین کو نماز مقصود ہو۔

**الجواب**۔ تنبیہات سے ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ غالباً اکثر اہل علم کا تصدیق راسل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافقی پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بنا بر اعتماد صاحب سالہ ماخذ پر منطبق نہیں کیا جاتا چنانچہ اس وقت آپ کی تحریر کی روایات میں بھی اسی اعتماد کی بنا پر تطبیق کا اہتمام نہیں کیا۔ اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا مقرر ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے اگر اس میں مجھ کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے گی حسب معمول رجوع کروں گا۔ یہ تو سوال اول کا جواب ہے باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں جو اس کے لئے جواز یعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی میں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے۔ کما یاتانی رہا یہ امر کہ کسی کراہت ہے سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہو سکتی ہے مسئلہ مستحکم فیہا میں بڑا عارض اس وقت میں یہ ہو کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی۔ اس لئے تغیر مشروع کے سبب کراہت تحریمی کا حکم بعید نہیں اور یہ عجز اور عدم عجز عن القراۃ نہ کہ عن الفہم چنانچہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول



نہیں اور قیاس ایک کا دوسری پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہاں سمجھنے سے مراد تو تجربہ ہی چنانچہ اس قول کی عبارت اُس عبارت کو بھی شامل ہے جس میں کوئی قراۃ نہیں ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن کے پڑھنے سے افضل ہوگا۔ رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب فوذ کر آیا ہے اور قرآن کا ذکر ہی تو کیا حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا۔ ۴۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ۔

### اس کے بعد مسائل بالا سے حسبِ ہل مکاتبت ہوئی

(سوال) حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز و عدم عجز عن القراۃ مراد ہے نہ کہ عن الغم صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے مودبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں تحقیق الخطبہ میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی المذہب) کی حسب ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے۔ وہل یشترو کون الخطبۃ کلہا بالعربیۃ وجہان الصحیح اشتراط فان لم یکن فیہم من یحسن العربیۃ خطب بغیرہا ویجب علیہم التعلّم والا عصوا ولا جہۃ لہم (منقول من شرح الاحیاء للسیّد المر تفضی الزبیدی ج ۳)

الجواب۔ اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائے گا کہ صحیح یہی ہے کہ عربیہ شرط ہے۔ لیکن اگر اُن حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیہ میں پڑھ لے لیکن آئندہ کے لئے اُن لوگوں پر واجب (علی الکفّاء) ہوگا کہ عربی سیکھیں تاکہ عربی میں خطبہ ہو سکے ورنہ سب عاصی ہوں گے اور اُن کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا جیسا بعض فقہائے حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دیا گانا نماز صحیح نہ ہوگی اور عربی نہ سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاوے گا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ اُن کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف تمام ثابت ہے۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ۔

تمتہ سوال بالا۔ رہا کلام مجید کے متعلق کہ اُس کو ذکر کریں کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر۔ اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے جیسا کہ اِنذ لنا الیاف الذکر للبیین للناس معلوم ہوا کہ ذکر کے لئے تبیین کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کے لئے بھی تبیین کی ضرورت ہے بہتر صورت ذکر کی اور ذکر میں ارتفاع نہیں ہو بلکہ اجتماع ہی ورنہ الانبیاء پر جس طرح قرآن کی تبیین عاید ہو اسی طرح خطبہ کی بھی اور تبیین مفہوم نخت ہی میں ممکن ہے۔ ولا تطعن من اغفلنا قلبہ۔

عن ذکرنا فرمایا گیا ہے ذکرنا سے مراد انزلنا الیک الذکر کے مطابق کلام مجید ہی ہے اسی لئے فاسئلواہل الذکر اسی عالم القلن فرمایا ہے۔ پس جب خطبہ بھی ملقب بذکر اللہ ہے تو اس کو بھی مُبَیِّنٌ لِلذَّاتِ ہونا ضروری ہو اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی سے نصائح کرے ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا۔ ۹

**الجواب**۔ میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکر ہی بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکر ہی نہیں کہا گیا پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ سمجھ کر کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

**تتمہ سوال بالا**۔ جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں مگر حضور والا جب اس نیت سے اسکو مادری زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا اجاڑ کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا۔ بہت سے جہلاء ایسے ہیں جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں اگر خطبہ میں ان کی زبان میں سمجھا دیا جاوے تو کیا اثر کی امید نہیں ہے ممکن ہے کہ خدا کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے۔ ۹

**الجواب**۔ امور تعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔ تاریخ بالا۔  
**سوال تتمہ بالا**۔ اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے۔ یہ بھی تو سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا اس سنت کا ترک دھڑلے سے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا حالانکہ خطبہ میں مخاطبین کی طرف رخ اسی لئے ضروری ہے کہ مخاطبین کو باحسن پیرانہ نصیحت کی جائے مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگی تو ہرگز وہ توجہ الی مخاطبین نصیب نہ ہوگی جو مقصود ہے اور جو کیفیت آل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ اذ اخطب احمد بن حنبلہ وعلاء بن وہب واشتد غضبہ حتی کانہ منذرجیش یقول صبحکم ومساکم الخ جہلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے سب اس کو ترک کر رہے ہیں مگر کوئی اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہتا۔

**الجواب**۔ یسنن مستحبہ میں اور عربیہ مؤکرہ فلا یقاس احدہما علی الآخر۔ تاریخ بالا۔  
(تتمہ خامسہ ص ۶۵۴)

**سوال (۵۸۲)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ

خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا یا عربی زبان کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جس طرح بعض لوگوں کا اس زمانہ میں دستور ہے جائز ہے یا نہیں۔ مجوزین یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خطبہ میں وعظ و پند بھی مسنون ہے اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑنے سے یہ وعظ و نصیحت کی غرض متروک ہوئی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ وعظ و پند کا مضمون ہندوستان میں تو اردو ہی زبان میں ہونا چاہیے اس کا کیا جواب ہے۔ بینوا تو جروا۔ ۹

**الجواب۔** خلاف سنت متوارثہ ہے اسلئے ممنوع ہے اور حجت کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح قرأت قرآن مجید میں بھی وعظ و پند مقصود ہے چنانچہ جابجا اس میں ذکر سی و تثنیٰ کئے و ہدی للناس و موعظۃ وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے پس چاہئے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا جاوے۔ ۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳)

**سوال (۵۸۳)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سلسلہ میں کہ خطبہ جمعہ کے وجوب کے ساتھ کوئی خاص زبان بھی واجب ہے یا نہیں اگر کوئی خاص زبان واجب نہ ہو تو اپنی مادری زبان سے فائدہ اٹھانا انسب ہے یا کسی غیر زبان کو جس کے نہ سمجھنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے اور مقصد خطبہ فوت ہونے کے باوجود ترجیح دینا بہتر ہے۔ بینوا تو جروا۔ ۹

**الجواب۔** کیا واجب سے کم کوئی درجہ ہو کہ نہیں ہو سکتا۔ ۴ رجب ۱۳۵۳ھ  
**نوٹ :-** اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سنت ہو کہ نہ ہو بھی ہو کہ نہ ہو اور بوجہ مواظبت نبویہ علی الخطبۃ العربیہ وہ سنت ہو کہ نہ ہو پس عدم وجوب مفسر تاکید نہیں بلکہ بعض فقہاء کے قول پر ایسی مواظبت جس میں اچاننا بھی ترک نہ ہوا ہو وجوب کی دلیل ہے اس صورت میں وجوب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے۔ کما قال صاحب الہدایۃ فی دلیل وجوب صلوٰۃ العیدین۔ پس اس کا وجوب و سنتیت ہو کہ نہ مختلف فیہ ہوئی جس میں تاکد مشترک اور تنفی علیہ ہے۔ ۵ رجب ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ رجب ۱۳۵۳ھ)

**سوال (۵۸۴)** میں نے دریافت کیا تھا کہ ہمارے یہاں کے پیش امام یہ کہہ کر خطبہ کا ترجمہ ہر جمعہ میں کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو جائز لکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہے آپ نے اس پر یہ تجویز فرمایا کہ چار ترجمہ کو جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ عبارت پوری پیش کرنا چاہئے تو مولوی ..... صاحب امام جامع مسجد نے آپ کے فتوے کی عبارت نقل علیحدہ پرچہ پر لکھ کر اس میں شامل کی ہے بغرض ملاحظہ و تحقیق حقیقت حال ارسال خدمت ہے وہو ہذا۔ فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول

مطبوعہ مطبع مجیدی واقع کانپور ص ۴۲ -

سوال (۵۸۵) - مشتمل بر مسائل عدیدہ ماقولکم رحمکم ربکم - اندر میں مسائل کہ (۱) جمعہ کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں - الخ - ؟

الجواب - مشتمل بر چند جواب - جواب سوال (۱) جائز ہے - ہکذا استفاد من العالم الکبیر واللہ اعلم -

الجواب من اصل السؤال - مراد بلا التزام و بلا اعتقاد پر اعتماداً علی الاصول اس قید کی تصریح نہیں کی جس کو عبارت کی کوتاہی بھی کہا جاسکتا ہے - ۱۳ شعبان ۱۳۲۹ھ (ترجمہ خاص ص ۱۱) سوال (۵۸۶) - دوسری بات یہ ہے کہ اسی رسالہ مذکور کے ص ۹ پر آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے - کہ خطبہ جمعہ کا عربی ہی زبان میں ہونا ضرور ہے اور کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہو گا اگر مولانا محمد علی شاہ مونگیری (سابق ناظم ندوہ) کے رسالہ القول المحکم فی خطاب المجمع میں آپ کے تائیدی دستخط خطبہ جمعہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز کے فتوے پر منقول و مندرج ہیں - ان دونوں میں سے کونسا قول صحیح ہے - ؟

الجواب - اس تائیدی مضمون کی عبارت لکھئے - تو دیکھیں اس کے معارض ہی آیا کیا - باقی بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے اس کو صحیح سمجھتا ہوں - ۱۹ اشوال ۱۳۳۲ھ (ترجمہ خاص ص ۱۵۹)

## التقریظ علی رسالۃ الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العرب

سوال (۵۸۷) - بعد الحمد والصلوٰۃ میں نے یہ رسالہ مؤلفہ جامع الکلمات العلیدۃ العلیۃ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی مدر دارالعلوم دیوبند دام فیضہ نہایت شوق و رغبت سے دیکھا سچی پسند کیا - بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے اللہ تعالیٰ اس کو مانع اور شہادت کا واقع فرما دے بطور تزیین میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں -

(۱) بڑی بنا عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکرہ ہے اور تذکرہ مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہئے ورنہ بحث ہے - اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکرہ ہی ہونا مستلزم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے - قال اللہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ - (الایہ - خصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر کافی تسبیحۃ اف تحمیدۃ اور تسبیح و تحمید کا تذکرہ ہونا ظاہر ہے معلوم ہوا کہ صرف ذکر ہے تذکرہ نہیں - الا تبعا -

اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید نص قرآنی تذکیر ہے قال تعالیٰ ان هو الا ذکر لی للعالمین تو چاہئے  
اُس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کرے پس جس طرح اُس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی  
ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا (۲) اور بڑی بنا عقلی دعویٰ مذکور کی یہ ہے کہ امام صاحب نے  
نماز میں قراءت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے اس کا ایک جواب نقلی ہے ایک عقلی - نقلی جواب تو یہ ہے کہ  
امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمایا ہے پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیت منسوخہ یا  
حدیث منسوخہ سے استدلال کرنا - اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوع عنہ کی بناء پر یہ نتیجہ  
کہ قرآن تذکیر ہے اس لئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے اگر یہ بناء ہوتی تو خزینۃ کفایت تسبیح یا تحمید کا اس سے  
تعارض ہوتا - وہو باطل - پس اس سے استدلال کرنا تاویل لقول بما لا یدعی بہ القائل کی قبیل  
سے ہے (۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اُس کے ترجمہ وغیرہ کی اجازت دی ہے اس  
میں بھی ہیئت اوفق بالسنتہ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کر دے اُس  
کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں - وہو ہذا تقریر المرام انہ روی مسلمان  
جا برفی قصۃ یوم الفطر ثمر خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس فلما فرغ  
نزل فاتی النساء فذکر هن الحدیث وروای البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء  
ثم انطلق هو وبلال الی بیتہ فقولہ فرغ ونزل وانطلق الی بیتہ نص فی کون  
هذا التذکیر بعد الخطبۃ وانہ لو یکن علی المنبر وانہ لو یجد الی المنبر ولما کان هذا  
الکلام غیر الخطبۃ لخلوہ عن الخطاب العام الذی ہو من خواص الخطبۃ ثبت بہ ان  
غیر الخطبۃ لا ینبغی ان یکون فی اثناء الخطبۃ ولا علی ہیئۃ الخطبۃ ولا شک ان  
التذکیر بالہندیۃ لیس من الخطبۃ المسنونة فی شئ لان من خواص المقصودۃ  
کونہا بالعربیۃ لعدم نقل خلافہا عن صاحب الوحی واد السلف فلما لکن هذا لتذکیر  
بالہندیۃ خطبۃ مسنونة کان الاوفق بالسنتہ کونہا بعد الفراغ عن الخطبۃ وتحت  
المنبر وهو المرام اھ - شوال المکرم ۱۳۵۰ھ - (النور ص ۱۳۵) ربيع الثاني ۱۳۵۱ھ  
جمعہ میں تعدہ پانے والا | شوال (۵۸۸) میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں  
جمعہ پورا کرے یا ظہر | ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ میں جس نمازی نے اخیر میں التیمات  
پائی تو اُس کو چاہئے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے - ۹  
الجواب - مشکوٰۃ میں حدیث مذکور اس طرح ہے - عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادراك من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرى ومن فاتة ركعتان فليصل اربعاً وقال الظاهر - رواة الدارقطني - سواس سے وہ مضمون جو کہ سوال میں لکھا ہے بالیقین ثابت نہیں ہاں محتمل ضرور ہے چنانچہ امام محمد کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے اور شیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادراك ركعة من الصلوة مع الامام فقد ادراك الصلوة متفق علیہ اور اگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے تب بھی تعارض کے وقت حدیث بخاری و مسلم کو ترجیح ہوگی اور اربعاً والی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے لم یثبت - پھر یہ کہ عوام کی تحقیق اولہ کی ضروری نہیں - فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۶ (جب ۱۳۲۶ھ (تمہ اولی صلا) جمعہ عیدین اس گانوں میں جس کے بہت قریب سوال (۵۸۹) ایک گانوں جس کی آبادی قریب ایک ہزار دوسرا گانوں ہے اور دونوں ملکر قصبہ کے برابر ہیں آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب ایک دوسرا گانوں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اس گانوں میں جاتی ہے اور اس گانوں اور دوسرے گانوں کو ملا کر آبادی قریب چار پانچ ہزار کے آدمی ہیں بلکہ ناند ہوں لیکن رقبہ دڑا کھانا بعض بستی کا علیحدہ ہے اور بعض گانوں میں کافر بستے ہیں مسلمان نہیں ہیں - ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گانوں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اس کے جواز کا شبہ فقہاء کے ایک جزئی سے ہوتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گانوں میں اقامت کی نیت کر لے اور دونوں گانوں اتنے قریب ہوں کہ ایک گانوں کی اذان کی آواز دوسرے گانوں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جائے گا مثلاً ایک گانوں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گانوں میں پانچ دن کی لیکن چونکہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے اس لئے اس پر قصر جائز نہ ہوگا - تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے دونوں گانوں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دیکر اس پر قصر کو ناجائز کیا - اسی طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے - اگر یہاں پر قرار نہ دیا جائے تو دونوں میں بالفرق کیا ہے - اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گانوں کی آبادی تین یا چار ہزار ہو وہاں جمعہ جائز ہے ان دونوں تردیدوں میں بہت بڑا فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی - اور اگر کسی گانوں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتیں تو کیا اس گانوں میں جمعہ وغیرہ جائز ہو گیا اور اگر کوئی گانوں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی

ہیں لیکن آبادی تین ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں یا احدهما لا علی التبعین۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر ہو۔ فقط۔ ۹

**الجواب۔** قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحاد موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ و عدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان و عدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر چنانچہ روایات ذیل شاہد ہیں۔ فی الدار المختار باب صلوة المسافر۔ اوکان احدهما تبعاً للآخر بحیث تجب الجمعة علی ساکن۔ للاتحاد حکماً فی رد المختار قولہ اوکان احدهما تبعاً للآخر کالقریۃ التي قربت من المصر بحیث یسمع النداء علی ما یاتی فی الجمعة و فی البحر لوکان الموضعان من مصر واحد او قریۃ واحد فانها صحیحة لانهما متحدان حکماً الا تری انه لو خرج الیه مسافر الحقیقصر الاجازۃ<sup>۴۴</sup> و فی الدار المختار باب صلوة الجمعة و اما المنفصل عنه (ای عن المصر) فان کان یسمع النداء تجب علیہ عند محمد و یفتی کذا فی الملتقی و قد مناعن لو لای<sup>۴۵</sup> تقدیر بفرسخ و رجح فی البحر اعتبار حد لا لبیتہ بلا کلفة فی رد المختار و صح فی مواهب الرحمن قول ابی یوسف بوجوبها علی من کان داخل حد اقامۃ الذی من فارقہ یصیر مسافراً و اذا وصل الیه یصیر مقیماً و عللہ فی شرح المستثنی بالبرہان بان وجوبها مختص باهل مصر و الخارج عن هذا الحد لیس اهلہ و فیه بعد اسطر عن الخانیۃ و المقیم فی موضع من اطراف المصر ان کان بینہ و بین عمران المصر فرجۃ من مزارع لاجتماع علیہ و ان بلغ النداء الخ شرعاً بل بعد تصحیح هذا القول و ترجیحہ و ینبغی تفسیر ما فی الخانیۃ و التنازع الخانیۃ بما اذا الحریکین فی فناء المصر لئلا یزعموا انها اقامتہا فی الفناء و لو منفصلاً بمزارع فاذا صححت فی الفناء لانه ملحق بالمصر یجب علی من کان فیہ ان یصلیہا لانه من اهل المصر کما یعلم من تعلیل البرہان جازمۃ۔ پس قول اول پران دونوں موضوعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد۔ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں صرف اتحاد کافی

نہیں غایت مافی الباب دونوں ملکر ایک قریہ ہو جاوے گا مگر جس قریہ کبیر میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے اس کی تفسیر الٰتی فیہا اسواق سے کی گئی ہے۔ مکافی رد المحتار الجلد الاول ص ۸۳ جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اُس کی قصبات کی سی ہو اگر یہ شان ہو تو جمعہ در صورت اتحاد ہما عرفاً جائز ہو جاوے گا والا فلا اور قول ثانی پر یعنی جبکہ مدار وجوب جمعہ کا عدم لحوق مشقت پر ہو وجوب جمعہ کا دونوں موضوعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر جمعہ من آوایہ اللیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اور خود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گو ہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا ملخص ہے اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تخصیص کے وقت اس پر نظر پڑی ہے یا نہیں۔ بہر حال اُس میں جو کچھ لکھا ہو اُس کو اس وقت کی تحریر پر منطبق کرنا چاہئے اگر انطباق نہ ہو تو میری رائے یہی ہے جو اس وقت لکھ رہا ہوں کہ کوئی تعداد خاص تحدید کے لئے نہیں بلکہ امارہ ہے اور اصل مدار مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ بالمعنی المذکور ہوتا ہے۔ ۸۰ رمضان ۱۳۲۴ء بعد تحریر جواب ہذا ایک ثقلہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متصل و متحد کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ پھر احتمال ہی صحبت جمعہ کا نہیں۔

۲۰ رمضان ۱۳۲۴ء ہر۔ (تمتہ اولی ص ۹)

مصر کی تعریف میں کثرت | سوال (۵۹۰) دربارہ مصر و شہر فقہاء، تعریف فرمودہ اند و مرجع ہر یک کثرت  
سکّان کی تحدید | مردمان معلوم می نمایند لیکن تعداد کثرت معلوم نکرد فلما جزم در اداجہ اختلافات دفع نکرد و تعداد کثرت تعیین فرمودہ دہند با دلائل فقہاء پس ہر جا موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود و اگر نہ ترک کردہ شود اگر عرفاً و اصطلاحاً ہر جا کہ شہر گویند آن را اختیار کردہ شود و بعضی وہ چنان کثرت مردمان است کہ ہم برابر قصبہ کبیرہ گردان لیکن نامش وہ نہادہ اند الغرض تعیین کثرت از دلیل فقہاء لازم و ضروری امر است۔ فقط۔ ۹

الجواب۔ عددے معین دریں باب از نظم نگزشتہ و کتب ہم نزد اندک است لہذا قول فیصل نتوانم گفت آری نظر بر عرف و اصطلاح حکماء و حکام تمدن این ملک کہ آبادی چہار ہزار مردم را قصبہ می شمارند مع نظر بر قول فقہاء الٰتی فیہا اسواق الٰتی فیہا قریہ کبیرہ کہ صالح اقامت جمعہ است معمول خود در فتویٰ جنیں کردہ ام کہ ہر جا کہ ہر دو شرط یافتہ شود اجازت اقامت جمعہ میدہم و زیادہ ازین تحقیق نیست۔ ۲۴ ر شوال ۱۳۲۴ء (تمتہ اولی ص ۲)

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل | سوال (۵۹۱) عیدین کی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کا



کہیں ثبوت ہے۔ ہم لوگوں کو ملا نہیں اور یہاں غیر مقلدوں نے اشتہار چھاپا ہے کہ نماز جنازہ کی طرح تکبیر کہنا چاہئے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے اُس کا کوئی ثبوت نہیں۔؟

**الجواب۔** آثار السنن - ج ۲ ص ۱۸۱ میں باسناد صحیح طحاوی سے ابراہیم نخعی کا فتوے اس میں نقل کیا ہے۔ قال ترفع الایدی فی سبعم مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفي التكبير للفتوت فی الترتیب علیہ بن - الحدیث - اور اجلۃ تابعین کے فتوے کا تحت ہونا خفیہ نے اپنے اصول فقہ میں بدلیل ثابت کیا ہے۔ ۱۳ رزی الحجۃ ۱۳۲۴ھ - (تمہ اولی ص ۱۲)

**سوال (۵۹۲)** ایک گاؤں میں تخمیناً چالیس گھر ہیں اور اُس گاؤں میں فقط جمعہ نہ ہونا ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس قسم کی ہے کہ اگر فقط اُس محلہ کے مصلی لوگ حاضر ہو جائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اور اُس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اور اُس گاؤں کے پورے طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اُس میں بھی اُسی زور گھر ہونگے اور اُس کے اُتر طرف پادریل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے ہمیں بھی تخمیناً چالیس گھر ہیں ہمیں سے کسی میں بھی بازار نہیں ہے۔ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اُس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں بینو اتورہ؟

**الجواب۔** گاؤں مذکور قریہ صغیرہ ہے اس لئے مذہب حنفی کے موافق اُس میں جمعہ

درست نہیں۔ ۱۳ رزی الحجۃ ۱۳۲۴ھ - (تمہ اولی ص ۱۲)

**سوال (۵۹۳)** بندہ کو ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ میں اتفاق سفر ڈھاکہ کا ہوا ایک ماہ حکم جمعہ در قریٰ بنگال بعد واپس آیا اس اثناء میں قصداً جا کر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے قہیم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا بعض دیہات کو اسلیم پور سے دیکھا اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے اُس کی حالت بھی سنی۔ اس مجموعہ سے جو استفاد ہوا اُس کو بطور کلیہ کے لکھنا ہوں تاکہ اس سے قریٰ بنگال میں سے ہر جگہ کا حکم صحت و عدم صحت جمعہ جو عند الحنیفہ ہے معلوم ہو جاوے۔ وہی ہذا اگر ایک قریہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شناری ہے اور اُس میں ضروری حوائج کے لئے بازار بھی ہے وہاں جمعہ بلا تکلف جائز ہے اور اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اُس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اُس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہئے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلادیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے ایسے اتصال سے اُن دونوں کو متحد سمجھا جائے گا اور اس مجموعہ

میں وہ دو پہلی قید میں دیکھی جاویں گی۔ اور اُن کے تحقق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ایسا اتصال نہیں ہے گویا یہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا۔ اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قری متصل چلے گئے ہیں مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اور اس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیر آباد ہے جس میں کاشت و باغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں ہے بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ سو عند التامیل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مغازہ قطع کر کے جاویں اور مغازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب ہو جاوے گا (حوالہ بالا)

**تعریف قریہ** سوال (۵۹۴) ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے جس سے سخت تشویش کبیرہ رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں گو اُس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے احقر کو معلوم تحقیق یہ تھا کہ جس کو عرفاً قصبہ یا شہر کہتے ہوں اُسی میں جمعہ فرض ہے اسی بنا پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا لوگ چونکہ مانتے ہیں اس لئے زیادہ الجھتے نہیں البتہ دریافت کیا اُن کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا ہاں مجھے خود معذور سمجھیں۔ مگر درمختار میں قریہ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ یا شہر لکھا ہے۔ اب سخت تردد ہے کہ کبیرہ صغیرہ کا معیار کیا ہے نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اُس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا۔ اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے تمام ہندو مسلمان ملکر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہے ہر قسم کی ضروری چیز بھی ملتی ہے البتہ کوئی حمام وغیرہ نہیں ہے احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جلنے کیا فرض ہے جمعہ چھوڑے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھتے تو تشفی ہو جاتی۔

**الجواب۔** میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں قریہ اس کا یہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں الق فیہا اسواق بڑھاتے ہیں گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۴۵)

**سوال (۵۹۵)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار (۴۰۰۰) کی ہے ضرورت کی ساری چیزیں سنی کہ دو اور من بھی مل جاتی ہے ڈاکخانہ

**جواب۔** اس کے بعد وہاں کے علماء کی تحریرات سے قدرے تردد ہو گیا جس کے بعد یہ معمول کر لیا کہ وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علماء سے پوچھنا بہتر ہے ۱۲ منہ ۴

ہے۔ سرکاری مدرسہ ہے پہلے تحصیلداری بھی تھی اب اٹھکر دوسری جگہ چلی گئی۔ ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے۔ بازار میں دس بارہ دوکانیں ایسی ہیں جو مستقل طور سے روزمرہ کھلی رہتی ہیں جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں۔ سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں۔ باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم و بیش سو آدمی ہوجاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ۔ قاضی و ملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں۔ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی۔ لہذا یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب۔** اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو۔ آبادی بھی چھوٹے نسببات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں جو عرف میں بازار کہلاتا ہے اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے علی الاصح۔ اور اس سے قطع نظر کہ بھی جب آثار و قرآن قویۃ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریہ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کے لئے کافی ہے۔ دلیلہ مافی شریعہ السیر البکیر ص ۳۰۷۔ فلا تصیرہ ولا اسلام الا بانقطاع ید اهل الحرب عنہما من کل وجہ و هذا لان ماکان فاناہ یبقی ببقاء بعض آثار ولا یدتفع الا باعتراض معنی ہو مثلاً او فوقہ او قلت و شمل هذا کلہ المجزئی المتکلفیہ۔ البتہ چونکہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے اس لئے فاعلین و تارکین اس اختلاف کو عدم معارضہ و تشویش تک نہ پہنچادیں۔ ۱۷۱۲ محرم ۱۳۵۳ھ۔

(النور حمادی الاولی ص ۵۴ھ)

**سوال (۵۹۶)** بروز عیدین نماز اشراق و چاشت کیوں نہیں پڑھتے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ وقت نماز عیدین کا اشراق سے لیکر چاشت یعنی زوال سے قبل تک ہے اس وجہ سے نہیں پڑھتے تو یہ بظاہر کوئی وجہ ممانعت کی معلوم نہیں کیونکہ ہر ایک کا وقت علیحدہ ہے تشابہ نماز عیدین نہیں ہو سکتا کہ وہ نماز بجماعت ہے اور یہ نمازیںفرادی فرادی ہیں۔ ۹

**الجواب۔** اُس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس روز پڑھنا اس کا ثابت نہیں اور چاشت پڑھنے کا بعد واپس آنے کے کچھ حرج نہیں۔ ۲۱ رزی الحجۃ ۱۳۵۳ھ۔

(زمتہ اولی ص ۲۳)

جمعہ کے واسطے **سوال (۵۹۷)** یا ایہا الذین امنوا اذنودی للصلوات من یوم الجمعة فاستمعوا لى ذکر اللہ اور حدیث الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم حتی جماعۃ مصر کی شرط

الا علی اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض۔ دوسری حدیث من کان یوم من بالہما والیوم الاخر فعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ الا لمریض او مسافر او امرأة او صبی او مملوک۔ موافق مطلب آیت کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے اُن کے جن کو شارع نے استثناء کیا ہے نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے یا فقط شہر والوں پر۔ ۹

**الجواب**۔ جس طرح احادیث مذکورہ سوال بعض کے استثناء کی دلیل ہیں اسی طرح اہل قریٰ کے استثناء کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے پس وہ بھی مستثنی ہوئی اس لئے صرف اہل مصر پر فرض رہی تحقیق اس کی مشیخ و مبسوط و کافی رسالہ اثنی عشری میں اور تدقیق اس کی رسالہ احسن القریٰ میں موجود ہے۔ ۲۸ محرم ۱۳۲۵۔ (تمتہ اولی ص ۲۸)

**سوال (۵۹۸)** گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریباً چار ہزار کی کل مردم شماری ہو یعنی چھوٹے بڑے کا ہر مسلمان سب ملا کر۔ اور بازار بھی ہو وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں درست نہیں۔ اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون ہی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے۔ درمختار و تنویر لا بصار و بحر الرائق کی یہ تحریر کہ المصنوع هو ملا یسبح اکبر مساجد اہلہ المکلفین بھا و علیہ فتویٰ اکثر الفقہاء عن ابی یوسفؒ انہ اذا جمعتوا فی اکبر مساجد ہم للصلوات الخمس لیسعھم و علیہ الغتویٰ لا اکثر الفقہاء کیوں معتبر نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ میرا مخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے ہو بلکہ کبیرۃ فیہا سکک و اسواق۔ اور بلکہ ایک امر عرفی ہے خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تحدید شرعی نہ ہو رائے مبتلی بہ پر اس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں وہ در وہ انتظام کے لئے مقرر کیا گیا اس طرح یہاں انتظام کے لئے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی ہوت و اصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قصبہ کہتے ہیں اور قصبہ بقرنچ فقہاء حکم مصر میں ہے اور یہ تعریف ہو ملا یسبح الخ سد نام نہیں رسم ناقص ہے اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔ فقط ۱۰ شعبان ۱۳۲۶۔ (تمتہ اولی ص ۳۱)

**سوال (۵۹۹)** عیدین کی نماز ایک شخص یعنی قاضی شہر پڑھاتا ہے اور خطیب دوسرا آدمی ہے وہ خطبہ پڑھتا ہے اور اسی طرح زمانہ شاہی سے ہوتا آیا ہے لہذا ایسا فعل یعنی نماز ایک شخص پڑھاوے اور خطبہ دوسرا پڑھے شرعاً جائز ہے اور یہ فعل قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے۔؟

**الجواب** - فی الدار المختارۃ لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب کا نہما کشتی واحد الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا فعل جائز تو ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے اور قرونِ ثلاثہ میں پایا جانا نہ پایا جانا کسی روایت میں نہیں دیکھا و الروایۃ المذکورۃ وان ذکرک فی الجمعۃ لکن حکم خطبۃ العیدین کا الجمعۃ لما فی الدار المختارۃ وما یست فی الجمعۃ و یکرۃ ویسن فیہا و یکرۃ ج ۱ ص ۷۷۔ واللہ اعلم۔ ۹ صفحہ ۱۳۲۸۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۲۹)

**سوال (۶۰۰)** اذان جمعہ کے بعد اکل و شرب وغیرہ میں جو کہ باعثِ فوتِ جماعت ہو مصروف رہنے میں کیا حکم ہے۔؟

**الجواب** - سب حرام ہے۔ لما فی رد المحتار تحت قولہ و وجب سعی الیہا و ترک البیع بالاذان الاول مانصبہ اراد بہ کل عمل ینافی السعی و خصہ اتباعاً للایۃ نہر ج ۱ ص ۷۷۔ ۱۲ ذیحجہ ۱۲۸۰۔ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۳۲)

**سوال (۶۰۱)** جمعہ کی پہلی اذان سن کر تمام کاموں کو چھوڑ کر جمعہ کی نماز دوسری جمعہ کے واسطے جامع مسجد میں جانا واجب ہے خرید و فروخت یا اور کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہی ہے تو کیا جمعہ کے روز ایسے وقت سونا اور قیلولہ کرنا اور مطالعہ کتب دینی وغیرہ کرنا حرام ہوگا۔؟

**الجواب** - فی الدار المختارۃ وجب سعی الیہا و ترک البیع فی رد المحتار قولہ و ترک البیع اراد بہ کل عمل ینافی السعی و خصہ اتباعاً للایۃ نہر ج ۱ ص ۷۷۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل میں مشغول ہونے سے سعی میں خلل پڑے وہ حکمِ بیع میں ہے۔

۳ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ صفحہ ۳۵)

**سوال (۶۰۲)** عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا یا سننا واجب ہے یا کیا اور خطبہ اول و دوم کے لئے ایک حکم ہے یا علیحدہ یعنی اول واجب و دوم سنت ہے یا کیا۔؟

**الجواب**۔ فی الدار المختارہ ویشترط لصحتها (ای الجموعۃ) تسعة اشیاء الی ان قال والاربع الخطبة اشرف قال ویسن خطبتان وفيه ویخطب بعدها (ای صلاۃ العیدین) خطبتین وهما سنة۔ اس عبارت سے یہ اور ثابت ہوئے علی عیدین کا خطبہ سنت ہے۔ جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اس کے دو حصے ہونا سنت ہے۔ پہلا اول ثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔ بلکہ سب خطبوں کا واجب ہے۔ ۵ جمادی الاول ۱۳۲۹ھ۔ (تمتہ اولی ص ۳۱)

**سوال** (۶۰۳) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اس مقام میں نماز یا ندی کی بنائی ہوئی عید گاہیں پڑھنا عیدین چند سال سے لوگ ایسے مقام میں پڑھتے ہیں جس کا نقشہ بھی منسلک استفتاء ہے بعض لوگوں کو اس وجہ سے کہ یہ میدان گرجا کا میدان کے نام سے مشہور ہے یہاں نماز پڑھنے میں شبہ اور اعتراض ہے اس سے اچھا اور صاف شہر کے قریب اور کوئی دوسرا میدان بھی نہیں ہے ایسی صورت میں یہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے یا نہیں۔ اس میدان میں نماز پڑھنے کی کوئی ممانعت بھی حکام کی طرف سے اب تک نہیں ہوئی اور سابق سے جو عید گاہ ہے اولاً وہ شاید کسی ندی کی بنائی ہوئی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید گاہ قدیم اور اس کے متصل جو امام باڑہ ہے وہ کسی ندی کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے وہ غیر مستقیم تھی اب ایک دوسری ندی نے اس کو مستقیم کر دیا ہے۔ ثانیاً عیدین میں وہاں ندیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ مقام مذکور جو گرجا کے نام سے مشہور ہے گرجا کا حلقہ محدود ہے باقی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتا ہے۔ یہ بھی ارقام فرمایا جاوے کہ صورت مسئلہ میں سابق عید گاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا اگر جاکے میدان میں یا دونوں مقام سے مسجد شہر کے اندر نماز عیدین پڑھنا افضل واولیٰ ہے۔

**الجواب**۔ اگر کوئی میدان تجویز کر لیا جانا ممکن ہو تو سب سے زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا موقع نہ ملے تو ندیوں کی عید گاہ میں نماز کی کراہت فی نفسہ ہے اس سے اس میدان میں نماز پڑھنا غنیمت ہے کیونکہ اس میں کراہت محض لغراض ہے اور وہ عارض عوام کی تشویش ہے جس کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترمیم خانہ کعبہ کو موقوف رکھا تھا اس پر نظر کر کے میرے نزدیک مساجد شہر میں پڑھ لینا ارجح ہے کہ صرف ایک سنت یا مستحب کا ترک ہے اور ترک بھی مصلحت شرعیہ سے جو کہ غلط فہم ہے اس لئے غائد ترک سنت کا بھی لازم نہ ہوگا۔ ۲۲ رمضان ۱۳۲۹ھ۔ (تمتہ اول ص ۳۱)

**سوال** (۶۰۴) جمعہ کے بعد اقیامۃ الظہر پڑھنے والے جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور اقیامۃ الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم کے دو فریق ہیں ایک تو جمعہ کو بالکل فرض نہیں کہتا دوسرا

کہ بادشاہ اسلام شرط ہے اور وہ مفقود ہے اور جمعہ کو شعائر اسلام سے بتلاتا ہے۔ اور دوسرا فوقی ایسا ہے کہ جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے۔ اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ ان دونوں فوقی کے پیچھے اُس شخص کی نماز جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہو جائے گی یا نہیں یا کس فوقی کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی اقتدارِ قوی بالضعیف کسی صورت میں لازم آتی ہی نہیں؟

**الجواب**۔ فی الدرا المختار باب الامامة صحراقتل وعتد فل و من یری الوتر واجباً

من یراہ سنة ومن اقتدی فی العصر وهو مقیم بعد الغروب من احکم قبلہ للاتحاد فی رد المختار قوله للاتحاد ای اتحاد صلاۃ الامام مع صلاۃ المقتدی فی الصور الثالث اما فی الاولی فظاہر واما فی الثانية فلان ما فی کل واحد منهما هو الوتر فی نفس الامر واعتقاد احدہما سنیۃ والاخر روج بہ امر عارض کا یوجب اختلاف الصلاتین واما الثالثة فلان کلا منهما عصر یوم واحد الخرج امثالہ اور اقتدار الاقوی بالاضعف کا اثر عدم اتحاد صلاتین میں ظاہر ہوتا ہے پس صورت مسئلہ میں ہر ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو جائے گی۔ نقطہ ارذی الحجۃ ۱۳۲۹ھ۔ (تمتہ اولی ص ۱۸)

قبل از جمعہ سنتیں نوکدہ ہیں یا نہیں | سوال (۶۰۵) جمعہ کی پہلی سنتیں نوکدہ ہیں یا نہیں۔ اور بعد جمعہ چار سنتیں نوکدہ ہیں یا دو | اور بعد کی سنتوں میں سے چار نوکدہ ہیں یا دو یا سب؟

**الجواب**۔ جمعہ کی پہلی سنتیں نوکدہ ہیں۔ کذا فی الدرا المختار۔ اور بعد کی چار نوکدہ ہیں

کذا فی الدرا المختار۔ (حوالہ بالا)

سوال (۶۰۶) ہماری مسجد محلہ میں ہمیشہ پنجوقتہ تو نہیں خاص جمعہ کے روز یہ حکم دے دے کہ روز جمعہ دستور قرار پا چکا ہے کہ پیش امام بعد اذان سنن و نوافل ختم نماز پڑھیں پھر ارہتا ہے جب سب نمازی فارغ ہو جاتے ہیں سب ملکر دعا کرتے ہیں اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے؟

**الجواب**۔ تخصیص عام اور تقیید مطلق ایک حکم ہے اور ہر حکم کے لئے دلیل شرط ہے اور اس تخصیص و تقیید مذکور فی السؤال کی کوئی دلیل نہیں لہذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عملی اختراع و احداث فی الدین ہے اور ایک بار دعا کرنا جو کہ منقول بھی ہے مگر بلا تا کہ خود اس کے تا کہ کا اعتقاد احداث ہے لیکن چونکہ مشاہدہ ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تا کہ کا اس کے۔ اس پر دوام کی اجازت دی جاتی ہے بخلاف

عمل مذکور فی السؤال کے مکاذکر فافترق۔ والترا علم۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ خامسہ ص ۶۰)  
تحقیق خواندن تسمیہ | سوال (۶۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ  
میں کہ ایک صاحب خطبہ اولیٰ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آواز بلند  
بالجہر در خطبہ پڑھتے ہیں۔ ایسا کرنا چاہئے کہ نہیں۔ اگر کرنا چاہئے تو یہ طریقہ مستحب ہی یا سنت مؤکدہ یا کیا۔ اور  
اگر نہیں کرنا چاہئے تو مکروہ ہے یا کیا۔ جواب کے لئے جوابی کارڈ ارسال خدمت ہے۔ مینو اتو جردا۔  
مستحب اور سنت طریقہ سے بجز الکتب اگر ممکن ہو تو سرفراز فرمائیے اور قبل خطبہ اعوذ باللہ و  
بسم اللہ آہستہ پڑھنا سنون ہے اور مستحب یا جہر کے ساتھ ؟

الجواب۔ فی البحر الرائق واما سننہا فمختص۔ عشر الی قولہ رابعہا قال یوسف  
فی الجوامع التعوذ فی نفسہ قبل الخطبۃ شر قال وہی تشتعل علی عشرۃ احوال البداءۃ  
بحمد اللہ الخ ج ۲ ص ۱۵۹۔ وفی الدار المختار ویبدأ بالتعوذ سرا فی رد المحتار ای قبل  
الخطبۃ الا ولی بالتعوذ سرا شر بحمد اللہ الخ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے قبل  
صرف اعوذ باللہ آہستہ پڑھے نہ تو بسم اللہ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ بجا کر پڑھے اور کسی نے قبل خطبہ بسم اللہ  
پڑھنے کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہوا خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب ہی نہیں اور بعض نے جو لکھا ہے کہ  
بجز قرآن کے اور کسی کلام پر اعوذ نہ پڑھے سو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ خطبہ حکم قرآن ہے لہذا  
خطبہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔ ۲۹ رمضان ۱۳۲۲ھ۔ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷)

عدم سقوط جمعا از طلبہ انگریزی | سوال (۶۰۸) عبداللہ نامی ایک شخص انگریزی مدرسہ میں  
بوجہ عدم اجازت اسکول پڑھتا ہے اور اُس میں جمعہ کی نماز کے واسطے چھٹی نہیں ملتی ایسی  
صورت میں اس کو ترک اسکول کرنا موافق شرع کے ضروری ہے یا نہیں۔ مکر یہ ہے کہ ایک بزرگ  
اُس کے بزرگوں میں سے یہ کہتا ہے کہ ضرورت امتحان کے سال میں چار جمعہ چھوڑ دینا جائز ہے ایسے  
شخص کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں ؟

الجواب۔ جو عذر سقوط جمعہ کے فقہائے لکھے ہیں یہ عذر ان میں سے نہیں ہے لہذا اُس پر  
اسکول کا ترک کر دینا ضرور ہے اور اُس بزرگ کا قول محض غلط ہے۔ قلت ہذا لا یفوق فی الحبس  
علی مدیون موسر حبس فی الدین وقد وجب علیہ الجمیعۃ کما فی رد المحتار علی قولہ  
وعدم حبس مانضہ ینبغی تقیدہ بکونہ مظلوما مکدیون معسر فلو موسرا  
قادر علی الاداء حالا وجبت ج ۱ ص ۱۵۵ وکذا لا یفوق عذر علی عذر الا جبر



وقد يجب عليه الجمعة كما في الدر المختار والجيد وتسقط من الاجر بحسب لوبيدل  
والا لا - ج ۱ ص ۵۲ - والله اعلم - ۱۲ / ذيقعدة ۱۳۳۲ھ - (تمت ثانیہ ص ۱۸۲)

عصا گرفتہ بوقت خطبہ

سوال (۶۰۹) الخطب الماثوره میں مذکور ہے کہ امام خطبہ کے وقت  
عصا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو اور ہشتی زیور سے ممانعت مفہوم ہے - فیہ التوفیق وحی  
ای القولین بعد

الجواب - در مختار میں قوس یا عصا پر سہارا لگانے کو مکروہ کہا ہے اور رد المختار میں اس پر  
نوازش کال کئے ہیں ایک ابوداؤد کی روایت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا یا قوس کا سہارا  
لیا ہے دوسرا محیط کی روایت سے کہ اخذ عصا کو سنت کہلے مثل قیام کے - ج ۱ ص ۶۶ اور ج ۲ ص ۶۶  
رد المختار کے قول کو ہے پس ہشتی زیور میں گواہ مسئلہ کا ہو نا بعید ہے اس لئے کہ اس میں احکام  
بالرجال نہیں لئے گئے لیکن اگر کہیں ایسا ہے تو غالباً در مختار کی روایت کی بنا پر لکھ دیا ہو گا جس کا مرجح  
مونا ابھی معلوم ہوا - ۱۵ / ذیقعدة ۱۳۳۲ھ - (تمت ثانیہ ص ۱۸۵)

سوال (۶۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں  
زنگون کی اکثر مساجد میں فاعدہ یہ ہے کہ بروز جمعہ خطیب اپنے ہاتھ میں عصا لیکر خطبہ پڑھا کرتا ہے -  
پس ارشاد ہو کہ اگر امام دقت خطبہ عصا کے بجائے تلوار ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے اور  
اگر تلوار کو ہاتھ میں لینے کی صورت میں نئی بات دیکھ کر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگیں تو ان کے اعتراض  
کرنے کی وجہ سے آیا اس فعل کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں - بنوا توجروا - ؟

الجواب - فی الدر المختار یخطب الامام بسیف فی بلدة فتحت بہ مکة طالا  
لا کلمدینۃ فی ح المختار قوله فی بلدة فتحت بہ ای بالسیف لیریدوا فتحها فتح  
بالسيف فاذا رجعتهم عن الاسلام فذلك باقی فی ایدی المسلمین حتی ترجعوا  
الی الاسلام - دمر ص ۶۶ ج ۱ - متن کی قید اور حاشیہ کی حکمت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ فعل مخصوص  
ہے امام المسلمین یعنی سلطان اسلام یا اس کے نائب کے ساتھ پس دوسرے خطیبوں کے لئے مشروع  
نہیں - ۲۶ / رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ - (تمت خامسہ ص ۵۹)

سوال (۶۱۱) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی الانادین - اندریں کہ بوقت خطبہ پڑھنے  
کے لائحی ہاتھ میں لینا زید سنون کہتا ہے مگر عمر و بجوالہ عالمگیری مکروہ تحریمی بتاتا ہے اب مصلیٰ طرفین  
اور زید و عمر متفق الرائے ہو کر جناب فیض مآب سے مسئلہ طلب کرتا ہے کہ اگر قول و فعل زید کا معتبر ہو  
تو اس پر عمل کرے گا ورنہ نہیں - ؟

**الجواب** - کیا عالمگیری میں تحریم کی تصریح ہے مدعی سے پوچھو ذرا شامی بھی دیکھ لی جوتی کہ اس میں سنت کا بھی قول ہے اور حدیث بھی نقل کی ہے۔ اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ فی نفسہ سنت ہے مگر غیر مؤکدہ۔ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے میرا ہی اعتقاد ہے۔ یکم صفر ۱۳۳۵ھ (النور رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ ص ۷)

**سوال (۶۱۲)** یہاں کارخانہ میں جس میں ملازم ہوں شہر جیلپور سے قریب تین از جیل پور سے میل است | میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہ اشخاص جو باہر کے رہنے والے ہیں کارخانہ کے پاس سرکاری مکانوں میں اقامت گزین ہیں۔ سو اتفاق سے یہاں مسلمانوں کے لئے کوئی مسجد وغیرہ نہیں ہے جس میں وہ سب ملکر نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ اب چونکہ گورنمنٹ نے ازراہ غنایت فریضہ جمعہ ادا کرنے کی جھٹی عطا فرمائی ہے اس لئے ہم یہاں یہ نماز ادا کرنے کا یہ انتظام کر رہے ہیں کہ ایک معمولی لکڑی کا جگلا لگا کر ایک احاطہ بنالیا جاوے اور اس میں نماز جمعہ داکا جاوے لیکن اس پر بعض معترض ہیں کہ اس جگہ نماز درست نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اپنی رائے روشن سے مطلع فرما کر ممنون فرما دیں کہ آیا حالت مذکورہ الصد میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں یہاں سے اس اتنا وقت نہیں ہے کہ شہر چاکر کسی مسجد میں نماز ادا کر سکیں۔ اور آدمی تقریباً سو سے زیادہ ہی نماز کے لئے جمع ہوں گے۔ اُمید ہے کہ جواب سے بہت جلد سرفراز فرما دیں۔؟

**الجواب** - جیل پور سے جیسے بڑے شہر کا تین میل ہونا ممکن ہے اور کارخانہ چونکہ مصالح بلد سے ہے اس لئے اس مقام کا فائدہ ہونا واقع بھی ہے لہذا نماز جمعہ صحیح ہے۔ ۱۸ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث او ۲ مسئلہ)

**سوال (۶۱۳)** میں ایک انگریز کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹے آگہٹ کی جواز صلوٰۃ عیدین برسعت | آمدورفت کا اسٹیشن ماسٹر اور مختار ہوں اور وہ آگہٹ موافق حکم کمپنی جہاز معلقہ برکنارہ شہر کے ٹھیک آٹھ بجے صبح کو صدر گھاٹ سے روانہ ہوتا ہے شام کے وقت پھر لوٹ آتا ہے اس جلدی کی وجہ سے ہم کو عید گاہ میں ایک جم غفیر کے انتظار کے ساتھ نماز ادا کر کے جہاز چھوڑنے کا وقت نہیں ملتا ہے اس واسطے ہم اپنے نوکروں کے ساتھ جو تیس یا چالیس آدمی تک ہیں نماز عیدین جہان کی چھت پر جو دھودھا کر بہت پاک و صاف کیا جاتا ہے جس وقت جہاز خشکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے بندھا ہوا رہتا ہے ادا کرتے ہیں اور یہ گھاٹ شہر کے بالکل متصل ہے۔ اب اس صورت میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگی یا نہیں مگر اگر جائز نہ ہو ہم کو یا نوکری چھوڑ دینا پڑے گا یا کہ عیدین کی نماز حلال ہو جائیگی۔

کیونکہ یہ جہاز کی روانگی روزانہ جاتی ہے۔؟

**الجواب** - فی الدس المختار (السفینۃ) المربوطۃ فی الشط کالشط فی الاصحاح فی الدس المختار ایضاً فناء وہو ما حوله لاجل مصالحوہ فی رد المختار وکما ان المصنوع اذ فناء بشرط جواز الحجۃ فهو شرط جواز صلاۃ العید - ج ۳ ص ۳۳ - ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں نماز عیدین درست ہے - ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ - (حوادث ج ۲ ص ۱۲۱)

**سوال (۶۱۴)** جب سے دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے تو نماز جمعہ تقدیم رعایت جمعہ بر رعایت جماعت کے لئے آباد جایا کرتا ہوں لیکن ایک وقت کی جماعت کم از کم ضرور راستہ میں فوت ہو جاتی ہے کیونکہ اکثر دیہات میں نماز کی جماعت کا اہتمام نہیں جس سے قلق بھی ہوتا ہے اس صورت میں کونسی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا۔؟

**الجواب** - جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر فقہاء نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ خلافیات میں مراعات خلافات کی اولیٰ ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے۔ سو چونکہ فریضہ جمعہ قریٰ میں مختلف فیہ ہے تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے میں اس کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہیں آیا اس لئے جمعہ کی رعایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثالثہ ص ۱۳)

**سوال (۶۱۵)** اگر نماز عیدین کے بعد نماز جمعہ پڑھ کر رکوع میں چلا جاؤ اور پھر پڑھنے سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ میں امام کو سہو ہوا اور رکعت ثانیہ میں بعد قرات بلا تکبیر کہے رکوع میں چلا گیا اور جماعت میں سے کسی مقتدی نے سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس سہو پر آگاہ کیا اور امام متنبہ ہو کر رکوع سے پھر کھڑا ہوا اور پھر سجدہ تکبیرات کہی اور پھر رکوع کیا اور سجدہ سہو بھی کیا۔ تو کیا اس صورت میں نماز عید ہوئی یا نہیں اور اگر نماز عید نہیں ہوئی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں ہوئی۔ اس قصیدہ میں دو جگہ نماز اور بھی ہوتی ہے مگر اس امام کے مقتدیوں نے اپنی نماز پڑھ کر قربانی بھی کر لی اس وقت تک اور کہیں نماز نہیں ہوئی تھی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں۔؟

**الجواب** - فی الدس المختار کما لورک الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الركوع ولا یعود الی القيام لیکبر فی ظاہر الشرع ایات فلو عاد ینبغی الفساد فی رد المختار قوله فی ظاہر الشرع ایۃ تبع فیہ المصنف فی المنہ والذی فی البحر والحلیۃ ان ظاہر الروایۃ ان لا یکبر فی الركوع ولا یعود الی القيام وعلیٰ ما ذکرہ الکرخی وشمسی علیہ فی البدائع وهو روایۃ النوادر لیس لعود الی القيام ویکبر ویعید الركوع دون القراءة اھ وھذا الشرع ایۃ ایضاً تخالف ما فی المتن نعو صرح

مثله فی البحر والحلیۃ والفتح والذخیرۃ فی باب الوتر والنوافل الخ قولہ فلو عاد ینبغی الفساد تبع  
 فیہ صاحب الفخر وقد علمت ان العود سرادیۃ النوادر علی انہ یقال علیہ ما قالہ ابن الہمام  
 فی ترجیح القول بعدم الفساد فیما لو عاد الی القعود الاول بعد ما استتور قائماً بان فیہ  
 رفض الفرض لاجل الواجب وهو وان لم یحل فهو بالصحة لا یخل ج ام ۴۷۷ و ۴۷۸ و  
 فی الدر المختار والستہو فی صلوٰۃ العید والحجۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار  
 عند المتأخرین عدمہ فی الاوکیٰ لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر اقرا المصنف  
 وبہ جرم فی الدر فی ح المختار قولہ عدمہ فی الاوکیٰ الظاہران الجمع الكثير فیما  
 سواہما کذلک کما بحثہ بعضہم (ط) وکذا بحثہ الرحمتی وقال خصوصاً فی  
 زماننا فی جمعة حاشیۃ الی السعد عن الغرمیۃ انہ لیس المراد عدم  
 جوازہ بل الاولیٰ ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنة اھ - ج ام ۴۷۷ - ان روایات سے یہ  
 امور مستفاد ہوئے۔ ۱۔ رکوع سے کوٹنا نہ چاہئے تھا بلکہ وہ تکبیرات رکوع میں کہہ لینا چاہئے تھا۔  
 ۲۔ لیکن کوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ ۳۔ سجدہ سہو بھی مناسب نہ تھا۔ ۴۔ لیکن کر لیا تو بھی  
 جائز ہو گیا۔ خلاصہ جواب یہ کہ نماز اور قربانی سب صحیح ہو گئی۔ ۵۔ اذی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۱۱۹)  
 تحقیق خطبۃ الوداع | سوال (۶۱۶) چرمی فرماید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندرین کہ در خطبہ  
 عید و آخر ماہ رمضان لفظ الوداع و الفراق والسلام خواندن موافق سنت نبوی است یا بدعت سینہ ناجا  
 بر تقدیر عدم جواز بر مجوزین و معتقدین آل کہ بجان دول در الباقایں رسم قدیم کو شند حسب شریعت غرامت  
 بیضا چہ حکم نافذ کرد و منسوب بفسق خواہند شد یا نہ - بینوا تو جردا - ۹

**الجواب** - حاصل خطبۃ الوداع اظہار تاسع است بالقضای رمضان و این چنین تاسع  
 از حضرت نبویہ یا از سلف صالحین در خیر القرون جائے منقول نشدہ البتہ تنویہ بھی رمضان و تنبیہ بر  
 فضل آل در احادیث آمدہ است کہ در آخر مجمع شعبان در خطبہ فرمودند پس اور اگر زشتہ برائے آخر  
 جمعہ رمضان خطبہ خاص مقرر نمودن ظاہر است کہ تغیر مشروع و قلب موضوع است بلکہ اگر نیک  
 نگرند بجائے تاسع گوئے سرود و فرح بر ختم آل مطلوب می نماید چنانچہ در حدیث مخصوص است للصباح  
 فرحتان فرحة عند الافطار و فرحة عند لقاء ربہ و ظاہر است کہ اگر تاسع وقت  
 القضاء رمضان مشروع بود حصہ از آل تاسع وقت القضاء اجزایش کہ صوم ہر روزہ است نیز مشروع  
 بود ہر گاہ وقت القضاء اجزایش کہ افطار صغیر است فرح و سرور محمود شد لا محالہ وقت القضاء

مجموعہ کہ افطار کبیر است نیز فرح و سرور مقصود شد پس اظہار تاسف مزاحمت است بدین مامور بہ - فیر  
 وعدہ و بشارت مغفرت کہ متعلق بقدم عید در نصوص وارد شدہ مشعر است بعدم استحسان تاسف  
 بمقدمہ اش کہ انقضای رمضان است لان مقدمۃ الشیء فی حکم ذلک الشیء و اگر ازیں  
 دلائل قطع کردہ قائل باہانت او شوند غایت مافی الباب باہانت مطلق آل سلم خواہد شد مگر ہر گاہ دلائل  
 منکرات علیہ و علیہ از التزام و اعتقاد لزوم آل در عامل و عوام منضم شدہ لاحوالہ مثل دیگر بدعات کہ  
 بعضی ازال فی نفسہ مباح باشد لیکن بالضمام این چنینی مفاسد واجب الانکار می شود و این ہم قبیح  
 و شنیع خواہد بود چون قبیح بعضی بدعات غامض می باشد مصالحین و منکرین را لازم است کہ در پیچ و این  
 بدعات بر عامل و ملتزم عنف و تشدد نہ کنند کہ اکثر بجز بیادت اصرار و وقوع مضمون اذا قیل لہ  
 اتق اللہ! اخذتہ العزۃ بالاشعر می شود بلکہ برفق و لطف ایشان را برآرند - واللہ الموفق واللہ اعلم  
 ۲۸ رمضان ۱۲۲۳ھ - (حوادث ثالث ص ۱۵۲)

طریق احتیاط بوقت وقوع | سوال (۶۱۷) یہاں مبتدعین کا از حد نہ رہے چنانچہ شدت بدعت کی یہ  
 فتنہ از ترک جمعہ در فریہ | حالت ہے کہ ہر کام میں ایک نئی ہی صورت پیدا کر رکھی ہے میرے نفع سبابہ  
 سے بھی بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتے ہیں - چونکہ یہ ایک گاؤں ہے اس لئے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ  
 لوگ پڑھتے ہیں میں نہیں پڑھتا اس لئے انھوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ  
 منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کر لے دے فرمادیں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے  
 مامون رکھیں - نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے -  
 الجواب - اگر فتنہ ناقابل تحمل کا احتمال قوی ہو مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے پھر منفرداً ظہر پڑھ  
 لیجئے - (تمہ خامسہ ص ۱۳۷)

حکم خواندن جمعہ حنفیہ مادہ فری | سوال (۶۱۸) چرمی فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین درین مسئلہ  
 باختیار مذہب شافعیہ | کرد بعض دیانت پر فریہ نماز جمعہ می گزارند خواہ در دوشمار مردان و مکانان کثیر باشد  
 یا نہ و اگر وہی از علمائے اخاف می گویند کہ اگرچہ مذہب مادہ فری جمہور و انیسست مگر بایاں دین مسئلہ بر  
 مسلک ائمہ دیگر ال عمل می نمایم قول او شان چگونہ است و اگر کسیہ از اخاف در فری صلوة جمعہ ادا  
 کند پس از ذمہ اش نماز ظہر اوسا قسط خواہد شد یا نہ جوابی صافی مدلل تحریر فرمایند -  
 الجواب - عدم صحت جمعہ در فری عند اخاف ظاہر است و آنکہ بر مذہب شافعیہ  
 می گویند و ظاہر است کہ ایشان سائر فرائض صلوة کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعل می آرند مثل تسبیح

خلف الامام وسمخین رعایت عدد مصلین کہ عند الشافعیہ معتبرست بجامعی آزد پس جمہ اینال نہ عند الحنفیہ شد لعدم قول الحنفیہ بالجمعة فی القری و نہ عند الشافعیہ درست باشد لعدم شرط صحة الصلوة و این را تلفیق می گویند کہ فقہار آل را باطل گفته فافہم۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمت راجع ص ۳۱)

تحقیق عدم صحت قیاس جواز جمعة در قری با اجتماع مسلمانان بر امامی بر جمعة در قری بحکم سلطان سوال (۶۱۹) امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۳۱  
میں جو مسئلہ دوبارہ جواز جمعة فی القری امام سلطان مذکور ہے اس میں محکو اشکال ہوا ہے۔ عبارت امداد الفتاویٰ یہ ہے۔ س۔ در ملک افغانستان این قاعدہ است کہ لغیر انش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ تحریک بعض عالم در قری جمعة قائم می کنند و برائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از شرط مقرر معنی می پذیرند۔ درین علاقہ اگر کدام یکجا جمعة حاضر نشود خطیب صاحب انکاری کند کہ اسے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد و صورت مذکورہ در رکعت جمعة از ظہر خلف میشود یا نہ۔ و تاخیر ازال بعد و حیلہ آثم خواہد شد یا نہ۔ ۹

الجواب۔ قال الشافعی قال ابوالقاسم هذا بلا خلاف اذا اذن الولى القاضي الى قوله وصلوا فى القرى لزم هذا اذ الظاهر وهذا اذا لم يتصل به حكم فان فى فتاوى الديناى واذ ابى مسجد بامر الامام فهو امر بالجمعة اتفاقاً پس در صورت مسئلہ جمعة صحيح است لكن وقت تبديل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط است۔ قال الشافعی لا يبقی الا اليوم الاذن بعد موت السلطان الاذن بذلك الا اذا اذن به ايضاً سلطان زماننا نصره الله - منتهى - والله اعلم۔

اشکال اس میں محکو یہ ہے کہ جب از روی فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعة کے لئے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد و غیرہ کے سبب اذن جمعة کا نہ دیوے یا بادشاہ غیر مسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعة ادا کریں پس صورت مذکور امداد الفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعة ضروری ہے شہر ہو یا نہ ہو لہذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق قوم سے جمعة ہو جاتا ہے تو گناہوں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے (کیونکہ اس وقت خصوصاً مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعة پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے یا نہیں۔ کیونکہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا۔ تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکورہ میں گناہوں میں جمعة ہوتا ہے ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گناہوں میں جمعة ہونا چاہیے۔

بس یہی اشکال ہے جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرما دیں فقط :-

**الجواب عن الاشکال** - اقامتہ جمعہ فی القری باذن بادشاہ کے مبنی یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان یا قضائے قاضی ملاتی ہو تو ہر تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں چنانچہ اگر جماعت مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیا بہتہ جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے سو چونکہ جمعہ کے لئے وجود سلطان کا مقصود اشرط نہیں صرف رفع نزاع فی التقدیم والتقدم ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں مصرح ہے اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی بس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ - (تمتہ خامسہ ص ۶۷)

**سوال (۶۲۰)** جب سلطان اور والی مقلد امام ابو حنیفہ رفع شبہ عدم نفاذ حکم سلطان و دادائے جمعہ بقریہ وقتے کہ آل سلطان حنفی باشند ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی مبنی پر اذن اقامت جمعہ فی القری کی گنجائش ہوگی۔ کما فی الدر المختار واما المقلد فلا ینفذ قضائہ بخلاف مذہبہ اصلاً کما فی القنیہ قلت ولا سیما فی زماننا۔ اور اگر خلاف مذہب امام رح کے یا شافعی مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القری دیں تو مقلد حنفیہ کے لئے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القری کافی ہوگا یا نہ :-

**الجواب** - یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کے لئے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا سو اثر اس کا صحت جمعہ ہے اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفی کا گو وہ فعل سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درختار کی عبارت اس کے معارض نہیں کیونکہ مراد اس سے وہ مقلد ہے جسکو سلطان نے تولیت کے وقت قضا بخلاف مذہب سے منع کر دیا صراحتاً یا دلالتاً ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دیدے تو اس کا بھی حکم ہے اور سلطان پر چونکہ کوئی والی نہیں ہوتا اس کا اذن مطلقاً نافذ ہے۔

۱۳ ذیقعد ۱۳۳۶ھ - (تمتہ خامسہ ص ۷۷)

**سوال (۶۲۱)** وہ کون سے قری ہیں جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم خواہ وہ بارہ گھر ہی ہوں یا ان کی کوئی تخصیص فریہ نزد مجتہد آخر جمعہ صحیح باشد شرط بودن دیواز جمعہ بقریہ آنکہ درال

امداد الفتاویٰ جلد اول

۴۷۰

باب صلوٰۃ الحجۃ والعیدین

اجتمع اہلہ فی اکبر مساجد لا یسعہم فانہ منقوض بہما اذکل منہما یسع  
اہلہ و زیادۃ ولہم یعلعان مکۃ والمدینۃ فی زمان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام  
واصحابہ اکبر ما ہی الا ان ولا ان مسجد ہا کان اصغر ما ہوا لان فلا یعتبر  
هذا التعریف۔ اس بعد فرماتے ہیں والحد الصحیح ما اختار صاحب المہدایۃ انہ  
الذی لہ امیر وقاض ینفذ الا حکام و یقیم الحد و د و تزئیف صمد الشریعۃ  
لہ عند اعتذارہ عن صاحب الوقایۃ حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ نظر  
التوائی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحد و د فی الا مصار مزین۔ اور جو اس  
تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے اُن کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود  
بالفعل کما فی الشاخی بان المراد القدح علی اقامۃ الحد و د۔ ہاں تعریف مذکور یعنی المصر  
مالا یسع الخ کی صحت کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے  
کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ  
اُس میں سمانہ سکیں یہ علامات و عوارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تاکہ لازم آوے کہ اُن کے ارتقاء  
سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو اس قدر  
کہ لوگ اُسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ کے ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں  
اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگرچہ فلاں کانوں یا بازار سے موسوم کرتے  
ہیں لیکن اگر کوئی اُس کو شہر کہدے تو اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اُس کو قریہ اور مکذیب نہیں کرتے ہیں۔  
خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید و فروخت کے لئے کہیں باہر دوسری  
جگہ نہ جانا پڑتا ہو ایسی آبادی کو قریہ کہیے اور شہر عربی کہتے ہیں ہوت بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا  
ہے ایسی آبادی میں جموع جائز ہے کما فی الشاخی ولقہم فوضائی القصبیات والقری التی فیہا اسواق  
اور جو کانوں اس شان کا نہ ہو اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خاص و عام رد کرتے ہوں اور وہ قابل  
اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرا و مجنون فیدادی کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً و شرعاً  
کانوں کہتے ہیں ایسے کانوں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتنی امر ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں اوردئے  
مذہب حنفیہ نماز جموع اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ کما فی القنیۃ صلوٰۃ  
العید فی القری تکرار تحریم۔ اور شامی میں ہے قولہ صلوٰۃ العید الخ ومثلہ الجمعۃ  
یعنی عیدین کی طرح نماز جموع بھی مکروہ تحریمی ہے۔ فناء مصر کی تعریف یہ ہے کہ جس موضع سے مصر



کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہو) ایسے مقام کو بقول اصح المصر بالایسح اکبر مساجد اہلہ کے مصر شرعی کہا جائے گا اور جمعہ وہاں درست ہو گیا یا نہیں فناء مصر کی تعریف اور اُس کی مسافت کیا ہے اور مصر فناء مصر کے خارج کے باشندوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں۔ بنیوا تو جردا۔ ۹

## الجواب من مخلص الرحمن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہری ضلع ڈھاکہ

حامداً و مصلیاً۔ مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں اُن میں سے کوئی حد مصر نہیں جو اس شان کی ہو کہ کل ما صدق علیہ الحد صدق علیہ المحدود وبالعکس ای کل ما صدق علیہ المحدود صدق علیہ الحد۔ بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں کیونکہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائزہ مصر کی تفسیر میں جو فقہاء نے مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں اُس میں بغیر ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنوی یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامہ کہ مصری پائی جاتی تھیں بیان کر دی ہیں زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصوصیات کے لئے قاضی ہوتا تھا دیہات میں یہ امور نہ تھے جیسے آج کل کچہری خود جاری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں۔ پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہو گئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں اور یہ تعریف المصر ما لا یسم اکبر مساجد اہلہ بھی اسی بناء پر صحیح ہے جبکہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ سکتہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لایسح کہاں ہوا بلکہ یسح صادق آگیا اور جو تعریف کہ مدینہ پر صادق نہ آوے وہ صحیح نہیں جیسا کہ کبیری میں ہے۔ اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافاً کثیراً والفصل فی ذلک ان مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احد هما فهو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احد هما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختلفت جماعۃ من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهو ما لو

اجتمع اہلہ فی اکبر مساجد لا یسعہم فانہ منقوض بہما اذ کل منہما یسع اہلہ و زیادۃ ولم یعلما ان مکۃ والمدینۃ فی زمان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واصحابہ اکبر ما ہی الا ان مسجدہا کان اصغر مما ہوا لان فلا یعتبر هذا التعریف۔ اس بعد فرماتے ہیں والحد الصحیح ما اختار صاحب الہدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الا حکام و یقیم الحد ود و تزئیف صدرا للشرعۃ لہ عند اعتذارہ عن صاحب الوقایۃ حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ لظہور التوافق فی احکام الشرع سیمافی اقامۃ الحد ود فی الا مصادر مزید۔ اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود بالفعل کما فی الشاخی بان المراد القدح علی اقامۃ الحد ود۔ ہاں تعریف مذکور یعنی المصر مالا یسع الخ کی صحت کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ اُس میں سمانہ سکیں یہ علامات و عوارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تاکہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو مستقر کہ لوگ اُسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ کے ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگرچہ فلاں گائوں یا بازار سے موسوم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اُس کو شہر کہے تو اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اُس کو قریہ اور تگزیب نہیں کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید و فروخت کے لئے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو ایسی آبادی کو قریہ کہیے اور مصر شرعی کہتے ہیں عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا ہے ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے کما فی الشاخی ولقہم فضلاً فی القصبیات والقری التي ہا اسواق اور جو گائوں اس شان کا نہ ہو اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خاص و عام رد کرتے ہوں اور وہ قابل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرا و مجنون فیدادی کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً و شرعاً گائوں کہتے ہیں ایسے گائوں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتنی امر ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں از روئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ کما فی القنیۃ صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریماً۔ اور شامی میں ہے قولہ صلوٰۃ العید الخ ومثلہ الجمعۃ یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے۔ فناء مصر کی تعریف یہ ہے کہ جس موضع سے مصر

کے باشندوں کے مصالح و اغراض متعلق ہوں کسی مقدار اور مسافت کی تحدید نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں والتعریف احسن من التحدید لانہ لا یوجد ذلک فی کل مصر وانما ہو بحسب کبر المصر وصغره بیانہ ان التقدید بغلوۃ او میل لا یصح فی مثل مصر لان القرافۃ والترب التی یلی باب النصیر ید کل منہما علی فراسخ من کل جانب نعم ہو ممکن مثل بولا ق فالقول بالتحدید بمسافة ینحاف التعریف المتفق علی ما صدق علیہ بانہ المعد لمصالح مصر فقد نص الا ثمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوادث المصر کرض الخیل والدواب وجمع العساكر والخروج للرحی وغیر ذلک۔ مصر اور فناء مصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے ومن کان مقيما فی عمران واطرافہ ولیس بین ذلک الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو کان بین ذلک الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراسل نحو القلح بنحاد الا جمعة علی اهل ذلک الموضع وان کان النداء یبلغهم والغلوۃ والمیل والامیال لیس بشئی هکذا روی الفقیہ ابو جعفر عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وهو اختیار شمس لائمة الحلوانی۔ واللہ اعلم وعلیہ التمسک۔

**تصحیح الجواب من صاحب الفتاویٰ۔** نعم التحقيق ونعم التطبيق فی الجزء الاول یعنی ما يتعلق بتعریف المصر واما الجزء الثاني ای وجوب الجمعة او عدم وجوبها علی اهل الفناء فمختلف فیہ ونقل هذا الاختلاف مع تصحیح بعضہا فی دال الخ ص ۱۷۔ ولعمریہ فی فی الان التتقیح فیہ لکن یتصلق بالقلب وجوبها علیہم واللہ اعلم۔ ۲۱ شوال ۱۳۳۷ھ۔ (تمتہ خامسہ ص ۹)

**جواب سوالات متعلق اختلافات** | **سوال (۶۲۴)** ایک شہر ذمہ قلیلہ اور فقہ شاذہ کا دعویٰ یہ ہے کہ عملداری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان و بنگالہ میں نواح عرفی شہر ہو یا قصبہ و قریہ کیوں کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے مخطی اور مخالف میں ہیں اور ان کا استدلال یہ ہے کہ صحبت جمعہ کے لئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر روایت سے یہی المصر کل موضع لہ امیر وقاضی اہ۔ جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ امیر وقاضی کے بغیر مصر نہیں ہو سکتا خواہ کتنی بڑی آبادی ہو چنانچہ قاضی خاں کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور واضح کر دیتی ہے کیونکہ قاضی خاں میں حصر کے ساتھ لکھا گیا۔ دکا یوں الموضع مصر فی ظاہر الروایۃ

الا ان يكون فيه مفت وقاضا اه اذ نيزالا بد من ذكى عبارت بهى اس مدعا پر صاف دليل هى حيث قال يكى مصر لىغى شهر كى در آن امير وقاضى باشد۔ اور اكبر مساجد والاقول اولاً اس كا مصداق مكه منظر بهى نهى هوتا هى اس لى كروهاى كى سب مصلى حرم شريف مى سما جاتى هى علاوه برى اكبر مساجد كى كوئى تعين نهى۔ سو بعض جهوى بلىستى باعتبار صغر مسجد مصر كهلا سكتى هى اور بعض بلىستى بهى كبر مسجد كى تقدير پر گانوں كى لائى گى۔ اور سب سى بلى بات تو بهى كه ظاهر روايت كى مقابل مى اس كى كوئى هستى هى نهى كىونكه بنا بر قواعد فقهى ظاهر روايت هميشه مطلقاً ماخوذ بها هوتى هى اور اس كى مخالفت جانب مرجوح۔ اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع هى اذ نيزاكبر مساجد كى قول پر جن فقهيوں لى فتوى ديا ان ان مى سى ايك تن بهى اصحاب ترجيح اور ارباب نصيح مى سى نهى هى۔ لىذا سا قطعاً عن الاعتبار هى اور صاحب هدايه جو اصحاب ترجيح مى هى انھوں لى بهى ظاهر روايت والى قول هى كو ترجيح دى۔ حيث قال الاول اختيار الكرخى والثانى اختيار التلجى۔ اس لى كى نقل اقوال مى ما هوى المذكور اولاً ان كا مختار هوتا هى چنانچان كى مصطلحات سى واقف كار بخوبى واقف هى اور مختار كرخى مختار تلجى سى سى يوں بهى بد جها مختار هوتا هى چى اس لى كى بينهما افتاد فى المراتب بسيار هى۔ اور بلاد كفار مى جمع پڑھنى كى جو صورت محراج الدرايه مى بيان كى گئى هى اس مى بهى شرط بهى كه مسلمان والى مسلم كا التماس كى كى والى مسلم مقرر كرى اور پھر بتراضى مسلمان ايك قاضى بهى حىن هوى اور همارى ديار مى بهى بهى نهى۔ بهر حال شهر يا قصبه يا قرية كبرى مى جواز جمع كى بابت اذن حاكم ضرورى طهير اذ نيز جمع كى صحت كى لى سلطان ايك جدا گان مستقل شرط هى بهى بهى نهى۔ علاوه برى اذن عام جو ايك قيسرى شرط هى صحت جمع كى لى اس كا وجود بهى تعلقات سلطان مى سى تعاد اذ ليس فليس لىذا بجمارت مى جمع قائم كرنا شرط ثالثه كى خلاف پر كمر باندھنا هى بلكه فقہ حنفى كى سخت مخالفت كرى هى۔ پس بحسب فقہ حنفى عمداً نى نصارى مى جو كه اكثر كى رائى كى بموجب دار الحرب سى جواز جمع كى صحيح دليلى بيان فرما كرنا لىن كى شبهات كى كافى و شافى جواب غنايت فرماوى۔ ۹۔

**اجواب ۳۔** النهاية شرح الهداية للعيني قوله والمصر الجامع الخ قد اختلفوا فيه فعن ابى حنيفة رحمه هوماي جمع فيه مرافق اهلہ وعن ابى يوسف ۷ كل موضع فيه امير وقاضى ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وهكذا روى الحسن عن ابى حنيفة ۸ فى كتاب صلاته وفيه ايضا قال سفيان الثوري ۹ المصر الجامع

ما بعد الناس مصراً عند ذكر الامصار المطلقة كخانا وسمي قند وقال الكرخي هو ما يقم  
فيه الحد ودفدت فيه الاحكام وهو اختيار الزمخشري وعن ابي عبد الله البليخي  
انه قال احسن ما سمعت انه اذا اجتمعوا في اكبر مساجد هم لحنسوعافيه فهو مص  
جامع وعن ابي حنيفة رح هو بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ويرجع الناس اليه في ما  
وقعت لهم من الخواص والاهل في الهلاية في علة اشتراط السلطان لانها تقام بجمع  
عظيم وقد تقع المنازعة في التقديس وقد تقع في غير ذلك فلا بد منه تيمناً لمرهاوي  
رد المحتار عن التحفة بعد نقل تعريف ابي حنيفة رح وهذا هو الاصح اه الا ان صاحب  
الهداية ترك ذكر السلك والرسا تيق كان الغالب ان الامير والقاضي الذي  
شأنه القدرة على تنفيذ الاحكام واقامة الحد وكذا يكون الا في بلد كذلك اه و  
في الدر المختار ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر امام مع  
عدمه فيجوز للضريح وفيه السابع الاذن العام من الامام في رد المحتار قوله من  
الامام قيد به بالنظر الى المثال الا في (من قوله دخل امير حصن الخ) والا فالمراد الا  
من مقبها لما في البرجندی من انه لو اخل جماعة باب الجامع وصلوا بنية الجمعة  
لا يجوز استمعيلا هـ - مجموعة روايات بالاسم امور ذيل مستفاد هوئ - اول من  
تعريف انه من مختلف عبارات من منقول هو او اصل كلام انه من عدم تعارض هو الا ان  
يتعدى پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو مخون واحد کے عنوانات کہا جاوے  
جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفا شہر کہا جاوے وہ شہر ہے اور وجود قضاء وغیرہ سب امارات ہیں  
پس اس بناء پر ہندوستان میں صد ہا امصار ہیں اور قصبات بھی امصار میں داخل ہیں کیونکہ عوام  
اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں۔ محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔ دوم  
سلطان کا اشتراط تغلل ہے قطع تنازع کے ساتھ پس اگر عامہ مسلمین ملکر کسی پر اتفاق کر لیں گو  
وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کر لینا کافی نہیں۔ سوم۔ اذن عام  
میں امام شرط نہیں پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں بسلئے  
بلاشبہ جمعہ صحیح ہے یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں باقی رفع سلب  
کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ  
جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے وہاں جمعہ صحیح ہے۔ والا فلا۔

ار رجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النور ص ۵۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۳ھ)

مشروط بودن محاذات و قرب امام  
در اذان بین یدی المنبر  
ثانی جمعة کا فعل جو عند المنبر یا ما بین یدی خطیب لکھا ہے آیا  
مراد اس سے مطلق قرب ہے خواہ بالمعنی المتبادر یا عام اُس سے اور خواہ مع المحاذاة یا عام اُس  
سے افید و ناوتم مفیدین۔

الجواب۔ اکثر کتب کی عبارت تو تحمل و جہین کو ہے مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے قرب  
تبادر و محاذات میں۔ و هو هذه۔ بین یدیہ ای بین الجهتين المسامتين اليمين المنبر  
او الامام و يسارة قريباً منه و وسطهما بالسكون فيشمل ما اذا اذن في زاوية قائمة  
او حادة او منفرجة حادث من خطين خارجين من هاتين الجهتين الا قلت  
تحدث القائمة اذا كان المؤذن حذاء وسط المنبر بالحركة والمنفرجة والحادة  
اذا كان في غير حذاء و صورتهما هكذا۔  
دلیل ذلك كله التوارث۔ قرب ۱۳۳۳ھ  
(تمتہ غامضہ)

### خلاصۃ الكلام فی اذان الجمعة بین یدی الامام

سوال (۶۲۶) یہ امر تو محقق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعة کی داخل مسجد جائز ہے۔ بلکہ ہی متواتر  
ہے۔ و اذان یدی للصلوة من یوم الجمعة الایہ۔ النداء الاذان اہ تفسیر نفسی ای  
اذان لہما ہ بیضاوی اطلقہ ولہ اذانان اذان خارج المسجد و اذان بعدہ بین  
یدی المنبر اذا جلس الخطیب علی المنبر اہ تبصیر الرحمن والمعتبر اول اذان بعد  
نعال الشمس سواء كان علی المنبر او علی الزوراء یجب السعی وتترك البیعة بالاذان الاول  
لقوله تعالى فاستعین الی ذکر اللہ و ذکرہ و البیعة۔ و اختلف المراد بالاذان الاول قبل  
الاول باعتبار المشروعية و هو الذی بین یدی المنبر لانه کان اولاً فی زمنہ علیہ  
السلام و زمن ابوبکر و عمر حتی احدث عثمانی الاذان الثانی علی الزوراء حین اکثر  
الناس والا صح ان الاول باعتبار الوقت و هو الذی یکون علی المنابر بعد النوا و الانتہی  
منستعمل وكذلك فی الہدایة وحاشیتہ الکفاۃ والعنایة وغیرہا من المتون والشرح  
والحاشی والفتاویٰ۔ و فی حاشیة الشیخ وجیہ الدین علی شرح الوفاۃ اذن ثانیاً

بذلك جرى الثوار من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى هذا الزمان الاذان  
 امام المنبر اھ وفي الغاية شرح الهداية - وكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو  
 الاذان على المنبر لانه لو انتظر الاذان عند المنبر تفوته اداء السنة وسماع  
 الخطبة كذا في تنشيط الاذان (صل) وفيه ايضا عن مبسوط السرخسي والمقابر  
 اول اذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر او على الزوراء اھ - ان عبارات  
 میں علی المنبر عند المنبر - امام المنبر - بین یدی المنبر - یہ سب الفاظ اس کو ظاہر  
 کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اُس کے نزدیک ہونا چاہئے۔ باقی اس قریب کو صنف اول  
 کی ساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔ قال فی جامع الرموز اذا جلس الامام علی المنبر اذان اذا  
 ثانیاً بین یدیہ ای بین الجھتین المسمتین الیمین المنبر واکامام دیسا لا قریباً  
 منه ووسطهما بالسكون فيشتغل ما اذا اذن في زاوية قائمة او حادة او منفرجة اھ  
 من التنشيط (صل) اس میں قریباً منہ کی قید تو ہے۔ لیکن صنف اول کی قید نہیں۔ اور  
 جس عبارت خلاصہ سے بعض مفتیان رام پور نے صنف اول کی قید کو ثابت کیا ہے اُس سوا استدلال  
 نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے ویکرة البیعة والشرع عین الجمعۃ اذا اذن  
 المؤذن والبیع جائز واکا اذان المعتبر اذان الخطبة الصنف الاول فی المقصورة  
 ومنہم من قال ما یلی المقصورة دہ اخذ الفقیہ اھ (ص ۲۱ ج ۱) اور بعض نسخوں میں جو  
 یہ عبارت زیادۃ لفظ فی کے ساتھ اس طرح ہے واکا اذان المعتبر اذان الخطبة فی الصفا الاول  
 فی المقصورة الخ سوائے زیادۃ فی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ  
 صنف اول میں ہو اور مقصورہ میں ہو۔ حالانکہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسامتت  
 بالکل فوت ہو جائے گی اور فقہاء کے الفاظ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو  
 کما صرح بہ فی جامع الرموز وقد مر قال الشافعی اقول والظاهر ان المقصورة فی زمانہم  
 اسم للبيت فی داخل الجند او القبلی من المسجد کان یصلی فیہا الامراء الجمعۃ و  
 یمنعون الناس من دخولها خوفا من العدد فعلی هذا اختلف فی الصنف الاول هل  
 هو ما یلی الامام من داخلہ ام ما یلی المقصورة من خارجہا فاخذ الفقیہ  
 بالثانی توسعاً علی العامة کی کاتفتوتہم الفضیلۃ اھ (ص ۵۹ ج ۱) اور ظاہر ہے  
 کہ منبر خارج مقصورہ ہوتا ہے پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اُس پر بین یدی اکامام و بین

یدی المنبر و عند المنبر وغیرہ کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ عبارت صحیح وہی ہے جو بدون لفظ فی کے  
 اول کسی گئی ہے اور الصف الاول فی المقصود یہ کلام مستقل ہے جس میں صاحب خلاصہ کے الاول صف  
 جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ مسئلہ اس وقت تکمیل میں تھا۔ چنانچہ بحر میں بھی اس بحث کو  
 لکھا ہے۔ قال ثم نكلموا فی الصف الاول قبل هو خلف الامام فی المقصود وقيل ما یلی  
 المقصود وبه اخذ الفقيه ابو الیث لا ینفع العلمة عن الدخول فی المقصود فلا تصل  
 العامة الى نیل فضیلة الصف الا قل اه (ص ۱۵۰ جلد ۲) اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی  
 عاقل ہرگز الصف الاول فی المقصود کو اذان خطبے سے متعلق نہیں کہہ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کلام  
 مستقل مانا جائے گا۔

آب رہی یہ بات کہ خطبہ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں بلا کراہت جائز ہیں یا اس  
 میں کچھ کراہت ہے۔ اس کے متعلق روایات ذیل ہیں۔

قال فی رد المحتار لا نه صلى الله عليه وسلم صلى اخر صلوة قاعد او هو قیام ابو بکر  
 یبلغهم تکبیر وہیہ علم جواز رفع المؤذنین اصواتهم فی جمعة وغیرہا ای فی تبلیغ تکبیر  
 الامام یعنی الاصل الرفع واماماتعارفہ فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذا الصباح  
 ملحق بالكلام اه من التنشيط (ص ۱۵۰) وفيه ايضا من السعاية شرح شرح الوقاية - لغز  
 ای اذان کا یستحب رفع الصوت فيه قل هو الاذان الثاني یوم الجمعة الذي یكون بین یدی  
 الخطیب لانہ کالاتامة کلام الحاضرین اه (ص ۱۵۰) وفيه ايضا عن فتح القدیر والاول  
 ما عینہ فی الکافی جامعاً وهو ذکر الله فی المسجد ای فی حدودہ لکلمته الاذان فی داخل  
 ویزاد ايضا فیقال ذکر فی المسجد یشترط لها الوقت فیستحب الطهارة فيه وتعداد  
 استحبها با اذا كان جنباً کالاتان انتہی (ص ۲۳) وفيه ايضا عن جامع الرموز وفيه  
 ایذان بوجوب الجهر بالاذان کالاتان الناس قل اذن لنفسه - خافت لانہ الاصل  
 فی الشرع کما فی کشف المنار وہیہ بانہ یؤذن فی موضع عال وهو سنة کما فی القنیة و  
 بانہ لا یؤذن فی المسجد فانہ مکروه کما فی النظر و فی الجلالی انہ یؤذن فی المسجد  
 او ما فی حکمہ فی البعید عنہ اه (ص ۲۵) وفي العالمگیریة وینیغی ان یؤذن  
 علی المنذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان  
 والسنة ان یؤذن فی موضع عال یكون اسمع بحیرانہ ویرفع بها صوته - کذا



فی البحر السرائق ۱۵ (ص ۳۴۷ جلد ۱)۔ ان سب میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذانیں مسجد میں کہنا کراہت تنزیہیہ یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں اور علت غالباً یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہنگو صیاح بالذکر ہی ہونیز صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ۔ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ۔ والمسجد محل مناجات الحق ویکون الحق فیہ تجماع العبد فلا ینبغی للمصباح فیہ ورودی عن واثلة بن ابی اسقع مرفوعاً عن ابی مساجد کمر صیبا نکرو وجماعینکم وقال ورفعه اصواتکم واقامت حد و ذکر الخ من الترغیب (ص ۱۸۵ رواۃ البیہقی والطبرانی وغیرہما)۔ اور اذان جمود وقت خطبہ میں اس قدر جہر و صیاح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مسجد میں جائز ہے۔ علاوہ ازیں وہ مسجد ہی میں متواتر ہے۔ رہا یہ کہ حدیث ام نیدین ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلالؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے لئے سقف مسجد پر کچھ حقہ بلند بنایا گیا تھا جو مندر تھا اور مندر پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے کما یشعر بہ ما مرفی عبارة العالمگیری ینبغی ان یؤذن علی المنذنة او خارج المسجد الخ من التقابل بین المنذنة وخارج المسجد واللہ اعلم ولعل السرفیہ کون المنذنة خارجاً عن المسجد فی نیت البانی او الواقف فلا یكون لها حکم المسجد نقل فی السعایة عن طبقات ابن سعد حدثنی محمد بن عمر قال ثنی معاذ بن محمد عن یحییٰ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سعد بن زمرارة <sup>او ثقیف</sup> قال اخبرنی من سمع انوار ام زید بن ثابت تقول کان بیثی حول المسجد فكان بلال یؤذن فوقہ من اول ما یؤذن الی ان بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فكان یؤذن بعد علی سقف المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره اھ من التشیط (ص ۱۹) وما فی حدیث عبد اللہ بن زید انه صلی اللہ علیہ وسلم قال له فاخرج مع بلال الی المسجد والقہا علیہ ولیناد بلال فانه اندی صوتا منک قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القہا علیہ وهو نادی بہا اھ فیحمل علی ما فی حد ود المسجد او براد بہ سقف المسجد وما رفع له فوقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ قلت وقال فی رد المحتار فی تعریف المکررہ هو ضد المحبوب قد یطلق علی المحرام وعلی المکرمۃ تحریمہا وعلی المکررہ تنزیہا دھو

ما ترکہ اولیٰ من فعلہ ویداد خلاف الاولیٰ اھ من التشیط (ص ۲) اور عند کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہو جائے گی۔ مثلاً مسجد کے سوا اذان کے لئے قریب مسجد کے کوئی جگہ نہ ہو۔ قال فی الدہ بعد بیان کراہتہ قیام الامام فی المحراب وانما اذاع علی الدکان وعکسہ ان هذا کلمہ عند عدم العذر (واما عند العذر) کجمعة وعید فلو قاموا علی الرفوف والامام علی اکامہ رض او فی المحراب لضیق المکان لعلیکہ اھ قال الشاحی حلک الحلوا فی عن ابی اللیث لا یکرہ قیام الامام فی الطاق عند الضحیٰ بان ضاق المسجد علی القوم اھ (صفحہ ۶۷ جلد ۱) حنفیہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ شعبان ۱۲۷۲ھ (تمتہ خامسہ ۴۲۵)

جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا | سوال (۹۲۷) حضرت اقدس مرشدی و مولائی ادوام اللہ فلاہم۔ بعد ادائے آداب فدویانہ التماس ہے مدرسہ ہذا میں پہلے یہ استفتاء آیا تھا جس کا جواب مندرجہ پرچہ ہذا لکھ کر بھیجا تھا اب دوبارہ اُس پر چند شکوک لکھ کر سائل نے بھیجے ہیں اصل استفتیٰ کی نقل اور وہ شکوک بجینہ مرسل خدمت غلام عالی ہیں۔ نیز سنن ابی داؤد پر جو حاشیہ غیر مقلدین کا عون المعبود نام ہے اُس کی عبارت کی نقل بھی بھیجی جاتی ہے انہوں نے خارج مسجد مچنے پر بہت زور دیا ہے عنایہ اندکفایہ کی عبارت سے بظاہر قریب منبر کے معلوم ہوتا ہے اس میں تاویل خارج مسجد کی مشکل ہے اُس کی عبارت بھی منضم ہے نیز مولوی احمد رضا خاں صاحب ایک استفتاء مطبوعہ بھی منسلک ہوا اگر اس موقع پر آثار السنن جلد دوم صفحہ ۹۷ د کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو مناسب ہے۔ انہوں نے مسجد کے اندر قریب منبر کے ہونے کی تائید کی ہے اور حدیث ابی داؤد پر حرج کیا ہے فقہاء سے یہ تعجب ہے جہاں اذن سے مسجد کے اندر ممانعت کرتے ہیں وہاں اگر اذان ثانی مسجد میں ہوتی تھی تو اُس کا استفتاء کیوں نہیں کرتے اگرچہ ان عام طویل طویل تحریریں کا دیکھنا حضرت اقدس کا وقت عزت ضائع کرے گا لیکن چونکہ آجکل اس کی نسبت اختلاف پھیل رہا ہے اس لئے توجہ از بس ضروری ہوئی ہے اسی صاحب مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ میں خارج مسجد ہونے کی نسبت ترجیح دی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمایا جا سب کی نقل موجب تطویل تھی اس لئے اس پر اختصار کیا گیا۔ بین یدییہ میں تو خیر تاویل بھی ہو سکتی ہے لیکن عند المنبر کے الفاظ جو عنایہ کفایہ میں مذکور ہیں اس کی تاویل از بس دشوار ہے۔ ۹۔

الجواب۔ عزیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ میں نے سب تحریرات کو گونگو سے تو نہیں مگر سرسری نظر سے کسی قدر زیادہ دیکھا۔ آثار السنن کو بھی دیکھا۔ مجموعہ کو دیکھ کر بشہادت و ذوق میرے ذہن میں جو بات

وہ استفتاء اور پرچہ یہاں منقول نہیں مگر اصل مضمون جواب ذیل سے معلوم ہوا جوے گا ۱۲ نہ د

آئی ہے وہ یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ کی افضل و اولیٰ مسجد ہی کے اندر چاروں ابوداؤد کی روایت اگر مروج بھی ہو تو اس کی وجہ یہ کہ اُس وقت یہی اذان اعلان عام کے لئے تھی لہذا مسجد سے خارج ہونا مناسب تھا کہ بے سبب داخل مسجد کے اس میں اعلان زیادہ ہو سکتا تھا جب حضرت عثمانؓ نے انہیں باتفاق صحابہؓ اذان اول بڑھائی گئی تو اب جو علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی میں تھی وہ اول میں متحقق ہو گئی۔ اس لئے اس کا خارج مسجد ہونا مناسب تھا اور وہ علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی سے منتفی ہو گئی اس لئے خارج مسجد ہونے کا حکم بھی اس سے منتفی ہو جائے گا اور بجائے حکمت اعلان عام کے اب حکمت اس میں صرف توجہ الحاضرین الی الخطبہ ہے۔ توجہ لوگ محل خطبہ یعنی مسجد میں موجود ہیں اُن کو متوجہ کرنے کی مصلحت زیادہ مقتضی اس کی ترجیح کو ہے کہ داخل مسجد ہو جس طرح اقامت کہ متوجہ الی الصلوٰۃ کرنے کے لئے بالاجماع مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے اور فقہاء نے جو اذان کو داخل مسجد کے منع فرمایا ہے وہ بھی محمول ہے خلاف اولیٰ پر اور حکمت اس میں ہی اعلان کا ابلغ ہونا ہے اور گو فقہاء نے تصریحاً اذان ثانی جمعہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا لیکن لفظ بین یدیہا یعنی المتبادر اور عند المنبر اور علت اعلان عام کا اس میں نہ پایا جانا یہ دلیل اشتناء کی کافی ہے۔ ہذا ما اطمأن الیہ قلبی ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۱)

**سوال (۶۲۸)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو اذان حضرت عثمانؓ نے مروج کیا ہے وہ اذان مسجد کے باہر سامنے یا بغل میں ہوتی ہے اور مسجد سے کتنے فاصلے پر ہوتی ہے اور اذان کا مقام جو حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے وہ صحن سے کتنے فاصلے پر ہے۔ فاصلہ کا حساب شرعی گز سے لکھنا۔ ۹

**الجواب**۔ وہ مقام نذر ہے جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے مجمع البحار میں اس کے متعلق یہ اقوال لکھے ہیں۔ (۱) موضع بسوق المدینۃ (۲) وقیل انہ مکان مرتفع کالمنازلۃ (۳) وقیل حجر کبیرۃ عند باب المسجد (۴) الزوراء ہو دار فی سوق المدینۃ یقف الملوذن علی سطحہ للنداء الثالث (۵) باعتبار الشرعیۃ و ہذا اول باعتبار الوقوع) باقی سامنے ہونا یا بغل میں ہونا اور فاصلہ کی مقدار اور صحن سے اُس کی سمت اور بعد خصوص گزوں سے یہ نظر سے نہیں گزرنا اس تحقیق کی کوئی ضرورت شاید مسائل کا یہ خیال ہو کہ اب جو مسجد میں ہوتی ہے یہ خلاف سنت ہو سو اس کا جواب یہ ہو کہ اصل تو یہی ہے کہ نداء سے جس مقام کی طرف بلایا جاتا ہے اسی مقام پر ہوگا اس اصل سے عدول اس لئے کیا گیا تھا کہ نئی چیز تھی لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ نماز جمعہ کے بہت

قبل بھی اذان ہوتی ہے جس سے حمد کی تیاری شروع کر دیں اس لئے ایسے مقام پر اس کا ہونا مناسب تھا کہ سب متوجہ ہو جاویں پھر جب اس کا معمول ہو گیا اب لوگ خود بخود اس کے استماع کی کوشش کرنے لگے پھر اصل کی موافق تعامل ہو گیا جو ایک قسم کا اجماع ہے اب اس کی مخالفت جائز نہیں۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ - (النور ماہ محرم ص ۵۲۷)

بیان معنی حدیث کہ دربارہ قصر | سوال (۶۲۹) خطبات الاحکام جو حضور دالائے تصنیف فرمائے خطبہ و طول صلوٰۃ وارد است | ہیں اوّل تو وہ سب مختصر ہیں جب ضغفاء کی رعایت سے قرات مختصر کی

جاوے اور دو چار سطر خطبہ کی بڑھ جاویں تو اس میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں ہے اور تعمیلاً خطبہ میں اختصار کیا جاوے گا آئندہ جو ارشاد ہو خادم تو یہی خطبہ پڑھتا ہے۔ ۹

الجواب - حدیث میں جو قصر خطبہ و طول صلوٰۃ وارد ہے کما رواہ مسلم عن عمار اس میں صلوٰۃ سے مُراد پُوری نماز ہے نہ کہ صرف قراۃ - سو میرے خطبات جن میں کوئی خطبہ سورۃ مرسلات سے بڑا نہیں مسنون قرات اور مسنون اذکار کی حالت میں اگرچہ چھوٹی ہی سورتیں ہوں مجموعی نماز سے عادت بڑھ نہیں سکتے البتہ صرف عیدین کے خطبہ کی مقدار بہ نسبت دوسرے سات آٹھ تکبیر کی قدر زیادہ ہو مگر مسنون قرات و اذکار کی حالت میں وہ بھی مجموعی نماز سے نہیں بڑھ سکتے اس لئے قرات وغیرہ کے اختصار کی حالت میں بھی جبکہ سنت کے موافق ہو خطبات مذکورہ میں تصرف اختصار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۸ صفر ۱۳۵۱ھ - (النور ص ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ)

جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر | سوال (۶۳۰) فی زمانہ اکثر مقامات میں اذان ثانی جمعہ کی جو بین ہونے پر شبہ اور اس کا جواب | یہ کہ یہ کہی جاتی تھی اب مسجد کے دروازہ کے قریب یا کسی دوسرے مقام پر امام کے محاذی کہی جاتی ہو اور اس کی تائید ابو داؤد کی روایت کان یوزن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد الخ و نیز طبرانی کی روایت بھی جسے عینی نے شرح بخاری میں کی ہے و لکنانی فتح الباری پورے طور سے کرتی ہے اور اس کے جواز و ثبوت کے لئے کافی شاہد ہے لیکن روایات فقہیہ متنوّعہ و شرعاً ایک ہی پکار پکار کہہ رہی ہیں و اذا اصعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی المنبر انتہی - ہدایہ - و یوزن ثانیاً بین یدی الخطیب در مختار - اگر صرف بین یدیہ پر اکتفا کیا جاتا تو بالفرض ہو بھی سکتا تھا مگر جبکہ بین یدی المنبر کہا جا رہا ہے اور مؤذنوں لفظ جمع لایا گیا ہے اس سے اعلان بھی کافی ہو جاتا ہے پھر اب مسجد یا کسی مقام پر اذان کرتے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی اور کلام کو مائل بھی نہیں کر سکتے مشکل ہے حاشیہ عون المعبود

جو ابو داؤد پر غیر مقلدین کا ہے اُس میں بہت زور دیا گیا ہے کہ اذان خارج مسجد ہونی چاہئے نہ لا نا بعد الحی صاحب نے بھی حاشیہ شرح وقایہ میں اسی کی تائید کی ہے اور روایت کا لکھنا خدام کے وقت عصر پر کو ضائع کرتا ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں گو یہ بھی تطویل محل سے خالی نہیں مگر مجبوراً عرض کیا۔

**الجواب** - فقہار پر شبہ جب ہو تا جبکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان بین یدی الامام اذان ثانی ہوتی مگر اُس وقت تو یہ اذان اول تھی تو خارج مسجد ہونا اُس کا ضروری تھا اور جب باجماع صحابہ اُس کے قبل ایک اذان اور بڑھادی گئی اور اذان بین یدی الامام کا کام اُس سے لیا گیا تو صرف اُس کا خارج عن المسجد ہونا کافی ہوا۔ اب ثانی کا خارج عن المسجد ہونا کیا ضرور۔ پس اس تبدل حالت کے سبب جس کا ماخذ اجماع ہے اذان ثانی کی ہیئت منقولہ فی عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ہیئت متاخرہ کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو بلحاظ تقریر مذکور مکرر لکھئے۔ ۲۸ / محرم ۱۳۳۳ھ - (تمتہ اولی ص ۲۳۷)

**سوال (۶۳۱)** عیدین میں مصافحہ و معانقہ رواج ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب** - قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شافع علیہ السلام نے جو ہیئت و کیفیت معین فرمادی ہے اُس میں تغیر و تبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لئے عبادات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ اُس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہو گا اور شافع علیہ السلام سے صرف اول تھا کہ وقت بالاجماع یا و دارع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے و بس اب اس کے لئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادت کرنا ہے جو ممنوع ہے لہذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنجگانہ مکروہ و بدعت ہے شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

۲ شعبان ۱۳۳۲ھ - (امداد ص ۴۲۷)

**سوال (۶۳۲)** کسی شہر کی جامع مسجد میں جو ایسی وسیع ہے کہ جس کی نصف تک جواز و عطا قبل خطبہ جمعہ نمازی نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسجد کے متصل دالان وغیرہ موجود ہیں کہ جس میں سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قبل جمعہ و عطا ہونے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا۔ مبتدعین نے اپنا برا اثر عام مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے یہ ضرورت ہے و عطا کی اسپر کوئی و عطا یا مولوی مبتدعین کی تردید یا دینی فوائد کی ضروری باتیں مسلمانوں کو قبل نماز جمعہ و عطا میں بیان کرتا ہے عام مسلمانان بوجہ پیشہ در ہونے کے بعد نماز جمعہ نہیں ٹھہر سکتے پس ایسی حالت میں و عطا یا مولوی صاحب کا و عطا بیان کرنا اور ضروری عقائد سے واقف کرنا اور اسلام کے فوائد بیان کرنا قبل خطبہ جائز ہے

یا نہیں اور یہ وعظ ہمیشہ اور ہر جمعہ میں نہیں ہوتا بلکہ گاہ بگاہ۔ ۹۔

**الجواب** - فی الدسما المختار احکام المسجد ویعزم فیہ السوال الی قوله ورفعت صوتہ بذاکر  
الامتفقۃ و فی رد المحتار قولہ ورفعت صوتہ بذاکر الی قوله اجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی  
استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرہا الا ان یشوش جہسہم علی نائرا و مصیلا و  
قارئ الخ (ج ۱ ص ۶۹) استثناء الا للمتفقۃ و استثناء الا ان یشوش الخ سے معلوم ہوا کہ  
جب در صورت عدم تشویش مصلین ذکر جائز ہے تو مسائل دین کا بیان کرنا عدم تشویش کی صورت میں  
بدرجہ اولیٰ جائز ہے اور صورت مسئلہ میں عدم تشویش ظاہر ہے کہ مسجد بھی وسیع ہے اور دالان وغیرہ  
بھی موجود ہیں خصوص جبکہ کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ ۶۔ رمضان ۱۳۳۳ھ - (تمتہ ثانیہ ص ۱۷)

**سوال** (۶۳۳) جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں  
زن در جمعہ کے سامنے منبر پر بیٹھ کر پڑھے تو یہ کیسا ہے۔ عورت گنہگار ہوگی یا نہیں۔ اور خطبہ  
دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے  
نہیں پڑھائی۔ مرد نے پڑھایا۔ یہ معاملہ ایسا ہوا ہے یہاں پر کیونکہ اُس دن جمعہ کے روز کوئی شخص خطبہ  
کا پڑھانے والا نہ تھا۔ مجبوری درجہ عورت کو خطبہ پڑھانا پڑا۔ یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے۔ ۹۔

**الجواب** - فی العالمگیریۃ و اما الخطیب فی شرطیۃ۔ ان یتاہل الامامۃ فی الجمعۃ  
کذا فی الزاہدی و فیہا فی شرائط صلوٰۃ الجمعۃ و منها الخطبۃ قبلہا حق لوصول بلا  
خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یخیر کذا فی الکافی و فیہا فرائض الخطبۃ والثانی ذکر  
اللہ تعالیٰ کذا فی البحر الرائق و کفت تحمیدہ او تہلیلہ او تسبیحہ کذا فی المتون ج ۱ ص ۹۰۔  
ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا۔ اور جب خطبہ شرائط صحت جمعہ سے  
ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضا پڑھنی چاہئے۔ اگر کوئی خطبہ پڑھنے  
والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا۔ حتیٰ کہ سبحان اللہ الحمد للہ  
اللہ اکبر ہی کہہ لیستاق فرض خطبہ کا ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ - (تمتہ خامسہ ص ۳۴)

**سوال** (۶۳۴) اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ حدت  
حکم خواندن خطبہ استادہ کی کہ بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا و عقذیر  
در وسط نمازیں کیا نکات کو گن سکیں۔ اگر یہ دلیل خطبہ کے لئے ہے تو نماز کے لئے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے

کے امام بیچ میں کھڑے ہو۔ بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے اس کے متعلق اطلاع فرمائی جائے تو مناسب ہوگا؟  
**الجواب** - فی العلم للکبریۃ احکام الخطبة واما سنہا فمختصة عشر وثالثہا استقبالا

القوم بدجہہ ج ۱ ص ۹۴ اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے پس بعض کائیت پر ہونا بدعت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُس کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں تحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ منظم ہو کر کراہت و مشناعت میں اشد واقع ہو گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے۔ تاکہ آئندہ اس کا بابتکلیہ السداد ہو جاوے۔ (الاشوال ۱۳۳۲ ۱۴۱۲) (تمہ خامسہ ص ۳۱۲)

**سوال (۶۳۵)** اگر کوئی نمازی آدمی جو ضعیفی یا بیماری کے جامع حکم در آمدن بجامع مسجد بر سوار ی برائے معذور کرایہ کی سواری پر جا سکتا ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر نہ جائے تو کیا گنہگار ہوگا اور فرض نماز ترک کر دینا سمجھا جائے گا۔

**الجواب** - فی الدلائل المختار شر وط الجماعة صحۃ - والحق بالمريض الممرض والشيخ الفاني في حاشي المختار لو وجد المريض ما يركبه ففي القنينة هو كالاعشى على الخلاف اذا وجد قائداً يوقيل لا يجيب عليه اتفاقاً كما لم يقد وقيل هو كالقادر على المشي فوجب في قولهم رد تعقبه السراجي بانه ينبغي تصحيحه عدمه لان في التزامه والحضور زيادة المرض قلت فينبغي تصحيح عدم الوجوب ان كان الا في حقه كذا لك حلية ج ۱ ص ۱۵۵ وفي رد المختار ايضاً باب الجماعة ولا تجب على المريض الى قوله - وشيخ كبير عاجز واعشى وان وجد قائداً - في رد المختار وكذا الزم من لو كان غنياً وله مركب وحاضر فلا تجب عليهما عند خلا فلهما حلية عن المحيط وذكر في الفتح ان الظاهر انه اتفاق والخلاف في الجمعة لا في الجماعة اهـ - وبين السطور في الكتب المشهورة خلافة حلية ج ۱ ص ۱۵۵ - ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس میں اقوال مختلفہ ہیں۔ قواعد سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی کلفت نہ ہو تو حاضر ہونا چاہیئے ورنہ معذور ہے۔ واللہ اعلم ۶ صفر ۱۳۳۲ - (تمہ خامسہ ص ۳۱۲)

**سوال (۶۳۶)** ہمارے یہاں تکبیر تشریق کے متعلق دو فریق ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر ازمرقہ داحد  
 اللہم انکبر لا اله الا انت کہنا ہے اس سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ

ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اگر اس پر زیادہ کیا تو مستحب ہوگا۔ اب دونوں فریق حضرت والا کے دستخط شدہ جواب کے منتظر ہیں اس لئے آئندہ ہے کہ براہ کرم صورت مسئلہ کا مدلل جواب باصواب سے ممنون فرمادیں۔؟

**الجواب۔** فی الدر المختار بعد قوله مرة وان زاد عليها يكون فضلاً قاله العيني في رد المحتار تحت قوله زاد الخ افاد ان قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر ابو السعود ان المحوى نقل عن القر احصارى ان الايمان به مرتين خلاف السنة اه قلت وفي الاحكام عن البرجندی ثمر المشهور من قول علمائنا انه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرتبہ ہی کا ہے۔ اول قول مقابل ضعیف ہے۔ اور قطع نظر ضعف سے مرتبہ والے زیادت کو خلاف سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرتبہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرتبہ ہی میں ہوئی۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ - (تمتہ خامسہ ص ۶۲۹)

سوال (۶۳۷) عیدین میں ضروری مسائل اور وعظ کہنا ہو تو بعد ختم خطبہ کے وعظ در خطبہ عیدین یا وسط خطبہ میں۔

**الجواب۔** وسط میں اگر ہو قلیل ہونا چاہیے لانہ تکلم فی اثناء الخطبة ولو امرا بالمعروف فلا يعناده ولا يكثره اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں۔ ۱۵ رمضان ۱۳۳۷ھ

## فصل فی الاستسقاء

سوال (۶۳۸) نماز استسقاء میں قلب ردا کا وقت کون ہو دعاء کے قبل یا بعد؟ وقت طلب ردا در نماز استسقاء

**الجواب۔** یاد پڑتا ہے کہ بالکل اخیر میں ہے یعنی بعد دعاء کے اشارۃ الی التفاؤل بقول الدعاء۔ ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ - (تمتہ خامسہ ص ۶۲۹)

## بَابُ الْجَنَائِزِ

سوال (۶۳۹) مردہ کو غسل کے وقت کلوخ لیٹنا شرعاً مسنون ہے علم استعمال کلوخ و سر برائے میت یا نہیں؟ (۲) مردہ کو سر بر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟



## الجواب

عَلَى فِي الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ وَيَسْمُو بَطْنَهُ رَقِيقًا وَمَا خَرَجَ مِنْهُ يَغْسِلُهُ ١٥- اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے موضع استنجا پر اگر نجاست حقیقی لگی ہو اُس کا دھونا مشروع ہے اور کلوخ کا مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ عَلَى فِي الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ لِتَزْيِينِ بَعْدِ مَوْتِهَا وَالْأَمْتِشَاطِ وَقَطْعِ الشَّعْرِ لَا يَجُوزُ نَهْرُ- اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سرمہ لگانا بھی جو کہ زینت ہے ناجائز ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ۔ (امداد اول ص ۱۴۵)

عدم جواز تکفین زن | سوال (۶۴۰) عورت کو کفن مرد پہنائے گا یا عورت؟

از دست مرد | الجواب - یہ مسئلہ بہت ظاہر ہے جب مرد کے لئے عورت کو دیکھنا اور مس کرنا جائز نہیں تو لا محالہ کفن عورت ہی پہنا دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

مسنونیت وضع مردہ در قبر | سوال (۶۴۱) مردہ کو قبر میں لٹانا داہنی کروٹ پر مسنون ہے قبلہ بر پہلوئے راست

کو مسنون کہتے ہیں اس میں کیا تحقیق ہے۔ اور ہدایہ اولین میں بوجہ الیہا کے کیا معنی ہیں؟

الجواب - فی الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ وَبُوجْهِ إِلَيْهَا إِلَى قَوْلِهِ دِينَ بَغْيٍ كَوْنَهُ عَلَى شِقْهِ الْإِيْمَنِ فِي الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ عَنْ الْحَلِيقَةِ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَعْدَ أَقَامَةِ اللَّبَنِ قَبْلَ أَهَالَةِ التَّرَابِ فَانْهَ يَذَالِ وَبُوجْهِ إِلَى الْقَبْلَةِ عَنْ يَمِينِهِ ١٤- یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں داہنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے پس ہدایہ میں بوجہ الیہا بھی اسی پر محمول ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ۔ (امداد اول ص ۱۴۵)

سوال (۶۴۲) مردہ کو قبر میں چپٹ لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاوے یا داہنی کروٹ کر دیا جاوے چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چپٹ لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاتا ہے تو اب یہ دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

الجواب - مردہ کو داہنی کروٹ پر رو قبلہ رکھنا چاہیے۔ فی الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ وَبُوجْهِ إِلَيْهَا وَجُوبًا وَيَنْبَغِي كَوْنَهُ عَلَى شِقْهِ الْإِيْمَنِ فِي الدَّرَسِ الْمُخْتَارِ لَكِنْ صَرَّحَ فِي التَّحْفَةِ بَانَهُ سَنَةِ ١٥-

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ۔ (تمتہ اول ص ۱۴۵)

سوال (۶۴۳) یہاں پر ایک جماعت اہل تسنن نے مع اپنے امام کے ایک نفی حکم نماز برخازہ کے میت کی نماز پڑھی۔ آیا اُس امام پر اور اُن پڑھنے والوں پر کیا حکم لگایا جاتا ہے؟

رافضی

بعض اُن کو فایز کہتے ہیں۔ اور مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی نے تحریر فرمایا ہے کہ کچھ حرج نہیں؟  
**الجواب**۔ رافضی دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کے عقائد کفر تک پہنچ گئے ہوں ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں کیونکہ شرائط صلوٰۃ جنازہ سے اسلام میت کا ہے اور دوسرا وہ جس کے عقائد صرف حد بدعت تک ہوں اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر اُس کے جنازے کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینا چاہیے کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو مثلاً اُس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لیں گے تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں۔ کما لدی احمد وابوداؤد عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدسیۃ معجوس ہذا الامۃ ان مرضوا فلا تعود وھم وان ماتوا فلا تشھدو ھم کذا فی المشکوۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (امداد اول ص ۱۳۵)  
 حکم مردہ کہ بلا غسل و کفن | سوال (۶۴۴) مردہ کو غسل و کفن دیکر دفنانا لازم و فرض مگر کوئی وجہ دفن کردہ شود | یا موقع ایسا ہو کہ بے غسل و کفن ویسے ہی دبا دیا یا دفن کر دیا بعد اس کے علم ہوئے اس کی نماز و غسل و کفن کا کیا تدارک ہو گا آیا اُس کو نکال کر غسل و کفن دیکر نماز پڑھی جائے اور دفن کریں۔ یا نہ نکالا جاوے اور نماز پڑھیں۔؟

**الجواب**۔ فی المختار اما لودفن بلا غسل و لبعیہل علیہ التراب فانہ یخبرج ویغسل ویصلی علیہ جوہرۃ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بے غسل و کفن اگر دفن ہو گیا تو نکالنا جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۹ صفر ۱۳۳۵ھ (امداد ص ۱۳۶)  
 جواز کفن رنگین | سوال (۶۴۵) بعض حدیث اور فقہی روایتوں سے میت عورت کو رنگین برائے زنان کپڑے کا کفن دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اولیٰ اور بہتر ان ہی روایات سے سفید ہے اصح کون سمجھا جاوے گا۔ اور اگر رنگین ہی دیوے تو سارا کفن رنگین ہو یا کفن میں سے چند کپڑے رنگین اور چند سفید ہوں اس کی بابت تشفی کافی ہو۔؟

**الجواب**۔ فی الدہل المختار ولا یاس فی الکفن ببرد و کتان و فی النساء بخرید و مزعفر و معصفہر لجازہ بکل ما یجوز فیہ حال الحیوۃ و احبہ البیاض و اما کان یصلی فیہ الا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو عورتوں کے لئے بھی سفید ہے لیکن رنگین بھی جائز ہے۔ خواہ کل کفن رنگین ہو یا بعض اور اصح کو تو جب پوچھا جاوے کہ روایات میں تعارض ہو جائز اولیٰ میں کوئی تعارض نہیں۔ فقط ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ۔ (حوالہ بالا)

**سوال (۶۴۶)** ایک ہی وقت دو میتوں کی تیاری ہوئی اور قبر بسبب انتظار جنازہ دیگر بھی دونوں کی تیار ہے پر صفائی کے قریب ہے۔ لیکن ایک میت آگئی اور دوسری میت کی پختہ تیاری کی خبر پر انتظار کیا۔ اور پھر دونوں کو ایک ہی دفعہ جنازہ پڑھ کر دفن کیا تو کیسا ہوا۔ حالانکہ کئی جنازوں کا ایک دفعہ بوقت حاضری پڑھنا درست ہے۔ لیکن اس قدر توقف کی بابت تشریح ہو جاوے آیا یہ انتظار جائز ہے یا نہیں۔؟

**الجواب** - فی الدسالمختار ذکرنا تاخیر صلوٰۃ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم اس سے معلوم ہوا کہ محض دوسری میت کے انتظار میں ایک جنازہ کی نماز میں تاخیر کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ فقط۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ۔ (امداد اول ص ۱۲)

**سوال (۶۴۷)** حاجی جاہلے احرام خود را بدین نیت وتر کردہ آب زمزم نگاہداشت کہ بعد مردش ازاں کفن او سازند بعضے مردم تھانہا پارچہ در آب زمزم تر کردہ بہیں غرض نگاہ سے دارند آیا از روئے سنت سنیدہ یا آثار سلف صالحین برائے این امور سند ہے ہم میرسد یا نہ در صورت ثانیہ بدعت حسنہ یا سنیہ خواہد بود یا چہ۔؟

**الجواب** - جزئیہ مصرعہ از نظر نگذشتہ لیکن حکم فقہاء بکراہت استنجاء از ماء زمزم دلیل صریح است بر وجوب احترام او و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوب حیانت اشیاء محترمہ از تعریف برائے صدید میت و نجاست او چنانچہ امر اول در کتاب الطہارت و کتاب الحج از در مختار و اثر ثانی در کتاب الجنازہ از رد المحتار مصرعاً مذکور است و از مجموعہ مستفاد می شود کراہت این فعل البتہ اگر چیز باشد کہ حیانتش واجب نباشد بوجہ من الوجہ ازاں رجائے برکت باشد لا باس بہ است۔ فقط۔ والہ اعلم۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد اول ص ۱۲)

**خلاصہ سوال** - از کفن مبلول بماء زمزم

**خلاصہ جواب** - عدم جواز

**تساع** - از قدیم در تمام حجاج عرب و عجم این عمل جاری ست بلا تخریفات انام این کار می کنند حتی الامکان فعل او شان بر محل صحیح آوردن بہترست بخیاں حقیر از دلائل قیاسیہ مجیب علیہ الرحمۃ و قدس سرہ این جزئی تفسیر روح البیان اولی است۔ و لذا قال فی الاسرار المحمدیۃ

اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہو طواعت تہذیبی اولی امداد الفتاویٰ میں درج ہوا وہ کلام صحیح ہو یعنی کفن کو آب زمزم میں تر کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ مزید تفصیل اصلاً حائضات میں دیکھو ۱۲ (تصحیح الاخلاط ص ۱۲)

لو وضع شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم وأعضاءه أو سوطه على قبر  
عاص ليجاذل العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن هذا القبيل ماء  
زمره والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها انتهى ۱۲ تفسیر روح البیان ۵۵  
مطبوعہ مصر وجواز غسل انسان بہ ماء زمزم در تمام کتب فقہ مصرح است ...  
... وآب زمزم از کفن مبلول مانند زیدن انسان خشک خواهد شد ذات اد غیر موجود است  
وتبرک امر محتوی است فافهم فانه ذتیق - (تمتہ اول ص ۲۲)

دفع شہادت در عدم جواز سوال (۶۴۸) ابن ماجہ و دارقطنی و دارمی و مسند احمد و غیرہ میں یہ حدیث  
موجود ہے عن عائشۃ قالت رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات

یوم من جنازۃ من البقیع فوجدنی وانا اجد صداعا وانا قول وارا سالا قال بل انا یا  
عائشۃ وارا سالا قال وما ضرتک ان متت قبلی فغسلتک وکفنتک وصلیت علیک الحدیث  
اس سے صراحتاً ثابت ہے کہ زوج زوجہ کو بعد ممات غسل دیکتا ہے و نیز ثابت ہے کہ حضرت علی  
رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؓ کو بعد وفات غسل دیا تھا مگر حنفیہ بغیر کسی حدیث کے عدم جواز کے  
قائل ہیں محض رائے سے کہتے ہیں کہ بعد وفات زوجہ کے نکاح فسخ ہو جاتا ہے پس حنفیہ کا کلام ہل  
ہے بچند وجوہ (اول) از وجیت زوجین تقابل تضایف ہے زوجیت حقیقہ اگر بعد وفات زائل  
ہوگئی تو طرفین سے اور زوجیت حکمیہ اگر باقی رہی تو طرفین سے زوجہ کی جانب سے ثبوت اور زوج  
کی جانب سے انتفاء ممکن نہیں (دوم) چونکہ حق ارث طرفین سے جاری اس وجہ سے زوجیت حکمیہ  
طرفین سے باقی ہے (سوم) جس طرح بعد ممات زوجہ کا اطلاق قرآن میں آیا ہے زوج کا اطلاق  
بھی موجود ہے پس زوجہ یا زوج کو مثل جنبیہ یا اجنبی کہنا صحیح نہیں (چہارم) امام حنفیہ کے نزدیک  
حدیث ضعیف رائے سے بڑھ کر ہے کیا وجہ محض رائے سے حدیث ترک کی جاتی ہے باقی جو ضعیف  
حدیث و قصہ فاطمہؓ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد تہنئۃ غسل یا امر بالغسل ہے و نیز قرابت رسول بعد  
وفات باقی ہے کما جاء فی الحدیث کل نسب و سبب منقطع یوم القیمۃ الا سببی و  
نسبی اخذہ الطبرانی والبیہقی والحاکم وادنی قرینہ صارفہ معنی حقیقی ترک کرنا درمست  
نہیں ثانیاً قرابت عامہ مومنین بعد وفات باقی رہتی ہے - قال اللہ تعالیٰ ہم وازداد جہم فی  
ظلال علی اکارائک متکون وقال تعالیٰ لہم فیہا ازواج مطہرۃ - ثالثاً اگر قرابت رسول  
باقی رہتی ہے تو چاہیے سید اپنی زوجہ سیدہ کو بعد ممات غسل دے سکے کیا حنفیہ اس کے قائل ہیں -

والجواز عقد ازدواج کے سبب رسول پاک ہیں پس سببی میں عامہ مومنین داخل ہو گئے ان اعتراضات کا جواب مدلل تحریر فرمائیے و نیز تحریر فرمائیے کہ وقت ارث کب ہے۔ قال فی الاشباہ اختلاف فی وقت الارث فقال مشائخ العراق فی اخرج جزء من اجزاء حیوۃ المورث وقال مشائخ عند البصری وفائدة الاختلاف فی مالوقال الواسطی لبحاریۃ مورثۃ اذ مات مولاک فانت حرۃ فعلى الاول تعتق لا علی الثانی۔ اور سبب ارث زوجیت ہے یا موت زوجین اگر یوں کہا جاوے زوجیت حقیقہ و حکمہ میں قبلت و بعدیت ذاتیہ ہے تعلق ارث کا بعد زوال زوجیت حقیقہ کے قبل عروض زوجیت حکمہ کے ہو جائے تو صحیح ہے یا نہیں اور زوجہ کی جانب سے اگر زوجیت حقیقہ بعد وفات تا زمان عدت باقی ہو اور زوج کی جانب سے زائل بلکہ زوجیت حکمہ عارض تو اس میں کیا حرج ہے۔ تضایف کے لئے مطلق زوجیت کا تعقل کافی ہے قرآن شریف میں ازدواج و زوج کا اطلاق بیوہ پر بہت ہے۔ مگر شوہر پر بعد وفات زوجہ کے کہیں زوج کا اطلاق نہیں معلوم ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ زوجہ کی جانب سے تا بقائے عدت زوجیت حقیقہ باقی رہتی ہے؟

**الجواب**۔ تحقیق المقام انہ لا خلاف فی جواز غسل المرأة زوجها کما نقلہ غیر

واحد من العلماء واما الخلاف فی جواز غسل الزوج امرأته فقال ابو حنیفہ ووافقوه لا و قال اخرون نعم و احتج المجوزون بوجوه الاول بقوله صلى الله عليه وسلم لعائشة رضي الله عنها ما ضربك ان مت قبلی فغسلتك الخ و جوابہ ان البخاری روی هذه القصة ولم یذكر هذه الزیادة بل تفرد بها ابن اسحق وعن عن فی الروایۃ وهو غیر صحیح فیما تقدیرہ لا سيما اذا عنعن فقط الا قد جاج بهذا الحديث ولو سلم فقره غسلتك یحتمل لتولی بالفضل كما یحتمل المباشرة ومعلوم من عادته صلى الله عليه وسلم انه كان لا یباشر الغسل فیحصل علی الذولی لا المباشرة والثانی بغسل علی فاطمة رضي الله عنها و جوابہ من وجوه اما الاول فبانہ اختلفت الروایات فی غسل فاطمة ففی روایۃ انها اغتسلت فی حرمها و اوصت ان یکشفی احد بعد موتی لا فی تطهرت كما فی الزلیعی وغیره و فی الروایۃ انہ غسلت المملکتہ كما فی تذکرۃ خواص الامة لسبط ابن الجوزی و فی روایۃ انها غسلت لایمن كما فی الشامی و فی روایۃ منها غسلها علی واسمها اما الروایتان الاوئلیان فظنی انهما مکذبتان اخترعما الروافض خذلهم الله تفضیلا لفاطمة بفضائل غیر واقعیه كما هو دأبهم

خذ لله الله وأما الروايتان الأخريان فالأولى منهما أقوى من حيث الرواية وثانيهما أقوى من حيث الدراية أما قوة الأولى من حيث الرواية فلا نه لم يثبت للثانية سند ولم يعلم من أخرجه من المحدثين وأما قوة الثانية من حيث الدراية فلان اختصاص امرأين بأهل بيت النبوة معروف بخلاف أسماء فبعيد كل البعد ان تنكفل أسماء غسلها أو وصيتها فاطمة مع قصور امرأين لا سيما إذا كانت أسماء بنت أبي بكر وعلى يجتهد في إخفاء موتها عن أبي بكر كما يدري عنه فان كانت الرواية الثانية ثابتة والأولى غير ثابتة فالجواب ظاهر ولما ان كانت الرواية الأولى ثابتة فالجواب ان تشارك أسماء وعلى في الغسل يحتل وجوها - الأول ان يكون كلاهما مباشرين والثاني ان يكون على مباشر واسماء عوفالة الثالث العكس فاحتجنا الى الترجيح فلما نظرنا في وجوه الترجيح علمنا ان المرجح هو الاحتمال الثالث لانه لما كان احدهما كافيا في المباشرة لم تكن فاطمة محتاجة الى الوصية لكلية بالمباشرة وايضا لو جاز لعل غسلها فاي حاجة كانت لها الى الوصية لا أسماء فلما اوصت لكلية علمنا ان وصية المباشرة لا أسماء ووصية الاعانة كانت لعل اما الوصية بالمباشرة لا أسماء فلعلها رضى الله عنها بعقلها وحسن سلبقتها لما اشارت عليها بانخاذ التابوت كما وقع في رواية ابي نعيم ولفظها هذا ان فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم لم قالت يا أسماء اني استقبلكم ما يفعله بالنساء انه يطرح على المرأة الثوب فيصنفها فقالت اسماء يا بنت رسول الارياك شيئا رأيت بالحبيشة فدعت بجرائد رطبة فوثها ثم طرحت عليها ثوبا فقالت فاطمة ما احسن هذا واجعله تعرف به المرأة من الرجل فاذا انامت فاغسلني انت وعلى فلما ترفيت غسلها على واسماء واما الوصية بالاعانة لعل فلا نه كان اعلم باحكام الغسل من أسماء فاوصت له به ليعيننا بتعليم الاحكام ان احتاجت اليه ولا نهما كانت رضى الله عنها تحب عليا فاحبت ان يشارك في غسلها وايضا كانت تعلم حب علي اياها فرأت رضى الله عنها انه لا يقصر في تحسين غسلها فلم هذه الوجوه اوصت اليه بالاعانة فلما انتقش على صحيفة خاطرك ما تلونا عليك علمت ان حديث غسل فاطمة ان ثبتت فلنا لا علينا والثالث بحديث ابن مسعود انه غسل امرأته وجوابه ان حديث غسل ابن مسعود ضعيف كما صرح به البيهقي كما ان حديث اغمر اغمه على الذي نقله الشافعي غير ثابت والرابع

بحدِيث ابن عباس انه قال الرجل احق بغسل امرأة ام وجوابه انه من رواية  
 حجاج بن ارطاة عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس وقال ابن المديني  
 في داود ما روى عن عكرمة فسنكرو قال ايضا مرسل الشعبي احب الى من داود عن  
 عكرمة عن ابن عباس وقال ابو داود احاديثه عن شيخه واحاديثه عن  
 عكرمة مثله وقال ابن عبيدة كنا نتقي حديث داود وقال ابو زرعة لين وقال ابو حاتم  
 ليس بالقوي ولو لان ما لكاروى عنه لترك حديثه وقال اسلم منكرا الحد يشهد  
 ببراءة الخواجر وقال المجوزاني لا يحول لناس حديثه وعاب غير واحد على ما ذكره الرواية و  
 تركه عن سعد بن ابراهيم وهو وان وثقه الا ثمة ايضا لكن توثيقهم اياه في نفسه لا  
 يعارض حكم الا ثمة بالنكاح على حديثه عن عكرمة عن ابن عباس وايضا فيه حجاج  
 بن ارطاة المختلف فيه والمدس المشهور قد عنعن في الرواية فلا تقبل وبالجملة حديث  
 ابن عباس ضعيف لا يحتج به ولو سلم فهو محمول على التولي بالغسل لا المباشرة كما  
 علمت في حديث غسل فاطمة والخامس يغسل علقمة وغيرها من التابعين نساء هم  
 وجوابه ان فعل التابعين ليس بنجته على الامام وهذه الحجج كانت للمجوزين من المنقول و  
 قد علمت حالها ما من المعقول فقالوا موت الرجل كموت المرأة وبالعكس فان كان موت المرأة  
 رافعا للنكاح بحيث يكون للرجل حق غسلها يكون موت الرجل ايضا رافعا له وكذلك  
 العكس وان لم يكن موت المرأة رافعا لها بالحيثية المذكورة لم يكن موت الرجل ايضا  
 رافعا لها بتلك الحيثية وكذلك العكس اذا علمت هذا فاعلم ان موت الرجل  
 ليس رافع له بتلك الحيثية فلا بد ان لا يكون موت المرأة ايضا رافعا له بتلك الحيثية  
 واجيب عن المماثلة بين الموتين كما سيحكي بفضله واحتج المانعون بوجود  
 الاول بقول عمر بن الخطاب نحن كنا احق بهلحين كانت حية واما اذا ماتت فانتم احق بهلحين  
 عليه ولا بانه لم يثبت هذا النقل عنه وثانيا بانه يدل على احقية اهل المرأة بعد  
 الموت لا على نفى الحق عن الزوج اصلا ونحن لا ننكره الاحقية بل نقول به لان حق  
 القرابة باق بعلمها وحق الزوجية اضمحل بالموت فبطل الاستدلال به ولتأني  
 بانا تتبعنا الشريعة فوجدنا انها تبقى النكاح في صورت موت الزوج في الجملة حيث  
 توجب العدة على المرأة وليس هذا الا بقاء النكاح في الجملة ولا تنبيه في صورت موت الزوج

لانها تحلل للزوج نكاحاً اختها به جرح موتها فلو كان النكاح باقيا لم يحل له نكاحها ويرد عليه انا  
 لانسلم ان عدم النكاح بالكلية بل هو باق من وجه وزائل من وجه كما قلنا في صورة موت الزوج  
 ويحجب عنه بان بقاء الشئ يعرف باثره واثر النكاح باق في صورة موت الزوج بخلاف موت الزوجة  
 فنقلنا بقاءه في الاول دون الثاني ويرد عليه ان ثبوت الميراث للزوج يحجب الزوجية اثر النكاح  
 وهو باق فكيف يحكم بعدم النكاح مطلقا ويحجب عنه بان من اثار الشئ ما ثبت مع  
 ذلك الشئ ومنهما ما يترتب عليه بعد ان عدمه كما هو شأن المعدلات فثبوت الميراث  
 للزوج يحتمل ان يكون من القسمة الاول ويحتمل ان يكون من القسمة الثاني فلما نظرنا  
 الى ثبوت حل نكاح اختها علمنا انه من القسمة الثاني ويرد عليه ان ثبوت حل نكاح الاخت  
 لا يدل على كون الميراث من القسمة الثاني لان من احكام الشئ ما يثبت مع بقاءه ومنها ما لا يثبت معه  
 فيجوز ان يثبت له الميراث ولا يثبت له خيرة نكاح في المحلثة الثالث انهم قالوا موت الزوجة بعد المحل فلا  
 يبقى النكاح معه بخلاف موت الزوج فانه لا يعد المحل فيبقى في صورة موت الزوج موت الزوجة غسل الزوجة  
 وفي صورة موت الزوجة لا يحل للزوج غسل الزوجة ويرد عليه انه كما لا يبقى المحلثة في صورة موت الزوج  
 كذلك لا يبقى الاهلية في صورة موت الزوج والشئ كما ينعدم بان عدم المحلثة كذلك ينعدم  
 بان عدم الاهلية فكيف يبقى النكاح في صورة موت الزوج ويحجب عنه باننا لانسلم  
 ان عدم الاهلية بالكلية ويرد عليه انا لانسلم ان عدم المحلثة بالكلية ويحجب عنه بان  
 الشرع احل للزوج نكاح الاخت فعلمنا منه انه اعتبار ان عدم الاهلية بالكلية و  
 الزام المرأة العدة فعلمنا انه لم يعتبر ان عدم المحلثة بالكلية ويرد عليه ان تحليل النكاح  
 لا يقتضي ان يعتبر الشرع ان عدم المحلثة بالكلية كما مر سابقا وايضا الزام المرأة العدة  
 لا يقتضي عدم اعتبار ان عدم الاهلية بالكلية لانه يجوز ان يكون الزام الشرع العدة  
 لاجل احتمال العلوق لا لاجل بقاء النكاح ويحجب عنه انه يستلزم ان لا يكون  
 على غير المدخول به اعدة ويرد عليه انه لا يستلزم ذلك لجواز اقامة السبب في  
 النكاح مقام السبب كما فعل الشرع في غير موضع ويؤيد ما قلنا ان قضاء العدة  
 بوضع المحل اقول هذا النموذج من الكلام بين الفريقين ويتضح من ذلك ان المسئلة  
 اجتهادية ولكل فريق سعة في الكلام وليس عندهما ما يسكت الخالف فلا يجوز الطعن  
 لاحد الفريقين على الآخر هذا لما يتسرى الى في هذا المقام - والله اعلم - (امداد اول ص ۱۲۴)



تحقیق غسل دادن زنان | سوال (۶۴۹) بہشتی زیور مدلل و مکمل طبع ثانی اشرف المطالع  
حصہ دوم ص ۱۰۰ میں اول مسئلہ یہ درج ہے۔ مسئلہ۔ اگر کوئی مرد مر گیا

اور مردوں میں سے کوئی نہ لانے والا نہیں ہے تو جو عورت اس کی محرم ہو وہی نہلاوے غیر محرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں اور اگر کوئی محرم عورت نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دو الخ۔ اس کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا گیا ہے بظاہر جہاں تک کتب فقہیہ کو دیکھا گیا ہے اسکے خلاف ہی ملا۔ فی البدائع۔ وان لم یکن معہن ذلک فانہن لا یغسلنہ سوا کمن ذوات رحم محرم اولان المحرم فی حکم النظر الی العورة والا جندیة سوا فکمالا تغسلہ لا جندیة فکذا ذوات محارمہ۔ ولكن تیممہ (مستحب) وفي العالم گیریتہ (مستحب) والاصل فیہ ان کل من یحل لہ وطئہا لو کان حیاً بالنکاح یحل لہا ان تغسلہ والا فلا ومثلہ فی نورالایضاح۔ امید کہ حضرت اپنی رائے عالی سے مطلع فرما کر اس اشتباہ کو دور فرمائیں گے۔

الجواب۔ واقعی نقل میں غلطی ہو گئی جس کی وجہ خیال میں نہیں آتی منقول وہی ہے جو آپ نے لکھا۔ تتمہ۔ اس تحریر کے بعد بعض احباب نے ذیل کی تحریر پیش کی۔ وہی ہذا و لیکن شامی باب الرضاع منکاح ۲ میں ہے (فیصمہا) ای بلاخرقة اذا ماتت بلین رجال فقط اما غیر المحرم فیصمہا بخرقۃ وقیل تغسل فی ثیابہا افادہ اس روایت طحاوی سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے و نیز مسئلہ بہشتی زیور روایت کے بھی موافق ہے کیونکہ غیر محرم کو چھونا جائز نہیں اور چھونا دینا کپڑا لپٹنے کے بعد چھونا جائز ہے اس کے بعد غسل متعدد ہے اور محرم کو ماہین السره والرقبہ کے علاوہ چھونا جائز ہے اس لئے غسل کا فریضہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ انتہت البیانۃ۔

میں کہتا ہوں کہ یا تو مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور یا نہی عن الغسل مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ حائل نہ ہو اور جواز غسل کی روایت میں حائل کی قید (یعنی ثیاب کا بدن پر ہونا) مصرح ہے ہی۔ کتبہ اشرف علی۔ ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ (النور ص ۵۔ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ)

توجہ مبیت سوئے | سوال (۶۵۰) وقت غسل کے منہ مردہ کا کس طرف ہووے؟  
قبلہ وقت غسل | الجواب۔ غسل کے وقت تختہ پر مردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹا نا دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے۔ و کیفیتہ الوضوء عند بعض اصحابنا الوضوء طولا کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوۃ بایماء ومنہم من اختار الوضوء کما یوضو فی القبر

والا صحیح نہ ہو وضع کما تیسر کذا فی الظہیری ج ۱ صفحہ ۵۵ - مگر زیادہ تحسن صورت  
ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی - دوی ابو داؤد  
ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکباثر فقال ہی تسع وذکرہا لی  
ان قال واستحل البیت قبلتکم احياء وامواتا - والشرع ۱۹ صفر ۱۳۱۵ (ہمدان اول)  
عکم جہت راس بوقت سوال (۶۵) مردہ کے غسل دیتے وقت سر اس کا کس جانب ہونا چاہیے؟  
الجواب - کئی قول ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جس طرح آسان ہو - کما فی اللہ المختار  
غسل مردہ

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ - (تمتہ ثانیہ ص ۶)

طریق حمل جنازہ سوال (۶۵۲) حل جنازہ کس طرح چاہیے؟

الجواب - میت اگر چھوٹا بچہ ہے تو ایک آدمی اپنے ہاتھوں پر اٹھاوے تو کافی ہو  
اذا گر بڑا بچہ یا بالغ ہے تو اس کو چار پائی پر رکھ کر چار آدمی اٹھادیں - پھر اس میں ایک تو  
نفس سنت ہے اور ایک کمال سنت ہے نفس سنت تو یہ ہے کہ بلا ترتیب چاروں پاؤں  
کو پکڑ کر دس دس قدم چلے اور کمال سنت یہ ہے کہ اول جنازہ کے سرھانے کی داہنی جانب کو داہنے  
کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانٹی کے داہنے جانب داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر  
سرھانے کے بائیں جانب بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانٹی کے بائیں جانب بائیں  
کندھے پر اور جنازہ کے لیجائے وقت سر میت کا آگے رکھے اور جنازہ کو ذرا الیک کر لے چلے لیکن  
دوڑے نہیں - سَنَّ فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ اَرْبَعَةٌ مِنَ الرِّجَالِ اِذَا حَمَلُوهُ عَلَى سَرِيرٍ اَوْ خُذْلًا  
بِقَوَائِمٍ - اَلارْبَعُ شَرَّحَ اَن فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ شَيْعَتَيْنِ نَفْسُ السَّنَةِ وَكَمَا لَهَا اَمَانَتُهَا  
السَّنَةُ فَهِيَ اَنْ تَاْخُذَ بِقَوَائِمِهَا اَلارْبَعُ عَلَى طَرِيقِ التَّعَاقُبِ بَاَنْ تَحْمِلَ مِنْ كُلِّ  
جَانِبٍ عَشْرَ خُطَوَاتٍ وَهَذَا يَتَحَقَّقُ فِي حَقِّ الْجَمِيعِ وَامَّا كَمَا اَلِ السَّنَةُ فَلَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا فِي  
وَاحِدٍ وَهُوَ اَنْ يَبْدَأَ الْحَامِلُ بِحَمْلِهِ يَمِينُ مَقْدَمِ الْجَنَازَةِ فَيَحْمِلُهُ عَلَى عَاتِقِهِ - اَلَا يَمِينُ شَرُّ  
اَلْمَوْخِرِ اَلَا يَمِينُ عَلَى عَاتِقِهِ - اَلَا يَمِينُ شَرُّ الْمَقْدَمِ اَلَا يَمِينُ عَلَى عَاتِقِهِ - اَلَا يَمِينُ شَرُّ الْمَوْخِرِ  
اَلَا يَمِينُ عَلَى عَاتِقِهِ - اَلَا يَمِينُ وَذَكَرَ اَلَا سَبِيحًا بِي اَنْ الصَّبِيَّ الرَضِيعَ اَوْ الْفَطِيمَ اَوْ فَوْقَ  
ذَلِكَ قَلِيلًا اِذَا مَاتَ فَلَا يَسَّ بَاَنْ يَحْمِلَهُ رَجُلٌ وَاحِدٌ عَلَى يَدَيْهِ وَيَتَدَاوِلُهُ النَّاسُ  
بِالْحَمْلِ عَلَى اَيْدِيهِمْ وَانْ كَانَ كَبِيرًا يَحْمِلُ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيَسْرَعُ بِالْمَيْتِ وَفِي الْمَشْيِ  
بِالْاَخْبِيبِ وَفِي حَالَةِ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ يَقْدَمُ الرِّاسُ - عَالِمُ الْغَيْبِ كَلَكْتِي ج ۲ ص ۲۲ مع اختصار

یسیر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ - (امداد اول ص ۱۵۱)

تقدیم براس میت | سوال (۹۵۳) وقت لے جانے جنازہ کے سر آگے کیا جاوے یا پیر۔  
 وقت عمل جنازہ | الجواب - جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہیے۔ وہی  
 الحالة المشی بالجنازة یقدم الراس کذا فی المضمرات۔ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹۔ واللہ اعلم۔  
 ۹ ر صفر ۱۳۰۲ھ - (حوالہ بالا)

علم آئین خواندن بر بالین | سوال (۹۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد دفن جنازہ آئینہ  
 و پائیں میت | المفلحون تک قبر میت پر انگشت ٹیک کر سرہانے میت کے پڑھنا جائز  
 و مسنون ہے یا کیا۔ بنو اتوجروا۔ ۹

الجواب - بعد دفن اول سورہ بقرہ اور آخر اس کا قریب پڑھنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت  
 ہے۔ فكان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها  
 حر المحدث ج ۱ ص ۱۶۱۔ اور انگشت رکھنا عاجز کی نظر سے نہیں گزرا فلیتحقق۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے قبر کے سرہانے اول سورہ بقرہ اور یا بتی پر آخر اس کا پڑھنا ثابت ہے فقد ثبت انہ عمر  
 قراء اول البقرة عند راس الميت و آخرها عند رجليه۔ رد المحتار ص ۳۰۱ اور قراءۃ  
 اول بقرہ سے مفلحون تک اور آخر سے آمن الرسول ختم تک ہے۔ - فلیحفظ۔ واللہ اعلم (امداد ص ۱۵۱ ج ۱)

اجتماع جنازہ کے وقت | سوال (۹۵۵) دس نفر مرد اور دس نفر عورت اور دس نفر عورت  
 نماز جنازہ کا حکم | ایک دفعہ مردے کو نماز جنازہ یکجا پڑھنا چاہیے، یا علیحدہ علیحدہ۔ بنو اتوجروا۔

الجواب - جب بہت سے جنازہ جمع ہو جاویں تو اولیٰ تو یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھی  
 جاوے اور افضل کی تقدیم افضل ہے اور اگر سب کی ایک نماز پڑھنا چاہیں جب بھی جائز ہے۔ بہترین  
 صورتوں میں جس کو چاہیں اختیار کریں۔ پہلی صورت یہ کہ ان کی ایک صف بنائی جاوے اس طور کہ ایک  
 کے پاؤں دوسرے کے سر سے متصل ہوں۔ دوسری یہ کہ ایک میت کو دوسری کے پہلو میں یوں رکھا  
 جاوے کہ دوسرے کا سر پہلے کے کندھے کے برابر ہو اور تیسرے کا دوسری

کندھے کے برابر و لکڑا اس زینہ کی سی شکل بن جاوے گی و شکلہ لکڑا۔  
 تیسرے یہ کہ ان کو آگے پیچھے رکھے کہ سب کا سینہ امام کے مقابل رہے و صورت لکڑا۔

کونکی دو صورتوں میں ترتیب یوں ہونی چاہئے کہ امام کے قریب مرد رہے اُس کے پہلو نا باغی رکھا اُس  
 ۵ یہ دونوں رعایتیں کتب حدیث میں تلاش کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہاں پر بھی اختلاف و اختلاف ہے جہاں میں یہ

کے پیچھے غشی اُس کے پیچھے بالغ عورت اُس کے پیچھے نابالغ لڑکی اور پہلی صورت میں چونکہ سب ایک صف میں ہوں گے اس لئے امام کو افضل کے قریب کھڑا ہونا چاہئے و اذا اجتمعت الجنائز فاخذ بالصلوٰۃ اولیٰ وان جمع جاز ثمران شاء جعل الجنائز صفوا واحدا وقام عند افضلہم حواءن شاء جعلہما صفوا علی القبلة واحد اخلف واحد یحیث یکون صدر کل جنازة متا الامام ليقوم بمحذاه صدر الكل وان جعلہما درجا فحسن لحصول المقصود فیقرب منه الا فضل الی اخر ما قال در مختار۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۵۲)

**سوال (۶۵۶)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز جنازہ چار پائی وضع جنازہ پیش امام پر سریر یا برزین پر رکھ کر یا زمین پر جنازہ رکھ کر یا کسی شے پر سنت ہے۔ اور مقتدی دامام جوتہ اتار کر پڑھیں یا اوپر جوتہ یا اندر جوتہ کئے پاؤں رکھ کر پڑھیں جاوے۔ مینوا تو جودا۔ ۹

**الجواب۔** جنازہ کا امام کے رو برو رکھا جانا ضرور ہے خواہ چار پائی پر ہو یا زمین پر۔ فی الدر المختار۔ و وضعہ امام المصلی فلا تصح علی غائب و محمول علی نحو دابة ۱۸۔ لیکن اولیٰ چار پائی پر رکھنا ہے قیاساً علی سالت الحمل فی الدر المختار وان کان کبیراً حمل علی الجنائز ۱۸۔ جواب سوال ثانی۔ اگر جوتہ پاک ہے یا ناپاک تھا لیکن پاک ہو گیا یعنی اگر نجاست ذی جرم لگی تھی اور کھنے چلنے سے جھڑ گئی یا غیر ذی جرم تھی اور تین بار دھو ڈالا اس صورت میں جوتہ پہنکر بھی پڑھنا جائز ہے۔ و یطہر خف وغوہ کنعل نجس بذی جرم بذلک وما لا جرم لہا فیغسل۔ در مختار۔ اور اگر ناپاک ہے خواہ اوپر سے یا اندر سے یا نیچے سے تو پہنکر درست نہیں۔ فی الدر المختار۔ ہی طہارة بدنہ من حدث وخبث وثوبہ وکذا اما یتحرك بحركة او یعد حاملاً ۱۸۔ اور اگر اتار کر پڑھنا ہے سو اگر اندر سے یا اوپر سے نجس ہے تب تو جائز نہیں لہذا مستموضع قدیر اور اگر اوپر

**ح** قول فی القیاس تامل دالاولیٰ فی الجواب ان یقال فی الدر المختار فی القیة الطہارة من النجاستہ فی ثوب بدن مکان وستر العورة شرط فی حق المیت والامام جمیعاً فی الرد قولہ فی القیة مثلاً فی المقترح والنجی مریا الی التجرید اسمیل لکن فی التارخانیة سئل قاضی خان عن طہارة مکان المیت بل تشترط لہو از الصلوۃ علیہ قال ان کان المیت علی الجنائز لا شک انہ یجوز فالافلا رایت لہذا ینبغی الجواز کذا اجاب القاضی بدر الدین آہ قدیم من ہذا الروایات ان فی اشترط طہارت مکان المیت اخلافاً ومعلوم ان الاحوط ہوا لاشترط الوضیع علی السریر الطاہر لقلع شہبہ نجاست الارض فیکون ہوا لاولیٰ والمحصیر او ثوب ونحو ہما فی حکم السریر ۱۲ واللہ اعلم (تعیج الاغلاط ص ۱۵)

اور اند سے پاک ہے اور نیچے سے ناپاک ہے پس بنا بر قیاس قول امام ابو یوسفؒ کے جائز نہیں اور بنا بر قیاس قول امام محمدؒ کے جائز ہے اور فتویٰ اکثر علماء کا قول مجتہد پر ہے لیکن احتیاط قول ابو یوسف میں ہے - فی الدس المختار - وصلاۃ علی مصلی مغرب نجس البطانۃ الا - فی ح المختار شرعاً قول ابی یوسف وعن محمد یجوز ان قال دھرة ترجیح قول محمد وهو الا شنبہ - ورجح فی الحانیۃ فی مسئلۃ الثوب قول ابی یوسف بانہ اقرب الی الا - احتیاط و تعام - فی الحلیۃ - الا - واللہ اعلم -

۱۸ ربیع الاول ۱۲۳۱ھ - (امداد اول ص ۱۵)

**سوال (۶۵۷)** آج کل قبر میں لکڑی رکھنے کا علی العموم دستور ہے حکم خشب و سنگ خشب پختہ درقبر حالانکہ فقہار نے آجر اور خشب دونوں کو ممنوع لکھا ہے البتہ بالنسب کی اجازت دی ہے اور علت نہمانت استحکام بیان کی ہے تو کیا یہ عمل مردوح ناجائز ہے - اس کی ممانعت کرنی چاہیے - نیز اس علت پر پتھر رکھنا بھی درست نہ ہونا چاہیئے جو کہ کانپوں میں رواج پاتا جاتا ہے نیز بالنسب میں مثل خشب ہی کے استحکام ہے اس کو اس حکم سے کیوں مستثنیٰ کیا - ؟

**الجواب** - خشب وغیرہ رکھنے کے دو مقام ہیں محد اور سقف قبر سو محد میں تو یہ تفصیل ہے کہ بلا ضرورت قصب و لبن کے سوا مکروہ ہے - لا نہ خلاف السنۃ المعہودۃ من السلف والتعلیل بالتقاؤل فی الأجر والا استحکام فی الخشب والأجر فلا اصل له اما الاول فلا نہ نوع من الطیرۃ وہی شرک علی الناس علیہ صاحب الشریع (ولما فی فتح القدیر قوله لا نہما من احکام البناء) ومنہم من علی باب الأجر مسعہ - النار و دفع بان السنۃ ان یغسل بالماء الحار فلعلم ان مسالناہ لم یعتبر ما نہما من الشرع والا ولی ما فی الکتاب وفي دفع نوع نظر انتہی واما الثانی فلا نہ منقوض بتجوز التابوت فی ارض خج و وضع الخشب الأجر فوق المیت اسی علی سطح القبر والتعلیل بكونها عصمة من السبع غیر مختص بالوضع فوق المیت بل هو جاء فی الحد ایضا ہی سطح قبر سو اس میں خشب و آجر وغیرہ رکھنا سب جائز ہیں قال فی ح المختار قال فی لعلیہ وکرہوا الأجر والأح الخشب قال الامام الترمذی هذا اذا کان

۷۷ جواب تصحیح الاغلاط ص ۱۲ سے درج کیا گیا ہے ۱۲

حوالہ سمیت فلو فوقہ لا یکو لادہ یکون عصمتہ من السبع الخ۔ اس تفصیل سے تمام سوال کا جواب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ - (امداد صفحہ ۱۵)

**سوال (۶۵۸)** جنپور میں اہل تشیع کی دیکھا دیکھی قبریں ہیں کہ تختہ اہل تسنن بھی دیتے ہیں اور فضیلت سمجھتے ہیں، میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کچی اینٹ سے قبر بند کرنا تو مسنون ہے اگر اینٹیں کچی نہ ہوں تو بانس کے تختہ قبریں دیتے جائیں بانس خشک یا تر ہو یعنی ہبز ہو یا دیر کا کٹا خشک ہو یا نئی لکڑی کا تختہ عام اس سے کردہ صندوق کی لکڑی کیوں نہ ہو مکروہ ہے لہذا اس کی تصدیق حضور سے جانتا ہوں۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدی المختار ویسوی اللہ علیہ والقصہ لا الأجر المطبوع والخشب لحوالہ سمیت اما فوقہ فلا یکو لابن ملک۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عالم صحیح فرماتے ہیں لیکن میت کے اوپر تختہ رکھے جاویں تو کچھ حرج نہیں مگر میں اس کے گرد نہ لگائے جاویں اصل مسئلہ میں تو یہ تفصیل ہے مگر خاص بیری کے تختہ میں چونکہ مشابہت ہے اہل باطل کے ساتھ اس عارض سے میت کے اوپر بھی نہ رکھنا چاہیے۔ ۲۹ صفر ۱۳۲۱ھ (تمتہ ثانی صفحہ ۱۲)

**سوال (۶۵۹)** ایک جگہ جنگل میں چار آدمی آگ میں جل گئے اب جالڑ مشتبہ مسلم دکافر پر نماز کا طریقہ | یہ شناخت نہیں ہوئی کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان اب موتی مذکور کے واسطے کیا کریں یعنی مدفون نماز پڑھ کر کرائے جاویں یا اور کوئی صورت ان کے واسطے ہوگی۔ ۹

**الجواب**۔ فی الدی المختار فروع لو لہد مالی قویہ دفنہم فرد المختار قولہ فان فی دارنا الی قولہ منہی عنہ ۸۹۹-۹۰۰۔ بنا بر روایت مذکورہ بعد تصحیح وترتجیح جواب یہ ہے کہ سب کو غسل دیں اور سب کو سامنے رکھ کر یہ خیال کر کے نماز پڑھیں کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز پڑھتے ہیں اور سب کو دفن کر دیں۔ ۲۹ صفر ۱۳۲۱ھ - (تمتہ اول صفحہ ۳۶)

**سوال (۶۶۰)** بادشاہ یا قاضی یا امام جمعی حاضر ہونے کے ساتھ ولی امام جمعی سے احتی ہیں | میت یا وصی میت کے واسطے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں مگر اتفاق سے پڑھا دے تو نماز دہرانا ہو گا یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ وصی میت کا تو اس میں کوئی حق نہیں البتہ ولی صاحب حق ہے مگر سلطان و قاضی و امام جمعی اس سے مقدم ہے لیکن اگر ولی نے باوجود حاضر رہنے ان مذکورین کے نماز پڑھائی تو گو ترک واجب کیا مگر نماز ہو گئی اعادہ اس کا نہ کیا جاوے گا۔ علامہ شامی نے اقوال مختلفہ میں اس کی تصحیح اور ترتجیح

لکھی ہے۔ جلد ۹۲ - والہ اعلم۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۲۶ھ - (تمتہ اول ص ۴۴)

تحقیق تلقین سوال (۶۶۱) تلقین القبور کے جواز و عدم جواز میں کونسی صورت مفتی بہ ہے؟

الجواب - والد المختار ولا یلقن بعد تلحید لا۔ فی رد المحتار ذکر فی المعراج انہ

ظاہر الروایۃ الا جلد اول ص ۸۹ - اور ترجمہ ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین

کی مشروعیت کو نقل کیا ہے سو اول تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً بعض لائے پھر اس پر شبہ تنفیق ہیں

کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسد ہو متروک ہو جاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے

اس لئے قابل ترک ہوا۔ والہ اعلم۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۲۶ھ - (تمتہ اول ص ۴۶)

مرہ کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال (۶۶۲) بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا

کی خدمت میں سلام کہنا؟ جاتا ہے اس وقت اس مردے کے کان میں کہہ دیتے ہیں کہ میرا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنا یہ کیسا ہے؟

الجواب - بعض سلف سے ثابت ہے کہ مردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے اس بنا پر

جائز ہے۔ مگر یہ اُسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مردہ بات کے سنے سمجھنے کے لائق ہو یعنی موت کے قبل

مہوش میں ہونہ کہ بعد کفنانے کے کہ محض ہل ہے۔ (تمتہ اول ص ۴۷)

وضو کا پانی قبر پر گرانا سوال (۶۶۳) قبر کے اوپر وضو کا پانی گرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - فی رد المحتار من الغتہ ویکرہ الجلو س علی القبر ووطؤہ۔ وفی الدہ المختار

اداب الوضوء والجلوس فی مکان مرتفع تحرز عن الماء المستعمل۔ وفی رد المحتار لفظ

الخلاص فی نجاستہ۔ ولا ین مستقذر ولا ذکرہ شریعہ والعجن بہ علی القول الصحیح

بطہارۃ وفیمکر وہات الوضوء اد فی المسجد۔ ان روایات میں تامل کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قبر بھی محرم اور ماء وضو مستقذر ہے اس لئے قبر پر وضو کا پانی گرانا نہ

چاہئے باقی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط (تمتہ اول ص ۴۸)

قبر کو مسجد کے اندر سوال (۶۶۴) مسجد کا قبر کو اندر کر لینا درست ہے یا نہیں۔ اور اس کے

داخل کرنا اور جو تیاں وغیرہ اتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب - فی رد المحتار اذا بلی المیت وصاد نہا با یجوئذہ۔ والبناء علیہ مقتضی

جواز المشی فوقہ ص ۹۴ ج ۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر قبر کو رانی ہو جاوے کہ بغالب گمان

اُس میں مردہ خاک ہو گیا ہو تو یہ سب امور مذکورہ سوال جائز ہے۔ (تمتہ اول ص ۴۹)

**سوال (۶۶۵)** قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا درست ہے یا نہ؟  
**الجواب** - فی رد المحتار ادا اب زیارۃ القبور شریعاً و عرفاً مطلقاً۔  
 اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے جو پس یہ بھی درست ہوا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ - (تمتہ اول ص ۴۷)

**سوال (۶۶۶)** قبرستان میں جو راستہ پڑا ہوا ہو اُس سے ہم سے جوتیاں سمیت چلنا  
 بہنکر چلا جانا درست ہے یا نہیں اور بغیر راستے کے قبرستان میں جوتیاں  
 بہنکر یا بغیر جوتیوں کے چلنا درست ہے یا نہیں قبر کے نشانات نہیں ہیں۔؟

**الجواب** - فی الدوا المختار بکیرۃ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرۃ الا بو طأ قبر ترکہ ۱۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیا راستہ ہو تو اُس پر چلنا درست نہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ - (تمتہ اول ص ۴۷)

**سوال (۶۶۷)** میت کو غسل دینے کے وقت جو کپڑا ناٹ غسول کے وقت میت کے  
 نجس کپڑے کو پاک کرنا سے گھٹنے تک رکھا گیا ہے پہلی دفعہ جب نجاست دُور کی گئی  
 تو وہ پانی کپڑے کو بھی لگا تو اب وہی کپڑا کفایت کرے گا یا دوسرا رکھا جاوے۔؟

**الجواب** - دوسرا یا پہلے کو پاک کر کے رکھیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۷)  
**سوال (۶۶۸)** اور اگر وہی کپڑا رہے تو صاف کر کے  
 اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا رکھا جاوے یا ویسے ہی بدستور رہے اور اگر نجاست ظاہری  
 نہ ہو تو فرہونے سے کپڑا ناپاک ہو جائے یا نہیں اور میت کی شرمگاہ سے نجاست بذریعہ کلوخ  
 دُور کرنا بہتر ہے یا بذریعہ پانی۔؟

**الجواب** - فی رد المحتار باب الجنائزۃ تحت قول الدوا المختار قیل نجاست خبیث الخ و یویدۃ اطلاق ہمہ نجاستہ غسالۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل غسل جو پانی اُس کو لگا ہے وہ ناپاک ہو پس ترہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاوے گا اور نجاست کا ازالہ پانی سے کافی ہے۔  
 ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۷)

**سوال (۶۶۹)** قبرستان میں اکثر دیہات میں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی  
 پڑھنے کی تحقیق ہے قبرستان کو پس پشت یا دلہنے یا بائیں کر لیا جاوے اُس وقت یہ نماز  
 یا اور نماز پڑھ لینے سے بے کراہت درست ہوگی یا نہیں۔؟



**الجواب** - نماز جنازہ درست ہو اور دوسری نماز میں داہنے بائیں طرف بھی قبر چاہیے۔  
قیاساً علی التمثال حیث یکمل اذا کان بحد اثنی عشر و یسرق - فقط ۴ شعبان ۱۳۲۹ھ  
(تمتہ اول ص ۴۴)

**سوال** (۶۶۰) حد گورستان خواہ احاطہ گورستان کے اندر جہاں قبریں متعدد ظاہر بھی ہیں اور زمین برابر ہو گئی ہو مگر قبریں ظاہر معلوم ہوتی ہیں اُس جگہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے - فقط - ؟

**الجواب** - جائز ہے کیونکہ قبر نفس لعش سے زیادہ نہیں اور لعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر کا بدرجہ اولیٰ جائز ہے - فقط - ۳ رذیو ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۴)

**سوال** (۶۶۱) ایک مسجد کہنہ قناتی وسط قبرستان میں واقع ہے غرض بارہ سال سے پہلے اُس میں کبھی کبھی جماعت ہو کر تہی فی الحال کسی وقت اُس میں کوئی نماز نہیں ادا کرتا ہے اور اُس کے اطراف خراب ہو رہے ہیں اور مسجد کے چاروں طرف قبریں ہیں ایسی صورت میں اُس مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں - ؟

**الجواب** - نہیں - ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ  
تمتہ سوال بالا - سو اُس مسجد کے جہاں کہیں جنازہ رکھا جائیگا قبر کا سامنا ہوگا - ؟  
**الجواب** - کچھ حرج نہیں - جب خود جنازہ ہی سامنے ہے پھر قبر کا کیا حرج ہے -  
تمتہ سوال بالا - عرصہ ۷ یا ۸ سال سے اُس میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں گویا وہ اسی مصروف میں خاص کر لیا ہے - ؟

**الجواب** - کسی کو اختیار نہیں البتہ اگر بنا اُس کی اسی نیت سے ہوتی تو پھر وہ مسجد نہ ہوتی - (تمتہ ثانی ص ۴۴)

**سوال** (۶۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ نماز جنازہ اُس میدان میں جہاں سے کہ بعض قبور نظر آتی ہوں اور درمیان میں دیوار حائل ہو یا نہ ہو بلا کراہت جائز ہے یا نہ - بینوا تو جردا - ؟

**الجواب** - قبر کی طرف جو نماز مکروہ ہے تو بوجہ اُس کے کہ وہ مشتمل ہے میت بدرجہ جس میں احتمال ہے عبادت غیر اللہ کا اور نماز جنازہ میں خود میت ہی کا رد و برد ہونا جائز رکھا گیا ہے تو قبر کا سامنے ہونا تو بدرجہ اولیٰ - یہ تو تحقیقی جواب ہے اس سوال کا اور سائل نے خط میں جو

بعض غیر مقلدین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے عدم جواز نماز جنازہ قبور کے قریب کا حکم لگا دیا ہے تو اگر وہ اہل انصاف ہوں تب تو ان کے جواب کے لئے یہ حدیث کافی ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔  
عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن هذا قالوا البارحة قال افلا اذ نمونی قالوا دفنا فی ظلمة اللیل فکر هذا ان نوقفک فقام فصفقنا خلفه فصلى علیہ۔ دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی کہ قبر سے سنسنے تھی اور اگر وہ اہل اعتساف ہوں تو ان سے خطاب بیکار ہے اپنی تسلی حاصل کر کے عمل کرنا چاہئے۔  
۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۴)

چاند نکالنے کے لئے | سوال (۶۷۳) میت کے اوپر کی فالتو چادر قبر میں رہ گئی اور منہ قبر کا بند  
قبر کھودنا | کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئی اُس کا نکالنا جائز ہے یا نہیں اور اس  
چادر کے اندر رہنے سے کوئی گناہ ہے یا نہیں۔ ۹

الجواب - نکالنا جائز ہے۔ فی الدرد المختار ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا الحق  
ادعی فی رد المحتار کما اذا سقط فی القبر متاع الی قوله ولو کان المال درہما بجواد ظاہرہ  
ہے کہ اگر نہ نکالیں گناہ ہے کہ مال کی افاعت ہے۔ فقط ۴/ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۲۸۵)  
سوال (۶۷۴) زید نے جو مسلمان ہے ایک غیر قوم کے شیر خوار بچے کو جس کا  
پچہ کافر نماز جنازہ | کوئی وارث نہ تھا اپنے یہاں پالا بچہ دو برس کے قریب زندہ رہ کر مر گیا ایسے بچہ  
کی تحقیق | کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ ۹

الجواب - غیر قوم سے مراد اگر کافر ہے تو جواب یہ ہے کہ اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے  
گی۔ لکنہ تبعا لابیہ فی الاحکام الدینیۃ - ۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۲۸۹)

سوال (۶۷۵) زید نے ایک بچہ ایک سال یا دو سالہ ایک مشرک یا مشرکہ  
پر نماز جنازہ پڑھنا | سے بعض زرخیر کیا یا بول ہی لیکر پالک بنا کر رکھا اور نام بھی اُس کا اسلامی  
رکھ دیا اور ختنہ بھی کرا دیا۔ بعد گزرنے دو چار ماہ کے وہ مر گیا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اُس بچہ کی تجزیہ تکفین جائز  
اسلام کی یاد دہانی نہیں اور نماز جنازہ آپس پڑھی جائیگی یا نہیں۔ اگر از روئے اسلام مسک تجزیہ تکفین کجاؤ تو اسکی لاش کیا تجزیہ دینا

الجواب - فی الدرد المختار کصبی سبی مع احمد ابویہ لا یصلی علیہ لاتیج لہ ای فی  
احکام الدنیا فی رد المختار ق لہ کصبی سبی مع احمد ابویہ وبالاولی اذا سبی معہما الی قوله  
لانہ مع وجود الابویں کا عبرۃ للدار وکاللسابی بل هو تابع لاحد ابویہما الی البلوغ مالہ

یحدث اسلام او هو صمدین کما صرح به فی البحر ارح - اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کہ وہ سچے خود بن تمیز کو نہیں پہنچا اور ماں باپ اُس کے کافر ہیں اس لئے اُس کی تجہیز و تکفین مسلمان کی طرح ہوگی اور نہ اُس کی نماز پڑھی جاوے گی بلکہ اُس کو مثل ثوب نجس کے دھو کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بددن رعایت سنت کے ایک گروہ میں ڈالیں گے۔ فی الدمار المختار وغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ کمالہ الکافر الاصلی عند الاحتیاج فلولہ قریب فالاولیٰ ترکہ لہم من غیر مراعاة السنۃ الخ۔ اقول ترک الاولیٰ اولیٰ ہمنا للحق العار بالمسلمین۔

۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ - (تتمہ اول صفحہ ۴۹)

نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ سوال (۶۷۶) زید کہتا ہے کہ نماز جنازہ میں بعد چوتھی تکبیر کے چھوڑنا چاہئیں یا بعد سلام تحریمہ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہیے اور حوالہ سہایہ کا دیتا ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تحریمہ چھوڑنا چاہیے۔ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔؟

الجواب - جزئیہ تو اس وقت ملا نہیں مگر فقہائے جو قاعدہ لکھا ہوا اُس کے اعتبار سے زید کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے وہ قاعدہ یہ ہے۔ وہ سنت قیامہ قرانیہ ذکر مسنون کذا فی الدمار المختار فصل صفة الصلوة - فقط والله اعلم - ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ - (تتمہ اول صفحہ ۳۵)

فوت سلام صلوة جنازہ سوال (۶۷۷) معصوم بچہ کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھراتو کیا نماز ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب - فی الدمار المختار صلوة الجنائزہ ورنہما شتمیان التکبیرات الاربع والقیام وستہا ثلثة التحمید والثناء والدعاء فیہا اے - روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ فقط والله اعلم - ۲۷ شعبان ۱۳۳۱ھ (امداد اول صفحہ ۳۹)

نظر شوہر بروئے سوال (۶۷۸) بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر زوجہ میتہ میں آتا رہ سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب - دیکھ سکتا ہے۔ فی الدمار المختار وینزع زوجہا من غسلہا ومسہا لامن النظر الیہا علی الاصح صنیعہ اور قبر میں آتا۔ ناجب محرم نہ ہوں نہ نجس کو درست ہے۔ لانه من من حائل ۲۷ شعبان ۱۳۳۱ھ - (امداد اول صفحہ ۳۹)

صلوة جنازہ برمنقوب بہ پھانسی سوال (۶۷۹) پھانسی والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہ۔؟

الجواب - پڑھی جاوے گی اس لئے کہ اگر وہ مظلوم ہے تو ظالم ہے اور اگر ظالم تھا اور نہ لے

جرم میں مارا گیا تب بھی مثل بغاوت و قتل طریق کے ہوگا اور وہ جب غیر حرب میں قتل کئے جاویں ان کے جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ کذا فی الدر المختار۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول و ثانی ص ۹۵)

**سوال (۶۸۰)** مردہ اگر زن باشد بعد از نماز آں میت را با بویہ یا نیکہ درآں پجیدہ در حجر زناں اور سر نہادہ بودند بغرض پرودہ بجهت عدم تیسر محام غالباً ہمیں ہیئت در قبر میگزاردند مجوزین باصل اصل کل شیئی ابا حنہ استدلال میکنند و مکتوبین ممانعت فرش قبور از بویہ یا وغیرہ را پیش می نمایند اما دلیل اول وقتے مسلم ست کہ حکمے از اصول اربعہ بریں صورت تحقق نباشد حالانکہ مسیح کدائے مجوزین محیط این جملہ نیست و دلیل منکرین محلل ست و وجود علت دریں صورت موقوفه دال بر رد ناکافی ست لهذا حکم مصرعہ کہ هیچکس نزنہ بر درخت بے برنگ " آید، رایع میدہد کہ از جوابش با دلیل شانی بندگان را براہ راست دعوت فرمایند۔ ۹

**الجواب** - فی رد المحتار قال فی الحلیۃ و یکذا ان یوضح تحت المیت فی القبر مضربۃ او مخذۃ او حصیرا و نحو ذلک اھ و لعل وجہہ اتلاف مال بلا ضرورۃ فالکراہۃ تخریجہ و لذاعبر بلا مجوز۔ ج ۱ ص ۹۳۔ این روایت صریح ست در ممانعت این فعل و ظاہر ست کہ بعد دفن حاجت پرودہ نمی ماند و پرودہ موقوف بر گزاشتن میت بویہ یا در قبر۔ ۲۶ (ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ) (تمت ثانی ص ۹۵)

**سوال (۶۸۱)** کسی موقع میں جنازہ فوت ہوا نماز پڑھانے والا چاہا کہ از نماز داقعت نباشند چار پانچ پانچ کوس تک نہیں ہے اس کے دفن میں کیا کرنا چاہیئے۔ ۹

**الجواب** - اگر پوری نماز نہ آتی ہو تو صرف ایک شخص وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر چار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ دے فرض ادا ہو جائے گا پھر دفن کر دیں۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمت ثانی ص ۱۰۵)

**سوال (۶۸۲)** اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جنازہ بعد زوال قبل فرض ظہر جائز و نماز وقتی نہیں و بعد فرض ظہر بھی قبل جنازہ کی نماز کے سنت ظہر جائز نہیں ہے رائے شریف جناب عالی کی کیا ہے اگر جائز ہے مع الکر اہتہ یا بلا کر اہتہ۔ ۹

**الجواب** - ہم جواز کا دعویٰ تو بلا دلیل ہے البتہ ترتیب میں اقوال مختلف ہیں میرے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے۔ دروۃ الحسن انہ یغیر کذا فی رد المحتار۔ ج ۱ ص ۱۰۵۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ قمرہ رابعہ ص ۱

**سوال (۶۸۳)** جنازہ جب حاضر ہو اس وقت کوئی نماز کا وقت ہو تو فرض وقت و سنت و نوافل کے آگے فرض کفایہ ادا کیا جاوے یا اس میں سے فرض کفایہ کس کس نماز پر مقدم کیا جائے؟

**الجواب** - اس میں کئی قول ہیں اقرب الی الفقہ اور مفتی بہ یہ ہے کہ فرض وقت و سنت کو جنازہ پر مقدم کریں اور نوافل کو جنازہ سے مؤخر کریں۔ والبسطة فی رد المحتار باب العیدین - ۶/ محرم ۱۳۲۹ھ - (تمتہ اول ص ۳۳)

**سوال (۶۸۴)** نمبر ۱ - عید گاہ میں قبل نماز عید جنازہ آیا اس کی تقدیم صلوة عید و خطبہ پر نماز جنازہ نماز قبل نماز عید سے ادا کی جاوے گی یا کس وقت؟ نمبر ۲ - بعد نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل خطبہ کے ادا کی جاوے گی یا کس وقت؟ نمبر ۳ - اگر قبل خطبہ عید نماز جنازہ پڑھی جاوے تو جنازہ کو خطبہ سنکر قبر پر لے جاویں یا پہلے ہی لیجاویں؟

**الجواب** - در مختار میں صلوة عید کو صلوة جنازہ پر مقدم اور صلوة جنازہ کو خطبہ عید پر مقدم کرنے کو کھلے لیکن شامی نے عید کی تقدیم کی ایک وجہ جو طبعی سے نقل کی ہے بان العید تو عدی بجمہر عظیمہ یخشی تفرقہ ان اشتغال الامام بالجنائزۃ - یہ علت خطبہ میں زیادہ جاری ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ خطبہ سے بھی مؤخر پڑھے۔

۲۹/ صفر ۱۳۳۲ھ - (تمتہ ثانی ص ۱۲۴)

**سوال (۶۸۵)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں غرق شدہ ریزہ ریزہ گشتہ کہ اگر کوئی مسلمان شخص بالغ یا بالغ پانی میں ڈوب مرے یا آگ میں جل مرے اور آلائش شکم باہر نکل پڑے نیز جل جانے سے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بھی گر پڑیں - آیا اس کے لئے نماز جنازہ وغسل جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** - ضروری ہے۔ ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ - (تمتہ ثانی ص ۱۳)

**سوال (۶۸۶)** دفن کے بعد براہر کرنے کے لئے قبر کو پاؤں سے قبر بہا نہا روندنا جائز یا نہیں؟

**الجواب** - فی رد المحتار و دیگر الکملوس علی القبر و و طوۃ و بعد اسطر عن ابی حنیفۃ لا یوطأ القبر الا للضرورة - ج ۱ ص ۹۳۵ - اس روایت معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بدون ضرورت کے مکروہ ہے اور اس میں کوئی ضرورت نہیں لہذا مکروہ ہے۔

۱۸/ رمضان ۱۳۳۲ھ - (تمتہ ثانی ص ۱۶۶)

**سوال (۶۸۷)** طحاوی مرآتی الفلاح باب الجنائز ص ۳۲۹ میں حکم قطع سرہ طفل بعد موت ہے۔ وقد قالوا ان السقط یحیی فی الآخرة و ترجی شفاعتہ

و استند لوابماروی ابو عبیدہ مرفوعاً ان السقط لیقف محبباً علی باب الجنة  
 فیقول لا ادخل حتی یدخل ابوای وروی ابن ماجہ من حدیث علی ان السقط  
 لیرا غروب اذ ادخل ابوالانار فیقال ایہا السقط اطر غروبہ ادخل بوبیک  
 الجنة فیجرهما بسرک حتی یدخلهما الجنة اھ و السرر یفتحن وھوما تقطعا  
 القابله من سرۃ الصبی و یحشر علی مامات علیہ کغیرہ من اھل الموقوف الخ  
 ملخصاً - ہندی میں سرر صبی کی نال کو کہتے ہیں - زید کہتا ہے کہ جب نال کے ساتھ یہ لڑکا  
 ماں باپ کو کھینچ کر لائے گا تو جو کوئی لڑکا قبل کاٹنے نال کے مر گیا تو اُس کی نال اب نہ کاٹنی  
 چاہئے کیونکہ اس کے ساتھ ماں باپ کو کھینچے گا اس کی شفاعت اسی طور سے ہوگی کیا زید  
 کا کہنا درست ہے اور اس عبارت سے یہ نکلتا ہے کہ قبل کاٹنے کے اگر مر گیا تو نال نہ کاٹنی  
 چاہیئے اور فی الواقع مسئلہ ایسا ہی ہے یا بعد موت کے بھی وہ نال لڑکے لڑکی کی جو دراز  
 مقدار بالشت بھر کے ہوتی ہے کاٹی جائے گی اور یہ سابق حدیث کون کتاب میں کوئی باب  
 میں ہے اور اس میں سرہ کا کیا معنی ہے اور مضمون اس حدیث کا موافق اخاف کے ہے  
 یا نہ - عن جابر بن عبد اللہ قال کان النبی جالساً فی مسجدہ فجاء عامر بن فہیر فسال النبی یا  
 رسول اللہ انفست امرأتی ومات ولدہا ما استھل ما اصنعتہ فقال لنبی صلی اللہ علیہ  
 وسلم سحر الولد وقطع السرۃ واغسلہ وکفنتہ وصل علیہ وادفنتہ الا - کیا ابوداؤد  
 و یانسانی یا اور کسی کتاب میں ہی یا نہیں - ۹

الجواب - ابو عبیدہ کی روایت تو نظر سے نہیں گزری اور دوسری حضرت علیؓ کی مشکوٰۃ میں  
 بھی ہی اور اس سے مسئلہ فقہیہ قطع یا عدم قطع سرر کا اثبات تو نہیں ہو سکتا البتہ تاہم عدم قطع کی اشارہ  
 ہو سکتی ہے وجہ عدم اثبات یہ ہے کہ سرر سے کھینچنا اگر عدم قطع پر موقوف ہو تو چاہیئے کہ خلف بشار  
 کا ہا اختیار قاطع ہو جائے وہو خلف بلکہ اگر قطع بھی کر دی جاوے حق تعالیٰ قیامت میں متصل  
 کر سکتے ہیں البتہ فقہ کی روایت اس کی دہیں ہیں گو خصوصیت سے تو قطع سرر کے متعلق کوئی  
 نہیں دیکھی مگر اشتراک علت سے اُس کے لئے یہ روایت کافی ہو - فی الدار المختار ولا یسرح  
 شعرۃ ای یکدرہ شعریم ولا یقص ظفرہ الا المکسور ولا شعرۃ ولا یختن الا فی  
 رد المختار لما فی القنیۃ من ان التزئین بعد موتہا والامتنشاط وقطع الشعر  
 لا یجوز نہر فلو قطع ظفرک او شعرۃ ادرج معہ فی الکفن قہستانی عن العتابی -

ج. اص ۸۹ - اور اخیر حدیث معلوم نہیں کیسی ہو اور کہاں ہو آپ نے کہاں سے نقل کی ہے ظاہر ہے تو قواعد کے خلاف ہو عدم استہلال میں صلاۃ بھی نہیں ہو کیونکہ صلاۃ کے لئے سبق حیات شرط ہے اور اگر ثابت ہو تو یہ تاویل ہو سکتی ہو کہ استہلال کے علاوہ اور کسی قرینہ سے حیات ثابت ہو گئی ہوگی مگر سائل نے حکم کا مدار استہلال پر سمجھا ہوگا۔ ۴۲ از ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمیز ثانی ص ۱۸۳) نماز بر بعض جدیدیت | سوال (۶۸۸) ایک مرد کے کو بیٹریا اٹھالے گیا بعد تلاش سخت کے گردن کے اوپر کا حقد دستیاب ہوا تو کیا اس کی نماز جائزہ پڑھی جاوے گی اگر گردن کے نیچے کا جسم ملتا تو کیا حکم ہوتا۔ ؟

الجواب - فی الدر المختار وجد رأس آدمی واحد شقیہ لا یغسل ولا یصل علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا رأس فی رد المختار قول ولو بلا رأس وکذا یغسل لو وجد نصف مع الرأس بجمہارہ - ج. اص ۸۹ - اس سے معلوم ہوا کہ صورت واقعہ میں تو غسل اور نماز نہ ہوگی اور صورت مفروضہ میں غسل و نماز ہوتی اور دونوں حال میں واجب ہے۔ ۸۰ از ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ (تمیز ثانی ص ۱۸۳) وضع زوج زوجہ | سوال (۶۸۹) خاوند بی بی کو قبر میں اتار سکتا ہو یا نہیں اور مساس بجائیں رادر قبر کر سکتا ہے یا نہیں۔ آیا اس کو اجنبیہ عودت زندہ کے مس بجائیں پر قیاس کر کے منع کریں گے و البجایع بینہما ہوا احتمال عدم امن الشهوة ؟

الجواب - فی الدر المختار و یمنع زوجہا من غسلہا و مسہا الا من النظر الیہا علی الاصح منیۃ فی رد المختار عزایہ فی المسح الی القنیۃ ونقل عن الخانیۃ - انه اذا کان للمرأة محرّم یمسہا بیدہ و اما الاجنبی فحرقۃ علی یدہا و بغض بصرک عن ذراعہا و کذا الرجل فی امرأتہ - الا فی غرض البصر اھ و لعل وجہہ ان النظر اخف من المس فجازلتہ بہ الاختلاف - ج. اص ۸۹ - اس سے یہ امور مستفاد ہوئے - علی زوج بعد موت زوجہ مثل اجنبی کے ہے پس جب تک کوئی محرم ہو اس وقت تک نہ کو مس بجائیں بھی نہ کرنا چاہیے۔ ۲۷ اور جب کوئی محرم نہ ہو اور اجنبیوں سے یہ مقدم ہے بشبہۃ الاختلاف - ۷۷ از سفر ۱۳۳۳ھ (تمیز ثانی ص ۱۸۳) کفن کے بند کو قبر میں | سوال (۶۹۰) کفن جن دھبیوں سے بندھا جاتا ہے اس کا قبر چھوڑ دینا | میں رکھنا مکروہ یا حرام ہے یا نہیں اگر رکھ دی جاوے تو حرج تو نہیں ہے۔ ؟

الجواب - فی الدر المختار و یمنع العقد لا مستغناء عنہا و فیہ ولا یحوز

ان یوضہ فیہ مضربۃ فی رد المختار قولہ ولا یجوز الخ ای یکید ذلک قال فی الحلیۃ ویکید  
ان یوضہ تحت المیت فی القبر مضربۃ او تحنۃ او حصیر او نحو ذلک الا ولعل وجہ  
انہ اتلاف مال بلا ضرر ویراثۃ فاکراہۃ تحرمیۃ ولذا غیر بلا یجوز ج ۹۲۲ و ص ۹۲۵  
اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ دھجیاں کسی دوسرے کام آسکیں تو ان کا قبر میں چھوڑنا ناجائز ہے۔  
(انشترک العلة ورنہ کچھ حرج نہیں۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۴)

ترتیب در ولایت  
نماز جنازہ  
سوال (۶۹۱) ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی اور ماں چھوڑ کر  
وفات پائی اب اُس کے جنازہ کا ولی کون ہوگا۔؟

**الجواب** - فی الدار المختار شعر الولی بترتیب عصوبۃ الانکاح الا لا یفقدہ  
علی الابن اتفاقاً الا ان یکون عالماً والاب جاہلاً فالابن اذ فی فان لم یکن لہ  
ولی فالزوج الخ فی رد المختار فلا ولایۃ للنساء ولا لزوج الا انہ اسحق من الاجنبی  
الخ ج ۹۲۱ - اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں عینی بھائی ولی صلوة ہوگا۔

۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۴)

ترتیب در وجوب  
صرف کفن  
سوال (۶۹۲) ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی چھوڑ کر وفات  
پائی اس صورت میں اُس کی تجہیز و تکفین کا خرچ کون دے گا۔؟

**الجواب** - فی الدار المختار یرکفن من لا مال لہ علی من تجب علیہ نفقۃ فان  
اتعد مواضع علی قدر میراثہم و اختلف فی النزع والغتوی علی وجوب کفنها  
علیہ عند الثانی الخ و فی رد المختار عن شرح المنیۃ ان قول ابی حنیفۃ کقول ابی یوسف  
الا و اطال فی تفصیل المسئلۃ ج ۹۲۵ و ص ۹۲۵ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ شوہر پر واجب  
ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۴)

شق لاش و تاخیر دفن  
بعض اعضاء  
سوال (۶۹۳) جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر یا کسی کے کھلائی  
سے مر جاتا ہے یا زخم و ضرب شدید سے مر جاتا ہے تو اُس مردہ لاش کو

ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض دفن بعد چیرنے کے تمام لاش تو دُبا دیتے ہیں اور صرف  
دل و کلیجہ و گردہ وغیرہ نکال کر بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ  
بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب یا پھینک دیتا ہے پس عرض ہو کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو تو وہ ایسا  
کام کرے یا شرع شریف میں اجازت نہیں۔؟



**الجواب** - فی الدنا المختار حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها  
الی قوله دیو بلغم مال غیره ومات هل یشق قولاں والا ول نعرفه - فی المختار  
قوله دیو بلغم مال غیره ای ولا مال له کما فی الفتح وشرح الملیة ومفهومه انه  
لو ترک ما لا یضمن ما بلغم لا یشق اتفاقا قوله والا ولی نعزلانه وان کان  
حرمة الادھی اعلی من صیانتہ المال لکنہ ازال احترامہ بتعدیه کما فی  
الفتح ومفادہ انه لو سقط فی جوفہ فلا تعدل لیشق اتفاقا ج ۹۳ - اس  
سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیز امر ناجائز ہے صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے  
کے لئے یا مال محترم کے محفوظ کرنے کے لئے جبکہ اس کا بدل بھی نہ ہو سکے بضرورت شدیدہ  
اجازت دی گئی ہے اور صورت مسئولہ میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت و  
مصلحت اس کا سبب ہے وہ اس درجہ کی نہیں اس لئے عدم جواز ہی کا بانی رہے گا۔ اور جس  
شخص کو کلیجی و گردہ وغیرہ مل جاویں واجب ہو کہ ان کو دفن کر دے پھینک کے بے حرمتی نہ کرے  
اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیز بھاڑ کا اتفاق ہو وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور  
استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابل بسر میسر نہ ہو یہ نوکری نہ چھوڑے کہ من ابتری  
ببلیتین فلیختراھونہما - ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ - (تمتہ راجعہ ص ۹۳)

سوال (۶۹۴) جنازہ ناپاک چار پائی پر رکھ کر نماز پڑھی تو نماز  
میت پر چار پائی نجس باشد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدنا المختار و فی القنیۃ الطہارۃ من النجاستہ فی ثوب و  
بدن و مکان و ستر العورۃ شرط فی حق المیت والا امام جمیعہ فی رد المختار  
لکن فی التاتارخانیۃ سئل قاضی خان عن طہارۃ مکان المیت هل یشترط  
یجوز الصلوۃ علیہ قال ان کان المیت علی الجنازۃ لا شک انہ یجوز والا فلا  
لروایۃ لہذا و ینبغی الجواز و ہکذا الجواب القاضی بدر الدین ج ۹۰ -  
۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ - (تمتہ خامسہ ص ۹۱)

سوال (۶۹۵) اگر کسی شخص نے عمداً خود کشی کی ایون پی کر یا اللہ کسی  
قاتل نفس خود وسیلہ سے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** - فی الدنا المختار من قتل نفسہ ولو عمداً یغسل ویصلی علیہ

بہ یفتی الا واجاب فی رد المحتار عن استدلال الثانی - اس روایت سے ثابت ہوا کہ اُس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔ ۱۰/ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ - (تمتہ خامسہ ص ۱۳۱)

سوال (۶۹۶) عمامہ دادن میت علماء و سرदार علماء و سرदार را  
 اجواب - مکروہ است۔ ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۳۱)

سوال (۶۹۷) دلیل جواز بناء روضہ مطہرہ  
 ندوی کا میری نظر سے گزرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا

ہے کہ۔ نجدیوں کے دستِ نظم سے بعض مزارات و موالید کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے۔ اول تو وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ دوسرے مزارات و موالید مذکورہ اصلی نہیں۔ بلکہ خلفائے امیہ

و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے۔ چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ نمازت پائی جاتی ہے۔ اگر یہ توضیح درست ہو تو کیا سرود کا نثار صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ شریف اس حد میں

نہیں آتا اور اگر آتا ہو تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے۔ جواب با صوابک مطلع فرمایا جاوے؟

اجواب۔ سید القبور یعنی قبر سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم ما اختلف القبول والدبورد کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں مخصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی

میں مأمور ہے اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران مقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و مقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہو وہ وہ

ہے جہاں بناء للقبر ہوا وہ یہاں ایسا نہیں۔ اب ہا اس کا بقاء یا البقاء سوچو نہ بعد دفن کے خلفاء و امین میں سے کسی نے اس بناء کی بقاء پر نیکر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدید ہو کر

صرف مقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کی بقاء کا مشروع ہونا بھی بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام البقاء کے عادتہ ممکن نہیں اسلئے

اہتمام البقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی اور چونکہ عمارت کا استحکام و اجس فی البقاء ہوا اسلئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نوذ باللہ منہ) یقیناً مفوت احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا احلیٰ بدہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء اسرار نے

آپ کی شہادت جلیلہ کے انتفاء کو مبنی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا

کراس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا انفضاء الی التجاوز عن الحدود والشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے جس کا فوٹو حضرت شیخ دہلویؒ نے اس شعر میں کینچا ہے ۵

دہن سازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد      حالتے رفت کہ محراب بفر یاد آمد

آدریہ دونوں امر (جو کہ حافظ المصباح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقا و بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا۔ نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے نیچے مسجد کا حصہ ہے بدوں حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بناء میں حیلوتہ کی بھی مصلحت ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ایک مصلحتی کی طرح قبور ایک مصلحتی کی طرح بھی کیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

لطیفہ :- اس تحریر کے بعد مثنوی معنوی لیکر دعا کی کہ آہی اگر یہ حق لکھا گیا ہے تو مثنوی میں اس کے حق ہونے کی تائید میں کوئی مضمون نکل آئے اور بسم اللہ کر کے کھولا یہ اشعار شروع صفحہ ہی میں نکلے جن کا نوید ہونا بالکل ظاہر ہے ۵

ایں نہ کردی تو کہ من کردم یقین      اے صفات در صفات ما و فین  
تو دیریں مستعلیٰ نے عالمی      زانکہ محمول منی نے حاصلی  
مارمیت از رمیت گشتہ      خوشتن در موج چوں کھنہ شتہ  
لاشدی پہلوئے الاحزانہ گیر      اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

(دفتر چہارم سرخی چشم کردن بادشاہ الخ)

تنبیہ :- میں اس جواب کو علم پر مبنی سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ کوئی صرف محبت پر مبنی

سمجھے۔ ۲۰ صفر ۱۳۳۳ھ ۶

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال یا جو مع جواب یل میں کو ہر

سوال :- اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حفرات شخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب کوئی سمجھ میں نہیں آتا ہے سوائے اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے چہرہ

۱۔ بصیغۃ اسم مفعول ۱۲ منہ ۵ دیکرہ الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال

الکمال لا یدفن منیر ولا کبیر فی البیت الذی فیہ فان لک خاص بالانبیاء علیہم السلام بل یدفن فی مقابر المسلمین (مرآۃ الخلاج)

میں تین سو راج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یاد نہیں کہ سو راج ہی یا چاند) اور بر وقت وفات کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (اولہ مبشرہ بالفضل ذکر منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعا دہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت سرور کائنات کیلئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کے لئے اُس کے علاوہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

**الجواب۔** سب جواب ٹھیک ہے اور قواعد کے موافق اسی کی تائید دوسری دیا ہے ہوتی ہے۔ وہی ہذا۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم و دخل المسجد و ابوبکر و عمر احدثا عن یمینہ و الاخر عن شمالہ و هو اخذ بایدیهما فقال هكذا نبعث یوم القیمۃ رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریبہ و عن ابن عباس قال انی لواقف فی قومی فدعوا للہ لعمر و قد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبہ یقول یرحمک اللہ انی لا رجوان یجعلک اللہ مع صاحبیک لا فی کثیر اما کنت اسمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت و ابوبکر و عمر و فعلت و ابوبکر و عمر و انطلقت و ابوبکر و عمر و دخلت و ابوبکر و عمر و خرجت و ابوبکر و عمر فالتفت فاذا علی ابن ابی طالب متفق علیہ باب مناقب ابی بکر و عمر و فی مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ بن مریم عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض فیزوج ویولد له و یمکت خمس اطربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ بن مریم فی قبر واحد (ای فی مقبرۃ واحدۃ) بین ابی بکر و عمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء للروای الترمذی فی آخر باب من ابواب المناقب عن ابی مودود المدنی نا عثمان بن ضحاک عن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہ قال مکتوب فی التورۃ صفۃ محمد و عیسیٰ بن مریم یدفن معہ قال فقال ابو مودود قد بقی فی البیت موضع قبر ہذا حدیث حسن غریب و فی خلاصۃ الوفاء للسیہودی آخر الفصل العاشر فی الحدیث المدکور لفظا لطبرا فی فی روایت یدفن عیسیٰ بن مریم علیہ السلام مع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم راوی بکرو عمرہ فیکون قبرا رابعا وفيه عثمان بن الضحاک و  
ثقه ابن حبان وضعفه ابو داؤد - روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات  
ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلا نیکر دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعثت کے  
پھر مجتمع ہو جاویں لفظ ہکذا نبعت سے بعید ہے۔ یہ تو عین بعثت کی کیفیت پر دال ہے۔  
دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالنص ہونیکے سبب حجت  
ہے۔ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہی بلکہ اُس سے بھی اصرار ہے لفظ  
اقوم میں اُس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع۔ چوتھی پانچویں روایت  
کا مجموعہ منجر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں دفن ہونا تو راء میں بھی مذکور ہے تو شائع من قبلنا  
سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے نیکر  
نہیں فرمایا تو اس کے اذن پر اجماع ہو گیا اب اُس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو ہمارے لئے  
اجماع استثناء کے لئے حجت کافیہ ہے۔ ۲۷ ربيع الاول ۱۱۱۱ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۹۵)

جواب شبہ عدم نفع موصل سوال (۶۹۸) ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ  
از ایصال ثواب گزرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جاوے  
تو بخشنے والے کے لئے کیا نفع ہوا البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضور اس خدشہ کو رفع  
فرمادیں تو فدوی کو اطمینان ہو جاوے گا۔

**الجواب۔** فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی نعیم قال قال  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصدق احدکم صدقة تطوعا فليجعلها  
عن ابویہ فیکون لهما اجرها ولا ينقص من اجرک شیئا یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب  
بخشدینے بھی عام کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی  
ہے۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجرک  
شیئا اور کہا قال۔ وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل  
کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہی کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں  
بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا  
تاویل متعلق بالقبول کیا ہے۔ کما فی رد المحتار عن زکاة التاتارخانیة عن المحیط الافضل  
لمن يتصدق نفلا ان ينوی بجميع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا

ینقص من اجرک شئاً ۱۷ اور از اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہو کہ معافی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل آتا ہے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا۔ چنانچہ تعدیہ علوم و فیوض میں مشاہدہ ہے خلافت اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے محبوب دایب کے پاس نہیں رہتی۔ و ذکر العارف الروحی فی المثنوی بعضاً تار التوسع المعنوی فقال ۵  
در معانی قسمت واعداد نیست در معانی تجزیہ و افراد نیست

نقطہ ۲۹ صفر ۱۳۴۴ھ

اس جواب پر ایک سرے مقام سے اور سوال یا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے

سوال مسئلہ مذکورہ عریضہ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا جس کے متعلق کوئی نص نہ معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا۔ اُمید کہ اس کے متعلق بھی اگر کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آگاہی بخشیں اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرمادیں وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر تجزیہ ہو کر مساوی درجہ میں جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انہیں پہنچے گا جیسا کہ عدل کا مقتضایہ یا ہر ایک کو بلا تجزیہ پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا جیسا کہ اُس کے فضل کا مقتضایہ ہے؟  
الجواب۔ اس میں پہلے بھی کلام ہوا ہے۔ کہما فی رد المحتار دیو ضحہ انہ لواہدی

الی اربعة یحصل لكل منہم ربحہ فکذا الواہدی الی ربح لواحد وابتقی لبقای لنفسہ  
ملخصاً قلت لکن سئل ابن حجر المکی عن الوقف لا ھل المقبرة الغاتحة ھل یقسم  
الشواب بینہم او یصل لكل منہم مثل ثواب ذلك كاملاً فاجاب بانہ افتی جمع  
بالتانی وھو اللاتی بسعة الفضل ج ۱ ص ۹۴۔ مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں  
کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہو نہیں اس لئے بدون نص اُس میں کوئی حکم نہیں کیا جاسکتا البتہ  
سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے اُس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزیہ پر دال  
کہا جاسکتا ہے کیونکہ اگر ہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جزو الصدقہ  
اور لہما سے تہادر وراثت اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا  
ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر  
ملے گا۔ اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لئے مقبر نہیں اور مسئلہ قطعیات  
میں سے نہیں اس لئے بھی ایسے احتمالات مفر نہیں۔

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ تعدیہ ثواب من محل لی محل موجب نقص

فی احد المحلین نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک لمحل مع محل کا ہے۔ نیز موجب نقص فی احد المحلین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۹۹)

**سوال (۶۹۹)** بحضور حضرت سیدنا مولانا دامت برکاتہم علیہنا مکان در مقبرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ادنی خادم خاکباز عرض می نمایم کہ در مدار النور ماہ شوال ۱۳۴۲ھ حضور نوشتہ (زائرین قبور کی راحت کے لئے اس قطعہ میں ایک سطر ہی اور ایک چاہ تیار کر دیا گیا۔ اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کے لئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پرہ کھدایا گیا ہے) حضرت قبلہ جان بندگان در ملک ما این چنین رواج است غالباً در ملک قبلہ ہم این چنین خود بود کہ جائیکہ بر قبور اولیاء کرام این چنین اسباب راحت زائرین میا ہستند بدعات ہم ہستند و جائیکہ نیستند بدعات ہم نیستند و گمان است کہ مدفوعات مبارکہ قبلہ دیدہ ام و یا از دیگر عا شینہ ام کہ شخصے سفارش نامہ از حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و رضوانہ ز حضرت مولانا گنجوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ در بارہ بنا نزد مزار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ برائے استراحت زائرین آردہ بود مولانا قبول نہ کرد و فرمود کہ در این چنین امور ما مقلد حضرت حاجی صاحب نیستیم امر و عیش بنا شود آہستہ آہستہ فواقبہ بنا خواهد شد۔ و حضرت اکثر زائرین امداد داد و دہش با مجاور میکسند حضور بعد انتقال چناں اورا منع قبول کردا حتمال غیر اجد است کہ از برائے خوشامد و شان نبی جائے کاذب کہ صاحب قبر از شمار ارضی است و دعا و گواہی خواہد ساخت پس ناچار ند و رد غیر خواهند شد و خواهند افزود و این را ہم دلیل قطعی نیست کہ آل مجاور بر طرز حضور و آلا خواہد ماند متغیر نخواہد شد خود حضور عالی دریں وصیت نامہ نوشتہ اوران کے بعد مد رسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہی معلوم شد کہ طرز ماندن قطعی نیست حضرت در دل من ناکارہ این چنین اثر پریشان کنندہ پدید شد کہ من گویم کہ کدام بدعتی این حقہ وصیت نامہ نہ پسند اگر دید حجت خواہد گرفت و اعتراض خواہد نمود حضرت ہر چہ در دل داشتہ بدول تفکر آمدہ عرض نمودہ ام چنانکہ طالب العلم از معلم سوال شبہ خود ظاہر میکند خواہ غلط یا صحیح؟

**الجواب**۔ بخدست مخدومی مکرری دام فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ صحیفہ عنایت کہ مشتمل بر دو مشورہ بود سرور و ممنون فرمودہ جزاکم اللہ تعالیٰ علی ہذا النصیح۔ نسبت امر اول

ایں کہ مصالحوں کے قبل بنائیش دزدہن آمدہ ایں بود رنج اذی حرو مطر شدیدہ کہ در وقت تہیہ دفن عارض شد سہولت وضوء نماز کہ در چنان وقت ضرورت افتد و راحت زائرین کہ داعی باشد رغبت آمدن و آل سبب باشد کثرت ایصال را با موات و ایں ہم از مطلوبات شرعیہ است و مفسد کہ تحریر فرمودہ اند بوجہ عدم وقوع آن دریں نواح بذہن احقر و نیز بذہن محتاطین علماء کہ اشارہ در خدمت شان پیش کردہ بودم خطور نہ کردہ اکنون نیز احتمالش بدل نمی چسپد و نہ ایں چنین عمارات کوتاہ و تنگ برائے ایں چنین خرافات کافی میتوان شد چنانچہ بر مر از حضرت مولانا گلوچی رحمۃ اللہ علیہ مسجدے ساختہ اند و از یں منکرات نامے و نشانے ندارد و چون ضعیفش بدیں مشابہ است ہدم عمارت کہ یقیناً اقامت مال ست گنجائش ندارد باز تصریحات بانی بانکار چنین امور جواب کافی ست احتجاج محتمل را ورنہ حکایت دیکھا کوا بنوا علیہم کوبنیاناً جائز نہ داشتہ شدے۔ و بایں ہمہ بر طبق سنت میگوئم و استقبلت من اعرعی ما استبد بدت۔ الخ و نسبت امر دوم یعنی تقریر اجبر آنجا ایں کہ آل انتظام مستمر نیست و نہ آل اجیر و نظر زائرین وقفے دارد کہ ایں چنین سخنان را از قبول کنند پس قیاس محدود است بہ پرورش اشجار کہ در اسرع زمان انشاء اللہ تعالیٰ دست دہد پس دریں ہم مفاسد محتمل نیست و در حقیقت میان رائے سامی و رائے این نحیف تضاد نیست مبنی رائے آل مکرّم کہ عزیمت است عوارض خارجہ است و مبنی رائے احقر ذات فعل است و خصمت و چون مفاسد مذکورہ بجایست مرجوح است عمل بر خصمت گنجائش دارد و از سالک زمانہ چنین امور مباحہ بنا بر ہمیں درجات بکثرت اختلاف آراء رونمودہ و لکل وجهۃ ہو مولى ہا باقی بردعا استدعا ختم می کنم۔

اشرف فعلی - ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ - (تمتہ خامسہ ص ۳۳)

نماز جنازہ پڑھانے کے وقت میت کے **سوال (۷۰۰)** اکثر اوقات مجھ کو..... اتفاق مقروض ہونے کی تحقیق کرنیکا حکم اس کا ہوتا ہے کہ میں جنازہ کی نماز پڑھاؤں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ آنے سے استفسار فرماتے تھے کہ مقروض تو نہیں ہیں جب کوئی صحابہ میں سے قرض کی ذمہ داری لے لیتے تب آپ نماز پڑھاتے۔ تو کیا میں بھی اتباع سنت میں پوچھ لیا کروں اور اگر اس کا بیسٹا یا رشتہ دار قرض کی ذمہ داری نہ لیوے تو کیا کروں۔ کیا یکدم پڑھانے سے انکار کروں یا نماز جنازہ بے پوچھے یا بے استفسار کئے امر کے پڑھا دیا کروں۔ ؟



**الجواب** - حضور سلی اللہ علیہ وسلم کے نہ پڑھانے میں جو حکمت تھی وہ آپ کے پڑھانے میں نہیں۔ اس لئے آپ کا ایسا کرنا اتباع سنت نہ ہوگا۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ النور منہ عم اعرام ۷

**سوال (۷۰۱)** یہاں فی الحال ایک واقعہ پیش آیا ہے ایک شخص دفع غلطی درجہ **احکام شہید** مذہب حنفی جو کہ ریلوے لائن پر سے جا رہا تھا پیچھے سے گاڑی نے آکے ٹھوکر

مارا جس سے اُس کے ہر دو پاتا پڑا زونا کام ہو گئے اُسے اٹھا کر قریب کی مسجد کے سامنے لے گئے وہاں کے پیش امام صاحب (حنفی) کی تحریک سے مجروح نے پانچوں کلمے بخوبی ادا کئے اور اپنے کلمے سننے کی معافی کا خواستگار ہوا اس کے بعد اسے ہسپتال لے گئے۔ وہیں کچھ مرہم پٹی وغیرہ کی گئی۔ قصہ مختصر قریباً ۹ بجے کے گھائل ہوا تھا اور ساڑھے گیارہ کو جاں بحق تسلیم ہوا جب اُس کے غسل و کفن کی تیاری کرنے لگے تو پیش امام صاحب مذکور نے یہ فتویٰ دیدیا کہ چونکہ مرحوم دو لوہوں کے درمیان دب کر رہی عدم ہوا ہے اس لئے وہ شہید کا درجہ رکھتا ہے اور غسل و کفن کی ضرورت نہیں چنانچہ اسی طرح میت پر جنازہ کی نماز پڑھ کر بے غسل و کفن دفن کی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شرع محمدی و مطابق مذہب حنفی کا یہی حکم ہے جو کہ اوپر بیان ہوا یا عکس اس کے غرض جو حکم ہو اُس کا فتویٰ درکار ہے۔ حوالہ کتاب بھی ضرور ہوتا کہ حجت کی گنجائش نہ رہے ازراہ عنایت اسی سوال نامہ کی پشت پر تحریر فرما کر ارسال فرماؤں خدا آپ کو اجر عظیم دے گا۔ جواب کے لئے ٹکٹ چسپاں ہیں۔ والسلام۔ ۹

**الجواب** - شہید کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی کہ جو لوہے سے ہلاک ہو جاوے۔ بلکہ تعریف اُس کی کتب فقہ میں یہ ہے۔ ہو کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحۃ ای بما یوجب القصاص ولم یجب بنفس القتل مال الی قولہ ذکذا لو قتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببوا وبغیر الہ جارحۃ او وجد جریحاً فی مفعہ کتھم کذا فی الدر المختار۔ اور یہ تعریف اُس مجروح پر صادق نہیں آئی۔ پس امام صاحب نے اس فتوے میں سخت غلطی کی۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ۔ (حوادث خاص ص ۷)

**سوال (۷۰۲)** روضہ مقابر مشائخ پر بنا نادرست ہو یا نہیں۔ ۹ **حکم بناء علی القبر**

**الجواب** - فی تیسیر الوصول عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یدفن علیہ وان یکتب علیہ وان یقعد علیہ وان یوطأ اخرجه الخمسة ابو البخاری وفیه عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ رای نسطا

علی قبر عبد الرحمن فقال يا غلام انزعه فانها يبطله عمله اخرجه البخاری۔ و  
 في رد المحتار۔ واما البناء عليه فلما رخص اختيار جواز الی قوله وعن ابی حنيفة يكره  
 ان يبني عليه بناء من بيت اوقبة او نحو ذلك لما روى جابر بن عبد الله عن ابي عبد الله  
 انفا ۱۱۔ ان روایات حدیثیہ و فقہیہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے اس بناء کی کراہت  
 و ممانعت ثابت ہوگئی۔ فقط۔ یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۱۵۵)

**قسطی برنور** | سوال (۷۰۳) خام قبروں کو خفیف چرنے سے متعلق کر دینا کیسا ہے۔  
**الجواب**۔ اگر استحکام کے لئے ہو جائز ہے اور زینت کے لئے نہیں جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ ۶ / رمضان ۱۳۱۹ھ۔ (امداد ثانی ص ۱۸۵)

**ایصال ثواب عن فرض** | سوال (۷۰۴) کوئی غریب آدمی کہ اپنے مردہ کی فاتحہ کا کھانا اپنے  
 دواجب خود بمیت | ہی چھوٹے بچے کو کھلا کر ایصال ثواب کر دے تو جائز ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب**۔ اگر اُس بچے کا نان و نفقہ اُس کے ذمہ فرض و واجب نہیں تب تو اُس کو کھلا

کسی کو ثواب بخش دینا جائز ہے اور اگر فرض و واجب ہے تو اُس میں اختلاف ہے مکافئے  
 رد المحتار ص ۱۸۵ لا فرق بین الفرض والنفل ۱۱ و فی جامع الفتاویٰ و قیل لا یجوز  
 فی الغرائض ۱۱۔ ج ۱ ص ۹۳ اور میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ فرض کا ثواب کسی  
 کو نہ بخشے۔ ۳ / ربیع الاول ۱۳۳۳ھ۔ (تمتہ ثالث ص ۱۷۲)

**سوال (۷۰۵)** علامہ ابن کثیر نے زیر آیت ان لیس للانسان الا ما سعى ذکر کیا ہے کہ اس سے امام شافعی علیہ الرحمۃ اور ان کے متبعین نے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف کا ثواب  
 مردہ کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ خود میت کی سعی سے نہیں ہے اسی واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 اُس کی جانب کسی کو دعوت کی اور نہ صحابہ میں سے کسی سے یہ ایصال ثواب تلاوت قرآن منقول ہوا  
 گو علامہ ابن تیمیہ نے عموماً اس پر زور سے استدلال کیا ہے کہ میت کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہی نہیں  
 مگر اس جزئی خاص ہمارے ثواب تلاوت قرآن کو ذکر نہیں کیا اس کے متعلق تحریر فرمائیے کہ تلاوت قرآن  
 شریف کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ اس باب میں تین مذہب ہیں ایک معتزلہ کا کہ وہ کسی قسم کی عبادت کا ثواب  
 پہنچنے کے قائل ہیں اور عبادت بدنیہ کے منکر ہیں جس میں نماز روزہ و تلاوت سب داخل ہیں۔  
 تیسرا حنفیہ کا کہ وہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ کذا فی رد المحتار باب المختار۔

معتزلہ نے آیت مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے جس کا جواب قائلین بوصول ثواب  
العبادات المالیہ یعنی شافعیہ وغیرہم کے ذمہ بھی ہے۔ پس جب معتزلہ کے جواب میں انہوں نے  
آیت کو عام نہ رکھا تو پھر نفی وصول ثواب عبادت بذنیہ میں اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں  
پس استدلال کا ضعف اسی سے ظاہر ہے اب آیت کے معنی سمجھئے۔ درمنثور میں برزایت ابن جریر  
کے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا کسی نے اس کو ملامت کی اُس نے کہا میں  
عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا تو مجھ کو کچھ دے میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھوں گا چنانچہ  
کچھ دیا اُس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہیوں کے لکھ دی  
۱۷۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طے سے)  
نہیں لے سکتا (کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت گر  
اپنے سر رکھے گا) اور انسان کو (ایمان کے بارہ میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے  
کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا پس اگر اس ملامت گر کے پاس ایمان ہوتا بھی تب بھی اس شخص کے  
کام نہ آتا چھ جائیکہ وہاں بھی ندارد) الخ اس تفسیر پر جو کہ شان نزول سے چسپاں بھی ہو اضلال  
سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنا جو بظاہر آیت لا تذر اور لیس الا انسان کے معارض  
معلوم ہوتا ہے یہ تعارض دفع ہو گیا۔ اور اگر عموم الفاظ آیت سے شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس  
عموم میں یہ شرط ہے کہ مراد تکلم سے متجاوز نہ ہو جیسے لیس من البر الصیام فی السفر میں سب  
ائمہ کے نزدیک یہ قید ہو علاوہ اس کے اذاجاء اکا حتمال بطل اکا استدلال مسئلہ ۶  
یہ تو استدلال کا جواب ہوا اب مسئلہ کی دلیل سنئے۔ فی شرح الصدور عن ابن ابی  
شیبہ بروایۃ الحجاج بن دینار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من  
البر (ای بالوالدین) ان تصلی عنہما مع صلواتک وتصوم عنہما مع صیامک  
وایطم فیہ عن علیہما من مرقی المقابر قرا قل هو اللہ احد احد عشر مرۃ ثم ذهب  
اجرہ لا اموات اعطی من الاجر بعدد الاموات اخرجہ ابو محمد السمرقندی فی  
فضائل قل هو اللہ احد وفیہ عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الكتاب وقل هو اللہ احد والہما کما التکا ثم قرأ  
قال اللہم انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لا اهل المقابر من المؤمنین  
والمومنات کانوا شفعا لہ الی اللہ تعالیٰ اخرجہ ابوالقاسم بن علی الزنجانی

فی فوائد قال السیوطی وہی وان كانت ضعیفة فمجموعہا یدل علی ان  
لذلك اصلاً ویؤید بظاہرہ ما فی الجمع الفوائد عن الشیخین و  
ابی داؤد عن عائشة رضی عنہا من مات وعیلہ صوم صام عنہ ولیہ اھ  
واقرب محاملہ اھ اء ثواب الصوم الیہ وما وخر عن ابن عمر وقد  
سئل هل یصوم احد عن احد وهل یصلی احد عن احد فیقول  
لا رواہ مالک محمول علی عدم اجزاء القضاء عنہ وفي جمع الفوائد عن ابی  
داؤد عن صالح بن دسرہ قال لنا ابو ہریرۃ الی جنبکم قریۃ یقال لہا الایۃ  
قلنا نعم قال من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشاء رکعتین او اربع  
رکعات ویقول ہذا لابی ہریرۃ الحدیث - اخیر کی حدیث اس پر دال ہو کہ عبادت  
بدنیہ کا ثواب زندہ کو بھی پہنچتا ہے باوجودیکہ وہ خود عمل پر قادر ہے پس میت جو کہ عاجز ہے بدنیہ  
اولی اس کا مستحق ہے چنانچہ رد المحتار میں ابن القیم سے بعض علماء کا قول یہ بھی نقل کیا ہے -  
ہکذا اختلفت فی اھداء الثواب الی الحی فقیل یصح لا طلاق قول احمد  
یفعل الخیر ویجعل لابیہ وامہ اھ - روایات مذکورہ میں سے بعض میں  
تو تلاوت کی تصریح ہے اور جن میں تصریح نہیں وہ بھی اس طرح اس کی مثبت ہیں کہ عبادت  
بدنیہ میں اجماعاً مماثل ہے - واللہ اعلم - ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ص ۱۳۵)

زیارت قبور میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہو گا یا نہیں - بینوا توجسروا - ۹  
سوال (۶۰۶) زیارت قبور مستورات کو حرمین شریفین میں کیوں  
زناں را اجازت ہوئی حالانکہ لعن اللہ علی زائرات القبور دارد ہے کسی

صورت میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہو گا یا نہیں - بینوا توجسروا - ۹  
الجواب - عورتوں کے لئے زیارت قبور میں تین قول ہیں ایک منع مطلقاً لقولہ  
علیہ السلام لعن اللہ زورات القبور دوسرا جواز مطلقاً لقولہ علیہ السلام  
كنت نہیتمکم عن زیارة القبور فزوروا فانہا تزہد فی الدنیا وتذکر الاخرة -  
الحديث قالوا المانسخہ النہی بلغ المرخصۃ الرجال والنساء جمیعاً تیسرا قول  
تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے مدبرہ و بوجہ وغیرہ کرنا ہو تب تو حرام و ہو محمل  
قولہ علیہ السلام الاول اور اگر عبرت اور برکت کے لئے ہو تو بدھیوں کو جائز و ہو محمل قولہ  
علیہ السلام الثاني - اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا - لقول عائشہ رضی اللہ عنہا -

لوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رآی ما احدث النساء بعد لا لمنعن کما  
منعت نساء بنی اسرائیل۔ یہ تفصیل رد المحتار میں خیر ملی سے نقل کر کے کہا ہے وہ تو فقیہ  
حسن اہ اور اس حکم میں عربیات و عجیات سب برابر ہیں ہماری شریعت سب اسود و احمر کے لئے  
یکساں ہے۔ واللہ اعلم۔ (امداد ثانی ص ۱۳۶)

**سوال (۷۰۷)** مضمون اخبار جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز قرار دیا ہے  
اس سال خدمت ہے امید ہے کہ حضور بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرما دیں گے۔

**الجواب**۔ اس مضمون میں صرف ایک پہلو پر نظر کی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون  
نکلتے وقت اصول نظر سے غائب تھے اصل یہ ہے کہ قبیح کی ایک قسم قبیح غیر ہے اس مقام پر  
مضمون کا حاصل تو قبیح لعینہ کی نفی ہے مگر اس سے قبیح غیرہ کی نفی کیسے لازم آگئی اور جب قبیح  
غیرہ ہے تو جہاں غیر غالب الوقوع یہ ہے وہاں ممانعت کی جاوے گی اور ممانعت میں تفصیل  
ذکی جاوے گی اور یہی حاصل ہے فتویٰ ممانعت کا اور جہاں غالب الوقوع نہیں وہاں تفصیل کی  
گئی اور یہی حقیقت ہے آثار قیومی کی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

**خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے پہلی زیارت**  
قبور کی سب کو ممانعت تھی پھر سب کے لئے مسوخ ہو گئی اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اس  
کی تائید کی گئی ہے اور درمیان میں علماء پر طعن کیا ہے اسی طرح سوال میں عورتوں کے لئے ممانعت  
کے احتمال پر حکم شرعی میں ناگواری ظاہر کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ یا ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے  
تسلی کی یہ راہ بھی بند کر دی ہے اور عجیب صاحب نے اس گستاخی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور علماء  
پر حکم شرعی اجتہادی کے تحقیق کرنے میں طعن کیا گیا اللہ اکبر ایک شخص طاعت کرے اور مطعون  
ہو اور دوسرا شخص گناہ قریب بکفر کرے اور اس کو اس پر مطلع بھی کیا جاوے نہ تو یہ کی  
اُس کو تاکید کی جاوے۔ اناللہ۔ سوال ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۵۸)

**سوال (۷۰۸)** چونکہ زیارت قبور عورتوں کو منع ہے بدین وجہ اگر مستورات کو زیارت  
قبور خانہ کعبہ مدینہ طیبہ و دیگر اطراف سے منع کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ اور زیارت روضہ  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ازواج مطہرات و صحابہ کرام سے بھی لڑکا جاوے یا نہیں  
مشریح بیان فرمائیے۔

**الجواب**۔ زیارت قبور عورتوں کے لئے جبکہ احتمال خزع فرزع کا نہ ہو مثل حضور مساجد

وجامعات ہے ایک کی اجازت دوسر کی ممانعت بے معنی ہے۔ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ (تیسرے اولیٰ صلاۃ)  
تعزیت کفار | سوال (۷۰۹) چرمی فرامیند علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلمانان را تعزیت  
 اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصاً بہ نیت دوستی ایشان و طبع دنیاوی در مال ایشان مفصل  
 جواب در کار است۔ ۹

الجواب۔ اگر حق شرکت بلد یا محلہ پنداشتہ عبادت کند جائز است۔ فی الذم المختار  
 و جاز عبادۃ (الذمی) بکلا جماع و دوستی و طبع فی نفسہ مذموم است لہذا تخلص عبادت ازال  
 ضروری ست۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی صلاۃ)

کافر کے ولد نابالغ مرلوب | سوال (۷۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین  
 مسلم پر نماز جنازہ حکم | اس مسئلہ میں کہ ایک بے دین کے پیدا ہوا بچہ ماں کے مرنے کے بعد  
 اُس کے باپ نے پرورش کرنے سے عاجز ہو کر ایک شخص مسلمان مسمی احمد شاہ کے پاس آکر بولا  
 کہ میں بخوشی و رضا ایک ماہ کی پیدا ہوئی دختر کو واسطے پرورش اور اسلام کے لئے تم کو دیا اور  
 آج کی تاریخ سے مجھے کچھ واسطہ اور دعویٰ اس دختر پر نہیں۔ احمد شاہ کے گھر میں کوئی اولاد  
 موجود نہ تھی اس وجہ سے اس کا کہنا پسند آیا بخوشی و رضا دختر مذکورہ کو اپنے قبضہ اختیار میں  
 لے لیا اور کچھ زر و نقد دیکر اُس کے باپ کو رخصت کیا۔ بعد پرورش ایک سال کے احمد شاہ  
 نے مولوی بذل الرحمن صاحب کو بلا کر لڑکی کا نام عزیزہ بیگم رکھا پس احمد شاہ کے گھر میں کل  
 دو برس تین مہینے پرورش ہوئی۔ شان ایزدی احمد شاہ کے علاقہ میں دختر موصوفہ بیمار ہو کر بعد  
 چندے وفات ہوئی۔ اب اُس کی نماز جنازہ مطابق شرع شریف بڑھی جائیگی یا نہیں۔ ۹

الجواب۔ کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و مميز ہو مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا  
 جائے گا بلکہ تبعاً للدار الاسلامی یا تبعاً للاحدالابوین المسلم مسلمان کہا جائے گا صورت مسئوہ  
 میں نہ احدالابوین مسلم ہے نہ خود بچہ مميز ہے تو اُس کے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً للدار الاسلام  
 ہو سکتا ہے پس اگر ہندوستان دارالاسلام نہیں تو اُس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائے گا اور اگر دارالاسلام  
 ہے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا۔ اور اس میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کی نفع کی  
 رعایت کو ترجیح دی جاوے گی اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔ ۳ رمضان ۱۳۲۷ھ  
 (النور ص ۱۷۱ جلد اول شہ)

سوال (۷۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مفصلہ ذیل مسئلہ میں

جواب مدلل و محقق سے سرفراز فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

ایک مسلمان نے ایک بچہ مشرک والدین سے بغرض پرورش ہمیشہ کے لئے حاصل کیا عرصہ چند ماہ کے بعد بچہ مسلمان کے قبضہ میں فوت ہوا بوقت تدفین علماء میں تنازع ہوا ایک فریق نے بچہ پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ ہر ایک بچہ فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ اُس کو یہود و نصاریٰ و مجوسی بناتے ہیں۔ چونکہ بچہ کو غیر اسلام کی طرف جملنے والے والدین کا قبضہ منقطع ہو گیا بلکہ اسلام کی طہارت لایا جائے کہ قبضہ میں گیا اب مسلمان کے ہاتھ مڑوہ بچہ کو غیر اسلام طریقہ پر تدفین کرنا پرورش دینے کے استحقاق کو فراموش کرنا پڑتا ہے اور اس امر میں خدا وئے عالمگیری کی ایک روایت تائید کرتی ہے کہ دارالحرب میں اگر کوئی بچہ لشکر اسلام میں آجائے اور مسلمان کے ہاتھ پر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ بچہ مسلمان کے قبضہ میں تھا۔ علاوہ ازیں مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء کے جواب میں اس طرح فرماتے ہیں کہ مقتضای احتیاط اس مسئلہ میں یہی ہے کہ اس بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور استدلال فریق اول کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور فریق ثانی کا قول ہے کہ نماز جانہ کے لئے اسلام شرط ہے اور بچہ مردہ کا اسلام معتبر نہیں۔ اور حدیث ہر ایک مولود فطرت اسلام پر ہوتا ہے احکام دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے ہے اور اس امر کو بحر الرائق درمختار وغیرہ سے ثابت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا امور میں تحقیق فرما کر جواب سرفراز فرمادیں تاکہ ہم نالائقوں کو ہدایت ہو اور جو تشویش پیش ہو رفع ہو کر اطمینان کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے آمین ثم آمین۔ والسلام۔

**الجواب۔** متبع روایات کی تو نہ فرصت نہ ہمت باقی احکام قواعد سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کرتا ہوں۔ (نمبر ۱) عالمگیریہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں وَالصَّبِيُّ اِذَا وَقَعَ فِي يَدِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْجُنْدِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَحْدًا وَمَاتَ هُنَاكَ صَلَّى عَلَيْهِ تَبَعًا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُكْمِ (نمبر ۲) احکام باب میں تصریح ہے کہ اصل تبعیت میں والدین ہیں چنانچہ ابوین کے ساتھ اگر صبی اسیر ہو کر دارالاسلام میں بھی آجائے تب بھی وہ تبعاً غیر مسلم ہے لکافی الدال المختار و صبی سبھی مع احد ابوہ۔ لا یصلی علیہ لانه تبع لہ ای فی احکام الدنیا لا العقبی ۱۱۔ (نمبر ۳) اگر ابوین کی میت منقطع ہو جاوے تب صاحب ید کی تبعیت کا حکم کیا جاوے گا۔ (نمبر ۴) اور اس ید کی قوت اُس وقت ظاہر ہوگی جب یہ ید غلبہ کا ہو۔ (نمبر ۵) اور مورت مسئلہ میں اس مسلم کا ید غلبہ نہیں اسلئے عالمگیریہ کی روایت میں یہ داخل نہیں۔ من الجند

کا لفظ بھی اس کا قرینہ ہے (نمبر ۷) یہ تغلب نہ ہونا ظاہر ہے کہ والدین کی رضا سے یہ یہ حاصل ہوتا ہے تو یہ نائب ہے یا ابوبن کا۔ (نمبر ۷) پس اس حالت میں یہ ابوبن منقطع نہیں ہوا اس لئے صاحب یہ کے تمجید کا ظہور نہ ہوگا۔ (نمبر ۸) اس بناء پر وحدہ کی قید بھی متحقق نہ ہوگی پس وہ صبی اور اس کے ابوبن سب میں صحیح ہے۔ (نمبر ۹) اور ابوبن کی تمجید حالت اسرار حرازتی دارالاسلام میں بھی قاطع نسبت الی ابوبن نہیں ہوتی (کافی نمبر ۲ ایضاً) (نمبر ۱۰) اس مجموعہ کا مقتضایہ ہے کہ اس پر نماز پڑھے البتہ صبی اگر ایسا سمجھ دار ہو کہ خود اسلام کو قبول کرے تب وہ مسلم ہے (نمبر ۱۱) البتہ اگر کسی مفتی کو یہ میں تغلب کی قید کے متعلق شرح صدر نہ ہو بلکہ دونوں احتمال ہوں وہ صلوٰۃ احتیاطاً کا فتویٰ دیکھتے ہیں۔ (نمبر ۱۲) اور حدیث کا تو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہے نہیں ورنہ ہر صبی پر بشرط قدرت نماز مشروع ہوتی اور احکام فقہیہ باطل ہوتے پس حدیث کا وہ محل ہے جو نمبر ۲ میں مذکور ہے یعنی صلوٰۃ احکام دنیویہ سے ہے اور حدیث کا مدلول احکام عقوبی سے۔ والٹر اعلم۔ ۹ رذی حجۃ ۱۳۵۷ (انور شوال ۱۳۵۷) حکم تعیین ایصال ثواب در رمضان بوجہ تضاعف

سوال (۱۲) رمضان المبارک میں ہمیشہ اضاعت ثواب کی غرض سے اگر رمضان بوجہ تضاعف ایصال ثواب ہونے کی غرض سے مساکین کو کھانا وغیرہ دیا جائے تو تعینات میں تو داخل نہ ہوگا۔ ۹

**الجواب۔** عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجد الناس بالخیر وکان اجد ما یكون فی رمضان الحدیث متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ باب الاختکاف وعن سلیمان قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ من تقرب فیہ بنخلة من الخیر کان لمن ادى فريضة فيما سواہ ومن ادى فريضة فیہ کان لمن ادى سبعین فريضة فيما سواہ وفیہ وشهر المواساة وفیہ ومن اشبع صائمًا سقاہ اللہ من حوضی وعن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل شهر رمضان اطلق کل اسیر واعطی کل سائل رواہما البیهقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ آخر کتاب الصوم۔ چونکہ مشاہدات تعینات کا اعتقاد تضاعف ثواب ہوا ہے تضاعف خود ان روایات میں منصوص ہے اس لئے یہ ان تعینات کے مشابہ نہیں ہیں جن کا منشاء محض رسم اور رائے ہے پس یہ عمل بلا کراہت جائز و مطلوب ہے۔ والٹر اعلم ۱۳ شعبان ۱۳۵۷ (تمہ ۵۹ ص ۸۹)

سوال (۱۳) قبر پر دوسری مٹی ڈالنا چھ مہینے کے بعد یا برس



کے بعد جب قبر بیٹھ جاوے تو اس پر مٹی دوسری جگہ سے کھود کر ڈالنا جائز ہے یا نہ ؟

**الجواب** - جائز ہے بشرطیکہ کسی معین تالیف یا معین مہینہ میں نہ ہو فی رد المحتار عن السراجیۃ  
کما نقلہ الرحمۃ ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطیبین القبور مکروہ والختار انہ لا  
یسکرہ اھو وورد فی کراہۃ تقبیل المطلق نصوص مشہورۃ - ۱۰۰ سوال ۴۹ھ  
(النور ص ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ)

میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں | سوال (۷۱۴) میت کے ہاتھ سینہ پر رکھنا چاہئے یا دونوں  
بغل میں - ؟ **الجواب** - سینہ پر نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں میں - فی الدرا المختار و یوضع یداکہ  
فی جانبدہ کا علی صدر کا نہ من عمل الکفار - ۱۹ سوال المکرم ۴۹ھ -  
(النور ص ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ)

قبرستان میں جو درخت لگائے | سوال (۷۱۵) کیا فائدے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس  
جائیں وہ بھی وقت ہوں گے مسئلہ میں کہ ایک قبرستان مسلمانوں کا بہت پرانا ہے جس میں کچھ اراضی  
میں قبریں خلم و پختہ بن چکی تھیں اور کچھ اراضی خالی رہ گئی تھی اور اب عرصہ تیس چالیس برس سے وہ  
قبرستان بحکم سرکار بند کر دیا گیا ہے مگر اُس کی حفاظت وغیرہ زیر نگرانی انجمن اسلامیہ لکھنؤ پور ضلع کھیری ہو  
قبرستان مذکور میں متفرق جگہوں میں آٹھ قبریں پختہ موجود ہیں اور بقید اراضی افتادہ و اراضی جس میں خلم  
قبریں تھیں یکسر ہو کر مشن خیر اراضی کے ہو گئی ہیں جس میں گھاس پیدا ہوتی ہے اور اس کا نیلام ہو کر زائد نیلام  
انجمن میں داخل ہوتا ہے اور اراضی خیر میں جو قبریں تھیں اُن کا اب کسی طرح سے نام و نشان نہیں باقی  
رہا ہے موجود معر لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پر قبریں تھیں - ایک صاحب قبرستان مذکور میں  
درختان نصب کرنا چاہتے ہیں جنکی درخواست کی نقل بجنسہ شامل استفتاء ہذا کی جاتی ہے اور دو جان صاحب  
کے اس خیال کی یہ ہے کہ اُس میں ایک بزرگ کا مزار ہے جو ان کے اُستاد بھی ہیں اس لئے اس طریق  
سے اُس کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں اعلان و رخصتوں کی گری پڑی لکڑی اور پھل سے خود مستفید ہوں  
گے مگر حق انتقال نہ ہوگا جیسا درخواست کی ملا میں تصریح ہے - نیز درخواست کنندہ اس زمین کا  
کچھ کرایہ دینے پر آمادہ ہیں جس کو ملا و ملا میں بعنوان لگان و نذرانہ لکھا ہے - لہذا بموجب شرع  
شریف اس قبرستان کا حسب درخواست منسلک ٹھیکہ نگرانی وغیرہ دینے میں کوئی امر مانع تو نہیں ہے  
اور ضلع ہو کہ جب یہ ضلع لکھنؤ پور قائم ہوا تھا اُس وقت مسلمانوں نے کچھ اراضی قبرستان کے لئے حکام  
۵ اس نیلام کا حکم بھی قابل تحقیق ہے ۱۲ اشرف

وقت سے مانگ لی تھی اور ایک انجمن اسلامیہ بھی جب ہی سے قائم کرنی تھی اور جملہ ساجد و عید گاہ و قبرستان کا انتظام بھی اس انجمن کی سپردگی میں ہو گیا۔ ؟

**نقل درخواست مذکورہ سوال بالا**

بخدمت جناب صدر انجمن صاحب انجمن اسلامیہ کیمپ پور

جناب صدر انجمن صاحب السلام علیکم۔ کبیری جلتے ہوئے ایک قدیم قبرستان ہے جو دیران و ناگفتہ بہ حالت میں ہے میں چاہتا ہوں کہ اراضی قبرستان مذکور کو لگان سالانہ یا جو ممبران انجمن تجویز فرمائیں مجھ کو بغرض لگانے باغ دے دی جائے۔

(۱) قبرستان کی پیمائش ذریعہ ماہران فن کر اگر ہر چار جانب دیوار پختہ چھتری دار بنوا دوں گا اور وہ دیوار ملکیت موقوفہ منظور ہوگی۔ (۲) بظاہر دو قبریں اودا ایک مزار مولانا ممتاز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اُن کی احتیاط و تعظیم و تکریم کر دوں گا اور مزار مذکور کے گرد پھول وغیرہ لگائے جائیں گے۔ (۳) اراضی مذکور کو کھدوا کر تھانوں کے بنوائے جائیں گے بل استعمال نہیں ہوگا اور دوران کھدوائی میں جو قبر برآمد ہوگی اُس کا نشان و احترام قائم رکھا جائے گا۔ (۴) درختان منصوبہ بھی موقوفہ منظور ہوں گے مگر گری پڑی لکڑی و اٹھارے لینے کا مجھ کو اختیار ہوگا انجمن کو اور مجھ کو اور میرے ورثہ کو اختیار کسی قسم کے انتقال کا حاصل نہ ہوگا۔ (۵) انجمن تحریری اجازت تعمیر دیوار و نصب درختان سائل کو بحیثیت متولی قبرستان مذکور ادا سے نذرانہ سالانہ پر عطا فرمائے جس کو ممبران حالت موجودہ میں مناسب تصور فرما کر تجویز فرمائیں وہ سالانہ یا ششماہی وار ادا ہوتا رہے گا۔ (۶) اور جو مزید شرائط مناسب نسبت تحفظ قبرستان انجمن تجویز فرمائے اُس کی پابندی مجھ پر اور میری وارثان و قائم مقامان پر واجب التعمیل ہوگی۔

**الجواب۔** فی العالمگیریۃ فی فصل الا لفاظ التي يتحرها الوقف ولو قال جعلت حجرتي هذا لدھن سراج المسجد و لھریذ علی ذلک قال الفقیر ابو جعفر یصیر الحجۃ و قفا علی المسجد اذ اسلمھا الی المتولی و علیہ الفتویٰ کذا فی فتاویٰ قاضی خان اسی طرح جب حکام نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اس اراضی کو قبرستان کیلئے تجویز کر دیا تو یہ بھی قبرستان کے لئے وقف ہو گئی اور چونکہ درختوں کا اتصال ارض سے اتصال قرار ہے وہ درخت بحکم عمارت ہوں گے مکافی السہدایۃ کتاب البیوع و من باع ارضاً دخل ما فیھا من النخل و الشجر وان لم یسمہ لانه متصل به للقرار فاشبه البناء

اور وقف زمین میں عمارت بنانے کا حکم یہ ہے کہ وہ مثل اصل ارض کے مصرفاً و شرطاً وقف ہوئی ہے تو یہ درخت بھی اسی طرح وقف ہوں گے اور اس زمین سے انتفاع کا کسی خاص شخص کو حق حاصل نہیں اسی طرح ان درختوں کی لکڑی یا پھل سے کسی خاص شخص کو انتفاع کا حق نہیں پس شرط ملا کے ساتھ یہ زمین کسی کو دینا جائز نہیں اور جو کرایہ درخواست کے علاوہ میں مذکور ہو ظاہر ہے کہ یہ درختوں کی بقاء تک کا معاملہ ہے اور وقف زمین کا تین سال سے زائد کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں نیز یہ زمین ہمیشہ کے لئے متولی کے قبضہ سے نکل کر کرایہ دار کے قبضہ میں جاتی ہے جو احکام وقف کے خلاف ہے یہ قواعد سے حکم ہے علاوہ اس کے نظر بر مصالح شرط ملا کا نتیجہ ایک مدت کے بعد یہ ہوگا کہ یہ زمین بھی ناصب کی ملک سمجھی جائے گی جس میں وقف کی مفرت عظیمہ ہے لہذا ایسی اجازت دینا درست نہیں۔ ۳/ مصرف ۳۵۰۔ (النور ص ۹ شعبان ۱۳۵۰ھ)

**سوال (۵۱۶)** تحقیق حمل جنازہ بر سواری  
تحقیق حمل جنازہ بر سواری  
فی صراقی الفلاح و نیکوۃ حملہ علی ظہر و دابة بلا عذر و قال الطحطاوی اما اذا کان عذراً بان کان السجل بعید الیشق حمل الرجال له اولو لیکن الحاصل الا واحد الفحملہ علی ظہر فلا کراہۃ اذن ص ۳۵۲ حاصل روایت یہ ہے کہ عذرت اس کی اجازت ہے مثلاً گورستان دور ہے کہ کندھوں پر لیجا نا شاق ہے اور اس کا مقتضایہ ہے کہ جتنی دفعہ شاق نہ ہو کندھوں پر لیجا دیں جب شاق ہونے لگے مرکب پر رکھ دیں۔

۲۲ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص ۱ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

**سوال (۵۱۷)** اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارہ میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ماسلطت الارض علی اجساد الانبیاء او حکما قال۔ لیکن آپ کے وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اُس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے اخبر ہمز ہو گئے تھے۔ ایک یہ ہے کہ انشاء حضرت سے آپ کی وفات معلوم ہوئی ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے حتیٰ رہا تمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتیٰ رہا بطرہ اور اسی تغیر سے حضرت جسدین نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمھارے نبی کی وفات ہو گئی پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ ان رسول اللہ یا سن کما یا سن البشر۔ میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کے لئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ دفن ہو جانے دیں اور معراج ردی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و

مصون ہے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء کاغیرتھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی۔ جب نہر کے لئے قبور کھودی گئیں تو روایت جابر بن عبد اللہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں پھر انہیں کندھوں پر لاد لاد کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں پھاؤ لگ گیا تو خون نکل آیا حالانکہ یہ واقعہ کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء کے اجساد بدرجہ اولیٰ محفوظ ہوں گے کیونکہ ان کے لئے تو وعدہ بھی ہے۔

**الجواب۔** فی التفسیر المظہری۔ اخرج الحاکم و ابوداؤد عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد اكا نبياء و اخرج ابن ماجه عن ابى الدرداء نحوه۔ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں اور جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثرات ارض کی نہیں اس لئے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں ایسے تغیرات احوال میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں اور حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لئے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں باقی شہداء کے لئے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں فی التفسیر المظہری بروایۃ الطبرانی۔ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤمن المحتسب كالشهيد المتشخط في دمه اذ اقامات له يد ود في قبره و اخرج ابن منداه عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ اقامات حامل القرآن وحى الله تعالى الى الارض ان لا تاكل لحمه فتقول لا يا رب كيف اكل لحمه وكلامك في خوف۔ قال ابن منداه وفي الباب عن ابى هريره و ابن مسعود و اخرج المروزي عن قتاده قال بلغني ان الارض لا تسلط على جسد الذي لم يعمل خطيئة۔ اور مجھ کو ان روایات کی صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لئے قبول کرنا ضروری ہو اور صاحب روح المعانی کا یہ قول وما يحسكي من مشاهدات بعض الشهداء الذين

قتلوا منذ مات سنين وانهم الى اليوم تشخب جرحهم دماً اذا رفعت العضة  
فذلك مما رواه هيان بن بيان وما هو الا حديث خرافه - وكلامه يشهد على  
مصدق فيه فقد بع السخاۃ اه - واجب الروي يكونه مخالفاً للمشاهدة المتواترة  
فمنها ما في المظهرى اخرج مالك عن عبد الرحمن بن صعصعة انه بلغه  
ان عمر بن الجموح وعبد الله بن جبیر الا نصارى كان قد حفر السيل قبلاً  
الى قوله فوجد العر يتغيرا كانهما ما تابلا مس وكان بين احد ودين حفر  
عنهما ستة واربعين سنة واخرج البيهقي ان معاوية لما اراد ان يجرى  
كظامة نادى من كان له قتيل باحد فليشهد فخرج الناس الى قتلاهم  
فوجدوه حمر طابا ينشون فاصابت المسحاة رجل رجل منهم فانبعث  
دما واخرج ابن ابى شيبه نحوه واخرج البيهقي عن جابر وفيه فاصبت  
المسحاة قدم حمرة فانبعث دما اخذ - اورا اگر کوئی واقف اس کے خلاف پایا جاوے  
اس کا جواب بیان القرآن کے متن وحاشیہ وموائد العوائد میں مذکور ہے - الحاشیہ علی قوله -  
اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی محبت نہیں اہ - اور اس  
احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہو گئی - فی اصحاب السیر ملوکاً ناعداً الشرف  
القادری - طبقات ابن سعد رحمہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی  
موجود نہ تھا - اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس  
کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے وفات رسول اللہ کے متعلق اور  
اُہبات المؤمنین کے متعلق بعضی ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں جن کا اسلام فی تصنیفات میں  
بوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا - ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیلئے مگر ان ہجرات  
کو کسی نے نہیں لکھا میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لئے کہ طبقات  
ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ یہ پوری  
کتاب ہمیں یورپ کے واسطے سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں  
جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے - حدیث - سیرت اور تفسیر کی ادو کتابیں  
بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان پر اعتماد ہے ان  
میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جائے -

تلا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھے ہیں۔ قلت ومن القواعد الكلية ان نقل الاحادیث النبویة والمسائل الفقهیة والتفاسیر القرآنیة لا يجوز الا من الکتب المتأولة لعدم الاعتماد علی غیرها من وضع الزنادقة والحق الملاحدة بخلاف الکتب المحفوظة فان نسخها یكون صحیححة متعددة - یہ قاعدہ ان کتابوں کے لئے سہی ہے جس کا اتفاقہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جائے گردہ کتاب متداول نہ ہو تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔ النور ۹

### ضمیمہ از مولانا محمد اسحق ضابر دوانی دام - مفضہم

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد تسلیمات کے عرض ہے۔ خدا حضور کو بعافیت رکے خیریت سے مطمئن فرمادیں (النور) بابت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ص ۹ میں تغیر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسمعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسمعیل اور وکیع گوڑے پائے کے ہیں اور اسمعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے اس کا پتہ نہیں اور کہتے راوی مخدوف ہیں اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صد ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعافیت محض بے اصل اور غلط ہے فی نسیم الریاض منذ ۳۹ ج ۱) شرح شفاء القاضی عیاض لشہاب الخفاجی۔ وقد حرم اللہ جسدہ علی الارض واجاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد رايت فی بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتقلت روحہ للملا الا علی تغیر بد نہ۔ وروی ان وکیع بن الجراح حدث عن اسمعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما توفي لم یجد فن حتی ربا بطنہ۔ وانثنی خنصرہ واخضرت اظفارہ لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توفي یوم الاثنين وتركہ لیلۃ الاربعاء لا شغاله یوم الخلافة۔ و اصلاح امر الامۃ۔ وحکمتہ ان جماعۃ من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالوا العزمیت فاذا زاد اللہ ان یریمہ ایتۃ الموت فیہ۔ ولما حدث وکیع بهذا بمکہ رفع الی المحاکم العثمانی فاذا دصلبہ علی خشبہ لضمیمہ الخواجه الحرم فشفع فیہ

سفیان بن عیینہ واطلقہ شمرند مر علی ذلک شرذہب وکیع المدینۃ فکفتمہما لہما کمر  
لاہلہما اذ اقدم الیکم فارجموہ حتی یقتل فابردلہ بعض الناس برید الخبرۃ  
بذلک فرجع للکوفۃ خیفۃ من القتل۔ وکان المفتی لقتلہ عبد المجید بن  
ابی ارداد وقال سفیان لا یجب علیہ القتل وانکرہذا الناس وقالوا  
رأینا بعض الشہداء نقل من قبرہ بعد اربعین سنۃ فوجد رطباً لم  
یتغیر فیہ شیء فکیف بسید الشہداء واکا نبیاء علیہ وعلیمہم الصلوۃ  
والسلام۔ وھذا زلۃ قبیحہ لا ینبغی التحدث بہا اھ۔ ونیز ہمار شنبہ کی شب  
تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے۔ فی الطبقات لابن سعد ص ۳۳۔ وتوفی  
صلوات اللہ علیہ یوم الاثنين ربحین زاعت الشمس متلج ۲۔ ودفن یوم الثلاثاء  
حين زاعت الشمس اھ۔ جو میں گفٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔ فکیف  
بسید المرسلین۔ اس عرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرمادیں تو ضمیمہ جو اب  
فرما کر شائع کرنے کا حکم فرمادیں۔ انور میں اس مضمون کو دیکھ کر سخت ہیچ و تاب میں تھا اور اس  
مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا اگر بعد تفحص ملتا نہ تھا کل بنام خدا دیکھا تو فوراً نکل آیا۔ المجاہد  
علیٰ ھذا بقیۃ۔ زیادہ مداد اب۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ (انور ص ۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)

### ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی

عجبت ذیل سیرۃ ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع پر دوسرے من رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلمہ شی ہما یدی من المیتۃ اب اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہوگی پھر طحا  
استناد بھی سیرۃ ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ یہ کتاب خاص سیرۃ  
نبویہ پر تحقیق کر کے لکھی گئی ہے طبقات تو دراصل صحابہ و تابعین کی تاریخ ہے سوانح نبویہ محض ضمناً  
آگئے ہیں پھر اسی سیرۃ ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی عنہ غسل دیتے جاتے تھے اذیہ الفاظ  
کہتے جاتے تھے و علی یقول بابی انت ذامی ما اطیب باک حیاء و میتا۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک  
اور روایت خود صحابہ میں مل گئی۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں  
ہے عن علی ابن ابی طالب قال لما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذهب یلقس منہ  
ما یلقس من المیت فلہر یجد لا فقال بابی الطیب طبت حیاء و طبت میتا۔ اب

تو طبقات کی اس غور وایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہو جاتی ہے مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیرہ النور میں درج فرمایا جاوے۔ والسلام (النوم ۹ محرم ۱۳۵۷ھ)

جمائز پشت نہ کردن بسوئے مقابرد بعض احوال | سوال (۵۱۸) بندہ نے حضور سے دریافت کیا تھا کہ عوام لوگ مقابر سے نکلتے ہوئے ادبائست نہیں کرتے ہیں آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ ادب طبعی ہے یا اود بھی کوئی عقیدہ ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ صرف ادب طبعی ہے اور کوئی عقیدہ نہیں۔ بینوا تو جردا۔ ۹

الجواب۔ اس حالت میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ایسے عوام کے سامنے نہ ہوں جن کے تجاود عن الحدود کا احتمال ہو۔ والسلام۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۱)

تفصیل قبرہ نیت حفظ | سوال (۵۱۹) یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک قبر ہے جس کو یہاں کے ہندو اور از اہانت کھنار مسلمان فتح پیر کا مزار کہتے ہیں اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سابق رئیس کے وقت شاید کسی نے اودھر غیر ذبیحہ کی ہڈی یا اودر کوئی ناپاک چیز پھینک دی تو رات کو رئیس کو (جو ہندو راجپوت ہیں) خواب میں صاحب قبر نے تنبیہ کی جس پر رئیس نے قبر کی چار دیواری بنوا دی مگر چونکہ اوپر سائبان یا چھت نہیں ہے اور قبر کے اوپر ہی محل بنا ہوا ہے جس میں سے کوٹا کرکٹ یا مردار گوشت کی ہڈیاں یا شراب کے چھنیٹے پڑنے کا احتمال ہے ریا سمیت ہذا اس وقت زیر اہتمام کوٹ آف وارڈس ہے خرچ کے بجٹ میں چھ روپے سالانہ چراغی کے نام سے اود تین روپے فقیر کو اسی خدمت کے دیئے جانے درج ہو گئے مگر میں نے مندرجہ بالا بے ادبی کے بچاؤ کے لئے اوپر سائبان کرا دینے کے واسطے یہ رقم تین برس کی بچا کر رکھی ہے اب خیال آیا کہ نہ معلوم ایسا کرنے میں کوئی وبال شرعی تو نہیں ہے اس لئے عرض ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرعی ہوا رشا فرمایا جاوے اگر حفاظت کے لئے سائبان جست کی چادروں کا یا اودر کسی قسم کا کر دینا جائز ہو جب تو یہ بنوایا جاوے اور آئندہ سالوں میں رقم چراغ بتی اور حق الخدمت فقیر میں صرف ہوتی رہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو جو رقم تین سال کی جمع ہے اُس کو واپس دیا ست میں جمع کرایا جاوے یا کہاں خرچ کی جاوے واپس جمع کرانے میں احتمال غالب ہے کہ آئندہ بجٹ میں ایسی رقم منظور ہوگی کیونکہ جب پہلی ہی خرچ میں نہیں آئی تو پھر منظوری نہ ملے گی۔ بہر حال جیسا کہ حکم شرعی ہو عمل درآمد کیا جاوے تاکہ مجھ پر کوئی مواخذہ نہ رہے۔ ۹

الجواب۔ خصوصیت موقع سے آپ کی تجویز مناسب ہے جس نیت سے گناہ نہ ہوگا بلکہ مصلحت حفاظت قبر من الاہانت کے سبب جرح ہے۔ ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۱)



تحقیق کراہت نماز سوال (۷۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین رحمہم اللہ  
جنازہ در مسجد تعالیٰ امداد ذیل میں :-

(۱) نماز جنازہ ایسی صورت میں کہ جنازہ اور امام و مقتدی سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیسی ہے؟

**الجواب** - کردہ -

(۲) اگر جنازہ اور امام مع چند مقتدیوں کے مسجد سے خارج ہے اور باقی لوگ مسجد میں ہیں تو یہی

صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** - کردہ علی الاربع کما فی الشامی مگر صرف اُن ہی کی جو مسجد میں ہیں -

(تتمہ ۲) اگر جائز نہیں ہے کردہ ہے تو یہ کراہت کیسی ہے - تنزیہی یا تحریمی؟

**الجواب** - اختلاف ہے -

(۳) جن احادیث سے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد کردہ ثابت ہوئی ہے اُن کے ردّۃ کی سند

کیسی ہے کیا اُس میں کسی نے جرح کی ہے یا نہیں؟

**الجواب** - آثار السنن میں اُس کی اسناد کو حسن کہا ہے اور علماء السنن میں زیادہ تفصیل

ہے مگر اُس کا مسودہ چھپنے گیا ہے ورنہ اُس سے بھی نقل کیا جاتا اور جرح جس کا جواب دیدیا گیا ہو مضر

نہیں اور جواز کی حدیث فعلی ہے اور عدم جواز کی قولی اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے -

(۴) سہیل ابن بیضاؤ رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز جو مسجد میں ہوئی ہے وہ کس عذر سے تھی؟

**الجواب** - مختلف عذر نقل کئے گئے ہیں لیکن مطلق عذر یقینی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایسی

درخواست پر صحابہ نے نیکر فرمایا اور اس حدیث کو اُن سے منکر بھی رجوع نہیں کیا (مداء مسلم)

(۵) صلوٰۃ جنازہ فی المسجد میں دیگر امامہ کا کیا مسلک ہے؟

**الجواب** - نووی نے شرح مسلم میں شافعی اور احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب جواز

کا لکھا ہے اور امام صاحب اور خود امام مالک کا عدم جواز کا -

(۶) مقابر و شارع عام میں صلوٰۃ جنازہ کیسی ہے؟

**الجواب** - شارع عام میں اگر تنگی ہوتی ہو کردہ ہے اور مقابر میں غیر صلوٰۃ جنازہ تو کردہ

ہے اور صلوٰۃ جنازہ کے کراہت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں جب میت کا سامنے ہونا گوارا کر لیا

تو قبر میں کیا حرج ہے - پھر بعض حالات میں خود صلوٰۃ علی القبر بھی مشروع ہے -

(تتمہ ۶) اگر مجمع کثیر ہو اور کوئی جگہ سوائے مسجد کے ایسی نہیں کہ جہاں پر یہ مجمع سما جائے تو ایسی

صورت میں اگر جنازہ اور امام چند مقتدیوں کے ساتھ مسجد سے خارج ہو اور سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیا یہ صورت اعذار میں شمار ہو سکتی ہے یا نہیں فقہاء و مجہم اللہ نے ایسی صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب** - گنجائش نہ ہونا عذر ہے مگر میت کے مسجد میں ہونے سے مصلین کا مسجد میں نہ ہونا ہرگز (۷) چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ایسی صورت میں جبکہ مجمع زیادہ ہو اور سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ اتنی وسیع نہ ہو کہ جس میں مجمع آجائے تو کیا اس مجمع میں سے چند آدمی صلوٰۃ جنازہ کے لئے منتخب کر لئے جاویں اور باقی کو روک دیا جاوے یہ فعل کیسا ہے جائز ہے یا نہیں۔ ۹

**الجواب** - یہ فعل بے اصل ہے۔

(۸) آجکل مسجد حرام میں صلوٰۃ جنازہ کس جگہ ہوتی ہے۔ ۹

**الجواب** - مجھ کو معلوم نہیں لیکن اگر دریاں مسجد میں پڑھتے بھی ہوں تو اصل فعل یہ دوسرے مذہب والوں کا ہے اور ممکن ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب اخلاف بھی شریک ہو جاتے ہوں تو اس فعل سے تسک نہیں ہو سکتا۔ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ) تحقیق آمدن اربعاء

**سوال** (۷۲۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۹ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی رُوحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے

اور اس کے خلاف نور الصلۃ ص ۱۶ پر روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی رُوحیں اپنے اپنے مکانات کے مقابل کھڑی ہو کر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دوا دہر رُوح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے رُوحیت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے۔ ۹

**الجواب** - اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے۔ دوسرے بر تقدیر ثبوت متعبد ہے، اذن کیساتھ اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے۔ پس دونوں میں تعارض نہیں۔

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ - (النور ص ۹ ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ)

**سوال** (۷۲۲) حضرت والا کیا فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق جو حسب ذیل موجود ہے لا تَلَمُّوا مَوْتَاکُمْ بِاللَّیْلِ اِلَّا اَنْ تَضْطَرُّوا - حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز صفحہ ۱۱۰ باب ما جازنی الاوقات التي لا یصلیٰ فیہا علی المیت ولا یدفن - اس حدیث کی رو سے میت کو رات میں قتل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں کسی مقام پر بھی رات میں میت کو

نہ دفن نارائج نہیں اور نہ کسی علمائے کرام سے سنا گیا۔ کیا اس حدیث کو عمل میں لایا جائے یا نہیں۔ اور فتاویٰ عالمگیری کی غالباً یہ عبارت ہے۔ لا باس بہ۔ ۹۔ ۲۰ فرجیہ ۱۳۵۲ھ۔

**الجواب۔** الحدیث المذکور فی السؤال ضعیف بابراہیم بن یزید نعم روی مسلم عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوماً فذکر رجلاً من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلاً فوجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ کفن احدکم اخاه فمحسن کفنه قال النووی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یصلی علیہ هو یفعل الامر واما النہی عن القبر لیلاً حتی یصلی علیہ فقیل سبب ان الدفن نہاراً بحضور کثیر من الناس ویصلون علیہ ولا یحضر فی اللیل الا افراد۔ وقیل لانہم کانوا یفعلون ذلک باللیل لراۃ الکفن فلا یمین باللیل ویویدہ اول الحدیث واخرہ قال القاضی العلتان صحیحان قال واطاہر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصد ہما معاً قال وقد قیل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یضطر انسان الی ذلک دلیل انہ لا باس فی وقت الضرورۃ وقد اختلف العلماء فی الدفن باللیل فکرہ الحسن البصری کلا بضرورۃ وهذا الحدیث مما یتدل بہ قال جماہیر العلماء من السلف والخلف کلا یکرہ واستدلوا بان ابا بکر الصدیق رضی وجماۃ من السلف دفنوا لیلاً من غیر انکار ووجدت المرأة السوداء والرجل الذی یقعہ المسجد فتوفی باللیل فد فثوہ لیلاً وسألہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ فقالوا توفی لیلاً فد فثاہ فی اللیل فقال کلا اذ تمونی قالوا کانت ظلمۃ ولم ینکر علیہم و اجاب عن هذا الحدیث ان النہی لمن ترک الصلوۃ ولم ینہ عن مجرد الدفن باللیل وانما نہی لمن ترک الصلوۃ اول قلة المصلین او عن اساءۃ الکفن او عن الجھل کما سبق اھ و قال المحشی قولہ حتی یصلی علیہ الخ قال الامام النووی یصلی هو یفعل الامر وقال الشیخ ابن حجر فی شرح صحیح البخاری قولہ یصلی علیہ هو مضبوط بکسر الامر ای یصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فہذا سبب اخر للنہی غیر سبب عدم تحسین الکفن یقتضی انہ ان رجی بتاخیر المیت الی الصباح صلواتہ من ترجی بركتہ علیہ استحب تاخیرہ والا فلا وبہ

جزمہ الطحاوی اہ قلمت و قد دفن (مبنيًا للفاعل) النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل كما فی جمع الغواثد عن الترمذی انہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبر الیل فاسرج له سراج فاخذہ من قبل القبلة معترضاً وقال رحمک اللہ ان کنت لا وھا تلاً للقرآن فکبر علیہ اربعاً وایضاً قد دفن (مبنيًا للمفعول) النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل كما فی جمع الغواثد عن القزوينی انہ دفن صلی اللہ علیہ وسلم وسط اللیل من لیلۃ الاربعاء الحدیث وکان کل ذلک دلیلاً فعلیاً علی الحج اذ الدلیل القوی علیہ بل علی کراہتہ انتظار النہار بلا ضرر وکما فی جمع الغواثد عن ابی داؤد ان طلحة بن البراء لما مرض اتاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعوی کہ فقال لا اراہ الا قد حدث بہ الموت فاذا نونی بہ وعلجوا فانہ لا ینبغی لکیفۃ مسلح ان تحبس بین ظہیرانی اھلہ وذلک کلہ قال فقہاءنا کما فی رد المحتار وذلک اکرہ تاخیر صلاۃ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلاۃ الجمعة وفي الدہم المختار لیکرہ الدفن لیللاً اھ۔

۲۲/ ذیحجہ ۱۲۵۳ھ (الذی من شوال ۱۲۵۲ھ)

طریق ایصال ثواب اعمال | سوال (۷۲۳) ایصال ثواب دختر متوفاه میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک کیا جائے یا بلا شرکت صرف متوفاه کا نام لیا جائے اور در شریف اول و آخر پڑھا جائے جو نسا طریق افضل ہو اس سے حضرت مطلق فرمادیں مثلاً یسین شریف پڑھ کر یہ کہا جائے کہ اسکا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کو پہنچاؤ تو فرما کو پہنچے ۲۔ ایصال ثواب بالاشتراك بالافراد ۳۔ اور مردہ کو جو ثواب پہنچتا ہے بلا شرکت صلی اللہ علیہ وسلم وہ مردہ اس ثواب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ ہر شے مکتوب ملفوف میں لکھا ہے یہ حدیث سے ثابت ہے یا حضرت مجدد رحمہ کا محض کشف ہے۔ بینوا توجروا۔ ۹۔

الجواب۔ مکتوبات کے متعلق جو تحقیق ذیل میں آتی ہے اس سے سب سوالوں کا جواب ہو جائیگا۔

### نقل مکتوب

از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ دفتر سوم (مکتوب ۲۵) اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے:-

(الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى)۔ ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی جب اس صدقہ کے دیو کا



علیہ وسلم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے ہاں متعارف ہے کہ ہدایت مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضا مندی سے دُور معلوم ہوتا ہے اور اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضا مندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر ہیہ جدا کر لیں۔ بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھکر ہیں اس صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپکو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر مقرر کر دے اور اس میت کو ان کا طفیلی بنا اُمید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درود اگر ریا و سمع سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کے لئے جو مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔ آیت کریمہ وکان فضل اللہ عظیماً۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نا اہل ہوئی ہے علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ وعلیٰ جمیع اعدائہ الکرہ من الکرہ والعلما والعظام الی یوم القیام۔

### تحقیق متعلق مکتوب

اس مکتوب کے مضمون کی بناء کوئی منقول نہیں غایت مافی الباب ایک کشف ہو سکتا ہے اور بھی صرف اول کا حقہ یعنی شرکت میں سرور نہ ہونا۔ باقی آخر کا حقہ یعنی ناخوشی کی وجہ یہ محض ذوق معلوم ہوتا ہے جو اصطلاحی کشف نہیں اور اگر اس میں داخل بھی ہو ایسے واقعات میں بالکل ادنیٰ درجہ کا کشف ہو اور کشف کسی درجہ کا بھی محبت نہیں خصوص غیر صاحب کشف کے لئے اس کی رعایت و اتباع کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں خصوص جب ذوق بھی ذوق کو نہ لگے کیونکہ ہدیہ پیش کرنا شرکت میں بھی ممکن ہے اپنا حقہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر عدم سرور کے انکشاف کو صحیح بھی مان لیا جاوے تو اُس کی بناء غالباً دوسری ہے اور وہ موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ بعض امور طبعیہ بعفوات بھی باقی نہ ہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث عروج روح اور دوسری ارواح کا استقبال اور ان کا اس سے

متخفین کا حال پوچھنا اور پھر کسی روح کا یہ کہنا کہ ذرا اُس کو دم لینے دو یہ سب دلیل ہے اس دعویٰ کی جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو سمجھئے کہ یہ امر طبعی ہے کہ کوئی چیز بڑے اور چھوٹے کو شرکت میں دی جاوے تو چھوٹا آدمی اُس کی تقسیم میں شرماتا ہے اسی طرح وہاں ممکن ہے اسی طرح بڑا شخص اگر دوسرے شرکاء کا احترام بڑوں کا سا کرتا ہو وہ بھی اُن کو اپنا طفیلی بناتا ہوا شرماتا ہے اور جن کی ساتھ تعلق غار میت و محدودیت جیسا ہے جیسے اپنے اتباع - اُن کے طفیلی بنانے سے بھی نہیں شرماتا مگر ہنوز اس امر طبعی کا وقوع برزخ میں خود ثابت نہیں اس لئے میرے نزدیک ایسے امور کسی درجہ میں بھی لحاظ کے قابل نہیں پس جس طرح دل چاہے ایصال کرے خواہ کسی عزیز کو ایصالِ ثواب کرنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریک کرے یا نہ کرے - اور حدود شریف و عام کے آداب سے ہے تلاوت کے آداب سے نہیں - اور ایصالِ ثواب کی کسی صورت کی ترجیح دوسری صورت پر کسی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ یہ کہیں ثابت ہے کہ مردہ اپنا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش کرتا ہے - اس سے سب سوالات کا جواب ہو گیا - ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ - (النور ص ۱۰۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

**سوال (۷۲۴)** کون عمل خیر کہے اُس کا ثواب مردوں کو بخشنا جس کو عورت عام میں ایصالِ ثواب کہا جاتا ہے اس کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں اور اس کا کوئی دستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یا عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں تھا یا نہیں اگر تھا تو کیا تھا - ۹

**الجواب** - کہیں نظر سے نہیں گزرا البتہ فقہاء نے اس سے تعرض فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامی نے در مختار کی بحث زیارة القبور تحت قول دلقہ اُ یکسین شرح اللباب سے نقل کیا ہے - وبقراء من القرآن ما یسر لہ الی قولہ ثم یقول اللہم ادعہم ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیہم ۱۱ ص ۹۲۳ ج ۱) اس کی ایسی نظر ہے جیسے نماز کی لفظی نیت سلف سے منقول نہیں مگر فقہاء نے اُس کو مستحسن کہا ہے اسی طرح اس کا حکم بھی ہے میں یہ صیغہ ضروری ہے نہ بدعت ہے - واللہ اعلم - ۱۲ شعبان ۱۳۵۵ھ - (النور ص ۱۰۵ سوال ۷۵۵ھ)

**سوال (۷۲۵)** سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی اراح کے ایصال بتعین ایام ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقات تعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے ؟

**الجواب** - یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے -

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ (النور مکہ - بیچ الثانی ۵۵ھ)

سوال (۷۲۶) یہاں پر ایک مدرس صاحب نے ایک عرصہ پہلے خواب دیکھا  
از قبر بوجہ خواب تھا اس خواب کا مختصر استفسار طلب مضمون پیش کر کے طالب جواب ہوں۔

وہ خواب یہ ہے اُن کی والدہ مرحومہ خواب میں اپنے بیٹے سے فرماتی ہیں کہ تم میری قبر برکت علی کی  
والدہ کے پاس کر دو یہاں پر میری قبر کے پاس سے سانپ بکثرت نکل کر میرے قریب کی قبر میں جاتے  
ہیں مجھے وہ سانپ ستاتے نہیں تو کیا مہذب مردہ کی قریب وجارہ کی مردہ مامون و محفوظ کو اطلاع ہوئی  
ہے مشاہدہ ہوتا ہے صورت مشاہدہ عذاب میں تو عیش آرام مکرر ہو جاتا ہے یہ بھی ایک عذاب ہے؟  
اجواب - خواب خود حجت شرعیہ نہیں خصوصاً جب خلاف شرع ہوا اور بلا ضرورت شرعیہ

مردہ کا قبر سے نکالنا خود ناجائز ہے تو جس خواب میں اس کی تعلیم ہو وہ خواب خود باطل ہے اور مردے  
ان قبروں میں تھوڑا ہی رہتے ہیں جو حساً متلاًصق ہیں وہ تو عالم برزخ میں ہیں جس میں مہذب اور ناجی کا موطن  
جدا جدا ہے ایک کا اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ ۱۰۔ ۵۴ھ جلد اول (النور مکہ - بیچ الثانی ۵۵ھ)

سوال (۷۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ  
میں کہ زید کہتا ہے کہ ولدا الزنا من مسلم و کافرا نہ نصرا نہ یحییٰ میں مرحلے تو اس بچے  
کی تمیز و تکفین و صلوٰۃ جنازہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اپنی تائید میں علامہ شامی کی تقریر شامی  
جلد ثانی ۵۴ھ باب نکاح الکافر پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے :-

(واللہ یتبع خبر الا بوین دینا) تنبیہ - یشعر التعجیر بالادین اخراج ولدا الزنا  
ورأیت فی فتاویٰ الشہاب الشلبی قال داتعة الفتویٰ فی زماننا مسلمو زنی بنصرانیتہ  
فانت بولد فہل یكون مسلماً اجاب بعض الشافعیۃ بعدمہ وبعضہم باسلامہ  
و ذکر ان السبکی نص علیہ و هو غیر ظاہر فان الشارع قطع نسب ولدا الزنا و بنتہ من  
الزانی تحلل لہ عندہم فکیف یكون مسلماً و افتی قاضی القضاۃ الحنبلی باسلامہ  
ایضاً و توقفت عن الکتابۃ فانتہ وان کان مقطوع النسب عن ابیہ حتی لا  
یرثہ فقد صرحوا عندنا بان بنتہ من الزنا لا تحلل لہ و بانہ لا یدفع زکاتہ  
لا بعد من الزنا ولا تقبل شہادتہ لہ والذی یقوی عندی انہ لا یرحم  
باسلامہ علی مقتضی مذہبنا و انما اثبتوا الاحکام المذکورۃ احتیاطاً  
نظراً للحقیقۃ الجزئیۃ بینہما ام قلت ینظر فی الحکم بالاسلام لعلہ یصح



کل مولود یولد علی الفطرة حتی یكون ابواہما الذان یهودانہ او نصرانہ  
 فافہموا لوالانہ جعل اتفاقہما ناقلاً لہ من الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل  
 الفطرة او علی ما ہوا قرب الیہما حتی لو کان احدہما محی سباً والاخر  
 کتاباً فہو کتابی و ہنا لیس لہ ابوان متفقان فیبقى علی الفطرة ولا نھم  
 قالوا ان الحاقہ بالمساحر منہما او بالکتابی انفع لہ ولا شک ان النظر  
 بحقیقۃ الجزئیۃ النفع لہ وایضاً حیث نظرنا للجزئیۃ فی تلك المسائل احتیاطاً فلینظر  
 الیہا ہنا احتیاطاً ایضاً فان الاحتیاط بالذین اولی ولان الکفر اقبح القبیح  
 فلا ینبغی الحکم بہ علی شخص بدون امر صریح ولا نھم قالوا فی حرمتہ بنتہ  
 من الزنا ان الشرع قطع النسبۃ الی الزانی لما فیہا من اشاعۃ الفاحشۃ فلم  
 یتبیت النفقۃ والارث لذلك وھذا لا ینفی النسبۃ الحقیقۃ لان الحاکم  
 لا مرد لہما فمن ادعی انہ لا ید من النسبۃ الشرعیۃ فعلیہ البیان۔

عمر و کہتا ہے کہ یہ صرف علامہ شامی کی رائے ہے کوئی فقہی مسئلہ مصرح نہیں ہے خود علامہ شامی  
 اقرار فرماتے ہیں کہ علی مقتضی مذہبنا اور قواعد شرعیہ کی رو سے وہ ولد مسلمان نہیں قرار دیا جائیگا  
 اور یہ کہتا ہے کہ خود علامہ کے دلائل میں کلام ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

(۱) کل مولود یولد علی الفطرة الخ۔ اس حدیث پر علامہ شامی نے جو تقریر کی ہے اس  
 میں لفظ ابوین ہے (اور خود علامہ شامی اور ولید یتیم خیر الابوین دینا کے تحت میں شعر التبعیۃ  
 بالابوین اخراج ولد الزنا فرما چکے ہیں فکذلک فی الحدیث تو ولد الزنا کے لئے کسی حکم کا اس  
 حدیث سے استنباط صحیح نہیں ہے۔

(۲) حدیث مذکور سے اتفاق الوالدین علی مذہب واحد نہیں نکلتا نیز عند عدم اتفاق الوالدین  
 علی مذہب واحد کا کیا حکم ہے اس سے حدیث ساکت ہے اس لئے اصل فطرت یا الی ما ہما قرب  
 الیہا کی طرف نقل کرنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے (فاین البرہان)

(۳) فقہاء رحمہم اللہ نے النفع کے ساتھ الحاق کا جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی نکاح کی صورت میں  
 ہے نہ کہ ولد الزنا کے لئے بلکہ ولد الزنا کے لئے عامۃ فقہاء رحمہم اللہ تصریح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ شامی  
 خود اقرار فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف ہوگی (فاین ہذا ابداً)

(۴) اگرچہ زانی بچے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے مگر فی الواقع حقیقت جزئیت مدعی کی خصوصاً

زنا میں مشکوک فیہ ہے بخلاف زانیہ کے کہ وہ اس کی ماں یقینی ہے (وہذا امر صریح)  
اور عمر و اپنے دلائل میں حسب ذیل امور پیش کرتا ہے۔

(۱) شرع نے دلدار زنا کی نسبت کو زانی سے منقطع شمار کیا ہے اور اسی لئے زانی کے مال میں سہرے ارث یا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔ ہاں زانی کے لئے بنت من الزنا کو احتیاطاً حرام کہا ہی صرف اس واسطے کہ اس میں اشاعت فاحشہ ہو تو خود ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح کے زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سامنا معاملہ ہوتا رہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعل شنیع کا خیال تک گزرے تو یہ تو قبیح القبیح اور فحش الفواحش ہے اس میں تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۲) عائہ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دلدار زنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائیگی اگر اس کی ماں مسلمہ ہے تو بتحاہادہ بھی مسلم اور اگر اس کی ماں کافرہ ہے تو وہ بھی اس کا تابع رہے گا۔  
(۳) زانی اور زانیہ کی عبرت کے لئے یہ ضروری ہے کہ دلدار زنا کے ساتھ مسلمانوں کا سامنا معاملہ نہ کیا جادے ورنہ انہیں فحش الفواحش کی اور مزید جرأت ہوگی اور اپنے فعل قبیح کے ترک کرنے اور زانیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کا خیال تک نہ گزرے گا جو اقیح القبیح ہونے کے ساتھ اسلام کا مدلل اور محقر ہے اور قطع نسبت من الزانی کی صورت میں اگر طریق مستقیم پر چلنے کے لئے مجبور کیا جائے تو سارے کنبے کے لئے فلاح دارین یقینی ہے۔

(۴) نیز عمر و حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا یہ فتویٰ اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے:

**(سوال)** مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مر جائے تو ان کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے۔  
**(جواب)** بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ دلدار زنا کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے۔ ہوتا ہے لا یحد ابو یہ الی البلوغ مالہو یحد ث اسلاما وہو ممیز۔ وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے گا یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کے تابع رہے گا۔

حررہ محمد عبدالحی مجموعۃ الفتاویٰ جلد اول باب التجہیز والتکفین ص ۳۸۵

یہ معلوم رہے کہ یہاں پر بہت سے مدعیان اسلام اس فعل شنیع کے مرتکب ہیں اور انہیں

قطعاً دین کی طرف توجہ نہیں ہوا اور نہ انہیں اپنے کرموت کا احساس ہونے کسی کو نکاح کی پردہ اور نہ کفر کا خیال اگر ان کی اولاد کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جائے تو مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی طرف کوئی شے داعی نہیں ہے۔ اُمید ہے کہ آپ بالتفصیل جواب ارسال فرما کر مضمون فرمائیں گے یہاں پر دوطرفہ رائیں ہیں زید حق بجانب ہے یا عمر و یا دونوں۔ نیز اگر عمر و نے مذکورہ بالادلائل کی رو سے عدم اسلام کا فتویٰ دیا تو آتم تو نہیں۔ بینوا تو جردا۔

## الجواب

مسئلہ بالکل ظاہر ہے حدیث الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ دلالت میں قطعی ہے نص کے ہوتے ہوئے خود قیاس ہی کوئی چیز نہیں چ جائے رائے محض۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرة اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطر کے معنی میں دعا احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام والثانی اقرب لحدیث ابی داؤد کل مولود یولد علی الفطرة و فیہ قالوا یا رسول اللہ افرأیت من یموت وهو صغیر قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ ج ۲ باب فی ذراری المشرکین من کتاب السنة فلو کان معنی الفطرة الاسلام لما توقفت صلی اللہ علیہ وسلم فی حکمہم لان الشئ اذا ثبت ثبت بلواؤہ ومن لوازم الاسلام الحکم بدخول الجنة و فی جمع البحار یرید انہ یولد علی نوع من الجبلۃ والطبع الملتہی لقبول الدین الخ۔ اور اگر اقرب بھی نہ ہو تب بھی اذا اجعلوا احتمال بطل کا استدلال۔ تو محتمل معارض نہیں ہو سکتا قطعی کا۔ اور جو مصالح حکم بالاسلام کے لئے ہو کر ہیں اول تو رائے محض ہے دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ فاذا تعارضوا قساقطا۔ اب مار حکم محض نص رہ گئی۔ و قد مر قہم یراد النص واللہ اعلم۔ ۵۴۳

**نوٹ۔** ایک سوال وجواب ایسے پتہ کی نماز کے متعلق لکھا گیا ہے جس کے ابوین کافرین کی کسی مسلمان کو پرورش کئے دید یا وہ ۹ رذی الحجہ ۱۳۵۳ھ کا لکھا ہوا اور النور شوال ۱۳۵۳ھ تا صلا میں طبع ہوا ہے (النور ص ۷ شعبان ۱۳۵۳ھ)

## سوال الصلوٰۃ علی میت الصبی ملتولد بین مسلم و کافر ذبح

**السؤال۔** حضرت محد و منا مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اپنی جماعت کے علماء میں ٹرانسوال جنوبی افریقہ میں اولاد الزنا (من الکافرة) کے مسلم ہونے میں اختلاف

ہوا اس کے متعلق جناب مولوی اسماعیل گارڈی صاحب نے مختلف جگہ سوالات ردائے کئے تھے اور یہ کام بندہ کے سپرد کیا تھا ہر دو جانب کے دلائل لکھ کر انہوں نے سوال یہاں بندہ کے پاس بھیج دیا تھا بندہ نے ان کی تحریر کے مطابق مختلف علماء کی خدمت میں سوال ردائے کئے تھے نصف کے قریب جوابات آگئے اور دوسری جگہ سے جوابات ابھی تک نہیں آئے شاید بعد میں آویں۔ چونکہ دونوں جانب دلائل ہیں اور دونوں گروہ مختلف جیسے وہاں ہونگے ہیں یہاں بھی مختلف ہونگے اس لئے میں نے ٹرانسوال مولوی اسماعیل گارڈی صاحب کے پاس لکھا کہ میں ان سب جوابوں کو بھیج دوں یا کسی بڑے عالم سے محاکمہ کرانے بھیجوں انہوں نے محاکمہ کئے آپ کی خدمت میں بھیج دینے کے لئے لکھا اس لئے بندہ ہر دو جانب کی تحریریں آپ کی خدمت میں ردائے کرتا ہے حضور عالی کی خدمت میں عرض ہو کہ تکلیف فرما کر محاکمہ تحریر فرمائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ اجر عنایت فرما دے گا۔ نیز ایک فریق میں بندہ بھی ہی بندہ نے بھی اس کے متعلق جواب لکھا تھا اور ایسے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے ہی خیال تھا لیکن دوسری جانب بڑے بڑے علماء کی تحریریں اور دلائل دیکھ کر اب یہی خیال آتا ہے کہ دوسری جانب حق ہے خصوصاً مولانا محمد سخی صاحب بردوانی اور مدرسہ الباقیات العالیات کے مفتی صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب مراد آبادی قاضی بھوپال اور ریاست ٹونک کے مفتی صاحب کی تحریریں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا اس لئے محاکمہ ہو جانے سے حضور عالی کی تحریر سے بندہ کو بھی حق راستہ معلوم ہو جائے گا۔ اور افریقہ میں بھی انشاء اللہ حضور عالی کے محاکمہ سے اختلاف باقی نہ رہے گا

**الجواب** - مشفقہ کرمی دامت فیوہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ - صحیفہ محبت مع کاغذات جوابات استفتاء پہنچا۔ گو مجھ کو نہ ہجوم اشغال سے فرصت نہ ضعف اضمحلال سے مراجعت کتب کی قوت - مگر اتشال امر کی نیت سے کاغذات لیکر بیٹھا تو میری استعداد سے زیادہ کچھ ہمت و توفیق عطا فرمادی گئی اور سب کاغذات دیکھ لئے گئے اگرچہ تعمق سے نہیں دیکھ سکا مگر وہ نظر سرسری سے کچھ بڑھی ہوئی تھی جن کاغذات پر نظر کی گئی ان کی مجمل فہرست یہ ہے۔ جو اب مفتی صاحب راندر ضلع سورت جوابات علماء مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ جو اب دارالافتاء حسینیہ راندریہ۔ جو اب مدرسہ امینیہ دہلی۔ جو اب جامع العلوم کانپور ان جوابات میں عمرو مانع صلوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔ جو اب مدرسہ یوسفیہ مینڈو ضلع علی گڑھ اس جواب میں زید مجوز صلوٰۃ و عمرو مانع صلوٰۃ کے قول کے بین میں کچھ تفصیل کی گئی ہے۔ جو اب مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری ضلع چانگام۔ جو اب مدرسہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجیر شریف۔ جو اب دارالعلوم دیوبند۔ جو اب مولانا محمد اسماعیل صاحب بردوانی

جواب مدرسہ باقیات صالحات و بطور علاقہ مدراس۔ جوابتہ عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک جس میں یہ عبارت بھی ہے بعض شوافع بھی اسلام ابن الزنا کے قائل ہیں اور قاضی القضاۃ خاں نے تو اس پر فتویٰ دیا ہے۔ جوابتہ قاضی ریاست بھوپال ان سب میں زید مجوز صلوات کے ترجیح دی ہے۔ میں اس باب میں اس کے قبل بھی کچھ مختصر کہہ چکا ہوں ان جوابات کے دیکھنے کے بعد بھی میری رائے نہیں بدلتی نہ مجھ کو تردد ہوا۔ زید کے قول کو جن حضرات نے ترجیح دی ہے انہوں نے کوئی روایت جزئیہ یا کلیہ مذہب کی نقل نہیں کی محض قیاس و استنباط سے کام لیا ہے جو غیر مجتہد کا حق نہیں اس لئے میں عمرو کے قول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اپنا جواب مذکور مرقوم ۸ رجب ۱۲۵۵ھ بعنوان فتویٰ اول نقل کرتا ہوں (فی الحال امداد الفتاویٰ ظمی سے نقل کر دیا گیا امید ہے کہ یہ جواب رسالہ النور بابت رجب ۱۲۵۵ھ میں تقریباً یا اس سے ایک رسالہ مقدم یا مؤخر شائع ہو جائیگا) ایک بنا ترجیح قول زید کی اس تجویز کا کامسلمان کی پرورش میں ہونا بھی محتمل تھی اس کے متعلق بھی اپنا ایک جواب مرقوم ۹ رجب ۱۲۵۵ھ بعنوان فتویٰ ثانی نقل کرتا ہوں (یہ جواب النور شوال ۱۲۵۵ھ ص ۱۸۱ میں شائع ہو چکا ہے) اس سے زیادہ مجھ کو مفصل و مطول و مکمل کلام کرنے کی ذر فرصت نہ تھی۔ جیسا اوپر بھی یہی عذر کیا گیا ہے البتہ ٹونک کے فتوے میں جو بعض شوافع و حنابلہ کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے متقی صاحب سے کمر مراجعت کی جائے اگر یہ قول مجتہد کا ہے تو حنفیہ کو مواقع ضرورت و مصلحت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ علماء مقلدین کا ہے تو اس کا مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے علماء مقلدین کے قول کا۔ اور چونکہ یہ تجویز اس مسئلہ خاص میں ایک ہم درجہ میں مفید اور جامع ہے اس لئے اس کا ایک مستقل لقب بھی تجویز کرتا ہوں۔ الصلٰی لا علی المیت الصبی المتولد بین مسلح و کاف و لا بغی (اگر کوئی صاحب اس کو مع ادب کے سب فتاویٰ کے شائع کر دیں تو امید نفع کی ہے) یہ لقب معظم مقصود یعنی فتویٰ اول کے مضمون کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ فتویٰ ثانی تو محض استطراد ہی ہے وائشہ علم ۲۹ صفر ۱۲۵۵ھ۔ النور ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ۔

روپیہ دادن ہندو وارث میت | سوال (۷۲۸) میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کا ایک  
را بفرض اہتمام ایصال ثواب | شاگرد ہندو ہے اس نے پانچ منہ پیہ دئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھا  
کر بخشوادو کیا کرنا چاہیے۔

۵۔ یہ انداز تھا اگر اس کی اشاعت النور شعبان ۱۲۵۵ھ میں ہوئی ۱۲۔ ع۔ اگر ایسا اتفاق ہو تو فتویٰ  
اول و فتویٰ ثانی کو بجائے حوالہ کے بعینہ نقل کر دیں۔ اشرف علی۔

**الجواب** - وصول ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء و انفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اُجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے پس صورت مسئلہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ شخص یہ پانچ روپیہ کسی مسلمان کی ملک کرے اور وہ اگر چاہے وہ روپیہ کسی مستحق کو دیکر اُس کا ثواب اُس میت کو پہنچا دے لیکن بعد ملک ہو جانے کے اُس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے۔ ۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ - حوادث الفتاویٰ حصہ ثالثہ ص ۱۴۱

**سوال (۷۲۹)** بعض مواضع میں بعد دفن میت کے قبر بانی قبر و استدلال برحمت اور مخطوۃ آلات کھودنے کے قبر کے سرے پاؤں کی طرف ڈالتے ہیں اور ایک پشتو کے گنام رسالہ دو ورقہ میں یہ حدیث لکھی ہے لقولہ علیہ السلام من دس الماء علی القبر من الساس الی الرجل والقی آلتہ حفر بہا القبر امنہ اللہ من عذاب القبر۔ صدھا کتب فقہیہ و حدیث و تفاسیر و سیر میں یہ حدیث بتدریج لکھی گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا بعض لوگ خزائنہ الرواة کی طرف نسبت کرتے ہیں جناب کی رائے کیا ہے یہ فعل درست ہے یا کہ بدعت سیئہ اور یہ حدیث کہیں نظر فیض اثر سے گزری ہو یا نہیں اُس کو موضوع کہیں یا کیا بینوا تو جروا (۲) جمیع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی چھاپ کی کتاب العدة میں قولہ ولا تخطب المعتدلة کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے الخطبة التزوج و نکاح المعتدلات لا یجوز اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے یہاں کے بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح طرح کے مباحث اور جدال برپا کر رہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اس کی والدہ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالہ کتب عنایت فرمائیں یہ عبارت ساری کتب معتبر سے مخالف ہے۔

**الجواب** - (۱) یہ حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری جو اس سے احتجاج کرتے ہیں ان کے ذمہ اس کی سند ہے (۲) آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھتے میرے پاس کتاب نہیں ہے اس لئے عبارت معلوم نہیں کر سکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج میں ہے اور تزوج معتدہ کا جائز نہیں لہذا خطبہ اُس کا جائز نہیں اور جو منہ لوجہ اُس کو نکاح کہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ نکاح کی کیا تعریف ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ امداد الفتاویٰ

تتمہ خامسہ ص ۱۷۱

تحقیق حکم شہید درو بار

سوال (۷۳۰)

یہاں سال گزشتہ میں جو وہابی تھی جو کہ دنیا میں باہوتی تھی اس میں ایک لڑکا جس کی عمر اکیس سال کی تھی مر گیا اور متونی وصیت کر مرا کہ میری قبر ہوئی تھی اس کے والد نے بعد مرنے دو ماہ اور دو دن کے اس قبر کو بچتی بنوایا جب واسطے پکی ہو گیا جو کہ وہ لڑکا چونکہ واء میں مرا تھا اور کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بدن کے بھی ٹکڑے نہیں ہوئے شہید ہوا اور شہید کے ہی بدن کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں حالانکہ متونی کچھ نمازی یا پرہیز گارانہ تھا اس کا خیال کرنا چاہیے یا ایسا عقیدہ جو کہ تحریر کیا گیا رکھنا درست ہے یا نادرست۔

الجواب۔ ممکن ہے کہ یہی سبب ہو بخار کا بھی شہادت ہو نا دارد ہوا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بدن میں رطوبات مرنے سے پہلے فنا ہو گئی ہوں ایسا مردہ بھی نہیں گلتا باقی رہا پہلے احتمال پر اس وصیت غیر مشروع کے منافی شہادت ہونے کا شبہ و شہادت سے اس کا بھی کفارہ ہو گیا ہوا وہ نا واقف ہو۔ اور اس کی ناواقفی محاف فرمادی ہو۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۶ھ (تمہ خامسہ ص ۹۹)

سوال (۷۳۱)

حکم شریک شدن در جنازہ شیعہ بمصلحتی۔ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی نفسہ منہی عنہ ہے لیکن اگر کوئی ضرورت ہو جائز ہے اور ضرورت کی حقیقت دفع مفرت ہے نہ کہ جلب مصلحت۔ ۱۸ / محرم ۱۳۳۶ھ۔ تمہ خامسہ ص ۱۳۸

سوال (۷۳۲)

معنی قول طعام المیت ہوں یا عامہ مومنین لیکن طعام اموات عامہ سے جو کہ اہمیت و تکرر قلب میں مہمیت القلب محسوس ہوتا ہے وہ طعام اولیاء و انبیاء سے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے اگرچہ انبیاء و اولیاء حقیقہً مثل اموات عامہ کے میت نہیں ہیں لیکن بظاہر اموات ہیں اور طعام اموات عامہ و اولیاء و انبیاء صدقہ ہونے میں برابر ہے۔

الجواب۔ یہ قول خدا جلنے کس کا ہے اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے اس پر تو کوئی اشکال نہیں اور کوئی شخص زکوٰۃ کے دے دینے سے استنباط کر لے کہ جب صدقہ واجبہ میں وسعت ہے تو صدقہ نافذ میں بوجہ اشتراک معنی صدقہ کے شاید کوئی کیفیت قریب و سخی کے ہوا سی کا اثر

موت قلب تعبیر کیا گیا ہو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خیالی ہو اور راز اس میں یہ ہو کہ عرفاً عام اموات کے طعام کا کھانا تذلیل سمجھا جاتا ہو وہ کدورت اسی تذلل کی ہے جو ایک طبعی امر ہے نہ کوئی امر ذوقی اور باطنی اور بعض کے لئے یہ وجہ ہو کہ عام اموات چونکہ اکثر نزدیک کے مرے ہوئے ہوتے ہیں ان کے طعام سے ان کی موت کا اور ان کے معاصی کا استحضار ہو جاتا ہے یہ سبب ہوتا ہو دلگیری اور انقباض کا بخلاف اولیاء اور انبیاء کے کہ اکثر کی موت کا ان میں ہر مشاہدہ سمی نہیں ہوا اور خیال میں ظاہر اور نیز مثل دیگر اجزاء کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے انقباض نہیں ہوتا آگے اللہ کو معلوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۴۴/ محرم ۱۳۱۳ھ (امداد مستجل ج ۳)

تحقیق کل یا جز و ثواب رسیدن سوال (۷۳۳) ایصال ثواب جو چند مردگان کو کیا جاتا ہے وہ سب کو برابر پہنچتا ہے یا تجزی سے پہنچتا ہے۔

الجواب سب کو برابر پہنچے گا کیونکہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واسع ہو سب ابن جو الملکی علو قرء لابل المقبرة الفاتحة علی قسم الثواب بینہم اویصل کل منہم مثل ثواب ذلک کا ملافا جا پاتا نہ افقی جمع بالثانی وہو اللائق بسعة الفضل شامی ج ۱ ص ۵۵۰ وعن علی رضی عنہ ..... قال من مر علی المقابر وقرء قل ہو اللہ احد احدی عشرة مرة ثم ذهب اجرہ للاثموات اعطی من الاجر بعد الاموات طرانی فتح القدیر واللہ اعلم۔ حررہ عنایت الہی عنی عنہ

الجواب یہ مسئلہ مختلف فیہا بین العلماء ہے بعض تجزی کے قائل ہیں وہو الا قیس اور بعض عدم تجزی فرماتے ہیں وہو الادب واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ خلیل احمد عنی عنہ

الجواب اصل مذہب و موافق قواعد شرعیہ یہ ہے کہ ثواب تجزی ہوتا ہو کما فی النشائی دیوضہ ولو اہدی الکل الی اربعۃ یحصل کل منہم رجبہ فکذا لو اہدی الرجب الواحد والبقی الباقی نفیۃ البتہ اگر حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر ایک کو پورا ثواب دیوے تو یہ اس کا فضل ہے ولا مانع منہ کما افقی بہ جمیع اوداس میں بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں جس قدر حق تعالیٰ کو منظور ہو ثواب پہنچ جاوے گا بعض اجر بسبب اخلاص نیت کے اگرچہ قلیل ہو کثیر سے بھی زیادہ ہو جاتا ہو۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ کتبہ عزیر الرحمن دیوبندی عنی عنہ۔

الجواب جس امر میں نص ہو اگر وہ احکام فقہیہ جواز و عدم جواز میں سے ہو تو اس میں قیاس کرنا نا معتبر دایا اولی الابصار وغیرہ نصوص سے مامور ہو جو اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ ہو تو

اس سوال کے تین جواب لکھے ہوئے آئے تھے چوتھا جواب اخیر احقر کا ہو ۱۲ منہ



اس میں قیاس کرنا لائق حالیں ملک عالم وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہو اور امر منقول عنہ احکام فقہ سے نہیں اور نص موجود نہیں لہذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہو گا اور جن علماء سے کلام منقول ہو مقصود ان کا حکم لگانا نہیں بلکہ محض بعض احتمالات کی اقریت بیان کرنا۔ واللہ اعلم بحقیقات

اسرارہ۔ کتبہ اشرف علی۔ ۱۶ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد مج ۱۳۶)

تحقیق روایت کتابت | سوال (۷۳۴) یہ حدیث صحیح ہو یا نہیں وہ یہ جو عن طاووس انہ  
علی الکفن | امر بہذہ الکلمات فکتب فی کفہ یہ حدیث صحیح ترمذی میں ہو یا کس

کتاب میں صفحہ اور نام کتاب وغیرہ ارقام فرماویں۔

الجواب۔ ترمذی میں تو یقیناً نہیں اور کسی جگہ بھی نظر سے نہیں گزری۔

۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد مج ۱۳ ج ۳)

## مسائل منشورہ متعلقہ بکتاب الصلوة

سوال (۷۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حق میں اس شخص کے جو عند شرعی  
حکم تارک صلوٰۃ | فرض نماز کو ترک کرے شرعاً اس کا کیا حکم ہو اور اس کے ساتھ اخلاط اور ساتھ  
عماً کھانا پینا اور بولنا کیسا ہو۔ اور اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت  
حلال ہوگی یا حرام اور اولاد کیسی ہوگی اور اگر بعد مرنے اس شخص کے زجر اس کے جنازہ کی نماز  
نہ پڑھیں تو کیسا ہو اور اگر نصیحت نماز سے برائے یا کوئی کلمہ استخفاف و انکار کا کہے تو کیا حکم ہو۔  
بنوا توجہ و انقط۔

الجواب۔ تارک الصلوٰۃ عمدہ کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں صحابہ میں سے حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت مساذ بن جبل و حضرت  
جابر بن عبداللہ و حضرت ابوالدرداء و حضرت ابو ہریرہ و حضرت عبدالرحمن بن عوف اور غیر صحابہ  
میں سے امام احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ و نفعی و ابوبکر السخنی و ابو داؤد الطیالسی و ابوجبر  
بن ابی شیبہ کا قول ہو کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہو اور حماد بن زید و مکحول و امام شافعی و امام مالک کے  
نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا  
مگر قید شدید میں رکھنا چاہیے اور خوب سزا دینا چاہیے اور اس قدر مایس کہ بدن سے خون پہننے لگے  
یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے (تفسیر مظہری و نفع المفق و مختار) اور اس

سے اختلاط و خورد و نوش و گفتگو ترک کر دینا چاہیے کہ اس وقت بچنے جس اس قدر ممکن ہو اور جس کی غرض سچی ہی ہو کہ تنگ ہو کر توبہ کرے (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے) ادا بن مسعود سے روایت ہو کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں واقع ہوئے عالموں نے منع کیا وہ باز نہ آئے پس ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے پس ان کے دلوں کا ان کے دلوں پر اثر پڑ گیا پس لعنت کی ان پر اور زبان داؤد و عیسیٰ بن مریم کے یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے اٹھ بیٹھے فرمایا کبھی تم کو نجات نہ ہوگی جب تک اہل معاصی کو مجبور نہ کرو گے۔ رعاہ الترمذی و ابو داؤد اور جن علمائے اس شخص کو کافر کہا جو ان کے نزدیک نکاح باقی نہ رہے گا اور صحبت حرام ہوگی اور اولاد و ولد حرام ہوگی معاذ اللہ نہ اور زحمت کے لئے اگر اہل علم و فضل اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو جائز ہو جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدیون و قاتل نفس پر نماز نہ پڑھی تھی اور جیسا فقہاء نے قاطع طریق و مکابر و باغی و قاتل اعدا لاہوین پر نماز پڑھنے سے بغرض ان کی امانت کے منع کیا ہو (در مختار) اور امام مالک سے منقول ہے کہ اہل فضل فاسق پر (جیسے بے نماز) نماز نہ پڑھیں تاکہ ان کو عبرت ہو (نودی شرح مسلم) اور اگر نماز سے تنفر یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیق و استہزاء سے پیش آیا کافر ہو جائے گا کیونکہ امانت حکم شرعی کی کفر ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم کتبہ اشرف علی عفی عنہ اشرف علی ۱۳۰۰

ہو العیلم الخیر۔ صد آفریں محبوب مصیب کو کہ امر حق و کبر قلم فرمایا۔ از گردہ ادیبان

جزا اللہ سبحانہ خیر الجزاء حرہ العبد الحامل محمد عادل عاظمہ اللہ تعالیٰ بفضلہ الشامل محمد عادل حاکم محکمہ شرعی و اصلاح حالہ لطفہ الکامل فی العاجل و الآجل۔

صحیح الجواب۔ حریرہ سید محمد احسان الحق عفی عنہ۔ سید محمد احسان الحق

ہو المصیب و اتنی نماز کا ترک کرنے والا بحیثیت ترک صلوٰۃ البسی ہی زبرد و بیخ کا مستحق ہو جو محبوب مصیب نے تحریر فرمایا ہو۔ کتبہ العبد الضعیف محمد علی عفی عنہ۔ محمد علی عفا اللہ

ذلک الجواب لا ریب فیہ حرہ العبد الحاجی غفران اللہ القوی محمد عبدالغفار الکنوی عفی عنہ۔

الجواب صحیح و الجیب نبیح احمد حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ دارالعلوم کانپور۔ (ملاحظہ ہو)

سوال (۷۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آزاد ہو و مختار نہ کسی

مگر اور کسی شخص سے نماز پڑھو ادیں ۱۲ منہ

تالیع ہو بلکہ تبصرع ہو دس بارہ برس سے اس ملک جنوبی افریقہ میں پیری مریہی اور تالیف و تصنیف کا شغل رکھتا ہو اور اکثر ایک ہی جگہ پر برس ڈیڑھ برس سے زائد قیام رکھتا ہو سال دو سال کے بعد اپنے مریدوں میں ایک دو ماہ کے لئے دورہ کرتا ہو پھر وہیں اپنی جگہ پر آکر وہی تالیفات کے کام میں مشغول رہتا ہو یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نہ نماز پنجگانہ کے لئے آتا ہو نہ جمعہ و تراویح بلکہ عیدین میں بھی نہیں آتا گھر پر ہی نماز پنجگانہ پڑھ لیا کرتا ہو اور جمعہ کے بجائے ظہر اپنے گھر پڑھ لیتا ہو ان سے جب دریافت کیا جاتا ہو کہ آپ نماز جماعت اور جمعہ میں مسجد میں کیوں نہیں آتے جواب یہ دیتے ہیں کہ میں تو مسافر ہوں مجھ پر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم نہیں ہے میں تو بوجہ مسافر ہونے کے قصر ادا کر لیا کرتا ہوں لہذا کیا یہ جواب اس شخص کا موافق کتاب و سنت کے ہے یا برخلاف۔ بینوا تو جروا۔

**الجواب۔** فی الدر المختار اعداد ترک الجماعۃ و ارادۃ سفر فی رد المحتار ای و اقیمت الصلوۃ و بخشی ان تفوتہ القافلۃ و اما السفر نفسہ فلیس یبذر کما فی القیہ ص ۵۸ ج ۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونا ترک جماعت کے لئے عذر نہیں البتہ جمعہ و عیدین مسافر پر واجب نہیں لیکن منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے۔ القوا مواضع اتقم۔ چنانچہ حدیث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ وارد ہو کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکات کی حالتیں مسجد میں آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائی تھیں سامنے سے دو شخص گزرنے لگے آپ نے ان کو پردہ کیوجہ سے اول روک دیا اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری بی بی صفیہ تھیں یعنی کوئی شبہ نہ کرنا اس سے معلوم ہوا کہ اعتدا کو شبہات سے بھی بچنا واجب ہو پس جب اس شخص کی ظاہری حالت مسافرت کی نہیں ہو تو اس شخص کے تخلف عن الجماعت سے لوگوں کو دین کا ضرر ہوتا ہو معتقدین کو جماعت کی مستی کا اور غیر معتقدین کو طعن و غیبت کا لہذا اس شخص کو جمعہ و عیدین میں بھی حاضر ہونا ضروری ہو کیونکہ ایسی حالت قیام مقیمانہ میں اس شخص کی نیت سفر کی تصدیق نہایت مستبعد ہے۔

۳۱ شوال ۱۳۲۵ ہجری (تمتہ خامسہ ص ۵۳۲)

**سوال (۷۳۷)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان تحقیق در اعادۃ محکم عشاء را بعد بیداری بوقت فجر و دیدن اثر منی بر پارچہ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہشتی گوہر مطبوعہ امداد المطابع ص ۷۷ پر مسئلہ چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی مرد کا عشاء کی نماز پڑھ کر سو اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہو تو اس کو چاہئے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ

کرے (فتاویٰ قاضی خاں) دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس جگہ لڑکے سے مراد نابالغ لڑکا ہی یا بالغ۔  
**الجواب**۔ ہاں نابالغ لڑکا مراد ہو اگر یہ قید الفاظ میں بھی ہوتی تو بہتر ہوتا غالباً بجا دورہ

و مقام کے قرینہ سے ضرورت نہ سمجھی یہ تو سوال کا جواب ہوا اب تبرعاً خود مسئلہ کی بھی ضرورت تفصیل  
 لکھتا ہوں بجز الرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر طلوع صبح کے قبل ایسا واقعہ ہوا تب تو بالافتاء  
 عشاء کی قضاء واجب ہو اور اگر بعد طلوع صبح صادق ایسا ہوا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس پر  
 قضاء عشاء واجب نہیں (لان الحادث یضات الی اقرب الاوقات) اور ایک روایت یہ ہے کہ  
 کہ یہ بھی عشاء کی قضا کرے اور اس کو مختار کہا ہے (ولعل بقاء الاحتیاط) ص ۹۷ والشرع علم۔  
 کتبہ اشرف علی۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ (ترجیح الراجح خامس ص ۱۱۱)

**سوال** (۷۳۸) سنا ہے دہلی کی جامع مسجد میں تمام پتھر وغیرہ راجاؤں  
 در جامع مسجد دہلی سے شاہی نذرانہ کا مال لگایا گیا ہے ہذا دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھتی درست  
 ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ اگر وہ لوگ حربی تھے تب تو یہ لینا جائز ہی تھا اور ایسے ہی مواقع اس کے  
 مصارت ہیں فی ردالمحتار باب المغنم وما اخذ منهم بلا حرب ولا قهر کالمدیۃ والصلح فهو لا غنیۃ  
 دلائق و حکم الفقی لایخمس ویوضع فی بیت المال۔ اور اگر وہ ذمی تھے تو یہ ہدیہ جائز نہیں  
 ہو سکتا لیکن خود اسی کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا ہوا تھا شہرت عوام کا اعتبار نہیں اور اس وقت کے  
 علماء سے بحیر کا منقول نہ ہونا موید ہے اس روایت کے غلط ہونے کو اس لئے ہر حال میں جامع  
 مسجد دہلی میں نماز درست ہے۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (۱۱ مادہ ص ۱۱ ج ۱)

**سوال** (۷۳۹) قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 عادی در فجر وعصر ایڈ منافیٰ نصرت علی جائیہ حیما علی یمینہ و علی شمالہ  
 کذا فی الترمذی ص ۷۰ مطبوعہ اصح المطابع صغیری شرح منیہ میں  
 انصاف نماز عصر و فجر میں قرار دیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے۔

**الجواب**۔ فی ردالمحتار عن البدائع ان المقصود من الانحراف هو  
 نوال الاشتباہ ای اشتباہ انہ فی الصلوۃ ج ۱ ص ۵۲ قلت ویؤیدہ  
 ما رواہ مسلم عن الصائب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ان  
 لا یوصل لصلوۃ حتی تکلم او یخرج مشکوۃ باب السنن وماروا لا

ابوداؤد عن ابی رمثہ فی حدیث طویل ان- قام الرجل الذی ادلی بعضہ  
ای مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ یشفع  
فوثب عمر فاخذ بمنکبہ فہزہ ثم قال اجلس فانہ لم یحکک اهل الکتاب الا انہ  
لم یکن یلین صلوۃ تہم فصل فرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصاب اللہ  
بک یا بن الخطاب مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوۃ۔ اس روایت سے  
حکمت انحراف کی معلوم ہوئی کہ زوال اشتباہ ہوا اور جن نمازوں کے بعد تطوع مشروع  
ہے وہاں زوال اشتباہ تبدیل مکان کر کے تطوع مشروع کرنے سے ہو سکتا ہے اور جس  
نماز کے بعد تطوع نہیں جیسے فجر اور عصر وہاں ازالہ اشتباہ انحراف سے پہلے ہوا اس لئے  
ان دو نمازوں کی تخصیص کی گئی لیکن تخصیص باین معنی نہیں کہ ان میں تو کہ ہوا اور جن میں  
مشروع نہ ہو۔ فی رد المحتار عن الملیۃ ان کان فی صلاۃ لا تطوع بعدھا  
فان شاء انحراف عن یمنہ او یسارہ او ذہب الی حوائجہ او استقبال  
الناس بوجہہ وان کان بعدھا تطوع وقام یصلیہ۔ یتقدم او یتاخر  
او یخرف یمینا او شمالا او یدھب الی بیتہ فیتطوع ثم الخرج اص

۵۵۴، ۱۵۔ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۵)

دلیل تخصیص انحراف عادی | سوال (۷۴۰) ایک صورت تو یہ کہ فجر اور عصر کی نمازوں سے  
در نماز فجر وعصر | فایز ہوتے ہی سلام پھیرنے کے معاذ بدو بیٹھے بیٹھے امام اور  
مقتدی دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر سی مثل اللھم انت السلاۃ الخ دعا کر کے ہاتھوں کو  
منہ پر پھیر کر امام بائیں یا دائیں طرف مڑ کر بیٹھے۔ اور پھر امام اور مقتدی تسبیح فاطمہ وغیرہ  
پڑھ کر پھر دونوں امام و مقتدی ہاتھوں کو اٹھا کر طول طویل دعا کر کے سجد سے رخصت ہوں  
جیسا کہ تمام ملک گجرات میں مروج ہے۔ دوسری صورت یہ کہ مذکورہ نمازوں سے فایز ہو کر  
سلام پھیرنے کے ساتھ ہی بغیر دعا مانگے ہوئے امام صاحب دائیں یا بائیں مڑ کر تسبیح و  
تہلیل کر کے طویل دعا ہاتھوں کو اٹھا کر امام و مقتدی مانگیں۔ جیسا کہ تمام ہندوستان  
دہلی، سہارنپور، دیوبند، امرتسر، مراد آباد، کانپور، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، بہار، لاہور، پانی پت  
وغیرہ میں دستور ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کونسا طریقہ موافق سنت کے  
ہے۔ پہلی صورت میں اول و آخر دعائیں ہیں۔ اور یہ دو دعائیں ہوں۔ افسان کے پنج

میں تسبیح وغیرہ۔ دوسری صورت میں اول تسبیح وغیرہ پھر دعائیں میں ایک ہی دفعہ دعا ہوئی۔  
بینوا عند اللہ تو جردا۔

**الجواب**۔ کوئی خاص ہیئت خصوص اس کا التزام تو منقول نہیں۔ لیکن خصوصیت مقصود ہی نہیں۔ اصل فرق کہ وہی مقصود بھی ہو۔ دعاء کا تو وحدت تعدد ہے۔ سو کسی نماز کے بعد تعدد ثابت نہیں اور مطلق دعاء ثابت ہے کہ ادنیٰ اس کا تو حد ہے۔ اس لئے اقرب الی السنۃ دوسری صورت ہے اور پہلی صورت کے ترک پر اگر طعن و دلائل ہو تو وہ بدعت ہے۔  
۶ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ (النور ص ۷۸ شعبان ۱۳۴۹ھ)

**سوال (۷۴۱)** ایام نازلہ میں دعاء قنوت کا پڑھنا نماز فجر میں بعد قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہود اخفاء و ارسال کے حکماً | **الجواب**۔ رکوع عند الحنفیہ عام فتاویٰ فقہ مثل در مختار و فتح القدیر و شامی وغیرہ میں ثابت ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا بطور دعا کے ثابت ہے یا نہیں اور حدیث ابی ہریرۃؓ کی جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع رأسہ الثانیۃ من صلوٰۃ الصبح فی الرکعۃ الثانیۃ یرفع یدیه فیدعو آ یا یہ ہاتھوں کا اٹھانا کانوں تک ہو واسطے تکبیر قنوت کے ہاتھوں کا پھیلانا واسطے دعا کے اور نیز ہاتھوں کو بعد سینہ یا منہ پر پھیرنا چاہئے یا نہیں۔  
**الجواب**۔ حدیث دونوں کو محتمل ہے اور حنفیہ میں سے صرف ابو یوسفؒ کے نزدیک قنوت پڑھنے کی حالت میں رفع یدین مشروع ہے جہو اس کے قائل نہیں کمافی رد المحتار۔  
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تمتہ اول منہ ۲)

**سوال (۷۴۲)** طاعون کے زمانہ میں حنفیہ کے نزدیک قنوت ہو باقی جہر سے پڑھے یا آہستہ ہاتھ اٹھاوے یا نہیں قبل رکوع کے یا بعد رکوع کے اولیٰ ہے۔  
**الجواب**۔ جہود اخفاء میں اختیار ہے اور رکوع کے بعد جو علی الاربع کذا فی رد المحتار اور رفع یدین نہیں لعدم الروایۃ۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۲)

**سوال (۷۴۳)** میرے موضع کے ایک شخص نے حضور سے چند مسائل دریافت کئے تھے اور حضور نے اُس کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا۔ خادم نے جواب دیکھا تھا ایک امر اس میں اور بھی دریافت طلب ہے جو فہم ناقص میں نہیں آیا۔ درج ذیل ہے۔

(سوال ۱) نماز فجر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانا چاہئے یا نہیں۔ حضور کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اٹھانا آیا نہیں۔ (سوال ۲) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے

یا نہیں۔ (جواب) ہاتھ اٹھانا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں مطلق دعائیں ہاتھ اٹھانا آیا ہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب حدیث شریف میں مطلق ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو سوال اس کے جواب میں عدم جواز اور سوال اس کے جواب میں جواز کی صورت بتائی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیونکر ہوگی۔ فقط الجواب۔ نماز میں رفع یدین محتاج دلیل مستقل ہے خارج نماز کے اطلاق کافی دلیل ہے دیکھئے آخر صلوٰۃ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے بالاجماع اُس میں رفع یدین مشروع نہیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

**سوال (۷۴۴)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سلسلہ میں کہ حنفیوں کے صحیح مذہب کے اعتبار اور اجماع قول کے لحاظ سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہئے یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو کیا باعتبار صحیح و راجح مذہب حنفی کے اس پر جبر کر کے تمام جہریہ نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہئے یا نہیں قنوت نازلہ علاوہ فجر کی نماز کے اور نمازوں میں حنفیوں کے یہاں منسوخ ہے یا نہیں طحاوی برد مختار اور تحریر مختار وغیرہ کتابوں میں جو حنفی مذہب کی کتابیں ہیں یہ لکھا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ حنفیوں کے مذہب میں ہے اور کسی نماز میں نہیں یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قنوت نازلہ پڑھی ہے کیا اس وقت تک آپ پڑھتے رہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہوا جس کے واسطے شروع کی تھی یا اس سے پہلے ترک کر دی تھی یہی ہر کی معتبر کتابوں سے جواب تحریر فرمانا چاہئے۔ بینوا تو جردا۔

**الجواب۔** مراجعت کتب مذہب سے اصل مذہب حنفیہ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف صلوٰۃ فجر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نمازوں میں مطلقاً یا صرف جہریات میں پڑھنے کا قول ضعیف ہے اور اصل مذہب کے خلاف ہے اور اس قنوت کے پڑھنے کا منتہا کہیں روایت حدیثیہ یا فقہیہ میں نظر سے نہیں گزرا (اور میرے پاس سامان تتبع کا کم ہے) لیکن اصول و روایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ منتہا اس کا حصول مقصود یا قنوت من حصول المقصود ہے۔ واللہ اعلم

۲۰ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۶۴)

**سوال (۷۲۵)** اگر کچھ لوگ مسجد میں ذکر اذکار میں مشغول ہوں ایسے وقت میں سلام کی ممانعت مسجد میں آنے والے کو یا جانے والے کو السلام علیکم کہنا سنت ہے یا نہیں۔

**الجواب** - نہیں فی الدر المختار مقدمات الصلوٰۃ سلامک کردہ الی قولہ مصل و قال و ذکر  
و محدث آہ - (تمہ اول ص ۳۳)

حالت ذکر میں جواب | سوال (۷۴۶) ایسے سلام کرنے والوں کو جواب سلام کا دینا بعد  
سلام کا واجب نہیں - فارغ ہونے کے چاہیے یا نہیں۔

**الجواب** - واجب نہیں فی رد المحتار و لو سلم علیہم لایجب علیہم الرد ص ۶۴ ج ۱ (تمہ اول)  
سجدہ دعاء | سوال (۷۴۷) سلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو اقرب ما یكون

العبد من ربه و ہوسا جہد کثرت الدعاء حالانکہ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار یا بیس بار یا زیادہ  
کہا جاتا ہو اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سا سجدہ ہو اور کیا دعا کرے اور محض  
کے لئے جدا گانہ سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے۔

**الجواب** - نفل نماز کے سجدہ میں دعا درست ہو مگر عربی زبان میں ہو اور آخر کی ہو  
جیسے رجمۃ مغفرۃ اور ایک معنی بعض نے یہ کہے ہیں کہ تسبیح کو دعا اس لئے فرمایا کہ کریم کی مدح کرنا گویا۔

سوال کی غرض سے ہوتا ہو اور جدا گانہ سجدہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا لیکن ظاہر کچھ حرج بھی  
نہیں کیونکہ صورت تذلل کی ہو مگر عادت نہ کرے ورنہ نہ سمجھے فقط - ۴ اشعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۳۸)

حکم جواز صلوٰۃ برپا رہائے تیار کردہ | سوال (۷۴۸) جیل خانہ میں درمی وغیرہ اور اکثر چیزیں قیدی  
اساری نصاریٰ بطریق عقوبت سے تیار کرائی جاتی ہیں جس کی اجرت و معاوضہ کچھ نہیں مقرر

ہے بلکہ سزائے جرم میں یہ امر مفہوم ہوتا ہو اس صورت میں جیل خانہ کی بنی ہوئی جائنا یا مکمل  
دیگرہ پر نماز درست ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** - استیلاء سے سرکار مالک ہو جاتی ہو لہذا اس کا خریدنا اور برتناسب  
جائز ہے۔ ۱۳ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث ص ۱۲ ج ۲)

حکم نماز برجامہ کہ بر نقش آلات ہو | سوال (۷۴۹) جس کپڑے پر تصویر چوسر یا شطرنج یا  
یا شرک ساختہ باشد - سوال کی ہو اس کو مصلیٰ بنانا جائز ہو یا نہیں۔

**الجواب** - یہ اشیاء چونکہ شاکر کفر فسق سے ہیں اس لئے شرعاً قابل اہانت ہیں اور مصلیٰ  
پر ہونا موجب تعظیم ہو اس لئے نماز میں کراہت ہوگی چنانچہ تصویر سے کراہت صلوٰۃ کی علت بھی

مشابہت عبادت یا تعظیم ہے اور وجوب اہانت میں تصویر ذی روح کی اور ان اشیاء کی صورت  
مساوی ہوئی رد المحتار - وقد ظهر من ہذا ان علتہ الکراہتہ فی المسائل کلہا اما التعظیم والتشبہ الخ



۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۶۷ ج ۲)

**سوال (۷۵۰)** ایک شخص کے پیچھے کسی نے نماز کی نیت باندھ لی تو کیا وہ حکم بر خاستن قاعدہ از پیش مصلی اس کے سامنے سے اُٹھ سکتا ہے ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حدیث میں تو مرد کی ممانعت آئی ہے اور یہ مرد نہیں تو کیا ان کا یہ فرمانا صحیح ہے۔

**الجواب**۔ فی رد المحتار اداد المردین یدی المصلیٰ فان کان معہ نشئی یضعه بین یدیہ ثم یرمی ویأخذہ ولو مرأثان یقوم احدہما امامہ ویسر الآخر ویفعل الآخر هكذا ۱۱ ویران وان معہ دابة فمرأثا کبا اشروان نزل و تستر بالدابة و مرلہ یا شرو لو مرد جلان متما ذین فالذی یلی المصلی هو الآخر فلیتہ اتول و اذ کان معہ عصا لا یقف علی الارض بنفسہا و امسکھا بیدہ و مردن خلفہا هل یکنی ذلک لہ اذ ج ۱ ص ۶۶۵ ان مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے مگر مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا لیکن عمل کرنے والے پر ملامت بھی نہیں کرتا۔ ۱۳/ صفر ۱۳۲۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۵)

**سوال (۷۵۱)** ایک شخص مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور صحن مسجد میں جماعت ہونے لگی اب جس وقت وہ بغرض شرکت جماعت باہر نکلا کسی نمازی کے سامنے ہو کر گزرا پڑا تو کیا وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہو گا اور ضرورت شرکت جماعت اُس کے اس فعل کا عذر نہیں ہو سکتی؟

**الجواب**۔ فی رد المحتار الرابعة ان لا یتعرض المصلی ولا یكون للمار من دحاة فلا یا شرو لحد منها الخ ج ۱ ص ۶۶۴ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت میں گزر جانا درست ہے اور یہاں اور اک جماعت کی ضرورت ظاہر ہے۔ ۸/ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۶)

**سوال (۷۵۲)** نماز کے درود میں بھی قعدہ میں لفظ سیدنا کا اضافہ مستحب؟ حکم اضافہ کردن لفظ سیدنا در صلوة

**الجواب**۔ فی الدر المختار و ندب السیادة الی قولہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ و فی رد المحتار و ان تردد الا سنوی فی افضلیتہ الی قولہ نعوذ بنبی علی ہذا عدم ذکرہانی و اشہد ان محمداً عبداً و رسولہ و انه یاتی بہا مع ابراہیم علیہ السلام ج ۱ ص ۵۳۵ و ۵۳۶۔ اس عبارت سے یہ امور معلوم ہوئے

بعض علماء نے اس اضافہ کے افضل ہونے میں تردد کیا ہے اور اکثر نے افضل کہا ہے اور تشہید میں یہ اضافہ نہ کیا جاوے اور ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ اضافہ کا یہی حکم ہے۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۷)

**سوال (۷۵۳)** مصلیٰ اگر اپنے آگے کپڑا یا چھتری کھول کر رکھ دے تو بجائے سترہ بودن پارچہ یا چھتری

ہے یا نہ۔ **الجواب**۔ کپڑا چونکہ مرتفع نہیں ہوتا اس لئے وہ سترہ سترہ نہ ہوگا اور چھتری کھلنے کے بعد اگر ایک یا تھماؤ بجی ہو جاوے تو وہ سترہ ہو جائیگی اسی طرح اگر کپڑا پردہ کے طور پر سامنے لٹکا دیا جاوے تو وہ بھی سترہ ہو جاوے گا اور اشتراط غلط اصبع خود مقصود نہیں بلکہ امتیاز و استبانت کے لئے مقصود ہے اور پردہ میں استبانت ظاہر ہے۔ ۸ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث زالبہ ص ۶)

**سوال (۷۵۴)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے محل کی جا نماز پر نماز جائز ہے بارے میں کہ محل کی جا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ فی الدر المختار ومجمل توسدۃ (ای الحوی) وافتراشہ والنوم علیہ وقالوا الشافعی ومالک حرام وهو الصحیح قلت فلیحفظ هذا کما فی المواہب لکنہ خلاف المشہور۔ فی رد المحتار وقال فی الشر بنیالیۃ قلت هذا التصحیح خلاف ما علیہ المتون المعتبرۃ المشہورۃ والشرح۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لیکن ترجیح جواز کو ہو اور احتیاط ترک میں ہو۔ ۱۰ اشوال ۱۳۹۹ھ (النور جمادی الاخری ص ۵۵۵)

**سوال (۷۵۵)** در مختار میں ہے وصلوۃ فیہما افضل تو اس میں کیا تحقیق صلوة در نعال تحقیق ہے۔

**الجواب**۔ رد المختار میں ہے (قولہ وصلوۃ فیہما) ای فی النعل والنعل الطاہرین افضل مخالفتہ للیہود تاتار خانیۃ فی الحدیث صلواتی لعلکم ولا تشہبوا بالیہود رواہ الطبرانی کما فی الجامع بصغیر رمز الصحۃ واخذ منہ جمع من المحابله ان سنتہ ولو کان ہمیشی بہا فی الشوارع لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ کانو ہمیشون بہا فی طرق المدینۃ ثم یصلون بہا قلت لکن اذا خشی تلذیث فرش المسجد بہا ینبغی عدمہ وان کانت طاہرۃ واما المسجد النبوی فقد کان مفروشاً بالحصا فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف فی زماننا ولعل ذلک محل مانی عمدۃ المفتی من ان دخول المسجد متعلقا من سوء الادب تا مل

۵۵۸ حکم اس محل کا ہو جو خالص شیم کا ہو یا شیمیں شیم غالب ہو، ورنہ یہ حکم نہیں بلکہ جائز ہے بلا خلاف۔ واللہ اعلم ۱۲ محرم ۱۳۹۹ھ

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔ نمبر ۱۔ یہ حکم مقصود بالذات نہیں بلکہ معطل ہے مخالفت یہود کے ساتھ اور اب مخالفت عدم نفل میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ کنائس میں مع نعلین جلتے ہیں۔ نمبر ۲۔ علت مذکورہ کے تحقیق کے وقت بھی مفید ہے عدم تلویث فرش کے ساتھ اور یہاں اس قید کا انتفاء ظاہر ہے اور مسجد نبوی ملوث نہ ہوتی تھی فلا یصح القیاس مع الفارق۔ نمبر ۳۔ مثل لزوم تشبہ بابل الکتاب و خوت تلویث مسجد کے سوء ادب بھی مانع مستقل ہے اور میحار ادب و سوء ادب کا محض عرف و عادت ہے اور اس ہیئت کا سوء ادب ہونا ظاہر و مشاہد ہے پس ہمارے دیار میں اس فعل سے تین امر مانع ہیں لزوم تشبہ و تلویث مسجد و سوء ادب لہذا ہرگز اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمت خاصہ ص ۵۸) بعد فرایض کے سوال (۷۶) اور ادو وظائف سنوہ بعد مکتوبہ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا؟ اور ادو وظائف کما فی البکیری وغیرہ من الکتب الفقہیہ اور احادیث میں تصریح فرایض کی مذکور ہے بالخصوص حدیث عمر بن الدب ہے رفع تعارض کیسے ہوگا۔

الجواب یا تو حدیث میں تاویل ہو کر ایسا ہوا ہو یا فقہاء کا قول مآول ہو کر منقول سے زیادہ فصل کردہ ہے۔ نقطہ ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

## رِسَالَةُ اسْتِجَابَةِ الدَّعَوَاتِ عَقِبَ الصَّلَاةِ

رسالہ در بارہ دعاء بعد الصلوة سوال (۷۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم و الحمد لله و نصلی علی رسولہ الکریم، و بعد فہذا بعض من اجزاء کتاب مسلك السادات الى سبيل الدعوات، الذي الفه الفاضل الشيخ محمد علي بن المحرم الشيخ حسين مفتي المالكية بمكة المحمية سابقا في تحقيق احكام الدعاء عموما و استحبابه اثر الصلوات للفرد و لامة المساجد و الجماعات خصوصا في عام الالف و الثلاث مائة و احدى و العشرين من الهجرة كما صرح في اخر الكتاب لخصتها منه سدا لنكير بعض المتهورين و حكمه بالبدعة عليه و لقبها باستحباب الدعوات، عقيب الصلوات نفع الله تعالى بها المسلمين و جعلها الى ذخر اليوم الدين و اننا

اشر فعلى التهانوى عفى عنه وحررتها فى اوائل رجب الا صوشتہ  
من الحجۃ النبویۃ على صاحبها العاف سلا م و تحیۃ۔

### دعا و نیاز بعد انواع نماز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفَى وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ  
اصطفیٰ۔ انا بعد۔ یہ رسالہ ترجمہ ہے رسالہ استحباب الدعوات، عقیب الصلوٰۃ  
کا جس کو بقیۃ السلف حجتہ الخلف ایتہ من آیات اللہ من الذین اذا  
روا ذکر اللہ مجد د الملة حکیم الامتہ سیّدی و سندی کھفی و  
معتمدی حضرت مولانا اشر فعلى صاحب تھانوی متعنا اللہ تعالیٰ  
و سائر المسلمین بطول بقائہ بالخیر نے مفتی مالکیہ علامہ شیخ محمد علی مکی کے رسالہ  
مسلك السادات سے انتخاب و تلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے کرمی مولوی محمد شفیع  
صاحب دیوبندی نے حسب ایما حضرت والا اس کا اردو ترجمہ نفع عوام کے لئے لکھ دیا ترجمہ  
میں بغرض سہولت عوام تحت اللفظ کی رعایت چھوڑ کر خلاصہ مطلب بیان کیا ہے۔ حق تعالیٰ اس  
کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید اور سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دے۔ واللہ ولی التوفیق  
وہو حسبی و نعم الوکیل۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ منجد لا ینصلى على رسولہ الکریم۔ بعد حمد و صلوٰۃ  
کے واقع ہو کر یہ رسالہ کتاب مسلك السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے  
جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف  
فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دعا کی تحقیق اور بالخصوص دعا کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام  
اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے میں  
نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ اُن بیباک لوگوں کی زبان بند ہو جو دعا بعد نماز پر بدعت ہونے  
کا حکم کرتے ہیں اور اس تلخیص کا نام استحباب الدعوات عقیب الصلوٰۃ رکھ دیا  
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع دے اور میرے لئے اس کو روز قیامت کے واسطے ذخیرہ بنا دے  
اور میرا نام اشرف علی تھانوی ہو اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے اور میں نے یہ رسالہ  
اوائل رجب ۱۳۵۲ھ میں تحریر کیا ہو ولی اللہ تعالیٰ علی  
سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین السلام تحیۃ۔

## الجزء الاول

روى الحافظ ابوبكر احمد بن اسحق المعصوم بابن السني في كتابه عمل اليوم والليلة (حدثنا) احمد بن الحسن (حدثنا) ابواسحاق يعقوب بن خالد بن يزيد الباسلي (حدثنا) عبد العزيز بن عبد الرحمن القرشي (عن) خصيف (عن) انس رضى الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من عبد ينسب كفيه في دبر كل صلوة لا يقول اللهم الهى واله ابراهيم واسحاق ويعقوب واله جبرئيل وميكائيل واسرافيل اسألك ان تستجيب دعوتى فاني مضطر وتعصم منى دينى فاني مبتلى وتعالى برحمتك فاني مذنب وتنفي عني الفقر فاني متمسك الا كان حقاً على الله ان لا يرد يدى خائبتين وفي استاداه عبد العزيز بن عبد الرحمن فيه مقال وصرح في ميزان الاعتدال وغيره بان حديث ضعيف لكنه يعمل به في الفضائل كما عرفت ويقويه ما اخرج الحافظ ابوبكر بن ابى شيبه في مصنفه عن الاسود العامري عن ابيه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا الحديث ولا ينبغي ان أمة الحديث ذكر وان رواية الضعيف مع الضعيف توجب ألا ارتفاع من درجة السقوط الى درجة أن اعتبار وقال الحافظ السيوطي في فض الوعاء في احاديث رفع اليدين في الدعاء اخرج ابن ابى شيبه قال حدثنا محمد بن يحيى الاسلمى قال رأيت عبد الله بن النضر يوماً رجلاً رافعا يديه يرفع يديه قبل ان يفرغ من صلواته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلواته رجاله ثقات اهـ.

هـ هكذا في الاصل ۱۲

پہلا جز (امام نسائی کے شاگرد) ابن سنی نے اپنی کتاب عمل اليوم والليلة میں اسناد مندرجہ متن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگھا ہو تو حق تعالیٰ اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو محروم کر کے نہ ٹوٹائیں (بلکہ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں اور ترجمہ دعا کا یہ ہے) یا اللہ اے

افادہ العلامة السید محمد بن عبد الرحمن بن سلیمان یحییٰ بن عمر بن مقبول الادلہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المعیار اخرج عبد الرزاق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الدعاء اسمع ای اقرب الی الاجابة قال شطر اللیل الاخیر وادبار المکتوبۃ وصححه عبد الحئی وابن القطان و ذکر الامام المحدث ابوالسبیح فی کتاب مصباح الظلم عن النبی صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انه قال من كانت له الی اللہ حاجۃ فلیسألہا بصلوٰۃ مکتوبۃ ۱ھ۔

میرے معبود اور حضرت ابراہیم واسحق و یعقوب کے معبود اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرما اسلئے کہ میں مضطر (مجبور) ہوں اور دین کے معاملہ میں میری حفاظت فرما کیونکہ مبتلا، معاصی ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے اندر لے لیجئے کیونکہ میں گناہ گار ہوں اور مجھ سے فقر و محتاجی کو دور کر دیجئے کیونکہ میں مسکین ہوں اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبد العزیز بن عبد الرحمن بھی ہیں جن کے بارہ میں علماء کو کلام (اختلاف) ہے اور میزان الاعتدال وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاوے گا جیسا کہ ہر اہل علم جانتا ہے اور اس حدیث کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت اسود عن ابیہ نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جانب قبلہ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی (آگے دعا وہی ذکر کی ہے جو اوپر والی حدیث میں گزری) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ائمہ حدیث نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک ضعیف روایت کے ساتھ جب دوسری ضعیف روایت (اس کی موید مل جاتی ہے تو وہ ساقط وغیرہ معتبر ہونے کے درجہ سے ترقی کر کے درجہ اعتبار و اعتماد پر پہنچ جاتی ہے) اور حافظ (جلال الدین) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ فضائل الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحییٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر کو اس طرح دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعا کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے اور سب

**الجزء الثاني** وروی ابن السنی ایضا عن ابی امامة ما دونت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلاة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها اللهم انعشني واجبرني واهدني لصالح الاعمال والاخلاق انه لا يهدي لصالحها ولا يصرف سيئها الا انت وروی النسائي وغيره اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي عصمة واصلم لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوائك من نقمتك واعوذ بك منك لانا ما نع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجبد منك الجبد وابود اود اذا انصرف من المغرب فقل اللهم اجرني من النار سبع مرات اذا قلت ذلك ثمرت من ليلتك كتب لك جواز منها واذا صليت الصبح فقل كذا لك ان مت من يومك كتب لك جواز منها **ف** قال الجامع وحديث النسائي اخرج في كتاب الصلوة باب نوع اخر من الدعاء عند الا نصرف من الصلوة وقامه عن عطاء بن مروان عن ابيه ان كعبا حلف له بالله الذي فلق البحر ل موسى انا لنجد في التوراة

راوی اس روایت کے ثقہ ہیں ۱۱۔ یہ تحقیق علامہ سید محمد بن عبد الرحمن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول اہل زبیدی رحمۃ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور کتاب المعیار میں ہے کہ (امام حدیث) عبد الرزاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی زیادہ قبولیت کے قریب ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری نصف رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد اس حدیث کو محدث عبدالحق اور ابن قحطان نے صحیح کہا ہے اور امام محدث ابوالریج نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگتا ہو وہ نماز فرض کے بعد مانگے ۱۲۔

**جزء دوم**۔ امام ابن سنن نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ میں جب کبھی نماز فرض یا نفل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہوں سنا کہ یا اللہ میری سب گناہ اور خطائیں معاف فرما دیجئے یا اللہ مجھے بلند کیجئے اور میرا اجر نقصان کر دیجئے اور مجھے عمدہ اخلاق و اعمال کی طرف ہدایت فرمائیے کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی

ان داود بنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا انصرف من صلوٰۃ قال اللہم اصلح لی دینی الذی جعلت لی عیمة واصح لی دنیا علی لقی جعلت فیہا معاشی اللہم انی اعوذ بربنا من سخطک واعوذ بعینی بعفواک من نفمتک واعوذ بک منک (لما نفع لما اعطیت ولا معطى لهم منعت ولا ینفع ذالجد منک الجحد قال وحدثنی کعب بن صہیباً حدثتہ ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول لہن عند انصرافہ من صلاۃ قال الجامع واخرج الحاکم فی باب الدعاء بعد الصلوٰۃ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بیدی یوماً ثم قال یا معاذ واللہ انی لاحبک فقال معاذ یا بنی انت وای یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وانا واللہ احبک فقال اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوٰۃ ان تقول اللہ اعنی علی ذکرک وشکرتک وحسن عبادتک قال وادعی بذلک معاذ الصناجی وادعی الصناجی ابا عبد الرحمن الحبلی وادعی ابو عبد الرحمن عقبہ بن مسلمہ ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولحمہ نجر جالہ (وقال الذہبی فی التلخیص علی ثمر طہما) مستدرک ص ۲۴۳ ج ۱۔

ہدایت نہیں کر سکتا اور نہ بُرے اعمال و اخلاق سے آپ کے سوا کوئی بنا سکتا ہے اور امام نسائی نے حضرت کعب بن جریج سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کر دیا تھا کہ ہم تو رات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے اے اللہ میرے دین کو درست فرمائے جس کو آپ نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میری دنیا کو درست کر دیجئے جس میں آپ نے میرا گزارہ رکھا ہے یا اللہ میں آپ کے عقد سے آپ کی رضا کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور میں آپ سے آپ ہی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں جو کچھ آپ عطا فرمادیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ روکیں اس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی کو شیش کرنے والے کی کو شیش نہیں چلتی۔ راوی کہتا ہے کہ اصل رسالہ میں جو نسائی کی حدیث نامکمل تھی جسکو تلخیص میں بعنوان فائدہ مکمل لکھا گیا ہے اس نے ترجمہ میں مکمل حدیث کا ترجمہ لیا گیا ہے پھر اصل رسالہ میں جس قدر جز دلیل ہے اس کے ترجمہ کی حاجت نہ رہی ۱۲ منہ



**الجزء الثالث** - اعلیٰ انہ لا خلاف بان المذاہب الاربعہ فی ندب الدعاء سر الامام والغد واجاز المالكیة والشافعیة حصراً امامہ لتعلیو المامومین او تامينہم علی دعائہ فاما نصوص المالكیة فی المعیار قال بن عرفة مضی علی من یقتدی بہ فی العلو والدين من الأئمة علی الدعاء باثر الذکر لو اردا شتہام الصلوة وما سمعت من یسکر الاجاہل غیر مقتدی بہ ورحمہ اللہ بعض الاہل سنتین فانما انتہی الیہ ذلک الف جزءاً علی منکرہ اہد فی نوازک لصلاة منہ ایضاً من الامور الی الی

حضرت کعب نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اور تلخیص رسال میں بضمن فائدہ مستدرک حاکم باب الدعاء بعد الصلوة سے اس روایت کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ خدا کی قسم میں تم سے محبت رکھتا ہوں معاذ رضی عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں پھر فرمایا اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعاء کو کبھی نہ چھوڑنا (دعا یہ ہے) یا اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت معاذ نے یہی وصیت مناجاتی کو فرمائی اور مناجاتی نے ابو عبد الرحمن کو اور ابو عبد الرحمن نے عقبہ بن مسلم کو حاکم نے اس حدیث کو علی ثرا بخاری و مسلم صحیح کہل ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو تسلیم کیا ہے (تمت الفائدة) اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو سات مرتبہ یہ دعاء پڑھو یا اللہ مجھے آگ سے نجات دیجئے اگر تم نے یہ دعاء پڑھ لی اور پھر اسی رات میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاوے گی اور جب صبح کی نماز پڑھ چکو جب بھی یہی دعا اسی طرح پڑھو اگر اس دن میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم سے نجات لکھ دی جائیگی۔

**تیسرا جزو** - خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہ - شافعیہ - مالکیہ - حنبلیہ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعاء مانگا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ دعاء جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا اس کی دعا پڑھ آئیں کہہ سکیں۔ مالکیہ کی روایات فقہیہ اس بارہ میں یہ ہیں۔ معیار میں ہے کہ ابن عوف نے کہا ہے کہ علم اور دین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے ان کا عمل اس پر ہوتا ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد دعاء

کالمعلوم بالضرورة استہزار عمل لائمتہ فی جمیع الاقطار علی الدعاء اذ بار الصلوات فی  
مساجد الجماعات واستصحاب الحال حجتہ واجتماع الناس علیہ فی المشارق  
والمغرب منذ الازمنة للتقادمة من غیر نیکیر ابی هذه المدة من الادلة  
علی جوازہ واستحسان الاخذ به وتاکدہ عند علماء الملة اہ باختصاص۔ و  
قال القاضي محمد بن العربي والد علم بعدا لملکتیة افضل من الدعاء بعد  
النافلة او فی الاکمال ذکر عبدالحق اما کن قبول الدعاء وان منها الدعاء  
اثر الصلاة وانکر الامام ابن عرفة وجه الخلاف فی ذلك وقال لا اعرف  
فیه کله قلته ان عنی بقوله لا اعرف فیه کله اى لم تقدم فصيح  
وان عنی به مطلقا فقیه شئ لان الشیخ الشهاب الدین القرانی  
رحمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ فی اخراقہ وعللہا بما یقع بذلک فی نفس  
الامام من التعاطر اھ واقول مقتضاہ ان القرانی کرہه مطلقا سرا  
اوجہه اولیس کذب لک ففی ابی الحسن علی الرسالة مانصہ القرانی  
کرہه مالک رضی اللہ عنہ وجماعة من العلماء لائمتہ المساجد الجماعات  
الدعاء عقب الصلوات المکتوبة بجهل الحاضرین فیجتمع لہذا  
الامام التقدم وشرع کونه نصب نفسه واسطة بین اللہ تعالیٰ وعبادہ  
فی تحصیل مصالحہم علی یدیه فی الدعاء فیوشک ان تعظم نفسه  
ویفسد قلبہ ویعصى ربہ فی ہذا الحالة اکثر مما یطبعہ وقال للجامع  
الکسل ہ لوجود العارض الغیل الغالب لا ینفع الا باحة اذ انعدم العارض

ماثورہ پڑھتے تھے اند میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس سے انکار کرتا ہو بجز اس جاہل کے جس کا اتباع  
نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے بعض علماء اندلس پر کہ جب انھوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس  
کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا ۱۰۔

اور کتاب میحار کے، نوازل الصلوٰۃ میں مرقوم ہے ان امور میں سے جن کا ثبوت مثل ضرورت  
و بدیہیات کے ہے تمام اطراف دنیا میں ائمہ کرام کا یہ عمل بھی ہے کہ نمازوں کے بعد مساجد اور جماعتاً  
میں دعا مانگتے تھے اور استصحاب حال ایک حجت شرعیہ ہے اور مشرق و مغرب میں تمام مسلمانوں کا  
اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع اور متفق ہو جانا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور اس کو اختیار

**الحج السابع**۔ فقد اکثر الناس في هذه المسئلة اعنى دعاء الامام عقب الصلاة وتأمين الحاضرين على دعائه وحاصل ما انفصل عنه الامام ابن عرفة والغبريني ان ذلك ان كان على نية انه من سنن الصلاة وفضائلها فهو غير جائز وان كان مع السلامة من ذلك فهو باق على حكم اصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلهما من الشريعة معلوم <sup>عظم</sup>

کرنے کے مستحب و مستحسن ہونے اور علماء مذہب کے نزدیک اس کے ٹوکہ ہونے کے دلائل میں سے ہو۔ انتہی باختصار۔ اور قاضی محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ دعاء بعد نماز فرض کے افضل ہے دعاء بعد النفل سے۔ اور اکمال میں ہے کہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ان مواضع کو جمع کیا ہے جن میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک دعاء بعد نماز بھی ہے اور امام ابن عرّفہ نے اس بارہ میں کسی کا خلاف ہونے کا انکار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میں اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتا میں کہتا ہوں کہ امام ابن عرّفہ نے اگر اپنے قول میں کسی قسم کی کراہت نہ سمجھنے سے یہ مراد لی ہے کہ کسی متقدم بزرگ نے اس کو مکروہ نہیں کہا تو صحیح ہے اور اگر مطلقاً مکروہ نہ کہنا مراد ہے تو اس میں ایک تردید ہے وہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین قرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قواعد کے آخر میں کراہت ذکر کی ہے اور علت کراہت کی یہ بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعظم و تکبر پیدا ہوتا ہے انتہی۔ اور میں کہتا ہوں کہ مقتضا اس کا یہ ہے کہ قرانی نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے خواہ سرّاً ہو یا جہراً حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابو الحسن کے حاشیہ رسالہ میں یہ الفاظ ہیں قرانی کہتے ہیں کہ امام مالک اور علماء کی ایک جماعت نے ائمہ مساجد و جماعات کے لئے فرض نمازوں کے بعد حاضرین کو سنانے کے لئے جہاداً مانگنا مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے دو چیزیں بڑائی اور سیادت کی جمع ہو جائیں گی بوجہ امامت کے سب کے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دعائیں ایک واسطہ بنا کر قائم کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ اس کے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے اور اس کا قلب فاسد ہو جائے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کر رہا ہے اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ و حضرت جامع در سالہ استجاباً لدعوات میں (فرماتے ہیں کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر اور غالب نہ ہو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونیکے وقت اباحت فی نفسہ کی معارض و مخالفت نہیں۔

چوتھا جزو۔ لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت بحث و گفتگو کی ہے یعنی نماز کے بعد امام کا دعاء

**الجزء الخامس** - واما النصوص لشافعية فنفى فتح المعين مع المتن  
 ورسن ذكر دعاء سار عقبها اي الصلاة اي بين الاسرار بمسائل المنثور وما  
 موم واما لم يرد تعليم الحاضرين ولا تامينهم لدعاءه بسماعه اه وني  
 شرح العباب لابن حجر وفتاوى الكبرى و يسن للمصلي اذا كان منقرا  
 او مأموما كافي المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوة ان ذكر الله  
 تعالى والدعاء سر الاجبار الصحيحة لكن قال الاسنوي الحق انه يسن للامام  
 ان يختصر في الذكر والدعاء بحضور المامومين فاذا انصرفوا طول  
**الجزء السادس** - بعد قوله واما نص الخبايلة باسطر فيوخذ  
 من مجموع ذلك ان الدعاء اثر الصلوات مسنون عند الخبايلة

کرنا اور حاضرین کا اس پر آمین کہتے رہنا اور خلاصہ اس تحقیق کا جو امام ابن عزمہ اور عمرینی نے فرمائی ہو  
 یہ ہے کہ ایسی دعاء اگر اس نیت سے ہو کہ یہ نماز کی سنتوں اور مستحبات میں سے ایک سنت و مستحب  
 ہے تب تو ناجائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے سلامتی کے ساتھ (محض ایک دعاء مستجاب ہونے کی  
 حیثیت سے) ہے تو وہ اصل دعا کے حکم میں ہے اور دعاء ایک عبادت شرعیہ ہے جسکی فضیلت  
 نصوص شریعت سے معروف و مشہور ہے آہ۔ یہاں تک عدوی کا کلام ختم ہوا کسی قدر تصرف و زیادت  
 کے ساتھ۔ **پانچواں جزو**۔ اور مذہب شافعیہ کی روایات فقہیہ (اس مسئلہ میں) یہ ہیں فتح المعین  
 اور اس کے متن میں ہے اور مسنون ہے ذکر اور دعاء بعد نماز کے آہستہ یعنی دعا کا آہستہ پڑھنا مسنون  
 ہے منفرد کے لئے بھی اور امام اور مقتدی کے لئے بھی اور اس امام کے لئے بھی جو اس کا ارادہ نہ رکھے کہ  
 حاضرین کو تعلیم ہو یا حاضرین اس کی دعاء سن کر پھر آمین کہیں آہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح  
 عباب میں اور ان کے فتاویٰ کبریٰ میں ہے مسنون ہے نمازی کے لئے جبکہ وہ منفرد یا مقتدی ہو  
 (جیسا کہ کتاب مجموع میں بحوالہ نص مذکور ہے) یہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کثرت سے ذکر  
 اللہ کرے اور پست آواز سے دعاء مانگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے لیکن امام اسنوی  
 فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ امام کے لئے مسنون یہ ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ ذکر و دعاء میں اختصار  
 کرے جب کرے جب وہ چلے جائیں (یا منتشر ہو جائیں) پھر طویل ذکر و دعاء کر سکتا ہے۔

**چھٹا جزو**۔ اور مذہب خابلیہ کی روایات فقہیہ کے متعلق کچھ عبارات صاحب سالہ نے نقل کرنے  
 کے بعد فرمایا ہے کہ ان عبارات کے مجموعہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعا بعد تمام نمازوں کے خابلیہ

لانہ من ساعات الاجابة كما دلت عليه الاحاديث الماتقة بل قال الشيخ منصور  
بن اديس الحنبلي في شرح الاقناع مع المتن ليس ذكر الله والدعاء  
والاستغفار عقب الصلوة المكتوبة الى ان قال ويدعو الامام بعد  
فجر وعصر لحضور الملكة فيهما فيؤمنون على الدعاء فيكون اقرب الاجابة  
وكذا يدعو بعد غيرهما من الصلوة لان من اوقات الاجابة ادبار  
الملكوت ويدعو الدعاء بالحمد لله والثناء عليه ويختتم به ويصلي  
على النبي صلى الله عليه وسلم اوله واخره ووسطه

کے نزدیک مسنون ہے اس لئے کہ یہ وقت ساعات اجابت میں سے ہے جیسا کہ احادیث  
مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ شیخ منصور ابن ادریس حنبلی نے شرح اقناع میں فرمایا ہے  
کہ مسنون ہے ذکر اللہ اور دعاء و استغفار بعد نماز فرض کے یہاں تک فرمایا اور دعاء کرے امام بعد  
نماز فجر و عصر کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس کی دعا پر آمین کہیں گے  
جس سے وہ اقرب الی القبول ہو جاوے گی اور اسی طرح ان دونوں نمازوں کے علاوہ اور نمازوں  
میں دعا کرے کیونکہ اوقات اجابت میں سے ایک وقت فرض نمازوں کے بعد بھی ہے اور چاہیے  
کہ دعا کو حمد و ثناء سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ورد بھیجے دعا  
کے اول و آخر میں بھی اور وسط میں بھی اور سب دعا کرنے والے اس وقت قبلہ کی طرف کو منہ  
کریں علاوہ امام کے کیونکہ بہترین مجلس وہ ہے جس میں استقبال قبلہ ہو لیکن امام کے لئے استقبال  
قبلہ (بعد ختم نماز کے) مکروہ ہے بلکہ وہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے بیٹھے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے  
کہ امام کو بعد سلام کے مقتدیوں کی طرف پھر جانا چاہیے اور چاہیے کہ دعا کرنے والا دعا میں  
الحاج و امرا کرے اور دعا کو تین مرتبہ کرے کیونکہ مکرر کرنا بھی صورت الحاج کی ہے اور  
دعا پست آواز سے بہ نسبت جہر کے افضل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ادعوا  
ربکم تضرعاً و خفیة یعنی اپنے رب کو پکارو و الحاج و امرا کے ساتھ خفی آواز سے  
کیونکہ خفیہ اور سر آواز دعا کرنا اخلاص کی طرف اقرب ہے فرمایا یعنی شیخ منصور نے اور دعا میں  
جہر اور بلند آوازی نماز اور غیر نماز میں مکروہ ہے مگر حج کرنے والا اس سے مستثنیٰ ہے کہ اسکے  
لئے آواز بلند کرنا افضل ہے بوجہ اس حدیث کے کہ افضل حج کا وہ ہے جس میں آوازیں دعا  
و تبلیہ کی بلند ہوں اور خون (قربانیوں کے) بہائے جائیں اھمراذ بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا

ولیس تقبل الداعی غیر الامام ہذا القبلة لان خیر المجالس ما استقبل بہ القبلة ویکرہ للامام استقبال القبلة بل یستقبل المامومین لما تقدم انه ینحرف الی صحر اذا سلم ویلح الداعی فی الدعاء ویکرہ ثلاثا لانہ نوع من الاحاج والدعاء سر افضل منه جہر القول تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة لانہ اقرب الی الاخلاص قال ویکرہ رفع الصوت بہ فی الصلاة وغیرھا الاحاج فان رفع الصوت لہ افضل لحدیث افضل الحجج والنجہ اھ المراد والظاہر انہم لا یکرہون الجہر بالدعاء لقصد التعليم والتامین فقد بر۔

### الجزء السابع۔ واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح

للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع الماتن یشتبہ للامام بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلة ان یتقبل الناس

جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔ ح  
سأوال جزو۔ اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہیہ یہ ہیں علامہ شرنبلالی کی شرح نور الایضاح اور اس کے متن میں ہے مستحب ہے امام کے لئے بعد نفل کے اور بعد فرض کے اگر بعد اس فرض کے کوئی نفل نہ ہو یہ کہ اگر چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشہ طیکہ اس کے مواجہہ میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اگر چاہے تو امام یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی بائیں جانب کی طرف پھر جائے اور قبلہ کو اپنی داہنی جانب کرے اور اگر چاہے تو اپنی داہنی جانب پھر جائے اور قبلہ کو اپنی بائیں جانب کرے اور یہ اخیر صورت اولیٰ و بہتر ہے اسلئے کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ کی داہنی جانب میں کھڑے ہوں تاکہ آپ کا چہرہ مبارک ہماری طرف ہو اور امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد نماز کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی حاجات کے لئے اٹھ کھڑا ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اطراف زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رزق دروزی کو طلب کرو اور یہ حکم (منتشر ہو جانے کا)

ان شاء ان لم يكن في مقابلة مصبل لما في الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا صلى اقبل علينا بوجهه وان شاء الا ما امر ان تحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وان شاء انحر عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا الذي لما في مسلم كنا اذا اصلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه وان ذهب لجوائجه قال تعالى فاذا قضيت الصلوة فانشر ذاني الارض واتبعوا من فضل الله والامر للاباحة الى قوله رافعي ايديهم حذاء الصدور ويطونها مما يلي الوجه بخشوع وسكون الخ

**الجزء الثامن** فحصل من هذا كله ان الد عا د بر الصلوات مسنون ومشرع في المذا هب الا ربعة لم ينكره الا ناعق مجنون قد ضل في سبيل هواة ووسوس له الشيطان فاغوا ۵

ظن الجھول بان مطلق عفتہ یتھدیہ یوما للسبیل لمستوی  
فاضلة حتى الشریعة ردھا یتجرد البهتان والسفہ القوی  
یا رب سلمنا وسلم دیننا واهد العباد لمنھم الحق السوی  
**الجزء التاسع** - فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء قال  
السید محمد بن عبد الرحمن الاھدل اعلم وفقنی اللہ واباک  
اباحت وجواز کے لئے ہے (الی قول) دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سینوں  
کے برابر اور ہاتھ کی اندرونی جانب یعنی پتھیلی کی طرف اپنے چہرہ کی جانب ہو اور یہ تمام افعال  
خشوع وسکون کے ساتھ ہونا چاہئیں۔

**آٹھواں جزو**۔ پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دعا کرنا چاروں مذہبوں میں سنون و مشروع ہے اس کا انکار سوا اس جاہل مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہو گیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اسکو بہکا دیا۔ (ترجمہ جاہل نے سمجھ لیا کہ محض اس کی عقل کیسے قوت اسکو سید راستہ کی ہدایت کر دیگی + اس کے اس گمان نے اسے گمراہ کر دیا یہاں تک کہ شریعت پر محض بہتان اور اپنی انتہائی بیوقوفی سے رد کرنے لگا + اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے دین کو سلامت رکھ اور اپنے بندوں کو صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔ (نواں جزو) دعا کے وقت ہاتھ

لمرضاته ان رفع الیدین فی الدعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیر ہا دلّت علیہ الاحادیث خصوصاً وعموماً فمن العصور ما اخرجہ ابو داؤد والترمذی حسنہ وابن ماجہ وابن جبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین من حدیث سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حیّ کریم یتجہی اذ رفع الرجل الیہ یدتہ ان یردہما صفراً اخائبتین واخرج الحاکم وقال صحیح الا سناد من حدیث انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ رحیم کریم یتجہی من عبد ان یرفع الیہ ید یہ ثوراً یضع فیہما خیرا واخرج احمد و ابو داؤد من حدیث مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسألوہ ببطون الکفکم ولا تساءلوہ بظہورہا واخرج ایضاً من حدیث ابن عباس نحوہ وزاد فیہ فاذا ادرغتم فاستجروا وجوہکم واخرج الترمذی من حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع ید یہ فی الدعاء لم یحطہما

اٹھانے کے متعلق سید محمد ابن عبدالرحمن اہل فرماتے ہیں سمجھ لو حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے کہ دعاء کے وقت خواہ وہ کوئی دعاء ہو اور کسی وقت ہونا ذیل کے بعد ہو یا ان کے سوا دوسرے اوقات میں ہاتھ اٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں خاص خاص اوقات کے لئے بھی اور عام اوقات کے لئے بھی الفاظ عموم کی روایات تو یہ ہیں ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور ابن جبان نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط الشیخین لکھا ہے وہ حدیث یہ ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بہت جیا کرنے والے اور کریم ہیں وہ اس سے جیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی اور محروم ٹوٹا دے اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس بندہ سے جیا کرتا ہے جو اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں پر کوئی



حتیٰ یمسح بهما وجهہ۔ وقال فی فتح الباری فی کتاب الدعوات فی باب رفع  
الیدین فی الدعاء وقد وردت الاخبار فی مشروعیۃ الرفع وقد اخرج  
ابوداؤد والترمذی وحسنہ وغیرہما من حدیث سلمان رفعہ  
ان ربکم حی کریم لیس تحیی من عبد لا اذا رفع یدیه ان یردہا  
صفرا بکسر المهملة وسکون الفاء ای خالیة وسندہ جید اھ  
من الخصوص ما مر فی الفصل الاول

**ف**۔ قال جامع ای من اصل الکتاب وهو ما سبق فی الجزء الاول من هذا  
الانتخاب **ف**۔ قال الجامع اما استحباب رفع الایدی للدعاء علی کل  
حال فمرادہ اذا قراء العناظ الدعاء وبنیۃ الدعاء

خبر وعطانہ رکعہ اور امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال  
کرو ظاہری طرف سے نہ کرو (یعنی ہتھیلیاں چہرہ کی طرف ہوں اور پشت دست نیچے کی  
طرف) اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے  
کہ جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لو اور ترمذی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے  
روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کو نہ  
ڈالتے تھے جب تک کہ ان سے چہرہ مبارک پر مسح نہ فرمایا اور فتح الباری کتاب الدعوات  
باب رفع الیدین فی الدعاء میں ہے کہ وارد ہوئی ہیں بہت سی احادیث ہاتھ اٹھانے کی  
مشروعیۃ میں اور حضرت ابو داؤد نے حضرت سلیمانؑ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے  
روایت کر کے حسن کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارا رب جاکر نے  
والاکریم ہے اپنے بندہ سے جیا کرتا ہے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے ان کو خالی ٹوٹا دے اور سند اس  
حدیث کی عمدہ ہے اور وہ روایات جن میں خاص خاص اوقات کی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے  
کا ارشاد ہے وہ اس رسالہ کی فصل اول میں گزر گئی ہیں۔

**ف**۔ اس رسالہ کی تلخیص کرنے والے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فصل  
اول سے اصل رسالہ مسلک السادات کی فصل اول مراد ہے اور اس تلخیص سالہ میں روایات  
جز اول کے زیر عنوان گزری ہیں۔ **ف**۔ حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ دعا

وطلب الحاجة كما هو دأب الداعی واما اذا ذكر بعض الادعية الماثورة بنية الذكر والاستئنان بسنة النبي صلى الله عليه وسلم كما في ادعية الصباح والمساء والنوم واليقظة ودخول الخلاء والخروج عنه ودخول المسجد والخروج عنه والدعاء عند الوضوء والقيام من المجلس ودخول السوق وامثال ذلك على ما بسطه علماء هذا الفن كما في عمل اليوم والليلة لابن السني - والاذا كان للنودي والحصن الحصين وغيرهما فلم يسمع بمن قال بسنية رفع اليدين في هذه المواضع ولم يسمع في السلف والخلف بمن يفعل ذلك كيف ولو كان كذلك لرأيت الناس في عامة احيانهم واحوالهم رافعي ايديهم وهذا الفرق في ذكر لفاظ الادعية قد رعاها الفقهاء خوفا لرعاية حيث قالوا في الجنب انه لا يجوز له قراءة الادعية اذا كان بنية التلاوة واما اذا ذكرها بنية الدعاء فيجوز كما في عامة كتب الحنفية انتهى

**الجزء العاشر - في حكم رفع اليدين على المذاهب الاربعه**

كے وقت ہاتھ اٹھانا ہر حال اور ہر وقت میں بعد نماز ہو یا دوسرے اوقات میں ہر حال مستحب ہے یہ اس وقت ہے جبکہ الفاظ دعا کو طلب حاجت کے قصد و نیت سے پڑھے لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو جیسے صبح و شام اور خواب و بیداری کے اوقات کی دعائیں یا بیت الاخلاء میں جانے اور نکلنے کی اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی اور وضو کی دعائیں اور مجلس سے اٹھنے اور بٹانے میں داخل ہونے وغیرہ کی دعائیں جیسا کہ کتاب عمل اليوم والليلة اور اذکار نووی اور حصن حصین میں دعائیں مفصل مذکور ہیں تو ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں اور سلف و خلف میں کسی عالم یا فقیہ کو نہیں سنا گیا کہ وہ ان میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب یا مسنون ہونے کا قائل ہو اور کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان کا کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہتا کیونکہ یہ دعائیں تو انسان کی ہر نقل و حرکت پر مسنون ہیں اور یہ فرق جو مذکور ہوا حضرات فقہانے اس کی رعایت دوسرے موقع پر بھی فرمائی ہو مثلاً جنب کیلئے حکم ہے کہ اگر تلاوت قرآن بہ نیت تلاوت کرے تو جائز نہیں اور اگر بہ نیت ذکر یا نور یا طلب حاجت کرے تو جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں موجود ہے

**(سوال جزو رفع یدین فی الدعاء کے متعلق مذاہب اربعہ کی تصریحات) حضرات**

اما عند المالکۃ فی عتبیۃ قال مالک رایت عامر بن عبد اللہ یرفع یدیه وهو جالس بعد الصلاۃ یدعو فقیل مالک اترى بهذا باسا قال لا اری به باسا ولا یرفعهما جدا وقال ایضاً رفع الیدین الی اللہ تعالیٰ عند الرغبة علی وجه الاستکانۃ والطلب محمود۔ وقال القاضی ابو محمد ابن العربی اختلفوا فی الرفع الی این یکون فقیل الی الصدر وقیل الی الوجه وجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یرفع یدیه فی الدعاء حتی یمید ویماض بطة

**الجزء الحادی عشر** - واما عند الشافعیۃ فی فتح المبین علی الاربعین لابن حجر ورفع الیدین فی الدعاء سنة فی غیر الصلاۃ وفيہا فی القنوت اتباعا لہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**الجزء الثانی عشر** - واما عند الاحناف فقد مر عن الشریانی طلب رفعہما فی الدعاء دبر الصلاۃ حذاء الصدر ویطونہما مامی الی الوضو بخشوع وسکون۔

مالکیہ کی روایات تو یہ ہیں عتبیۃ میں ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبد اللہؓ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھانا بوقت رغبت کے اظہار عاجزی و طلب کے طور پر محمود و مستحسن ہے اور قاضی ابو محمد ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کس حد تک ہونا چاہیے بعض نے فرمایا ہے کہ سینہ تک اور بعض نے چہرہ تک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ دعا میں اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

**گیارہ ہوال جزو** - اور مذہب شوافع کی روایت فقہی یہ ہے کہ فتح المبین حاشیہ ابن حجر میں ہے اور اٹھانا ہاتھوں کا دعائیں سنت ہے غیر نمازیں اور نماز میں صرف قنوت کے وقت حسب اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ **بارہ ہوال جزو** - اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہی بحوالہ شرح نور الایضاح شریانی اوپر نظر چسکی ہے جس میں تمام نمازوں کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ سینہ تک ہاتھ اٹھانے اور ان کے اندر دینی حقہ کو چہرہ کی طرف کرنے کا مطلوب مستحب نامذکور ہے۔

ف قال الجامع وسبق ما عن الشر بن لانی فی الجنا السادس۔

**الجزء الثالث عشر** واما عند الحنابلة في مقتضى قول الشيخ البهوتي في شرح المقنع في باب الاستسقاء ويرفع يديه استجبا في الدعاء لقول انس كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه في شيء من دعائه الا في الاستسقاء وكان يرفع حتى يرى بياضابطه متفق عليه وظهر هما نحو السامحديث رواه مسلم اهما ان رفعهما مكره في غير الاستسقاء لكن مرعنه رفعهما في القنوت بل قال الشيخ منصور بن ادریس الحنبلي في شرح الاقناع مع المتن ومن ادا اب الدعاء بسط يديه ورفعهما الى صدره لحد يث مالک بن يسار مرفوعا اذا سألتم الله فاساءلوه ببطون افكم ولا تسألوها بظهورها رواه ابو داود باسناد حسن وتكون يديكم مضمومتين لما روى الطبراني

ف حضرت جامع مظلّم فرماتے ہیں کہ شر بن لانی کی یہ عبارت ساتویں جزو میں مذکور ہوئی ہے۔  
تیر ہواں جزو۔ اور حنابلہ کی روایات مذہب یہ ہیں شرح مقنع باب الاستسقاء میں شیخ بہوتی کا قول ہے کہ اٹھائے اپنے دونوں ہاتھ دعا میں استجبا بوجہ ارشاد حضرت انسؓ کے کہ نبی کریم ﷺ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے ہاتھ کسی دعا میں سوائے استسقاء کے اور آپ (استسقاء میں) اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے اور (استسقاء میں) پشت ہاتھوں کی آسمان کی طرف رہنا چاہیئے روایت کیا اس کو مسلم نے اور مقتضی اس قول کا یہ ہے کہ اٹھانا ہاتھوں کا نماز استسقاء کے سوا دوسرے مواقع میں مکروہ ہے لیکن خود شیخ بہوتی کا قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ قنوت میں بھی ہاتھ اٹھائے جاویں بلکہ شیخ منصور بن ادریس حنبلی شرح اقناع میں فرماتے ہیں کہ آداب دعا میں سے ہے پھیلا نا ہاتھوں کا اور اٹھانا ان کا اپنے سینہ تک بوجہ حدیث حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم ﷺ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری جانب سے نہ کرو روایت کیا اس کو ابو داود نے اسناد حسن سے اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

فی الکبیر عن ابن عباس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادعا ضوکیفہ وجعل بطونہما یلی وجہہ وضعفہ فی المواہب۔

**الجز الرابع عشر**۔ فیما یتعلق بمسح الوجہ بالیدین بعد الدعاء قد مر ما یدل علی طلبہ من الاحادیث واما حکمہ علی المذاہب الاربعۃ فعند المالکیۃ قال فی المعیار قال ابن زرقون ورد الخبر بمسح الوجہ بالیدین عند انقضاء الدعاء واتصل بہ عمل الناس والعلماء وقال ابن رشد انکر مالک مسح الوجہ بالکفین لکونہ لحدید بہ اثر واما اخذ من فعلہ الصلوۃ والسلام للحدیث الذی جاء عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت قال بجواز مسح الوجہ بالیدین عند ختم الدعاء الامام الا ستاذ ابو سعید بن لب وابو عبد اللہ ابن علاق وابو القاسم بن سراج من متاخری ائمۃ غرناطۃ وابن عرفۃ والبرزلی والغبری بنی من ائمۃ تونس والسید ابو یحییٰ الشریف

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے تھے اور ہاتھوں کی اندرونی جانب اپنے چہرہ کی طرف کرتے تھے اور مواہب میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

**چودھواں جزو**۔ دعاء کے چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق وہ احادیث و روایات اوپر گزر چکی ہیں جن سے دعاء کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اب رہا چاروں مذاہب میں اس کا حکم سو مالکیہ کے مذہب کی روایت تو یہ ہے کہ معیار میں ابن زرقون کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے مسح کرنا اپنے چہرہ کا دونوں ہاتھوں سے بوقت اختتام دعا کے اور اس کی ساتھ تمام عوام و خواص اور علماء کا عمل مل گیا جس سے اس روایت کی تقویت ہو گئی اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ امام مالک نے دونوں ہاتھوں کے چہرہ پر پھیرنے کا بایں وجہ انکار کیا ہے کہ اس کے لئے کوئی حدیث نہیں آئی البتہ اس حدیث سے اس کو لیا جاتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام استاد ابو سعید بن لب اور ابو عبد اللہ ابن علاق اور ابو القاسم بن سراج جو متاخرین علماء غرناطہ میں سے ہیں اور ابن عرفہ اور برزلی اور غبرینی جو ائمہ تونس میں سے ہیں اور سید ابو یحییٰ شریف اور ابو الفضل عقیبانی جو

وابو الفضل العقبانی من ائمة تلمسان وعلیہ مضی عمل ائمة فاس اھ  
والمراد بالجدیث الذی جاء عن عمر رضی اللہ عنہ ما اخرجہ الترمذی  
عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء  
لم یحطہما حتی یمسح بہما وجہہ اھ نقل ذلک الماززی وغیرہ  
کذا فی شرح الشیخ محمد بن ابی القاسم المالکی علی نظمہ  
للمسائل الاتی جری بہا عمل الائمة قال الشیخ ابوالقاسم البرزلی  
وہذا یرد النکار عن الدین بن عبد السلام المسیح اھ وعند  
الشافعیۃ والاحناف انہ سنۃ فی کل دعاء الا فی القنوت کما  
فی کتبہم۔ ومرعن الحنابلۃ انہ سنۃ فی کل دعاء حتی فی  
القنوت وقد عدہ ابن حجر فی شرح العباب کما مر من آداب الدعاء  
وقال قال الحلیمی والمعنی فیہ التفاؤل بان کفیہ قد ملئت اخیراً  
فیفیض منہ علی وجہہ واللہ اعلم۔

ائمۃ تلمسان میں سے ہیں یہ سب حضرات دعاء کے بعد چہرہ پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے جواز کے  
قائل ہیں اور اسی پر ائمہ فاس کا عمل رہا ہے اور مراد اس حدیث سے جو حضرت عمرؓ سے منقول  
ہوئی ہے وہ ہے جو ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم جب اٹھاتے تھے اپنے ہاتھوں کو دعائیں تو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ نہ پھیر  
لیتے تھے ان کو اپنے چہرہ مبارک پر اھ۔ اس کو ماززی وغیرہ نے نقل کیا ہے ذکر کیا اس  
کو شیخ محمد بن ابی القاسم مالکی نے شرح نظم میں جس میں وہ مسائل جمع کئے ہیں جن پر ائمہ  
امت کا عمل رہا ہے شیخ ابوالقاسم برزلی فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عزالدین ابن  
عبد السلام کے انکار مسح وجہ کی تغلیط ہوتی ہے اور مذہب شافعیہ کا اس میں یہ ہے کہ وہ  
سنت ہے ہر دعا میں سوائے دعا قنوت کے جیسا کہ شوافع کی کتابوں میں اس کی تصریح  
ہے اور مذہب حنابلہ کی نقل گزر چکی ہے کہ وہ سنت ہر دعا میں بجز دعا قنوت کے اور ابن حجر  
نے شرح عباب میں اس کو آداب دعا میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ حلیمی فرماتے ہیں  
کہ راز اس فعل کے مستحب ہونے میں نیک فال لیسا ہے کہ گویا اس کے ہاتھ خیر سے بھر  
گئے ہیں اس کو اپنے چہرہ پر ڈالتا ہے۔ اھ واللہ اعلم۔

ف۔ قال الجامع وهذا القول من مسند الترمذی فی القنوت مذکور فی اصل الكتاب فی آخر المطلب الثاني من الفصل الاول تحت عنوان نص الحنبلة بهذه العبارة وفيه ايضا في مبحث صلوة الوتر وبقنت فيها اي في الثالثة الى قوله ومسح وجهه بيديه اذ افرغ من دعائه هذا خارج الصلوة ۛ

## الرئيسية

ف۔ حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ قول مسح وجہ فی القنوت کا اصل کتاب میں مطلب ثانی فصل اول میں زیر عنوان نص الحنبلة اسی عبارت مذکورہ کے ساتھ منقول ہے اور اس میں صلوة وتر کی بحث میں بھی یہ مذکور ہے کہ تیسری رکعت میں دعائوت کرے (الی قول) اور مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرہ پر جبکہ اپنی دعا سے فارغ ہو اس موقع (قنوت) میں بھی اور خارج نماز بھی اہتمام ہوا ترجمہ رسالہ استجاب الدعوات عقیت الصلوة کا والحمد للہ الذی لعزہ وجلالہ تتم الصالحات۔ (النور ۵۵۵ ۵۵۶ تا النور ۵۵۷ شعبان ۱۳۵۵ھ)

بیان سن بلوغ مرد | سوال (۵۵۸) سن بلوغ شریعت نے کیا مقرر کیا ہے۔  
الجواب۔ بارہ برس کے بعد جب علامات بلوغ کی ظاہر ہو جائیں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا

اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا۔  
واللہ اعلم، اشرف علی۔ علی سلخ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ والمسلۃ مشہورۃ فی کتب الفقہ مذکورۃ

(النور ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹)

ترک صلوة پر جرمانہ | سوال (۵۵۸) خادم جس موضع میں رہتا ہے لوگوں نے بے نمازی مسلمانوں پر جرمانہ مقرر کر رکھا ہے ابھی چند روز سے اہتمام بعض نمازیوں نے یہ کیلئے جس کی وجہ سے اور لوگ جو بے نمازی تھے نماز پڑھنے لگے اور جرمانہ کے متعلق آنحضور نے کانپور میں وعظ میں کچھ تحقیقات بیان فرمائی تھی جو یاد نہیں رہا یعنی وہ حدیثیں جن سے جرمانہ مقرر کرنا اپنے نفس پر جو کہ جائز ہے اور دوسرے لوگ کسی پر مقرر کریں اس کا ناجائز ہونا پھر اس مال جرمانہ کا وصول کر کے کسی نیک کام میں صرف کرنا اس کا ناجائز ہونا غرض اس کے متعلق جو حدیثیں یا دلائل فقہیہ ہیں آنحضور ان دلائل کو تحریر فرمادیں تاکہ صورت جواز و عدم جواز سے لوگ مطلع کر دیئے جاویں اور دلائل کی خادم نے اپنی یاد کے لئے تکلیف دی ہے کہ تحریر فرمادیں۔

**الجواب** - جرمانے کے مسئلہ کو فقہاء نے تعزیر کے باب میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور جو آثار صحابہ کے اس بارہ میں ہیں یا اجتہاد ہے یا اگر مرفوع حکمی ہیں تو منسوخ ہیں اور ناسخ یہ حدیث ہے کہ لا یحل مال امرء الا بطیب نفسہ اور یہ آیت لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل (تمہ اولی ص ۲)

صبح کے لئے فرض اور سنن | **سوال (۷۵۹)** صبح کی فرضوں اور سنتوں کے درمیان قدرے کے درمیان لیٹنے کا حکم | داہنی کروٹ پر لیٹنا اس کے مسنون وغیرہ ہونے کی کیا اصل ہے۔

**الجواب** - مسنون بایں معنی تو ہے نہیں کہ شرع میں مقصود ہو اور بایں معنی کہ آپ سے منقول ہے گو بطور عادت ہی سہی۔ ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ (تمہ اولی ص ۲)

تقدیم اور اوجہ الصلوٰۃ | **سوال (۷۶۰)** اکثر مسجدوں میں نماز کا وقت مقرر نہیں جب چار آدمی ہوئے جماعت ہو گئی اگر دیر سے جاوے تو جماعت نہیں ملتی اور بر صلوٰۃ

اگر پہلے چلا جاوے تو بیٹھے بیٹھے تنہا کی سی معلوم ہوتی ہے تو اس بیٹھنے میں جو اپنا وظیفہ پڑھے جو بعد نماز پڑھا کر تلے ہو گیا نہیں ہو سکتا۔

**الجواب** - ہو سکتا ہے۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۹)

اختلاف در تکفیر | **سوال (۷۶۱)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مقدمہ میں کہ جس شخص بے نماز کی زوجہ نماز نہ پڑھتی ہوگی تو اس کی اولاد حرامی ہوگی یا کیا۔

**الجواب** - صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے تارک صلوٰۃ کے کفر میں اختلاف کیا ہے فی التفسیر المظہری تحت قوله تعالى حافظوا على الصلوات واما تارک الصلوٰۃ فمما انفصل احمد یحییٰ وقال مالک الشافعی وہو رواۃ عن احمد انه لا یکفر لکن یتتاب فان تاب والا قتل وقتال ابو حنیفہ لا یقتل لکن یحبس ابدًا حتی یموت او یتوب آھ و فی نفع المفتی والسائل وقد اختلف الصحابۃ و التابعون فی کفر من ترک الصلوٰۃ متعمداً جزاء فقال من الصحابۃ سیدنا عمر و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عباس و معاذ بن جبل و جابر بن عبد اللہ و ابو الدرداء و ابو ہریرہ و عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم و من غیر الصحابۃ احمد بن حنبل و اسمٰح بن راہویہ و النخعی و ابو السجستانی و ابو داؤد و الطیالسی و ابو بکر بن ابی شیبہ ان من ترک الصلوٰۃ فی وقت عمدًا بلا عذر یکفر وقال حماد بن زید و کحول و الشافعی و مالک لا یکفر لکن یتقتل و عندنا لا یکفر ولا یقتل و یعزّز تعزیراً آھ۔ پس جنہوں نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا ہے چونکہ ارتداد احد الزوجین مبطل نکاح



ہے ان کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا اس کے بعد جو دھڑی کرے گا حرام ہے اور جو اولاد ہو  
ولدا الحرام ہے اور جمہور کہ ترک صلوٰۃ کو موجب کفر نہیں کہتے ان کے نزدیک نکاح باقی ہو اور دھڑی  
حلال اور اولاد ولدا الحلال اور مذہب جمہور کا رائج ہے لقولہ علیہ السلام فی حدیث طویل ومن  
لم یفعل اسی احسان الوضوء والصلوٰۃ بوقتہا و اتمام الركوع والختشوع فلیس علی اللہ عہد ان یشار  
غفر لہ ان یشار عذبه رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی نحوه تفسیر منطہری۔ پس ہمارا مذہب یہی ہے  
کہ صورت مسئلہ میں اولاد حرامی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم (امداد صفحہ ۱۲ ج ۲)

حکم مصافحہ بعد الصلوٰۃ و مطلب | سوال (۶۶۲) بعض احباب نے کتاب طحاوی کی عبارت  
عبارۃ طحاوی موہم جواز | جو کہ مطبع مصر صفحہ ۳۰۸ میں واقع ہے (و کذا اطلب المصافحۃ  
ہی سنتہ عقیب الصلوٰۃ کلبا و عند کل لقی) مصافحہ بعد صلوٰۃ فجر و عید وغیرہ سنت ہونے کا دعویٰ  
کیا کریں چونکہ اس کو خلاف جانتا ہوں اور یقینی خلاف جانتا ہوں لہذا جو کچھ بن پڑا اس کا  
جواب دیا مگر خود اپنے کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا لہذا خدام آستانہ سے خواستگار  
ہوں کہ کوئی تشفی بخش جواب مرحمت ہو۔

اجواب۔ میرے پاس طحاوی نہیں کہ اس میں دیکھتا لیکن اگر اس میں یہ عبارت  
ہو تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا ہو کیونکہ اس صورت میں  
تخصیص نہ رہے گی جو علت تھی بدعت ہونے کی عند کل لقی اس کا قرینہ ہے اس مصافحہ کا حکم  
سلام کا سا ہو جاوے گا اس لئے کہ حسب حدیث ان من تجا تکلم المصافحۃ۔ مصافحہ متمم ہے سلام  
کا سلام کا انشاء اس حد تک وارد ہے کہ سلام کے بعد اگر درمیان میں دیوار حائل ہو جاوے پھر  
سلام کرے اسی طرح اس کے متمم میں غوم ہو جاوے گا اور جو ان اوقات کی تخصیص کرتا ہو اس  
کے حق میں بدعت ہونا دوسرے محققین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ شامی جلد ۵ میں  
ہے نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط ان نکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ۔ بکل حال لان الصحابہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم مصافحہ بعد اداء الصلوٰۃ الخ۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ (تمہ خاثرہ صفحہ ۳۶۳)

عدم جواز اکر بکیر الصوت | سوال (۶۶۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مشین  
ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچا دیتی ہے جس طرح پاس کے  
اشخاص کو پہنچتی ہے پس کیا یہ جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ سے خطیب کی آواز کو تمام سامعین  
تک پہنچا دی جائے۔

**الجواب۔** اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جائے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے

اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشریع تکث پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسد با احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغِیْسٍ عَلِيمٍ ظاہر ہے کہ سب الہتہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و مواعظت و مجادلہ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا سبب مشہور کین لالہ الحق کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہذا ترک اور منع لازم ہو گا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقویٰ ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہو گا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ اس تشبہ کی بنا پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعة والکنیسی سے معلل کیا واللہ اعلم۔

۱۳ رمضان ۱۳۲۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۹۱)

## التحقیق الفرید فی حکم الہ تقرب للصوت البعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

سوال (۷۶۴) استفقنا عالم و اشیاء عالم اور ان کے خالق اعظم  
حکم آلہ کبر الصوت در | کے علم و معرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم  
صلوٰۃ و خطبہ

روحی فداه صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ذات علیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہم سنگ تہ عطا فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک غلطہ عبادت میں فیلسوف ارسطاطالیس نے جن نفوس قدسیہ کو اولئک ہوا الغلا سفتہ حقا کہا ہے ان کی خدمات عالیہ کیلچا فہ تحقیق حق و اطمینان اہل دین و دیانت عرض ہے۔

**اول۔** یہ کہ آپ اور کسی شخص سے یہ امر پوچھنا شیعہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اور ان کی جماعت کا سلسلہ استعدا طول طویل ہوتا ہے کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات کبیرین کے متعین و مقرر کرنے کے بعد ان کی آواز سے تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اس کا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع و سجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھ کر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر اکران منازا کرتے ہیں۔

تاہم اس میں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قراۃ کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح اور غلطیاں بھی ہوتی ہیں بالخصوص تکبیرات و اجبہ عیدین میں تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے۔ اور یہ حال بھی وہاں کا ہے جہاں امام اور منتظمین مصلی (عید گاہ) کو مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اس کے لحاظ سے کبیرین کے تعین و تقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلی ان کے خیال سے کبیروں کے مزید تعین و تقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں سکتے وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں بلکہ کوئی نظام اور بافتا عددی ممکن ہی نہیں اسی طرح ایسے مواقع و مجامع میں اور بالخصوص

**۱۔** کوئی نئی چیز نہیں چاہی پیش آئی ہو عہد نبوت میں بھی عظیم الشان اجتماع ہوتے تھے اور کبیرین کے درمیان میں قائم کر دینے کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے باوجود اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اتفاقی غلطی کے لئے انتظام نہیں بدلا جاسکتا ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

**۲۔** بعد میں مجمع کا بڑھ جانا اور پہلے سے اس کا اندازہ نہ ہونا بھی کوئی جدید واقعہ نہیں (باقی صفحہ ۵۸۴ پر)

وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں کتب فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیر کبیر و شرح مواقف میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسبِ بیل امور پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

- (۱) قانع و مقرر کے درمیان کی رُک کی ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے۔
- (۲) قانع کے قرع میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے توج پیدا ہوگا اور اس توج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔
- (۳) اس توج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم و عریض ہونگی۔
- (۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت و عرض ہوگا اس قدر زیادہ دوز تک پھیلیں گی۔
- (۵) جہاں تک وہ پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سُنی جائے گی۔

اور کتب فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ اگر زیر بحث یعنی بکر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دوز تک سُنا جانا ایک فلسفی و قدرتی امر ہے جس میں بولنے والے کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ تقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور اگر زیر بحث نہ آئے سر و غنا ہے اور نہ آئے لہو و لعب الا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آئے غنا و سر و دوز آئے لہو و لعب ہونا لازم نہیں آتا۔

**سوم۔** یہ کہ اس موقع محل پر حسبِ بیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔  
**اصل اول۔** آیت کریمہ۔ ہُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَآئِیَ الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً ہر شے کی اباحث پر استدلال کیا ہے۔

**اصل دوم۔** اصل۔ کل شئی اباحۃ الا ان یرد علیہ المنع۔ جو اصل فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصولوں سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر بکر الصوت اصلاً مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ رُسا کوئی منع وارد ہو اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

**اصل سوم۔** اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے بکرین کا آواز بلند تکبیرات  
 ۱۔ یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو ۲۔ صحیح ہے مگر گفتگو مطلقاً اباحث میں نہیں بلکہ عبادتِ اصلیکہ اندر اباحث میں بحث ہے اور ان دونوں اصولوں سے کسی طرح عبادت میں اباحث پر استدلال نہیں ہو سکتا ۱۲۔ محمد شفیع عفی عنہ

اس کے نصب و استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلار عایت تقابل و تواجد کے کسی ایسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے منہ سے الفاظ نکلنے وقت ہوا میں جو لہریں پیدا ہوں وہ اس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچ کر اس سے ٹکرا سکیں۔

پھر دود و نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس کے وسط میں یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلیاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اس آلہ کی پشت سے بجلی کے چند لیسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو متذکرہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہوں۔ پھر ان تاروں کے اس آخری حصے میں جو بلیوں کے سرے سے بندھے ہوئے ہیں گاؤم یا سینک کے ساخت کے کہئے یا مخروطی شکل کے کہئے ہر چہاں جانب یا جس جانب آواز پہنچانا مقصود ہو تو نہایت چوڑے منہ کے ایسے چونگے لگا دیئے جاتے ہیں جن کو عربی میں اُبُوہ اور انگریزی میں لارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی ہی سینک ہیں۔

اس کے بعد اگر اس مقام پر بجلی کا کوئی ایسا کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پنکھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اس آلہ کو دہاں کے کارخانہ کے بجلی کے ردیغنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اسی وقت بجلی پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہو وہ بہت کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اس کی زبان کی حرکت سے ہوا میں موج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے اور چونکہ وہ اُل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اس لئے وہ اسے بہت زیادہ محسوس کرتا اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی تاثر کی زیادتی و کمی پر اس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضح نے اس کی زیادتی و کمی کو بھی قانون فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے۔

بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اس ہوائی منتقل ہوتی ہے جو متذکرہ مخروطی شکل کے چونگوں سے خارج فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور

وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں کتب فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیر کبیر و شرح مواقف میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسبِ بیل امور پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

- (۱) قاری و مقرر کے درمیان کی رُک ہوئی ہو کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے۔
- (۲) قاری کے قریب میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے موج پیدا ہوگا اور اس موج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔
- (۳) اس موج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم و عریض ہونگی۔
- (۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت و عرض ہوگا اس قدر وہ زیادہ دور تک پھیلیں گی۔
- (۵) جہاں تک وہ پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سُنی جائے گی۔

اور کتب فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ اگر زیر بحث یعنی کبر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دور تک سُنا جانا ایک طبعی و قدرتی امر ہے جس میں بولنے والے کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ تقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور اگر زیر بحث نہ آئے سرور و غنا ہے اور نہ آئے لہو و لعب آئیے کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آئے غنا و سرور اور آئے لہو و لعب ہونا لازم نہیں آتا۔

**سوم۔** یہ کہ اس موقع و محل پر حسبِ بیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔

**اصل اول۔** آیت کریمہ۔ ہو الذی خلق لکم فی الارض جمیعاً۔ جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً برائے کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔

**اصل دوم۔** اصل۔ کل شیء اباحہ الا ان یرد علیہ المنع۔ جو اصل فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصولوں سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر کبر الصوت اصلاً مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ راساً کوئی منع وارد ہو اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

**اصل سوم۔** اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے بکربین کا با آواز بلند تکبیرات

۵۔ یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو ۵ صحیح ہے مگر گفتگو مطلقاً اباحت میں نہیں بلکہ عبادتِ اصلہ کے اندر اباحت میں بحث ہے اور ان دونوں اصولوں سے کسی طرح عبادت میں اباحت پر استدلال نہیں ہو سکتا ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

کہنا پھر مکرین کا بعض مواقع میں کبترہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا۔ میدان عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کا ڈنٹنی پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر اس اونٹنی کا جبل رحمت پر چڑھ کر خطبہ دینا جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا ممبر پر چڑھ کر خطبہ دینا۔ پھر قبلہ کی طرف رخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ دینا وغیرہ جیسے احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا اس وقت مصلیوں کو جو کچھ سنانا مطلوب ہو اس کو وہ سن سکیں اور آوازیں اتنی رفعت پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ ان تک پہنچ سکے۔

اس سے یہ استفاد ہو سکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہیے اور اس بلندی آواز میں سوائے ان صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح موجود ہو ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو۔

**اصل چہارم**۔ تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۲۳ میں واذقرو القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے ماتحت عبارت ذیل مرقوم ہے۔

اعلم ان قارئ القرآن بصوت عال حتی یکنہوا استماع القرآن  
ومعلوم ان ذلك القارئ ليس الا الرسول عليه الصلوة والسلام وكانت  
هذه الآية جارية بحرى امر الله محمد صلى الله عليه وسلم بان يقرأ  
القرآن على القوم بصوت عال رفيع وانما امره بذلك ليحصل المقصود  
من تبليغ الوحي والرسالة۔

اس سے متخرج یہ ہو سکتا ہے کہ قراءۃ قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہو کہ دوسرے اے سنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اس کو بلند آواز سے ہی پڑھنا چاہئے تاکہ سامعین اس کو فہم کریں اور اس کے سنانے کی اصل غرض حاصل ہو۔

۱۔ مگر اسی سادہ طریق پر آلات کے ذریعہ رفعت پیدا کرنے پر اس استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ یہ تصریح کی قید قابل غور ہے کیادہ احکام شرعیہ ماننے کے قابل نہیں جو قواعد شرعیہ سے مستنبط ہیں اور اگر وہ ماننے جاسکتے ہیں تو ان کی ممانعت بھی ان سے مستفاد ہے جیسا اصل سالہ میں موجود ہے ۳۔ صحیح ہوگا اس جگہ سکوت کلی نہیں۔ ۴۔ للہ صحیح ہے مگر اس میں کلام ہی نہیں کلام اس میں ہے کہ بلند آوازی کا اس قدر اہتمام فرمادیا جادے کے آلات استعمال کرنے پڑے اس کے لئے دلیل مستقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

**اصل پنجم**۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے۔ لان الامام انما يجبر لاسيما للقوم ليدروا في قراءته ليحصل احضار القلب۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق اپنے قرات میں جبر کرنا چاہیئے تاکہ قوم اس کے قراءت پر تدر و تفکر کر سکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔

**اصل ششم**۔ آیہ کریمہ ولا تجبر بصلا تک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا سے قراءت میں جس اعتدال و توسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت و تدلل ہونا چاہئے اور اس کا اقتضایہ ہے کہ قرات میں کوئی تصنع و تکلف نہ پیدا ہو جو جرأت و عدم خشیت کی جانب منجر ہے۔

اس کے اقبال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۳، اصل نمبر ۴ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرات کی آواز پہنچانا، اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنے قرات میں کوئی تکلف و تصنع نہ کرنا پڑے اور اس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ جائز ہو گا جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا جائز و مکروہ ہو مگر برقی پنکھوں کا چلانا جائز سمجھا گیا ہو کیونکہ اس میں مصلیوں کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی۔

بناءً علیہ اگر نماز عیدین میں متذکرہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرات پورے طور پر سننے اور اس کے اعمال کی پوری پوری وادقہ ہونے کے خیال سے موصوف الصدرا کہ بکبر الصوت کو جو کسی نہج آلہ غنا و سرود اور آراہو و لعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اس سے اس وقت فطسفی و قدرتی یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا ادنیٰ تغیر کے سُن سکے تو تحقیق طلب مرید ہو کہ شریعت عزراہ مصطفوی کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا تو جردا۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۴۸ء۔

مکرمی و محترمی زاد مجدکم۔ سلام مسنون! یہ استفتا رارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیے عید الفصحی سے دو تین روز پہلے یہاں اسکی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جواب کے لئے ٹیکٹ بھی مرسل ہے۔

۷۔ یہ صحیح ہے مگر اپنی طاقت و مقدور کے مطابق اس سے زائد کے اہتمام کا تکلف نہیں بنایا گیا۔  
۸۔ بشرطیکہ اس میں کوئی دوسرا محذور شرعی نہ ہو جیسا کہ بکبر الصوت میں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۶



**الجواب**۔ من اشرف علی۔ السلام علیکم۔ رمضان گزشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا مگر مجمل تھا اس کا جو جواب لکھا گیا اس کا نقل کر دینا کافی سمجھا ہوں جو درج ذیل ہے۔

**جواب**۔ اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جائے جو کہ عقلی بھی ہو اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ با احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک در اس سے منع کرنا لازم ہو عقلی ہو یا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہائے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بَاطِلًا يَعْلَمُ ظَاهِرًا هُوَ كَسْبِ الْآيَةِ بَاطِلًا مباح تو ضرور ہی ہو اور بعض حالات میں ہند بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و مواعظت و مجادلہ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا سب مشرکین لالہ الحق کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدہ کی تہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخبر و شذریعے تبلیغ ممکن ہو اور اسمیں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آگاہوں میں استعمال کر نیکی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کر نیکی لہذا ترک در منع لازم ہو گا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہو تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے کیونکہ اس آگاہ کو مسجد میں داخل کرنا ہو گا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ بمجالس غیر مشروع کیسا تھا اس تشبہ کی بنا پر فقہائے غرہ اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعة والکنیسی سے معطل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳/ رمضان ۱۳۲۶ھ

**النسب یادۃ علی الجواب المذکور حسب اقتضاء خصوصیتہ**  
السؤال الحاضر (وہی ہذا) باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت و تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں۔ کیونکہ یہ احکام کو مطلوب ہیں مگر شریعت نے انکی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شایع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک نظیر وارد ہے

فی جمع الفوائد قضاء الحاجة ابوداؤد ائسل کان ابو موسیٰ یشد فی البول ویبول فی قارورة ویقول ان بنی اسرائیل اذا اصاب جلد احدہم ببول قرضہ بالمقانیض فقال حذیفۃ لوددت ان صاحبکم لا یشد دھذا التشدید فلقد ایتنی انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتماشی فاتی سباطۃ قوم خلف حائط الی قولہ فبالحدیث دیکھئے تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اسمیں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے۔ اور ایسا مبالغہ فی التزہ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے۔ اور اگر حضرت ابو موسیٰ نے غلبہ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حذیفہؓ نے ان پر کج فرمایا اور حضرت ابو موسیٰؓ نے نہ اس نیک پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اور فروغ مذکورہ فی السؤال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر اخفض صوت فی التکبیر یا فی القراءة پرنہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اسمیں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یسر فی الدین کے سراسر خلاف ہے وہی ہذا کفایتہ لمن طلب الحق۔ ۲۰ رذیقہ ۳۶۲

## جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے

سوال۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً ومصلیاً۔ کرمی ومحترمی دام فضلکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بجواب استفتاء مرسلہ ۸ رذوالقعدۃ الحرام ۱۳۲۶ جناب کا گراں قدر فتویٰ مورخہ ۲۱ رذوالقعدۃ سنہ مذکور ۱۳۲۳ رذوالقعدہ کو موصول ہوا۔ جناب علیؑ نے اپنے زہدین فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سر و آئینوں پر۔ لیکن جناب والا کے تبحر علمی و وسعت نظری سے اس تحریر کے ماتحت گیارہ امور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں مزید استفادہ مطلوب ہے لہذا وہ معرض ہیں۔

دفعہ اول۔ جناب اقدس نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے:-

”تبلیغ صوت سامعین لعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ لعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعے سے تبلیغ ممکن ہے۔ اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے۔ اس آرا کو بہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات کے استعمال کرنے کی الخ“

اس کے ماتحت یہ امور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہو کہ ان کی بھی تشریح فرمادی جائے۔

(امرو اول) دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کون سے ہیں۔

(امرو دوم) جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہو اس کا مطلب کیا ہے۔

(امرو سوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ ”آلہ“ اور لفظ ”لہو“ کے درمیان لفظ ”کو“ غلط ہو

اور لفظ ”لہو“ کے بعد لفظ ”کو“ ہونا چاہئے تھا۔ اور اصل عبارت یوں ہو ”اس آلہ لہو کو استعمال

کرنے کی الخ تو اس آلہ کے آلات ملا ہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے۔

دفعہ دوم۔ جناب امجد نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے۔

”اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہو تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا

اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقویٰ ہے۔ کیونکہ اس آلہ

کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے۔ نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشرور

کے ساتھ الخ“

اس کے ماتحت یہ خدشات پیدا ہیں۔ ضرورت ہو کہ جناب اعظم ان کو رفع فرمادیں۔

(امرو چہارم) اگر درحقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں

میں خطیب کے صعود علی المنبر وادبار عن القبلة واقبال الی القوم اور میدان عرفات میں یوم النحر کے

خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی الناقۃ وتطلیعہا علی جبل الرحمة کا حکم کیوں ہے؟

کیونکہ ان تینوں امور کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور

ممکن تھا۔ اور کیا اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ اسباب

کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانے کی ہر ممکن طریق

سے تعلیم دی ہے۔ اور حضور محض کو مقصد بنا لینا اس لئے ہوا کہ اس وقت کی طرح کوئی ذریعہ

سماعت کل قوم کے لئے پیش نظر نہ تھا۔

(امرو پنجم) جب تک آلہ زیر بحث کا آلات ملا ہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے مسجد

میں اس کے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا۔ اور اس میں مفسدہ کیا ہے؟

(امرو ششم) مجالس غیر مشرور سے وہ کونسی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا

جایا کرتا ہے اور ان سے تشبہ نہ ہونا ضروری ہے۔

دفعہ سوم۔ جناب محترم نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو حوالہ قلم فرمائی ہے۔ ”کیونکہ یہ احکام گو

مطلوب ہیں۔ مگر شریعت نے اُن کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں۔ جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں اُن سے تجاویز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔

**اس کے ماتحت :-** مصرعہ ذیل وجوہ سے خلیجان لائق ہے۔ ضرورت ہے کہ جناب مکرم اُس کو رفع فرمادیں۔

(امریہم) اس مقصد خاص کے لئے شریعت متعینہ و مقررہ درجات و حدود میں سے کیا کوئی درجہ وحدہ آیہ کریمہ "ولا تجہربصلاک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اس کی نیت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہر و اخفا کی صورت میں خشیت و تذلل کے رفع کا احتمال ہے جو رفع صلوٰۃ ہے کیا یہ تصریح اس امر صریح کا اظہار نہیں ہے؟ کہ جس جہر فی الصلوٰۃ میں یہ علت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود معینہ شریعت سے باہر نہ ہوگا۔ اور وہ جائز ہوگا۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے۔ اس میں علت ممنوعہ نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ امام کا جہر بحال معتدل ہے۔ اور اس کا وصول مامومین تک امام سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اور امام کے عمل کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔

(امریہم) شریعت نے جو حدود و درجات مقرر کئے ہیں کیا وہ واقعی دینی برصہ عقلی ہیں؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں! تو جس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اور کبیرین کا کبترہ پر سے تکبیرات کہنا نظم و ترتیب جماعت کے بقاء و تحفظ کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوا اور جائز سمجھا گیا اسید طرح اس آلہ کا استعمال صیانت عن خطاء المصلین فی اقتدار الامام اور حصول المقصد من خطبۃ الخطیب کے نیت و غرض سے کیوں نہ جاری ہو سکے؟ اور کیوں نہ جائز سمجھا جائے؟

**دفعہ چہارم**۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ کی جو نظیر جناب معظم نے اپنے فتوے میں پیش فرمائی ہو اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جناب فہم اُن کا رد فرمائیں۔ (امریہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ کے لئے وہ ایک اساس بن جائے اور مسلمان اس کو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عسر پیدا ہو جائے۔ اور اسی خیال سے حضرت حذیفہؓ نے اس پر بقول آپ کے بکھر فرمائی۔ مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی شخص جہر صوت کیلئے آلہ بکبر الصوت کا استعمال

کے گا۔ اور نہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پاسکتا ہے اور نہ اس کو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس سے دین میں کسیر و عسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

(امر دہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فعل پر حضرت حذیفہؓ نے لوددت ان صاحبکم لا یشدد هذا التشدد سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ اُن کو اُن کا فعل ایک امر ممنوع قرار دیکر منع فرمایا ہو۔ مگر جناب مقدس یہاں میر سوال کو ایک امر ممنوع دینی قرار دیکر مجھے منع فرمایا ہے۔

**دفعہ چہم**۔ جناب علیؓ نے جواب استفتاء اپنے فتوے میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ خیال پریشان کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے کہ جناب عالی اپنے اشادات کے ذریعہ اس سے بھی مطمئن فرمائیں۔

(امر یازدہم) جناب گرامی کا تمام فتویٰ محض قیاس اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی بات بھی دامر و نواہی صریحہ و مستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب جناب سامی خود اس کو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس واجتہاد کسی دوسرے کیلئے بھی اسکی عقل و فہم برعایت دین و دیانت کے مطابق جائز ہی یا نہیں؟ اور اگر اس جواب ثبات میں ہو تو اس موقع پر استفتاء میں جن امور و قیاسات کے بقول آپ کے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہو وہ مفید و عاکیں نہیں ہیں؟ اور ان میں کونسی قباحت ہے؟ امید کہ جناب مستغنی عن الالتساب بغیر کسی گرائی و القباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرا ان معروضات و خدشات کا جواب باصواب مگر نمبر وار اور جدا جدا فرما دے اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو۔ اور سلازیر بحث کے متعلق مزید بصیرت و علم حاصل ہو۔

میرے دلیلیں آپ کے اوصاف و علوم مرتبت کا عرقہ سک جما ہوا ہے۔ اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح نہ مل آئے گا تو جناب فضیلت مآب نہایت فراخ قلب اس کا حق ہونا بھی تسلیم فرمائیں گے۔

شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف دکھلے ہوئے احکام بتائے ہیں حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہو جائے۔ حرام ہو تو وہ ظاہر ہو جائے اور حلال ہو تو وہ معلوم ہو جائے۔ اور یہی امر مقتضائے زمانہ ہے۔ کیونکہ ایک نایا آنے والا ہے کہ یہ کہہ دیا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے۔ اور اگر علماء کے فتاویٰ اسی طرح مذہب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ اُن کی پڑا کئے بغیر اُن کو استعمال کریں گے۔ اور یہی وہ مواقع ہیں جن میں

علماء کا احترام و وقار کھو ہا ہے۔ ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اس کو نہایت صحت و قوت میں گواہ دلائل والبراہین ظاہر کر دینا ناگزیر ہے۔ وعلینا الا البلاغ و ما اريد الا الاصلاح و ما توفيقى الا باللہ - ۲۴ رد والقعدہ ۳۲۷ ۱۸۰ ارثی ۱۹۲۵ء۔

مزید آنکہ۔ مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت مائل نہیں ہے۔ اس کا خیال آپ فرمائیے اور میرے پاس اس عریفہ کی نقل بھی موجود ہے اسلئے اس کو بھی لکھ لیجئے گا۔ اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے۔ میں نقل سے اس کا پتہ چلا لوں گا۔ فقط۔ جواب۔ مخدومی سلام علیکم درجۃ التذکرۃ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا گو جو اس کے کہ سبب جزا کا جواب میرے عریفہ سابقہ میں موجود ہے۔ احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امتثالاً للامر تو ضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

مہمید۔ میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہو کر یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہو تو ممکن ہو کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اس کو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں۔ انکا جواب تو اس منقول سے ہو جائے گا۔ اور جو اجزاء سوال جدید کے ساتھ مختص ہیں انکا جواب یا دت جدید سے ہو جائے گا۔ اس تہمید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ امر اول۔ اس عبارت میں تبلیغ خطبہ و عید کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ و عطا و لیکچر کی مراد ہی چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہونی چاہیے یہ تو اس وقت ہو جبہ خطیب مراد مطلق و اعط و لیکچر مراد محصور تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے و اعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں۔ امر دوم۔ مطلب یہ ہو کہ اس کے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلا کا استعمال مطلقاً جائز ہے گو ابھی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلا میں اور دوسرے آلات ہوں میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہو جب اس کا استعمال جائز ہو بقیہ کا بھی جائز ہے۔

امر سوم۔ لفظ تو اپنے مقام میں ہو۔ غلط نہیں لکھا گیا۔ امر چہارم۔ میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکمل ہے۔ یعنی اگر مجموعہ حاضرین زبسنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کا فی ہے۔ اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کے ساتھ لفظ محض نہیں ہے۔ اور مطلق سماع کی مقصورہ کی نفی مقصود نہیں۔ پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا۔ اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مگر اسی حد تک جو تسیر کے ساتھ ہو۔ اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں جو اس واقعہ کی نظیر ہیں۔ جس کی طرف میں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ امر پنجم۔ اس کا جواب جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے۔ اس آلا کو ابھی استعمال کرنے کی

الخ اور افضاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہاء مفسدہ میں داخل ہے۔

**امر ہشتم**۔ مثلاً مجلس قص و سرود کہ اُس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اُس کا استعمال کیا جائے اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تو قرب وقوع عادتہ یقینی ہے۔

**امر ہفتم**۔ ایک علت کے انصاع سے دوسرے علت موثرہ کا ارتفاع لازم نہیں۔ اور وہ علل موثرہ احقر کے فتوے میں مذکور ہیں اور جو ان کے موثر نہیں خدشات ہیں ان کو اس وقت رفع کر رہا ہوں۔

**امر ہشتم**۔ وہ حدود کما تو توقیفی نہیں مثلاً اسماع کی کوئی مقدار معین ہوتی لیکن کیفاً توقیفی ہیں۔ یعنی یہ تعین و تکلف کی حد تک پہنچے۔ اور اذان ثانی وغیرہ تعین کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آگے تعین کی حد تک پہنچا ہے۔

اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق و اجتہاد پر ہے۔ پس ان کا اذان ثانی کو تجویز کرنا اور اس آگے کے نظائر کو باوجود تیسیر ان نظائر کے تجویز کرنا اس فرق کی دلیل ہے۔ ان ہی نظائر میں حضرت ابو موسیٰؓ کا ایک فتوہ ہے۔

**امر نہم**۔ اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء قاعدہ مطلقاً خواص کیلئے مقرر فرماتے کہ خواص کا فعل اگر عوام کے لئے موبہم ہو جائے تو خواص کے لئے بھی اُس کی اجازت نہیں نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دے کر حدود سے بچل جاتے ہیں۔

**امر دہم**۔ رائے محض نہیں بلکہ رائے ماخوذ عن فعل الشارع ہونے کے سبب حکم شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول خفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کے لئے واجب لتقلید ہے۔ جس کے

موجز ہونے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں بلکہ صریح بہ فی اصول الفقہ باقی عنوان و دودت الخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التبصرہ ہے۔ منافی فتویٰ ہونے کا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا آ

اور حرام کو اگر سے تعبیر فرماتے ہیں غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتویٰ نبوی ہے۔ مگر واسطہ اجتہاد صحابی کے اب تبرعاً ایک فتویٰ نبوی بلا واسطہ بھی نقل کرتا ہوں (ابن عمر) قلت یا رسول

اللہ انتوضاء من جرحید محمد راحب ایک ام من المطاہر قال لا بل من المطاہر ان دین اللہ لیس الخفیة السمحاء قال وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبعث الی

المطاہر فیوتی بالماء فیشربہ یرجو برکتہ ایدی المسلمین للا واسطہ کذا فی جمع النعمان احکام الملیا۔ اور اس کے نظیر ہونے کی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں بھی گئی۔

**امر یازدہم**۔ مفید مدعا نہ ہونے کی دلیل خود فتوے میں مذکور ہے۔ باقی مقدمات دلیل میں ملکہ یکجا اجتہاد ہے جس میں مجھ کو توافقی نہیں۔ اور یہی فرمانے کا آج بھی حق ہے۔ آگے اپنے اپنے عمل کے

سبب نہ دار ہیں۔ جواب ختم ہوا۔ اس کے بعد آپ نے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں

اس کا صلہ بجز اس دعا کے کیا کر سکتا ہوں کہ اجمعہ اللہ کا تجھ کو فی اس کے بعد آپ نے دینی خیر خواہی سے جو مشورہ دیا ہو گو مجھ کو اس کے اجزاء میں کلام ہے۔ مگر آپ کی صدق نیت پر نظر کر کے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ پناہ کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ آگے اپنے اور آپ کیلئے یہ دعا عباد اور اسی دعا کی آپ سے بھی استدعا ہو اللہ عبادنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ سب سے اخیر میں کاغذات رکھ لینے کی اجازت عطا فرماتے پر خاص شکر یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو صوبت نقل سے بچا لیا۔ فاللہ تعالیٰ سہل صعبکم کما سہلتمو صعبی والسلام خیر ختام۔

نیا زمند انہ گنراشن۔ چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میرے معلومات ختم ہو چکے۔ آئندہ کیلئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ فقط۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض دریافت رائے آیا وہ مع رائے فیل میں منقول ہے

الجواب۔ حواشی در مختار للعلامہ ابن عابدین الشافعی الشافعی رحمہ اللہ جلد اول بحجت سنن صلوٰۃ میں ہے۔ ثمر اعلم ان الامام اذ اکبر لا افتتاح فلا ید لصحة صلوٰۃ من قصدہ بالتبکیر الاحرام والا فلا صلوٰۃ لہ اذ اقصد الاعلام نقط فان جمع بین الامرين بان قصد الاحرام والاعلان للاعلام فذلک هو المطلوب منه ثم عاود کذلک المبلغ اذ قصد التبلیغ فقط خالیاً عن قصد الاحرام فلا صلوٰۃ لہ ولا لمن یصلی بتبلیغ فی هذه الحالة لانه اقتدی بمن لم یدخل فی الصلوٰۃ فان قصد التبکیر الاحرام مع التبلیغ للمصلین فذلک هو المقصود منه ثم عاود فی فتاویٰ الشیخ محمد بن محمد الغزالی الملقب بشیخ الشیوخ اھ۔ اور در مختار باب مفصلات نماز میں ہے وفتح علی غیر ماملہ لا اذ اراد التلاوة وکذا

الاخذ اھ حواشی ابن عابدین میں ہو قولہ وکذا الاخذ ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من ید۔ فتح علیہ مفسد ایضاً لکافی البحر عن الخلاصۃ او اخذ الامام بفتح من لیس صلوٰۃ فیہ عن آلفیہ اور در مختار باب سجود التلاوة میں لا یدب سماعہ من الصدی والطیر حواشی میں ہو قولہ من الصدی هو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوہا لکافی الصحاح۔ مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ آل کبر الصوت اور ابنوبون (ہارنر) آواز میں جو کہ ڈاٹل وغیرہ سے آواز کے ٹھکانے سے مثل صدی دگبند وغیرہ میں گونجنے اور ٹھکانے سے پیدا ہونے والی آوازیں ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور چونکہ یہ آلات اور بلیوں کے پر کے انبوب (ہارنر)



نہ خود مکلف ہیں اور نہ دخیل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم کی جاتی ہے۔ اور چونکہ ان تکبیروں میں محض تبلیغ کا قصد ہوتا ہے۔ یہ آلات نہ نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعے سے نمازیں ادا کریں گے۔ ان سبھوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور غیر مصلیٰ سے تسلیم اور استفادہ کا ہر بلا اثر ان کی تمام نمازوں کو محض موت کے گھاٹ اتار دے گا لہذا اس سے بچنا لازم ہے۔ جو وجوہ سوال میں جواز یا تجاہد کے لئے دکھائے گئے ہیں فقہی نقطہ نظر سے ایک جگہ کے برابر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

(نکات سلاطین حسین احمد غفرلہ)

راء الاحقر فی ہذا الجواب۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آکر سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتا بلکہ گونجنے اور محو کرنے سے اس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے۔ اور مطلقاً یہی ہے۔ اور کسی ماہر سائنس کی تحقیق سے یہ ظن درجہ تہقین تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر ثابت ہو جائے کہ عین صوت

۵ بعد اس تحریر کے اس کے متعلق سوال ذیل متحد ماہرین کے پاس بھیجا گیا۔ دو مقام سے جو جواب آیا وہ آپ پر متفق ہیں کہ جو آواز دو تک پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے۔ صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے۔ چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جوابات منقول ہیں۔ ۱۔ ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق جو حال میں مملکت پاکستان کے ماہرین من سے حاصل ہوئی اس سے یہی ثابت ہوا کہ عین صوت دور تک پہنچ جاتی ہے۔ بازگشت یا آواز کی صورت نہیں لہذا اس تحقیق کی بنا پر خود حضرت سیدی حکیم الامت کے جواب کا خلاصہ یہ ہو گا کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کرنے سے حکم فساد نماز کا نہ دیا جائے گا البتہ احتمال فاسد کی بنا پر اس کا ترک کرنا اور سادہ طریق پر نماز ادا کرنا بہتر ہو گا۔ اس مسئلہ پر ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق اور اس سے متعلق مسئلہ زیر بحث پر دوسرے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید زہد کوثری مہری وغیرہم کے فتاویٰ اور ان کی تحقیق پھر مسئلہ کا مکمل فیصلہ احقر کے رسالہ مکمل لکھوت میں شائع ہو چکا ہے۔ ضرورت ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایا جاوے گا محمد شفیع عفی عنہ۔

## تحقیقات اہل سائنس متعلقہ کبر الصوت

سوال۔ لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی جو آواز بلند ہوتی ہے۔ اور دور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایت آواز (یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے کہ آواز تو ڈائل پر آ کر ختم ہو گئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے) مطلب یہ کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا زری کاپی ہے اس آواز کے مثل جو بہاروں، جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آواز میں)

بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے۔ اور اگر دونوں احتمال ہوں تو پھر بھی جواب یہی ہے جو حضرت مصیب سلمہ التدریب القریب کے تحریر فرمایا ہے۔ مگر توجہ مختلف

(بقیہ ص ۵۹۵) ہوتی رو کی استعانت سے باقاعدہ اور اصل کے متشابہ کر لیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ مستند حوالے بھی جواب میں ہوں۔ جواب از سید شبیر علی ایم اے پروفیسر محکمہ سائنس علی گڑھ مشورہ دیگر اصحاب محکمہ مذکورہ معرفت منشی سراج الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ۔

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دور جاتی ہے۔ وہ بجنسہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے۔ جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے۔ آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کان کے پردہ پر جا کر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔ کان کے پردہ ہلک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو چکی ہیں (جس کے مختلف اسباب بن سکتے ہیں مثلاً باد مخالف یا شور و غل وغیرہ) اور پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کر دیا گیا ہے تاکہ زیادہ دور تک جاسکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہو وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ڈائل پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے۔ اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے۔ یعنی وہ لہریں متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی (بجنسہ) بنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں۔ صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس ہوتی ہے۔ چونکہ اس فاصلہ کو طے کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے۔ اسلئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے۔ صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں۔ اھ

جواب دیگر از برج نندلال صاحب بی اے بی ایس سی، ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی اسکول بھوپال معرفت منشی مظہر صاحب ماسٹر۔

جب کسی شے میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پر اس کے صدر سے ایک صورت تموج پیدا ہوتی ہے جو اصل حرکت کے بجنسہ مطابق ہوتی ہے ان تموج اصوات کہتے ہیں۔ جب کوئی شے ان کے ستراہ ہوتی ہو تو ان میں بازگشت یا لہر ہوتی ہے۔ اور چند اصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے۔ اگر اس مرکز پر کان کو رکھا جائے تو وہ آواز اگرچہ ابتداً نہایت بہت ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے۔ دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی۔ اگر جہاں (دانی)

ہے۔ اور وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور ارباب س میں شک واقع ہو گیا۔ (بقیہ ص ۵۹۵) آواز ہوتی ہے اور جہاں کہ یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معینہ فاصلہ ہے کم نہ ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے۔ جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات میلوں تک سنائی دیتی ہے۔ جب کبھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہو کر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں یا ہو کر وہ بہت بلند ہو جاتی ہے اور دو تک جاتی ہے۔ وجوہات کی تفصیل طویل ہے۔ ایک جہاں میں نے یہ بیان کیا ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بحسرت متوجع ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور مجنسہ ہوتا ہے۔ اس سے اصل کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہو کر سنائی دیتی ہے۔ جملہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ ان ہی دونوں اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ کسی کسی میں ٹیلیفون کے اصول کی مدد بھی لی جاتی ہے اور اس سے کہ میرے پاس یا میرے علم میں کوئی کتاب سر دست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو۔ لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکیگی۔ البتہ راقم کے بیان کی صداقت ناٹھ کی طبعیات یا کسی اور علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہو جاوے گی۔

**جواب دیگر۔** پھر بھوپال سے ماسٹر محمد منظر کی یہ تجویز آئی جو ذیل میں منقول ہے۔ آج مدرسہ میں سائنس ماسٹر دیہی صاحب ہیں جن کا نام ادپر برج نندن لال آیا ہے اٹھے تھے وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ جو تو لوٹنے والے کی آواز کا اثر۔ مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ ہمارے پر جو صدا سنائی دیتی ہے وہ غیر محسوس عرصے کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود لوٹتی ہے۔ لیکن یہاں برقی آواز میں دیر نہیں ہونے دیتی۔ قائل کے زبان کی حرکت صرف ایک موج پیدا کرتی ہے۔ اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ایک راگ گانے والے کی آواز ہوگی۔ اگر اور لوگ تال ملا دیں تو ہم یہ نہ بتا سکیں گے کہ کونسی کس کی آواز ہے۔ برقی قوت یہی شکل پیدا کرتی ہے۔ غرض وہ یہ کہتے ہیں کہ برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ یہ اصلی آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت شکل ہے۔ اھ۔

نوٹ :- اس جواب کا حاصل تردد ہے۔ اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی جگہ لکھی ہے اس کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔ (اشرف علی ۲۳-۲۴ محرم ۱۳۵۷ھ)

**جواب دیگر۔** پھر حیدرآباد سے مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے۔ سوال بخیر مت علماء سائنس و حکمت معروض ہے کہ آج کل ایک آلہ (لاؤڈ اسپیکر) جس کو بکالہ صوت

اور الیقین لا یزول بالشک اس لئے عدم بلوغ کا حکم کر کے اس صوت کو مثل صدی کے حکم دیا جائے گا۔ ۵ ردی المح ۱۳۴۶ ھ ۴

بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہو کہ اس میں بولنے والے کی آواز بعینہ بلند ہو کر مسموع ہوتی ہو یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہو اس کا جواب مستند حوالوں اور وجوہ سے عنایت فرمایا جائے کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہو۔ ۲۸ محرم ۱۳۴۷ ھ

جواب۔ آواز کے متعلق علمائے سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہو۔ یہ ارتعاشی حرکت مادی واسطہ میں بجسہ منتقل ہوتی ہو۔ اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہو۔ (کبر الصوت) مختلف قسم کے ہر برق کی نوعیت کے (کبر الصوت) میں بولنے والے بات کرتا ہو تو آواز کی موجیں براہ راست منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں۔ بلندی آواز کی وجہ سے خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہنچ جاتی ہو۔ اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں۔ اس کبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہو سکتا۔

اگر کبر الصوت برقی نوعیت کا ہو جیسا کہ معمولی لاسلی ٹیلیفون کے ساتھ استعمال کر نیکا آلہ ہوتا ہو تو اس کی نوعیت بالکل جدا گانہ ہے۔ یہاں آواز پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کر لیتی ہو۔ گویا کہ آواز کی نقل برقی ردوں یا برقی موجوں میں تیار کر لی جاتی ہو۔ اور وہ سننے والے کے آذ سماعت میں داخل ہو کر بالآخر آواز کے مادی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہو۔ جو کہ آواز کے پیدا کرنے کے لئے لازمی ہو۔ اور اس طرح سننے والا نقل و در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سن پاتا ہو۔ ایسے لادڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حکایت ہی سمجھی جاسکتی ہو۔ ۳ صفر ۱۳۴۷ ھ

نوٹ:۔ اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہو کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہو تو اس بناء پر مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہو۔

اشرف علی ۱۰ صفر ۱۳۴۷ ھ ۴

# المقالات المفيدة في علم أصوات الحديده

(بشمول رد و فتوے)

تمہید۔ ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اول کسی نے ایک استفتاء کر کے جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اس لئے احقر نے دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتاء مع جواب میل میں منقول ہیں۔

**استفتاء اول:-** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا تہران بھی اس میں سُنا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر تہران پڑھتے ہیں اُن کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔ پس بایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا یا اس کا کسی طور سے سُنا یا اس پر تہران پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سُنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جودا۔

**الجواب۔** اگر کوئی ریڈیو لہو و لعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اس کے کسی پردگرام میں بھی یہ حشرات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں ایسے ریڈیو پر تہران پڑھنا اور اس سے تہران سُنانا فی نفسہ جائز تھا گو تہران پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سُنا۔ بلکہ اس پر تہران پڑھنا یا سُنا قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہے کہ تہران کے ساتھ تلاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی۔ لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادتہ قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر تہران مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ قسم اول کا لگانا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اول کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم ہی کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سُنا علی الاطلاق حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**الجواب صحیح:-**

**دستخط:-**

(مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تہانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲ رمضان ۱۳۵۶ھ اشرف علی عفی عنہ ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ

**استفتاء ثانی:-** سوال و جواب مندرجہ بالا کے بعد گزارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے

۵ استفتاء کرنے والے دستمل بلگرامی مرحوم ہیں ۱۲ محرم شفیع

وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہو سکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لاسکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہو کر فروخت ہو سکتے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کر دی جائے اس کے بعد جو شرعی حکم ہو وہ تحریر نہر مادیا جادے۔ ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلیفون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلیفون کی آواز صرف ایک شخص سن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سن سکتے ہیں۔ گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جس کی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہو و لعب گاتے بجاتے ہنستی مدائق کھیل تما شہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے اس میں جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ایک مرتبہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سنائی جاسکتی اس میں سناتے وقت سنانے والے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث وید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑہ۔ علمی۔ فنی۔ جذباتی۔ انسانی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعری سخن کے۔ غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو۔ نشر ہو یا نظم۔ سنایا جاسکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کو جو محنت کرتے اور سناتے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے۔ یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی۔ ایسی حالت میں ریڈیو لگانا، ریڈیو سننا، خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سننا جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں جائز یا نہیں۔ بیواڑہ۔

**الجواب:**۔ سوال میں جن تین آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اعراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں۔ وہ تین آلات یہ ہیں۔ گراموفون۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو اور تین اعراض یہ ہیں۔ (۱) آلات مباحہ۔ (۲) صوتات عہرہ۔ (۳) صوتات طاعات۔ اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں۔ اور بعض مخصوص غیر مشترک۔ احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباحہ مباح۔ اور اصوات محرکہ حرام۔ اور اصوات طاعات کی نفس ذات کا مقتضا تو اشترک حکم ہی تھا اگر ایک عارض سبب اس میں تفصیل ہو گئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کے لئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ جو آلہ تہی کے لئے موضوع ہے ان اصوات طاعت استماع

کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے اور تہلی کے لئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعات کے لئے جائز ہے۔ اب اس کی تعیین باقی رہی سو ڈوک کی حالت تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلیفون کا تہلی کے لئے موضوع نہ ہونا اور گراموفون کا تہلی کے لئے موضوع ہونا۔ سو ان کا حکم بھی ظاہر ہو کہ ٹیلیفون کا استعمال ان اسرار طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز۔ اور قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اسکی تشدید و تائید کے لئے مع تقریر استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔

حدیث یہ ہے :- فی المثل کوفۃ۔ باب اعلان النکاح الفصل الاول بدوایۃ البخاری عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد خل حسین بن علی جلس علی فراشی کلمجلساً منی وجعلت جویریات لنا یضربن بالدف و یبذبن من قتل من ابائی یوم بدس اذ قال احدھن و فیما ننبی ما فی غلہ فقال دعی ہذا و قوی بالذبح کذت تقولین۔ قال الشیخ الدہلوی فی اشعۃ المصباح فی شرح الحدیث۔ و غلۃ اند کہ منع آل حضرت ازیں قول بجهت آنست کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت پس آن حضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند بجهت آنست کہ ذکر شریف دے در آشنائے لہو مناسب نباشد

میں کہتا ہوں کہ گو اس حدیث کی توجہ میں دونوں حتمال ہیں اور غور کرنے سے توجہ ثانی راجح بھی معلوم ہوتی ہو کیونکہ اگر احتمال اول اس کی بناء ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کہ کبھی علماء اُمت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی گویاں متحقق ایک ہی ہو پس دوسری توجہ پر تقریر استدلال یہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مجلس لہو میں نہ کر طاعت پر نکیر فرمایا حالانکہ یہاں آکر ذکر یعنی زبان لہو کے لئے موضوع نہیں صرف اقران فی المجلس کو منع میں مؤثر قرار دیا۔ سو جہاں خود آکر ان اذکار کا لہو کیلئے موضوع ہو وہاں توقع و شناعت بہت زیادہ ہوگی اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلیفون میں قرآن مجید اور دیگر اذکار طاعات تعبدیہ کے استماع کا حکم معلوم ہو گیا کہ اول میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے اور ثانی میں جواز جبکہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو۔ سو ان دونوں کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے اسلئے انکا حکم بھی معلوم ہے باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اسلئے قبل تحقیق تو اسکے حکم میں تحقیق ہوگی یعنی اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اور اگر وہ ٹیلیفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کے مثل ہے۔ پہلے فتوے کی تصدیق کئے ہوئے مدت ہو گئی یا نہیں اسکی کیا بنا ہوگی مگر غالباً اسوقت ذہن میں یہی ہوگا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلیفون کے مشابہ ظاہر کی گئی ہے سو اگر

ایسا ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کی مثل ہوگا یعنی اس میں صوات طاعت تعبدیہ کے استماع کا جواز۔ البتہ اگر باوجودِ آلہ تہلی نہ ہونے کے کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہوگا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاوے گا۔ مثلاً قاری کو اجرت دینا یا سمع یا مستمع کا غیر طاعت کے قصد سے سننا یا سننا جیسا فقہاء نے تصریح فرمائی ہو کہ تاجر کا فتح متاع کے وقت ترویج سلو یا ترغیب شترین کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس کا ایفاظ نامین کی غرض سے تہلیل کا پھر کرنا ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا حکم کیا جاوے گا۔ یہ سب تفصیل اس بنا پر ہے کہ ریڈیو لہو کیلئے موضوع نہ ہو۔ لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع التہلی ہی ہونیکے عام طور پر یا غائب طور پر لہو کے لئے مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع التہلی کے ہو جائیگا کیونکہ اہل شر کے اعتیاد بدرجہ لازم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں موثر مانا ہے بعض اہل خبرت سے سنا کیلئے کہ اب اس کی حالت ایسی ہی ہو گئی ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا شبہ ہوتا ہے سو اس کو اہل استعمال متین کے ساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے ان کی مناسبت اور ضرورت وقت سے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سائلین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور وہ آلہ ہے لائوڈ اسپیکر یعنی کبر الصوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہو اس کا اجمالی حکم یہ ہو کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے اور عیدین و جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اس کا اتباع مفسد صلوٰۃ۔ اس وقت سب کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوٰۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں حقہ کا ایک مستقل رسالہ ہے (التحقیق الفرید فی آلۃ التقرب لصوت البعید) اس کا ملاحظہ کافی ہے یہ سب تحقیقات اپنے معلومات کی موافق لکھی گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے اور اگر ہلکے بھی مطلع کرے تو ماجر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتعدوا حکم۔ تمت رسالۃ المقالات المفیدہ = کتبہ اشرف علی تھانہ جون۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

## حاشیہ متعلقہ امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۸۷ بابت استنجا بکاغذ جاذب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جاذب کاغذ سے استنجا کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ وہ آلات علم و کتابت میں سے ہو یا معتد بہ قیمت رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ جو آج کل خاص استنجا ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور ایک مرتبہ کے استعمال میں جتنا خرچ ہو تہا اس کی کوئی معتد بہ قیمت بھی نہیں ہوئی اس میں استنجا میں مضائقہ نہیں البتہ مٹی سے استنجا بوجہ سنت ہونے کے افضل ہے۔

بند کا محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۱۶ صفر ۱۳۸۲ھ



# ضمیمہ املاذ الفتاویٰ جلد اول

## بابت مسئلہ بکبر الصوت

(از احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آلہ بکبر الصوت — کے متعلق سب سے پہلا فتویٰ حضرت سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ کے قلم سے ۱۳۱۳ رمضان ۱۲۳۲ھ میں نکلا ہے جو اس کتاب کے ص ۵۸۱ میں پورا درج ہے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ یہ آلہ نیا چل کر خاص خاص شہروں میں آیا تھا عام طور پر اس کی شکل دہیئت اور طریق استعمال سے بھی لوگ واقف نہ تھے اس وقت جو جواب لکھا گیا اُس کا منشا یہ تھا کہ اس کو بھی رُاموذن کی طرح ایک ایسا آلہ سمجھا گیا جو مجاس ہو و طر میں استعمال کیا جاتا ہے اور کوئی ضرورت اُس پر موقوف نہ تھی کہ جو اب سے پہلے مزید تحقیق و تفتیش کا انتظار کیا جاتا اس لئے عام حالات کے تابع اُس کو ہو و لعب میں استعمال ہونے والا ایک آلہ قرار دیکر عام وعظ تقریر میں بھی اُس کے استعمال کو منع کیا گیا اور مسجد میں اُس کے داخلہ کو ممنوع فرمایا۔

اس کے بعد دو سرفتویٰ چند ماہ بعد ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ میں ایک صاحب سے طویل مراسلت و مکاتبت کے ضمن میں لکھا گیا اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند سے ایک سوال کے جواب میں اس کے استعمال فی الصلوٰۃ کو مفسد نماز قرار دیا اور حضرت قدس سرہ نے اسکی تصدیق فرمائی۔ یہ مفصل مکاتبت اور فتویٰ ”التحقیق الفرید فی استعمال آلہ تقریب لصوت البعید“ کے نام سے انور میں شائع ہوا جو اس کتاب کے ص ۵۸۵ پر درج ہے اس میں بھی اس آلہ کے مطلقاً استعمال کی نکتہ تھی اور نماز میں استعمال کو مفسد نماز قرار دیا گیا تھا۔

اس کے گیارہ سال بعد محرم ۱۳۵۷ھ میں پھر کسی صاحب نے ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ کے متعلق سوال کیا جبکہ اس کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ اس سوال میں اس حقیقت کو واضح بھی کر دیا گیا تھا کہ ریڈیو نہ ہو و طر کا کوئی آلہ ہے اور نہ مجاس ہو و لعب کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اُس سے بہت مفید کام بھی لئے جاتے ہیں وہ ہر ملک میں حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ اس میں حضرت مد نے ریڈیو کے حکم کے ساتھ آلہ بکبر الصوت کا حکم بھی تحریر فرمادیا۔ یہ فتویٰ بھی ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بنام ”ملکال المفید فی حکم استماع آلات المجدیدہ“ جس میں عام وعظ و تقریر وغیرہ میں اس آلہ کے استعمال کی اجازت دی گئی اور خطبہ و اذان میں بدعت

لکھا گیا اور نماز میں فساد نماز۔

اسی زمانہ میں احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایما سے ایک مستقل رسالہ بنام آلہ کبر الصوت کے شرعی احکام لکھا جس میں حضرت قدس سرہ کی ان تینوں تحریروں کو جمع کر دیا گیا تھا۔ میرا یہ رسالہ جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ڈا بھیل ضلع سورت پہنچا تو موصوف نے ایک مفصل خط میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف کا اظہار کچھ دلائل کے ساتھ فرمایا۔ احقر نے اس کا ذکر حضرت قدس سرہ سے کیا تو فرمایا کہ خط و کتابت میں بہت طول ہو جاتا ہے جب مولانا یہاں تشریف لاویں گے اُس وقت زبانی گفتگو سے مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا۔ اتفاق سے اس کے بعد کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ حضرت کی خدمت میں مولانا موصوف کی معیت میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کہ رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت قدس سرہ کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ پھر مولانا موصوف اور یہ احقر تحریک پاکستان کی ساعی میں مصروف ہو گئے اور بالآخر رمضان ۱۳۶۲ھ میں مولانا موصوف پاکستان میں منتقل ہو گئے۔ پھر آٹھ ماہ کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۶۵ھ میں حق بھی ہجرت کر کے پاکستان آگیا۔ اس وقت الہ کبر الصوت کا استعمال عام مساجد میں اور نمازوں میں عام ہو چکا تھا اس کے متعلق سوالات کی کثرت ہوئی احقر حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کے مطابق اس کو فساد نماز لکھتا رہا۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ احقر کے استاذ اور مربی تھے مگر غایت تواضع سے فتویٰ کا کام احقر کے سپرد فرماتے تھے اس مسئلہ میں اگرچہ اُن کو اختلاف تھا مگر اختلاف کا اظہار نہ فرماتے تھے کیونکہ احتیاط کا تقاضا ہر حال اسی میں تھا کہ نماز میں اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

یہاں تک کہ حرمین شریفین میں اس آلہ کا استعمال سب نمازوں میں ہونے لگا اور اطراف عالم سے سوالات کا تانتا بندھا اور اب سوال صرف یہ نہ رہا کہ لوگوں کو احتیاط اس سے منع کیا جائے بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا خصوصاً وہ نماز جو بڑی شکل سے کسی خوش نصیب کو حرمین میں نصیب ہوتی ہے۔

اس وقت مولانا موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ اگرچہ میرے نزدیک فساد نماز کا حکم پہلے بھی صحیح نہیں تھا جس کی اطلاع میں اسی وقت دے چکا تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر اختلاف کا اظہار نہ کرتا تھا کہ ہر حال نماز میں اس آلہ کا استعمال کسی درجہ میں بھی ضروری تو ہے نہیں اور احتیاط اجتناب ہی میں ہے تو سکوت بہتر سمجھا مگر اس ابتلاء عام کے بعد مسئلہ کا رخ بدل گیا اب یہ کہ وڑوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا اس لئے اب میں احتیاط اس میں نہیں سمجھتا کہ فساد نماز نہ سمجھتے ہوئے محض احتیاطی طور پر اسکو

مفسد نماز کہنے سے اتفاق کروں۔

اس لئے اب فردری ہو گیا کہ اس مسئلہ پر از سر نو نظر کی جائے۔ فساد نماز کا حکم دو چیزوں پر مبنی تھا۔ اول یہ کہ اس آلہ کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس کی نقل و حکایت ہے دوسرے یہ کہ بحالت نماز کسی ایسے شخص کا اتباع جو شریک نماز نہ ہو مفسد نماز ہے۔ مولانا موصوف کو ان دونوں چیزوں میں اشتباہ اور اختلاف تھا۔ پہلا مسئلہ تو سائنس کا مسئلہ تھا جس کو اس کے ماہرین ہی کی رائے سے حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مسئلہ خالص فقہی تھا۔ چنانچہ یہ کیا گیا کہ پہلے مسئلہ کے متعلق پاکستان کے محکمہ ریڈیو اور صوتیات کے ماہرین کے پاس سوالات بھیجے گئے اور دوسرے مسئلہ میں کئی ردز تک باہم بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہا۔ اس بحث و تمحیص کے دوران میں مجھے یہ تو انداز ہو گیا کہ فقہی طور پر اس معاملہ میں فساد صلوٰۃ حکم اتنا واضح اور جلی نہیں ہے کہ اس میں دوسروں کی رایوں کو نظر انداز کیا جائے۔ مگر ابھی تک شرح صدر کسی جانب نہ ہوا اور بہت سے وقتی مسائل نے اس بحث کو پھر التواء میں ڈال دیا۔ میں نے اس دوران میں اپنے فتویٰ فساد نماز کا حکم لکھنے کے بجائے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ نماز میں اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور افسوس کہ اسی دوران میں اچانک یہ آخری یادگار سلف بھی صفر ۱۳۶۹ھ ہم سے رخصت ہو گئی۔ اس حادثہ نے رہی سہی ہمت بھی توڑ دی اور پھر یہ مسئلہ التواء ہی میں پڑا رہا۔ مگر فقہی اصول اور جزئیات جو اس وقت زیر بحث آئی اور ان سے مسئلہ میں گنجائش کے پہلو نظر آئے ان کے پیش نظر اس ابتلاء عام کے زمانہ میں فساد نماز کا حکم کر کے لاکھوں مسلمانوں کی نماز کو فاسد کہہ دینا کوئی احتیاط کا یہ ہلونا نہ رہا۔ مگر ہنوز جواز صلوٰۃ کا حکم بھی اپنی تہارائے سے لکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جن محکوموں میں اس آلہ کی آواز کے متعلق سوالات بھیجے تھے وہاں سے متفقہ طور پر یہ جواب ملا کہ اس آلہ کی آواز بعینہ متکلم (امام) کی آواز ہوتی ہے۔ اس تحقیق نے فساد نماز کے حکم کی بنیاد ہی مہدم کردی تو اس وقت احقر نے شعبان ۱۳۷۲ھ میں بنام خدا تعالیٰ اس موضوع پر ایک جدید رسالہ مرتب کیا جس میں یہ لکھا گیا کہ نماز میں اس آلہ کے استعمال پر بہت مفاسد پیش آتے ہیں ان عوارض اور مفاسد کے پیش نظر نماز میں اس سے اجتناب ہی کیا جانا چاہیے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز میں استعمال کر لیا گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس غور و فکر کے زمانہ میں یہ بھی سوچنا رہا کہ اگر آج حضرت حکیم الامت قدس سرہ دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور اس ابتلاء عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ فقہی توسع بھی سامنے آتا جواب

بحث و تمحیص کے بعد آیا ہے خصوصاً جبکہ ماہرین آذان نے بھی اس کو لعینہ آذان متکلم قرار دیا تو کیا وہ اپنے سابق فتویٰ پر جے رہتے یا اپنی اُس خدا وحی پرستی اور عوام کے لئے سہولت کو شی کے پیش نظر جو عمر بھر آپ کے فتادی میں ترجیح الراجح کے عنوان سے مشاہدہ ہوتی رہی ہے آپ اپنے اس فتویٰ کو ہلٹے۔ مجھے اپنے ناقص غور و فکر اور حضرت قدس سرہ کے ذوق کا جس قدر حقہ حاصل تھا اُس نے یہی جواب دیا کہ ان حالات میں فرد حضرت قدس سرہ فساد نماز کے فتویٰ سے رجوع فرمالتے۔ مگر اس وقت بھی تنہا اپنی رائے پر بھروسہ نہیں کیا رسالہ کا مسودہ قبل از اشاعت دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ خیر المدارس ملتان۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ سنڈواہیا سندھ وغیرہ کے مرکزی مدارس میں بھیج کر وہاں کے علماء سے رجوع کیا۔ مصر میں اُس وقت علامہ زاید کوثری بجات تھے جو اپنے وقت میں فقہ حنفی کے امام سمجھے جلتے تھے اُن کی خدمت میں سوالات بھیجے موصوف پورے جزم کیساتھ جو از صلوة کا فیصلہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے بڑے جن میں سب سے پہلے فساد نماز کا فتویٰ لکھنے والے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ بھی شامل تھے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر کے احقر کی تحریر سے پورا پورا اتفاق فرمایا۔

مظاہر علوم سہارنپور کے علماء نے بعض اجزاء سے اختلاف کے باوجود فساد نماز کے حکم سے رجوع فرمایا۔ اسی طرح دوسرے دینی مراکز سے بھی اسی طرح کے جوابات موصول ہوئے تب احقر نے اس رسالہ کو شائع کیا بعد رسالہ کی اشاعت کے بعد چند علماء کی طرف سے اس کے خلاف کچھ تحریریں موصول ہوئیں اُن کو دیکھ کر مسئلہ پر پھر از سر نو نظر کی اور مزید فقہی تحقیق کے ساتھ محرم ۱۳۸۲ھ میں یہ رسالہ پھر شائع ہوا۔ جس میں مسئلہ کی پوری تاریخ بھی ہے اور اپنے علم و بصیرت کی حد تک تحقیق بھی جن حضرات کو تحقیق مطلوب ہو اُس رسالہ کو دیکھ لیں۔ اس رسالہ کے آخر میں ایک بات لکھی ہے اُس کا یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ لکھا گیا اپنی ماتام معلومات اور ناقص رائے سے لکھا گیا ہے اگر دوسرے اکابر تصدیق نہ فرماتے تو اشاعت کی ہمت بھی نہ ہوتی مگر یہ بندہ عاجز بقدر طاقت اپنی کوشش خرچ کر کے تھک چکا جن حضرات کو اس سے اطمینان نہ ہو وہ دوسرے علماء سے رجوع فرمادیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلیل ÷

بندۃ حق شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی ۵ ۵ ۱۳۸۲ھ